



صدر العلماء عمدة المحققين علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی  
ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ کی علمی و تحقیقی نگارشات کا فائز قد مجموۂ بنا

# سَقَالَاتِ رِصْبَاهِ

مَرْتَب

محمد توفیق الرحمن برکاتی رِصْبَاهِ  
استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور



ناشر الملجع الاسلامی مبارک پور اعظم گڑھ یوپی

صدر العلماء، عمدۃ المحققین علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی  
بائتم تصنیفات جامعہ اشرفیہ کی علمی اور تحقیقی نگارشات کا قابل قدر مجموعہ نام

# مَقَالَاتِ مُصْبَاحِی

مرتب

محمد رفیع الرحمن برکاتی مہلبائی  
استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور

ناشر

المجمع الاسلامی مبارک پور اعظم گڑھ یو پی

## انتساب

مرکز علم و فن دارالعلوم اہل سنت مدرسہ  
اشرفیہ مصباح العلوم، مبارک پور  
کے نام

## تفصیلات

سلسلہ اشاعت ۱۸۳

## مقالات مصباحی

### MAQALAT-E-Misbahi

#### Writer:

Allama

Mohammad Ahmad Misbahi

#### Compiled by:

Taufiq Ahsan Barkati

Pages: (816)

Year Publication: 2022

#### Composing:

Mohammad Zahid Akhtar

#### Price:

#### Publisher:

Al-Majmaul Islami

Millat Nagar Mubarakpur

Azamgarh

حق

علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی

رجیب و تقدیم

محمد توفیق احسن برکاتی مصباحی

صفحات: (۸۱۶)

سہ اشاعت: ۱۴۴۳ھ / ۲۰۲۲ء

کمپوزنگ

محمد زاہد اختر مصباحی، مبارک پور

قیمت:

پٹر

المجمع الاسلامی

ملت نگر مبارک پور، اعظم گڑھ

#### Contact:

Phone: +917007576367

Email: almajmaulislami123321@gmail.com

## فہرست مضامین

## ابتدائیہ

- (۱) تقدیم ۱۱  
(۲) علامہ محمد احمد مصباحی احوال و آثار ۲۰

## باب اول: علمی و تحقیقی مضامین

- (۱) مصطفیٰ جان رحمت رضی اللہ عنہ کا درس کسب و تجارت ۳۹  
(۲) توحید - تصوف اور اہل تصوف ۶۰  
(۳) تصوف - روح اسلام ۷۴  
(۴) وحدۃ الوجود و مشائخِ پشت کا منظور نگاہِ نظریہ ۹۲  
(۵) نورِ نقشبت کی جہاں تالی ۱۰۲  
(۶) امام احمد رضا ربطی کے الٹائی ایک خصوصیت ۱۱۲  
(۷) مفتی اعظم کے ایک فتویٰ کا کھائی مطالعہ ۱۲۱  
(۸) شارح بخاری کی حالات علمی سے میری روشناسی ۳۳۳  
(۹) حافظ ملت و پختہ کے علمی افادات ۱۳۷  
(۱۰) حضرت آسی کی شاعری کا اعتقادی رنگ ۱۶۵  
(۱۱) مبلغ اسلام اور کتاب التصوف ۱۷۹  
(۱۲) سیدنا غوث اعظم (قدس سرہ) سے اردو ترجمہ ۲۰۳

## باب دوم: فکری و اصلاحی مضامین

- (۱) اہل سنت کی تصنیف خدمات ۲۱۵  
(۲) اہل سنت کی شہزادہ بھٹی - مسائل اور امکانات ۲۲۱  
(۳) طلحہ کا کھران ۲۲۵  
(۴) جامعہ اشرفیہ مہارک پور میں مجلس برکات کا قیام ۲۳۷  
(۵) چار روزہ فقہی سیمینار کی ایک جھلک ۲۴۱  
(۶) مجلس شرعی کا تیسرا فقہی سیمینار ۲۴۸  
(۷) مجلس شرعی اور مسائل جدیدہ ۲۵۱

- (۸) کاش مسلمان اپنی قوت سے آشنا ہوں؟ ۲۵۵  
(۹) مسلمان اور مستقبل - خدائے اور امکانات ۲۵۸  
(۱۰) مدارس اسلامیہ کا تعلیمی معیار ۲۶۱  
(۱۱) اسلامی مدارس کی اہمیت ۲۷۳  
(۱۲) موجودہ درس نظامی اور جدید نصاب سازی ۲۷۵  
(۱۳) ذمہ داران مدارس کے لیے کونکرانہ ۲۷۸  
(۱۴) تنظیم المدارس اور نصاب تعلیم ۲۸۳  
(۱۵) دینی تعلیم نصاب: ضرورت و اہمیت ۲۸۷  
(۱۶) طالبان علوم نبویہ سے چند باتیں ۲۹۳  
(۱۷) اصلاح معاشرہ کا اسلامی تصور ۳۰۰

## باب سوم: سوانحی مضامین

- (۱) صاحبِ ہدایت ۳۰۷  
(۲) شیخ عز الدین بن عبدالسلام ۳۱۷  
(۳) علامہ فضل حق خیر آبادی عظیم علمی یا زبردست اسلامی تنظیم؟ ۳۲۱  
(۴) سیدنا شاہ ابوالحسن احمد نوری ۳۲۸  
(۵) صدر العلماء مولانا سید نظام جیلانی میرٹھی ۳۳۶  
(۶) مفتی احمد یار خاں نسیمی ۳۵۲  
(۷) مولانا عبدالرؤف بلیاوی اور سنی دارالاشاعت ۳۶۱  
(۸) حافظ ملت ایک جہان کمالات و محاسن ۳۷۶  
(۹) حافظ ملت تعلیمی ماحول میں ۳۹۱  
(۱۰) مفتی اعظم ہند عوام و خواص کا مرکزِ وحدت ۴۰۲

## باب چہارم: تاثراتی مضامین

- (۱) صدر اشرفیہ رضی اللہ عنہ کا علمی مقام ۴۰۹  
(۲) مولانا فضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی ۴۱۱  
(۳) مولانا ہنس الدین احمد جعفری ۴۱۳



- (۳) مولانا قاری محمد عثمان اعظمی  
(۵) احسن العلماء مولانا سید مصطفیٰ حیدر حسن  
(۶) شارح بخاری ایک نکل دستہ محاسن  
(۷) صدر العلماء مولانا تقیہ رضا بریلوی  
(۸) بحر العلوم: بحر محاسن ومفاتیح  
(۹) مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی  
(۱۰) اکبر المشائخ مولانا محمد اکبر چشتی  
(۱۱) مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری  
(۱۲) مفتی آفاق احمد مجددی  
(۱۳) مفتی حبیب یار خان  
(۱۴) مفتی فکیر حسن قادری  
(۱۵) مفتی حبیب اشرف رضوی  
(۱۶) مفتی شبیر حسن رضوی  
(۱۷) ڈاکٹر سید محمد اثنین میاں برکاتی  
(۱۸) مولانا قمر الزماں اعظمی  
(۱۹) ڈاکٹر محمد عامر اعظمی

### باب پنجم: تبصرہ اور مکالمہ

- (۱) تذکرہ محدث اہم پاکستان  
(۲) طلبہ اشرفیہ کے سوالات کے جوابات  
(۳) مسئلہ اجتہاد و تقلید پر تحریری مکالمہ

### باب ششم: مقدمے اور تقاریر

- (۱) مواظفہ عید (امام احمد رضا قادری)  
(۲) امام احمد رضا اور روایات و منکرات (مولانا نعیم اختر مصباحی)  
(۳) فاضل بریلوی علیہ تجار کی نظر میں (پروفیسر مسعود احمد نقشبندی)  
(۴) رسوم شادی (امام احمد رضا قادری)

- (۵) برامت علی از شرک جاہلی  
(۶) اسلامی اخلاق و آداب  
(۷) فلسفہ اور اسلام  
(۸) گیارہویں شریف  
(۹) قصیدتائے راجستان (عربی)  
(۱۰) اسلام اور امن عالم  
(۱۱) مولانا ارشاد حسین مام پوری  
(۱۲) چاند و منزل  
(۱۳) انوار مفتی اعظم  
(۱۴) بزم اولیا  
(۱۵) مولانا محمد شفیع اعظمی  
(۱۶) سنت کی آئینہ حیثیت  
(۱۷) تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ  
(۱۸) الکشف شافیا حکم فونو جبر الہیا  
(۱۹) شارح بخاری  
(۲۰) رہ نمائے نظامت  
(۲۱) یا آیہا الذلین آمنوا  
(۲۲) اصول حدیث  
(۲۳) بر صغیر میں اثنی عشری جن المسلمین .....  
(۲۴) باد نامہ اشرقیہ سید بن نمبر  
(۲۵) انصوارم الہندیہ  
(۲۶) حیات حافظ طرٹ  
(۲۷) اشرف الاولیاء حیات و خدمات  
(۲۸) انوار ساطعہ  
(۲۹) ردودادار العلوم فیضان سیدنا  
(۳۰) قواعد انجو  
(۳۱) قواعد المعرف، حصہ اول  
(امام احمد رضا قادری)  
(مفتی سید علی اعظمی)  
(امام احمد رضا قادری)  
(مولانا سلامت اللہ مام پوری)  
(امام احمد رضا قادری)  
(مولانا بدر القادری مصباحی)  
(مفتی سید شاہد علی رضوی)  
(مولانا بدر القادری مصباحی)  
(علامہ محمد احمد مصباحی)  
(مولانا بدر القادری مصباحی)  
(مولانا فکیر احمد قریشی)  
(مولانا بدر القادری مصباحی)  
(مولانا محمد شہاب الدین رضوی)  
(امام احمد رضا قادری)  
(مولانا نعیم اختر مصباحی)  
(مولانا شبیر عالم مصباحی)  
(مولانا سید سعادت علی قادری)  
(مولانا نفیس احمد مصباحی)  
(مولانا مبارک حسین مصباحی)  
(مولانا مبارک حسین مصباحی)  
(مولانا شہرت علی کھٹنوی)  
(مولانا بدر القادری مصباحی)  
(مفتی محمد کمال الدین اشرفی)  
(مولانا عبدالحق مام پوری)  
(اورنگ آباد بہار)  
(مولانا ساجد علی مصباحی)  
(مولانا نظام الدین قادری)

(مولانا اختر حسین فیضی مصباحی)

(مفتی محمد شریف الحق اہدی)

(مولانا سید شاہ احمد علی پٹاوی)

(مجلد یادگار اپنی، کشی نگر)

(مولانا جلالہ خیر مصباحی)

(امام احمد رضا قادری)

(مولانا انور نقوی مصباحی)

(مولانا شبیر عالم مصباحی)

(مفتی ارشد حسین مجددی)

(مولانا یحییٰ اختر مصباحی)

(امام احمد رضا قادری)

(مولانا محمد صدق قادری)

(مولانا نفیس احمد مصباحی)

(مولانا محمد یوسف رضا قادری)

(مولانا نفیس احمد مصباحی)

(امام احمد رضا قادری)

(مولانا کمال احمد طبعی)

(مولانا عبدالکیم شرف قادری)

(مولانا محمد رضا قادری)

(ڈاکٹر احمد رضا امجد)

(مولانا سلمان رضا فریدی)

(مولانا نفیس احمد مصباحی)

(مولانا محمد کبیل مصباحی بریلوی)

(علامہ محمد احمد مصباحی)

(مجلد یادگار اپنی، کشی نگر)

(مولانا فرخ احمد مصباحی)

(.....)

(۳۲) قواعد الادب

(۳۳) فتاویٰ شریعت بخاری، جلد اول

(۳۴) نصر المقلدین

(۳۵) انوار الہام عظیم ابو حنیفہ

(۳۶) پایل میں نقوش محمدی

(۳۷) مخالفین عقیدہ کا ایک جائزہ

(۳۸) مختصر سیرت ابن ہشام

(۳۹) بخاری شریف کے ایمان افروز واقعات

(۴۰) اقتصاد الحق

(۴۱) المدح النبوی مع تشریح و ترجمہ

(۴۲) حاشیہ تقریب التہذیب

(۴۳) اصول جرح و تعدیل

(۴۴) مصباح الانشاء، حصہ اول

(۴۵) بات، ادبی کتاب تھماری

(۴۶) مصباح الانشاء، حصہ دوم

(۴۷) فتاویٰ رضویہ، ۲۲ جلدیں

(۴۸) حیات شریف العلماء

(۴۹) عقائد نظریات

(۵۰) نبیال میں اسلام کی تاریخ

(۵۱) رضا یک رویہ، پندرہ جلد اسلام نمبر

(۵۲) عقائد نسلی، منظوم

(۵۳) مصباح الانشاء، حصہ سوم

(۵۴) الکتاب المشہورون فی روہیلکنڈ

(۵۵) فتاویٰ رضویہ، جہان علوم و معارف

(۵۶) انوار الہام احمد رضا

(۵۷) جب خواب کو ابھارے

(۵۸) رحمت عالم

(۵۹) الفیض النبوی (الشیخ نفیس احمد مصباحی)

(۶۰) امدادیت صحیحین سے غیر مقلدین کا اعتراف (مفتی محمد نظام الدین رضوی)

**باب ہفتم: فقہی مقالات کے خلاصے**

(۱) اکلہل آمیزہ دواؤں کا استعمال

(۲) جان و مال کا بیمہ اور ان کی شرعی حیثیت

(۳) مشترکہ سرمایہ کشی

**باب ہفتم: مکتوبات**

(۱) بنام شیخ عمر عبداللہ کامل

(۲) بنام مدیر دارالکتب المطبعیہ

(۳) بنام ڈاکٹر سعد محمود

(۴) بنام سفیر جمہوریہ مصر

(۵) بنام علامہ عرب

(۶) بنام مولانا عبدالکیم شرف قادری

(۷) بنام حکیم محمد موئی امرتسری

(۸) بنام پروفیسر مسعود احمد نقشبندی

(۹) بنام مولانا پیر القادری مصباحی

(۱۰) بنام شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری

(۱۱) بنام مفتی عبید الرحمن رشیدی

(۱۲) بنام محمد دمان گرامی، ماہرہ مطہرہ

(۱۳) بنام مولانا منشا تابش قصوری

(۱۴) بنام مولانا یحییٰ اختر مصباحی

(۱۵) بنام علامہ قمر الزماں عظیمی

(۱۶) بنام فرزند ان مولانا حسین الہدیٰ نورانی

(۱۷) بنام فرزند ان مولانا سید مظہر ربانی

(۱۸) بنام مولانا حافظ احمد القادری

۷۱۳

۷۱۴

۷۱۳

۷۱۲

۷۱۱

۷۵۹

۷۶۰

۷۶۰

۷۶۱

۷۶۱

۷۶۳

۷۷۳

۷۷۳

۷۷۵

۷۷۸

۷۷۸

۷۸۲

۷۸۳

۷۸۵

۷۸۶

۷۸۶

۷۸۷

۷۸۸

(۱۹) بنام مولانا نور علی

(۲۰) بنام مولانا حیدر علی نعیمی

(۲۱) بنام مولانا محمد اسحاق رضوی

(۲۲) بنام مولانا محمد یحییٰ رضوی

(۲۳) بنام مولانا محمد اقبال بکراتی

(۲۴) بنام الحاج محمد سعید نوری

(۲۵) بنام مولانا ابوالحسن واحد رضوی

(۲۶) بنام زمر داران جامد اشرفیہ

(۲۷) بنام مولانا فضل احمد چشتی

(۲۸) بنام مولانا محمد عالم گیر مصباحی

(۲۹) بنام مولانا سید اکرام الحق مصباحی

(۳۰) بنام مولانا زہرا احمد امجدی

(۳۱) بنام.....

(۳۲) بنام.....

(۳۳) شہر مہدی کے ایک پرجوش قلم کار کے نام



## تقدیم

بسم الله الرحمن الرحيم حامداً ومصلياً ومسلماً

ایک مومن کے لیے سب سے صحیح مسارع ایمان و یقین اور اصلاح و موعظت کے وہ خزانہ ہیں جو مردان حق آگاہ اور سالکان راہِ خدا کی زندگیوں اور ان کے مخلوقات و نگہداشت میں لٹے ہیں۔ ہر ذرگوں کی کتاب زندگی کے اوراق بیش قیمت تحریروں سے سجے ہوئے ہیں، جن کا مطالعہ کرنے والا ان گراں بہا جواہر پاروں کو چھتا اور انھیں حرز جاں بنا کر رکھتا ہے۔ اسی طرح علم و ادب کا شجر سایہ دار، اُن پاکمال اربابِ فن اور دارِ ثنائِ علوم کی محنتوں اور علمی و تحقیقی کوششوں کا نتیجہ ہے جن کے اعلیٰ ذہن اور روشن دماغی کا زمانہ قائل ہے۔ انھوں نے سفید کاغذی زمین پر قلم کی نوک سے علم و فن کے جو گل بوٹے کھائے ہیں ان کی تکھت کو زوال وادبار کا تلخ ٹھونٹ نہیں چینا پڑتا۔ ایمان و یقین پر کسی کی اجارہ داری ہے، نہ ہی علم و ادب کی کاشت کسی کا خاص حق۔

اللہ تعالیٰ کی عطا بھی بڑی حیرت انگیز ہوتی ہے۔ کوئی ایمان و یقین سے بے بہرہ رہتا ہے لیکن حیران کن حقیقتات اور علمی برتری کا نشان امتیاز بن جاتا ہے اور کسی کے پاس ایمان و سلامتی کی دولت ہے بہا موجود رہتی ہے لیکن وہ علم و ادب سے بھی دامن رہتا ہے۔ ہاں اگر کوئی ان دونوں کمال کا مجمع البحرین ہو جائے تو وہ مثال بن جاتا ہے۔ بلا مطالعہ استاد گرامی حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی ایمان و یقین کی جنگلی میں لہتا جواب نہیں رکھتے، یوں ہی علم و ادب، شعور و آگہی، فکر و تدبر اور اعلیٰ دماغی میں امتیازی شان کے مالک ہیں، اس حقیقت کے ثبوت کے لیے ان کے بلند پایہ اساتذہ اور درجنوں معاصرین کی رائیں شاہد بن سکتی ہیں۔ ان کی کتاب زندگی کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ سادہ سی زندگی میں دینی و علمی کاموں کی کس قدر رنگینیاں اور سلجھے ہوئے شفاف کردار میں علم و ادب کے کتنے لعل و جواہر موجود ہیں۔

یہ زندگی راہِ مستقیم پر گامزن ہے، یہ کردار کسی ”رجل غیب“ کا عکس جمیل ہے، یہ علمی جہان کس قدر تابناک ہے، علم و ادب کے اس آسمان کو پاکمال اور نابغہ روزگار اساطین علم و تحقیق نے چمکتے ستاروں سے سجایا ہے۔ یہ ہیرا بڑی محنتوں سے تراشا گیا ہے۔ جامد اشرفیہ، مبارک پور سے سند فضیلت پالینے کے بعد ایک دارالعلوم میں تعلیم و تدریس کی اجازت ملنے کے لیے استاذِ مکرم حافظ طرٹ علامہ عبدالعزیز محدث مراد آبادی علیہ الرحمہ کو مکتوب ارسال



کیا تو جو بلی خطا (محررہ: ۱۳۸۹ھ) میں استاد جلیل نے فرمایا:

"محبت نامہ ملا، آپ کی سعادت مند زندگی اور مخلصانہ و عبادتہ روش اس منزل پہنچے کہ میرے حاشیہ نگین میں بھی غلطی اور ناراضی کا کوئی گوشہ اور شوشہ نہیں، میں آپ کا مخلص دعا گو ہوں۔ مولائے کریم ہمیشہ بہ صحت و سلامتی شاد و آباد رہے، دین ستین کی نمایاں و ممتاز خدمات انجام دلائے، آمین۔ آپ کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ ابھی آپ اشرفیہ کچھ وقت اور دس تو آپ اور زیادہ قیمتی ہو جائیں گے۔"

اس مکتوب کا ہر جملہ ایک مشفق استاد کا اپنے شاگرد کے لیے کامل اعتماد اور وثوق کی گواہی دیتا ہے، بطور خاص آخری جملہ ایک بیش قیمت گوارہ زیادہ قیمتی بن جانے کا اشارہ ہے۔ استاد گرامی کا یہ اعتماد کج تک کرامت بن کر موجود ہے۔

ان کی لسانی مہارت انتہائی حیرت انگیز ہے۔ بلکہ ان کا تحقیقی اسلوب و آہنگ اردو کے عناصر اربعہ کو چھیڑ دینا ہے۔ عربی، فارسی، تحریروں میں جو لطافت و درجہ نگینی پائی جاتی ہے وہ اہل عرب و فارس کو تحیر کر دینے والی ہے۔ ان کی اور کجیل عربی و فارسی نگارشات و تراجم دیکھے جائیں تو یہ ظاہری مبالغہ حقیقت سے کافی قریب محسوس ہو گا۔ عربی، فارسی اور اردو زبانوں کے اصول و مبادی سے متعلق ہندو پاک کے علماء و اساتذہ و ادب ان سے مشاورت کرتے ہیں۔ انھوں نے ایک زمانے تک عربی ادب کی تدریس و تعلیم دی ہے، اور تصنیف و تحقیق کا طویل تجربہ بھی انھیں حاصل ہے۔ ڈاکٹر ارشاد احمد ساحل سہرائی اپنی تاریخی کتاب "عرفان عرب" میں لکھتے ہیں:

"[علامہ] احمد مصباحی: جامد اشرفیہ کے شیخ الادب و التفسیر تھے، اب شیخ الجامدہ ہیں، سینکڑوں مقالات اور درجنوں گرامر قدر تصانیف رکھتے ہیں۔ طلبہ میں ادبی اور تحقیقی ذوق بیدار کرنا آپ کا خاص وصف ہے۔ ناچیز کو فکر و قلم کا جو بھی شعور حاصل ہوا، وہ حضرت استاد کی فکری تربیت کا فیض ہے۔ عربی ادبیات کا گہرا شعور رکھتے ہیں۔ عربی نثر کی سشت اور بے ساختہ لکھتے ہیں کہ عرب نژاد ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ تفسیر، حدیث، اساء الرجال، اصول، فقہ، ادب، تاریخ میں مرتبہ اختصاص پر فائز ہیں۔ چلتے پھرتے تاریخی مادے برآمد کر لینا آپ کے لیے عام بات ہے۔ آپ کی ذات گرامی مقتضات روزگار سے ہے۔"

"قرائیات" سے ان کی حد درجہ آگاہی کی شہادت "تدوین قرآن" اور "رسم قرآنی اور اصول کتابت" کے مطالعے سے مل جاتی ہے۔ "تدوین قرآن" میں جہاں ابتدائے نزول سے لے کر انتہائے تدوین تک کی پوری کیفیت کا ذکر اور تاریخ تدوین کا تفصیلی بیان موجود ہے، وہیں مخالفین اسلام کے الزامات کا مکمل تنقید کی کے ساتھ

(۱) علامہ اشرفیہ، مبارک پور، حفاظت قبر، جون پور، ۱۹۸۷ء، ص ۹۰۔

(۲) عرفان عرب، سلطان خیر شاہ سودی پبلی کیشنز، سہرا، ۲۰۰۴ء، ص ۵۵۳۔

علمی و تحقیقی جواب بھی دیا گیا ہے۔ کثیر تاریخی و علمی اقادات ان پر مستزاد ہیں۔

"تفسیر قرآن" ان کا طویل تدریسی تجربہ ہے، ایک لمبے عرصے سے ساحل جامد اشرفیہ میں بیضاوی اور مدارک کی تعلیم و تدریس کا فریضہ نبھا رہے ہیں۔ مولانا احمد قادری، امریکہ لکھتے ہیں: "ان کی درسی تقریریں حافظ ملت علیہ الرحمہ کی تقریروں کا نمونہ ہوتی ہیں۔ یعنی حسن ایجاز اور کمال تفہیم کا بے مثال نمونہ کہ اگر انھیں قلم بند کیا جائے تو ایک مستقل مضمون کی شکل اختیار کر لیں اور حذف و اضافے کی ضرورت کم محسوس ہو۔ عربی زبان میں "تفسیر مدارک" کا حاشیہ تحریر فرمایا ہے جسے "مواہب الجلیل لئجلية مدارك التذليل" [۱۳۲۹ھ] کے تاریخی نام سے مجلس برکات، جامد اشرفیہ نے شائع کیا ہے۔

"علم حدیث و اصول حدیث" میں ان کی مہارت کاملہ کا اندازہ "تفسیر معجزات کاملی محاسب" پڑھ کر بہ خوبی لگایا جاسکتا ہے۔ ۱۹۸۰ء میں محمد آباد گوہر، مومنین علامہ یوسف بن اسماعیل بھائی کی کتاب "حنجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین" کے ریلے حصے کا اردو ترجمہ کیا تو اس پر ایک بسیط مقدمہ لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ۱۳۲۲ھ تا ۲۰۰۱ء میں وہ مقدمہ "تفسیر معجزات کاملی محاسب" کے نام سے کتابی شکل میں منظر عام پر آیا۔ یہ مقدمہ کیا ہے؟، سیرت النبی کے نام پر خاصائص مصطفوی اور معجزات نبوی کو منصفہ فیز اور فرضی بتانے والوں کے لیے تازیانہ عبرت ہے اور ان کے علمی رسوخ اور تاریخ دانی کا بھر م کھولتا ہے۔ اصول حدیث کے فرضی محمولوں کا سہارے کہ معجزات رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کی تنقیدوں کا شیش کل ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا ہے، جسے دیکھ کر ادبی دنیا کے شہرت یافتہ محققین کی علمی سلیمت کا یقین ہو جاتا ہے اور خاصائص مصطفوی سے ان کا بغض ظاہر ہو جاتا ہے۔ آپ نے ائمہ حدیث اور اصولیین کے مسلک باطلوں کی روشنی میں حقیقی آئندہ کا سہارے کہ جو چشم کشا حقائق پیش کیے ہیں ان کی قراد واقعی اہمیت مطالعہ کے بعد ہی ذہن میں محفوظ ہو سکتی ہے۔ اخیر میں آپ نے ان تنقیدوں کے اسباب بھی تلاش کر لیے ہیں جنھوں نے انھیں یہ سب کرنے پر مجبور کیا تھا۔

ان کی فقہی بصیرت کا بھی جواب نہیں۔ اس کا اندازہ مجلس شرعی جامد اشرفیہ کے فقہی سیمیناروں کے فیصلے دیکھ کر ہو جاتا ہے جو ایجاز و جامعیت کا اعلیٰ نمونہ ہیں اور ان کے فقہی کمال کا نمونہ بولتا ہے۔ اسی ضمن میں امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے حاشیہ شامی "جذہ الممتار" اول و دوم کی تدوین و تحقیق اور اس پر انتہائی جامع اور تحقیقی عربی مقدمے کو بھی قش کیا جاسکتا ہے۔ صرف اس حاشیہ کی نکل اور اصل مسودہ سے مقابلہ ہی کوئی معمولی کام نہ تھا، اس کی باضابطہ تدوین و تحقیق اور جلد ثانی میں شامی کی اس پوری بحث کا خلاصہ تحریر کر کے شامل کرنا جہاں امام احمد رضا قادری نے حاشیہ رقم فرمایا تھا۔ یہ بجائے خود ایک علمی و فقہی کام ہے اور یہ کام بغیر فقہی بصیرت کے کیا ہی نہیں



جاسکتا۔ صرف ایک شہادت پیش خدمت ہے، وہ بھی ایک ایسے عالم ربانی اور فقیہ عظیم کی جو مدح و ستائش میں کوئی اصول کا پابند تھا اور حق و داری حق دینے کا مزاج آشنا تھا۔ شاعر بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ عربی مقدمہ جدالستار کے اردو ترجمے کے ”ابتدائیہ“ میں رقم طراز ہیں:

”قدر نے انہیں ذہانت و فطانت اور قوت حفظ کے ساتھ مطالعے کا ذوق و شوق بہت زیادہ عطا فرمایا، حفظ اوقات میں اپنا ثانی نہیں رکھتے، کوئی لمحہ ضائع نہیں ہونے دیتے، ہر وقت مصروف۔ یہی وجہ ہے کہ جملہ علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ علم ادب میں اقران پر فائق ہیں۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے ہندوستان میں رضویات کا ان جیسا کوئی واقف کار نہیں۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ اجتہادی متون منع و منکر مزاج، قاعدت پند، زاہد صفت بزرگ ہیں۔ شریعت کے پابند، شبہات تک سے بچنے والے، تقویٰ شعار فرد، صاحب تصانیف دانش ور۔“

جدالستار جلد ثانی کی اشاعت پر ایک شمار فن اور بزرگ قلم کار مفتی عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۴۰۳ھ) نے ۱۴۰۳ھ/۲۷ اگست ۲۰۰۳ء کے ایک خط کے ذریعہ اپنے قلمی اثرات کا اس طرح اظہار کیا:

۹ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ

محترم اقام جناب علامہ محمد احمد مصباحی صاحب دامت برکاتہم

مزاج نگرامی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جدالستار کی صورت میں گراں قدر علمی تحفہ موصول ہوا۔ تحفہ الانوار معروضات کے باوجود آپ نے جس تعق، وقت نظر، لگن اور غلوس سے یہ خدمت سرانجام دی ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے، جو کام کئی لوگوں کو مرحلہ دار کئی سالوں میں کرنے تھے وہ اکیلے آپ نے کبلی اشاعت میں کھل کر دیے اور مختصر حاشیہ جدالستار کی آپ نے ایک مستقل اور مبسوط ایسی شرح تیار کر دی ہے جس میں تنویر، درختار، شامی کے ساتھ حلقہ مسائل پر اعلیٰ حضرت کی دیگر تحقیقات کے علاوہ آپ نے اقائد، توضیحات اور تفصیلات کو اس میں سودیا۔ جزا حکم اللہ تعالیٰ۔

تقدیم میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت پر قائم کردہ پندرہ عنوانات کی تقریب کے سلسلہ میں تعدد شواہد کا التزام پھر شواہد میں دقیق الظہم مسائل کا انتخاب آپ کی علمی مردانگی کی دلیل ہے۔ کہ سہل انگاری کی بجائے جرأت و بہادری سے مشکل میدان میں اتر کر مسائل کو دعوت مہارت دی گئی

(۱) امام احمد رضا کی فقہی سیرت، المجلد الاسلامی، مہارک پور، ۱۴۳۳ھ، ص ۹۸۰

ہے۔ سبحان الذی خصک وحباک لهذا العمل الشریف۔ کاش کہ آج اکابرین رجیم اللہی زندہ ہوتے تو آپ کی اس کاوش پر فخر فرماتے اور دعاؤں سے نوازتے۔ یہ ناچیز اور جملہ علمائے اہل سنت آپ کے اس احسان پر ممنون ہیں۔ اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت کے ساتھ مزید خدمات کی توفیق سے نوازے اور آپ کے علم و عمل اور غلوس میں برکت عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النہی الامی رحمۃ اللہ علیہ (۱)

تاریخ مل و فریق اور ان کے افکار وادہام سے کامل آشنا، یوں ہی علم کلام میں ان کی مہارت کا اندازہ ”حدوث الفتن وجہاد اعیان السنن“ سے لگایا جاسکتا ہے جو عربی زبان میں اپنے موضوع پر مصنف کا عظیم علمی و تاریخی شاہکار ہے۔ ہندوستان اور مصر و بیروت سے اس کی طباعت و اشاعت اس کی اہمیت کو نمایاں کرتی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ مولانا عبدالغفار اعظمی نے کیا ہے۔

فن منطوق ولفظ اور علم ہیئت سے بھی آپ کو ایسی خاصی واقفیت ہے۔ اگرچہ ان فنون میں حضرت کی کوئی مستقل تعریف نہیں ہے لیکن مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کے چھتیسویں فقہی سیمینار میں انھوں نے علم ہیئت و ستاس کی روشنی میں کرم عالم کی حقیقت بیان کی اور دنیا کے مختلف دائروں اور سورج کی گردش کا حال بیان فرمایا تھا، ساتھ ہی نظام شمسی و قمری، زمین کے شرقی و غربی بلاد، طویل المعروض بلاد و غیرہ پر جو چشم کشا حقائق بیان فرمائے تھے انھیں سن کر یہ یقین ملت ہو گیا کہ یہ فن بھی ان کی گرفت میں ہے۔

علم منطوق کی مشہور کتاب ”الندھب“ پر حضرت کے شاگرد مولانا محمد عاقل مصباحی نے عربی زبان میں شرح تحریر کی ہے جو مجلس برکات جامعہ اشرفیہ سے طبع ہو چکی ہے اور شامل درس نظامی ہے۔ جامعہ اشرفیہ میں دورانِ تدریس ”شرح تہذیب“ میں ایک مقام پر دائم الحروف کی نگاہ سے ایک مستقل بحث کی جنھیں گزری جو حضرت مصباحی صاحب کے قلم سے تھی، اسے پڑھ کر افسانہ ہوا کہ حضرت نے منطوق کو بھی سرسری نہیں پڑھا، بلکہ اس فن پر بھی انھیں دسترس حاصل ہے۔

علم تصوف و سلوک کو ان کا زندگی نامہ کہا جاسکتا ہے، حقیقت تصوف، تاریخ تصوف، تعلیمات تصوف اور احوال صوفیہ پر ان کے مستقل مضامین ہیں۔ ”امام احمد رضا اور تصوف“ ایک معرکہ الاراء تحقیقی کتاب ان کی فکر و میں شامل ہے، اس کے مطالعے سے یقین ہو جاتا ہے کہ حضرت کی فکر میں علمی تصوف اور ان کی زندگی میں عملی تصوف کا خزانہ موجود ہے۔ اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ ایک مومن کی زندگی اگر شریعت کا مزاج رکھتی ہو، اس کے احوال

(۱) الکتاب اشرف، صدرالشریف، نمبر ۳۴، ۱۳۴۱ھ، لاہور، نومبر ۱۹۹۵ء

و کردار میں شریعت جمہلی ہو تو اس سے بڑا صوفی کوئی نہیں، آپ اسے صوفی کہیں یا نہ کہیں۔ یہاں نہ بے شریعت طریقت موجود ہے، نہ بے علم زہد۔ اسے شریعت و طریقت کا مجموعہ کہیں۔

ان کا عرضی کمال دیکھا جائے تو ان پر بلند پایہ شاعر و عروضی داں ہونے کا گمان گزرتا ہے لیکن وہ عرض داں ہیں، شاعر نہیں۔ ہاں اشعر فنی کا ایسا ملکہ ہے جو محققین شعر و ادب کو انکشت و بد نہاں کر دے۔ اس سلسلے میں حضرت کی علمی و تحقیقی تصنیف ”امام احمد رضا اور تصوف“ کا مطالعہ کافی ہوگا، بطور خاص امام احمد رضا قادری کے اس کلام کے دو اشعار کی تشریح، جس کی روایف ”یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں“ ہے۔ ممکن، واجب، امکاں، خطا، برزخ، سرخدا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں وغیرہ پر ان کا ذکر جو صفحے کا شاعر شعر فنی کی پوری ایک کا نکتہ تشکیل دیتا ہے۔ اسی زمرے میں امام احمد رضا قادری کے قصیدہ ”اکسیر اعظم“ کا اردو ترجمہ بھی رکھا جاسکتا ہے۔ اس مجموعے میں شامل مضمون ”مولانا آسی غازی پوری کی شاعری کا اعتقاد رنگ“ اور ”امام احمد رضا کے اشعار ایک خصوصیت“ میں بھی یہ حقیقت جملہ نظر آتی ہے۔ علم عروض و قافیہ میں ان کی مہارت کا ثبوت ”معین العروض“ جیسی اہم کتاب ہے جو ایک زمانے سے درس نظامی کا حصہ ہے۔

ان کی ترجمہ نگاری بھی عجب شان و امتیاز رکھتی ہے۔ عربی و فارسی سے اردو ترجمہ دیکھیں تو ان پر اصل کا گمان گزرتا ہے، مثال میں فتاویٰ رضویہ، جلد اول (باب اتم تا آخر) کی فارسی و عربی عبارتوں کا شاندار ترجمہ پیش کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح امام احمد رضا قادری کے فارسی قصیدے ”اکسیر اعظم“ اور اس کی فارسی شرح ”میر عظیم“ کا اردو ترجمہ ایک شاہ کار کا درجہ رکھتا ہے۔ جدا ممتاز پر عربی مقدمے کا اردو ترجمہ بھی اسی امتیاز کو نمایاں کرتا ہے۔ یوں ہی اردو تحریر و فتاویٰ کا عربی ترجمہ بھی مستقل تحریر کو اجاگر ہے، اس کی بھی مثالیں جدا ممتاز جلد اول و دوم میں مل جائیں گی، بطور خاص جلد دوم میں امام احمد رضا قادری کے دو مستقل رسالے ”غباب الأنوار آن لا نکاح بمجرد الإقرار“ اور ”هبة النسافی تحقیق المصاحرة بالزنا“ کا عربی ترجمہ۔

ان تراجم میں سلاست و برستگی بھی ہے اور شان و اعجاز بھی، حسن ادب بھی ہے اور جمال بلاغت بھی، شکستگی بھی ہے اور معنویت بھی، بیان کی شوکت بھی ہے اور اسلوب و اظہار کی ندرت بھی۔ یہ تحریریں بالکل سپاٹ ہیں نہ دھند و لطفیانہ۔ ان میں دور از کار تعبیرات ہیں، نہ غیر متعلق چیزیں۔ بلکہ ایک ایسا لطیف رنگ و آہنگ کہ زبان کو بھی بھلا معلوم ہو اور دل کو بھی چھو جائے۔ یہاں جو کچھ ہے نتیجہ فیزیکی کی خوبی سے بالا ہے۔ ژولیدہ بیانی اور الجھاؤ تو بام کا بھی نہیں۔ ہاں! ان لوگوں کو یہ سب کچھ نظر آسکتا ہے جو اخبار کی اردو بھی نہیں سمجھ پاتے۔ اگر انھیں یہ خوبیاں نظر نہ آئیں تو وہ خود کو معذور سمجھیں۔

زبان و بیان اور تحقیق و تدقیق کی وہ تمام تر عظمتیں جو ایک عالم و محقق میں ہونی چاہیے وہ یہاں بدرجہ اتم

موجود ہیں۔ یہ کمالات ان کی علمی و تحقیقی تصانیف اور مضامین دونوں میں نظر آتے ہیں۔ ہر جگہ ایک علمی زبان ہے جو ادب و فن کے زور سے آراستہ ہے اور اسلوب کا وہی عقیدہ، سبک خرام اور حسین رنگ ہے جو ان کی نگارشات کو دوسروں کی تحریروں سے ممتاز کرتا ہے۔ یہ رنگ قارئین میں بھی تبدیل نہیں ہوتا۔ ایک صاحب اسلوب قلم کار و مصنف کی یہی شناخت ہوتی ہے اور اس کا کمال بھی مانی جاتی ہے۔ دوسری اہم بات جو ان کی تمام تحریروں کے بین السطور سے منکشف ہوتی ہے وہ ”ادب برائے زندگی“ ہے۔ یعنی ہر تحریر ایک خاص مقصد لے کر مندر شہود پر جلوہ گر ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خوشو و نامک سے پاک ہے۔

حضرت مصباحی صاحب قبلہ نے صرف اپنی علمی و تحقیقی جہان آباد نہیں کیا، بلکہ اپنے باذوق تلامذہ و ارباب قلم کی ایک ٹیم تیار کر دی ہے جو ہندو و ایران ہند میں موجود ہیں۔ انھیں متعدد واپس قائم بھی دیے ہیں تاکہ علمی و تصنیفی کار میں انھیں کسی قسم کی دشواری کا سامانہ نہ کرنا پڑے۔ اگر مثال میں صرف الجمع الاسلامی، مبارک پور اور مجلس برکات جامعہ اشرفیہ کا نام پیش کیا جائے اور ان دونوں علمی و طباعتی اداروں سے متعلق مصباحی صاحب کی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو دنیا کو حیرت ہوگی کہ کیا ایک شخص اتنا سب کچھ کر سکتا ہے؟

الجمع الاسلامی اور مجلس برکات کی تقریرات اکثر کتب و حواشی حضرت ہی کی نشان دہی، تحریک، تحقیق و نظر ثانی کے ساتھ طبع ہوئی ہیں۔ چند کتابیں اپنے احباب سے لکھوائی ہیں اور اکثر ان کے تلامذہ کی محنتوں کا ثمرہ ہیں۔ یہ کتابیں عربی، اردو، فارسی تینوں زبان میں ہیں۔ بلکہ طلبہ جامعہ اشرفیہ نے عربی و اردو کی جو قدیم و نایاب کتب در رسائل جدیدہ ترتیب و تحقیق کے ساتھ طبع کرائے ہیں ان سب میں حضرت کے مشوروں اور محنتوں کا رنگ شامل ہے۔

باب رضویات میں انھیں اقامت کی کار درجہ حاصل ہے۔ حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ کا قول ”گزرت ہندوستان میں رضویات کا ان جیسے کوئی واقف کار نہیں۔“ جدا ممتاز کی تحقیق و تدوین، امام احمد رضا کے کئی رسائل کی ترتیب و تحقیق و تفسیر و ترجمہ، ”امام احمد رضا اور تصوف“، ”امام احمد رضا کی فقہی بصیرت“ جیسی گراں قدر استادی کتابیں اور ”فتاویٰ رضویہ: جہان علوم و معارف“ تین جلدوں کی ترتیب و تقدیم ایک تاریخی کام ہے جسے آپ نے انجام دیا ہے۔

جامعہ اشرفیہ میں آپ خطبہ استاذ، پھر شیخ الجامعہ رہے، اب ناظم تعلیمات ہیں۔ اور خالصہ آج وہ اللہ تعالیٰ تفسیر مدارک و تفسیر بیضاوی کا درس بھی دیتے ہیں۔ اسی طرح مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کے سابق ناظم اور موجودہ صدر ہیں۔ فقہی سیمیناروں کے اکثر فیصلے حضرت ہی نے تحریر کیے ہیں۔

حضرت مصباحی صاحب دام ظلہ العالی کے علمی کمالات پر ہم نے انتہائی اجمال سے گفتگو کی ہے، ان شاء اللہ ان کا وسیع و متصل جائزہ ایک مستقل تحقیقی مقالے میں لیا جائے گا۔ انھوں نے اپنی تحریروں میں کئی اہم بنیادی

موضوعات کو مانا لیا گیا ہے۔ کچھ کا تذکرہ باقی کی سطور میں اجمالاً کرنا۔ بعض کا اندازہ اس مجموعہ مقالات میں شامل ابواب کی سرخیوں سے ہوجائے گا۔

”تحریر و قلم“ سے آپ کا رشتہ دور طالب علمی سے اب تک قائم ہے۔ ان کی ابتدائی تحریروں سے متعلق راتم الحروف کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ راتم کی دسترس میں نہیں۔ اس مجموعہ مقالات کا سب سے قدیم مضمون ”شیخ عزالدین بن عبدالسلام“ ہے جو نامہ اشرفیہ، فروری ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا تھا۔ ان کا ایک قدیم مضمون ”نام احمد رضا کے افکار ایک خصوصیت“ نامہ پاسبان الد آباد، جولائی ۱۹۷۹ء میں شامل تھا، لیکن تلاش بسیار کے باوجود وہ نہ مل سکا۔ [اب یہ مضمون محب گرامی مولانا محمد ابرار الاسلام ازہری استاد جامعہ اشرفیہ کی کوششوں اور مولانا جابر حسین مصباحی استاد جامع اشرف، کچھو کچھ اشرفیہ کی توجہ سے مختار اشرف لائبریری میں مل چکا ہے۔ ان حضرات کا بے حد شکریہ ہے۔] اخیر مختصر و طویل مضامین و مقالات، تبصرے اور مقدمے اس کتاب کی زینت ہیں۔

ان جواہر چاروں کی جمع آوری کا ایک دھندلا خیال اس وقت آیا جب امام احمد رضا قادری کا فادری قصیدہ اکبر اعظم اور اس کی فادری شرح کا اردو ترجمہ ”صاب مغظم“ کے نام سے رضا انڈیا، ممبئی نے دسمبر ۲۰۱۲ء میں شائع کیا تو راتم سطور نے اس کتاب پر ایک مختصر تعارفی ادارے پر لکھا۔ پھر مارچ ۲۰۱۹ء کے آخری عشرے میں یہ خیال ”عزم“ میں بدل گیا۔ سب سے پہلے کرم فرما حضرت مولانا اختر حسین فیضی، استاد جامعہ اشرفیہ کے سامنے یہ ارادہ ظاہر کیا، پھر حضرت مصباحی صاحب کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنا دعا بیان کیا، حضرت نے خوشی اجازت عطا فرمائی جس میں دعا کارنگ بھی شامل تھا کچھ مضامین پہلے سے راتم کی تحویل میں تھے، بقیہ کی تلاش کا کام شروع ہوا، جواہر سنت کی آواز [مار ہرہ مطہرہ]، نامہ اشرفیہ [مہارک پور]، استقامت [کان پور]، تجا زجدید [دہلی]، انکزالایمان [دہلی]، یادگار الیٰہی [کٹی گھر] وغیرہ جملات میں ملے، اسی طرح ان کتابوں کو تلاش کیا جن پر حضرت نے مقدمہ، تقریر یا تاثر تحریر فرمایا ہے۔ چند ایک تبصرے بھی ملے، انٹرویو بھی دستیاب ہوا۔ زیادہ تر کتابیں فیضی صاحب کی ذاتی لائبریری میں موجود تھیں، تلاش میں ان کی رہنمائی بھی شامل رہی، راتم ان کا بے حد شکر گزار ہے۔ الجمع الاسلامی کی لائبریری، جامعہ اشرفیہ کی امام احمد رضا لائبریری اور نامہ اشرفیہ کے آفس میں موجود قدیم رسائل سے بھی استفادہ کیا۔ مکتوبات تو بہت ہیں مگر سب کی دست یابی بہت دشوار ہے، چند مکتوبات جو تھوڑی کاوش سے مل گئے، وہ شائع کیے جا رہے ہیں، اگر زیادہ مقدمہ میں دست یابی ہوگئی تو الگ کتابی شکل میں اشاعت ہو سکتی ہے۔ تقریباً تمام تحریروں کا کاغذ بھی حاشیہ میں دیا گیا ہے۔ اس راہ میں جن مساندہ و احباب نے بھی کسی طرح کا تعاون پیش کیا ہے راتم ان سب کا شکر گزار ہے۔ بطور خاص محب گرامی ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی، دایہ گاہ کا، جن کا علمی تعاون مسلسل ملتا رہتا ہے۔ یہ نگہداشت آٹھ ابواب میں تقسیم کی گئی ہیں:

باب اول: بنی و تحقیق مضامین۔ باب دوم: فکری و اصلاحی مضامین۔  
باب سوم: سماجی مضامین۔ باب چہارم: تاثراتی مضامین۔  
باب پنجم: تبصرہ اور مقالہ۔ باب ششم: مقدمے اور تقاریر۔  
باب ہفتم: بعض مقالات کے خلاصے۔ باب ہشتم: مکتوبات۔

کتاب کی کمپوزنگ حافظ محمد زہرا اختر مصباحی، محلہ عزیز نگر مبارک پور نے کی ہے، راتم ان کا ممنون ہے۔ کچھ کمپوز شدہ تحریروں میں محب گرامی مفتی محمد ناصر حسین مصباحی نے عنایت کیں، ان کا بھی شکریہ۔ اصل سے مقابلے کا کام مساندہ اشرفیہ میں مولانا محمد رئیس اختر مصباحی، مولانا شہروز عالم مصباحی، مولانا اطہار الہی حسینی، مولانا محمد ذیشان یوسف مصباحی، مولانا محمد ذیشان مصباحی اور مولانا محمد آصف رضا برکاتی نے مشترکہ طور پر کیا ہے۔ ایک ہر دفع راتم نے پڑھا۔ آخری بار خود حضرت مصباحی صاحب قبلہ نے تمام نگہداشت دیکھیں اور بہت کچھ اصلاحات کیں۔ اس پیرائہ سالی میں یہ کرم فرمائی قابل صد ستائش اور لائق تقلید ہے۔ کثر اللہ انشاء اللہ۔ حضرت کی عنایتوں اور شفقتوں کا بیکند شکریہ۔ مزید اطمینان کے لیے محب گرامی مفتی محمد شاہد رضا مصباحی، مفتی حامد الدین مصباحی، مفتی شمیم اختر مصباحی، اور مولانا محمد جمال الدین مصباحی (مساندہ مرکزی دواقرات جسدید پور) نے اصل سے مقابلہ کیا۔ راتم کی گزارش پر محب گرامی مفتی محمد رئیس اختر مصباحی استاد جامعہ اشرفیہ نے ایک جامع سماجی مضمون لکھ کر عنایت کیا، ہم ان کے ممنون ہیں۔ اب علم و ادب، فکر و فن، زبان و بیان، تحقیق و تحقیق اور مفرد اسلوب نگارش کی یہ نگہداشت اہل ذوق کی فخر ہے۔ یہ جواہر بے یقیناً لائق ہیں کہ انہیں حرازہ بنایا جائے اور علم و ادب کے ساتھ یقین و عمل کی دلالت یقینی جائے۔ ترتیب و قدیم میں جو کیں مل چکی ہیں وہ راتم کی کم ہنگامی اور بے بصیرتی ہے۔ اور ان تحریروں میں جو کمال ہے وہ حضرت استاذ علیل پر اللہ و رسول کا فضل و احسان ہے۔ اللہ قبول فرمائے آمین۔

توفیق احسن برکاتی

[استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، ہفتم مگرہ، بولانی]

۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ مطابق ۵ جنوری ۲۰۲۰ء، یک شبہ







مصباح العلوم، مبارک پور میں داخلہ پایا اور تقریباً چار سال تک وہاں کی محکمہ فاضل رہ کر ماہر فن، اور پانچ سالہ اساتذہ کے خوان علم سے خوش چینی کی اور ۱۰ شعبان ۱۳۸۹ھ / ۲۳ اکتوبر ۱۹۶۹ء کی شب علما و مشائخ کے مبارک ہاتھوں دستہ فضیلت سے نوازے گئے۔

جہاں اشرفیہ مبارک پور سے دستہ فضیلت پالینے کے بعد تدریس کے لیے ایک جگہ آئی، اجازت ملی کے لیے استاد کرم حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مراد آبادی رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا تو جوابی خط (حررہ: ۱۳۸۹ھ) میں حضرت نے فرمایا: "محبت نامہ ملا، آپ کی سعادت مندانہ زندگی اور خلصانہ و عجمانہ روش اس منزل پر ہے کہ میرے حاشیہ خیال میں بھی لیلیٰ اور ناراضی کا کوئی گوشہ اور شوشہ نہیں، میں آپ کا قلع و دغا گو ہوں، مولائے کرم ہمیشہ بہ صحت و سلامتی شاد و آبدار رہے، دین حسین کی نمایاں اور ممتاز خدمات انجام دلائے، آمین۔ آپ کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ ابھی آپ اشرفیہ کو کچھ وقت اور دس نوآپ اور زیادہ جتنی ہو جائیں گے۔" (۱)

استاذ جمیل کے اشارے پر آپ نے تدریس کا ارادہ ترک کر دیا اور والد ماجد کی اجازت سے پھر شوال ۱۳۸۹ھ / دسمبر ۱۹۶۹ء سے ربیع الآخر ۱۳۹۰ھ / جون ۱۹۷۰ء تک دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم میں مزید تعلیم حاصل کی، اس طرح آپ حافظ ملت علیہ الرحمہ کے قول کے مطابق "اور زیادہ جتنی" اور نہایت جتنی بن گئے اور دنیا لے آج آپ کو حافظ ملت علیہ الرحمہ کی کرامت کی شکل میں دیکھ رہی ہے۔

### ازدواجی زندگی:

آپ کا عقد عہد عظیم، بمیرہ، محمد آباد میں جناب محمد عمر مرحوم کی صاحب زادی سے ہوا، جن کے بطن سے ایک لڑکے کی ولادت بھی ہوئی تاہم رضیہ راضیہ عرف غلام جیلانی رکھا گیا لیکن بچپن ہی میں اس کا انتقال ہو گیا، پھر کچھ تا سوائق حالات کے سبب ان سے علاحدگی ہو گئی۔ دوسرا عقد حضرت علامہ عبدالصقلیٰ عظمیٰ علیہ الرحمہ (م: ۱۳۰۶ھ) کی دختر نیک اخترف خاتون سے ہوا، لیکن قسمت نے یادری نہ کی اور وہ دماغ مفارقت دے گئیں۔

اس کے بعد حضرت مولانا محمد فاروق علیہ الرحمہ، حسین پور گھوڑی کی صاحب زادی قمر النساء مرحومہ سے عقد ہوا جن کے بطن سے تین لڑکے اور تین لڑکیاں پیدایاں گئیں جب کہ ایک بچہ فوت ہو چکا ہے۔

(۱) سالہ خاتون قاسمہ (۲) مولانا عرفان رضا مصباحی (۳) سیدہ خاتون (۴) مبارک حسین رضوی (۵) مولانا فیضان رضا امجد مصباحی (۶) ام و بختیہ قاسمہ۔ (۲)

(۱) علامہ اشرفیہ مبارک پور، حافظ ملت خیر، جن تا اگست ۱۹۷۸ء، ص ۳۰۰

(۲) ذکار طبع بمیرہ، ولید پور، مولانا ابوہریرہ رضوی، ص ۱۸۵-۱۸۶، پھر مصباحی جلی کیشن، محمد آباد، گوہنہ ۱۳۳۹ھ / ۲۰۱۸ء

### شیوخ و اساتذہ:

آپ نے جن ماہرین فن اور جلیل القدر اساتذہ سے مختلف مقامات اور الگ الگ اوقات میں استفادہ کیا اور اپنی علمی شخصیت بھجائی ان کے اساتذہ ہیں: (۱) مولانا محمد عمر خیر آبادی، (۲) مولانا محمد حنیف مصباحی مبارک پوری، (۳) مولانا محمد سلطان رضوی اوروی، (۴) مولانا غلام محمد مصباحی بمیرہ، (۵) حافظ و قاری ثار احمد مبارک پوری، (۶) کاما شہر احمد خان اوروی، (۷) کاما شہر محمد رفیق مبارک پوری۔

(ان حضرات سے آپ نے در سر اشرفیہ ضیاء العلوم، خیر آباد میں تعلیم حاصل کی)

(۸) حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز، محدث مراد آبادی (م: ۱۳۹۶ھ) (۹) حضرت علامہ عبدالرؤف مصباحی بلیاوی (م: ۱۳۹۱ھ) (۱۰) بحر العلوم حضرت مفتی عبداللہ انصاری (م: ۱۳۳۳ھ) (۱۱) مولانا مظفر حسن ظفر اویسی مبارک پوری (۱۲) حضرت علامہ محمد شفیع اعظمی مبارک پوری (م: ۱۳۱۱ھ) (۱۳) حضرت علامہ سید حامد اشرف مصباحی اشرفیہ بکھو پھولی (م: ۱۳۲۵ھ) (۱۴) حضرت علامہ قاری محمد نجی مبارک پوری، (م: ۱۳۲۶ھ) (۱۵) حضرت علامہ اسرار احمد مصباحی لمبوا دی نامتقد۔ (ان حضرات سے آپ نے دارالعلوم اشرفیہ میں اکتساب فیض کیا)

### استاذ:

سند تجویذ و قرأت، سند فضیلت درس نظامی، ۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء، دارالعلوم اہل سنت اشرفیہ مصباح العلوم، مبارک پور) مولوی ۱۹۶۶ء، عالم ۱۹۶۸ء، فاضل دیبانت ۱۹۷۵ء، فاضل ادب ۱۹۷۷ء، فاضل طب ۱۹۸۰ء، فنی ۱۹۸۱ء، فنی کامل ۱۹۸۳ء، (عربی و فارسی پورڈا، آباد، ہاتھریہ) (دیش)

### بیعت و خلافت:

حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی جب عمر کے کمال کو پہنچے تو جامع شرائط پیر کا انتخاب فرمایا اور ۳۶ صفر ۱۳۹۳ھ / یکم اپریل ۱۹۷۳ء بروز شنبہ رضوی دارالافتاء، محلہ سوداگران، بریلی شریف میں مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مصطفیٰ رضا قادری نورانی علیہ الرحمہ کے دست اقدس پر سلسلہ قادریہ برکاتیہ میں بیعت و ولایت سے سرفراز ہوئے، پھر ایک سال بعد ربیع الاول ۱۳۹۳ھ میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سے مبارک پور میں سلسلہ قادریہ، منوریہ، مہرپہ میں طالب ہوئے۔ اس سلسلہ مبارک میں حضور حافظ ملت سے حضور غوث اعظم حکیم صرف چار واسطے ہیں۔

مجاہد ملت علامہ شاہ حبیب الرحمن قادری ازبکوی ۱۳۹۵ھ میں فیض العلوم جمعیہ پور تشیف لائے اور ان اعلیٰ الخیرات شریف و جملہ دارالادب و خانقاہ کی سند اجازت سے نوازا۔

امین ملت سید شاہ محمد امین میاں برکاتی دام ظلہ سجادہ نشین عاتقہ برکاتیہ، بارہ شریف نے ۳۰ اکتوبر ۲۰۱۰ء عرس قاضی کے مبارک موقع پر آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ کی اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا اور آپ کی مقیم النان اور بے لوث خدمات و شیعہ کے اعتراف میں حکیم نامہ بھی پیش کیا۔

### تدریسی خدمات:

تحصیل علم کے بعد سے اب تک آپ نے مختلف مدارس میں بڑی ذمہ داری، محنت، لگن اور اخلاص و طبیعت کے ساتھ تدریس فرامیاد انجام دیے۔ جنہیں کتابوں کی مشکل ترین بحثیں طلبہ کے ذہن میں اتار دینا آپ کا نمایاں وصف ہے۔ آپ کی درسی تقریریں مختصر، جامع، بہت واضح اور شستہ ہوتی ہیں۔ جنہیں سمجھنا اور ذہن نشین رکھنا بہت آسان ہوتا ہے۔ اب ہم ذیل میں ان مدارس کے نام پیش کر رہے ہیں جہاں آپ نے تدریس کا فریضہ انجام دیا:

(۱) دارالعلوم فیضیہ نظامیہ، ہاراپٹ، ایشی پور، ضلع بھاگل پور۔ جمادی الاخرہ ۱۳۹۰ھ / اگست ۱۹۷۰ء سے شوال ۱۳۹۱ھ / نومبر ۱۹۷۱ء تک۔

(۲) مدرسہ فیض العلوم جشد پور، شوال ۱۳۹۱ھ / دسمبر ۱۹۷۱ء سے شوال ۱۳۹۶ھ / اکتوبر ۱۹۷۶ء تک۔

(۳) دارالعلوم ندوۃ حق جلال پور، فیض آباد۔ ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ / دسمبر ۱۹۷۶ء سے شوال ۱۳۹۸ھ / اکتوبر ۱۹۷۸ء تک۔

(۴) مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ، ضلع اعظم گڑھ (حال ضلع سنو) شوال ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء سے ۸ شوال ۱۴۰۶ھ / ۱۹ جون ۱۹۸۶ء تک۔

(۵) دارالعلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور، اعظم گڑھ۔ ۹ شوال ۱۴۰۶ھ / ۱۷ جون ۱۹۸۶ء سے ۲۴ سال۔

واضح رہے کہ ۳۰ جون ۲۰۱۳ء کو حکومتی مدت ملازمت ختم ہونے کے بعد سے آپ جامعہ اشرفیہ میں بلا معاوضہ اعزازی طور پر تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

### خلافت:

آپ کے خوان علم و فضل سے خوش چینی کرنے والے اہل علم کی تعداد ہزاروں میں ہے جن میں مسند خیرینان درس و تدریس، رئیسین تحریر و قلم، ماہرین تنظیم و ادارہ سازی، خطیبان اشراقی، معلمین قوم و ملت و مفتیان کثرت رس، صوفیان نقوی شہداء اور مختلف خوبیوں کے حامل افراد شامل ہیں جنہوں نے ہر میدان میں اپنی پیش بہا خدمات کا سکہ بٹھایا۔ ہم ذیل میں آپ کے چند ممتاز خلافتہ کے اساتذہ پیش کرتے ہیں:

حضرت مولانا عبدالحق رضوی، حضرت مفتی بدر عالم مصباحی، حضرت مولانا مسعود احمد برکاتی، حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی، حضرت مولانا نقیص احمد مصباحی، حضرت مولانا محمد صدور لوری قادری مصباحی، حضرت مولانا اختر کمال قادری، حضرت مفتی محمد نسیم مصباحی، حضرت مولانا محمد ناظم علی مصباحی، حضرت مفتی زاہد علی سلوی، حضرت مولانا اختر حسین فیضی، حضرت مولانا ساجد علی مصباحی، حضرت مولانا حبیب اختر مصباحی، حضرت مولانا دیگر عالم مصباحی، حضرت مولانا محمد عرفان عالم مصباحی، حضرت مفتی محمود علی مشاہدی، حضرت مولانا رفیع اللہ مصباحی، حضرت مولانا محمد ہادی مصباحی، حضرت مولانا محمد اشرف مصباحی، حضرت مفتی محمد ناصر حسین مصباحی، حضرت مولانا ارشاد احمد مصباحی، حضرت مفتی محمد توفیق احسن برکاتی مصباحی، حضرت مولانا محمد قاسم مصباحی اردوی، حضرت مولانا عبداللہ مصباحی اذہری، حضرت مولانا حبیب اللہ مصباحی اذہری، حضرت مولانا محمد قاسم مصباحی اذہری، حضرت مولانا محمد اعلم مصباحی، محمد رئیس اختر مصباحی (راقم الحروف) (ساتھ جامعہ اشرفیہ)

حضرت مولانا محمد نصر اللہ رضوی، حضرت مفتی ایاز احمد مصباحی مرحوم پٹنہ، حضرت مولانا عارف اللہ فیض مصباحی، استاذ مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ، مولانا عبدالغفار عظمیٰ مصباحی استاذ مدرسہ اشرفیہ فیض العلوم خیر آباد، حضرت مفتی احمد القادری، امریکہ، حضرت قاضی شہید عالم رضوی، استاذ جامعہ نوریہ، بریلی شریف، حضرت مفتی آل مصطفیٰ مصباحی، استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، سنو، حضرت مفتی شمشاد احمد مصباحی، استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، حضرت مولانا صغیر اختر مصباحی، استاذ جامعہ نوریہ، بریلی شریف، حضرت مولانا محمد عاقل مصباحی، صدر المدرسین جامعہ منتظر اسلام بریلی شریف، حضرت مولانا نظام الدین مصباحی، گجراتی، برطانیہ، حضرت مولانا محمد یونس مصباحی، گجراتی، برطانیہ، حضرت مفتی عالم گیر مصباحی، جامعہ اسحاقیہ جودہ پور، حضرت مولانا شمس الحق مصباحی، بیٹوئی افریقہ، حضرت مولانا قاضی فضل احمد مصباحی، بنارس، حضرت مفتی محمد جمیل اشرف مصباحی، جامعہ عربیہ اہلکبار العلوم، جہاںگیر گج، حضرت مفتی ارشاد احمد مصباحی، بہرائی، حضرت ڈاکٹر سجاد عالم مصباحی، کوکٹا، حضرت مولانا اکمل فضل مصباحی، بنارس ہندو یونیورسٹی، حضرت مفتی محمد صادق مصباحی، استاذ مدرسہ سعید العلوم، ممبئی پور، مہراج گج، حضرت مفتی محمد سلیم مصباحی، دارالعلوم منتظر اسلام، بریلی شریف، حضرت مفتی محمد عابد حسین مصباحی، قاضی بھار کٹھ، حضرت مولانا صلاح الدین مصباحی، جشد پور، حضرت مفتی انور نظامی مصباحی، نائب قاضی بھار کٹھ، حضرت مفتی محمد زبیر برکاتی مصباحی، ممبئی، حضرت مفتی بشر رضا اذہری مصباحی، ممبئی، حضرت مفتی فیض المصطفیٰ مصباحی، جشد پور، حضرت مفتی محمد کمال الدین اشرفی

مصباحی، رائے بریلی۔ حضرت مفتی نثار احمد مصباحی، سنت کبیر نگر۔ حضرت مفتی جہاںگیر مصباحی ازہری، ناگ پور  
مہاراشٹر۔ حضرت مولانا نور الحسن نسیمی مصباحی پیچڑوا، بگرام پور۔ حضرت مولانا محمد رضوان مصباحی بارہ بنگوی۔  
حضرت مفتی محمد ششاد مصباحی شہزاد پور۔ حضرت مفتی عابد رضا مصباحی پونہ۔ حضرت مفتی شاہد رضا مصباحی،  
مرکزی دارالافتاء، جمشید پور جھارکھنڈ۔ حضرت مولانا محمد حبیب مصباحی، استاد مدرسہ خفیہ ضیاء القرآن لکھنؤ۔  
حضرت مولانا فہیم مصباحی، استاد مدرسہ خفیہ ضیاء القرآن لکھنؤ۔ حضرت مولانا خالد ایوب مصباحی۔ حضرت مولانا  
سید اکرام الحق مصباحی صدر المدینہ دارالعلوم محمدیہ سبحانی کراچی۔ حضرت مولانا محمود احمد مصباحی مبارک پور۔  
حضرت مولانا سلطان احمد مصباحی بالینڈ۔ وغیرہ

### مقرر تہذیبی:

تدریس میدان میں بھی آپ نے اپنے استاذ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کو آئینل بنایا، حافظ ملت ہی کی طرح  
آپ کی درسی تقریر حسن ایجاز اور کمال تعلیم دونوں کی جامع ہوتی ہے، تجسیم کا انداز نہایت چمکا ہوا، سنجیدہ، درج عبارت  
اور شرح کو سنبھالے ہوئے ہوتا، بعض مقامات پر جہاں ضرورت ہوتی ہے خصوصی بسط و تفصیل سے کام لیتے ہیں، آپ کا  
الطاف ہو یا ایجاز، بہت جاندار اور باریک تحقیقات کا حامل ہوتا ہے۔ جس فن کی کتاب کا درس دیتے ہیں محسوس ہوتا  
ہے کہ آپ اسی فن کے ماہر ہیں، کتاب کا درس دینے سے پہلے عبارت خوانی ضرور کراتے ہیں اور ساتھ ہی حسن تلفظ  
اور ادائیگی خارج پر بھی خاص توجہ فرماتے ہیں۔

آپ ہمیشہ اپنے استاذ جلیل کی ان نصیحتوں پر عمل پیرا رہتے ہیں:

(۱) علم دین کی تعلیم خاصاً لوجہ اللہ ہوا جو اسے انعام سمجھنا چاہیے (۲) تدریس کے لیے مدرسہ اسباق کی  
پوری تیاری کرے اور طلبہ کو مطالب بخوبی دین نشین کرانے کی کوشش کرے (۳) طلبہ کے اندر علمی لیاقت اور دینی و  
عملی حرکت لانا مقصود ہو، نہ یہ کہ کسی طرح ایڑیٹی سے سبک دوٹی ہو (۴) طلبہ میں دینی، علمی، عملی لسانی و فنی صلاحیتیں  
پیدا کرنے کی تدابیر عمل میں لانا اور انھیں آئندہ میدان عمل کے قابل بنانا۔

### قلبی خدمات:

خداوند قدوس نے حضرت صدر العلماء دام ظلہ کو تعظیف و تالیف کا زبردست شعور اور ملکہ عطا فرمایا ہے،  
قرطاس و قلم کا شغف عبد طالب علمی ہی سے تھا، مختلف دینی و علمی موضوعات کو آپ نے عنوان قلم بنایا، جس موضوع  
پر لکھا اس کا حق ادا کر دیا، جس وادی کا رخ کیا اسے اپنے صحاب قلم سے سیراب کیا، آپ کی ہر تصنیف میں تحقیق و

تحقیق کا دیار جو بڑا ہے، آپ کے قلم حق رقم سے نکلی ہوئی روشنائی نے حکمت و معرفت اور صداقت و حقیقت کے  
گہاے رنگ رنگ کھائے۔ مختلف موضوعات پر آپ کی کتابیں علمی حلقوں میں مقبول اور صاحبان علم و فضل سے  
غیران تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

آپ صرف ایک بہترین مصنف اور قلم کار ہی نہیں بلکہ مصنف گرجی ہیں، اپنے شاگرد اور متعلقین کو لکھنے کا  
ہنر بھی سکھاتے ہیں، مجلس برکات اور الجمع الاسلامی سے شائع ہونے والی تقریرات نام اہم علمی و تحقیقی کتابوں پر نظر ثانی و  
اصلاح فرماتے ہیں جس کے باعث خود لکھنے کا موقع بہت کم ملتا ہے اور نظر ثانی اور اصلاح کا کوئی اعلان بھی نہیں ہوتا،  
ہاں خود مصنفین نے شکریہ ادا کرتے ہوئے اگر نام کا ذکر کر دیا تو معلوم ہو گیا اور حضرت کا یہ کام بلا امید تشکر و بے  
شوق نمائش برابر جاری ہے۔ کثرت مصروفیات کے باوجود مختلف انداز سے قلمی خدمات انجام دے رہے ہیں، آپ  
کی علمی خدمات کو درج ذیل حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) کتب و رسائل کی تصنیف: جیسے (۱) حدود الفتن و جہاد اعیان السنہ، (۲) مواہب الجلیل  
لنجلية مدارك المتنیل، (۳) تدریس قرآن، (۴) مبین العروض والقبول، (۵) امام احمد رضا اور تصوف،  
(۶) تنقید معجزات کاظمی صاحب، (۷) شادی اور نقاب زندگی، (۸) امام احمد رضا کی فقہی بصیرت جد البتار کے آئینہ  
میں، (۹) کرم قرآنی اور اصول کتابت، (۱۰) بیان واحد و جمع، (۱۱) کردہ نمائے علم و عمل، (۱۲) شرک کیا ہے؟،  
(۱۳) کلمے دل، (۱۴) خلفائے راشدین اور اسلامی نظام اخلاق، وغیرہ۔

(۲) کسی کتاب یا رسالے کا عربی یا فارسی سے اردو یا اردو سے عربی میں ترجمہ جیسے (۱) عیاب الأنوار ان لا  
نکاح بمجوز الإقرار (اردو سے عربی)، (۲) اہیۃ النساء فی تحف المصاحرة بالزنا (اردو سے  
عربی)، (۳) فتویٰ رضویہ جلد اول، سوم، چہارم، پنجم کی عربی و فارسی عبارات کا اردو ترجمہ۔ (۴) امام احمد رضا  
قادیانی کا فارسی قصیدہ کبیر اعظم اور اس کی فارسی شرح مختصر معظم کا اردو ترجمہ "تاب منظم" وغیرہ

(۳) کسی بڑے عالم کی کتاب کی تحقیق، تخریج، تخریص اور ترتیب جدید جیسے: (۱) جد المحتار علی رد المحتار،  
(۲) حاجز البحرین الوقی عن جمع الصلاہین، (۳) الكشف شالیا حکم فونو جرایا،  
(۴) و شاح الجلید فی تحلیل معانق العید، (۵) مقامع الجلید علی حد المنطق الجلید، (۶) تنزیہ  
المکانۃ الحلیہ عن وصمة عہد الجاہلیہ، (۷) قصیدتان رائعتان (رسائل امام احمد رضا)

(۴) معاصرین یا کارِ علم و مشائخ کی ہچاس سے نادر کتابوں پر مقدمہ و تقریب و تقریظ، جیسے: امام احمد رضا اور روایات  
مکرات۔ از مولانا یحییٰ اختر مصباحی دارالفتح دہلی۔ اسلام اور امن عالم، بزم اولیاء، سنت کی آئینہ حیثیت۔ از:

مولانا بدر القادری مصباحی، اسلامک اکیڈمی، ون بیگ، ہلینڈ، انڈونیشیا اور سلطان مولودو فاتحہ نظر ثانی و اضافہ در برائین قاطعہ۔ از: جمال ربانی حضرت مولانا عبدالستیع کے دل مبارک جاری (م: ۱۳۱۸ھ)، نصر المقلدین فی جواب "الظفر المبین" از: علامہ حافظ و قادری سید احمد علی بنیادی علیہ الرحمہ (م: ۱۳۳۵ھ/۱۹۲۶ء)، انصار الحق فی إکساد أباطیل معیار الحق۔ از: حضرت علامہ مفتی محمد رشاد حسین قادری مجددی رام پوری علیہ الرحمہ (م: ۱۳۳۱ھ)، الصوارم المنطیہ۔ از: مناظر اہل سنت علامہ حشمت علی خان قادری علیہ الرحمہ، حیات حافظ طہ۔ از: علامہ بدر القادری اسلامک اکیڈمی، ہلینڈ وغیرہ۔

(۵) مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مدک پور سے شائع ہونے والی تیس کتابوں کی اصلاح و نظر ثانی جیسے:

- (۱) نور الایضاح مع حاشیہ طہو المصباح، (۲) شرح نزہۃ النظر مع غبۃ الفکر، (۳) امداد الیلب لافہام التہذیب، (۴) منہاج العابدین، (۵) کسراجی، (۶) الخواشی الجلیۃ فی تائید مذهب الحنفیہ، (۷) میزان المعتری للنیوان المحتجب، (۸) مصباح الانشاء، (۹) اول، دوم، سوم، (۱۰) کافیۃ النحو، (۱۱) المدیح النبوی، (درد ترجمہ)، (۱۲) مکملات حریری (عربی حاشیہ و اردو ترجمہ)، (۱۳) قواعد الصرف، (اول، دوم)، (۱۴) قواعد الماد و انشاء، (۱۵) تولد و حسیب الہ، (۱۶) قواعد النحو، (۱۷) قواعد الصرف، (۱۸) حاشیہ مرقات، (۱۹) حاشیہ میزان و منتخب، (۲۰) حاشیہ المدیح النبوی۔

جامعہ اشرفیہ کے صدر المدرسین اور ناظم تعلیمات:

آپ ۱۹ شوال ۱۳۰۶ھ/۱۸ جون ۱۹۸۶ء میں جامعہ اشرفیہ ایک مدرس کی حیثیت سے تشریف لائے اور پڑی ذمہ داری کے ساتھ تدریس فرمائش انجام دیے۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ/۱ اگست ۲۰۰۱ء سے یکم رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ/۱۳ جون ۲۰۱۴ء تک بحیثیت صدر المدرسین خدمات انجام دیں۔

دور صدارت جامعہ اشرفیہ کا سنہری دور مانا جاتا ہے، اس دور میں آپ نے تعلیم اور نظام امتحان میں گراں قدر اصلاحات فرمائیں، تعلیم و تربیت میں بہتری کے لیے بہت سے مفید اور قابل تقلید اصول و ضوابط وضع فرمائے اور انیس مصلیٰ جمعیہ بنایا، علما اور ماہرین تعلیم کی ایک جماعت کے ساتھ ہر نصاب تعلیم پر نظر ثانی فرمائی اور ایک ایسا نصاب تعلیم مقرر فرمایا جو قدیم و جدید کا حسین سنگم ہے، جس کے نتیجے میں ہر صغیر میں ایک ماہر تعلیم کی حیثیت سے بھی آپ کی شہرت ہوئی۔

پھر جب حکومتی قانون کے لحاظ سے آپ کی مدت ملازمت ختم ہو گئی تو جامعہ اشرفیہ کے ارباب حل و عقد نے

آپ سے "جامعہ اشرفیہ" کے باجم تعلیمات کا منصب قبول کرنے کی گزارش کی جسے آپ نے قبول فرمایا اور اب بھی جامعہ کا تعلیمی معیار بلند کرنے اور نظم و نسق بہتر بنانے کے لیے ہمہ وقت سرگرم رہتے ہیں، اس کے علاوہ عمرانی طور پر کچھ کتابوں کا درس بھی دیتے ہیں۔

جامعہ اشرفیہ سے والہانہ لگاؤ:

اس میں کوئی شک نہیں کہ جامعہ اشرفیہ کی محنت میں آپ کی قابل افتخار شخصیت سے ہمارا تعلق گئے۔ اس کی تعلیمی ترقی میں آپ کی خلصانہ لڑ بے لوث کوششوں کا بڑا ہر دور ہے، جامعہ اشرفیہ سے آپ کو عشق و شہینگی اور جنون و دیوانگی کی حد تک لگا ہے۔ شب و روز اس کی ترقی اور اس کا تعلیمی معیار بہتر سے بہتر بنانے کے لیے فکر مند رہتے ہیں۔

تج و زیارت:

حضرت صدر العلماء و دار حرمین شریفین کی حاضری سے شرف ہوئے، ۱۹۹۶ء میں پہلا حج فرمایا پھر ۲۰۱۳ء میں دوبارہ حج و زیارت کے لیے گئے۔

سیاس نامے اور ایوارڈ:

گوٹا ناول، دینی، علمی اور ملی خدمات کے اعتراف میں مختلف اداروں نے آپ کو سپاس نامے اور ایوارڈ پیش کیے، ہرے علم کے مطابق ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) سپاس نامہ۔ مدرسہ عالیہ قادریہ مولوی محمد مایوں شریف، ۵ صفر ۱۴۰۹ھ/۱۸ جنوری ۱۹۸۸ء بزرگ شنبہ۔

(۲) سپاس نامہ۔ آستانہ عالیہ قادریہ بڑا کاتبہ، مطبوعہ، بموقع عرس قادی برکاتی ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۰ء۔

(۳) سپاس نامہ۔ جامعہ صمدیہ پچھوند شریف، بموقع تحریری و تقریری مسابقہ ۲۲/۲۳ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ/۵ نومبر ۲۰۱۵ء۔

(۴) قلمہ عالم ایوارڈ۔ بموقع جشن صد سالہ حضور حافظ محسناری، جامعہ صمدیہ پچھوند شریف، ضلع اوریا، ۲۴ فروری ۲۰۰۳ء۔

(۵) حافظ طہ ایوارڈ۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، بموقع عرس عزیز کی یکم جمادی الآخرہ ۱۴۳۹ھ/۱۸ فروری ۲۰۱۸ء شب و شنبہ۔

تحریر علمی:

آپ جملہ علوم و فنون میں دست گاہ رکھتے ہیں، درسی کتابوں کے علاوہ قرآن، تفسیر، علوم تفسیر، حدیث، اصول



حدیث، فقہ، اصول فقہ، معانی، بیان، ویدلی، خود صرف، تاریخ و سیرت، ادب و لغت، عروض و قوافی، منطق و فلسفہ، وغیرہ علوم و فنون کی بے شمار کتابوں کا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں، جن کو آپ کی ذات علوم اسلامیہ اور فنون دینیہ کی بحر ہے کہ اس سے، اسی لیے آپ کی شخصیت ہم عصر ملک کے درمیان ممتاز اور نمایاں ہے، مشکل اور پیچیدہ مسائل کے حل کے لیے طلباء و اساتذہ آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

ایک سعادت بزرگ ہندو نیست  
تا نہ بخشد خداے بخشنده

### علمی استعداد اور قوت حافظہ:

غالب کائنات نے آپ کو زبردست قوت حافظہ سے نوازا ہے، جو ایک مرتبہ بڑھ لیتے ہیں ذہن میں نقش ہو جاتا ہے۔ علم اپنا خضر ہے کہ جس موضوع پر بھی گفتگو ہوتی ہے اس پر اس طرح سے عبارتیں اور جزئیات پیش کرتے ہیں کہ گمان ہوتا ہے کہ سامنے کتاب کھلی ہوئی ہے اور اس سے بیان فرما رہے ہیں، آپ کو کثیر احادیث، فقہی جزئیات، اردو، عربی اور فارسی کے اشعار ازبر ہیں، یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ آپ کی محبت بابرکت سے فیض یاب ہونے والا ہر شخص اس کی گواہی دیتا ہے۔

### وقت کی پابندی:

حضرت صدر العلماء حفظہ اوقات میں اپنا عیانی نہیں رکھتے، ایک لمحہ بھی ضائع نہیں ہونے دیتے، آپ نے اپنے اوقات مختلف دینی، ملی، علمی، فنی، تحریری و تصنیفی کاموں کے لیے تقسیم کر رکھے ہیں، جن کی ہر موسم میں پابندی فرماتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے ہیں، تعطیل کے ایام بھی مطالعہ کتب، تحریری و تصنیفی امور میں صرف فرماتے ہیں۔ حضرت مولانا عارف اللہ فیضی مصباحی رقم طراز ہیں:

”حضرت والا اپنے زمانہ طالب علمی ہی سے وقت کی اہمیت اور اس کی قدر و قیمت سے پوری طرح واقف تھے، اسی لیے آپ نے لپٹائی زمانہ نہ صرف اپنی تصانیف کتابوں کے مطالعے اور ان کے مضامین کو ذہن نشین کرنے میں گزارا بلکہ نصاب سے باہر کی ان کتابوں کا بھی گہری نظر سے مطالعہ فرمایا جو مستقبل کی زندگی کو کامیاب بنانے میں مددگار ثابت ہوں۔“ (کوئٹہ: ص ۸۰، مصباحی جلی کشن، محمد اقبال، محو)

### عشق رسول:

حضرت صدر العلماء دام ظلہ سرور کائنات سے والہانہ محبت اور گہرا عشق رکھتے ہیں جن کے جلوے آپ کی

گفتگو، تحریر، نشست و برخاست اور اطاعت و فرماں برداری کی صورت میں جاہ جانتے آتے ہیں۔

### غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے والہانہ محبت:

یوں تو آپ تمام اکابر اہل سنت، مشائخ طریقت اور اولیائے راہبین سے عقیدت رکھتے ہیں اور ان کا دل سے احترام کرتے ہیں لیکن غوث اعظم، قلب ربانی حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کو والہانہ محبت اور گہری عقیدت ہے آپ کج معنوں میں عاشق غوث اعظم ہیں، آپ کی مجلسیں ان کے ذکر سے معمور رہتی ہیں، آپ کا ہاں خاندانہ سرکار غوثیت کی بابرکت یادوں سے آباد رہتا ہے، یہ غوث اعظم سے آپ کی عقیدت ہی ہے کہ ہر ملکی گیارہ تاریخ کو ان کے نام کی فاتحہ دلاتے ہیں۔

### تقویٰ و پرہیزگاری:

آپ کی پوری زندگی تقویٰ و پرہیزگاری، شریعت مصطفیٰ اور سنت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والہام کی پابندی سے آراستہ و جڑا رہا ہے، آپ قرآن و حدیث صرف پڑھتے ہی نہیں بلکہ کتاب و سنت کی شعائیں آپ کے کردار و عمل سے پھوٹی نظر آتی ہیں، سنن و مستحبات اور اوراد و وظائف کے پابند ہیں، آپ کا لٹنا بیٹھنا، چلنا پھرتا، ملنا جلنا سب شریعت مصطفویٰ کی روشنی میں ہوتا ہے، یقیناً آپ شریعت کی پابندی اور پرہیزگاری میں اپنے استاذ کرم حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ و اہل رضوان کے جلووں سے مستہیر ہیں۔

### تواضع و انکسار:

حضرت صدر العلماء تواضع و انکسار اور ملالت و دیانت کے پیکر ہیں، تواضع آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہے، طلبہ پر شفقت، چھوٹوں پر مہربانی اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں، معاصرین کی خوبیوں کا دل کھول کر تذکرہ کرتے ہیں، کبھی ان کی یا کسی کی بھی خبیث ستائش نہیں کرتے، نہ کسی کی بے جا تعریف کرتے ہیں اور نہ اپنی قرار واقعی تعریف ستائش کرتے ہیں۔

آپ کے زہد و تقویٰ اور بزرگی کی شہادت آپ کے ہم عصر اکابر علماء بھی دیتے ہیں، پیچیسویں فقہی سیمینار کے موقع پر رئیس انجمن حضرت علامہ یحییٰ انور مصباحی دام ظلہ نے آپ کے تعلق سے اکابر علماء کرام اور مفتیان عظام کی موجودگی میں فرمایا:

”حضرت مولانا محمد احمد مصباحی سے میرے بچپن کے دوستانہ اور برادرانہ تعلقات ہیں، جس کی مدت پچھن سال، یعنی نصف صدی سے زیادہ ہے، اس تعلق سے میں کہتا ہوں کہ اپنے کردار و عمل کے لحاظ سے آج آپ جتنے بزرگ نظر آتے ہیں، پچھن سال پہلے بھی یہ ایسے ہی

بزرگ تھے۔

## اوصاف و کمالات:

دنیا میں ایسے لوگ کم ہی نظر آتے ہیں جو سائنس کی رفتار اور صلے سے بے پروا ہو کر محض رضائے مولیٰ کی فخر سے خدمتِ دین متین کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کر دیں۔ اس مادہ پرستی کے دور میں شہرت و نام وری سے دور رہ کر اخلاص، دردمندی، بے نیازی، بے نفسی، بے ریاپی، بے لوثی، اخلاق و صروت، حسن اخلاق، علم و فضل، تقویٰ و پرہیز گاری، روحانیت، حیثیت الہی اور اصابتِ ماسے سے مرصع کوئی پیکر جمیل مل جائے تو یقیناً وہ انسانی ہستی میں خدا کی رحمت سے کم نہیں، استاد گرامی حضرت صدر العلماء دام ظلہ کی شخصیت بھی انھیں ہرگز چھوہ سکیں گی۔ آپ کی زندگی کا گھنٹاں بھر رنگ اور متنوع پھولوں سے مزین ہے۔ آپ صرف ایک تبحر عالم اور بلند پایہ مدرس ہی نہیں بلکہ آپ کی ذات میں ایک جہانِ کمالات و محاسن سمویا ہوا ہے۔

آپ کے برادر عزیز مولانا حافظ احمد القادری نے آپ کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”دورانِ تعلیم مجھے آپ کے اوصافِ حمیدہ اور خصائصِ جلیلہ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، خلوص و ایثار، جوہرِ کرم، امانت و دیانت، تقویٰ و پرہیز گاری، احساسِ ذمہ داری، خود اعتمادی و خود داری، عہد و پیمان میں پختگی، حفظِ اوقات، جماعت کی پابندی، اوراد و وظائف، اور سنن و فرائض پر استقامت، کاموں میں سرعت، تحریر میں فصاحت، زبان میں بلاغت، تقریر میں اختصار و جامعیت، علوم و فنون میں مہارت، مسائل میں ہر ایک نئی و کھنکھنی، معانی میں گہرائی و گیرائی، ظاہر و باطن میں یکسانیت، دین و داروں سے محبت، بے دینیوں سے نفرت، پرندہ بھوں سے اجتناب، بزرگوں کا احترام، اکابر کا ادب، اصغر پر شفقت، مقدمات کے فیصلے میں دور بینی، حسرت و شجاعت، حق گوئی و بے باکی، رعب و دہرہ، عالمانہ وقار، نظم و نسق میں کمال، انہماک و تبحر، علم کا کھلکا، بے لوث خدمات کا جذبہ اور اعمال و کردار کے اعلیٰ نمونے جو یہاں دیکھے، کم دیکھنے میں آئے۔“ (۱)

## قرآن سے محبت:

حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی قرآن کریم سے والہانہ محبت فرماتے ہیں، جس کے جلوے جگہ جگہ آپ کی زندگی میں نظر آتے ہیں، قرآن سے آپ کی شیفتگی کا عالم یہ ہے کہ کہیں بھی مصروفیت ہو، کیسا بھی انہماک ہو، پابندی کے ساتھ روزانہ تلاوت فرماتے ہیں اور اس سے متعلق علوم سے بھی گہری دل چسپی رکھتے ہیں، ایک زمانے سے طلب

(۱) حالاتِ صدر العلماء، فجرِ مطبوعہ، ص ۸۴

کو تفسیر مدارک اور تفسیر بیضاوی کا درس دے رہے ہیں، نیز مدارک التوفیق پر ”مواہب الجلیل لتجلیۃ مدارک التنزیل“ کے نام سے عربی زبان میں ایک شان دار، عالمانہ اور محققانہ حاشیہ بھی رقم فرمایا ہے جو مجلسِ برکات سے شائع ہو کر اہل علم سے داد و تحسین حاصل کر چکا ہے، مقدمین قرآن اور رسم قرآنی اور اصول کتابت جیسی کتابوں کی تصنیف بھی قرآن کریم سے آپ کی گہری وابستگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

## اربابِ علم و دانش کی نظر میں:

حضرت صدر العلماء، علم و ادب، شعور و آگہی، فکر و تدبیر اور اعلیٰ دہائی میں اپنی مثال آپ ہیں، اس حقیقت کا اندازہ اکابر اہل سنت و اہل باب دانش کے درج ذیل تاثرات سے ہوتا ہے۔

فتیہ اعظم ہند، شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

”قدرت نے انھیں ذہانت و فطانت اور قوتِ حفظ کے ساتھ مطالعے کا ذوق و شوق بہت زیادہ عطا فرمایا، حفظِ اوقات میں لپٹا جاتی نہیں رکھتے، کوئی لحد ضائع نہیں ہونے دیتے، ہر وقت مصروف، سبکی و جذبہ ہے کہ جملہ علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے ہیں، خصوصیت کے ساتھ علم ادب میں اتران پر فائز ہیں، جہاں تک میری معلومات ہے ہندوستان میں رضویات کا ان جیسا کوئی واقعہ کلمہ نہیں، ان سب پر مستزاد یہ کہ انتہائی متواضع، منکسر مزاج، وقامت پسند زاہد صفت بزرگ ہیں، شریعت کے بلند، سببہات تک سے بچنے والے، تقویٰ شعار فرد، صاحبِ تصانیف دانش ور... میں خود جن چند طے سے متاثر ہوں، ان میں آپ کی شخصیت نمایاں ہے۔“ (۱)

علامہ سردار احمد لائل پوری محدث اعظم پاکستان کے تلمیذ اور داماد حضرت مفتی عبدالقیوم ہزاروی علیہما الرحمہ کے تاثرات ص ۳۰۵ پر آچکے ہیں، انھیں وہیں ملاحظہ کریں۔

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد نقشبندی تحریر فرماتے ہیں:

”وہ (مولانا محمد امجد مصباحی) تحقیق بھی ہیں، مصنف بھی ہیں، مدرس بھی ہیں، مقرر بھی اور قلم کار بھی ان کی کئی کارشات منظرِ عام پر آچکی ہیں جن سے ان کے تبحر علمی، دینی و فقهی بصیرت اور دقتِ نظر کا اندازہ ہوتا ہے... راقم ان کے خلوص و ولئیت، عاجزی و انکساری سے متاثر ہے۔ یہ خوبیاں علمائے عظام کو ملی جاتی ہیں۔“ (۲)

(۱) تہذیبی نام احمد رضا کی تعلیمی بصیرت جد امجد کے آئینہ میں، ص ۸۸-۹۰، رضا دارالاشاعت، لاہور

(۲) تہذیبی نام احمد رضا کی تعلیمی بصیرت جد امجد کے آئینہ میں، ص ۲۳-۲۴، رضا دارالاشاعت، لاہور

حضرت مولانا بدرالغفار کی نکتے ہیں:

حضرت مولانا نادر اقبال دہلوی سے ہیں:

”علامہ محمد احمد مصباحی حضرت حافظ طے علیہ الرحمہ کی نگاہ کیا کا انتخاب اور امت مسلمہ کی پاکیزہ دعاؤں کا شرف ہیں۔“ (۱)

علامہ محمد صدیق ہزاروی پاکستان رقم طراز ہیں:

”آپ (علامہ محمد امجد عباسی) قدیم و جدید علوم کے ماہر، کئی علمی و تحقیقی کتب کے مصنف و مترجم ہیں، حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متفرد درساں اور فتاویٰ کو ترجمہ، تحقیق اور تفسیر کے بعد عام اردو و خوال حضرات کے لیے آسان بنا چکے ہیں۔“<sup>(۲۶)</sup>

سراج الفقہاء حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر المدینہ، جامعہ اشرفیہ مبارک پور فرماتے ہیں:

”آپ (علامہ محمد احمہ مبارک) کو اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ خوبوں سے نوازا ہے، درحقیقت ان کے فوہن خدا اولہ پر گہری نظر رکھتے ہیں، عربی زبان و ادب میں آپ اپنے اقراں میں ممتاز و منفرد ہیں، محقق، مصنف، مبرز، حاشیہ، موضح ہیں، مصروف زندگی میں بھی ادا و ادوار و وظائف کے پابند ہیں۔“ (۲۰)

حضرت مولانا عارف اللہ فیضی مصباحی لکھتے ہیں:

”خیر الاذکیاء، استاذی انکریم حضرت علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی علوم و فنون عقلیہ و نقلیہ میں کامل دست گار رکھنے کے ساتھ عربی، فارسی اور اردو زبانوں پر بھی مکمل دست رکھتے ہیں۔ عصری اسالیب میں عربی اور اردو میں آپ کی تصنیف کردہ کتب اور آپ کے تحریر کردہ مقالات و خطبات میرے اس دعوے پر شاہد عدل ہیں۔ قدیم فارسی زبان و ادب کے ساتھ جدید فارسی زبان و ادب میں بھی آپ کو جو زبردست عبور حاصل ہے اس کا اندازہ تین چار صفحات پر مشتمل آپ کے ایک پر مغز اور نہایت تین و سنجیدہ مضمون سے ہوا۔“<sup>(۳۷)</sup>

حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور تحریر فرماتے ہیں:

”محقق عصر خیر الاذکیاء حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ کی

شخصیت بہت نمایاں ہے، آپ علوم سرحد و فنون حد اولہ پر عمل و دسترس کے ساتھ عربی و اردو دونوں زبانوں پر کامل عبور رکھتے ہیں، اور اخلاص و فطرت و زہد و تقویٰ کا جگر ہیں..... بحالت عیاشی تو یہ ہے کہ انھیں کی حیثیت وہ نہائی ہے اس بے مایہ کو حکم بخیر نے کا شعور بخشا۔ (۱۶)

حضرت مولانا عبدالوہابی صاحبی استاذ جامعہ اشرفیہ رقم طراز ہیں:

”محمدؐ اہل حقین، حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ جہاں ایک  
تجربہ مند عالم کمال درس و صاحب طرز ادیب اور بلند پایہ محقق و فاضل ہیں، وہیں دینیت  
کے نئے لٹوف خادم اور اخلاص و ایثار کے سچے آئینہ در ہیں۔“ (غیر مطبوعہ)

حضرت مولانا سید الحق عام قادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

”ایک محمد احمد مصباحی اور دوسرے عبدالکیم شرف قادری ان دونوں حضرات کے قلم میں ملنے یہ خاص بات نوٹ کی کہ خالص درس گاہی ہونے کے باوجود یہ حضرات ایک گفتہ اور معیاری تشریف لے کر قدرت رکھتے ہیں۔“ (۴)

مفتی توفیق احسن برکاتی استاد جامعہ اشرفیہ لکھتے ہیں:

”استاذ گرامری عمرہ الحسنین، خیر الاولیاء کیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ بے پناہ ذاتی  
خوبیوں، علمی کمالات، دینی خدمات اور فنی کمالات کی وجہ سے اپنے معاصرین میں ممتاز  
ہیں۔ آپ بیک وقت ایک مشفق استاذ و مرئی، متوجہ عالم دین، بلند پایہ محقق، کامیاب مترجم و ماہر  
عربی اور صاحب طرز ادیب و مصنف ہیں، تحریر میں سلاست و فنکاری، طرز خاص کی مطابقت اور  
قوت استدلال و منطقی تجزیہ آپ کے امتیازات ہیں۔ آسان اسلوب کی حلاوت و ذہن و فکر میں اس  
طرح مکمل جاتی ہے کہ قاری دیر تک اس سے لذت اندوز ہوتا ہے اور نفس معانی کی کشش ایک  
زمانے تک اسے لہجہ سیرت سے رکھتی ہے۔“

## مباحث:

آپ کے تدریس، دور اندیشی، تعمیری علمی اور خلوص ولہیت کے باعث ہندوستان کے بہت سے اداوں کے ارباب

(۱) ماہنامہ سنی دعوت اسلامی، مئی، جون ۲۰۲۳ء

(۲) پیش لفظ، فتویٰ مطبوعہ، مترجم، مطبوعہ لاہور ۱۳۰۰ھ، ص ۸۵

(۳) مقدرہ جدید مساکین پر عطا کی جانے والی رقم، ج ۴۴ ص ۳۳۲، مجلس شرعی سڈک ہاؤس

(۴) نواسہ ط، م: ۸، مصباحی پبلی کیشن، محرم ۱۴۰۹ھ۔

حل و عقد آپ کو اپنے ادارے کا سرپرست، ناظم تعلیمات یا ڈائریکٹر وغیرہ بنایا ہے اور ادارے کے عروج و ارتقاء کے لیے آپ کے اشارات و ہدایات کو اپنے لیے قابل نیک سمجھتے ہیں اور آپ کی طرف ادارے کے انتساب کو کامیابی کی ضمانت تصور کرتے ہیں، ان میں سے کچھ اداروں کے نام اور عہدوں کی تفصیل پیش خدمت ہے:

- (۱) ناظم تعلیمات، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی
- (۲) صدر مجلس شرعی، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی
- (۳) ڈائریکٹر مجلس برکات، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی
- (۴) بانی رکن الجمع الاسلامی، مبارک پور، اعظم گڑھ
- (۵) صدر تنظیم المددوس، اتر پردیش
- (۶) سرپرست مرکزی دارالقرآن، داتا گنگ، جیشید پور

### ساوگی:

حضرت صدرالعلماء دام غلہ کی پوری زندگی ساوگی کا نمونہ ہے، سادہ بیانی، سادہ مزاجی اور سادہ لباسی آپ کی دستار کے وہ طرے ہیں جن پر ہزاروں رنگینیاں قربان، اتنے بلند پایہ عالم و سن ہونے کے باوجود انتہائی سادہ زندگی گزارتے ہیں، کبھی بھی اپنے علم و فضل کا اظہار نہیں کرتے، جب کہ آج کے دور میں ذرا سا علم ہو انہیں کہ اس کے اظہار کی فکر ہونے لگتی ہے۔ یقیناً آپ "کم خوردن، کم گفتن، کم خشن" کا صحیح مصداق اور "یقین محکم، عمل پیہم، محبت خارج عالم" کی خوب صورت تصویر ہیں۔ ہمیشہ سادہ لباس زیب تن فرماتے ہیں، لیکن اس ساوگی سے بھی رعب چلتا ہے اور انداز فقیری سے بھی شاہانہ جلال جھلکتا ہے۔

یہ اس عظیم المرتبت عالم و محقق کا ایک مختصر زندگی نامہ اور اس کے علمی آثار کا اعلیٰ تعارف ہے، اس کتاب میں اسی قدر کی مختصات ہے، اللہ تعالیٰ ان کے امثال زیادہ کرے، آمین۔

محمد نجس اختر مصباحی ہارہ بکوی

## باب اول

علمی و تحقیقی مقالات



## مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کا درس کسب و تجارت (۱)

خالقِ انسانی کا مقصد رب کائنات کی معرفت اور اس کی عبادت ہے۔ ارشادِ باری ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (۱)

اور میں نے جن و انس کو صرف اس لیے پیدا فرمایا کہ وہ میری عبادت کریں۔

مگر انسانی زندگی کی بقا اور حفاظت کے لیے خورد و نوش، لباس و پوشاک اور خانہ و مسکن ضروری ہے۔ اور ان ضروریات کی تکمیل کے لیے کسی نہ کسی حد تک سرمایہ و مال ہونا لازمی ہے۔ اور سرمایہ و مال کا حصول کسی ذریعہ و سبب کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے عقلی طور پر انسان اپنی زندگی میں حصول مال کا ذریعہ اپنانے کا محتاج ہے۔ شریعت اسلامیہ نے بھی انسان کی اس محتاجی کو نظر انداز نہیں کیا ہے بلکہ اس کے لیے کوئی ذریعہ کسب اپنانا فرض قرار دیا ہے۔ لیکن اس باب میں اسے آزاد نہیں چھوڑا ہے کہ جہاں سے چاہے، جب چاہے اور جیسے چاہے سرمایہ حاصل کرے چاہے، خود کسی پر زیادتی ہو، کسی کی ایذا رسانی ہو، کسی کی حق تلفی ہو، یا دالہی سے غفلت ہو، عبادتیں فوت ہوں، کچھ پروا نہ کرے، بس زیادہ سے زیادہ سرمایہ اکٹھا کرنے کی دھن میں لگا رہے۔

علیہ السلام ﷺ نے جس طرح کمانے پینے، بچینے، رہنے سہنے کے معاملے میں بندوں کو بہت سے آداب اور حدود و قیود کا پابند بنایا ہے اسی طرح کسب کے معاملہ میں بھی بہت سے آداب اور حدود و قیود سے آشنا کیا ہے۔ اسی سے ایک مومن اور ایک غیر مومن کے طرز فکر اور انداز حرکت و عمل میں حد فاصل قائم ہوتی ہے اور دونوں کی زندگیوں میں خط امتیاز کھینچتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ ساری تعلیمات وحی ربانی کے تحت ہیں اور رب جانتا ہے کہ اس کے بندوں کی اخلاقی اور اجتماعی زندگی کے لیے کون سا نظام نفع بخش ہے اور کون سا نظام ضرر رساں ہے۔

اسلام دراصل خدا اور رسول کی اطاعت و فرماں برداری کا نام ہے۔ اس لیے بندہ مسلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی خواہش نفس سے پہلے خدا اور رسول کی رضا اور خوشنودی کو دیکھے، جس کام میں اپنے جسم و جان کے خالق و

(۱) کہل مابل سنحی آواز مدبرہ مطبعہ: نومبر ۲۰۰۶ء

(۲) سہ ماہی ذریعات، پتہ ۷۴، ۷۵

مالک جمل علانہ اور اپنے ایمان و عمل کے بادی و مربی علیہ الصلاۃ والسلام کی رضادیکھے اس کی بجا آوری کرے اور جس میں ناراضی و غضب کی بوہائے اس سے دور بھاگے۔ یہی شانِ ایمان ہے، یہی تھانے اسلام ہے۔ دنیائے قالی کی رعنائوں اور حیاتِ ناپائیدار کی لذتوں پر فریفتہ ہونا اس کا کام ہے جس کے فکر و خیال میں اس جہان کے سوا کوئی جہان نہیں اور جس کی نظر میں اس زندگی کے بعد کوئی زندگی نہیں۔ بندہ مومن تو اس جہان کی آباد کاری کے لیے فکر مند رہتا ہے جس کا ایک دن یہاں کے پچاس ہزار سال کے برابر ہے، اس کا صلح نظر اس حیات کی رعنائیاں ہوتی ہیں جسے زوال نہیں، وہ اس گھر کی دیرانی سے لرزتا ہے جس میں اسے ہمیشہ رہتا ہے۔

چوں کہ تفصیل کی مہلت نہیں اس لیے اس اجمالی تمہید سے میں نے ان لوگوں کا جواب دیتا چاہا ہے جو اسلامی قوانین کو خالق کائنات کے غیر حترزل اور لافانی دستور کی حیثیت سے دیکھنے کے بجائے اپنی آوارہ خواہشات کے آئیے میں دیکھتے ہیں، خدا فیض عقل سلیم دے اور صراطِ مستقیم نصیب فرمائے۔

اب آئیے دیکھیں کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے کسب اور طلب رزق کے باب میں اپنے سامنے والوں کو کیا ہدایات دی ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) ظَلَبْتَ كَتَسِبَ الْخُلَايَا قِرَ بَصَّةً بَعْدَ الْفَرِ بَصَّةٍ (۱)

ترجمہ: حلال کمائی طلب کرتا فرض ہے، فراغت کے بعد۔

(۲) ظَلَبْتَ الْخُلَايَا وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ (۲)

ترجمہ: حلال کی طلب ہر مسلمان پر لازم ہے۔

ان حدیثوں سے جہاں طلب رزق اور کسب کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے روزی کی جستجو اور طلب معاش کو حلال کی قید سے مقید کر دیا ہے۔ ہمیں سے دینی اور لادینی نقطہ نظر کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ روزی کمانے کی تاکید تو فرماتی ہے مگر انسان کو آزاد نہیں چھوڑتی بلکہ اسے جائز اور بے ضرر راہوں کا پابند بناتی ہے۔ انسان کم سے کم تر حاصل کرے یا زیادہ سے زیادہ لیکن ذریعہ جائز و حلال اور مقصد پاکیزہ و طیب ہونا چاہیے۔ خبیث اور ناجائز طریقوں سے جمع کی ہوئی دولت ربِ جمیل کے یہاں کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ نہ ہی فاسد اور خبیث مقاصد کے لیے کمایا ہو بلکہ اس تاکید و ترغیب کے تحت آتا ہے جو آگے دو عالم ﷺ

(۱) بحکم تیر لطیفی، شعب الایمان للشیخ محمد بن سعد و ترجمہ، کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال، طلاء، طبع علی منقح ہندی (۱۹۵۹ء) ج: ۳، ص: ۳۸، مجمع دلائل طبع و اشاعت: دار الفکر، بیروت، ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۵۳ء، (۲) مسند الفردوس للحدیثی، بروایت سیدنا انس بن مالک، ترجمہ، کنز العمال علی منقح، ج: ۳، ص: ۳۰، حدیث: ۱۲

نے اپنی عبادت کریمہ میں دی ہے۔

اسلام طیب ہی طیب ہے۔ اس لیے وہ مقصد، ذریعہ اور مصرف تینوں کی پاکیزگی چاہتا ہے۔ مال جمع کرنے کا مقصد اچھا ہے مگر تحصیل مال کا جو ذریعہ لہذا وہ خراب ہے، یا ذریعہ تو اچھا ہے مگر مقصد ناپاک ہے، یا ذریعہ اور مقصد دونوں پاک تھے مگر جب مال ہاتھ میں آیا تو بہت سارا مال ناپاک جگہوں یا لاشی اور فضول راہوں میں صرف کر دیا، یہ تینوں صورتیں اسلام کی نظر میں مذموم ہیں اور ان پر صاحب مال سے مواخذہ ہوگا۔ مختصر یہ کہ عبادات اور دیگر معاملات کی طرح کسب اور طلب رزق کے باب میں بھی ربِ جمیل کے نزدیک ہر طرح کی پاکیزگی ہی محمود و مطلوب ہے۔ اسی سے اسلامی نظریہ اور خود ساختہ پتانوں اور اصولوں کا فرق عیاں ہو جاتا ہے۔

اب تفصیل سے گزرتے ہوئے کچھ عبادت کریمہ پیش کی جاتی ہیں جن سے مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ لائے ہوئے دین اور ان کے بے بہا تعلیمات کا علانہ اور پاکیزہ مزاج سمجھنے میں مدد ملے گی۔

کچلے چند آیات کریمہ ملاحظہ ہوں۔ قرآن فرماتا ہے:

(۱) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰكُلُوْا مِنْ ثَمَرِيْهِمْ حِيْنَ رَزَقَكُمُوهٗ وَاسْكُرُوْا لِّهٖ اِنْ كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ (۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ اور اللہ کا احسان مانو اگر تم اس کے پرستار ہو۔

(۲) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَحْزَنُوْا طٰئِبَتٌ مَّا اَخْلَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَلُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

الْمُنْعِفِيْنَ. وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طٰئِبًا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الْبَاقِي اَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُوْنَ (۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! حرام نہ ٹھہراؤ وہ ستمری چیزیں کہ اللہ نے تمہارے لیے حلال کیں اور حد سے نہ

بڑھو۔ بے شک حد سے بڑھنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔ اور کھاؤ جو کچھ تمہیں اللہ نے روزی دی حلال، پاکیزہ، اور اللہ سے ڈرو جس پر تمہیں ایمان ہے۔

(۳) وَتَحْلِلْ لَّهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيَحْزِمُوْهُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيْثٰتِ (۳)

ترجمہ: اور رسول ستمری چیزیں ان کے لیے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا۔

(۴) وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتَذَلُّوْا بِهَا اِلَى الْخٰكِيْنَ اِنَّ الْخٰكِيْنَ قَرِيْبًا مِّنْ اٰمُوْلِ

النَّاسِ بِالْاَرْوَاحِ وَانْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۴)

ترجمہ: نہ کھاؤ ایک دوسرے کے مال کو باطل کے ذریعے اور نہ ہی اسے خاکین کو پیش کرنا۔ خاکین قریب ہیں ان کے مال سے کہ تم جانتے ہو۔

(۱) سورۃ: بقرہ، آیت: ۱۷۳

(۲) سورۃ: الاحزاب، آیت: ۸۷-۸۸

(۳) سورۃ: انفار، آیت: ۱۵۷

(۴) سورۃ: حجرہ، آیت: ۱۸۸

قرعہ: اور آپس میں ایک دوسرے کا مال نافع نہ کھاؤ اور نہ حاکموں کے پاس ان کا مقدمہ اس لیے پہنچاؤ کہ لوگوں کا کچھ مال جن کو جو کچھ نہ کرنا چاہیے پر کھاؤ۔

(۵) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبُطْلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جُمُوعَةً عَنِ الْكُفْرِ أَوْ مِنْكُمْ وَلَا تَقْبَلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا<sup>(۱)</sup>

قرعہ: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال نافع نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی سوداگہاری یا بھی رضامندی کا ہو اور اپنی جائیداد میں نہ کرو، بے شک اللہ تم پر مہربان ہے۔

دست کاری اور کسب حلال:

حدیث ۳:

(۳) مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلٍ يَدُّهُ وَإِنْ تَبِعَ اللَّهُ ذَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامَ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلٍ يَدُّهُ<sup>(۲)</sup>

قرعہ: اس کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں جس کو کسی نے اپنے ہاتھوں سے کام کر کے حاصل کیا ہے اور بے شک اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام کی دست کاری سے کھاتے تھے۔

(۴) قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَتَى الْكَتِيبَ أَهْلِي؟ قَالَ: عَمَلُ الرَّجُلِ يَتِيهِ وَكُلُّ يَتِيحٍ مَقْرُورٌ۔<sup>(۳)</sup>

قرعہ: عرض کیا گیا یا رسول اللہ کون سا کتب زیادہ پاکیزہ ہے؟ فرمایا: انہی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور اچھی بیع۔

بیع برور (اچھی بیع) وہ جس میں خیانت اور دھوکا نہ ہو یا یہ کہ وہ بیع فاسد نہ ہو۔<sup>(۴)</sup>

(۵) إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُعْتَرِفَ۔<sup>(۵)</sup>

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ ایسے بندہ مومن کو پسند فرماتا ہے جو کوئی گرفت اور پشہ نہ رکھتا ہے۔

(۶) إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُحِبُّ أَنْ تَبْرَى عَبْدَهُ تَعَبًا فِي ظَلَمِ الْحَلَالِ۔<sup>(۶)</sup>

قرعہ: بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو رزق حلال کی طلب میں محنت اور مشقت کرتے ہوئے

(۱) سورة البقرة آیت ۲۹

(۲) کتب بخاری میں حدیث مقدم بن علیہ کتب میں صفحہ ۲۰، ج ۸، ص ۴۸، مجمع المطالع، دہلی۔

(۳) مسند امام احمد، کتب کبیر طبرانی، مسند کبیر طبرانی، ص ۱۰۰، ج ۱، ص ۱۰۰، مجمع المطالع، دہلی۔

(۴) مسند امام احمد، کتب کبیر طبرانی، مسند کبیر طبرانی، ص ۱۰۰، ج ۱، ص ۱۰۰، مجمع المطالع، دہلی۔

(۵) حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح، ص ۱۰۰، ج ۱، ص ۱۰۰، مجمع المطالع، دہلی۔

(۶) تیسرے ترمذی، کتب کبیر طبرانی، مسند کبیر طبرانی، ص ۱۰۰، ج ۱، ص ۱۰۰، مجمع المطالع، دہلی۔

(۷) مسند الخلفاء الراشدين، ص ۱۰۰، ج ۱، ص ۱۰۰، مجمع المطالع، دہلی۔

دیکھنا پسند کرتا ہے۔

(۷) إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُؤْمِنِينَ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوَا مِنَ الطَّيِّبِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا وَقَالَ تَعَالَى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُّوَا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا وَزَعْنَاكُمْ۔

فَمَذَكَرَ الرَّجُلُ طَيِّبًا لَطِيفًا أَشَقَّتْ أَغْبَرُ يَمْدُ يَذْهَبُ إِلَى الشَّعَاءِ مَا رَبَّتَ مَا رَبَّتْ، وَ مَطْعَمُهُ خَزَامٌ، وَعَشْرُهُ خَزَامٌ، وَمَلْبَسُهُ خَزَامٌ، وَغَذِيٌّ بِالْخَزَامِ فَكُلِّي مُسْتَحَابَاتِ لِذَلِكَ<sup>(۱)</sup>

قرعہ: بے شک اللہ پاک ہے اور پاک ہی قبول فرماتا ہے اور بے شک اللہ نے مومنین کو بھی اسی کا حکم دیا ہے جس کا رسولوں کو حکم دیا۔ اس نے رسولوں سے فرمایا: اے رسولو! پاک چیزوں سے کھاؤ اور اچھے کام کرو۔ اور مومنین سے فرمایا: اے ایمان والو! ہماری دی ہوئی پاک چیزوں سے کھاؤ۔

پھر ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو طویل سفر کرتا ہے پر آگندہ حال، غبار آلود ہے (یعنی ایسی حالت ہے کہ جو دعا کرے قبول ہو) وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یارب، یارب کہتا ہے (دعا کرتا ہے) مگر حال یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام، چٹا حرام، لباس حرام اور حرام غذا سے پرورش پائی، پھر اس کی دعا کیے قبول ہو۔

(۸) إِنْ كَانَ خَرَجَ يَسْعَى عَلَى وَلَدٍ صَغِيرٍ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَإِنْ كَانَ خَرَجَ يَسْعَى عَلَى أَبَوَيْهِ شَعِيفِي كَيَفَيْتَيْنِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَإِنْ كَانَ خَرَجَ يَسْعَى عَلَى نَفْسِهِ يُعْفِقُهَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَإِنْ كَانَ خَرَجَ يَسْعَى رِيَاءً وَمُخَازَرَةً فَهُوَ فِي سَبِيلِ الشَّيْطَانِ۔<sup>(۲)</sup>

قرعہ: (۱) اگر اپنے کم سن بچوں کے لیے رزق کی تلاش میں نکلا تو وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ (۲) اگر سن رسیدہ بوڑھے ماں باپ کے لیے کوشش رزق میں نکلا تو وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ (۳) اور اپنے کو (سوال کی ذلت اور محتاجی کی کلفت سے) صفت و دہرسانی میں رکھنے کے لیے کوشش میں نکلا تو وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ (۴) اور اگر ریا و نمود اور منافرت کے لیے مال جمع کرنے کی کوشش میں نکلا تو وہ شیطان کی راہ میں ہے۔

(۹) مَا كَسَبَ الرَّجُلُ كَسْبًا طَيِّبًا مِنْ عَمَلٍ يَدُّهُ، وَمَا انْفَقَ الرَّجُلُ عَلَى نَفْسِهِ وَأَهْلِيهِ وَوَلَدِهِ وَخَدَائِمِهِ فَهُوَ صَدَقَةٌ۔<sup>(۳)</sup>

قرعہ: اپنے ہاتھ سے محنت کی کمائی سے بہتر کوئی کمائی نہیں اور آدمی جو کچھ اپنے اوپر اور اپنے مال بچوں اور

(۱) کتب کبیر طبرانی، مسند کبیر طبرانی، ص ۱۰۰، ج ۱، ص ۱۰۰، مجمع المطالع، دہلی۔

(۲) کتب کبیر طبرانی، مسند کبیر طبرانی، ص ۱۰۰، ج ۱، ص ۱۰۰، مجمع المطالع، دہلی۔

(۳) کتب کبیر طبرانی، مسند کبیر طبرانی، ص ۱۰۰، ج ۱، ص ۱۰۰، مجمع المطالع، دہلی۔

خدا میں یہ صرف کرے وہ صدق ہے۔

(۱۰) طَلَبُ الْحَلَالِ مِثْلُ مَقَارِعَةِ الْأَنْتِظَالِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَ مَنْ تَابَتْ عَيْنُهُ مِنْ طَلَبِ الْحَلَالِ تَابَتْ وَاللَّهُ تَعَالَى غَنَّهُ وَارْحَهُ<sup>(۱)</sup>

ترجمہ: رزق حلال کی طلب اللہ کی راہ میں بہادریوں سے نبرد آزما کی طرح ہے اور جو طلب حلال کی محنت سے تھکا ہو رات بسر کرے وہ خدا سے تعالیٰ کی رضا میں رات بسر کرنے والا ہے۔

(۱۱) طَلَبُ الْحَلَالِ جِهَادٌ<sup>(۲)</sup>

ترجمہ: رزق حلال کی طلب ایک جہاد ہے۔

(۱۲) لَيْسَ شَيْءٌ يَغْفِرُ بَعْثَكُمْ إِلَى الْحَقِّ إِلَّا وَقَدْ آمَرْتُمْ بِهِ وَ لَيْسَ شَيْءٌ يَغْفِرُ بَعْثَكُمْ إِلَى النَّارِ إِلَّا وَقَدْ تَهَيَّيْتُمْ عَنْهُ وَ إِنْ رُوعَ الْفُلُوسِ نَفَتْ فِي رُوعِهِمْ أَنْ أَحَدًا يَنْتَكُمُ لَنْ يَخْرُجَ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى يَسْتَكْمِلَ رِزْقَهُ، فَلَا يَطْلُبُهُ بِمَغْفَصِيَةٍ إِلَّا فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَنْتَالُ فَضْلُهُ بِمَغْفَصِيَةٍ<sup>(۳)</sup>

ترجمہ: جو چیز بھی تمہیں جنت سے قریب کرنے والی ہے اس کام میں تمہیں حکم دیا ہے اور جو چیز بھی تمہیں دوزخ سے قریب کرنے والی ہے اس سے میں تمہیں روکا ہے۔ بے شک روح القدس نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ ہرگز کوئی شخص دنیا سے نہ جائے گا جب تک اپنا ضروری رزق پورا پا رہا نہ ہو جائے۔ تو آدمی اپنا رزق اللہ کی تائید کے ساتھ نہ طلب کرے اس لیے کہ اللہ عزوجل کا فضل اس کی پٹریابی کے ذریعہ حاصل نہیں کیا جاتا۔

(۱۳) يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ أَحَدَكُمْ لَنْ يَمُوتَ حَتَّى يَسْتَكْمِلَ رِزْقَهُ، فَلَا تَسْتَبَطِلُوا الرِّزْقَ وَ اتَّقُوا اللَّهَ وَ اجْعَلُوا فِي الطَّلَبِ وَخَذُوا مِمَّا حَلَّ وَ دَعُوا مِمَّا حَزَمَ<sup>(۴)</sup>

ترجمہ: اے لوگو! ہرگز کسی کو اس وقت تک موت نہ آئے گی جب تک اپنا رزق پورا پا رہا نہ ہو جائے تو رزق ملنے میں دیر ہونے کا خیال نہ کرو، اللہ سے ڈرو اور رزق کی طلب میں عمر کی اختیار کرو، جو حلال ہو اسے لو اور جو حرام ہو اسے چھوڑ دو۔

(۱) سنن ابن ماجہ حدیث مقدمہ میں صحیح مسلم، کنز العمال ج ۳ ص ۳۳۲ حدیث ۳۳۲

(۲) سنن مسند ابن ماجہ، شعب الایمان ج ۱ حدیث ۱۸۳، کنز العمال ج ۳ ص ۳۳۲ حدیث ۳۳۲

(۳) ترمذی، مشرک، کتب حدیث، حدیث ۱۸۳، کنز العمال ج ۳ ص ۳۳۲ حدیث ۳۳۲

(۴) مسند کماؤ سنن ترمذی، حدیث ۱۸۳، کنز العمال ج ۳ ص ۳۳۲ حدیث ۳۳۲

آداب کسب:

(۱۳) إِذَا فَتَحَ اللَّهُ لِأَحَدِكُمْ رِزْقًا مِنْ بَابٍ فَلْيَتَوَقَّعْهُ، وَفِي رِوَايَةٍ: فَلَا يَدْغُهُ حَتَّى يَنْفَعَهُ لَهُ<sup>(۱)</sup>

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کے لیے ایک جہت سے کوئی رزق کھول دے تو اسے چکڑے رہے، چھوڑے نہیں، یہاں تک اس کے حق میں وہ بدل جائے۔

(۱۴) قَالَ عُثْمُو: مَنْ الْغَيْرُ فِي شَيْءٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَلَمْ يَنْصَبْ فِيهِ فَلْيَتَحَوَّلْ إِلَى غَيْرِهِ<sup>(۲)</sup>

ترجمہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص تین مرتبہ کسی چیز کی تجارت کرے پھر بھی اس میں کامیاب نہ ہو تو کسی اور تجارت کی طرف منتقل ہو جائے۔

(۱۵) أَطْلُبُوا الرِّزْقَ فِي غَنَاتِهَا الْأَوَّلَى<sup>(۳)</sup>

ترجمہ: زمین کی پوشیدہ جگہوں میں رزق تلاش کرو۔

(۱۶) النَّاجِزُ الْجَنَّتَانِ عَزُومٌ وَ النَّاجِزُ الْجَنَّتَانِ عَزُومٌ<sup>(۴)</sup>

ترجمہ: اندیشہ کرنے والا بدل تاجر نامور رہتا ہے، بہت کرنے والا دلیر تاجر رزق پاتا ہے۔

(۱۷) إِذَا ضَلَّيْتُمْ الْقَجَرَ فَلَا تَتَأَمَّلُوا عَنْ طَلَبِ أَوْزَانِكُمْ<sup>(۵)</sup>

ترجمہ: جب نماز پڑھ لو تو اپنے رزق کی تلاش سے قائل ہو کر سو نہ جاؤ۔

(۱۸) مَنِ اسْتَبْتَطَلَ الرِّزْقَ فَلْيَكْتَبِ مِنَ الْكُتُبِ، وَ مَنْ كَثُرَ هَمُّهُ وَ غَلُمَ فَلْيَكْتَبِ مِنَ الْإِسْتِغْفَارِ<sup>(۶)</sup>

ترجمہ: جو رزق ملنے میں دیر محسوس کرے تو تکبیر زیادہ کہے اور جس کا رنج و غم زیادہ ہو تو استغفار زیادہ کرے۔

(۲۰) مَا يَسْتَعْمَلُ أَحَدُكُمْ إِذَا عَشَرَ عَلَيْهِ أَهْرٌ مِثْقَلُهُ أَنْ يَقُولَ إِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ: بِسْمِ اللَّهِ عَلَيَّ<sup>(۱)</sup>

(۱) مسند ابن ماجہ، شعب الایمان ج ۱ حدیث ۱۸۳، کنز العمال ج ۳ ص ۳۳۲ حدیث ۳۳۲

(۲) مسند ابن ماجہ، شعب الایمان ج ۱ حدیث ۱۸۳، کنز العمال ج ۳ ص ۳۳۲ حدیث ۳۳۲

(۳) مسند ابن ماجہ، شعب الایمان ج ۱ حدیث ۱۸۳، کنز العمال ج ۳ ص ۳۳۲ حدیث ۳۳۲

(۴) مسند ابن ماجہ، شعب الایمان ج ۱ حدیث ۱۸۳، کنز العمال ج ۳ ص ۳۳۲ حدیث ۳۳۲

(۵) مسند ابن ماجہ، شعب الایمان ج ۱ حدیث ۱۸۳، کنز العمال ج ۳ ص ۳۳۲ حدیث ۳۳۲

(۶) مسند ابن ماجہ، شعب الایمان ج ۱ حدیث ۱۸۳، کنز العمال ج ۳ ص ۳۳۲ حدیث ۳۳۲



نَفْسِي وَمَا لِي وَأَدْبِي اللَّهُمَّ أَنْ جِئْتَنِي بِفَضْلِكَ، وَبَارَكْتَ لِي فِيهِ فَاذْنُبْ، خَشْيَ لَا أَجِبُ فَتَجِدُنِي نَا  
أَخْوَتُ، وَلَا تَأْخِذْ مَا عَجَلْتُ.

ترجمہ: جب تم میں سے کسی کو معاش کی دشواری ہو تو اس کے لیے اپنے گھر سے نکلے وقت یہ دعا کرنے سے کچھ  
مانع ہے؟ اللہ کے نام سے، میرے نفس، مال اور دین پر، اے اللہ! مجھے اپنی قصا سے راضی کر اور میرے لیے جو  
مقرر ہے اس میں برکت عطا فرما کہ میں اس کی جلدی نہ جاؤں جسے تو نے موخر رکھا ہے اور اس کا موخر ہونا  
جاہوں جسے تو نے جلد رکھا ہے۔

(۲۱) كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا دَخَلَ السُّوقَ قَالَ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِهَا، وَخَيْرِ مَا  
فِيهَا، وَأَعُوذُكَ مِنْ شَرِّهَا، وَشَرِّ مَا فِيهَا، اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ أَنْ لَا أَصِيبَ فِيهَا بَيْعًا فَاجِرًا،  
وَصَفَقًا خَاسِرًا.

ترجمہ: نبی کریم ﷺ جب بازار میں داخل ہوتے تو کہتے: اے اللہ! میں تجھ سے اس کی خیر اور جو کچھ اس  
میں ہے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور تجھ سے اس کے شر اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے پناہ لیتا ہوں۔  
اے اللہ! تجھ سے میرا سوال ہے کہ اس میں کوئی جھوٹی قسم اور خسارے والا سود نہ پاؤں۔

### ترک کسب اور مانگنے کی مذمت:

رسول اللہ ﷺ نے ایک طرف کسب کی ترغیب دی ہے اور اس کے آداب بیان فرمائے ہیں۔ دوسری  
طرف کسب چھوڑ کر مانگنے کا مکمل اہتمام کی سخت مذمت کی ہے اور اس پر وعیدیں بھی سنائی ہیں۔ یہاں چند احادیث  
کا ترجمہ لکھا جاتا ہے:

(۲۲) سوال ایک قسم کی خراش ہے کہ آدمی سوال کر کے اپنے من کو نوچتا ہے، جو چاہے اپنے من پر اس  
خراش کو بانی رکھے اور جو چاہے چھوڑ دے۔ ہاں اگر صاحب سلطنت سے اتنا حق مانگے یا ایسے امر میں سوال کرے کہ  
اس سے چارہ نہ ہو تو جائز ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۲۳) جو شخص اچانک بڑھانے کے لیے لوگوں سے سوال کرے تو وہ جہنم کا گرم پتھر ہے۔ اب اسے اختیار  
ہے چاہے تھوڑا مانگے یا زیادہ مانگے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) ابن ابی شیبہ، سنن ابی یوسف، کتاب الدعاء، ج ۱، ص ۳۰۰، حدیث ۳۵۰۔

(۲) جامع ترمذی، سنن ترمذی، کتاب الدعاء، ج ۱، ص ۳۰۰، حدیث ۳۵۰۔

(۳) جامع ترمذی، سنن ترمذی، کتاب الدعاء، ج ۱، ص ۳۰۰، حدیث ۳۵۰۔

(۴) ابن ابی شیبہ، سنن ابی یوسف، کتاب الدعاء، ج ۱، ص ۳۰۰، حدیث ۳۵۰۔

(۲۴) جو شخص بغیر حاجت سوال کرتا ہے گویا وہ انگار لکھا جاتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۲۵) جو شخص سوال کرے حال اس کے اس کے پاس اتنا ہے کہ وہ سوال سے بے نیاز ہے تو وہ آگ کی زیادتی  
چاہتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا: وہ کیا مقدار ہے، جس کے ہوتے ہوئے سوال جائز نہیں؟ فرمایا: من و شام کا کھانا۔<sup>(۲)</sup>

(۲۶) قبیصہ بن مخارق روایت کرتے ہیں: ایک مرتبہ مجھ پر کاوان لازم آیا، میں نے حضور اقدس ﷺ کی  
خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا۔ فرمایا: غمزدار، ہمارے پاس صدقہ کا مال آئے گا تو تمہارے لیے حکم فرمایاں گے۔

پھر فرمایا: اے قبیصہ! سوال حلال نہیں مگر تین باتوں میں (۱) کسی نے ضمانت لی ہو (یعنی کسی قوم کی طرف سے  
دیت کا ضامن ہو، یا آپس کی جنگ میں صلح کرانی اور اس پر کسی مال کا ضامن ہو) تو اسے سوال حلال ہے، یہاں تک

کہ وہ مقدار پائے پھر باز رہے۔ (۲) یا کسی پر آفت آئی کہ اس کے مال کو تباہ کر گئی تو اسے سوال حلال ہے یہاں تک کہ  
برسر اوقات کے لیے چاہائے۔ (۳) یا کسی کو فائدہ پہنچا اور اس کی قوم کے تین فصل مند شخص کو اس دس کے لٹاں کو فائدہ پہنچا

ہے (جن کی کو اس کا حکم بطور استحباب ایسے شخص کے لیے ہے جس کا مال دار ہو نا معلوم و مشہور ہو ورنہ صرف اس کا  
بیان کافی ہے) تو اس کے لیے سوال حلال ہے اور ان تینوں باتوں کے سوا اے قبیصہ! سوال کرنا حرام ہے کہ سوال

کرنے والا حرام لکھا جاتا ہے۔<sup>(۳)</sup>

(۲۷) کوئی شخص رسی لے جائے اور چپٹے پر نکلے گا گناہ لا کر بیچے اور سوال کی ذلت سے اللہ تعالیٰ اس کے  
چہرے کو کچھائے یا اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے کہ لوگ اسے دس یا نہ دس۔<sup>(۴)</sup>

(۲۸) انہی ہی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: کیا میں سوال کروں؟ فرمایا: نہیں۔  
اور اگر چارہ نہ ہو تو صالحین سے مانگو۔<sup>(۵)</sup>

مولانا علی قاری رحمہ اللہ نے مرقاۃ میں اس کی کئی وجہیں بیان فرمائیں (۱) صاحب شخص دے گا تو مال حلال سے  
دے گا۔ (۲) وہ کریم اور مہربان ہوگا۔ (۳) پردہ دہی نہ کرے گا، تمہاری محتاجی اور اپنی بخشش کا راز افشاء نہ کرے

میں: ۲۸۳، حدیث ۴۱۷۔

(۱) مسند امام احمد بن حنبل، کتاب الدعاء، ج ۱، ص ۳۰۰، حدیث ۳۵۰۔

۳۵۰، حدیث ۳۵۰۔

(۲) مسند امام احمد بن حنبل، کتاب الدعاء، ج ۱، ص ۳۰۰، حدیث ۳۵۰۔

(۳) مسند امام احمد بن حنبل، کتاب الدعاء، ج ۱، ص ۳۰۰، حدیث ۳۵۰۔

(۴) مسند امام احمد بن حنبل، کتاب الدعاء، ج ۱، ص ۳۰۰، حدیث ۳۵۰۔

(۵) مسند امام احمد بن حنبل، کتاب الدعاء، ج ۱، ص ۳۰۰، حدیث ۳۵۰۔



سے جہنم میں داخل کرے۔

(۳۶) من اشترى سرقة وهو يعلم أنها سرقة فقد شرب في غارها وأثمها.<sup>(۱)</sup>  
ترجمہ: جس نے چوری کا مال خریدا ہے جسے وہ جانتے ہوئے کہ چوری کا مال ہے تو اس کے گار گناہ میں وہ بھی شریک ہے۔

تجارت اور دیگر انواع کسب:

(۳۷) إِنْ أَطْلَبَ الْكَسْبَ كَسَبَ الشَّجَارَ الَّذِينَ إِذَا حَدَّثُوا لَمْ يَكْذِبُوا، وَإِذَا أَسْمَعُوا لَمْ يَكْذِبُوا، وَإِذَا بَاغُوا لَمْ يَغْلُوا، وَإِذَا كَانَ عَلَيْهِمْ لَمْ يَفْعَلُوا، وَإِذَا كَانَ لَهُمْ لَمْ يَمْتَنُوا.<sup>(۲)</sup>  
ترجمہ: سب سے بڑے گناہ ان تاجروں کی کمالی ہے جو بات کہیں تو جھوٹ نہ بولیں، انہیں امانت دی جائے تو خیانت نہ کریں، وہ دھوکہ نہ کھائیں تو اس کی خلاف ورزی نہ کریں، جب دوسرے سے خریدیں تو برائی نہ بیان کریں اور اپنی چیزیں تو اس کی تعریف میں مبالغہ نہ کریں۔ ان پر کسی کا آنا ہو تو اس کی نالی مول نہ کریں اور ان کا دوسرے پر آنا ہو تو کسی نہ کریں۔

(۳۸) النَّاجِزُ الْعُسْذُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصَّادِقِينَ وَالشَّهَدَاءِ.<sup>(۳)</sup>

ترجمہ: راست باز، امانت دار تاجر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

(۳۹) أَوْصَيْتُكُمْ بِالشَّجَارِ خَيْرًا فَإِنَّهُمْ يُؤْذِلُونَ الْآقَابِي وَأَمْنَاءُ اللَّهِ فِي الْأَوْصِي.<sup>(۴)</sup>

ترجمہ: میں تم کو تاجروں سے متعلق بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ اس لیے کہ وہ آفاق عالم کے کا صدار زمین میں اللہ کے امین ہیں۔

(۴۰) إِنْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ آتَى جَمَاعَةً مِنَ الشَّجَارِ، فَقَالَ: يَا عَفْشَرُ الشَّجَارِ! فَاسْتَجَابُوا لَهُ، وَمَدُّوا أَعْنَاقَهُمْ، فَقَالَ: إِنَّ اللَّهَ بَاعَ بِكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَجَارًا، إِلَّا مَنْ صَدَّقَ وَوَصَلَ وَفِي لَفْظٍ، وَبَرَّ وَأَذَى الْأَمَانَةِ.<sup>(۵)</sup>

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ ایک جماعت تاجر کے پاس تشریف لائے۔ فرمایا: اے گروہ تاجراں! سب نے لبیک کہی اور اپنی گردنیں دراز کر لیں۔ فرمایا: بے شک اللہ قیامت کے دن تمہیں بیکار کھائے گا مگر وہ جو بیعت کرے،

(۱) مسند احمد، ابی نعیم، حدیث محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، کنز العمال، ج ۳، ص ۱۸۰، حدیث ۶۷۷۰، ۶۷۷۱، ۶۷۷۲، ۶۷۷۳، ۶۷۷۴، ۶۷۷۵، ۶۷۷۶، ۶۷۷۷، ۶۷۷۸، ۶۷۷۹، ۶۷۸۰، ۶۷۸۱، ۶۷۸۲، ۶۷۸۳، ۶۷۸۴، ۶۷۸۵، ۶۷۸۶، ۶۷۸۷، ۶۷۸۸، ۶۷۸۹، ۶۷۹۰، ۶۷۹۱، ۶۷۹۲، ۶۷۹۳، ۶۷۹۴، ۶۷۹۵، ۶۷۹۶، ۶۷۹۷، ۶۷۹۸، ۶۷۹۹، ۶۸۰۰، ۶۸۰۱، ۶۸۰۲، ۶۸۰۳، ۶۸۰۴، ۶۸۰۵، ۶۸۰۶، ۶۸۰۷، ۶۸۰۸، ۶۸۰۹، ۶۸۱۰، ۶۸۱۱، ۶۸۱۲، ۶۸۱۳، ۶۸۱۴، ۶۸۱۵، ۶۸۱۶، ۶۸۱۷، ۶۸۱۸، ۶۸۱۹، ۶۸۲۰، ۶۸۲۱، ۶۸۲۲، ۶۸۲۳، ۶۸۲۴، ۶۸۲۵، ۶۸۲۶، ۶۸۲۷، ۶۸۲۸، ۶۸۲۹، ۶۸۳۰، ۶۸۳۱، ۶۸۳۲، ۶۸۳۳، ۶۸۳۴، ۶۸۳۵، ۶۸۳۶، ۶۸۳۷، ۶۸۳۸، ۶۸۳۹، ۶۸۴۰، ۶۸۴۱، ۶۸۴۲، ۶۸۴۳، ۶۸۴۴، ۶۸۴۵، ۶۸۴۶، ۶۸۴۷، ۶۸۴۸، ۶۸۴۹، ۶۸۵۰، ۶۸۵۱، ۶۸۵۲، ۶۸۵۳، ۶۸۵۴، ۶۸۵۵، ۶۸۵۶، ۶۸۵۷، ۶۸۵۸، ۶۸۵۹، ۶۸۶۰، ۶۸۶۱، ۶۸۶۲، ۶۸۶۳، ۶۸۶۴، ۶۸۶۵، ۶۸۶۶، ۶۸۶۷، ۶۸۶۸، ۶۸۶۹، ۶۸۷۰، ۶۸۷۱، ۶۸۷۲، ۶۸۷۳، ۶۸۷۴، ۶۸۷۵، ۶۸۷۶، ۶۸۷۷، ۶۸۷۸، ۶۸۷۹، ۶۸۸۰، ۶۸۸۱، ۶۸۸۲، ۶۸۸۳، ۶۸۸۴، ۶۸۸۵، ۶۸۸۶، ۶۸۸۷، ۶۸۸۸، ۶۸۸۹، ۶۸۹۰، ۶۸۹۱، ۶۸۹۲، ۶۸۹۳، ۶۸۹۴، ۶۸۹۵، ۶۸۹۶، ۶۸۹۷، ۶۸۹۸، ۶۸۹۹، ۶۹۰۰، ۶۹۰۱، ۶۹۰۲، ۶۹۰۳، ۶۹۰۴، ۶۹۰۵، ۶۹۰۶، ۶۹۰۷، ۶۹۰۸، ۶۹۰۹، ۶۹۱۰، ۶۹۱۱، ۶۹۱۲، ۶۹۱۳، ۶۹۱۴، ۶۹۱۵، ۶۹۱۶، ۶۹۱۷، ۶۹۱۸، ۶۹۱۹، ۶۹۲۰، ۶۹۲۱، ۶۹۲۲، ۶۹۲۳، ۶۹۲۴، ۶۹۲۵، ۶۹۲۶، ۶۹۲۷، ۶۹۲۸، ۶۹۲۹، ۶۹۳۰، ۶۹۳۱، ۶۹۳۲، ۶۹۳۳، ۶۹۳۴، ۶۹۳۵، ۶۹۳۶، ۶۹۳۷، ۶۹۳۸، ۶۹۳۹، ۶۹۴۰، ۶۹۴۱، ۶۹۴۲، ۶۹۴۳، ۶۹۴۴، ۶۹۴۵، ۶۹۴۶، ۶۹۴۷، ۶۹۴۸، ۶۹۴۹، ۶۹۵۰، ۶۹۵۱، ۶۹۵۲، ۶۹۵۳، ۶۹۵۴، ۶۹۵۵، ۶۹۵۶، ۶۹۵۷، ۶۹۵۸، ۶۹۵۹، ۶۹۶۰، ۶۹۶۱، ۶۹۶۲، ۶۹۶۳، ۶۹۶۴، ۶۹۶۵، ۶۹۶۶، ۶۹۶۷، ۶۹۶۸، ۶۹۶۹، ۶۹۷۰، ۶۹۷۱، ۶۹۷۲، ۶۹۷۳، ۶۹۷۴، ۶۹۷۵، ۶۹۷۶، ۶۹۷۷، ۶۹۷۸، ۶۹۷۹، ۶۹۸۰، ۶۹۸۱، ۶۹۸۲، ۶۹۸۳، ۶۹۸۴، ۶۹۸۵، ۶۹۸۶، ۶۹۸۷، ۶۹۸۸، ۶۹۸۹، ۶۹۹۰، ۶۹۹۱، ۶۹۹۲، ۶۹۹۳، ۶۹۹۴، ۶۹۹۵، ۶۹۹۶، ۶۹۹۷، ۶۹۹۸، ۶۹۹۹، ۷۰۰۰، ۷۰۰۱، ۷۰۰۲، ۷۰۰۳، ۷۰۰۴، ۷۰۰۵، ۷۰۰۶، ۷۰۰۷، ۷۰۰۸، ۷۰۰۹، ۷۰۱۰، ۷۰۱۱، ۷۰۱۲، ۷۰۱۳، ۷۰۱۴، ۷۰۱۵، ۷۰۱۶، ۷۰۱۷، ۷۰۱۸، ۷۰۱۹، ۷۰۲۰، ۷۰۲۱، ۷۰۲۲، ۷۰۲۳، ۷۰۲۴، ۷۰۲۵، ۷۰۲۶، ۷۰۲۷، ۷۰۲۸، ۷۰۲۹، ۷۰۳۰، ۷۰۳۱، ۷۰۳۲، ۷۰۳۳، ۷۰۳۴، ۷۰۳۵، ۷۰۳۶، ۷۰۳۷، ۷۰۳۸، ۷۰۳۹، ۷۰۴۰، ۷۰۴۱، ۷۰۴۲، ۷۰۴۳، ۷۰۴۴، ۷۰۴۵، ۷۰۴۶، ۷۰۴۷، ۷۰۴۸، ۷۰۴۹، ۷۰۵۰، ۷۰۵۱، ۷۰۵۲، ۷۰۵۳، ۷۰۵۴، ۷۰۵۵، ۷۰۵۶، ۷۰۵۷، ۷۰۵۸، ۷۰۵۹، ۷۰۶۰، ۷۰۶۱، ۷۰۶۲، ۷۰۶۳، ۷۰۶۴، ۷۰۶۵، ۷۰۶۶، ۷۰۶۷، ۷۰۶۸، ۷۰۶۹، ۷۰۷۰، ۷۰۷۱، ۷۰۷۲، ۷۰۷۳، ۷۰۷۴، ۷۰۷۵، ۷۰۷۶، ۷۰۷۷، ۷۰۷۸، ۷۰۷۹، ۷۰۸۰، ۷۰۸۱، ۷۰۸۲، ۷۰۸۳، ۷۰۸۴، ۷۰۸۵، ۷۰۸۶، ۷۰۸۷، ۷۰۸۸، ۷۰۸۹، ۷۰۹۰، ۷۰۹۱، ۷۰۹۲، ۷۰۹۳، ۷۰۹۴، ۷۰۹۵، ۷۰۹۶، ۷۰۹۷، ۷۰۹۸، ۷۰۹۹، ۷۱۰۰، ۷۱۰۱، ۷۱۰۲، ۷۱۰۳، ۷۱۰۴، ۷۱۰۵، ۷۱۰۶، ۷۱۰۷، ۷۱۰۸، ۷۱۰۹، ۷۱۱۰، ۷۱۱۱، ۷۱۱۲، ۷۱۱۳، ۷۱۱۴، ۷۱۱۵، ۷۱۱۶، ۷۱۱۷، ۷۱۱۸، ۷۱۱۹، ۷۱۲۰، ۷۱۲۱، ۷۱۲۲، ۷۱۲۳، ۷۱۲۴، ۷۱۲۵، ۷۱۲۶، ۷۱۲۷، ۷۱۲۸، ۷۱۲۹، ۷۱۳۰، ۷۱۳۱، ۷۱۳۲، ۷۱۳۳، ۷۱۳۴، ۷۱۳۵، ۷۱۳۶، ۷۱۳۷، ۷۱۳۸، ۷۱۳۹، ۷۱۴۰، ۷۱۴۱، ۷۱۴۲، ۷۱۴۳، ۷۱۴۴، ۷۱۴۵، ۷۱۴۶، ۷۱۴۷، ۷۱۴۸، ۷۱۴۹، ۷۱۵۰، ۷۱۵۱، ۷۱۵۲، ۷۱۵۳، ۷۱۵۴، ۷۱۵۵، ۷۱۵۶، ۷۱۵۷، ۷۱۵۸، ۷۱۵۹، ۷۱۶۰، ۷۱۶۱، ۷۱۶۲، ۷۱۶۳، ۷۱۶۴، ۷۱۶۵، ۷۱۶۶، ۷۱۶۷، ۷۱۶۸، ۷۱۶۹، ۷۱۷۰، ۷۱۷۱، ۷۱۷۲، ۷۱۷۳، ۷۱۷۴، ۷۱۷۵، ۷۱۷۶، ۷۱۷۷، ۷۱۷۸، ۷۱۷۹، ۷۱۸۰، ۷۱۸۱، ۷۱۸۲، ۷۱۸۳، ۷۱۸۴، ۷۱۸۵، ۷۱۸۶، ۷۱۸۷، ۷۱۸۸، ۷۱۸۹، ۷۱۹۰، ۷۱۹۱، ۷۱۹۲، ۷۱۹۳، ۷۱۹۴، ۷۱۹۵، ۷۱۹۶، ۷۱۹۷، ۷۱۹۸، ۷۱۹۹، ۷۲۰۰، ۷۲۰۱، ۷۲۰۲، ۷۲۰۳، ۷۲۰۴، ۷۲۰۵، ۷۲۰۶، ۷۲۰۷، ۷۲۰۸، ۷۲۰۹، ۷۲۱۰، ۷۲۱۱، ۷۲۱۲، ۷۲۱۳، ۷۲۱۴، ۷۲۱۵، ۷۲۱۶، ۷۲۱۷، ۷۲۱۸، ۷۲۱۹، ۷۲۲۰، ۷۲۲۱، ۷۲۲۲، ۷۲۲۳، ۷۲۲۴، ۷۲۲۵، ۷۲۲۶، ۷۲۲۷، ۷۲۲۸، ۷۲۲۹، ۷۲۳۰، ۷۲۳۱، ۷۲۳۲، ۷۲۳۳، ۷۲۳۴، ۷۲۳۵، ۷۲۳۶، ۷۲۳۷، ۷۲۳۸، ۷۲۳۹، ۷۲۴۰، ۷۲۴۱، ۷۲۴۲، ۷۲۴۳، ۷۲۴۴، ۷۲۴۵، ۷۲۴۶، ۷۲۴۷، ۷۲۴۸، ۷۲۴۹، ۷۲۵۰، ۷۲۵۱، ۷۲۵۲، ۷۲۵۳، ۷۲۵۴، ۷۲۵۵، ۷۲۵۶، ۷۲۵۷، ۷۲۵۸، ۷۲۵۹، ۷۲۶۰، ۷۲۶۱، ۷۲۶۲، ۷۲۶۳، ۷۲۶۴، ۷۲۶۵، ۷۲۶۶، ۷۲۶۷، ۷۲۶۸، ۷۲۶۹، ۷۲۷۰، ۷۲۷۱، ۷۲۷۲، ۷۲۷۳، ۷۲۷۴، ۷۲۷۵، ۷۲۷۶، ۷۲۷۷، ۷۲۷۸، ۷۲۷۹، ۷۲۸۰، ۷۲۸۱، ۷۲۸۲، ۷۲۸۳، ۷۲۸۴، ۷۲۸۵، ۷۲۸۶، ۷۲۸۷، ۷۲۸۸، ۷۲۸۹، ۷۲۹۰، ۷۲۹۱، ۷۲۹۲، ۷۲۹۳، ۷۲۹۴، ۷۲۹۵، ۷۲۹۶، ۷۲۹۷، ۷۲۹۸، ۷۲۹۹، ۷۳۰۰، ۷۳۰۱، ۷۳۰۲، ۷۳۰۳، ۷۳۰۴، ۷۳۰۵، ۷۳۰۶، ۷۳۰۷، ۷۳۰۸، ۷۳۰۹، ۷۳۱۰، ۷۳۱۱، ۷۳۱۲، ۷۳۱۳، ۷۳۱۴، ۷۳۱۵، ۷۳۱۶، ۷۳۱۷، ۷۳۱۸، ۷۳۱۹، ۷۳۲۰، ۷۳۲۱، ۷۳۲۲، ۷۳۲۳، ۷۳۲۴، ۷۳۲۵، ۷۳۲۶، ۷۳۲۷، ۷۳۲۸، ۷۳۲۹، ۷۳۳۰، ۷۳۳۱، ۷۳۳۲، ۷۳۳۳، ۷۳۳۴، ۷۳۳۵، ۷۳۳۶، ۷۳۳۷، ۷۳۳۸، ۷۳۳۹، ۷۳۴۰، ۷۳۴۱، ۷۳۴۲، ۷۳۴۳، ۷۳۴۴، ۷۳۴۵، ۷۳۴۶، ۷۳۴۷، ۷۳۴۸، ۷۳۴۹، ۷۳۵۰، ۷۳۵۱، ۷۳۵۲، ۷۳۵۳، ۷۳۵۴، ۷۳۵۵، ۷۳۵۶، ۷۳۵۷، ۷۳۵۸، ۷۳۵۹، ۷۳۶۰، ۷۳۶۱، ۷۳۶۲، ۷۳۶۳، ۷۳۶۴، ۷۳۶۵، ۷۳۶۶، ۷۳۶۷، ۷۳۶۸، ۷۳۶۹، ۷۳۷۰، ۷۳۷۱، ۷۳۷۲، ۷۳۷۳، ۷۳۷۴، ۷۳۷۵، ۷۳۷۶، ۷۳۷۷، ۷۳۷۸، ۷۳۷۹، ۷۳۸۰، ۷۳۸۱، ۷۳۸۲، ۷۳۸۳، ۷۳۸۴، ۷۳۸۵، ۷۳۸۶، ۷۳۸۷، ۷۳۸۸، ۷۳۸۹، ۷۳۹۰، ۷۳۹۱، ۷۳۹۲، ۷۳۹۳، ۷۳۹۴، ۷۳۹۵، ۷۳۹۶، ۷۳۹۷، ۷۳۹۸، ۷۳۹۹، ۷۴۰۰، ۷۴۰۱، ۷۴۰۲، ۷۴۰۳، ۷۴۰۴، ۷۴۰۵، ۷۴۰۶، ۷۴۰۷، ۷۴۰۸، ۷۴۰۹، ۷۴۱۰، ۷۴۱۱، ۷۴۱۲، ۷۴۱۳، ۷۴۱۴، ۷۴۱۵، ۷۴۱۶، ۷۴۱۷، ۷۴۱۸، ۷۴۱۹، ۷۴۲۰، ۷۴۲۱، ۷۴۲۲، ۷۴۲۳، ۷۴۲۴، ۷۴۲۵، ۷۴۲۶، ۷۴۲۷، ۷۴۲۸، ۷۴۲۹، ۷۴۳۰، ۷۴۳۱، ۷۴۳۲، ۷۴۳۳، ۷۴۳۴، ۷۴۳۵، ۷۴۳۶، ۷۴۳۷، ۷۴۳۸، ۷۴۳۹، ۷۴۴۰، ۷۴۴۱، ۷۴۴۲، ۷۴۴۳، ۷۴۴۴، ۷۴۴۵، ۷۴۴۶، ۷۴۴۷، ۷۴۴۸، ۷۴۴۹، ۷۴۵۰، ۷۴۵۱، ۷۴۵۲، ۷۴۵۳، ۷۴۵۴، ۷۴۵۵، ۷۴۵۶، ۷۴۵۷، ۷۴۵۸، ۷۴۵۹، ۷۴۶۰، ۷۴۶۱، ۷۴۶۲، ۷۴۶۳، ۷۴۶۴، ۷۴۶۵، ۷۴۶۶، ۷۴۶۷، ۷۴۶۸، ۷۴۶۹، ۷۴۷۰، ۷۴۷۱، ۷۴۷۲، ۷۴۷۳، ۷۴۷۴، ۷۴۷۵، ۷۴۷۶، ۷۴۷۷، ۷۴۷۸، ۷۴۷۹، ۷۴۸۰، ۷۴۸۱، ۷۴۸۲، ۷۴۸۳، ۷۴۸۴، ۷۴۸۵، ۷۴۸۶، ۷۴۸۷، ۷۴۸۸، ۷۴۸۹، ۷۴۹۰، ۷۴۹۱، ۷۴۹۲، ۷۴۹۳، ۷۴۹۴، ۷۴۹۵، ۷۴۹۶، ۷۴۹۷، ۷۴۹۸، ۷۴۹۹، ۷۵۰۰، ۷۵۰۱، ۷۵۰۲، ۷۵۰۳، ۷۵۰۴، ۷۵۰۵، ۷۵۰۶، ۷۵۰۷، ۷۵۰۸، ۷۵۰۹، ۷۵۱۰، ۷۵۱۱، ۷۵۱۲، ۷۵۱۳، ۷۵۱۴، ۷۵۱۵، ۷۵۱۶، ۷۵۱۷، ۷۵۱۸، ۷۵۱۹، ۷۵۲۰، ۷۵۲۱، ۷۵۲۲، ۷۵۲۳، ۷۵۲۴، ۷۵۲۵، ۷۵۲۶، ۷۵۲۷، ۷۵۲۸، ۷۵۲۹، ۷۵۳۰، ۷۵۳۱، ۷۵۳۲، ۷۵۳۳، ۷۵۳۴، ۷۵۳۵، ۷۵۳۶، ۷۵۳۷، ۷۵۳۸، ۷۵۳۹، ۷۵۴۰، ۷۵۴۱، ۷۵۴۲، ۷۵۴۳، ۷۵۴۴، ۷۵۴۵، ۷۵۴۶، ۷۵۴۷، ۷۵۴۸، ۷۵۴۹، ۷۵۵۰، ۷۵۵۱، ۷۵۵۲، ۷۵۵۳، ۷۵۵۴، ۷۵۵۵، ۷۵۵۶، ۷۵۵۷، ۷۵۵۸، ۷۵۵۹، ۷۵۶۰، ۷۵۶۱، ۷۵۶۲، ۷۵۶۳، ۷۵۶۴، ۷۵۶۵، ۷۵۶۶، ۷۵۶۷، ۷۵۶۸، ۷۵۶۹، ۷۵۷۰، ۷۵۷۱، ۷۵۷۲، ۷۵۷۳، ۷۵۷۴، ۷۵۷۵، ۷۵۷۶، ۷۵۷۷، ۷۵۷۸، ۷۵۷۹، ۷۵۸۰، ۷۵۸۱، ۷۵۸۲، ۷۵۸۳، ۷۵۸۴، ۷۵۸۵، ۷۵۸۶، ۷۵۸۷، ۷۵۸۸، ۷۵۸۹، ۷۵۹۰، ۷۵۹۱، ۷۵۹۲، ۷۵۹۳، ۷۵۹۴، ۷۵۹۵، ۷۵۹۶، ۷۵۹۷، ۷۵۹۸، ۷۵۹۹، ۷۶۰۰، ۷۶۰۱، ۷۶۰۲، ۷۶۰۳، ۷۶۰۴، ۷۶۰۵، ۷۶۰۶، ۷۶۰۷، ۷۶۰۸، ۷۶۰۹، ۷۶۱۰، ۷۶۱۱، ۷۶۱۲، ۷۶۱۳، ۷۶۱۴، ۷۶۱۵، ۷۶۱۶، ۷۶۱۷، ۷۶۱۸، ۷۶۱۹، ۷۶۲۰، ۷۶۲۱، ۷۶۲۲، ۷۶۲۳، ۷۶۲۴، ۷۶۲۵، ۷۶۲۶، ۷۶۲۷، ۷۶۲۸، ۷۶۲۹، ۷۶۳۰، ۷۶۳۱، ۷۶۳۲، ۷۶۳۳، ۷۶۳۴، ۷۶۳۵، ۷۶۳۶، ۷۶۳۷، ۷۶۳۸، ۷۶۳۹، ۷۶۴۰، ۷۶۴۱، ۷۶۴۲، ۷۶۴۳، ۷۶۴۴، ۷۶۴۵، ۷۶۴۶، ۷۶۴۷، ۷۶۴۸، ۷۶۴۹، ۷۶۵۰، ۷۶۵۱، ۷۶۵۲، ۷۶۵۳، ۷۶۵۴، ۷۶۵۵، ۷۶۵۶، ۷۶۵۷، ۷۶۵۸، ۷۶۵۹، ۷۶۶۰، ۷۶۶۱، ۷۶۶۲، ۷۶۶۳، ۷۶۶۴، ۷۶۶۵، ۷۶۶۶، ۷۶۶۷، ۷۶۶۸، ۷۶۶۹، ۷۶۷۰، ۷۶۷۱، ۷۶۷۲، ۷۶۷۳، ۷۶۷۴، ۷۶۷۵، ۷۶۷۶، ۷۶۷۷، ۷۶۷۸، ۷۶۷۹، ۷۶۸۰، ۷۶۸۱، ۷۶۸۲، ۷۶۸۳، ۷۶۸۴، ۷۶۸۵، ۷۶۸۶، ۷۶۸۷، ۷۶۸۸، ۷۶۸۹، ۷۶۹۰، ۷۶۹۱، ۷۶۹۲، ۷۶۹۳، ۷۶۹۴، ۷۶۹۵، ۷۶۹۶، ۷۶۹۷، ۷۶۹۸، ۷۶۹۹، ۷۷۰۰، ۷۷۰۱، ۷۷۰۲، ۷۷۰۳، ۷۷۰۴، ۷۷۰۵، ۷۷۰۶، ۷۷۰۷، ۷۷۰۸، ۷۷۰۹، ۷۷۱۰، ۷۷۱۱، ۷۷۱۲، ۷۷۱۳، ۷۷۱۴، ۷۷۱۵، ۷۷۱۶، ۷۷۱۷، ۷۷۱۸، ۷۷۱۹، ۷۷۲۰، ۷۷۲۱، ۷۷۲۲، ۷۷۲۳، ۷۷۲۴، ۷۷۲۵، ۷۷۲۶، ۷۷۲۷، ۷۷۲۸، ۷۷۲۹، ۷۷۳۰، ۷۷۳۱، ۷۷۳۲، ۷۷۳۳، ۷۷۳۴، ۷۷۳۵، ۷۷۳۶، ۷۷۳۷، ۷۷۳۸، ۷۷۳۹، ۷۷۴۰، ۷۷۴۱، ۷۷۴۲، ۷۷۴۳، ۷۷۴۴، ۷۷۴۵، ۷۷۴۶، ۷۷۴۷، ۷۷۴۸، ۷۷۴۹، ۷۷۵۰، ۷۷۵۱، ۷۷۵۲، ۷۷۵۳، ۷۷۵۴، ۷۷۵۵، ۷۷۵۶، ۷۷۵۷، ۷۷۵۸، ۷۷۵۹، ۷۷۶۰، ۷۷۶۱، ۷۷۶۲، ۷۷۶۳، ۷۷۶۴، ۷۷۶۵، ۷۷۶۶، ۷۷۶۷، ۷۷۶۸، ۷۷۶۹، ۷۷۷۰، ۷۷۷۱، ۷۷۷۲، ۷۷۷۳، ۷۷۷۴، ۷۷۷۵، ۷۷۷۶، ۷۷۷۷، ۷۷۷۸، ۷۷۷۹، ۷۷۸۰، ۷۷۸۱، ۷۷۸۲، ۷۷۸۳، ۷۷۸۴، ۷۷۸۵، ۷۷۸۶، ۷۷۸۷، ۷۷۸۸، ۷۷۸۹، ۷۷۹۰، ۷۷۹۱، ۷۷۹۲، ۷۷۹۳، ۷۷۹۴، ۷۷۹۵، ۷۷۹۶، ۷۷۹۷، ۷۷۹۸، ۷۷۹۹، ۷۸۰۰، ۷۸۰۱، ۷۸۰۲، ۷۸۰۳، ۷۸۰۴، ۷۸۰۵، ۷۸۰۶، ۷۸۰۷، ۷۸۰۸، ۷۸۰۹، ۷۸۱۰، ۷۸۱۱، ۷۸۱۲، ۷۸۱۳، ۷۸۱۴، ۷۸۱۵، ۷۸۱۶، ۷۸۱۷، ۷۸۱۸، ۷۸۱۹، ۷۸۲۰، ۷۸۲۱، ۷۸۲۲، ۷۸۲۳، ۷۸۲۴، ۷۸۲۵، ۷۸۲۶، ۷۸۲۷، ۷۸۲۸، ۷۸۲۹، ۷۸۳۰، ۷۸۳۱، ۷۸۳۲، ۷۸۳۳، ۷۸۳۴، ۷۸۳۵، ۷۸۳۶، ۷۸۳۷، ۷۸۳۸، ۷۸۳۹، ۷۸۴۰، ۷۸۴۱، ۷۸۴۲، ۷۸۴۳، ۷۸۴۴، ۷۸۴۵، ۷۸۴۶، ۷۸۴۷، ۷۸۴۸، ۷۸۴۹، ۷۸۵۰، ۷۸۵۱، ۷۸۵۲، ۷۸۵۳، ۷۸۵۴، ۷۸۵۵، ۷۸۵۶، ۷۸۵۷، ۷۸۵۸، ۷۸۵۹، ۷۸۶۰، ۷۸۶۱، ۷۸۶۲، ۷۸۶۳، ۷۸۶۴، ۷۸۶۵، ۷۸۶۶، ۷۸۶۷، ۷۸۶۸، ۷۸۶۹، ۷۸۷۰، ۷۸۷۱، ۷۸۷۲، ۷۸۷۳، ۷۸۷۴، ۷۸۷۵، ۷۸۷









انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ آمدنی مجھے واپس لے۔<sup>(۱)</sup>

### اقالہ:

نہجی آدمی کوئی چیز خرچے نہ یا بیچنے کے بعد اطمینان کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ معاملہ ختم ہو جائے اور میری چیز بخر سے مجھے واپس مل جائے۔ مگر عہدہ فتنہ نہیں کر سکتا، جب تک دوسرا راضی نہ ہو۔ حدیث پاک میں اس کی تفریح آئی ہے کہ کوئی اپنے معاملے پر بٹھیاں ہے، اس کی خاطر داری کے لیے دوسرے نے بھی موافقت کر کے معاملہ ختم کر دیا تو بے لوثی کے یہاں شراب کا شوق ہو گا۔ دو شخصوں کے درمیان کھیل جو عہدہ ہوا اسی کے ختم کر دیئے کو اقالہ کہتے ہیں۔ سرکار ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) عَنْ أَقَالَ مُشْلِحاً أَقَالَهُ اللَّهُ عَشْرَةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: جو کسی مسلمان سے اقالہ کرے اللہ اس کی تعزیر ہر روز قیامت محفوظ فرمائے گا۔

### دیگر ذرائع کسب:

حصول مال یا تحصیل مال کے باب میں اور بھی ذرائع ہیں مثلاً: وراثت، ہبہ، صدقہ، قرض، اجارہ، شرکت، مضاربہ وغیرہ۔ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے ہر ایک سے متعلق ہدایات دی ہیں۔

اسی طرح بیع و شرا، اجارہ وغیرہ کی بہت سی صورتیں اور دیگر بہت سے ذرائع کو اسلام نے حرام و ناجائز قرار دیا ہے یا مکروہ و ناپسند رکھا ہے۔ مثلاً: سود، غصب، باطل و فاسد یا دھوکے والی بیعیں، لوگوں کی حاجت کے وقت غلہ روک رکھنا، اذان جمعہ کے بعد خرید و فروخت میں مشغول ہونا۔ ان سب سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور فقہائے اسلام کی تشریحات موجود ہیں، جن کی تفصیل کثیر صفحات اور اطمینان و سکون کے اوقات کی طالب ہے۔

ارادہ تھا کہ سب پر تھوڑی تھوڑی محنت کر دی جائے گی مگر وقت اس کی بھی محتاج نہیں آتی اس لیے مختصر عرض ہے کہ رحمت للعالمین ﷺ نے اپنے ارشادات میں ان حقائق کی تعلیم دی ہے:

(۱) مال اللہ کا عطیہ ہے۔ اس کی تحصیل اور اس کے خرچ میں وہی طریقہ اپناؤ جو رب نے پسند فرمایا ہے اور جس کی اس نے اجازت دی ہے۔ وہی محمد خالق و مالک ہے۔ وہی ہر لمحہ تمہاری پرورش کرنے والا ہے۔ محمد اسم، محمد جان، محمد مال، محمدی صحت، محمدی قوت، سب اسی کا عطیہ ہے۔ تھوڑی مدت اور قلیل عرصہ حیات کے لیے اس نے تمہیں مختار بنادیا تو اپنے آغاز و انجام کو فراموش کر کے رب کی نافرمانی میں نہ پڑو، ورنہ اس جہان فانی چہ

روزہ کے بعد ایک اور جہان ہے جو غیر فانی اور جاودانی ہے۔

(۲) ہر اس ذریعہ سے بچو جس میں خدا کی ناراضی اور اس کا غضب ہو۔

(۳) یا بھی ہم دردی، ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی، فرائض الہیہ کی بجا آوری، خلق خدا پر شفقت و رحمت، اور رنگ و دستوں کی احسانت کبھی نہ بھولو۔ اسی سے خلق اور خالق کے یہاں تمہیں وقار اور اعتبار حاصل ہو سکتا ہے۔

(۴) کسی پر قلم، کسی کے ساتھ خدو و بد مہدی ہرگز نہ کرو، پڑوسیوں، قرابت داروں اور حاجت مندوں سے بے پردہائی نہ کر تو۔ فریب اور دھوکے والا معاملہ کبھی نہ کرو۔

(۵) نزاعی معاملات کا تصفیہ اس اصول پر ہو کہ ”لَا حَظَرَ وَ لَا حِصْرَ“ نہ خود ضرر اٹھاتا ہے نہ کسی اور کو ضرر میں ڈالتا ہے۔

(۶) تم پر کسی بندے کا حق آتا ہے تو ادائیگی یا صاحب حق کی معافی کے بغیر دنیا و تو دنیا قیامت میں بھی چھٹکارا نہ ہو گا۔ اس لیے دنیا سے جاؤ تو اس حال میں جاؤ کہ تمہاری گردن کسی کے ذمہ اور کسی کے حق میں پھنسی ہوئی نہ ہو۔

(۷) تمہارا کسی پر حق آتا ہو تو زری و چشم پوشی سے کام لو۔ ہو سکے تو معاف کر دو یا کچھ کر دو یا کچھ عرصہ کے لیے مہلت ہی دے دو۔ سخاوت اور کشادہ دلی خدا کو محبوب ہے۔ بخل اور تنگ دلی رب کو ناپسند ہے اور تمہیں دنیا کا سامان و مثال چھوڑ کر کسی کے حضور حاضر ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے یہاں سرخ روئی کی فکر کرو اور وہاں کی رسولی سے ڈرو۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی سید المرسلین، رحمة للعالمین، أفضل الہادین، اکرم الأولین، والأخیرین و علی آلہ وصحبہ اجمعین۔

(۱) المکسر السہ للبعوی، مشکوٰۃ مشرق، ص: ۳۶۹۔

(۲) سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن ابی یوسف، سنن ابی حنیفہ، مشکوٰۃ مشرق، ص: ۳۵۰۔

کلب اور اعضا سے متعلق اعمال و افعال درست ہوں۔ جب عمل فاسد ہوگا تو اصل ہی فوت ہو جائے گی۔

صوفیہ کرام شریعت پر مضبوطی سے استقامت ہی کو خدا تک رسائی کا سب سے قریب ذریعہ سمجھتے ہیں۔ سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

”اقرب الطرق إلى الله لزوم قانون العبودية والاستمساك بعروة الشريعة.“<sup>۴۳</sup>

اللہ جبریل علیہ السلام کی طرف سب سے قریب راست قانون بندگی کو لازم پکڑنا اور شریعت کی گرد کو تھامے رہنا ہے۔

شریعت پر استقامت اسی وقت صادق ہوگی جب ظاہر و باطن دونوں احکام الہی کے پابند ہوں۔ باطن اخلاق ذمیرہ سے منزه ہو اور ظاہر اوصاف حمیدہ سے آراستہ۔ صرف چند فرائض و واجبات کی ادائیگی اور چند منوعات و حرام سے پرہیز کر لینے سے شریعت کی پابندی کسی فقیہ کی نظر میں بھی کامل نہیں ہوتی، کسی عارف کے نزدیک ہوگی؟ کچھ اوصاف ذمیرہ کو دیکھیں جن سے بچنا اہل ظاہر کے نزدیک بھی ضروری ہے مگر کتنے ہیں جو اس پر پورے اترتے ہیں۔ بلکہ کہتے ہیں جو ان کے نام بھی ذہن میں رکھتے ہیں؟

### اوصاف ذمیرہ:

(۱) کیا (۲) حُب (۳) حسد (۴) کینہ (۵) عکبر (۶) خستہ دماغ (۷) خستہ جلد (۸) محبت دنیا (۹) خستہ شہرت (۱۰) تنظیمِ امرا (۱۱) تحقیرِ مساکین (۱۲) اجتنابِ شہوات (۱۳) مذہنت (۱۴) کفرانِ نعم (۱۵) حرص (۱۶) بخل (۱۷) طولِ امید (۱۸) سوسے عن (۱۹) عداوت (۲۰) اصرارِ باطل (۲۱) مکر (۲۲) غدر (۲۳) خیانت (۲۴) غفلت (۲۵) شہوت (۲۶) طمع (۲۷) تمسک (۲۸) اعتدالِ خلق (۲۹) نسیانِ خالق (۳۰) نسیانِ موت (۳۱) جرأتِ علی اللہ (۳۲) تنقیق (۳۳) اجتنابِ شیطان (۳۴) بندگیِ نفس (۳۵) غلبتِ بطالت (۳۶) کراہتِ عمل (۳۷) غلبتِ خستہ (۳۸) جزع (۳۹) عدمِ خشوع (۴۰) غضبِ نفس (۴۱) تمسکِ فی اللہ وغیرہا۔

ان سب سے باطن کو پاک کرنا اور پاک رکھنا ضروری ہے۔ صوفیہ اس کا اپنے نفس سے ہر وقت مجاہد کرتے ہیں اور دیکھتے رہتے ہیں کہ کسی چور و دزدانہ سے اس طرح کا کوئی عیب تو نہیں رہ آیا۔ جس شخص میں باطن کا اعتساب اور ہر لمحہ اس کی عمرانی نہ ہو اگر ان اوقات کا شکار ہو کر ان کا غلام بن جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں اب بھی متقی و صاحبِ فلاح ہوں جب کہ وہ اپنے تقویٰ کا سوا بہت چلنے کھوجکا، یا یہ زور خالص کہی اس کے ہاتھ ہی نہ آیا مگر یہاں پر اہل تصوف کی گرفت بہت مضبوط ہوتی ہے جو محاسب و مراقب کا شمر ہے۔

(۱) مہجۃ الاسرار للعلامة ابو الحسن علی الشطنوق، ص: ۵۰۔

## توحید۔ تصوف اور اہل تصوف<sup>(۱)</sup>

کچھ لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تصوف یا طریقت، شریعت سے کوئی جدا راہ ہے اس خیال کو ان فلا کار متصوفوں نے بھی شہرت دی جو یہ کہتے ہیں کہ شریعت راہ ہے اور طریقت منزل۔ جو منزل تک پہنچ گیا ہے راہ کی کیا ضرورت؟ وہ اپنے کو تمام احکام و فرائض سے آزاد سمجھتے ہیں۔ درحقیقت یہ زندہ ہے، صوفیہ نے کبھی یہ معنی بیان نہ کیا، نہ ہی وہ طریقت کو شریعت سے بے نیاز سمجھتے ہیں، نہ ہی تصوف کو کتاب و سنت کی تعلیم سے الگ سمجھ سکتے ہیں۔ بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ جس طریق کو شریعت رد کر دے وہ الہاد و زندہ ہے، جو کشف معیار شرع پر پورا نہ اترے مگر شیطان ہے۔ تصوف کے قواف میں تعبیرات بہت آئی ہیں مگر سب کا حاصل اور مال ایک ہی ہے۔ یہاں دو تین کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

عارف ہاشم نام عبدالوہاب شہرانی فرماتے ہیں:

”التصوف إنما هو زيادة عمل العبد بأحكام الشريعة.“<sup>(۲)</sup>

تصوف کیا ہے؟ جس احکام شریعت پر بندے کے عمل کا خلاصہ ہے۔

ابو عبد اللہ محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”التصوف تصفية القلب، واتباع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في الشريعة.“<sup>(۳)</sup>

تصوف اس کا نام ہے کہ دل صاف کیا جائے اور شریعت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہو۔

محمد الاسلام نام محمد زبلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”التصوف عبارة عن تجرد القلب لله تعالى، واستحقاق ماسوى الله، وحاصله

يرجع إلى عمل القلب والجوارح، ومهما فسد العمل فأت الأصل.“<sup>(۴)</sup>

تصوف اس کا نام ہے کہ دل خدا کے لیے خالی ہو اور ماسوی اللہ کو خاطر میں نہ لائے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ

(۱) سال نامہ اہل سنت کی آوارہ مار برہہ مطہرہ، شعبان ۱۴۲۵ھ / اکتوبر ۲۰۰۴ء۔

(۲) طبقات الشافعیہ، البکری، ص ۳۰۔

(۳) طبقات الشافعیہ، البکری، ص ۱۸۔

(۴) احیاء علوم الدین، ج: ۲، ص: ۲۳۹، باب فوائد السر وفضلہ ونبیہ۔



## اخلاق حمیدہ:

اب یہ دیکھیے کہ اہل تصوف طالب سلوک کو کن اخلاق حمیدہ سے آگاہی کی تاکید فرماتے ہیں۔

حضرت میر عبدالواحد بکراہی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۱۷ھ) فرماتے ہیں:

طالب صادق کو چاہیے کہ مکالم اخلاق حاصل کرے اور مقامات و احوال کی مشق کرے، مکالم اخلاق یہ ہیں:

- (۱) کفایت (۲) محبت (۳) شجاعت (۴) چشم پوشی (۵) پردہ پوشی (۶) درگزر (۷) صبر (۸) رضا (۹) بیزارت (۱۰) علم (۱۱) تواضع (۱۲) خیر خواہی (۱۳) شفقت (۱۴) تحمل (۱۵) موافقت (۱۶) احسان (۱۷) ابرار (۱۸) ایثار (۱۹) خدمت (۲۰) صبر و الفت (۲۱) برداشت (۲۲) کرم (۲۳) خلوت (۲۴) بذل (۲۵) صبروت (۲۶) کشادہ روی (۲۷) خود (۲۸) علم (۲۹) صبح (۳۰) صفا (۳۱) جود (۳۲) وفا (۳۳) حیا (۳۴) مختلف (۳۵) خوش روی (۳۶) آسگنی (۳۷) سکینت (۳۸) بوقار (۳۹) عطا (۴۰) حسن ظن (۴۱) تغیر نفس (۴۲) توقیر اخوان (۴۳) تجمل مشایخ (۴۴) چھوٹے بڑے پر رحم (۴۵) اپنے سلوک و احسان کو حقیر سمجھنا (۴۶) اپنے ساتھ کیے گئے سلوک کو عظیم سمجھنا۔

اہل تصوف کے اخلاق وہ نہیں جن کا جھوٹے دعویدار اظہار کرتے ہیں۔ طبع کو زیادت، بے ادبی و گستاخی کو اخلاص، حق سے باہر ہونے کو صبر کہتے ہیں۔ یعنی زبان و راز و بے باکی سے ایسی بات بولنا جو دین سے نکل جانے کا سبب ہو۔ خراش کی چروٹی کو ابتلا، بد خلقی کو ہیبت، بادشاہوں سے تقرب کو مسلمانوں کی سفارش تصور کرتے ہیں۔ نکل کو دانائی سمجھتے ہیں یہ اور اس طرح کی بہت سی باتیں ہیں جو اہل معرفت کی راہ و روش سے دور ہیں۔

## مقامات:

اس کا مطلب یہ ہے کہ عبادات میں بندہ یہ تصور رکھے کہ میرا مقام خدا تعالیٰ کے سامنے ہے۔

## مقامات کی ترتیب اس طرح ہے:

- (۱) ایجاب: خواب غفلت سے بیداری
- (۲) تہجد: نکلنا ہوں کو چھوڑ کر دوام غماضت کے ساتھ حق تعالیٰ کی جانب رجوع اور کثرت استغفار
- (۳) ایجاب: غفلت سے ذکر کی جانب واپسی اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ حق سے خوف کا نام توبہ اور حق

کی جانب شوق کا نام اتباع ہے

(۷) تہجد: دنیا کی حلال شہوات سے باز رہنا

(۸) فقر: اہلک نہ رکھنا اور جو کچھ ہاتھ میں نہ ہو اس سے دل خالی رکھنا

(۹) صمدی: ظاہر و باطن کا یکساں ہونا

(۱۰) تقبیر: نفس سے وہ بات برداشت نہ کرنا جو اسے ہموار ہوں اور اسے ہر چیز عجیبوں کا جام ملانا

(۱۱) حمیزہ: شکایت ترک کر دینا

(۱۲) رضا: بلائیں لذت مانا

(۱۳) انکلاص: حق سبحانہ تعالیٰ کے معاملات سے فطرت کو باہر رکھنا

(۱۴) توکل: حق تعالیٰ کی رزاقی پر بھروسہ اور غیر سے قطع طمع۔

## احوال:

یہ دلوں کے معاملات کا نام ہے یعنی ذکر کی صفائی سے دلوں میں جو واردات آتے ہیں وہ احوال ہیں۔ حضرت جنید فرماتے ہیں: حال ایک دارد ہونے والی کیفیت ہے جو دل پر اترتی ہے اور ہمیشہ نہیں رہتی کچھ احوال یہ ہیں:

(۱) صبر: حق تعالیٰ کے ہاتھ میں قسب کی چیزوں کو دیکھنا

(۲) قربہ: خدا کے سامنے سامنے صحت جمع رکھنا

(۳) محبت: محبوب کی پسند و ناپسند میں اس کی موافقت

(۴) تہجد: حق نے جو وعدہ کیا ہے اس بارے میں اس کی تصدیق

(۵) خوف: اللہ کی سلطنت و عظمت کے تعلق سے دلوں کا مطالعہ

(۶) حلیۃ: انبساط سے دلوں کو روکنا

(۷) حلیۃ: محبوب کی یاد کے وقت قلب کا چھپنا

(۸) انس: خدا کی جانب سکون پزیر ہونا اور تمام امور میں عاجزی و سکتت برتنا

(۹) طمانینہ: بقا و قدر کے تحت جو بھی جاری ہے اس بارے میں خدا کی جانب سکون پزیر ہونا

(۱۰) یقین: مشکوک دور ہونے کے ساتھ تصدیق

(۱۱) مشاہدہ: یہ رویت یقین اور رویت بین کے درمیانی فاصلہ کا نام ہے کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

خدا کی عبادت اس طرح بولا کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اگر تو اسے نہیں دیکھتا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ مشاہدہ آخری حال ہے۔

طالب صادق کو چاہیے کہ ان تمام اخلاق، مقامات اور احوال کی مشق و عادت ڈالے تاکہ رفتہ رفتہ یہ سب اسے

(۴) قدر: ایسی چیز کو ترک کر دینا جس کی حلیت میں شبہ ہو

(۵) مجاہدہ: نفس کے سود و زیاں اور زیادتی کو کسی غیر غم

(۶) ایجاب: راحت ترک کر کے طاقت و عبادت میں دائمی محنت

حاصل ہو جائیں اور مرید حقیقی بن جائے۔ اس کے بعد کچھ اور خوشبوئیں، تاشیں، بخششیں ہوتی ہیں جن کے بیان سے عبارت قاصر ہے اور اگر تم خدا کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔<sup>(۱)</sup>

یہ ان امور کا اجالی بیان ہے جن کی پابندی کی ہدایت و تربیت صوفیہ کرام فرماتے ہیں۔ غور کیجئے ان میں کون ایسا امر ہے جو کتاب و سنت کے خلاف ہو یا جن سے اعتقاد میں کوئی خرابی آتی ہو۔ لیکن براہِ صوفیہ سے عداوت کا ذکر تصوف کو نزدیک اور صوفیہ کو نزدیک کے نام سے شہرت دینے کی کسی مذہبِ جاری ہے، حالاں کہ یہ حضرات جس شدت و استقامت کے ساتھ اسلامی عقائد و احکام کے پابند ہوتے ہیں اور ان کے افکار و اخلاق کی جو پابندی ہوتی ہے اہل ظاہر کے یہاں اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا مگر جب دل سے حق و انصاف رخصت ہو چکا ہو اور قلب میں بغیر نفس و عباد کی غلبت گھر کر چکی ہو تو اس کا کیا علاج؟

### توحید اور صوفیہ:

صوفیہ کرام کے عقائد بھی وہی ہیں جو اکارِ سلف اور انعامِ امت کے ہیں، جو قرآن مجید اور سنت نبویہ سے ماخوذ ہیں۔ ان سے وہ سرواغرِ اف کو برا نہیں کرتے۔ پس کشف و الہام کے نتیجے میں ان پر کچھ اسرار و معارف منکشف ہوئے ہیں جن کو وہ شریعت کی میزان پر تولتے ہیں اگر وہ شریعت سے تصادم ہیں تو رد کر دیتے ہیں اور اگر موافق ہیں تو قبول کرتے ہیں مگر انھیں دوسروں پر لازم نہیں کرتے۔

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ توحید کے بارے میں ان کا عقیدہ کیا ہے؟ پھر کشف و شہود کے نتیجے میں اسے وہ کہاں ترقی دیتے ہیں؟ اور ان کا یہ کشف شریعت کے موافق ہے یا نہیں؟

شیخ ابوطالب محمد بن علی کی موتی سن ۸۶۱ھ "قوت القلوب فی معاملۃ المعبود" میں رقم طراز ہیں:

"فرض توحید یہ ہے کہ قلب اس بات کا اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے، بغیر عدد کے۔ اول ہے جس کا کوئی جہلی نہیں ہے۔ موجود ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ حاضر ہے غائب نہیں۔ عالم ہے جسے جہل نہیں۔ قادر ہے عاجز نہیں۔ حی ہے جس کے لیے موت نہیں۔ قوم ہے جسے غفلت نہیں۔ علم ہے جس کے لیے سہادت نہیں۔ سبج بصر و ادب ہے جس کی بادشاہت کے لیے زوال نہیں..... اس کے اسما، صفات اور انوار نہ مخلوق ہیں نہ اس سے متصل ہیں..... وہ نہ اشیا کے لیے محل ہے نہ اشیا اس کے لیے محل ہیں۔ الخ۔ بختمیں و ترجمہ<sup>(۲)</sup>

شیخ ابوبکر محمد بن عبد بن عربی (موتی سن ۵۶۰ھ - ۳۸۰ھ) اپنے عقائد مندرجہ فتوحات مکہ میں لکھتے ہیں:

(۱) سبج سائل، ص: ۵۵۳

(۲) قوت القلوب: ابوطالب بنی، ۸۶۰/۸، اشاعت مرکزی، بیروت

یقیناً اللہ تعالیٰ الہ واحد ہے جس کا کوئی ثانی نہیں ہے، وہ بیوی اور اولاد سے منزہ ہے، مالک ہے جس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہ ہے جس کا کوئی وزیر نہیں، صاحب ہے جس کے ساتھ کوئی مدبر نہیں، ذات موجود ہے بغیر اس کے کہ اسے کسی موجد کی احتیاج ہو بلکہ ہر موجود اپنے وجود میں اس کا محتاج ہے۔ سارا عالم اس سے موجود ہے اور وہ از خود موجود ہے۔ نہ اس کے وجود کی کوئی ابتداء ہے نہ اس کی بقا کی کوئی انتہا، بلکہ اس کا وجود، مطلق قائم بالذات ہے۔ وہ نہ جوہر ہے کہ اس کے لیے مکان مانا جائے۔ نہ عرض ہے کہ اس کی بقا محال ہو، نہ جسم ہے کہ اس کے لیے جہت اور سامنا ہو، وہ جہات و جواب سے پاک ہے۔ دلوں اور نگاہوں سے دور کھما جانے والا ہے۔ عرش پر اس کا استوا ہے جیسا اس نے فرمایا اور اس معنی کے ساتھ جو اس کی مراد ہے..... اس کا کوئی محل نہیں جس کا تصور کیا جائے یا جس پر محل کی دلالت ہو۔ نہ کوئی زمان اس کی تحدید کرنے والا ہے نہ کوئی مکان اس پر مشتمل ہے بلکہ اس کا وجود تھا جب کہ کوئی مکان نہ تھا اور اسی طرح و درج ہے اس نے عین و مکان کی تحقیق کی اور زمانے کو پیدا کیا اور فرمایا: میں واحد حق ہوں جس پر مخلوقات کی نگہداشت گراں نہیں۔ معنوعات کی صفت سے کوئی ایسی صفت اس کی طرف راجع نہیں جس پر وہ پہلے نہ رہا ہو۔ وہ اس سے برتر ہے کہ حوادث اس میں حلول کریں یا وہ حوادث میں حلول کرے یا حوادث اس سے قبل ہوں، یا وہ حوادث کے بعد ہو، بلکہ یہ کہا جائے کہ وہ تھا اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی۔ اس لیے "قبل و بعد" زمان کے صفیے ہیں جن کو اس نے وجود بخشا۔ وہ قوم ہے جس کے لیے خند نہیں، قہار ہے جس کا قصد نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے مثل کوئی نئے نہیں۔ اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ الخ۔ بختمیں و ترجمہ<sup>(۱)</sup>

توحید اور ذات و صفات سے متعلق یہ وہی عقائد ہیں جن پر پوری امت کا اجماع قائم ہے اور صوفیہ کرام کے نزدیک بھی وہ واجب الاذعان ہیں۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ عقیدہ توحید میں صوفیہ کہاں تک ترقی کرتے ہیں؟ سیدنا میر عبد الواحد بن ابراہیم بنگرانی قدس سرہ (موتی سن ۱۰۱۰ھ) "سبج سائل" میں ارشاد فرماتے ہیں:

قال الله تعالى: لَيْسَ الْإِنْسَانُ بِشَيْءٍ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ فَمَا لِيَثْبِتُ اللَّهُ لَكَ (الاحقاف: ۳) بے شک جنھوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے مگر اس پر استقامت کی۔ بھراحقائق میں اس کے تحت نقل ہے: وہ لوگ جنھوں نے استقامت احتیاج کی اعضا سے ارکان شریعت کی پابندی پر، نفوس سے آداب

(۱) کلیتہاً قیامت والہ عربی بیان عقائد الاکابر امام عبدالمہدی شہرستانی (موتی سن ۸۹۸ھ - ۴۳۰ھ) ص: ۴۱/۴، مطبع مصر ۱۳۵۵ھ، المطبعہ المجازیہ۔

امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

حقیقی وجود صرف اللہ کے لیے ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سب سے بڑی بات جو عرب نے کہی وہ بنیید شاعر کا یہ قول ہے: "الا، کل شیء ما خلا اللہ باطل،" ہمارے نزدیک ثابت ہو چکا ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کا معنی عوام کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور خواص کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں اور خاص الخواص کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مشہود نہیں۔ اور جو مقام نہایت تک پہنچ گئے ان کے نزدیک یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی موجود نہیں۔ اور سب حق ہے۔ مدار ایمان اول پر ہے۔ مدار صلات دوم پر۔ کمال سلوک سوم پر اور وصول الی اللہ کا مدار چہارم پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان چاروں معانی سے حظ کامل عطا فرمائے۔ اپنے احسان و کرم سے۔ الدولة المکیة بالمادة الغیبیة ۳۷۸ھ اشاعت و طباعت بریلی، ص: ۳۳۳ (۱)

یہاں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ صوفیہ واجب اور ممکن میں اتحاد کے قائل ہیں، واجب کو ممکن اور ممکن کو ممکن واجب جانتے ہیں اور "تحدیست" کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن صوفیہ کا نام اس الزام سے بری ہے۔ وہ ممکن کو عقل، عکس، پر تو، منظر کہتے ہیں اور عقل، بہر حال اصل سے جدا اور اصل کا غیر ہوتا ہے۔ تخلیق کی صراحت کے باوجود ان کے کلام سے عینیت ثابت کرنا غلط ہے، اگر کسی سے کوئی ایسی عبارت منقول ہے تو اس کی تاویل ضروری ہے کیوں کہ طول و اتقاد کی نفی میں صوفیہ کرام کی صریح عبارات موجود ہیں۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں کہ یہ بات ٹھہرین نے شیخ اکبر کے خلاف پھیلایا ہے۔ امام شعرانی نے شیخ اکبر کی کتابوں سے ان کا مذہب اور طول و اتقاد کی نفی نقل کر کے واضح کیا ہے کہ شیخ اس خیال باطل سے بلاشبہ بری ہیں۔ چند عبارتیں یہاں بھی پیش کی جاتی ہیں۔

شیخ اکبر فرماتے ہیں: جو طول کا قائل ہے وہ ہمارے کیوں کہ طول کا قول ایک اطلاع مرض ہے اور اتحاد کے قائل اہل الہاد ہیں جیسے طول کے قائل اہل جمل و فضول ہیں۔ (توحات - باب الاسرار)

حادث حوادث سے خالی نہیں ہو سکتا اگر قدیم کا طول حادث میں ہو تو جس کی بات درست ہو جائے۔ قدیم نہ طول کرنے والا ہے، نہ اس میں کوئی نئے طول کرنے والی ہے۔ عاقل جب کہتا ہے "انا من اھوی، و عن اھوی انا" تو یہ زبان عشق و محبت کا کلام ہے۔ زبان علم و تحقیق کا کلام نہیں۔ اسی لیے ایسا قائل جب منکر سے صحو میں آتا ہے تو اپنے قول سے رجوع کرتا ہے۔ (توحات - باب الاسرار)

طریقت سے آرائی پر، غلو سے تعلقات سے کنارہ کشی پر، ارواح سے انوار صفات کی جنگی پر، سر سے خالص توحید پر، نفی سے غیر سے نفی اور حق کے ساتھ بقا پر۔ صاحب کشف الاسرار نے فرمایا: "ربا اللہ" توحید اقرار سے عبارت ہے اور "شم استقاموا" سے توحید معرفت کی جانب اشارہ ہے۔ توحید اقرار یہ ہے کہ اللہ کو یکتا کہو اور توحید معرفت یہ ہے کہ اسے یکتا پہچانو۔ یعنی ہر جہت سے اس کی وحدت کا مشاہدہ کرنے والے ہو جاؤ باوجودیکہ عالم وحدت میں جہت نہیں۔  
نئے جہت کی گنجیدہاں جاننے صفت نے نظر نے یہاں نے معرفت آتش از سر وحدت پر فروخت غیر واحد ہر چہ پیش آمد بسوخت (۱)

سیدنا ابو الحسن احمد نورانی قدس سرہ (م ۳۷۳ھ) فرماتے ہیں:

وحدت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وجودی دوسری شہودی۔ وجودی کے معنی یہ ہیں کہ سالک کے علم اور نظر دونوں سے اللہ کے سوا کچھ بھی ہے اس کا شعور ختم ہو جائے اور اس کی نظر و علم میں اللہ کے سوا سب کچھ نہ ہونے کے بعد ذات باری تعالیٰ باقی رہے۔ لیکن سالک کے مقام کی انتہا ہے۔ اس مقام پر آنے کے بعد سالک ولی ہو جاتا ہے۔ میرا اللہ کے ختم ہونے کے یہی معنی ہیں اور اسی کو مقام لاہوت کہتے ہیں۔ سیر و سلوک قادریہ میں یہ جو تمام مقام ہے۔ اس کے بعد سیر فی اللہ ہے کہ اس سے مراد ذات تحت باری تعالیٰ میں، جس کی کوئی حد نہیں، ترقی حاصل کرنا شروع ہوتا ہے اور حدیث شریف: ما عرفنا حق معرفتنا (ہم نے جیسا کہ تیرا حق تھا جیسے نہ پہچانا) اسی سیر کی خبر دیتی ہے۔ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ وغیرہم تمام اولیاء اللہ کا یہی مسلک ہے۔ ایک قلیل تعداد وحدت شہودی کی طرف گئی ہے اور اس کو سالک کا ابتدائی مقام جانتے ہیں، وحدت شہودی کے بھی یہی معنی ہیں لیکن اس میں موجودات کا انکار صرف سالک کی نظر سے ہوتا ہے اس کے علم سے نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا تمام موجودات اس کے علم میں توباقی رہتے ہیں صرف نظر سے ختم ہو جاتے ہیں۔ نظر میں صرف ذات باری باقی رہتی ہے۔ باقی سب نظر سے ہلاک اور فانی ہو جاتے ہیں مگر سالک کے علم میں باقی رہتے ہیں۔ جیسے سورج نکلے پر ستارے۔ کہ سب ستارے نظر سے غائب ہو جاتے ہیں، نظر کے سامنے صرف سورج ہوتا ہے لیکن وہ جانتا ہے کہ ستاروں کا وجود ایسے ہی باقی ہے بس نظر سے چھپ گیا ہے۔ (۲)

(۱) سچ منہل شریف: میر عبد الوہاب بنگالی، ص: ۳۹، فکس طبع نقالی کا پیر ۱۳۹۹ھ

(۲) راجع اسلاف فی السیاحات اعداد شفا ابو الحسن احمد نورانی رحمتہ اللہ علیہ ص: ۳۳، اشاعت ممبئی ۱۹۸۶ھ

(۱) امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ، اشاعت اول المجلد سلاوی، مبارک پور ۱۳۹۹ھ

اگر یہ صحیح ہے کہ انسان، انسانیت سے اور ملک، ملکیت سے برتری کر کے خالق مَخلُوعِ علاقے محمد ہوجائے اور خلق، حق ہوجائے تو کسی کو کسی علم پر اکتفا نہ رہے اور محال واجب ہوجائے جب کہ قلب حقائق کی کوئی راہ نہیں۔ (توحفات باب ۳۴)

خلقت بھی مرتبہ حق پرستی میں نہیں ہو سکتی، جیسے معلول بھی مرتبہ علت میں نہیں۔ (توحفات باب ۳۸)

کمال عرفان یہ ہے کہ مہد اور رب دونوں کا مشاہدہ ہو، جو عارف کسی بھی وقت مشاہدہ مہد کی نفی کرے وہ عارف نہیں۔ اس وقت وہ صاحب حال ہے اور صاحب حال شکر والا ہے جسے تحقیق نہیں ہوتی۔ (لواحق الانوار)

**توحفات باب ۴۴ میں لکھے ہیں:** بعض مکاشفات میں میری روح کی ملاقات حضرت ہارون علیہ السلام سے ہوئی۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! آپ نے یہ کیسے کہا: "فلا تُشعِشِ بَنِي الْاَعْدَاءِ" (مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنساکو) اعداؤں میں جن کا آپ مشاہدہ کر رہے ہیں۔ جب کہ ہم لوگوں میں سے سالک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ

اللہ کے سوا کسی کا مشاہدہ نہیں کرتا۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب دیا۔ تم نے جو کہا تمہارے مشاہدے کے لحاظ سے صحیح ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ جب تم خدا کے سوا کسی چیز کا مشاہدہ نہیں کرتے تو کیا اس وقت نفس الامر سے عالم

نازل ہو گیا جیسا کہ تمہارے مشاہدے میں نازل ہے یا نفس الامر میں عالم باقی اور غیر نازل ہے۔ صرف تم اس کے مشاہدے سے مجبور ہو اس لیے کہ ایک ایسی عظیم محلی تمہارے قلوب پر واقع ہوئی جس نے عالم کو تمہارے شہود

سے رو چھڑ کر دیا؟ میں نے عرض کیا: نفس الامر میں عالم باقی و غیر نازل ہے۔ صرف ہم اس کے مشاہدے سے مجبور ہو گئے۔ فرمایا: اس شہود میں خدا سے متعلق تمہارے عرفان میں کی ہے جس قدر کہ مشاہدہ عالم میں کی ہے۔

اس لیے کہ سارا عالم اللہ کی نشانی ہے۔ اس جواب سے حضرت ہارون علیہ السلام نے مجھے ایسی معرفت کا افادہ فرمایا جو مجھے پہلے حاصل نہ تھی۔ انجی۔ سیدی علی بن وفار حمہ اللہ فرماتے کہ اگر کلام قوم میں کہیں اتحاد کا ذکر آیا ہے تو اس کا

مطلب یہ ہے کہ بندے کی مراد، حق کی مراد میں فنا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں فلاں میں اتحاد ہے جب ہر ایک

دوسرے کے غلطی کے مطابق کام کرتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

ان اقتباسات سے واضح ہے کہ حلول و اتحاد کے قول سے صوفیہ کرام کس قدر دور ہیں اور ان کی جانب اس خیال باطل کا انتساب کتنا غلط اور گمراہ کن ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ صوفیہ کا یہ مذہب شریعت کے موافق ہے یا مخالف؟ اس بارے میں علامہ فضل حق خیر آبادی (۱۲۱۴ھ - ۱۲۷۸ھ) نے الروض المحمود (فی حقیقۃ الوجود) میں تفصیل مشکوک ہے۔ وحدت

(۱) البدیۃ المسترسلۃ والحوار فی صحت کلام لاکرامہ ۱/۵۵-۵۶، بتقریب درج ہے۔

وجود کو پہلے دلیل عقلی سے ثابت کیا ہے پھر اس پر کئی آیات و احادیث پیش کر کے واضح کیا ہے کہ وحدت وجود کو مانے بغیر ان نصوص کا صحیح سلوک حقیق نہیں ہو سکتا۔ ملاحظہ ہو، ص: ۳۳-۳۴، ص: ۳۶، ص: ۳۷، ص: ۳۸، ص: ۳۹، ص: ۴۰، ص: ۴۱، ص: ۴۲، ص: ۴۳، ص: ۴۴۔

میں یہاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا کلام پیش کرتا ہوں جس سے توحید، وحدت اور اتحاد کی وضاحت بھی ہوتی ہے اور وحدت پر دلیل سنی بھی فراہم ہوتی ہے۔ دور قمر طراز ہیں:

یہاں تین چیزیں ہیں توحید، وحدت، اتحاد، توحید مد ار ایمان ہے اور اس میں شک کفر اور وحدت وجود حق ہے، قرآن عظیم و احادیث و ارشادات اکابر دین سے ثابت اور اس کے قائلوں کو کافر کہنا خود شنیع حیثیت کفر ہے۔

ربا اتحاد، وہ ہے شک و زندقہ و الحاد، اور اس کا قائل ضرور کافر۔ اتحاد یہ کہ یہ بھی خدا، وہ بھی، سب خدا۔ ص: ۴۵، ص: ۴۶، ص: ۴۷، ص: ۴۸، ص: ۴۹، ص: ۵۰، ص: ۵۱، ص: ۵۲، ص: ۵۳، ص: ۵۴، ص: ۵۵، ص: ۵۶، ص: ۵۷، ص: ۵۸، ص: ۵۹، ص: ۶۰، ص: ۶۱، ص: ۶۲، ص: ۶۳، ص: ۶۴، ص: ۶۵، ص: ۶۶، ص: ۶۷، ص: ۶۸، ص: ۶۹، ص: ۷۰، ص: ۷۱، ص: ۷۲، ص: ۷۳، ص: ۷۴، ص: ۷۵، ص: ۷۶، ص: ۷۷، ص: ۷۸، ص: ۷۹، ص: ۸۰، ص: ۸۱، ص: ۸۲، ص: ۸۳، ص: ۸۴، ص: ۸۵، ص: ۸۶، ص: ۸۷، ص: ۸۸، ص: ۸۹، ص: ۹۰، ص: ۹۱، ص: ۹۲، ص: ۹۳، ص: ۹۴، ص: ۹۵، ص: ۹۶، ص: ۹۷، ص: ۹۸، ص: ۹۹، ص: ۱۰۰، ص: ۱۰۱، ص: ۱۰۲، ص: ۱۰۳، ص: ۱۰۴، ص: ۱۰۵، ص: ۱۰۶، ص: ۱۰۷، ص: ۱۰۸، ص: ۱۰۹، ص: ۱۱۰، ص: ۱۱۱، ص: ۱۱۲، ص: ۱۱۳، ص: ۱۱۴، ص: ۱۱۵، ص: ۱۱۶، ص: ۱۱۷، ص: ۱۱۸، ص: ۱۱۹، ص: ۱۲۰، ص: ۱۲۱، ص: ۱۲۲، ص: ۱۲۳، ص: ۱۲۴، ص: ۱۲۵، ص: ۱۲۶، ص: ۱۲۷، ص: ۱۲۸، ص: ۱۲۹، ص: ۱۳۰، ص: ۱۳۱، ص: ۱۳۲، ص: ۱۳۳، ص: ۱۳۴، ص: ۱۳۵، ص: ۱۳۶، ص: ۱۳۷، ص: ۱۳۸، ص: ۱۳۹، ص: ۱۴۰، ص: ۱۴۱، ص: ۱۴۲، ص: ۱۴۳، ص: ۱۴۴، ص: ۱۴۵، ص: ۱۴۶، ص: ۱۴۷، ص: ۱۴۸، ص: ۱۴۹، ص: ۱۵۰، ص: ۱۵۱، ص: ۱۵۲، ص: ۱۵۳، ص: ۱۵۴، ص: ۱۵۵، ص: ۱۵۶، ص: ۱۵۷، ص: ۱۵۸، ص: ۱۵۹، ص: ۱۶۰، ص: ۱۶۱، ص: ۱۶۲، ص: ۱۶۳، ص: ۱۶۴، ص: ۱۶۵، ص: ۱۶۶، ص: ۱۶۷، ص: ۱۶۸، ص: ۱۶۹، ص: ۱۷۰، ص: ۱۷۱، ص: ۱۷۲، ص: ۱۷۳، ص: ۱۷۴، ص: ۱۷۵، ص: ۱۷۶، ص: ۱۷۷، ص: ۱۷۸، ص: ۱۷۹، ص: ۱۸۰، ص: ۱۸۱، ص: ۱۸۲، ص: ۱۸۳، ص: ۱۸۴، ص: ۱۸۵، ص: ۱۸۶، ص: ۱۸۷، ص: ۱۸۸، ص: ۱۸۹، ص: ۱۹۰، ص: ۱۹۱، ص: ۱۹۲، ص: ۱۹۳، ص: ۱۹۴، ص: ۱۹۵، ص: ۱۹۶، ص: ۱۹۷، ص: ۱۹۸، ص: ۱۹۹، ص: ۲۰۰، ص: ۲۰۱، ص: ۲۰۲، ص: ۲۰۳، ص: ۲۰۴، ص: ۲۰۵، ص: ۲۰۶، ص: ۲۰۷، ص: ۲۰۸، ص: ۲۰۹، ص: ۲۱۰، ص: ۲۱۱، ص: ۲۱۲، ص: ۲۱۳، ص: ۲۱۴، ص: ۲۱۵، ص: ۲۱۶، ص: ۲۱۷، ص: ۲۱۸، ص: ۲۱۹، ص: ۲۲۰، ص: ۲۲۱، ص: ۲۲۲، ص: ۲۲۳، ص: ۲۲۴، ص: ۲۲۵، ص: ۲۲۶، ص: ۲۲۷، ص: ۲۲۸، ص: ۲۲۹، ص: ۲۳۰، ص: ۲۳۱، ص: ۲۳۲، ص: ۲۳۳، ص: ۲۳۴، ص: ۲۳۵، ص: ۲۳۶، ص: ۲۳۷، ص: ۲۳۸، ص: ۲۳۹، ص: ۲۴۰، ص: ۲۴۱، ص: ۲۴۲، ص: ۲۴۳، ص: ۲۴۴، ص: ۲۴۵، ص: ۲۴۶، ص: ۲۴۷، ص: ۲۴۸، ص: ۲۴۹، ص: ۲۵۰، ص: ۲۵۱، ص: ۲۵۲، ص: ۲۵۳، ص: ۲۵۴، ص: ۲۵۵، ص: ۲۵۶، ص: ۲۵۷، ص: ۲۵۸، ص: ۲۵۹، ص: ۲۶۰، ص: ۲۶۱، ص: ۲۶۲، ص: ۲۶۳، ص: ۲۶۴، ص: ۲۶۵، ص: ۲۶۶، ص: ۲۶۷، ص: ۲۶۸، ص: ۲۶۹، ص: ۲۷۰، ص: ۲۷۱، ص: ۲۷۲، ص: ۲۷۳، ص: ۲۷۴، ص: ۲۷۵، ص: ۲۷۶، ص: ۲۷۷، ص: ۲۷۸، ص: ۲۷۹، ص: ۲۸۰، ص: ۲۸۱، ص: ۲۸۲، ص: ۲۸۳، ص: ۲۸۴، ص: ۲۸۵، ص: ۲۸۶، ص: ۲۸۷، ص: ۲۸۸، ص: ۲۸۹، ص: ۲۹۰، ص: ۲۹۱، ص: ۲۹۲، ص: ۲۹۳، ص: ۲۹۴، ص: ۲۹۵، ص: ۲۹۶، ص: ۲۹۷، ص: ۲۹۸، ص: ۲۹۹، ص: ۳۰۰، ص: ۳۰۱، ص: ۳۰۲، ص: ۳۰۳، ص: ۳۰۴، ص: ۳۰۵، ص: ۳۰۶، ص: ۳۰۷، ص: ۳۰۸، ص: ۳۰۹، ص: ۳۱۰، ص: ۳۱۱، ص: ۳۱۲، ص: ۳۱۳، ص: ۳۱۴، ص: ۳۱۵، ص: ۳۱۶، ص: ۳۱۷، ص: ۳۱۸، ص: ۳۱۹، ص: ۳۲۰، ص: ۳۲۱، ص: ۳۲۲، ص: ۳۲۳، ص: ۳۲۴، ص: ۳۲۵، ص: ۳۲۶، ص: ۳۲۷، ص: ۳۲۸، ص: ۳۲۹، ص: ۳۳۰، ص: ۳۳۱، ص: ۳۳۲، ص: ۳۳۳، ص: ۳۳۴، ص: ۳۳۵، ص: ۳۳۶، ص: ۳۳۷، ص: ۳۳۸، ص: ۳۳۹، ص: ۳۴۰، ص: ۳۴۱، ص: ۳۴۲، ص: ۳۴۳، ص: ۳۴۴، ص: ۳۴۵، ص: ۳۴۶، ص: ۳۴۷، ص: ۳۴۸، ص: ۳۴۹، ص: ۳۵۰، ص: ۳۵۱، ص: ۳۵۲، ص: ۳۵۳، ص: ۳۵۴، ص: ۳۵۵، ص: ۳۵۶، ص: ۳۵۷، ص: ۳۵۸، ص: ۳۵۹، ص: ۳۶۰، ص: ۳۶۱، ص: ۳۶۲، ص: ۳۶۳، ص: ۳۶۴، ص: ۳۶۵، ص: ۳۶۶، ص: ۳۶۷، ص: ۳۶۸، ص: ۳۶۹، ص: ۳۷۰، ص: ۳۷۱، ص: ۳۷۲، ص: ۳۷۳، ص: ۳۷۴، ص: ۳۷۵، ص: ۳۷۶، ص: ۳۷۷، ص: ۳۷۸، ص: ۳۷۹، ص: ۳۸۰، ص: ۳۸۱، ص: ۳۸۲، ص: ۳۸۳، ص: ۳۸۴، ص: ۳۸۵، ص: ۳۸۶، ص: ۳۸۷، ص: ۳۸۸، ص: ۳۸۹، ص: ۳۹۰، ص: ۳۹۱، ص: ۳۹۲، ص: ۳۹۳، ص: ۳۹۴، ص: ۳۹۵، ص: ۳۹۶، ص: ۳۹۷، ص: ۳۹۸، ص: ۳۹۹، ص: ۴۰۰، ص: ۴۰۱، ص: ۴۰۲، ص: ۴۰۳، ص: ۴۰۴، ص: ۴۰۵، ص: ۴۰۶، ص: ۴۰۷، ص: ۴۰۸، ص: ۴۰۹، ص: ۴۱۰، ص: ۴۱۱، ص: ۴۱۲، ص: ۴۱۳، ص: ۴۱۴، ص: ۴۱۵، ص: ۴۱۶، ص: ۴۱۷، ص: ۴۱۸، ص: ۴۱۹، ص: ۴۲۰، ص: ۴۲۱، ص: ۴۲۲، ص: ۴۲۳، ص: ۴۲۴، ص: ۴۲۵، ص: ۴۲۶، ص: ۴۲۷، ص: ۴۲۸، ص: ۴۲۹، ص: ۴۳۰، ص: ۴۳۱، ص: ۴۳۲، ص: ۴۳۳، ص: ۴۳۴، ص: ۴۳۵، ص: ۴۳۶، ص: ۴۳۷، ص: ۴۳۸، ص: ۴۳۹، ص: ۴۴۰، ص: ۴۴۱، ص: ۴۴۲، ص: ۴۴۳، ص: ۴۴۴، ص: ۴۴۵، ص: ۴۴۶، ص: ۴۴۷، ص: ۴۴۸، ص: ۴۴۹، ص: ۴۵۰، ص: ۴۵۱، ص: ۴۵۲، ص: ۴۵۳، ص: ۴۵۴، ص: ۴۵۵، ص: ۴۵۶، ص: ۴۵۷، ص: ۴۵۸، ص: ۴۵۹، ص: ۴۶۰، ص: ۴۶۱، ص: ۴۶۲، ص: ۴۶۳، ص: ۴۶۴، ص: ۴۶۵، ص: ۴۶۶، ص: ۴۶۷، ص: ۴۶۸، ص: ۴۶۹، ص: ۴۷۰، ص: ۴۷۱، ص: ۴۷۲، ص: ۴۷۳، ص: ۴۷۴، ص: ۴۷۵، ص: ۴۷۶، ص: ۴۷۷، ص: ۴۷۸، ص: ۴۷۹، ص: ۴۸۰، ص: ۴۸۱، ص: ۴۸۲، ص: ۴۸۳، ص: ۴۸۴، ص: ۴۸۵، ص: ۴۸۶، ص: ۴۸۷، ص: ۴۸۸، ص: ۴۸۹، ص: ۴۹۰، ص: ۴۹۱، ص: ۴۹۲، ص: ۴۹۳، ص: ۴۹۴، ص: ۴۹۵، ص: ۴۹۶، ص: ۴۹۷، ص: ۴۹۸، ص: ۴۹۹، ص: ۵۰۰، ص: ۵۰۱، ص: ۵۰۲، ص: ۵۰۳، ص: ۵۰۴، ص: ۵۰۵، ص: ۵۰۶، ص: ۵۰۷، ص: ۵۰۸، ص: ۵۰۹، ص: ۵۱۰، ص: ۵۱۱، ص: ۵۱۲، ص: ۵۱۳، ص: ۵۱۴، ص: ۵۱۵، ص: ۵۱۶، ص: ۵۱۷، ص: ۵۱۸، ص: ۵۱۹، ص: ۵۲۰، ص: ۵۲۱، ص: ۵۲۲، ص: ۵۲۳، ص: ۵۲۴، ص: ۵۲۵، ص: ۵۲۶، ص: ۵۲۷، ص: ۵۲۸، ص: ۵۲۹، ص: ۵۳۰، ص: ۵۳۱، ص: ۵۳۲، ص: ۵۳۳، ص: ۵۳۴، ص: ۵۳۵، ص: ۵۳۶، ص: ۵۳۷، ص: ۵۳۸، ص: ۵۳۹، ص: ۵۴۰، ص: ۵۴۱، ص: ۵۴۲، ص: ۵۴۳، ص: ۵۴۴، ص: ۵۴۵، ص: ۵۴۶، ص: ۵۴۷، ص: ۵۴۸، ص: ۵۴۹، ص: ۵۵۰، ص: ۵۵۱، ص: ۵۵۲، ص: ۵۵۳، ص: ۵۵۴، ص: ۵۵۵، ص: ۵۵۶، ص: ۵۵۷، ص: ۵۵۸، ص: ۵۵۹، ص: ۵۶۰، ص: ۵۶۱، ص: ۵۶۲، ص: ۵۶۳، ص: ۵۶۴، ص: ۵۶۵، ص: ۵۶۶، ص: ۵۶۷، ص: ۵۶۸، ص: ۵۶۹، ص: ۵۷۰، ص: ۵۷۱، ص: ۵۷۲، ص: ۵۷۳، ص: ۵۷۴، ص: ۵۷۵، ص: ۵۷۶، ص: ۵۷۷، ص: ۵۷۸، ص: ۵۷۹، ص: ۵۸۰، ص: ۵۸۱، ص: ۵۸۲، ص: ۵۸۳، ص: ۵۸۴، ص: ۵۸۵، ص: ۵۸۶، ص: ۵۸۷، ص: ۵۸۸، ص: ۵۸۹، ص: ۵۹۰، ص: ۵۹۱، ص: ۵۹۲، ص: ۵۹۳، ص: ۵۹۴، ص: ۵۹۵، ص: ۵۹۶، ص: ۵۹۷، ص: ۵۹۸، ص: ۵۹۹، ص: ۶۰۰، ص: ۶۰۱، ص: ۶۰۲، ص: ۶۰۳، ص: ۶۰۴، ص: ۶۰۵، ص: ۶۰۶، ص: ۶۰۷، ص: ۶۰۸، ص: ۶۰۹، ص: ۶۱۰، ص: ۶۱۱، ص: ۶۱۲، ص: ۶۱۳، ص: ۶۱۴، ص: ۶۱۵، ص: ۶۱۶، ص: ۶۱۷، ص: ۶۱۸، ص: ۶۱۹، ص: ۶۲۰، ص: ۶۲۱، ص: ۶۲۲، ص: ۶۲۳، ص: ۶۲۴، ص: ۶۲۵، ص: ۶۲۶، ص: ۶۲۷، ص: ۶۲۸، ص: ۶۲۹، ص: ۶۳۰، ص: ۶۳۱، ص: ۶۳۲، ص: ۶۳۳، ص: ۶۳۴، ص: ۶۳۵، ص: ۶۳۶، ص: ۶۳۷، ص: ۶۳۸، ص: ۶۳۹، ص: ۶۴۰، ص: ۶۴۱، ص: ۶۴۲، ص: ۶۴۳، ص: ۶۴۴، ص: ۶۴۵، ص: ۶۴۶، ص: ۶۴۷، ص: ۶۴۸، ص: ۶۴۹، ص: ۶۵۰، ص: ۶۵۱، ص: ۶۵۲، ص: ۶۵۳، ص: ۶۵۴، ص: ۶۵۵، ص: ۶۵۶، ص: ۶۵۷، ص: ۶۵۸، ص: ۶۵۹، ص: ۶۶۰، ص: ۶۶۱، ص: ۶۶۲، ص: ۶۶۳، ص: ۶۶۴، ص: ۶۶۵، ص: ۶۶۶، ص: ۶۶۷، ص: ۶۶۸، ص: ۶۶۹، ص: ۶۷۰، ص: ۶۷۱، ص: ۶۷۲، ص: ۶۷۳، ص: ۶۷۴، ص: ۶۷۵، ص: ۶۷۶، ص: ۶۷۷، ص: ۶۷۸، ص: ۶۷۹، ص: ۶۸۰، ص: ۶۸۱، ص: ۶۸۲، ص: ۶۸۳، ص: ۶۸۴، ص: ۶۸۵، ص: ۶۸۶، ص: ۶۸۷، ص: ۶۸۸، ص: ۶۸۹، ص: ۶۹۰، ص: ۶۹۱، ص: ۶۹۲، ص: ۶۹۳، ص: ۶۹۴، ص: ۶۹۵، ص: ۶۹۶، ص: ۶۹۷، ص: ۶۹۸، ص: ۶۹۹، ص: ۷۰۰، ص: ۷۰۱، ص: ۷۰۲، ص: ۷۰۳، ص: ۷۰۴، ص: ۷۰۵، ص: ۷۰۶، ص: ۷۰۷، ص: ۷۰۸، ص: ۷۰۹، ص: ۷۱۰، ص: ۷۱۱، ص: ۷۱۲، ص: ۷۱۳، ص: ۷۱۴، ص: ۷۱۵، ص: ۷۱۶، ص: ۷۱۷، ص: ۷۱۸، ص: ۷۱۹، ص: ۷۲۰، ص: ۷۲۱، ص: ۷۲۲، ص: ۷۲۳، ص: ۷۲۴، ص: ۷۲۵، ص: ۷۲۶، ص: ۷۲۷، ص: ۷۲۸، ص: ۷۲۹، ص: ۷۳۰، ص: ۷۳۱، ص: ۷۳۲، ص: ۷۳۳، ص: ۷۳۴، ص: ۷۳۵، ص: ۷۳۶، ص: ۷۳۷، ص: ۷۳۸، ص: ۷۳۹، ص: ۷۴۰، ص: ۷۴۱، ص: ۷۴۲، ص: ۷۴۳، ص: ۷۴۴، ص: ۷۴۵، ص: ۷۴۶، ص: ۷۴۷، ص: ۷۴۸، ص: ۷۴۹، ص: ۷۵۰، ص: ۷۵۱، ص: ۷۵۲، ص: ۷۵۳، ص: ۷۵۴، ص: ۷۵۵، ص: ۷۵۶، ص: ۷۵۷، ص: ۷۵۸، ص: ۷۵۹، ص: ۷۶۰، ص: ۷۶۱، ص: ۷۶۲، ص: ۷۶۳، ص: ۷۶۴، ص: ۷۶۵، ص: ۷۶۶، ص: ۷۶۷، ص: ۷۶۸، ص: ۷۶۹، ص: ۷۷۰، ص: ۷۷۱، ص: ۷۷۲، ص: ۷۷۳، ص: ۷۷۴، ص: ۷۷۵، ص: ۷۷۶، ص: ۷۷۷، ص: ۷۷۸، ص: ۷۷۹، ص: ۷۸۰، ص: ۷۸۱، ص: ۷۸۲، ص: ۷۸۳، ص: ۷۸۴، ص: ۷۸۵، ص: ۷۸۶، ص: ۷۸۷، ص: ۷۸۸، ص: ۷۸۹، ص: ۷۹۰، ص: ۷۹۱، ص: ۷۹۲، ص: ۷۹۳، ص: ۷۹۴، ص: ۷۹۵، ص: ۷۹۶، ص: ۷۹۷، ص: ۷۹۸، ص: ۷۹۹، ص: ۸۰۰، ص: ۸۰۱، ص: ۸۰۲، ص: ۸۰۳، ص: ۸۰۴، ص: ۸۰۵، ص: ۸۰۶، ص: ۸۰۷، ص: ۸۰۸، ص: ۸۰۹، ص: ۸۱۰، ص: ۸۱۱، ص: ۸۱۲، ص: ۸۱۳، ص: ۸۱۴، ص: ۸۱۵، ص: ۸۱۶، ص: ۸۱۷، ص: ۸۱۸، ص: ۸۱۹، ص: ۸۲۰، ص: ۸۲۱، ص: ۸۲۲، ص: ۸۲۳، ص: ۸۲۴، ص: ۸۲۵، ص: ۸۲۶، ص: ۸۲۷، ص: ۸۲۸، ص: ۸۲۹، ص: ۸۳۰، ص: ۸۳۱، ص: ۸۳۲، ص: ۸۳۳، ص: ۸۳۴، ص: ۸۳۵، ص: ۸۳۶، ص: ۸۳۷، ص: ۸۳۸، ص: ۸۳۹، ص: ۸۴۰، ص: ۸۴۱، ص: ۸۴۲، ص: ۸۴۳، ص: ۸۴۴، ص: ۸۴۵، ص: ۸۴۶، ص: ۸۴۷، ص: ۸۴۸، ص: ۸۴۹، ص: ۸۵۰، ص: ۸۵۱، ص: ۸۵۲، ص: ۸۵۳، ص: ۸۵۴، ص: ۸۵۵، ص: ۸۵۶، ص: ۸۵۷، ص: ۸۵۸، ص: ۸۵۹، ص: ۸۶۰، ص: ۸۶۱، ص: ۸۶۲، ص: ۸۶۳، ص: ۸۶۴، ص: ۸۶۵، ص: ۸۶۶، ص: ۸۶۷، ص: ۸۶۸، ص: ۸۶۹، ص: ۸۷۰، ص: ۸۷۱، ص: ۸۷۲، ص: ۸۷۳، ص: ۸۷۴، ص: ۸۷۵، ص: ۸۷۶، ص: ۸۷۷، ص: ۸۷۸، ص: ۸۷۹، ص: ۸۸۰، ص: ۸۸۱، ص: ۸۸۲، ص: ۸۸۳، ص: ۸۸۴، ص: ۸۸۵، ص: ۸۸۶، ص: ۸۸۷، ص: ۸۸۸، ص: ۸۸۹، ص: ۸۹۰، ص: ۸۹۱، ص: ۸۹۲، ص: ۸۹۳، ص: ۸۹۴، ص: ۸۹۵، ص: ۸۹۶، ص: ۸۹۷، ص: ۸۹۸، ص: ۸۹۹، ص: ۹۰۰، ص: ۹۰۱، ص: ۹۰۲، ص: ۹۰۳، ص: ۹۰۴، ص: ۹۰۵، ص: ۹۰۶، ص: ۹۰۷، ص: ۹۰۸، ص: ۹۰۹، ص: ۹۱۰، ص: ۹۱۱، ص: ۹۱۲، ص: ۹۱۳، ص: ۹۱۴، ص: ۹۱۵، ص: ۹۱۶، ص: ۹۱۷، ص: ۹۱۸، ص: ۹۱۹، ص: ۹۲۰، ص: ۹۲۱، ص: ۹۲۲، ص: ۹۲۳، ص: ۹۲۴، ص: ۹۲۵، ص: ۹۲۶، ص: ۹۲۷، ص: ۹۲۸، ص: ۹۲۹، ص: ۹۳۰، ص: ۹۳۱، ص: ۹۳۲، ص: ۹۳۳، ص: ۹۳۴، ص: ۹۳۵، ص: ۹۳۶، ص: ۹۳۷، ص: ۹۳۸، ص: ۹۳۹، ص: ۹۴۰، ص: ۹۴۱، ص: ۹۴۲، ص: ۹۴۳، ص: ۹۴۴، ص: ۹۴۵، ص: ۹۴۶، ص: ۹۴۷، ص: ۹۴۸، ص: ۹۴۹، ص: ۹۵۰، ص: ۹۵۱، ص: ۹۵۲، ص: ۹۵۳، ص: ۹۵۴، ص: ۹۵۵، ص: ۹۵۶، ص: ۹۵۷، ص: ۹۵۸، ص: ۹۵۹، ص: ۹۶۰، ص: ۹۶۱، ص: ۹۶۲، ص: ۹۶۳، ص: ۹۶۴، ص: ۹۶۵، ص: ۹۶۶، ص: ۹۶۷، ص: ۹۶۸، ص: ۹۶۹، ص: ۹۷۰، ص: ۹۷۱، ص: ۹۷۲، ص: ۹۷۳، ص: ۹۷۴، ص: ۹۷۵، ص: ۹۷۶، ص: ۹۷۷، ص: ۹۷۸، ص: ۹۷۹، ص: ۹۸۰، ص: ۹۸۱، ص: ۹۸۲، ص: ۹۸۳، ص: ۹۸۴، ص: ۹۸۵، ص: ۹۸۶، ص: ۹۸۷، ص: ۹۸۸، ص: ۹۸۹، ص: ۹۹۰، ص: ۹۹۱، ص: ۹۹۲، ص: ۹۹۳، ص: ۹۹۴، ص: ۹۹۵، ص: ۹۹۶، ص: ۹۹۷، ص: ۹۹۸، ص: ۹۹۹، ص: ۱۰۰۰، ص: ۱۰۰۱، ص: ۱۰۰۲، ص: ۱۰۰۳، ص: ۱۰۰۴، ص: ۱۰۰۵، ص: ۱۰۰۶، ص: ۱۰۰۷، ص: ۱۰۰۸، ص: ۱۰۰۹، ص: ۱۰۱۰، ص: ۱۰۱۱، ص: ۱۰۱۲، ص: ۱۰۱۳، ص: ۱۰۱۴، ص: ۱۰۱۵، ص: ۱۰۱۶، ص: ۱۰۱۷، ص: ۱۰۱۸، ص: ۱۰۱۹، ص: ۱۰۲۰، ص: ۱۰۲۱، ص: ۱۰۲۲، ص: ۱۰۲۳، ص: ۱۰۲۴، ص: ۱۰۲۵، ص: ۱۰۲۶، ص: ۱۰۲۷، ص: ۱۰۲۸، ص: ۱۰۲۹، ص: ۱۰۳۰، ص: ۱۰۳۱، ص: ۱۰۳۲، ص: ۱۰۳۳، ص: ۱۰۳۴، ص: ۱۰۳۵، ص: ۱۰۳۶، ص: ۱۰۳۷، ص: ۱۰۳۸، ص: ۱۰۳۹، ص: ۱۰۴۰، ص: ۱۰۴۱، ص: ۱۰۴۲، ص: ۱۰۴۳، ص: ۱۰۴۴، ص: ۱۰۴۵، ص: ۱۰۴۶، ص: ۱۰۴۷، ص: ۱۰۴۸، ص: ۱۰۴۹، ص: ۱۰۵۰، ص: ۱۰۵۱، ص: ۱۰۵۲، ص: ۱۰۵۳، ص: ۱۰۵۴، ص: ۱۰۵۵، ص: ۱۰۵۶، ص: ۱۰۵۷، ص: ۱۰۵۸، ص: ۱۰۵۹، ص: ۱۰۶۰، ص: ۱۰۶۱، ص: ۱۰۶۲، ص: ۱۰۶۳، ص: ۱۰۶۴، ص: ۱۰۶۵، ص: ۱۰۶۶، ص: ۱۰۶۷، ص: ۱۰۶۸، ص: ۱۰۶۹، ص: ۱۰۷۰، ص: ۱۰۷۱، ص: ۱۰۷۲، ص: ۱۰۷۳، ص: ۱۰۷۴،



کو چھ دے کر کیا شروع کیا کہ یہ سب بادشاہ ہیں اور اپنی سفاہت سے وہ تمام محبوب و ناقص جو نقصان قواہل کے باعث ان میں تھے خود بادشاہ کو ان کا سور و گروا کہ جب یہ وہی ہیں تو ناقص عاجز محتاج الے بھونٹے بد نما و حند لے کا جو میں ہے قطعاً انھیں ذائقہ سے مشغول ہے۔ تعالیٰ اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً۔

انسان عکس ڈالنے میں آئیے کا محتاج ہے اور جو حقیقی احتیاج سے پاک، وہاں جسے آئینہ کہیے وہ خود بھی ایک عکس ہے، پھر آئیے میں انسان کی صرف سطح مقابل کا عکس بدتا ہے جس میں انسان کے صفات مثل کلام وسیع و بصر و علم و ارادہ و حیات و قدرت سے اصلاً نام کو بھی کچھ نہیں آتا لیکن وجود حقیقی حو جلال کی جگہ نے اپنے بہت ظلال پر نفس ہستی کے سوا، ان صفات کا بھی پر تو، ڈالا۔ یہ وجہ اور بھی ان بچوں کی نا فہمی اور ان اندھوں کی گمراہی کی باعث ہوئیں اور جن کو ہدایت حق ہوئی وہ سمجھ لے کر

یک چراغے ست دریں خانہ کہ از پر توں

ہر کما می گمری دلفیے سادہ اند

انھوں نے ان صفات اور خود وجود کی دسیں کیں: حقیقی ذاتی کہ متعلیٰ کے لیے خاص ہے اور علی عطائی کہ ظلال کے لیے ہے اور حاشا یہ تحسیم اشراک معنی نہیں بلکہ محض موافقت فی اللفظ۔ یہ ہے حق و حقیقت و صیحا معرفت۔ واللہ الحمد<sup>(۱)</sup>

ایک حدیث طبرانی نے اپنی کتاب المعجم ص ۱۱۱ میں روایت کی، حضور ﷺ نے فرمایا:   
إِنَّ اللَّهَ يَخْتَصِمُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ لَمْ يُنَادِ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ يَا أَهْلَ التَّوْحِيدِ إِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ عَمَّا عَنْكُمْ فَيَقُومُ النَّاسُ فَيَتَعَلَّقُ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ فِي غُلَامَاتٍ، فَيُنَادِي مَنْادٍ يَا أَهْلَ التَّوْحِيدِ لِيَتَخَفُ بَعْضُكُمْ عَنْ بَعْضٍ وَعَلَى الثَّوَابِ.

یعنی ہے شک اللہ ﷻ روز قیامت سب انگوں کو پھیلوں کو ایک زمین میں جمع فرمائے گا پھر زیر عرش سے منادی ندا کرے گا اے توحید والو! مولا تعالیٰ نے تمہیں اپنے حقوق معاف فرمائے۔ لوگ کھڑے ہو کر آپس کے متعلقوں میں ایک دوسرے سے پھینکے گئے۔ منادی پکارے گا: اے توحید والو! ایک دوسرے کو معاف کرو اور ثواب دینا میرے ذمہ ہے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) تفسیر ضمیمہ جامع محمد رضا کاظمی ص ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴

یہ اہل توحید کون ہیں جن سے حقوق اللہ بھی معاف ہوں گے اور باقی حقوق العباد کی بھی معافی کرا کے ثواب کا پروانہ مل جائے گا؟ امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

فقیر کے گمان میں حدیث مذکور میں اہل توحید سے یہی مراد ہے کہ توحید خالص نام کامل، ہرگز نہ شرک غفلتی و غفلی سے پاک و منزہ انھیں کا حصہ ہے۔ بخلاف اہل دنیا جنھیں عبداللہ بن مرہ، عبدالرحمن، عبدطیخ، عبدہوئی، عبد رغب فرمایا گیا۔ وقال تعالیٰ: أَقْرَبَ مَتَّعَني اِثْقَانًا إِلَهًا خَدَوْنَهُ اور بے شک بے حصول معرفت الہی اطاعت ہوائے نفس سے باہر آنا سخت دشوار۔ یہ بندگان خدا نہ صرف عبادت بلکہ طلب و امارات بلکہ خور و مال استی و جود میں اپنے رب جل جلالہ کی توحید کرتے ہیں۔ لا الہ الا اللہ کے معنی عوام کے نزدیک لا معبود الا اللہ۔ خواص کے نزدیک لا مقصود الا اللہ، اہل ہدایت کے نزدیک لا مشہود الا اللہ۔ تو اہل توحید کا سچا نام انھیں کو زیبا۔ لہذا ان کے علم کو علم توحید کہتے ہیں۔ اعجب الامداد فی مکشورات حقوق العباد (۱۳۱۰ھ) مشمولہ فتاویٰ رضویہ<sup>(۱)</sup>

اب تک جو بیانات و اقتباسات درج ہوئے ان سے صوفیہ کے مسلک توحید پر بخوبی روشنی پڑتی ہے اور چہ باتیں مکمل کر سائنے آتی ہیں:

۱- توحید کے بارے میں جو عام امت کا عقیدہ ہے کہ لا معبود الا اللہ، صوفیہ بھی اسے پورے یقین و اعلان کے ساتھ مانتے ہیں۔

۲- اہل سلوک اپنی ترقی معرفت کے لیے جسے میں اس سے بھی آگے جڑتے ہیں اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ لا معبود الا اللہ ماننے کے ساتھ لا موجود الا اللہ کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اس کے قائل ہوتے ہیں۔

۳- صوفیہ عالم کے وجود و ایجاد کے معنی نہیں لیکن حقیقی ذاتی وجود صرف وجود واجب کو مانتے ہیں۔ اور غلطی و غلطی وجود عالم کے لیے تسلیم کرتے ہیں۔

فتح محمد فرماتے ہیں: ممکن کے پاس جو کچھ بھی ہے حضرت واجب سے مستفاد ہے، وہ اپنے باپ کے گھر سے کچھ نہیں لایا ہے۔ غلیظ کا لحاظ کیے بغیر اسے موجود خارجی کہنا امر دشوار ہے اور واجب تعالیٰ کے ساتھ اس کے سب سے انھیں وصف میں ممکن کو شریک نہیں مانتا بھی ہے۔

(۱) فتاویٰ رضویہ، امام احمد رضا قادری بریلوی، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱

تعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیراً<sup>(۱)</sup>

۴- ان کے اس کشف و شہود کو شریعت رو نہیں کرتی۔ بلکہ کتاب و سنت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

۵- صوفیہ کرام میں سے کوئی بھی واجب و ممکن کے اتحاد کا قائل نہیں بلکہ یہ اہل الحاد کا

قول ہے کہ سن و قوت و این و آن سب ایک ہے۔ صوفیہ کا دامن اس الحاد سے پاک ہے۔

۶- ہاں تصوف اس کو بھی باطل مانتے ہیں کہ رب کا حلول کسی جگہ میں ہو، یا کوئی جگہ

رب میں حلول کرے۔ رب نہ حوادث کا محل ہے نہ حوادث رب کا محل ہیں۔ حوادث کو رب کا

مکان و محل ماننا گمراہ مجسمہ کا مذہب ہے (جس میں لکن تیبہ اور اس کے اہل داخل ہیں) صوفیہ

کرام اور تمام سلف ایسے باطل عقیدے سے بری ہیں۔

۷- صوفیہ کی توحید اپنے اہل و عیال کے خفی و غفلی ہر قسم کے شرک سے پاک و صاف ہے۔

☆☆☆

(۱) مکتوبات امام باقر علیہ السلام، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱

## تصوف - روح اسلام<sup>(۱)</sup>

صوفیہ اہل اسلام کی اس پاکیزہ جماعت کا نام ہے جس نے رب کی معرفت، رسول کی پیروی، خلق کی ہدایت اور بندگانِ خدا کی خدمت میں وہ مقام حاصل کیا جو دوسروں کو حاصل نہ ہوا۔ اکنافِ عالم میں اسلام کی اشاعت ان ہی کی بلند کوششوں کا ثمرہ ہے۔ ان کی صاف دلی، سلامت روی اور بلند اخلاقی سے اپنے تو اپنے غیر کی سفاک نظر آتی ہیں۔ خود بر صغیر ہند و پاک میں آج اسلام و سنت کی جو روشنی نظر آ رہی ہے، اس میں سلاطین کی جنگ و دو سے زیادہ صوفیہ کرام کی مسابحہ کا حصہ ہے۔

### صوفیہ کرام کی عظمت سے متعلق چند اہم شہادتیں:

(۱) تجلۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ (۳۵۰ھ - ۴۰۵ھ) وہ جلیل القدر بزرگ ہیں جنہوں نے دینی علوم اور فنون سبھی حاصل کیے۔ اور "تہذیب الفلاسفہ" لکھ کر اسلام کی وہ عظیم خدمت انجام دی کہ فلسفیوں کا تعمیر کردہ صدیوں کا کل منہدم ہو گیا۔ کوئی باطل فرقہ نہ ہو گا جس کی بیخ کنی میں انہوں نے اپنی کوشش و اہمیت صرف نہ کی ہو۔ اکابرِ علمائان کی تعظیم کرتے، اہم منصب اور عزت و شوکت انہیں حاصل تھی۔ مگر یہ اچھے سے اچھے مقام اور حقیقی و غیر متزلزل یقین کے طالب تھے۔ وہ تو ان نظر و غرض کے بعد انہیں اپنی حالت سے بے رغبتی برہنہ تھی اور اعلیٰ کی طلب میں نکلے، بڑی جانچ و تامل کے بعد ان پر یہی منکشف ہوا کہ صوفیہ کا طریقہ ہی سب سے افضل و اعلیٰ ہے اس لیے اس کو اختیار کیا اور اسی پر وفات پائی۔

الہدۃ من الضلال میں خود فرماتے ہیں:

مجھے اس بات کا علم قلبی و یقینی حاصل ہو گیا کہ صرف صوفیہ ہی وہ ہیں جو راہِ خدا پر گامزن ہیں، ان کا راستہ سب سے زیادہ صحیح اور ان کے اخلاق سب سے زیادہ پاکیزہ ہیں۔ اگر تمام عقائد کی عقل، حکما کی حکمت اور اسرارِ شریعت سے آگاہ علماء کا علم جمع ہو کر بھی ان کے اخلاق و کردار اور سیرت و روش کو بدلنے اور اس سے بہتر بنانے کی سعی کرے تو نہ ہو سکے، اس لیے کہ ان کی ظاہری و باطنی ہر روش اور ہر حرکت و سکون مشکاکِ نبوت کے نور سے حاصل شدہ ہے اور

(۱) جامعہ شرفیہ، مہارک، پیر، جولائی ۲۰۲۲ء

روئے زمین پر نورِ نبوت کے سوا کوئی ایسا نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جائے۔

کہنے والا اس طریقے کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہے جس کی پہلے شرط یہ ہے کہ قلب کو پورے طور پر ماسوی اللہ سے پاک کیا جائے اور غماز کی کلید تکبیر تحریر کی طرح اس مشرب کی کلید یہ ہے کہ دل یا الہی میں مستغرق ہو اور آخری درجہ یہ ہے کہ خدا کی ذات میں بالکل نہ ہو جائے۔ یہ مقام تمام اختیارات اور درجات کی بہ نسبت سب سے اعلیٰ و اعلیٰ ہے۔

(۲) امام باغی عبداللہ بن اسعد یحییٰ فرماتے ہیں:

"اہل طریقت پر ان نادانوں کا اعتراض ایسا ہی ہے جیسے کوئی پھر کسی پہاڑ پر بار بار پھونک مارے اور یہ چاہے کہ اس کے اس پھونکنے سے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے گا۔" (ایو اقیقہ والجو اہرنی عقائد الاکابر، ص: ۹)

(۳) محمد ولدین فرد آبادی صاحب قاموس فرماتے ہیں:

یہی کو یہ حق نہیں کہ اپنی نظر قاصر کی رو سے صوفیہ کرام پر تکبر و اعتراض روا رکھے اس لیے کہ وہ ہم و کشف میں بلند درجہ رکھتے ہیں۔ اہل تصوف میں کسی سے متعلق ہمیں یہ خبر نہ ملی کہ انہوں نے کسی ایسی بات کا حکم دیا جو جو دین سے متصادم ہو، نہ ہی یہ کہ انہوں نے کسی کو دوسرے یا نماز سے روکا ہو یا ان کے علاوہ فرائض اسلام یا مستحبات سے منع کیا ہو۔" (ایو اقیقہ، ص: ۱۳)

(۴) شیخ الاسلام غزوی فرماتے ہیں:

"کسی عالم کے لیے صوفیہ پر اعتراض روا نہیں جب تک کہ ان کی راہ پر نہ چلے یا ان کے افعال و اقوال کو کتاب و سنت کے خلاف نہ پائے۔ اس کے بعد وہ بتاتے ہیں کہ صوفیہ پر اعتراض کی ہمت کرنے سے پہلے سزا تو ان سے آگاہ ہو تا رہا ہے پھر کہیں معترض کے لیے اعتراض کی اجازت ہوگی۔ ان باتوں کے تحت لکھتے ہیں:

(الف) رسولوں کے اختلاف و درجات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے معجزات اور اولیاء کے درجات کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی کرامات کی معرفت میں غوامی کرے اور ان پر ایمان لائے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اولیاء تمام معجزات میں امتیاز کے وارث ہیں مگر وہ جو مستحق ہیں۔

(ب) تفسیر و تامل کی کتابوں اور ان کے شرائط سے آگاہ ہو، زبان عرب کی معرفت میں تبحر رکھتا ہو، عجائبات و استقامات سے آشنائی میں درجہ امتیاز کو پہنچ چکا ہو۔

(ج) صفاتِ باری سے متعلق آیات و اخبار میں سلف و خلف کے مقامات سے خوب آشناء ہو اور یہ چاہتا ہو کہ کس نے ظاہر کو لیا، کس نے تاویل کی، کس کی دلیل زیادہ راسخ ہے۔

(د) اہل اصول کے علم میں تبحر اور آخر کلام کے خدشے کلام کا عارف ہو۔





جاتا ہے اور مرنے سے پہلے اس کا عقیدہ قاسد ہو جاتا ہے اور اس کا خاتمہ خراب ہونے کا خطر ہوتا ہے۔

ابو تراب بخشی فرماتے تھے: جب دل میں خدا سے روگردانی کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ اولیائی شان میں بدگوئی لگ جاتی ہے۔

(۳-۲) شیخ کمال الدین زنگانی شام کے اہل علم تھے یہ حضرت ابن عربی کے مداح ہیں۔ شیخ نقشب الدین حموی جب شام سے اپنے ملک واپس آئے تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے شیخ محمدی الدین کو کیسا پایا؟ انھوں نے فرمایا: ”میں نے علم و ہر دور و محارف میں انھیں ایسا عالم خیر سمجھ پایا جس کا سامل نہیں۔“

(۳-۳) حافظ ابو عبد اللہ ذہبی ابن تیمیہ کے شاگرد جو صوفیہ سے مخالفت رکھتے تھے ان سے پوچھا گیا کہ شیخ الدین ابن عربی نے اپنی کتاب فصوح الحکم کے بارے میں کہا ہے کہ انھوں نے اسے بارگاہ نبوت سے انکار کر دیا تصنیف کیا اس دعویٰ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ حافظ ذہبی نے فرمایا: ”میں یہ گمان بھی نہیں کر سکتا کہ شیخ الدین ابن عربی جیسا بزرگ کبھی جھوٹ بولے گا۔“

(۵-۱) شیخ صلاح الدین صدیقی نے تاریخ علمائے مصر میں ابن عربی کی مدح کی اور فرمایا ہے: ”جو علوم لدنیہ والوں کا کلام دیکھا ہے اسے شیخ محمدی الدین ابن عربی کی کتابیں دیکھنا چاہیے۔“

(۶-۱) شیخ نقشب الدین شیرازی فرماتے ہیں: ”شیخ محمدی الدین شریعت و طریقت کے علوم میں رتبہ کمال پر فائز تھے ان پر دعویٰ اعتراض کرے گا جو ان کا کلام سمجھنے سے قاصر ہو اور اس پر اعتقاد نہ رکھتا ہو اس سے ان کی شان میں کئی غلط نہیں آتا جیسے کفار نے انبیاء کے امام کی جانب جنون و سحر کی نسبت کی تو اس سے انبیاء کے کمال میں کوئی خلل نہ آیا۔“

(۷-۱) امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں ”شیخ محمدی الدین عظیم ولی تھے۔“

(۸-۱) مہر الدین فیروز آبادی قاسوس میں فرماتے ہیں:

شیخ محمدی الدین ایک بھرتا پیدائش آتار ہیں۔ جب وہ مکہ مکرمہ میں مقیم تھے اس وقت شہر مبارک میں علماء و محدث جمع تھے اور ان کے درمیان جس علم میں بھی گفتگو ہوتی تھی سب کا مرجع ہوتے تمام علما ان کی مجلس کی طرف تیزی سے بڑھتے ہوئے آتے ان کے سامنے حاضری باعث برکت جانتے ان کی تصانیف کا ان سے درس لیتے۔ مکہ کے کتب خانوں میں آج بھی ان کی تصانیف کا موجود ہونا میری بات کا سب سے زیادہ سچا گواہ ہے۔ وہ مکہ میں زیادہ حدیث پاک کے سننے، سنانے میں مشغول رہے۔ وہیں انھوں نے اپنے شاگرد بدر الدین حبشی کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کتابوں کی مراجعت کے بغیر فتوحات مکیہ تصنیف فرمائی، بعد تصنیف اسے ایک سال تک مکہ معظمہ کی چھت پر رکھا پھر اتار کر دیکھا تو جیسی رکھا تو ویسی ہی پایا نہ اس کا کوئی ورق بچھا نہ ہوا اس سے چاک ہو۔

جب کہ مکہ میں بارش بہت ہوئی اور آندھیاں کثرت سے چلیں۔ اس مقبولیت کا تجربہ کر لینے کے بعد ہی انھوں نے فتوحات مکیہ کی کتابت و قراءت کی اجازت دی۔

(۹-۱) تقی الدین مکی فرماتے ہیں:

”شیخ محمدی الدین ابن عربی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔ فضل و کمال نے ان کے زمانے میں اپنی ساری نیکیاں ان کے سپرد کر دی تھیں اور کہ دیا تھا آپ کے سوا کسی سے آشنا نہیں۔“

(۱۰-۱) شیخ سراج الدین یقینی سے حضرت ابن عربی کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا: ”شیخ محمدی الدین کی کسی بات پر اعتراض و انکار سے بچو۔ اس لیے کہ جب وہ معرفت اور تحقیق حقائق کے سمندر میں غوطہ زن ہوتے تو آخر میں فصوح الحکم، فتوحات مکیہ، تجزلات موعلی وغیرہ اپنی تصانیف میں وہ عبارات تحریر فرماتے جو ان کے ہم رتبہ اہل اثبات پر مخفی نہیں۔ ان کے بعد کچھ ایسے لوگ آئے جو ان کے مسلک سے اندھے اور بے خبر تھے۔ انھوں نے اسے غلط سمجھ لیا بلکہ ان عبارات کی وجہ سے شیخ کو کافر کہا۔ یہ لوگ نہ تو شیخ کی اصلاح سے خود آشنا تھے نہ اس راہ کے ساکبین سے رو پخت کیا۔“

واقعہ یہ ہے کہ شیخ کے کلام میں کچھ ایسے رموز و اشارات، روابط و ضوابط اور حذف مضامین ہیں جو ان کے اور ان کے ہم رتبہ حضرات کے علم میں معلوم ہیں اور جاہلوں کے نزدیک مجھول ہیں۔ اگر یہ لوگ ان کے کلمات کو ان کے دلائل و تعلیقات کے ساتھ دیکھتے اور ان کے نتائج اور مقدمات سے آگاہ ہوتے تو وہ شرات پاتے جو مقصود ہیں اور ان کا اعتقاد بھی شیخ کے اعتقاد کے برخلاف نہ ہوتا۔

ہوئی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں:

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں: ہر دور میں یہ ہوتا آیا ہے کہ جب کوئی شخصیت بلند مرتبہ ہوئی تو کوئی کینہ دشمن ان کی مخالفت پر اتر آیا مثلاً:

(۱) حضرت آدم کا دشمن ابلیس۔

(۲) حضرت نوح کا دشمن حام وغیرہ۔

(۳) حضرت داؤد کا جالوت اور اس کے ہم نوا۔

(۴) حضرت سلیمان کا حمزہ۔

(۵) حضرت یحییٰ کا ان کی پہلی زندگی میں بخت نصر اور دوسرے دور میں دجال۔

(۶) حضرت ابراہیم کا نمرود۔

(۷) حضرت سونے کا خرچون۔

(۸) اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ لگا کر ان کا دشمن ابوجہل ہوا۔

(۹) حضرت ابن عمر کا بھی ایک دشمن تھا جب وہ اس کے پاس گزرتے وہ دہا اٹھ کرتا۔

(۱۰) کچھ مخالفین نے حضرت عسبہ اللہ بن زبیر پر نماز میں ریاء و تقاضا کا بہتان لگایا۔ ایک بار نماز میں ان کے سر پر کھوتا پانی ڈالا جس سے ان کا چہرہ اور سوجھ گیا، اور انھیں پچھتاہ نماز سے سلام پھیرا تو احساس ہوا۔ فرمایا مجھے کیا ہو گیا ہے؟ لوگوں نے قصہ بتایا، فرمایا: حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ ایک مدت تک چہرے اور سر کے درد سے پریشان رہے۔

(۱۱) حضرت ابن عباس کا دشمن نافع بن رزق قتادہ انھیں سخت الماعت پہناتا اور کہتا یہ بغیر علم کے قرآن کی تفسیر کرتے ہیں۔

(۱۲) کوفہ کے کچھ جاہل حضرت سعد بن ابی وقاص کی عداوت پر کمر بستہ تھے، فاروق اعظم کے پاس ان کی شکایت لائے اور کہا یہ اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے، جب کہ حضرت سعد ان دس حضرات میں سے تھے جن کے لیے سرکار نے جنت کی شہادت و بشارت دی ہے۔

ان کے بعد ائمہ مجتہدین کو دیکھیے:

(۱۳) امام اعظم ابوحنیفہ نے خلفاء سلاطین کی جانب سے جو مصائب بھیجے وہ غنی نہیں۔

(۱۴) امام مالک سے قدم پڑھان ہوئے کہ انھیں سال تک دوپٹہ ہے، بعد دعوت کے لیے بھی باہر نہ آتے۔

(۱۵) امام شافعی نے اہل عراق اور اہل مصر کی ختہیں چھینیں۔

(۱۶) امام احمد بن حنبل نے زود کوب اور لہر و بند کی مصیبتیں اٹھیں۔

(۱۷) امام بخاری کو اس قدر تنگ کیا گیا کہ انھیں بخارا سے فرار کرنا پڑا۔

(۱۸) شیخ عبد الرحمن سلمی، امام بن علکان، شیخ عبد الغفار قوسی اور ایسے ہی دیگر شہادت نے بیان کیا ہے کہ دشمنوں نے حضرت ہابزہ رضی اللہ عنہ کو سات بار بے سلام سے شہید کر دیا۔ اس کی تحریک وہاں کے ملکی جماعت کرتی تھی۔

(۱۹) حضرت ذوالنون مصری کو بیزی اور زنجیر ڈال کر مصر سے بغداد لے گئے۔ ان کے ساتھ اہل مصر انھیں زندہ ہی کہتے ہوئے بغداد تک گئے۔

(۲۰) حضرت بہل بن عبد اللہ تھری کو ان کے شہر سے بصرہ کی طرف نکالا، ان پر بہت سی بری باتوں کا نام لگایا اور انھیں کافر کہا۔ جب کہ ان کی امامت و جلالت شان مسلم ہے۔ تھری سے نکلنے کے بعد تاحیات وہ بصرہ ہی میں

رہے، وہیں وفات پائی۔ اسی طرح اور بہت سی نظیریں پیش کی ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی نے حضرت ابن عربی کے دفاع میں بھی ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کا نام یہ ہے: "تنبیہ المغی فی تبرقہ ابن عربی" (حضرت ابن عربی کی براہت پر نادان کو تنبیہ) دوسری کتاب حضرت ابن الفارض کے دفاع میں ہے، جس کا نام ہے "قمع العارض فی نصرۃ ابن الفارض" (حضرت ابن الفارض کی حمایت اور مخالف کی سختی) (یو یو یو) ان بیانات سے قارئین کو اندازہ ہو چکا ہو گا کہ اہل حق اور ارباب فضل و کمال کی عداوت اور ان کی تحقیر و تنقیص کو کتنی نئی چیز نہیں خدا کے احباب اولیاء اس طرح کے مصائب ہمیشہ جھیلے آئے ہیں۔ ساتھ ہی یہ معلوم ہوا کہ ہر دور میں اہل انصاف کی بھی ایک جماعت رہی جس نے اہل کمال کے کمالات تسلیم کیے اور ان کے فضل و کمال کی مکمل گواہی دی اور ان کے مخالفین کا رد بھی کیا خصوصاً صوفیہ اور عرفا کی ہر دور میں اگر کچھ قاصرین نے مخالفت کی ہے تو بہت سے کامیاب نے ان کی مدح سراہی بھی کی ہے۔ مخالفین تو کوشش کمائی میں مرکب گئے لیکن ان اولیاء اللہ اور ان کے حامیوں کی جلالت شان کا ان کا کج فہم بننا رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے شورش و شغب سے صوفیہ و عرفا کی عظمت و معرفت کا آئینہ کبھی دھندلا نہیں ہوتا۔ فرقہ فائدہ یہاں کو اس قدر قلت و سفاهت اور حال عداوت میں چھوڑ دیے اور آجے ارباب حقیقت و معرفت کی عظمت کا کچھ تذکرہ نہیں۔

### تصوف اور صوفیہ کرام:

کچھ لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تصوف یا طریقت، شریعت سے کوئی جدا راہ ہے۔ اس خیال کو ان غلط کار منصوفوں نے بھی شہرت دی جو یہ کہتے ہیں کہ شریعت راہ ہے اور طریقت منزل، جو منزل تک پہنچ گیا اسے راہ کی کیا ضرورت؟ وہ اپنے کو تمام احکام و فرائض سے آزاد سمجھتے ہیں، اور حقیقت یہ زندگی ہے، صوفیہ نے کبھی یہ معنی بیان نہ کیے نہ ہی وہ طریقت کو شریعت سے بے نیاز سمجھتے ہیں، نہ ہی تصوف کو کتاب و سنت کی تعلیم سے الگ شمار کرتے ہیں۔ بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ جس طریق کو شریعت رد کر دے وہ الحاد و زندقہ ہے، جو کوشش معیار شرع پر پورا نہ اترے مگر شیطان ہے۔ تصوف کے تعارف میں تعبیرات بہت آئی ہیں مگر سب کا حاصل اور نال ایک ہی ہے، یہاں دو تین کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ عارف باللہ امام عبد الوہاب شہرانی فرماتے ہیں:

"النصوف انما هو زبدة عمل العبد بأحكام الشريعة" تصوف کیا ہے؟ بس احکام شریعت پر بندے کے عمل کا خلاصہ ہے۔ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ص: ۳۰)

ابو عبد اللہ محمد بن حنفیہ ضعی قدس سرہ فرماتے ہیں:

”التصوف تصفية القلب، واتباع النهی ﷺ فی الشريعة“ تصوف اس کا نام ہے کہ دل صاف کیا جائے اور شریعت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہو۔ (الطبقات الکبریٰ لمام الشریعی، ص: ۱۸)

جمہ الاسلام امام محمد عربی قدس سرہ فرماتے ہیں:

”التصوف عبارة عن تجرد القلب لله تعالى، واستحقاق ماسوی الله وحاصله يرجع إلى عمل القلب والجوارح، ومهما فسد العمل فأت الأصل.“

(إحياء علوم الدين، ج: ۲، ص: ۲۸۹ باب فوائد السفر وفضله ونبذہ)

تصوف اس کا نام ہے کہ دل خدا کے لیے خالی ہو اور ماسوی اللہ کو خاطر میں نہ لائے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ قلب اور اعضاء متعلق اعمال و افعال درست ہوں۔ جب عمل قاصر ہوگا تو اصل ہی فوت ہو جائے گی۔

صوفیہ گرام شریعت پر مضبوطی سے استقامت ہی کو خدا تک رسائی کا سب سے قریب ذریعہ سمجھتے ہیں۔ سیدنا غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:

”أقرب الطرق إلى الله لزوم قانون العبودية والاستمساک بعروة الشريعة“

عزوجل کی طرف سب سے قریب راستہ قانون بندگی کو لازم پکڑنا اور شریعت کی گرہ کو تھامے رہنا ہے۔

(بہجة الأسرار للعلامة أبي الحسن حل الشطنوفی، ص: ۵۰)

شریعت پر استقامت اسی وقت صادق ہوگی جب ظاہر و باطن دونوں احکام الہی کے پابند ہوں، باطن اخلاق ذمیرہ سے منزہ ہو اور ظاہر اوصاف حمیدہ سے آراستہ، صرف چند فرائض و واجبات کی ادائیگی اور چند منعات و حرام سے پرہیز کر لینے سے شریعت کی پابندی کسی فقیہ کی نظر میں بھی کامل نہیں ہوتی کسی عارف کے نزدیک کیا ہوگی؟ کچھ اوصاف ذمیرہ کو دیکھیے جن سے بچنا اہل ظاہر کے نزدیک بھی ضروری ہے مگر کتنے ہیں جو اس پر پورے اترتے ہیں، بلکہ کتنے ہیں جو ان کے نام بھی ذہن میں رکھتے ہیں۔

اوصاف ذمیرہ:

(۱) ریا (۲) عجب (۳) حسد (۴) کینہ (۵) تکبر (۶) حب دہ (۷) حب جاہ (۸) محبت دنیا (۹) حب شہرت (۱۰) تعظیم امرا (۱۱) تحقیر مساکین (۱۲) اتباع شہوات (۱۳) مدہانت (۱۴) کفران نعم (۱۵) حرص (۱۶) غفلت (۱۷) طول امید (۱۸) سوئے سخن (۱۹) عناد حق (۲۰) امر بر باطل (۲۱) کفر (۲۲) غدر (۲۳) خیانت (۲۴) غفلت (۲۵) قسوت (۲۶) طمع (۲۷) تعلق (۲۸) اعتماد خلق (۲۹) نسیان خالق (۳۰) نسیان موت (۳۱) جرات علی اللہ (۳۲) تناقض (۳۳) اتباع شیطان (۳۴) بندگی نفس (۳۵) رغبت ہلاکت (۳۶) کراہت عمل (۳۷) قلت

خست (۳۸) جزع (۳۹) عدم خشوع (۴۰) غضب لنفس (۴۱) تمایل فی اللہ وغیرہا۔

ان اوصاف ذمیرہ سے باطن کو پاک کرنا اور پاک رکھنا ضروری ہے۔ صوفیہ اس کا اپنے نفس سے ہر وقت محاسبہ کرتے ہیں اور دیکھتے رہتے ہیں کہ کسی چور دروازے اس طرح کا کوئی عیب تو نہیں در آیا۔ جس شخص میں باطن کا احتساب اور برہ اس کی عمرانی نہ ہو اکثر ان آفات کا شکار ہو کر ان کا عادی بن جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں اب بھی متعلیٰ و صاحب فلاح ہوں جب کہ وہ اپنے تقویٰ کا سوا بہت کچھ کھو چکا ہے، یہ زہر خالص بھی اس کے ہاتھ میں نہ آیا مگر یہاں پر اہل تصوف کی گرفت بہت زیادہ مضبوط ہوتی ہے جو محاسبہ و مراقبہ کا ثمرہ ہے۔

اب دیکھیے کہ اہل تصوف طالب سلوک کو کن اخلاقی حمیدہ سے آراستگی کی تاکید کرتے ہیں۔ حضرت میر عبد الباقی بکری رحمۃ اللہ (م ۱۰۷۱ھ) فرماتے ہیں:

”طالب صادق کو چاہیے کہ مکالمہ اخلاقی حاصل کرے اور مقامات و احوال کی مشق کرے۔“

اخلاق حمیدہ: (۱) ریافت (۲) محبت (۳) شجاعت (۴) چشم پوشی (۵) پردہ پوشی (۶) درگزر (۷) صبر (۸) رضا (۹) بیشرت (۱۰) علم (۱۱) تواضع (۱۲) خیر خواہی (۱۳) شفقت (۱۴) تحمل (۱۵) موافقت (۱۶) احسان (۱۷) مدائت (۱۸) بخیر (۱۹) خدمت (۲۰) انصاف (۲۱) بیشرت (۲۲) کرم (۲۳) لذت (۲۴) بذل جاہ (۲۵) عروت (۲۶) کشادہ روی (۲۷) تواضع (۲۸) حق (۲۹) صبر (۳۰) سہ (۳۱) جود (۳۲) وفا (۳۳) تحلف (۳۴) خوش روی (۳۵) آسختگی (۳۶) سکینت (۳۷) کفار (۳۸) کفار (۳۹) حسن سخن (۴۰) تفسیر نفس (۴۱) توفیر اخوان (۴۲) تعظیم مشائخ (۴۳) چھوٹے بڑے پر رحم (۴۴) اپنے سلوک و احسان کو تحقیر سمجھنا (۴۵) اپنے ساتھ کیے گئے سلوک کو تعظیم سمجھنا۔

اہل تصوف کے اخلاق وہ نہیں جن کا چھوٹے و بڑے امثالہ کرتے ہیں، طبع کو زیارت، بے ادبی و گستاخی کو انصاف، حق سے باہر ہونے کو شریعت کہتے ہیں۔ یعنی زبان و رازی دہے ہاکی سے اسکی بات بولنا جو دین سے نکل جانے کا سبب ہو۔ خواہش کی پیروی کو ابتلا، بدخلق کو بیعت، بادشاہوں سے تقرب کو مسلمانوں کی سفارش تصور کرتے ہیں۔ غفل کو نمانی سمجھتے ہیں۔ یہ اور اس طرح کی بہت سی باتیں ہیں جو اہل معرفت کی راہ و روش سے دور ہیں۔

مقامات کا مطلب یہ ہے کہ عبادات میں بندہ یہ تصور رکھے کہ میرا قیام خدا کے حقانی کے سامنے ہے۔ مقامات کی ترتیب اس طرح ہے:

(۱) تقویٰ: خواب غفلت سے بیداری۔

(۲) توبہ: گناہوں کو چھوڑ کر دوام ندامت کے ساتھ حق تعالیٰ کی جانب رجوع اور کثرت استغفار۔

(۳) تائبیت: غفلت سے ذکر کی جانب واپسی، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ حق سے خوف کا نام توبہ اور حق

کی جانب شوق کا نام آنا ہے۔

(۳) نور: ایسی چیز کو ترک کر دینا جس کی حلت میں شبہ ہو۔

(۵) محبہ نفس: نفس کے سود و زلیں اور زیادتی کی میں تفرغ۔

(۶) ابرار: راحت ترک کر کے طاعت و عبادت میں دائمی محنت۔

(۷) بے پرواہی: طلال شہوات سے باز رہنا۔

(۸) فقر: اہلک نہ رکھنا اور جو کچھ ہاتھ میں نہ ہو اس سے دل خالی رکھنا۔

(۹) صدق: ظاہر و باطن کا یکساں ہونا۔

(۱۰) تعبر: نفس سے وہ باتیں برداشت کرنا جو اسے ناگوار ہوں اور اسے بے جبر تلخیوں کا جام بنانا۔

(۱۱) صبر: شکایت ترک کر دینا۔

(۱۲) رضا: باطن میں لذت پانا۔

(۱۳) اغلام: حق سبحانہ تعالیٰ کے معاملات سے غلطی کو باہر رکھنا۔

(۱۴) توکل: حق تعالیٰ کی رزائی پر بھروسہ اور غیر سے قطع طمع۔

احوال: یہ دلوں کے معاملات کا نام ہے یعنی ذکر کی صفائی سے دلوں میں جو واردات آتے ہیں وہ احوال

ہیں۔ حضرت جنید فرماتے ہیں: حال ایک داور ہونے والی کیفیت ہے جو دل پر اترتی ہے اور ہمیشہ نہیں رہتی۔ کچھ احوال یہ ہیں:

(۱) مراءبہ: صفائے یقین کے باعث پس غیب کی چیزوں کو دیکھنا۔

(۲) قرب: خدا کے سامنے ماسوائے صحت جمع رکھنا۔

(۳) محبت: محبوب کے پسند و ناپسند میں اس کی موافقت۔

(۴) کزاج: حق نے جو وعدہ کیا ہے اس بارے میں اس کی تصدیق۔

(۵) خوف: اللہ کی سطوت و عظمت کے تعلق سے دلوں کا مطالعہ۔

(۶) حیا: انیسار سے دل کو روکنا۔

(۷) شوق: محبوب کی یاد کے وقت قلب کا بھڑکانا۔

(۸) انس: خدا کی جانب سکون پذیر ہونا اور تمام امور میں عاجزی و سکت بردار۔

(۹) طمانیت: قضا و قدر کے تحت جو بھی جاری ہے اس بارے میں خدا کی جانب سکون پذیر ہونا۔

(۱۰) یقین: شک دور ہونے کے ساتھ تصدیق۔

(۱۱) مسأدہ: یہ رویت یقین اور رویت یقین کے درمیان فاصلہ کا نام ہے کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کا فرمان ہے: خدا کی عبادت اس طرح بجالاؤ گویا اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو اسے نہیں دیکھتا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

مسأدہ آخری حال ہے۔

طالب صادقی کو چاہیے کہ ان تمام اخلاق، مقامات اور احوال کی مشق و عادت ڈالے تاکہ رفتہ رفتہ یہ سب

اسے حاصل ہو جائیں اور مرتبہ تحقیقی بن جائے۔ اس کے بعد کچھ اور خوبیتیں تاہنیں بخششیں ہوتی ہیں جن کے بیان

سے عبادت قاصر ہے۔ اور اگر تم خدا کی نعمتوں کا شکر کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔ (صحیح سنابل، ص: ۵۳، ۵۴)

یہ ان امور کا اجمالی بیان ہے جن کی پابندی کی ہدایت و تربیت صوفیہ کرام فرماتے ہیں۔ غور کیجئے ان میں

کون ایسا امر ہے جو کتاب و سنت کے خلاف ہو یا جن سے اعتقاد میں کوئی خرابی آتی ہے۔ لیکن براہِ صوفیہ سے عبادت

کا کاک تصوف کو زندہ رکھتا ہے اور صوفیہ کو زندہ رکھنے کے نام سے شہرت دینے کی سعی مذموم جاری ہے۔ حالانکہ یہ حضرات جس

شدت و استقامت کے ساتھ اسلامی عقائد و احکام کے پابند ہوتے ہیں، اور ان کے انکار و اخلاق کی جو بلندی ہوتی ہے

اہل ظاہر کے یہاں اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا مگر جب دل سے حق و انصاف رخصت ہو چکا ہو اور قلب میں بغض و

عداوت کی عظمت گھر کر چکی ہو تو اس کا کیا علاج؟

تعلیم صوفیہ کا ایک نمونہ:

کتاب و سنت کے ارشادات میں جو جامعیت اور گہرائی ہے اس کی تم تک پہنچنا اللہ ہی کا حصہ ہے۔ مثلاً

برائی نہ مت قرآن میں بھی ہے، حدیث میں بھی ہے، مگر اس کی صورتیں اور قسمیں کیا کیا ہیں؟ یہ کس کس طرح اہل اہل کو

فاسد و ناقص کرتی ہے؟ اہل ظاہر اس کی تفصیلات کتاب و حدیث میں دکھانے سے قاصر ہیں۔ مگر صوفیہ انہیں ربط کے

ساتھ ملاتے ہیں اور سمجھاتے ہیں جو ان کے فہم قرآن و حدیث اور نظر غائر کا تین ثبوت ہے۔ مزید توضیح کے لیے یہاں

تجدد الاسلام نام فرائض قدس سرہ کی کتاب "احیاء العلوم" باب ربایہ کے کچھ اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔ تاکہ ارباب

تصوف کے مددگار و مراتب کا قدر سے اندازہ ہو سکے اور اہل باطن و اہل ظاہر کے فہم و نظر کا کچھ فرق سمجھ میں آ سکے۔

امام موصوف و پہلے ربایہ سے متعلق آیات و احادیث پھر آثار و واقعات بیان کرتے ہیں۔ ایک حدیث یہاں

بھی نقل کی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تم پر سب سے زیادہ شکر اصرار کا خطرہ ہے۔ صحابہ

سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! شکر اصرار کیا ہے؟ فرمایا: وہ یہ ہے۔ اللہ عز و جل روز قیامت جب بندوں



ان کے اعمال کی جزا دے گا اس وقت ریاکاروں سے فرمائے گا تم دنیا میں جن کو دکھاتے تھے ان کے پاس جاؤ، دیکھو ان کے یہاں تم کو کچھ جزا ملے گی؟ (مسند احمد، شعب الایمان، شافعی، بروایت محمود بن لویس)

### ریاکی حقیقت اور ریاکاری کے ذرائع:

ریا دہیت سے اور سودا سے مشتق ہے۔ ریا کی اصل یہ ہے لوگوں کو خیر کی خصلتیں دکھا کر ان کے دلوں میں اپنی منزلت پیدا کرنا مقصود ہو۔ جاہ و منزلت کی طلب عبادات کے ذریعہ بھی ہوتی ہے اور غیر عبادات سے بھی۔ مگر عرفا عبادات اور ان کے اظہار کے ذریعہ طلب منزلت کو ریا کہا جاتا ہے اس لیے ریا کی تعریف یہ ہے: "اللہ کی طاعت سے بعدوں کو مقصود نہ کرنا۔"

یہاں چند چیزیں ہیں:

(۱) ریاکار جو عبادت گزار ہے۔

(۲) وہ لوگ جن کو دکھانا اور ان کے ذریعہ دلوں میں اپنی قدر و منزلت پیدا کرنا مقصود ہے۔

(۳) وہ خصلتیں جن کا اظہار مقصود ہے۔

(۴) ریا یعنی قصد اظہار۔

ریا کے ذرائع بہت میں مگر وہ پانچ اقسام میں سمٹ آتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کے ذریعہ بندہ لوگوں کے سامنے آراستہ ہوتا ہے: (۱) بدن۔ (۲) لباس۔ (۳) قول۔ (۴) عمل۔ (۵) ذرائع اور خارجی چیزیں۔ اہل دنیا بھی ریا میں ان ہی ذرائع سے کام لیتے ہیں۔ مگر طاعات کے ذریعہ ریاکاری کی بہ نسبت اس ریا کی خرابی کم ہے جو ایسے اعمال کے ذریعہ ہو جن کا طاعت و عبادت میں شکر نہیں۔

(۱) بدن کے ذریعہ ریا: دین میں اس کی مثال لاغری و زردی کا اظہار تاکہ اس سے اپنی سخت محنت، امر دین پر اپنے حزانِ عظیم اور خوفِ آخرت کے غلبے کا خیال دلائے مگر دنیا کی ریا بدن کی فریبی، رنگ کی صفائی، قد و قامت کے اقتدار، چہرے کے حسن، بدن کی لطافت اور اعضا کی طاقت و تناسب کے اظہار سے ہوتی ہے۔

(۲) ہیئت و لباس کے ذریعہ ریا: مثلاً سر کے بال پر آئندہ رکھنا، چلنے میں سر جھکانے رکھنا، چہرے پر جدے کا اثر باقی رکھنا، مونے جھونے کپڑے پہننا، ازلیا یا چھاس پہنڈی تنک رکھنا اس طرح کہ ان امور سے بی ودی سنت کی نمائش مقصود ہو اور اہل زہد و صلاح کے دلوں میں اپنی وقت بھائی مطلوب ہو۔ اور اگر صالحین اور امرا و زوراء کی نظر میں قدر و منزلت کا مادہ ہو تو ایسے کپڑے پہنانا جو دونوں کے نزدیک پسندیدہ ہوں۔

### (۳) کلام کے ذریعہ ریا:

اس قسم کے تحت اہل دین کی ریاکاری کے ذرائع یہ ہیں:

وعدہ و نصیحت، حکیمانہ باتیں، اظہار و آثار یا ذکرنا تاکہ بات چیت کے وقت سنا کر وسعتِ علم کا اظہار ہو، لوگوں کے سامنے ذکر کرتے ہوئے لبوں کو حرکت دینا، اگر آدمیوں کا مجمع ہو تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، برائیوں پر غضب، لوگوں کے ارتکابِ معاصی پر رنج کا اظہار، حفظِ حدیث و تفاسیر شیوخ کا دعویٰ بیان کرنے والے کی گرفت تاکہ اپنے علم و بصیرت کا اظہار ہو اور اہل دنیا کی ریاکاری اشعار و امثال کے حفظ، چرب زبانی، عبارت کی دل کشی وغیرہ کے ذریعہ ہوتی ہے۔

### (۴) عمل کے ذریعہ ریا:

مثلاً نماز کی قیام اور رکوع و سجود کو لمبا کرنا، وقار و سکون کی نمائش کرنا، اسی طرح روزہ، صدقہ، حج وغیرہ اعمال میں طرح طرح کے تکلف برتنہ، ریاکاری کی حالت یہ بھی ہوتی ہے کہ اپنے کام میں بڑی تیزی سے جا رہا تھا کسی دین دار کو دیکھ لیا تو سر جھکا کر آہستہ چلے گا کہ کہیں وہ اسے جلد باز اور کم وقار نہ سمجھے، وہ نظر سے غائب ہوا تو پھر اپنی عادت پر آگیا پھر کوئی ایسا شخص نظر آیا تو پھر وہ سرد سکون اختیار کر لیا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تنہائی میں بھی وقار سے چلنے، رہنے، اٹھنے، بیٹھنے کی عادت پالتا ہے تاکہ کوئی باخبر یہ نہ کہ سکے کہ تنہائی میں اس کا حال اور ہے مجمع میں اور، اس عادت کے بعد وہ بزمِ خوشی سے بکھتا ہے کہ ریا سے پاک ہو گیا حالانکہ اس کی ریاکاری دو گنا ہو گئی اس لیے کہ تنہائی کا یہ نقص جمعی ہی کی خاطر ہے۔ خدا سے حیاء خوف کی وجہ سے نہیں ہے۔

اور اہل دنیا کی ریاکاری ناز و انداز سے چلنے، چھوٹے چھوٹے قدم رکھنے، دامن یا ازار کے کنارے بکڑ کر چلنے، شانوں کو گردش دینے وغیرہ سے ہوتی ہے تاکہ جاہ و شہرت کی نمائش ہو۔

### (۵) دوستوں اور ملاقاتیوں کے ذریعہ ریا:

مثلاً اس بات کی کوشش کہ کوئی عالم یا عابد و زہد یا امیر اس سے ملنے کے لیے آئے تاکہ لوگوں میں اس کی محبت اور بڑے افراد کے اس کی حجاب و جلال کا چرچا ہو، یا شیوخ و اکابر کا کثرت سے تذکرہ کرے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اسے کثیر بزرگوں اور عظیم لوگوں سے ملاقات کا شرف حاصل ہے اس قسم کے تحت اور بہت سی صورتیں ہیں۔

### ریا کے ارکان و درجات:

ریا کے تین ارکان ہیں: (۱) ذریعہ ریا۔ (۲) مقصود ریا۔ (۳) خود قصد ریا۔ پھر ان تینوں کے مختلف

درجات و مراتب تھا:

### قصد ریاء:

اس کے چار درجات ہیں:

اول: یہ سب سے برا ہے۔ وہ یہ کہ عمل سے ثواب بالکل مقصود نہ ہو جیسے وہ شخص جو لوگوں کے درمیان ہو تو نماز پڑھ لے، اکیلا ہو تو نہ پڑھے۔ حج ہو تو خیرات کرے، تنہا ہی ہو تو نہ کرے۔

دوم: ثواب کا قصد تو ہو مگر ضعیف، وہ اس طرح کہ لوگوں کے سامنے ہے تو ثواب کا خیال آیا اور عمل بجالایا لیکن تنہا ہی میں ثواب کا خیال آیا تو نہ کیا، یہ درجہ بھی اوپر والے درجے سے قریب ہی ہے۔

سوم: ثواب اور ریاء کا رویہ دونوں کا ارادہ برابر برابر ہو، وہ اس طرح کہ دونوں مع ہونے اس کے لیے محرک بنے، اگر صرف ایک امر ہو تو اس عمل کی انگشت نہ ہوتی۔ یہ شخص بھی غضب سے سلامت رہنے والا نہیں۔

چہارم: صرف ثواب کا قصد رکھتا ہے لیکن اگر لوگوں کے سامنے ہے یا ان کے آگاہ ہونے کا موقع ہے تو عمل کے لیے قوت و نشاط ہے اور اگر ایسا موقع نہیں تب بھی اپنی عبادت کے مطابق وہ عمل کی بجا آوری کرتا ہے اور تنہا یا کے ارادے سے عمل نہیں کرتا۔ ہمارا خیال ہے کہ ایسے شخص کا عمل برباد نہ ہو گا مگر اس میں نقص ضرور آجائے گا ایسے قصد ثواب کے بقدر ثواب اور قصد ریاء کے بقدر حساب ہو گا۔ اور حدیث پاک: "انا أغنی الأعیاء من الشرک" اس صورت پر محمول ہے جب دونوں قصد مساوی ہوں یا قصد ریاء جت ہو۔

فیر لیدر ریاء یہ طاعات ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) عبادات میں ریاء کا رویہ: (۲) عبادات کے اوصاف میں ریاء کا رویہ: اول زیادہ سخت ہے اس کے تین درجہ ہیں:

اول: اظہار ایمان میں ریاء کا رویہ، ایسا شخص منافق ہے جو ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور ریاء کا یہ باب

سب سے بدتر ہے۔

دوم: فرائض میں ریاء کا رویہ، یہ بھی بری ہے اس کی مثال یہ ہے کہ اس کا مال دوسرے کے ہاتھ میں ہے تو اسے حکم دیتا ہے کہ اس سے زکوٰۃ نکال دیتا مگر خدا جانتا ہے کہ وہی مال خود اس کے ہاتھ میں ہو تا تو زکوٰۃ دیتا یا غفلت میں ترک نماز کا عادی ہے مگر جمع میں رہتا ہے تو ادا کر لیتا ہے، لوگوں کے ساتھ ہے تو روزہ رکھ لیا مگر فطر ہے کہ تنہا یا ہائے تو روزہ توڑ دے۔

سوم: ایمان و فرائض میں ریاء کا رویہ نہیں مگر نوافل و سنن میں ریاء کا رویہ شفا نہیں ہے تو تہجد نہیں پڑھتا ہے لوگوں کے ساتھ ہے تو پڑھ لیتا ہے ایسے ہی عرفہ و عاشورا کا روزہ جسے خدمت سے بچنے یا دوسرے سائنس لے لی

غرض سے ادا کر لیتا ہے۔

اوصاف عبادت میں بھی ریاء کا رویہ کے تین درجے ہیں:

اول: برادر ریاء کا رویہ ایسا عمل بجالائے جسے نہ کرتا تو عبادات میں نقص و خلل آتا مثلاً اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو بغیر تبدیل کے جلدی جلدی رکوع جمعہ کر لیا، لوگوں کے سامنے ہے تو تبدیل کے ساتھ سب ارکان ادا کر رہا ہے، اسی طرح کوئی شخص زکوٰۃ میں خراب کئے دینے کا عادی ہے لیکن اگر لوگوں کے سامنے ہے تو عہدہ تنگے دیے۔ روزہ سے ہے تو حلق کی خدمت کے خوف سے نصیبت دے دے ہو وہ کوئی سے بچتا ہے۔ تکمیل عبادت مقصود نہیں۔

دوم: برادر ریاء کا رویہ ایسا کام کرے جسے نہ کرتا تو عبادت ناقص نہ ہوتی اور کیا تو اس کی حیثیت عمل و تہجد کی ہے۔

تیسرے حد تبدیل سے زیادہ طویل رکوع و سجود کرتا، عبادت سے زیادہ لمبی قراءت کرتا، روزہ رمضان میں زیادہ تر غفلت میں رہتا، زکوٰۃ میں عمدہ کی جگہ زیادہ عمدہ دیتا مگر جب کہ تنہا یا اور لوگوں کے عدم اطلاع کی جگہ ہو تو ان امور کی رعایت نہ کرے۔

سوم: نوافل سے خارج کچھ زائد باتوں کی رعایت کرتا، مثلاً لوگوں سے پہلے جماعت میں پہنچتا، پہلی صف کا قصد کرتا، جب کہ خدا جانتا ہے کہ لوگوں کی اطلاع کا موقع نہ ہوتا تو یہ ان امور کی پروا نہ کرتا۔

مقصود ریاء: ریاء کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہو گا مگر یا جاہ یا کچھ اور۔ اس لحاظ سے اس کے بھی تین

درجات ہیں:

اول: سب سے زیادہ قبیح و شدید۔ وہ یہ ہے کہ عبادت کی نمائش، ورع و تقویٰ کے اظہار اور نوافل کی کثرت سے کسی نہ کار کا رنگ اور اس کا موقع پانا مقصود ہو، مثلاً یہ کہ اس کے تقویٰ سے متاثر ہو کر اسے قضا کا عہدہ، اوقاف کی تولیت، مال خیمہ کی سرپرستی وغیرہ حاصل ہو جائے۔ اور بے دریغ تصرف کر سکے، یا لباس صالحین، حبسہ، صلی، وعظ دیکھ کر کسی خور و عورت یا لڑکے کا نام فحش میں لانا مقصود ہو۔

دوم: ریاء کا رویہ سے کوئی جائزہ نفس یا مال دنیا حاصل کرنا مقصود ہو جیسے کسی خوب صورت یا معزز خاتون سے نکاح نکر رہائی چاہتا ہو، یا وعظ میں گریہ و زاری اور جذبات کی انگشت کا مقصد یہ ہو کہ لوگوں سے تدارت دے زیادہ وصول ہو۔

سوم: کسی حد نفس یا مال دنیا کی طمع نہ ہو مگر اس خوف سے عبادت کی نمائش کرے کہ تیس خاص زہدیت سے الگ نہ شمار ہو۔ لوگ اسے بڑا نقص نہ دیکھیں۔

ریا سے خفی جو چیز نیکی کی چال سے زیادہ پوشیدہ ہے:

ایک دیرلے مٹی ہے دوسری دیرلے خفی:

(۱) مٹی یہ ہے کہ ثواب بھی مقصود ہو مگر عمل پر ارجحیت کرنے والی چیز جذبہ کشش ہے۔

(۲) اس سے کچھ نفی۔ وہ یہ ہے کہ عمل کے لیے ریختہ محرک توند ہو مگر باعث تخفیف ہو جیسے وہ شخص جو تہجد کا عادی ہو مگر اذان کی میں گرائی و شوہری محسوس کرتا ہو اور اگر کوئی مہمان آگیا تو وہی محل بڑے نشاط اور جیتی سے ادا کرتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ اسے اگر ثواب کی امید نہ ہوتی تو محض مہمانوں کے لیے نماز نہ پڑھتا۔

(۳) اس سے بھی زیادہ نفی۔ جذبہ تمناؤں نہ محرک ہے نہ باعث آسانی مگر دل میں چھپا ہوا بیضا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ لوگ اس کی عبادت گزار ہی سے مطلع ہو گئے تو سارا احساس مشقت جاتا رہا اور مسرت و راحت محسوس کرنے لگا۔

(۴) غصہ طور پر عبادت کر کے کہ لوگوں کو پتہ نہ چلے اور اگر لوگوں کو پتہ چل گیا تو اسے خوشی نہ ہو مگر اس کے دل کی آرزو یہ ہو کہ لوگ اسے جیلے سلام کریں، اس کی تعظیم و توقیر کریں، اگر اس میں کسی سے کو تاہی ہو تو اس کے دل پر گراں گزرے کہ اس قدر عبادت اور اخلاص کے باوجود میرا عزت نہیں۔

اس کے بعد یہ تفصیل ہے کہ لوگوں کی آگاہی سے جو مسرت ہوتی ہے اس میں کون سی محمود ہے اور کون سی مذموم؟ اس کی پانچ صورتیں بتائیں ایک مذموم باقی محمود۔ پھر کون وہ ریاء ہے جس سے عمل برباد ہو جاتا ہے اور کس سے بالکل برباد نہیں ہوتا۔ پھر ریاء کا علاج کیا ہے اور اس بارے میں قلب کی اصطلاح کیسے ہوگی ساری تفصیلات ہیں۔

(مجموعہ علوم)

یہ ذاتی و حقائق ان علوم کا شعبہ ہیں جو ان علمائے ربانی کے قلوب میں موجزن ہیں، کیوں کہ جو کچھ سینوں میں تھا کتابوں میں منتقل نہ ہوا اور بہت علوم تو وہ ہیں جو محض دل ہی سے تعلق رکھتے ہیں تحریری گرفت میں نہیں آتے۔

بتائیے یہ معارف صوفیہ و اولیائے سوا کی ظاہری و غیر مقلد کے یہاں بھی دستیاب ہو سکتے ہیں؟ انہیں تو ان سب کی ہوا بھی نہ تھی، اگر کچھ بیان بھی کرتے ہیں تو وہ ان ہی علمائے سرفہرہ ہوتا ہے، یہ بھی غور کیجئے کہ کیا ان باتوں میں سے کوئی بات ایسی بھی ہے جو کتاب و سنت سے متصادم اور قابل رد و انکار ہو؟ ہرگز نہیں۔ وہ حضرات جو کچھ فرماتے ہیں کتاب و سنت میں ان کے طویل غور و فکر اور رب کی خاص فیاضات کا نتیجہ ہوتا ہے، کتاب و سنت میں ان امور کا ذکر ایجاز و اجمال کے ساتھ ہوتا ہے، اور ہر عالم کو اس کی بسط و شرح تک رسائی نہیں ہوتی؛ مثلاً حدیث میں ہے: "بی الریاء شوائب انحضرت من دہیب النمل" (اچھے، طہرائی برداشت ابھری کہ یا میں ایسی ایمر شیں ہوں ہیں جو حیوان کی چال سے زیادہ پوشیدہ ہوتی ہیں یا قریباً: "انقوا هذا الشرب فانہ انحضرت من دہیب النمل" اس شرک سے بچو کہ یہ حیوان کی چال سے زیادہ مخفی ہے۔ (عن ابن ابی شیبہ برداشت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ)

یہ بہت مجمل کلام ہے جس کی کچھ تفصیلات وہ ہیں جو امام غزالی کی کتاب مبارک سے نقل ہوئیں اگر یہ علمائے

ربانچین نہ ہوں تو ان مصائب و مکائد کی شرح کون کرے اور بندوں کو نام شیطان و نفس سے کون بچائے، وہ لوگ جہل مرکب کا شکار ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ کتاب و سنت میں جو کچھ صاف و صریح طور پر بیان ہوا اس سے کچھ اور علوم کے چشمے نہیں نکلے اور ان پر فکر و تدبر کے نتیجے میں علم باطن کے ہزاروں اسرار و رموز نہیں کھلتے یا علم باطن کوئی چیز نہیں، یا یہ تو اس کی کوئی ضرورت نہیں ورنہ کتاب و سنت نے کھول کر بیان کر دیا ہوتا۔

لہذا ان کتاب و سنت میں صریح بیان کے ساتھ فکر و تدبر کی دعوت بھی تو ہے، اہل ذکر سے یہ چھپنے کی تاکید بھی تو ہے، اہل استنباط کی جانب رجوع کا حکم بھی تو ہے وہ کیوں ہے؟ اگر سب کچھ بیان ہی ہو چکا ہے اور سب پر عیاں و آشکارا ہی ہو چکا ہے تو فکر و تدبر کی دعوت کیوں؟ اہل استنباط کی جانب رجوع کی حاجت کیا؟ اہل ذکر سے یہ چھپنے کا فائدہ کیا؟

حقیقت یہ ہے کہ جو امور تعلیم خدا و رسول کے بغیر بندوں کی دسترس سے باہر تھے یا دسترس کے باوجود مقام دعوت و ارشاد میں ان کا اعلان و افکھار ضروری تھا وہ ضرور بیان کر دیے گئے، اور ان ہی کو احساس قرار دے کر ان سے استخراج کے لیے دعوت و تاکید فرمادی گئی تاکہ امت کو فکر و تدبر کا ثواب بھی حاصل ہو اور معارف و عطایا کے لحاظ سے بندوں کے رتبہ و مقام کا فرق بھی ظاہر ہو، رب جمیل کی حکمتیں بیان و شمار سے باہر ہیں۔



## وحدة الوجود - مشائخ چشت کا منظور نگاہ نظریہ

وحدة الوجود ایک خالص عرفانی مسئلہ ہے جسے سید الکاشغری شیخ اکبر محمد بن علی بن محمد حاکمی طائی معروف بہ عجمی الدین ابن عربی قدس سرہ (۵۶۰ھ - ۶۳۸ھ) نے اپنی تصانیف میں شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ وجود صرف ایک ہے جو ممکن ذات ہادی تعلق ہے۔ باقی سب اس کے مظاہر اور پردہ تو ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

"مرتبہ وجود میں صرف حق عزوجل ہے کہ ہستی حقیقہً اسی کی ذات سے خاص ہے۔ وحدت وجود کے جس قدر معنی عقل میں آسکتے ہیں۔ یہی ہیں کہ وجود واحد، موجود واحد، باقی سب مظاہر ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلاً وجود ہستی سے بہرہ نہیں رکھتے۔ "کل شیء ہالک الا وجهہ"۔

اور حاشایہ معنی ہرگز نہیں کہ سن تو، زید و عمرو، ہر شے خدا ہے۔ یہ بل احتمال کا قول ہے جو ایک فرقہ کا فہم کا ہے۔ اور یہی بات اہل توحید کا مذہب ہے جو اہل اسلام و ایمان حقیقی ہیں۔<sup>(۱)</sup>

مشائخ قادریہ و چشتیہ وغیرہم ہمیشہ وحدة الوجود کے قائل رہے اور اہل ظاہر نے اس پر جو اعتراضات کیے ان کے جوابات بھی دیے اور ثابت کیا کہ یہ معنی قرآن و سنت کے خلاف نہیں ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ مسئلہ وحدت وجود عقل متوسط کے فہم و ادراک سے ماوراء ہے اور صرف کشف و شهود کے ذریعہ اس سے آگاہی ہو سکتی ہے۔ لیکن علامہ فضل حق خیر آبادی نے خاص معقولی طرز پر بحث کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ صوفیہ کے اسرار و اصول سے قطع نظر نگاہ عقل میں بھی حق یہی ہے کہ مصداق وجود صرف ایک حقیقت واجبہ ہے۔ باقی سب اس کے مظاہر اور تعینات ہیں۔ اس بارے میں انھوں نے ایک مفصل رسالہ "الزّو و الطّٰی المتحدّی" تحریر فرمایا جس کا تذکرہ میں نے اپنے کئی مضامین میں کیا ہے۔ یہاں چاہتا ہوں کہ مختصر اس کے چند اقتباسات بھی پیش کروں تاکہ اس کی تحقیقات سے کسی قدر آشنائی ہو سکے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی چشتی (۱۲۱۳ھ - ۱۲۷۴ھ) فرماتے ہیں:

"نظر چشتی زیادہ توحّی اور صاف ہوگی اس سے حاصل ہونے والا علم بھی اتنا ہی زیادہ حق اور کامل ہوگا۔ اور صوفیہ گرام کا حصہ وقت نظر، پاکیزگی اسرار اور درستی تفکر میں دوسروں سے زیادہ ہے تو رب سے متعلق ان کا اعتقاد بھی کسی انحراف سے بہرہ اور قبول و ایمان کے لیے مناسب و لائق تر ہوگا۔ ان سے متعلق یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ ان کا عقیدہ اسلام کے برخلاف ہے۔"

(۱) اہل سنت کی آراء و مسائل، علامہ محمد تقی عثمانی، جلد ۱۵، صفحہ ۴۳۹، مطابق نوبر ۲۰۰۸ء، سیدنا غریب نوذر نمبر ۳، ۵۵۳۳۳۳۳۳

(۲) امام احمد رضا قادری کشف حقائق، دہرہ راولپنڈی، ۱۳۸۸ھ، اشاعت رضا فاؤنڈیشن ممبئی ص ۵۸

خدا سے عقل کے برعکس ہے۔ یہ بات کسی طرح لائق التفات نہیں کہ صوفیہ کا مذہب عقل کے احکام و طریق سے ماوراء ہے۔ اس لیے اس کی تائید یا تردید میں مصروف ہونا مناسب نہیں۔ صوفیہ کا طریقہ خلاف عقل نہیں ہو سکتا۔ چچ الاسلام امام محمد غزالی (۴۵۰ھ - ۵۰۵ھ) احیاء العلوم میں فرماتے ہیں: یقین رکھو کہ طریق ولایت میں کوئی ایسا سرکار نہیں ہو سکتا جسے عقل محال قرار دے۔ ہاں طریق ولایت میں ایسی بات ظاہر ہو سکتی ہے جس سے عقل قاصر و عاجز ہو جیسی وہ ایسی بات ہے کہ صرف عقل سے اس کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ ایک دوسرا یہ ہے جسے عقل محال قرار دیتی ہے اور ایک امر وہ ہے جو عقل کی دست رس میں نہیں۔ دونوں میں بظریق ہے۔ جو اس فرق کو سمجھنے سے قاصر ہو وہ ہمارے خطاب کے لائق نہیں۔" (۱)

اس جہید کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ واضح ہو گیا کہ مذہب صوفیہ طریقہ عقل کے خلاف نہیں بلکہ عقل کی میزان صحیح پر نفاذ ہے۔ اس لیے پہلے ہم اسے دلیل عقل سے بیان کریں گے تاکہ کسی تشدد پسند فلسفی کے لیے شک کی گنجائش نہ رہے پھر اسے عقلی دلائل سے مضبوط کریں گے تاکہ کسی تکلف پسند حکم کے لیے طعن و تشنیع کا موقع نہ رہے۔ آگے رقم طراز ہیں:

وجود حقیقی ایک حقیقت واحدہ ہے جس میں اقسام و انواع حاصل کرنے والی فصول اور اشخاص بنانے والے عوامل و حواض کے ذریعہ اختلاف نہیں ہو تا بلکہ یہ بالذات مطلق رہتے ہوئے خود ہی متعین ہوتی ہے۔ اس کا تعین اس کی حقیقت سے ناتہ نہیں ہو تا مگر اعتدائی طور پر۔ یہ بالذات واجب بھی ہے، کسی اور کی معلول نہیں، اس لیے کہ اس کے سوا کوئی موجود نہیں۔

اور جب یہ بالذات مطلق رہتے ہوئے خود ہی متعین ہوتی ہے تو یہی بابہ الا شراک ہے ان اشیاء میں جو ایک دوسرے کی غیر اور باہم جدا گانہ ہیں۔ اسی طرح وہ ان اشیاء کے درمیان بالذات بابہ التماثل بھی ہے، بغیر اس کے کہ کوئی امر اس کی طرف متضاد ہو یا کوئی معنی اس پر لگا ہو۔

اس کے تعینات ممکن ہیں اور خود وہ حقیقت واجبہ ہے، جیسے تعینات باہم متضاد ہیں اور وہ واحدہ ہے۔ وہ حقیقت حق کی ایک تعین میں محدود یا کسی ایک شخص میں محصور نہیں۔ یہ اپنے تعینات میں بہت سے اطوار رکھتی ہے۔ وحدت کے باوجود کثرت میں نمایاں ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

اس کے ذات خویش را مطلق مقید ساختی رنگ ہائے مختلف را صورت خود ساختی<sup>(۲)</sup>

اس اجمال کے بعد تفصیل دلیل کے لیے شبکہ وہ چار مقدمات پیش کرتے ہیں:

(۱) علامہ فضل حق خیر آبادی، ارواح النجوت، اشاعت سرائی کتب خانہ میرٹھ ۱۳۹۷ھ ص ۵-۶، صفحہ ۵۷ و ۵۸

(۲) ایضاً ص ۷



پہلا مقدمہ:

وجود یعنی مصدری ہے "ہستی" اور "ہونا" کہا جاتا ہے ایک فطری بدیہی امر ہے۔ یہ اشیا کے درمیان مشترک اور انہماک کے اندر اشیا کے لئے ضروری ہے۔ فاعل میں موجود نہیں۔ یہ بدیہی بات ہے جس سے کسی مکالمہ کو بھی اختلاف نہیں۔

دوسرا مقدمہ:

وجود مصدری جو اشیا سے متضرب ہے، اس کے لیے واقع میں کوئی ایسا خفا متضرب ہونا ضروری ہے جو محض اعتبار کرنے والے کے اعتبار یا فرض کرنے والے کے فرض کے تابع نہ ہو۔ ورنہ تضارب وجود محض ایک اعتراضی امر اور دہلی جمل ہو جائے گا۔ وہ خفا متضرب واقع میں موجود اور نفس الامر میں تحقق ہونا ضروری ہے تاکہ محض امر اعتراضی نہ ٹھہرے۔ اس لیے کہ امر اعتراضی کی واقعیت یہی ہے کہ ان کا خفا متضرب واقع میں موجود ہو۔

تیسرا مقدمہ:

وجود مصدری کا خفا متضرب خود حقیقت موجود ہے، اس کے بغیر کہ کوئی امر اس پر لازم یا کوئی معنی اس کے ساتھ منضم ہو۔

اس لیے کہ تضارب کا خفا اگر نفس حقیقت نہ ہو بلکہ حقیقت مع امر لازم ہو تو وہ امر یا تو انضمامی ہوگا یا تضربی؟ دونوں صورتیں باطل ہیں (تفصیل کتاب میں مذکور ہے) تو مصدری وجود کسی فرض فاعل یا زیادتی فاعل کے بغیر خود حقیقت موجود کا ہونا ثابت ہے۔

چوتھا مقدمہ:

وجود کو اصل حقیقت سے، جو مصدری وجود ہے وہی نسبت ہے جو انسانیت کا نسبت انسانیت اور حیوانیت کا نسبت حیوانیت سے ہے۔ اس لیے کہ وجود نفس حقیقت سے لازم کوئی معنی نہیں جیسے انسانیت کا مضموم حقیقت انسانیت سے لازم کوئی معنی نہیں۔ اس کا بیان تیسرے مقدمے میں ہو چکا ہے۔

ان مقدمات کی جمید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ وجود مصدری چھوٹی بڑی تمام چیزوں سے متضرب ہے تو اس کے لیے کوئی ایسا خفا متضرب ہونا ضروری ہے جو واقعی ہو، محض فرضی و اعتباری نہ ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خفا نفس ذات اور اصل حقیقت ہو اور اس کی جانب وجود کی نسبت اسی طرح ہو جیسے انسان کی طرف انسانیت اور حیوان کی طرف حیوانیت کی نسبت ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ معنی وجود کا مصدری کسی امر کی زیادتی اور کسی معنی کی اضافت کے بغیر خود ہی ہو۔ اور محال ہے کہ وہ خفا اشیا سے مہاں یا مفاہق کوئی امر ہو۔ اس لیے کہ وجود خود ان اشیا کے حقائق سے متضرب ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خفا حقیقت واحدہ ہو۔ اس لیے کہ اگر کئی حقائق ہوں تو وجود کی نسبت اپنے خفا کی جانب نسبت انسانیت ہے انسان کی طرح نہ ہوگی جیسا کہ چوتھے مقدمے میں ثابت ہوا۔

اور محال ہے کہ وہ حقیقت واحدہ اشیا سے منضم یا متضرب کوئی امر ہو جیسا کہ تیسرے مقدمے میں ثابت ہوا۔

اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ اشیا سے مہاں کوئی امر ہو ورنہ ان سے وجود کا تضارب نہ ہو سکے گا۔ وہ حقیقت کسی خاص تعین سے متعبد بھی نہیں۔ اسی طرح وہ کلی ہم نہیں ورنہ ذات مصدری وجود نہ ہو سکے گی۔ بلکہ اپنے حصول میں خارجی مصلحت کی محتاج ہوگی۔ تو یہ مطلق ہے یعنی ہر قید سے مبرا اور تعین کی مبرا ہے۔

وہ کسی کی معلول بھی نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ اس کے ماسوائے کوئی موجود ہے، نہ کسی کی کوئی اصلیت۔ اور جو چیز متضرب اور اس سے مہاں نظر آ رہی ہیں، یہ سب اسی کے شیون اور تعینات ہیں جو اسی سے پیدا اور اسی سے جلوہ فرما ہیں۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ مصدری وجود سے وجود تحقیقی کہا جاتا ہے وہ ایک حقیقت واحدہ واجبہ ہے جو سب میں پھیلی ہوئی اور ہر تعین و قید سے مطلق ہے۔ اب یہ بھی جان لو کہ وہ حقیقت جب اشیا کی کوئی انضمامی صفت نہیں، نہ کوئی وصف تضربی، نہ کوئی امر مہاں تو یہ ہر شے کا مہاں ہے۔ نہ اس معنی میں کہ ہر شے وہی حقیقت مطلقہ ہے بلکہ اسی طرح کہ وہ حقیقت کسی امر کی زیادتی اور کسی معنی کے انضمام کے بغیر خود کو انگوٹھ تعینات کے ساتھ جلوہ گر ہوتی اور طرح طرح کے ابھوار میں نمایاں ہوتی ہے۔ تو ایک تعین کے اعتبار سے وہ ایک شے ہے اور دوسرے تعین کے اعتبار سے وہ دوسری شے ہے۔<sup>(۱)</sup>

اس کی مزید تفصیل کے بعد بحر اور تعینات اسرار کی مثال سے اس کی توجیہ فرمائی ہے، اس کے بعد اس مسلک پر دس اعتراضات مع جوابات رقم فرمائے ہیں۔ پھر چند آیات قرآن کریم کے دلیل شرعی نقل سے اس کی موافقت ثابت کی ہے۔

ملک الصلاہ العارطہ مولانا عبدالحی علی علیہ الرحمہ (۱۳۳۳ھ تا ۱۳۴۵ھ) نے بھی اس موضوع پر عربی میں ایک رسالہ "وحدۃ الوجود و شمول الخلق فی کل صیغۃ" لکھا تھا۔ پھر نواب انور الدین خان بہادر کی فرمائش پر اسے فارسی میں لکھا۔ شاہ ابو الحسن زبیر قادری نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا اور کتبائے مجدد الف ثانی سے اخذ کرتے ہوئے مستند حواشی بھی لکھے۔ یہ ترجمہ پہلی بار خاندان ۱۳۹۶ھ تا ۱۹۷۷ھ میں شائع ہوا۔ مسلک وحدۃ الوجود کی توجیہ و تقسیم کے لیے اس سے بھی کچھ اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ بحر العلوم فرماتے ہیں:

"وجود سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وجود اس کی حقیقت کا مہاں ہے۔ اور یہ وجود، مصدری وجود نہیں کیوں کہ مصدری وجود ایک اعتراضی امر ہے جس کا معنی "ہونا" ہے۔

ایسے اعتراضی مضموم سے اللہ تعالیٰ بلا وجہ ہے بلکہ وجود سے مراد وہ حقیقت ہے جو مصدری وجود کا مصدری ہے جو

نفس وجود ہے، وہ اپنے مرتبہ ذات میں کثرت سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے وہ عالم شیعہ ذات و تعینات ہے۔ تمام شیوات و تعینات اس کے مظاہر ہیں اور وہ ان میں ظاہر و ساری ہے، اس کی سرایت وہ نہیں جس کے حلولی قائل ہیں یا جس کا بیان اتحادی کرتے ہیں بلکہ یہ سرایں جس اس سرایں کے سے جو تعلق کے بعد اس میں ایک کا ہے۔ معنی کے تمام بعد از اجزا کا یوں کے اور کچھ نہیں۔ عالم میں ایک ہی میں جس ایک ہی ذات کا ظہور ہے۔ کثرت میں وہی ظاہر ہے۔ اپنی ذات سے کثرت کا وجود نہیں۔ اللہ کی ذات سے اس کا ظہور ہوا۔ اللہ کی ذات اس کثرت میں ظاہر ہے۔ اللہ ہی اول ہے۔ اللہ ہی آخر ہے۔ اللہ ہی ظاہر ہے۔ اللہ ہی باطن ہے۔ اللہ ہی کے شریک بنانے سے پاک ہے۔“ (۱)

سیدنا شاہ ابوالحسن احمد نوری قدس سرہ (م ۳۷۳ھ) فرماتے ہیں: ”وحدت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وجودی اور دوسری شہودی۔ وجودی کے معنی یہ ہیں کہ سالک کے علم اور نظر دونوں سے اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے اس کا شعور ختم ہو جائے اور اس کی نظر و علم میں اللہ کے سوا کچھ نہ ہونے کے بعد ذات باری تعالیٰ باقی رہے۔ یہی سالک کے مقام کی انتہا ہے۔ اس مقام پر آنے کے بعد سالک ولی ہو جاتا ہے۔ یہی اللہ کے ختم ہونے کے یہی معنی ہیں اور اسی کو مقام لا ہوت کہتے ہیں۔ یہ رسول کا قدر ہے میں یہ چھوٹا مقام ہے۔ اس کے بعد یہی اللہ ہے کہ اس سے مراد ذات باری تعالیٰ میں، جس کی کوئی حد نہیں، مرقی حاصل کرنا شروع ہوتا ہے اور حدیث شریف ماعزہ عنک حق معرفہ (م نے جیسا کہ تیرا حق تھا تجھے نہ پہچانے گا) کی ہر خبر شروع ہے قادر، پرہیزگار، سہروردیہ وغیرہم تمام اولیاء اللہ کا یہی مسلک ہے۔ ایک قلیل تعداد وحدت شہودی طرف مئی ہے اور ان سالک کا ابتدائی مقام جانتے ہیں۔ وحدت شہودی کے بھی یہی معنی ہیں لیکن اس میں موجودات کا انکار صرف سالک کی نظر سے ہوتا ہے، اس کے علم سے نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا تمام موجودات اس کے علم میں تو باقی رہتے ہیں صرف نظر سے ختم ہو جاتے ہیں۔ نظر میں صرف ذات باری باقی رہتی ہے۔ باقی سب نظر سے پاک اور فانی ہو جاتے ہیں مگر سالک کے علم میں باقی رہتے ہیں۔ جیسے سورن لکھنے پر ستارے۔ کہ سب ستارے نظر سے غائب ہو جاتے ہیں، نظر کے سامنے صرف سورن ہوتا ہے لیکن وہ جانتا ہے کہ ستاروں کا وجود دے ہی باقی ہے جس نظر سے چھپ گیا ہے۔“ (۲)

امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ (م ۱۲۴۰ھ - ۱۳۳۰ھ) فرماتے ہیں:

حقیقی وجود صرف اللہ کے لیے ہے۔ فی کرم تہذیب نے فرمایا: سب سے بچی بات جو عرب نے کہی وہ یہ ہے: لا شائے۔ قول ہے: ”الا، کل شیء ما خلا اللہ باطل“ ہمارے نزدیک ثابت ہو چکا ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کا معنی عوام کے نزدیک

(۱) بحار علوم مہدیاصلیٰ فرنگی علیہ السلام کا وجود، ص ۱۸۰-۱۸۱، اشاعت شہادۃ الخیر اکیڈمی دہلی

(۲) شاہ ابوالحسن احمد نوری، سرایں انوار فی الوصایہ والمعارف، ترجمہ و تفسیر محمد امجد علی، ص ۳۳-۳۴، اشاعت مکتبہ نبویہ ۱۹۸۶ء

یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور خواہم کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مقصد نہیں اور خواہم کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور جو مقام نہایت تک پہنچ گئے ان کے نزدیک یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی موجود نہیں۔ اور سب حق ہے۔ ہدایہ ایمان اول ہے۔ ہدایہ اصلاح دوم ہے۔ مکمل سلوک سوم ہے اور وصول الی اللہ کا ہر چہارم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان چاروں معانی سے حکا کمال عطا فرمائے، اپنے احسان و کرم سے۔“ (۱)

یہاں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ صوفیہ واجب اور ممکن میں اتحاد کے قائل ہیں، واجب کو ممکن ممکن اور ممکن کو ممکن واجب جانتے ہیں اور ”بہر اوست“ کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن صوفیہ کا دامن اس الزام سے بری ہے۔ وہ ممکن کو ممکن، ممکن، پر تو، مظہر کہتے ہیں اور ممکن بہر حال اصل سے جدا اور اصل کا بغیر ہوتا ہے۔ غلیظ کی صراحت کے باوجود ان کے کام سے عینیت ثابت کرنا غلط ہے، اگر کسی سے کوئی ایسی عبارت معقول ہے تو اس کی تاویل ضروری ہے کیوں کہ حلول و اتحادی نہیں کسی صوفیہ گرام کی صریح عبارات موجود ہیں۔ شیخ عبدالوہاب شحرانی فرماتے ہیں کہ یہ بات لحد میں نے شیخ ابیر کے خلاف پیمائی ہے۔ امام شحرانی نے شیخ ابیر کی کتابوں سے ان کا مذہب اور حلول و اتحادی نفی عمل کر کے واضح کیا ہے کہ شیخ اس خیال باطل سے بلاشبہ بری ہیں۔ چہ عبادتیں یہاں بھی پیش کی جاتی ہیں۔

شیخ ابیر فرماتے ہیں: جو حلول کا قائل ہے وہ یہ ہے کہ ممکن کو حلول کا قول ایک اطلاع مرض ہے اور اتحاد کے قائل باطل الہی جیسے حلول کے قائل باطل و فضول ہیں۔“ (۲)

حادث حوادث سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اگر قدیم کا حلول حادث میں ہو تو مجسمہ کی بات درست ہو جائے۔ قدیم نہ حلول کرنے والا ہے، نہ اس میں کوئی شے حلول کرنے والی ہے۔ عاشق جب کہتا ہے ”انا من اھوی و من اھوی انا“ تو یہ زبان عشق و محبت کا کلام ہے۔ زبان علم و تحقیق کا کلام نہیں۔ اسی لیے ایسا قائل جب سکرے محسوس آتا ہے تو اپنے قول سے رجوع کرتا ہے۔“ (۳)

اگر یہ صحیح ہے کہ انسان، انسانیت سے اور ملک، ملکیت سے ترقی کر کے خالق جل و علا سے متحد ہو جائے اور خلق، حق ہو جائے تو کسی کو کسی علم پر اصرار نہ رہے اور محال واجب ہو جائے جب کہ قلب حقائق کی کوئی راہ نہیں۔“ (۴)

فلکیت کہی مرتبہ حق عزوجل میں نہیں ہو سکتی، جیسے معلول بھی مرتبہ علت میں نہیں ہو سکتا۔“ (۵)

(۱) لاہور منہار تصوف، محمد مصباحی، ص ۱۱۱، اشاعت دار الفکر اسلامی سہارن پور، ص ۱۱۱

(۲) اشاعت سبب لاہور

(۳) اشاعت سبب لاہور

(۴) اشاعت سبب لاہور

(۵) اشاعت سبب لاہور

کابل عراق ہے۔ ہے کہ عہد داروب دونوں کا مشاہدہ ہو جو عارف کسی بھی وقت مشاہدہ عہد کی کسی سے وہ عارف نہیں۔ اس وقت وہ صاحب حال ہے اور صاحب حال شکر والا ہے جسے تحقیق نہیں ہوتی۔<sup>(۱)</sup>

توحات باب ۳۶ میں لکھتے ہیں: "بعض مکاشفات میں میری روح کی طاقت حضرت ہارون علیہ السلام سے ہوئی۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی آپ نے یہ کیے کہا "فلا تستصحبی الا عداہ" (مجھ پر دشمنوں کو نہ ہٹاؤ) ابھراؤں تپ جن کا آپ مشاہدہ کرتے ہیں۔ جب کہ ہم لوگوں میں سے سالک اپنے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کا مشاہدہ نہیں کرتا۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب دیا۔ تم نے جو کہا تمہارے مشاہدے کے لحاظ سے صحیح ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ جب تم خدا کے سوا کسی چیز کا مشاہدہ نہیں کرتے تو کیا اس وقت نفس الابرار سے عالم ناکل ہو گیا، جیسا کہ تمہارے مشاہدے میں ناکل ہے یا نفس الابرار میں عالم باقی اور غیر ناکل ہے۔ صرف تم اس کے مشاہدے سے مجھوب ہو، اس لیے کہ ایک ایسی عظیم حقیقی تمہارے قلوب پر واقع ہوئی جس نے عالم کو تمہارے شہود سے روپوش کر دیا؟ میں نے عرض کیا: نفس الابرار میں عالم باقی اور غیر ناکل ہے۔ صرف ہم اس کے مشاہدے سے مجھوب ہو گئے۔ فرمایا: اس شہود میں خدا سے متعلق تمہارے عرفان میں کی ہے جس قدر کہ مشاہدہ عالم میں کی ہے۔ اس لیے کہ سارا عالم اللہ کی نشانی ہے۔ اس جواب سے حضرت ہارون علیہ السلام نے مجھے ایسی معرفت کا افادہ فرمایا جو مجھے پہلے حاصل نہ تھی۔ انہی۔ سہی اہل علی و نقار حاضرات فرماتے کہ اگر کلام قوم میں کہیں اتحاد کا ذکر آیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بندے کی مراد، حق کی مراد میں فنا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ ملاں فلاں میں اتحاد ہے، جب ہر ایک دوسرے کے خشاکے مطابق کام کرتا ہے۔"<sup>(۲)</sup>

ان اقتباسات سے واضح ہے کہ طول و اتحاد کے قول سے صوفیہ کلام کی قدر دور ہیں اور ان کی جانب اس خیال باطل کا انتساب کرنا غلط اور گمراہ کن ہے۔

میں یہاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہا کا کلام پیش کر رہا ہوں جس سے توحید و وحدت اور اتحاد کی وضاحت بھی ہوتی ہے اور وحدت پر دلیل بھی فراہم ہوتی ہے۔ وہ تم قمر الازلی:

یہاں تین چیزیں ہیں: توحید، وحدت اور اتحاد۔ توحید ہمارا ایمان ہے اور اس میں خشک کفر اور وحدت وجود حق ہے، قرآن عظیم و احادیث و ارشادات اکابر دین سے ثابت۔ اور اس کے قائلوں کو کافر کہنا خود شیخ ضیعت کلمہ کفر ہے۔

دہا اتحاد وہ ہے خشک زندہ و نجا، اور اس کا قائل ضرور کافر۔ اتحاد یہ کہ یہ بھی خدا، وہ بھی خدا، سب خدا، اگر فرق مراتب نہ کی زندگی۔ حاشا اللہ، اللہ ہے اور عہد عہد، ہرگز نہ عہد اللہ ہو سکتا ہے نہ الہ عہد۔ اور وحدت وجود یہ کہ

(۱) لؤلؤ لا نور۔

(۲) البراقیۃ و لؤلؤ العرفی بیان عقائد الاکابر۔ امام عبدالباق شہرانی (۱۸۸۸ء - ۱۳۵۵ھ) ص ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔

وہ صرف موجود واحد، باقی سب غلال و نمکس ہیں۔ قرآن کریم میں ہے: "کل شیء ہالک الا وجہہ" صحیح بخاری، وجہ مسلم، و سنن ابن ماجہ میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اصدق کلمۃ قالها الشاعر کلمۃ لیلۃ الا کل شیء ہالک الا وجہہ۔ ما خلا اللہ باطل، سب میں زیادہ بگیا بات جو کسی شاعر نے کی، لیلۃ کی بات ہے کہ سن لو! اللہ عزوجل کے سوا ہر چیز اپنی ذات میں مصل ہے حقیقت ہے۔ کتب کثیرہ مفسرہ اصناف، نیز مستند میں ہے: سواہین قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی:

فاشہد ان اللہ لا شیء ہدیہ  
وانک مامون علی کل غائب  
میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ موجود نہیں اور حضور جمع فیوب پر امن ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا۔<sup>(۱)</sup>

اب مسئلہ کی قدر سے تحصیل اور ایک مسئلہ سے تعلیم بھی ملاحظہ ہو۔  
اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

یہاں فرق تین ہیں: ایک خشک اہل ظاہر کہ حق و حقیقت سے بے نصیب مکل ہیں۔ یہ وجود کو اللہ و مخلوق میں مشترک سمجھتے ہیں۔ دوم اہل حق و حقیقت کہ بعض حق و قابل وحدت وجود ہیں۔ سوم اہل زندہ و مملات، اللہ و مخلوق میں فرق کے سحر، اور ہر شخص و شے کی الوہیت کے سحر ہیں۔ ان کے خیال و اقوال اس تقریبی مسئلہ سے روشن ہوں گے۔

ایک بادشاہ اعلیٰ جہاد آئینہ خانہ میں جلیقہ فرمایا۔ جس میں تمام مختلف اقسام و اوصاف کے آئینے نصب ہیں۔ آئینوں کا تجربہ کرنے والا جانتا ہے کہ ان میں ایک عی شے کا کس قدر مختلف طوروں پر متغلی ہوتا ہے۔ بعض میں صورت ظاف نظر آتی ہے۔ بعض میں وحدتی، کسی میں سہی، کسی میں اہلی، ایک میں بڑی، ایک میں چھوٹی، بعض میں تہلی، بعض میں چوڑی، کسی میں خوش نما، کسی میں بھوڑی، یہ اختلاف ان کی قابلیت کا ہوتا ہے، ورنہ وہ صورت جس کا اس میں عکس ہے خود واحد ہے، ان میں جو حائیس پیدا ہوئیں متغلی ان سے منزہ ہے۔ ان کے لیے، بھوڑے، و وحدتے ہونے سے اس میں کوئی قصور نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم بالحق الا علی۔ اب اس آئینہ خانہ کو دیکھنے والے تین قسم ہوئے:

### اول نا سمجھنے والے:

انھوں نے گمان کیا کہ جس طرح بادشاہ موجود ہے یہ سب عکس بھی موجود ہیں کہ یہ بھی تو ہیں ایسے ہی نظر آتے ہیں جیسے وہ ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ اس کے تابع ہیں۔ جب وہ اٹھتا ہے یہ سب کھڑے ہوجاتے ہیں، وہ چلتا ہے یہ سب چلنے لگتے ہیں۔ وہ بیٹھتا ہے یہ سب بیٹھ جاتے ہیں۔ تو ہمیں یہ بھی اور وہ بھی۔ مگر وہ حاکم ہے یہ غلام۔ اور اپنی نادانی سے نہ سمجھا کہ وہی تو

(۱) عقولہ طبعیہ، ص ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔





نور فقہات کی جہاں تابی<sup>(۱)</sup>

بسم الله الرحمن الرحيم حامداً ومصلياً ومسلماً  
قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ خَلِيلٌ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ وَيُؤْتِيهِم مِّنْ رَّبِّهِمْ يُدْفِعُ عَنْهُمْ

ترجمہ: اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کبھی نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی کچھ حاصل کر لیں اور واپس آکر اپنی قوم کو روڑ سنائیں اس امید پر کہ وہ بھی۔ (کنز الایمان)  
اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو "دینی فقہات" حاصل کرے اور اس فقہات کا فائدہ اپنی پوری قوم کو پہنچانے کی کوشش کرے، نہ یہ کہ اس عمل کو عقل و تقویٰ، دوسروں پر اپنی برتری ظاہر کرنے، انھیں مرعوب کرنے یا ذلیل و حقیر ٹھہرانے کا ذریعہ بنالے بلکہ مقصد یہ ہونا چاہیے کہ قوم کو دین کی ہدایت اور تعلیم کے ذریعہ خوف خدا کی حامل اور اس کے احکام پر عامل بنائے۔

حدیث پاک میں آیا: من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين.

"اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی فقہات عطا فرماتا ہے۔"

میں نے غور کیا تو آیت اور حدیث دونوں میں "فقہات فی الدین" کا ذکر ہے جو بہت جامع ہے۔

دین کے تحت ایک تو وہ عقائد ہوتے ہیں جن کو جاننا، ماننا اور دوسروں تک پہنچانا مطلوب ہوتا ہے۔ دوسرے وہ احکام ہوتے ہیں جو عبادات و معاملات سے تعلق رکھتے ہیں اور انھیں جاننے کے بعد حسب موقع خود عمل کرنا اور دوسروں کو بتانا، عمل کرانا ہوتا ہے۔ تیسرے وہ فضائل ہوتے ہیں جن سے اپنے یا ملن کو آراستہ کرنا ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ ان فضائل کا بھی ذکر آتا ہے جن سے دل کو پاک و صاف رکھنا ہوتا ہے۔

ان تینوں علوم کو بالترتیب (۱) علم عقائد یا علم کلام (۲) علم فقہ یا علم احکام (۳) علم اخلاق یا علم تصوف سے موسوم کیا گیا۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے علم عقائد کو "فقہ اکبر" سے موسوم کیا۔ اور عقائد میں "الفقہ الاکبر" کے نام

(۱) مجلس شری کے فیصلے، جلد اول، مجلس شری جامعہ اشرفیہ، ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۳ء

(۲) درر النجوم، ص ۱۲۲

سے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کی متعدد شریں لکھی گئیں۔

جو حضرات شکاک نبوت سے براہ راست فیض یاب ہوئے انھوں نے بہت کم مدت میں عقائد، احکام اور اخلاق تینوں کی تعلیم حاصل کر لی۔ وہ تینوں میں رائج ہوئے اور تینوں میں دیگر افراد کے لیے ہادی و معلم بنے۔

صحابہ کرام سے دین کی فقہات حاصل کرنے والے اہل تائیدین بھی تینوں علوم کے جامع اور دوسروں کے لیے مبلغ و رہنما اور مرئی و معلم ہوتے۔ اس وقت فقہات فی الدین کی تین علوم میں تقسیم نہ تھی بلکہ کچھ تینوں کی تعلیم و تحصیل جاری تھی۔

بعد میں الگ الگ تینوں فنون کی حیثیت سے ان کی تدوین ہوئی اور علم عقائد، علم احکام، علم اخلاق کو جدا جدا بیان کرنے اور سیکھنے سکھانے کا سلسلہ جاری ہوا۔ تینوں کی بنیاد کتاب و سنت ہی پر قائم ہوئی اور انھیں سے اخذ و استناد اور تفریع و تفصیل پر "فقہ دین" کی پوری عمارت استوار ہوئی۔

کچھ شخصیات ایسی جامع اور عظیم تھیں جو تینوں علوم میں مرجع و مقتدا بنیں اور کچھ حضرات کو صرف دو یا ایک میں شہرت و مرجعیت حاصل ہوئی اگرچہ انھیں تعلق تینوں سے تھا اور ہر ایک سے بہرہ ور ہو کر وہ اپنی ذات میں کامل تھے۔ یہ سفر دور اخیر میں بھی نظر آتا ہے، بعض حضرات تینوں میں مرجع و مقتدا ہوئے اور بعض حضرات اپنی جامعیت کے باوجود کسی ایک یا دو میں مرجع و مشہور ہوئے۔

علم عقائد و کلام میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدا اور فقہات کا اندازہ ایک واقعے سے کیا جاسکتا ہے جو ان کے بچپن کا ہے۔ خلیفہ خوارزمی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ روم کے نصرانی بادشاہ نے خلیفہ بغداد کے یہاں اپنا بیٹی بہت سارا مال دے کر بھیجا اور اسے حکم دیا کہ مسلمانوں کے علاوے تین سوالات کرنا۔ اگر جواب مل جائے تو یہ سارا مال انھیں دے دینا ورنہ مسلمانوں سے خراج کا مطالبہ کرنا۔ وہ کاہد آیا اور تین سوالات پیش کیے۔ علمائے اپنے طور پر جواب دیا لیکن وہ خاموش نہ ہوا بحث کرنا رہا۔ اس وقت امام اعظم کم سن، نابالغ تھے اور اپنے والد کے ساتھ اس مجلس میں موجود تھے، سفیر روم کا جواب دینے کے لیے اپنے والد سے اجازت طلب کی، انھوں نے اجازت نہ دی بھر خلیفہ المسلمین سے اجازت طلب کی، خلیفہ نے اجازت دے دی۔ امیر المومنین کی اجازت کے بعد وہ سامنے آئے اور عیسائی سے کہا: کیا تم سائل ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا: منبر سے نیچے آؤ، سائل کی جگہ زمین پر ہے، میں عجیب ہوں، میری جگہ منبر ہے۔ رومی نیچے گیا۔ امام منبر پر کھنچے اور فرمایا: اب بتاؤ تمھارا سوال کیا ہے؟

اس نے پوچھا اللہ سے جھگڑے کیا تھا؟ امام نے فرمایا: جتنی جانتے ہو؟ کہا: ہاں جانتا ہوں (ایک، دو، تین، چار، پانچ) فرمایا: ایک سے جھگڑے کیا ہے؟ اس نے کہا ایک سے جھگڑے کیا نہیں۔ فرمایا: جب اس واحد مجازی، عددی سے جھگڑے کچھ بھی نہیں تو اس واحد حقیقی سے جھگڑے کیا ہو گا؟ وہ خاموش ہو گیا۔



امام عظیم کے کشف باطن اور معرفت اسرار سے متعلق درج بالا شہادتوں سے ان کی قناعت احکام اور تدوین فقہ کی عظمت کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ امام اعظم اپنے علم کلام اور علم باطن سے زیادہ اپنے علم فقہ اور قوت اجتہاد میں عالمی شہرت رکھتے ہیں اور ایک امام مجتہد کی حیثیت سے پوری دنیا میں متعارف ہیں۔

امام اعظم کے زمانے تک دستور یہ تھا کہ کوئی جدید واقعہ پیش آتا تو اس کا حکم تلاش کیا جاتا مگر امت مسلمہ پر امام اعظم کا احسان یہ ہے کہ انھوں نے بہت طویل غور و فکر اس پر کیا کہ مستقبل میں کون سے مسائل پیش آسکتے ہیں۔ اس وقت اسلامی سلطنت کا رقبہ بہت وسیع ہو چکا تھا۔ اور روز بروز اس میں اضافہ بھی ہو رہا تھا۔ اس لیے انھوں نے عالم گیر سطح پر غور کیا کہ آئندہ کس طرح کے عالمی، معاشرتی، تمدنی اور سیاسی مسائل پیش آسکتے ہیں، اور نئے حالات میں عامر مسلمین، غیر مسلمین، قضاۃ و حکام اور سلاطین کے لیے دستور العمل کیا ہوتا تھا ہے۔ اس سلسلے میں انھیں کم از کم درج ذیل مراحل سے گزرنا تھا:

(۱) نئے حالات میں پیش آنے والے مسائل کی تعین اور ان سوالات کا استخراج جن کے جوابات سے طور فقہاء کو عہدہ برآ ہوتا ہے۔

(۲) کتاب و سنت اور اجماع کی روشنی میں ان اصول و قواعد کی تخریج جن کے تحت مسائل کو حل کیا جائے۔

(۳) وہ مسائل جن کا ثبوت کتاب و سنت کی عبارت، اشارت و دلالت یا اقتضا سے ہوتا ہے۔

(۴) احادیث کا علم، ان کے الفاظ پر نظر، ان کے راویوں کا علم اور ان کے حالات پر نظر، ایک موضوع کے تحت چند حدیثیں ہیں تو یہ سب ایک دوسری کی تائید کرتی ہیں یا ان میں کچھ اختلاف و تضاد نظر آتا ہے تو اس کی بنیاد کیا ہے، پھر تعلیق یا ترجیح کی صورت کیا ہے؟

(۵) جملہ احادیث اور ان کے روایات کے احوال پر نظر کرتے ہوئے یہ فیصلہ کہ کون سی حدیث احکام میں قابل استناد ہے اور کون اس و رد ہے کی نہیں ہے۔

(۶) جن مسائل کا ثبوت واضح طور پر کتاب و سنت اور اجماع سے نہیں ہوتا ان کا کتاب و سنت کے مریع احکام اور ان کی حکمتوں کی روشنی میں استنباط۔

ظاہر ہے کہ ان مراحل سے گزرنے کے لیے زبردست علم، بوجہ نظر، طویل غور و فکر، صبر و استقامت و استقلال، کامل اخلاص و دم دردی اور خدا و رسول کی بارگاہ سے خاص عنایت و فیضان ضروری ہے۔

اس لیے امام اعظم نے تدوین فقہ کا کام جمہور انھیں نہ دیا بلکہ فقہاء و مجتہدین کی ایک مجلس تشکیل دی جس کے سامنے ایک ایک مسئلہ پیش ہوتا، ہر شخص اپنے علم اور قناعت اور دلائل کی روشنی میں بحث کرتا، جب ایک حکم پر ب اکثر اتفاق ہو جاتا تو اسے درج کر لیا جاتا اور نہ اختلاف کے ساتھ کھنکھاتا۔

اس عظیم جدوجہد کا ثمرہ یہ ہوا کہ ایک جامع دستور العمل تیار ہو گیا جس کا فائدہ سلاطین، امراء، قضاۃ، علماء، فقہاء، عامر مسلمین اور غیر مسلمین سب کو پہنچا۔ امام اعظم اور ان کے اصحاب کے احسان کا اعتراف ابن جبیل اللہ و شخصیات نے کیا ہے جو اس کا مکی عظمت و اہمیت سے آشنا ہیں۔

حضرت شہاب الدین حکیم جن کی عبادت کا یہ حال تھا کہ ساٹھ سال تک وہ رات کو سوئے نہیں۔ ظہر کے وقت وضو کرتے پھر اس کے بعد دوسری ظہر کے وقت دوسرا وضو کرتے۔ یہ سچ ہے کہ امام اور حضرت سفیان ثوری کے شاگرد ہیں۔ ۲۳۳ھ میں وصال ہوا۔ وہ فرماتے تھے:

"لولا من الله علينا بأبي حنيفة وأصحابه حيث بينوا هذا العلم وشرحوه، لم تكن لدري ما اغتار من ذلك وما ناعذ به." (۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کے ذریعہ ہم پر احسان نہ فرمایا ہوتا تو ہم کو کچھ پتہ نہ چلا کہ ہم کیا ہیں، کیا چھوڑیں، کس پر عمل کریں اور کس پر عمل نہ کریں، لیکن ان حضرات نے علم فقہ کو ایسا وسیع و آگاہ کر دیا کہ ہمارے لیے کام آسان ہو گیا۔

حضرت ابن مریج رحمہ اللہ کے سامنے کسی نے امام اعظم پر کچھ تنقید کی تو انھوں نے فرمایا: اسے غصہ اچھ رہ ان کے لیے تین چوتھائی (۲/۳) فیصلہ امام اجماع تسلیم شدہ ہے اور ایک چوتھائی علم جو باقی رہتا ہے وہ دوسروں کے لیے ہے جو تسلیم نہیں کرتے۔ اس نے کہا: یہ کیسے؟ فرمایا: اس لیے کہ علم سواں و جواب کا مجموعہ ہے۔ نصف علم سوال اور نصف علم جواب۔ ابو حنیفہ جب غصہ غصہ میں جنھوں نے سوالات وضع کیے۔ تو یہ نصف علم ان کے حق میں مسلم ہے۔ پھر انھوں نے ان سوالات کے جواب دیے تو بعض نے کہا: درست ہیں، بعض نے کہا: غلط ہیں۔ ہم اگر ان میں جوابات میں غلطی اور صواب کی مقدار برابر ہے تو نصف درست ہوئے نصف غلط۔ تو نصف غلطی کا علم ان کے لیے مسلم ہے۔ اب ایک چوتھائی جو باقی ہے اسے وہ دوسروں کے لیے مسلم نہیں اور ان کے لیے تین چوتھائی مسلم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لیے شریعت کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور ابو حنیفہ اس شریعت کی تدوین کرنے والے جب غصہ غصہ میں تو یہ بعید ہے کہ رب کریم نے جس شریعت کی حفاظت کا ذمہ لیا اس کی تدوین کرنے والا یہ غصہ غصہ غلط رہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ دو جملہ غصہ غصہ میں جنھوں نے علم فرائض میں کتاب لکھی اور علم فرائض نصف علم ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: فرائض سیکھو اس لیے کہ یہ تمھارے دین ہے اور یہ نصف علم ہے۔

(۱) منتخب امام اعظم، از: امام موفق بن احمد کی م: ۵۶۸ھ، جمع اول ۵۳۲ھ، دارالطباعہ الشامیہ، حیدر آباد، ص: ۶۲

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ شرائط کے بارے میں کتاب لکھی۔ شرائط کی تعلیم فرمانے والا اللہ عزوجل ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: "وَلَا يَابُكَتَابُ اِنْ يَكْتَبْ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ" شرطیں وہی وضع کر سکتا ہے جو نہایت علم کو پہنچے ہوا اور ملکا کے اقوال و مذہب سے باخبر ہو۔ اس لیے کہ شرطیں تمام ابواب فقہ پر مقرر ہوتی ہیں اور ان کے ذریعہ تمام مذاہب سے احتراز مقصود ہوتا ہے تاکہ کوئی عالم اپنے مذہب کی بنیاد پر انھیں توڑنے یا فتح کرنے کا فیصلہ نہ کر سکے۔ بڑا کمال یہ نہیں ہے کہ جب شرطیں وضع ہو گئیں تو انھیں یکے لیا۔ بڑا کمال ان کی ایجاد اور اولیوں انھیں وضع کرنا ہے۔ اگر کوئی دعویٰ کرے کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ فقہ، فرائض اور شرائط کے مدون اول نہیں، ان سے پہلے مدون ہو چکی تھی تو اس سے کہو لاؤ صحابہ یا تابعین کی کوئی ایسی کتاب دکھاؤ جس میں یہ علوم جمع شدہ اور مندرج ہوں۔ وہ جمود و غرور اور سمجھوتہ ہو کر رہ جائے گا۔<sup>(۱)</sup>

پچیسویں آدم کوئی م: ۲۰۳ھ جہاں صحاح ستہ سے عظیم محدث ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

کوفہ فقہ سے بھرا ہوا تھا۔ ابن شبرہ، ابن ابی بلی، حسن بن صالح اور شریک جیسے کثیر فقہاء کوفہ میں موجود تھے۔ لیکن کسی کے اقوال کو رواج عام حاصل نہ ہوا اور امام ابو حنیفہ کا علم بلاد و اقطار میں پھیل گیا۔ اسی کی بنیاد پر غلطی احمد اور حاکم کے لپیٹے ہوتے اور اسی پر معاملہ قرار پڑا ہوا۔ مزید فرماتے ہیں:

فقہ میں امام ابو حنیفہ کا قول اللہ کے لیے تھا۔ اگر اس میں غرض دنیا کی کچھ بھی ملاوت ہوتی تو اسے اقل عالم میں یوں نفوذ و قبول حاصل نہ ہوتا خصوصاً جب کہ ان کے عیب جو اور حامدین بڑی تعداد میں موجود تھے۔ فرماتے ہیں:

امام ابو حنیفہ نے فقہ میں وہ کوشش اور اجتہاد کیا جو ان سے پہلے کسی سے نہ ہوا تو اللہ نے ان کی رہنمائی فرمائی راست ان کے لیے آسان کر دیا اور خواص و عوام ان کے علم سے نفع یاب ہوئے۔<sup>(۲)</sup>

ابو یاسم ثعلبی (ضحاک بن خالد) البصری (م: ۲۱۴ھ) کہ جہاں صحاح ستہ سے بلند پایہ محدث ہیں، ان سے بیان بن عفاں - بجزری روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو یاسم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے امید ہے کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے عہد میں روزانہ ایک صدق کا عمل خدا کے یہاں جاتا ہے، میں نے عرض کیا: کیوں؟ فرمایا: اس لیے کہ ان سے اور ان کے اقوال سے انسانوں کو بڑا فائدہ پہنچتا ہے۔<sup>(۳)</sup>

(۱) مناقب موفقی، ص ۳۵، طبع مذکور

(۲) ص ۳۱، مناقب مذکور

(۳) ص ۳۵، مناقب مذکور

اس فقہ حنفی سے ہر دور میں عظیم فقہاء محدثین وابستہ رہے اور اس کی ترویج و تائید اور بسط و تفصیل میں جلیل الشان کتابیں بھی قید تحریر میں آتی رہیں جن سے عوام و خواص مستفید ہوتے رہے۔

گزشتہ صدی میں اس کی تشریح و تائید اور نشر و اشاعت میں سب سے بڑا احمد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ العزیز کا ہے۔ فقہ حنفی میں ان کی طرف نگاہی کا اعتراف غیر ان کو بھی ہے۔ اسی طرح فقہ لائڈن بھی سے مذاہب ائمہ کے تحفظ میں بھی ان کا کردار و مجاہدانہ کردار ہے۔ برصغیر میں فتویٰ رضویہ سے کوئی حنفی مستثنیٰ نہیں۔ مگر باضابطہ اس کی تعریف ہو جائے تو وہ چوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے عموماً اور خفیوں کے لیے خصوصاً ایک عظیم اور مستند مرجع و ماخذ کی حیثیت سے فیض بخش ہوگی۔

فتویٰ رضویہ جلد اول جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے سامنے طبع ہوئی، صرف اسی کو دیکھیں تو اس میں وہ تحقیقات بارہ ہیں جنہیں اعلیٰ حضرت دہلیؒ کی مکمل ہوئی کرامت کہا جاسکتا ہے۔ مثلاً:

(۱) ہانی پر قدرت نہ ہونے کی ۱۷۵ صورتیں، ہر ایک پر کلام، ہر ایک کے ماخذ کا بیان، ساتھ ہی کلمات فقہاء کے اشکالات کا ذکر، پھر تحقیق و نتیجہ۔

(۲) جنس ارض کی تعریف و تحقیق، اس کے تحت علما کی ۱۳ مختلف عبارتوں کا ذکر اور اشکالات کا حل۔

(۳) آب حلق کے بیان میں وہ بلند تحقیقات جن کی نظیر نہیں۔

(۴) آب مستعمل کی تعریف اور اس سے متعلق مسائل میں جلیل تحقیقات۔

(۵) طہارت سے متعلق ۱۱۳ فتاویٰ کے تحت دیگر ابواب فقہ کے بے شمار مسائل کا بیان جنہیں فقہرست میں ابواب کی سرخیوں اور صفحات کی نشان دہی کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، نکاح، طلاق، متن، قسم، حدود، بیز، شرکت، وقف، بیع، شہادت، وکالت، دعویٰ، ہبہ، اجارہ، حجر، غصب، قسم، حلف و اہانت، فرائض وغیرہ ابواب کے مسائل ضمیمہ موجود ہیں۔

(۶) ان کے علاوہ فقہی فوائد، رسم الفتح یعنی قواعد الفقہ، عقائد و کلام، حدیث، اصول حدیث، اسناد الرجال، فضائل و مناقب، اصول فقہ، طبعیات، ہندو سروریا منی وغیرہ سے متعلق بیش بہا افادات ہیں۔

(۷) خود فقہرست کی ترتیب اور ضمنی مسائل اور افادات علوم و فنون کا احاطہ ایک بلند پایہ علمی کارنامے کی حیثیت رکھتا ہے۔

ان سب کے باوجود نہ کوئی نقل ہے، نہ فرد و فرد بلکہ صاف اعتراف ہے کہ جو کچھ ہے میری قدرت سے دور اور محض فضل میرے رب کریم پھر میرے نبی رؤف و رحیم کا عمل و علاوہ فضل اللہ علیہ

(۱) فقہی رضویہ، کتاب الطہارۃ، باب القسم، ص ۱۲، ص ۸۵۹، ہر ضحاکی نے مکتوب



کسب نام اعظم رضی اللہ عنہ کے فیضان کا ذکر کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

"الحمد لله اکام اپنے ذوقہ آئیں کو پہنچا، اسید کرتا ہوں کہ اس فصل بلکہ تمام رسالہ میں ایسا کلام شافی و حسین کا فی و مبین برکات قدسیہ روح ذکیہ طیب علیہ السلام الامیر کاشف الغمر سراج الامہ سیدنا امام اعظم و قائم الفتن سے حور جائزہ فقیر مبین ہووہ والحمد لله رب العالمین۔"

اپنے ایک رسالے میں تکرار نماز چاند سے معافیت پر فقہائے حنفیہ کی دلیلیں ذکر کیں پھر کچھ خاص دلائل بیان کیے جو بھی قدیم سے ان کے قلب سے نہ ہر فاضل ہوئے۔ آخر میں لکھتے ہیں:

"الحمد لله ایہ ایک ادنیٰ شے ہے اس الہی عالم ربانی حاکم کی نظر حقائق کر کے جو معادق اعلیٰ، معین بشرات و لاہر، حدیث صحیح کا ہے کہ حضور سید المرسلین ﷺ نے فرمایا: "لو کان العلم معلقاً بالثر یا لثنا لولہ قوم من لہد فارص" علم اگر ثریا پر معلق ہوتا تو لاوارق فرس سے کچھ لوگ اسے وہاں سے بھی لے آتے۔ اسے امام احمد نے مندرجہ ہو فیض میں علیہ میں حضرت ابو ہریرہ سے اور شیرازی نے القاب میں حضرت قیس بن سعد سے روایت کیا ہے۔ حضرت امام الامیر، سراج الامہ، کاشف الغمر، امام اعظم رضی اللہ عنہ جن کی رائے منبر و منبر پر غیر تمام معاصی و خرمیر و عیادہ جامع اور مومنین کے لیے ان کی حیات و موت میں غیر خیر و نافع و فساد و فساد عن الاسلام و المسلمین کر خیر و وقاہ و تابعمہ بحسن الاعتقاد کل طهر و طہر آمین۔"

امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے دور کے نئے مسائل کا بھی محققانہ جواب رقم فرمایا ہے جن میں سے ایک مسئلہ کر کئی نوٹ کا ہے۔ پہلے سوئے چاند کی سکون کا درجہ تھا۔ ہندوستان میں سونے کے ٹکے کا شری اور چاندی کے ٹکے کو روپیہ کہا جاتا تھا۔ عرب میں دینار اور درہم کہلاتے۔ جب کاغذ کے نوٹ کا چلن شروع ہوا تو کدھ کر کے کے حنفیہ سے اس بارے میں کئی سوالات ہوئے، ایک جمیل القدر اور زبردست مفتی حنفیہ شیخ جمال بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں صرف یہ لکھا:

"مسئلہ غیاب ہے اور علم طحا کی گردلوں میں لائیت ہے۔"

امام احمد رضا قدس سرہ جب اپنے دوسرے سترج میں مذکورہ وارد ہوئے تو وہ سوالات ان کے سامنے ہی پیش ہوئے۔ اعلیٰ حضرت نے جواب میں وہیں اپنا رسالہ مکمل الفقہ الفہام فی احکام قرطاب الدرہم بہت مختصر مدت میں تصنیف فرمایا جس کی شہد و تخلص ملانے لیں۔ اس کی ایک نقل حرم شریف لاہور میں بھی رکھی گئی۔ اس وقت کے مفتی حنفیہ شیخ عبداللہ بن صدیقی بن عباس کی نظر سے وہ بھی رسالہ گزارا

(۱) جامع البحرین مولیٰ من مجمع الاسلام، ۳۳ھ آخر فصل سوم مشمول فقہی رضیہ، جلد دوم، رضا اکیڈمی ممبئی

(۲) کئی بار جن میں تکرار ملاقات ۱۳۳۵ھ آخری صفحہ مشمول فقہی رضیہ، جلد چہم، ممبئی، کتب دار اشاعت مبارک پرب

اس کا مطالعہ شروع کر دیا جب اس مقام پر پہنچے جہاں فقہ القدر پر کیا یہ جزئیہ مرقوم تھا "لو باع کاغذہ بالف یجوز ولا یکرہ" تو پھر نکاح اٹھے اور اپنی دان پر ہاتھ مار کر بولے "آمین کاں جمال بن عبد اللہ من هذا النص المصریح" حضرت جمال بن عبد اللہ اس نص صریح سے کہاں غافل رہے۔

اس رسالے میں نوٹ سے متعلق جملہ مسائل کامل و اشکاف انداز میں پیش کر دیا گیا ہے۔ رسالہ متعدد بار عربی اور اردو میں شائع ہوا، فقہی رضیہ میں بھی شامل ہے۔

یہ صرف ایک مثال ہے۔ درت فتاویٰ رضویہ میں مسائل جدیدہ کی غامضی تعداد موجود ہے جو ایک جامع فہرست کی منتہی ہے۔ ایسے مسائل کو منتخب کر کے الگ سے بھی شائع کیا جاسکتا ہے۔ کاش کوئی صاحب علم اس پر توجہ مبذول کر کیں پھر جو اردو میں ہیں ان کی تخریب ہو جائے تو قاعدت اور زیادہ عام ہو سکتی ہے۔

کشف الغمب کے علاوہ "الکشف شافیا حکم فوہو جہر افیا" بھی عربی میں ہے جس کی اشاعت صفر ۱۳۱۸ھ / ۱۹۹۷ء میں مجمع الاسلامی مبارک پرب و رضا اکیڈمی ممبئی سے مکمل ہو گئی۔ اس میں رسالہ "انوار العنان فی توحید القرآن" بھی شامل ہے۔

نئے مسائل ہمارے دور میں بھی پیدا ہوئے اور پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے حل کے لیے علماء فقہاء کی لکری و لکھی کاوشیں وقت کا اہم تقاضا ہیں، امام احمد رضا قدس سرہ اپنی خدا داد تقاضات اور علوم و فنون کی زبردست مہارت کے باعث تنہا ایک متحرک مجلس علماء اور ایک فعال اکادمی کا کام کجائی اور تمام حسن و خوبی انجام دیا کرتے تھے جس پر فتاویٰ رضویہ کی بار مضیم جلدیں شاہد ہوں ہیں۔ مگر آج نوید اسیچہ مسائل کامل کی ایک کئی ذات سے ہونا انتہائی مشکل بلکہ عادتاً ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ اس ضرورت کا احساس کرتے ہوئے الجامعۃ الاشرفیہ میں ۱۹۹۳ء میں مجلس شری کی تشکیل عمل میں آئی جس نے امام اعظم کے اصول و قواعد اور امام احمد رضا قدس سرہ کے فتاویٰ کی روشنی میں اپنے سفر کا آغاز کیا اور آج بھی جاریہ ہے۔ اس نے اپنے سفر میں ملک کے نامور علماء اور فقہاء کو بھی شریک کیا اور نئے مسائل جات علما کو بھی فکر و تحقیق سے وابستہ کیا۔ جس کے نتیجے میں ساتھ امام مسائل کے فیصلے بھی ہوئے اور نئے علما کی ایسی بھی تیار ہوئی جو آئندہ زمام کار سنبھالنے کی اچھی صلاحیت رکھتی ہے۔ رب کریم سب کو اپنی جزائے فراوان اور فضل سے بے لیاں سے نوازے اور اس مجلس خیر کو ہمیشہ آلام و آفات سے محفوظ و مامون رکھ کر ہادہ صدق و عدل پر گامزن رکھے۔ و ہو المستعان و علیہ التکلیل، و صلی اللہ تعالیٰ و سلم و بارک علی حبیبہ سید الانس و الجن و علی آلہ و صحبہ و فقہاء دینہ و علماء شرعہ ماتعاً قب الملوان۔

۲۷ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۲ء بروز شنبہ

## امام احمد رضا بریلوی کے اشکی ایک خصوصیت<sup>(۱)</sup>

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی جلالت شان سے کون واقف نہیں؟ بلاشبہ ان کی ذات علوم و احسان کا خزانہ تھی۔ آج بھی ان کے رشحات کلم و دماغ علم و فن کو دعوت نگاہ دے رہے ہیں۔ مگر یہاں ان سب پر کوئی تفصیلی بحث مقصود نہیں۔ بس ان کے اشکی ایک خصوصیت کی طرف مجھے اشارہ کرنا ہے۔

امام احمد رضا مسائل کے جواب میں جہاں مسائل کے فکر و علم کا لحاظ فرماتے، وہیں اس کی زبان کی بھی پابندی کرتے۔ سوال اگر اردو میں ہوتا تو جواب بھی اردو میں ہوتا۔ اور اگر فارسی میں سوال آتا تو فارسی ہی میں جواب دیتے اور اگر سوال عربی میں ہوتا تو عربی ہی میں جواب لکھتے۔ اور کمال زبان کا یہ عالم ہے کہ اگر ان کی فارسی دیکھی جائے تو کسی قدر الکلام ایرانی کا دھوکا ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی عربی دیکھے تو کسی فصیح اللسان عربی تخریروں کا تصور سامنے آتا ہے۔ زبان کی برجستگی، بیان کی شیرینی، اسلوب کی لطافت، محاورات اعلیٰ زبان کا استعمال، اور ان سب سے بڑھ کر اصلاح و تاجملہ کا ہر حسن سب جمع ہیں۔ جب کہ فقہی مضامین میں زبان و بیان کی ان خوبیوں کا قائم و دائم رکھنا انتہائی دشوار ہے۔<sup>(۲)</sup>

عربی و فارسی ہی پر بس نہیں بلکہ عرصہ ہوا فتاویٰ کی ایک کلمی جلد میں، میں تو یہ دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا کہ انگریزی کا جواب انگریزی میں ہے اور جواب بھی مختصر نہیں بہت مبسوط ہے۔ (۱) غریب دست خط سے کلمہ ”امر ہو قصہ“ تحریر ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل جواب اردو میں تھا، پھر مسائل اور سوال کی رعایت سے اس کا ترجمہ انگریزی میں کر کے بھیجا گیا۔

اب میں ان کے اشکی ایک اور حیرت انگیز خصوصیت کی طرف توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں۔ امام احمد رضا کا جواب صرف زبان ہی کی پابندی تک محدود نہیں۔ صنف زبان کا بھی پابند ہے۔ یعنی اگر سوال نثر میں ہے تو جواب نثر میں۔ اور اگر کسی نے نظم میں سوال کر دیا ہے تو جواب بھی نظم ہی میں دے رہے ہیں۔

(۱) لکھنؤ، ناسیان، دار کتب، شمارہ جولائی ۱۹۷۹ء، ص ۳۳ تا ۳۴

(۲) محمد فاضل خاں علی گڑھ میں مکرری حضرت مولانا الطائف محمد مظاہر شاہ قسری، عالم شیعہ تصنیف، تالیف، مہاراجہ، علامہ، ملا اور دیگر نیک و نڈھال کے نام سے لکھا گیا ہے۔ امام احمد رضا کے فارسی خط سے اور عربی خط سے ملے حد تک ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط لکھا گیا ہے۔

یہ دیکھتے تو ادنیٰ رضویہ جلد سوم، ص ۶۵۳، شائع کردہ سنی دارالاشاعت مبارک پور، اعظم گڑھ۔  
جناب مولانا نواب سلطان احمد صاحب بریلوی نے سوال کیا ہے:

علیٰ بن شریع سے ہے اس طرح میرا سوال  
دیں جواب اس کا برائے حق مجھے وہ خوش خصل  
گر کسی نے ترجمہ سجدہ کی آیت کا پڑھا  
تب بھی سجدہ کرنا کیا اس شخص پر واجب ہوا  
اور ہوں مجھے تلاوت کے ادا کرنے سے  
پھر ادا کرنے سے ان سجدوں کے پہلے وہ مرے  
پس سبک دوشی کی اس کے صل کیا ہوگی چنانچہ؟  
چاہیے ہے کہ اس کو دینا جواب باصواب

اس طرح اشتکات میں دو سوال ہیں (۱) جس طرح آیت سجدہ پڑھنے سے سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے کیا  
ای طرح اس کا ترجمہ پڑھنے سے بھی سجدہ واجب ہوتا ہے؟ (۲) جس کے ذمہ سجدہ تلاوت واجب ہوا اور  
اے سجدہ تلاوت سے پہلے انتقال کر جائے تو اس کی سبک دوشی کیوں کر ہو سکتی ہے؟  
جواب ملاحظہ کیجیے۔ حکم مسئلہ کی توضیح، دلیل، حوالہ کتاب بھی موجود ہے۔ اور مفتیان کرام کے حرف آخر  
”اللہ اعلم بالصواب“ کی بھی پابندی ہے۔ ان سب کے باوجود کوئی لفظ حشو اور بھرتی کا نہیں۔ سب باعنی اور  
لفظہ مطلب کے تحت ہیں۔ رقم تراویح:

ترجمہ بھی اصل سا ہے وجہ سجدہ بالیقین  
فرق یہ ہے فہم معنی اس میں شرط اس میں نہیں  
آیت سجدہ سنی جانا کہ ہے سجدہ کی جا  
اب زبان کچھ نہ کہے، سجدہ واجب ہو گیا  
ترجمہ میں اس زبان کا جانا بھی چاہیے  
نظم و معنی وہ ہیں ان میں ایک تو ہائی مرے  
تاکہ من و چہ تو صادق ہو سا قرآن کو  
ورنہ اک صوبہ ہوا حتیٰ چھو گئی جو کان کو



غور کیجئے اعلیٰ حضرت نے تیسری ہی صورت نہایت ہی جلد چاروں صورتیں اور ان کی دلیل کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔ ترجمہ سننے کی صورت میں امام اعظم اور صاحبین (امام ابو یوسف و امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ انہم کا اختلاف ہے۔ امام صاحب کے نزدیک آیت سجدہ کی طرح ترجمہ کا بھی سمجھنا ضروری نہیں۔ سراج دہلیج میں ہے کہ امام اعظم نے قول صاحبین کی طرف رجوع فرمایا۔

وفي البعض وبه يفتي وفي السراج أن الإمام رجع إلى قولهما وعليه الاعتماد.<sup>(۱)</sup>  
اسی اختلاف پھر رجوع امام کے قول نظر امام احمد رضا فرماتے ہیں:

ہے یہی مذہب، ہم یفتی، علیہ الاعتماد  
فتویٰ کے مختلف الفاظ و طوائف اپنے اندر الگ الگ خصوصیت رکھتے ہیں، کوئی رائج، کوئی اربع، کوئی ضعیفہ و مرجوح۔ اس لیے ہم یفتی اور علیہ الاعتماد کے الفاظ بعینہ استعمال کر دیے۔ تاکہ حیثیت ترجیح واضح ہو جائے اور چون کہ یہ ثابت ہے کہ امام صاحب نے قول صاحبین کی طرف رجوع فرمایا، اس لیے اکتفا فرمایا کہ ”ہے یہی مذہب۔“

شای از فیض و نھر والله أعلم بالرشاد  
اس مصرع میں حوالہ اور حوالے کا حوالہ دونوں ذکر کر دیا کہ پورا مسئلہ شای میں ہے اور شای نے فیض و نھر سے نقل کیا ہے۔ پھر والله أعلم بالرشاد بھی نظم فرمادیا۔ والحمد لله.

مسئلہ ۳۴

سجدہ کا فدیہ نہیں ارشاد میں تصریح کی  
صیرنے میں اسی اللہ کی صحت کی  
کہتے ہیں واجب نہیں اس پر وصیت وقت موت  
فدیہ کر ہوتا تو کیوں واجب نہ ہوتا بجز فوت

اگر کسی کے روزے فوت ہو گئے۔ ادا پر قدرت پائی مگر ادا نہ کیا۔ یہاں تک کہ وقت موت آیا۔ یا روزے سے عاجز شیخ ثانی ہے تو ان سب پر فدیہ واجب ہے۔ خود ادا نہ کیا تو ولی کو وصیت کر جانا واجب ہے۔ یہ فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے۔ نصف صاع گندہوں یا ایک صاع جو جس طرح فطرہ میں ہے۔

لیکن اسی طرح اگر کسی پر سجدہ تلاوت رو گیا تو فدیہ یا وقت موت فدیہ کی وصیت واجب نہیں۔ شای میں

(۱) رد المحتار علی الدر المختار، ج ۱، ص ۵۱۳، مطبوعہ مصر۔ اس مسئلے پر فتویٰ کو دہلی کی مدد مری جہت میں بھی اسی صفحہ اسی مقام کی ہے۔

زہدی کی قید ہے۔ نہ لا يجب علی المصطرط الا بصاء بها وقيل يجب۔<sup>(۱)</sup>  
صاحب قید نے یہاں دو قول ذکر کیے۔ ہم وجوب اور وجوب۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: اشباہ میں عدم وجوب کی تصریح کی۔ صیرنے میں اسی کو ترجیح قرار دیا۔ علامہ شانی نے بھی تاثر غائب سے عدم وجوب ہی کی صحت نقل کی ہے۔<sup>(۲)</sup>  
مزید فرماتے ہیں:

یعنی اس کا شرع میں کوئی بدل ٹھہرا نہیں

جز انما لا توجب وقت مجز کچھ چارہ نہیں

جب واجب کا بدل، بدل غیر مقبول ہو۔ یعنی اصل اس کے ادراک سے قاصر ہو تو اس کے بدل بدل ہونے کا نص سے ثبوت ضروری ہے۔ آیت کریمہ:

وَعَلَى الَّذِينَ يُخْلِفُونَ عَنْ صَلَاتِهِمْ شِرَافًا فَكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِمْ يَوْمَ ذَٰلِكُمْ وَلَا تَقْلِقُوا أَلْفَاظًا وَلَا تَقْلِقُوا  
(۳) سے فدیہ کا بدل روزہ ہونا ثابت ہے۔ اس لیے روزہ سے مجز کے وقت فدیہ یا وصیت فدیہ واجب ہے۔ مگر فدیہ کا بدل سجدہ ہونا کسی نص سے ثابت نہیں۔ لہذا فدیہ سجدہ کا بدل قرار نہ پایا۔ اس لیے سجدہ کی جگہ فدیہ یا اس کی وصیت کے وجوب کی کوئی صورت نہیں۔ اب سجدہ سے سبک دہشی کی صرف دو صورتیں ہیں (۱) قادر ہو تو ادا سے سجدہ دے۔ (۲) عاجز ہو کر کیا تو توبہ۔

لیکن اگر کسی نے بصورت مجز، فدیہ ادا کر دیا تو فدیہ کی وصیت کر گیا تو یہ فدیہ ناجائز دے گا مگر یہ نہ ہوگا۔ بہر حال یہ ایک نکتہ ہے اور نکتہ گناہ مٹاتی ہے۔ جیسے فدیہ کا بدل نماز ہوتا نص سے ثابت نہیں۔ مگر امام محمد زیادات میں فرماتے ہیں (مرنے والے نے ادا سے فدیہ کی وصیت کی) اور اس کی طرف سے فدیہ ادا کیا تو ان شاء اللہ تعالیٰ کافی ہوگا۔ فقہائے کرام اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ قرآن کا فدیہ کو بدل روزہ قرار دینا دو صورت رکھتا ہے یا تو یہ جائز ہے کہ ایسی علت (یعنی مجز) پر مبنی ہے جو روزہ نماز دونوں میں مشترک ہے تو بلاشبہ فدیہ روزہ کی طرح نماز کا بھی جائز ہو جائے گا۔ یا اس کی علت ایسی ہے جو روزہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے تو فدیہ بدل نماز نہ ہو مگر ایک صدقہ دینے کا ضرور ہے۔ جس میں گناہ مٹانے کی صلاحیت ہے۔ (اس لیے احتیاطاً نماز کے فدیہ کی وصیت کرنا واجب کیا گیا)

(۱) رد المحتار، ج ۱، ص ۵۱۳

(۲) رد المحتار، ج ۱، ص ۵۱۳

(۳) قرآن مجید، سورہ بقرہ، ص ۱۵۳





ابن زبایم  
فاطماعبد السلام  
فاطماعبد الجبار  
فاطماعبد الجبار  
فاطما

اس بحر کی پابندی کے باوجود جواب کی شعری خوبیاں نمایاں ہیں۔ دونوں کو ایک بار پھر پڑھ کر دیکھیے۔ سوال میں تکلف کی جھلک نمایاں ہے۔ خصوصاً ”جا ہے ہے آپ کو دینا جواب باصواب“ میں ”ہے“ کا لفظ مذاق پر کراں معلوم ہوتا ہے، مگر وزن اس کے بغیر درست بھی نہیں ہوتا۔ حلال کہ سائل نواب مولانا سلطان احمد خاں صاحب برٹولی خود عالم و فاضل اور پاکمال شاعر ہیں۔

سوال کے برخلاف اعلیٰ حضرت کے جواب میں کوئی لفظ محض وزن و قافیہ کی پابندی کے پیش نظر لایا گیا ہو، کہیں ایسا محسوس نہ ہو گا۔ حشو اور بھرتی کا کوئی لفظ نہیں۔ ہر جگہ برجستگی، سلاست، لطافت ہی لطافت ہے۔ تصنع و تکلف کا نام و نشان نہیں۔

یہ ہے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا برٹولی قدس سرہ کا وہ برگیر کمال، جس نے شعرا، علما، فقہاء بھی کی محفل میں ان کا مقام امتیاز نہایت بلند کر دیا ہے۔ ع

جس سمت آ گئے ہو تھے بھلا دیے ہیں



### مفتی اعظم کے ایک فتوے کا تقابلی مطالعہ

کسی شخصیت کے علمی فضل و کمال سے آشنائی کے لیے دو ہی طریقے زیادہ کارگر اور معتبر ہوتے ہیں، ایک یہ کہ خود اس کی علمی محنت کو سنی جائے اور مختلف موضوعات پر اس سے کلام کر کے اس کی وسعت نظر، احتضار اور علمی گہرائی کا اندازہ کیا جائے، دوسرے یہ کہ اگر اس کے رشحات قلم موجود ہوں اور متفقہ موضوعات پر اس کے مضامین و کتب دستیاب ہوں تو انہیں پڑھ کر اس کے علمی منصب و مقام کا تعین کیا جائے، باقی کی شخصیات کے بارے میں یہی دو طریقہ زیادہ استعمال ہوتا ہے، اور باوثوق سمجھا جاتا ہے اور دوسروں کی زبانی فضل و کمال کا جو اجمالی تعارف و تذکرہ ہوتا ہے اس سے کسی محقق کی بڑی تسکین نہیں ہوتی، خصوصاً اگر بیان کرنے والے افراد کا علم و کمال اور شہادت و تقویٰ اس کے نزدیک زیادہ قوی نہ ہو تو اس کے لیے اعتقاد اور مشکل ہو جاتا ہے۔

ہم نے مفتی اعظم کی علمی مجلسیں تو بالکل نہ پائیں یا بہت ہی کم پائیں، اس لیے ہمارے لیے ان کی تصانیف اور ان کے رشحات قلم ہی مشعل راہ کا کام کر سکتے ہیں اور بحمدہ تعالیٰ جب ہم ان کا مطالعہ کرتے ہیں تو نہ صرف فقہ و فتویٰ بلکہ تفسیر و حدیث، عقائد و کلام، عربیت و بلاغت، حسن انشاء و کمال تنظیم، حالات زمانہ سے آشنائی اور حکمت و تدبیر جیسے بہت سے محاسن مفتی اعظم کی فائزات میں یکجا نظر آتے ہیں، اس اجمال کی تفصیل یا اس دعوے کی تصدیق کے لیے میں کچھ شہد پیش کر رہا ہوں، تاکہ عام قارئین بھی مفتی اعظم کی جلالت شان سے کسی قدر روشناس ہو سکیں۔

فتوے کا کام کوئی نئی چیز نہیں، مفتی اعظم کے زمانے میں اور اس عصر سے پہلے اور بعد میں بھی یہ کام برابر ہوتا رہا ہے اور آج بھی جاری ہے مگر جب فتویٰ کا تقابلی مطالعہ کیا جائے اور ہر مفتی کے خاص کمال کو گہری نظر سے دیکھنے کی کوشش کریں تو ہر ایک کا جوہر نمایاں ہوتا ہے اور جوان میں ممتاز ہے اس کی امتیازی حیثیت عیاں ہوتی ہے۔

حسن اتفاق سے مجھے ایک سوال ایسا ملا جس کا جواب مفتی اعظم کے ساتھ ان کے معاصر متفقہ دارباب فتویٰ نے رقم کیا ہے، ان جوابات میں جو فرق میں نے محسوس کیا وہ بیان کرنے میں اگر کامیاب ہو گیا تو کسی حد تک مفتی اعظم کے امتیاز کمال واضح ہو سکے گا۔

نقد یہ ہے کہ تحریک خلافت کے دوران مسز غفری اسے کی ایک نظم بعنوان "نالہ خلافت" مکنی بار شاعر ہوئی، پھر ۱۹۲۵ء کے اخبار زمیندار میں وہی نظم "فیصلہ کفر و اسلام" کے عنوان سے دوبارہ چھپی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہا کے غلیظہ و شاکر مولانا سید احمد ابراہیم کات قادری رضوی قدس سرہ (۱۳۱۴ھ - ۱۳۹۸ھ) نے اس نظم کے تین اشعار سے متعلق مفتیان کرام سے استفتاء کیا اور ان کے جوابات شائع کیے (بعض حضرات سے سوالات میں اس سے قبل کے بھی دو اشعار ارسال کیے گئے تھے) اشعار یہ ہیں:

یہ سچ ہے کہ اس چ خدا کا چلا نہیں  
مگر ہم اس بت کافر کو رام کر لیں گے  
بہلے کعبہ خدا آج کل ہے لندن میں  
وہیں پہنچنے کے ہم اس سے کلام کر لیں گے  
جو مولوی نہ ملے گا تو ہاوی ہی سہی  
خدا خدا نہ سہی رام رام کر لیں گے

ذوق ایمانی رکھنے والا ہر شخص ان اشعار کو سن کر ہی ہنسنے و جہاز ہوجائے گا اور پکار اٹھے گا کہ یہ کسی ایمانی غزوہ ذہن کی پیداوار نہیں ہے اور شاعر حریم اسلام سے قدم باہر نکال چکا ہے مگر جب ایک مفتی سے اس کے متعلق سوال ہوگا تو وہ شخص اپنے ذوق کے حوالہ سے جواب نہیں دے سکتا، بلکہ محض استدلال کی کسوٹی پر پڑے گا اور شرعی اصول پر ہر شعر کو جانچ کر واشکاف انداز میں دلیل و وجہ کے ساتھ واضح کر کے اسے جواب دینا پڑے گا اب آئیے دیکھیں کہ مفتیان کرام نے کیا جوابات تحریر فرمائے۔

① مفتی مدرسہ ارشاد العلوم راجپور، مولانا ارشاد حسین مجددی نے ان تین اشعار اور ان سے قبل کے دو اشعار دیکھ کر جو حکم تحریر فرمایا ہے وہ ان کے الفاظ میں یہ ہے:

"صورت مسئلہ میں تیسرے شعر کا پہلا مصرع اور چوتھا شعر، اور پانچویں شعر کا آخری مصرع لزوم کفر میں صریح ہے، اس وجہ سے کہ تیسرے شعر کے پہلے مصرع میں قائل خدا سے تعالیٰ کے عاجز ہونے کی تصریح کرتا ہے۔ و ہل هذا الاکفر صریح۔

اور چوتھے شعر کا بالقرض اگر تعریف پر محمول کیا جائے تب بھی اس فقرہ میں کہ جن سے حق بھانہ و تعالیٰ کی شان کی تنقیص مرتب ہو اور اس کی تخریب و تقدس کے خلاف ہوں قطعاً کفر نہیں۔ خداوند ان یا وہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں منع فرمایا۔ (سورہ شعراء ۲۶/۲۳) کے تعریضات اور تفسیر کا الہ ہو گیا کہ کبھی کسی کافر سے خدا کو تعبیر کر دیا، اور کبھی مڑ کر ہے، کیونکہ کلمۃ تعلق بین آقا و جہنم (سورہ کہف ۵۸/۱۸) لپکا حق بھانہ و تعالیٰ وعدہ ملا شریک لہ، معبود برحق اور کلام دیکھیں کہ جو وہ شخص اہل بنود کے معبود باطل، جن کو وہ خود بنائے خدا بنائے اور جانے ہیں۔

مؤخر الذکر تین شعروں کے بعض الفاظ صریح کفر ہیں اور شرعاً حکم کفر اس پر ہوتا ہے جس پر صراحت قائل کا فتوالات کرے اگرچہ قائل نے قصد کفر نہ کیا ہو۔"

مذکورہ اشعار کے حکم میں کل اتنی ہی بات ہے جو اس فتوے میں لکھی گئی اور قائل پر حکم کی صراحت قید تحریر میں نہ آئی، وہاں ابتدائی تنبیہ اور بعد کی عبارتیں ایک ساتھ ملانے کے بعد یہی حتمین ہوتا ہے کہ صاحب فتویٰ کے نزدیک ان اشعار کے قائل کی تکفیری ہوگی۔ وجہ کفر میں صرف ایک بات واضح طور پر بیان کی گئی کہ پہلے مصرع میں قائل نے خدا کے عاجز ہونے کی تصریح کی ہے، اس کے باوجود یہ فرمایا کہ لزوم کفر میں صریح ہے اور بطور ابہام یہ لکھا ہے کہ تین شعروں کے بعض الفاظ صریح کفر ہیں، جب کہ ان الفاظ کی صراحت اور وجہ کفر کی وضاحت کے لیے قادری کی جستجو و دریافت کو سخت تشکیکی محسوس ہوتی ہے۔

② دوسرا فتویٰ پاکستان کے مشہور عالم مولانا عبد الکریم درتس مفتی کراچی کا ملاحظہ ہو، ان کے پاس مذکورہ تین اشعار اور ان سے قبل کے دو اشعار ارسال ہوئے تھے وہ تحریر فرماتے ہیں:

بچے کے تینوں شعر متوازی یکفر و بدعتی اور بدعتی ہیں، ان تینوں شعروں میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا حقیقی معنی کبیر یا مستعذر یعنی ایسا متردک الاستعمال ہو جس میں تاویل کی گنجائش ہو، تیسرے شعر کے جملہ "یہ سچ ہے" سے شائبہ شک بھی دور ہو گیا اور خود بنائے خداوند کا الماعتقاد خالق کا اپنی مخلوق پر قابو نہ چلنے کی تحقیق اور تائید ہو گئی اور یہ کریمہ و حق علیٰ علیٰ و قدید (سورہ حود ۱۱/۳) سے صاف صاف انکار ہو چکا۔ و ہذا اکبر صریح۔

اور دوسرے مصرع میں ذات خداوندی پر اپنی نیرت ثابت کی ہے۔ خاک بدہاں کا لٹش ہوتے شعر کے پہلے مصرع سے اس موجود حقیقی کا کعبہ سے غلو، اور لندن کو اس لامکان ذات کا مکان اور مقام قرار دینا کفر نہیں تو اور کیا ہے؟

اور دوسرا مصرع پہلے مصرع کا مؤید یعنی "وہیں پہنچ کر ہم اس سے کلام کر لیں گے" اور "کلام کر لیں گے" سے حکم اللہ و خدا صریح اور الجاہ ہے۔

پانچویں شعر میں آیہ کریمہ و مَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرَ (سورہ فاطر ۵/۱۸) کا انکار ہے۔ مولوی اور مولوی یعنی مومن اور کافر عارف اور اجنبی یعنی غیر عارف دونوں مسخر غفر کے سامنے برابر ہیں، مولوی۔ مولوی تو مولوی ایک فاسق مسلم کے برابر بھی نہیں ہو سکتا، ان شعروں کا قائل کافر اور مرتد ہے، الا ان یرجع و ینوب۔ اس فتنے میں وجہ کفر و وضاحت سے بیان کیا گیا ہے، جو حسب ذیل ہیں:

(۱) کہیں کہنا کہ مخلوق کا قانون چلا۔ (۲) کہنے کو ذات الہی کا مساوی و مقابل ٹھہرانا۔ (۳) کلمات و مکالمات کے لیے مکان قرار دینا۔ (۴) کلیم اللہ بننے کا دعویٰ اور خیال۔ (۵) مومن اور غیر مومن کو یکساں قرار دینا اور دو لوگوں میں فرق نہ جاننا۔

ساتھ ہی قائل کا حکم آخر میں واضح کر دیا گیا ہے، اس لحاظ سے یہ فتویٰ پہلے فتوے سے زیادہ واضح اور بخشنی بخش ہے، بیان میں اجمال اور عربی الفاظ کے، کثرت سے استعمال کی شکایت کی جا سکتی ہے۔ وہ غالباً اس وجہ سے ہے کہ مستفتی خود ہی زبردست عالم ہیں۔ بہر حال، بحیثیت جمہوی پہلے فتوے سے یہ بدرجہا واضح و جامع ہے۔

⑤ تیسرا فتویٰ مولانا محمد ابراہیم قادری مدرس اول دارالعلوم شمس العلوم بدایوں کا ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں: "فتوہ کرام عظیمہ ارحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص خدا سے متعلق کو مصافحہ اللہ ایسے و مغفوں سے متصف کرے کہ اس کے لائق نہ ہوں، یا خدا سے تعالیٰ کو جاہل، عاجز ٹھہرائے یا اس کے نام کے ساتھ خسر کرے اور اعتقاد ایسے قائل کہے (وہ تعریف اور تثناء نہ ہوں) اگرچہ کہنے والا اسے کفر نہ جانے اور اس کا اعتقاد نہ رکھے، وہ شرعاً ایسے قول کی بناء کافر ہو جاتا ہے" اس بیان کی مؤید عبارتیں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"جو شخص شراً، نقصاً، کہے کہ خدا کا اس بت کافر ہے قانون چلا کر میں اس کو طعن کروں گا یا خدا، خدا کی جگہ رہا ہاں ہاں لہذاں کافر کروں گا تو یہ کلمات صریح کفر کے ہیں، جس میں تاویل کی گنجائش نہیں، اگرچہ کہنے والا اعتقاد نہ رکھے۔" اس فتنے کی تہدید میں چند وجہ کفر ذکر کرنے کے بعد ان کے قائل کا حکم بیان کیا اور اس کی تہذیب میں کفتی کی عبارتیں پیش کر دیں، آخر میں شعر سے متعلق کفر کی دو وجہیں تحریر کیں، ایک خدا کو عاجز اور اپنے کو قادر بتانا دوسری خدا کی جگہ ہاتھ کافر رام رام کرنا، ان سب کو کفر ہی کلمات بتایا، اور قائل خاص کا حال غالباً تہذیب فتویٰ کی روشنی میں فہم ناظرین پر چھوڑا۔

بہر حال اس میں دو وجہیں بہت صراحت کے ساتھ بیان کیں، اور قائل کا حکم بھی کسی قدر ظاہر کر دیا اگرچہ یہ الفاظ خوش صراحت نہ کی، اس لحاظ سے یہ فتویٰ پہلے فتوے سے بہتر اور دوسرے فتوے سے کم ہے۔

⑥ چوتھا فتویٰ امام احمد رضا قدس سرہ کے سچے اور جاہل شرعی، ہمارے محمد دم گرائی حضرت مولانا

مولانا رسول محمد میاں قادری برکاتی سیاحہ نشین سرکار مدبرہ شریف رحمہ اللہ تعالیٰ در حساب کا ہے، ان کی ابتدا او اشکاف اور واضح و غیر مبہم ہے اور چونکہ تحریر فرمایا ہے اس میں کسی شہرت گیر اخبار کے ایڈیٹر کے اوئی سے اوئی پاس و لحاظ سے بہت دور ہو کر دین و ایمان اور حقیقت و حقیقت کی پاس داری کا جذبہ بہت عیاں ہے۔ جو اس خاندان والا شان کی ہر دور میں نمایاں روایت رہی ہے اور بفضلہ تعالیٰ آج بھی جاری ہے۔ رقم طراز ہیں:

"شعر نمبر سو یقیناً قطعاً کفر خالص ہے۔ اس میں نہایت صاف و واضح الفاظ میں خدا کو عاجز کہا اور عاجز بھی کیسا کہ جس بت کافر پر بقول اس شاعر کافر کے خود یہ قادر ہے، خدا کا اس پر کہہ بس نہیں چلا اور یہ خدا کی طرف مجزی نسبت اور وہ بھی لکھی، یقیناً قطعاً جہا کفر خالص ہے۔"

اس کے بعد تائید کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:

"یہ شعر اپنے اس معنی فکری میں نہایت واضح و صاف، حسین ناقابل تاویل و توجہ ہے، جس میں کسی ایسی تاویل کی جو اسے کفر سے نکال سکے اصلاً گنجائش نہیں، نہ ایسے کفر صریح میں ادعاے تاویل مقبول و صحیح۔"

پھر شاعر الہیام کی عبارتیں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"اس شاعر کے خسار و بولہ کے لیے اس کا کہی ایک طعون شعر کیا تم تھا کہ اس نے آگے اور کفر کا اور شعر نمبر ۴: کے پہلے صریح میں مشرک کو لہار ہبر و رہنما ہادی و پیشوا بنانے کی ایسی مشرک پرستی کو ایک تطہیر موبہوم کی بے معنی آڑ کے ساتھ ظاہر کرنے کے بعد دوسرے صریح میں صاف صاف کہ دیا کہ خدا خدا نہ کی رام رام کر لیں گے۔

اس مشرک پرستی پر تو رد کامل علمائے اہل سنت کے رسائل میں ہے۔ یہاں کہنا یہ ہے کہ اس دوسرے صریح میں کلمہ اسلام خدا خدا کو ایک کلمہ کفر رام رام سے مساوی ماننا اور اس کلمہ اسلام کو چھوڑ کر اس کلمہ طعون یعنی رام رام کو اختیار کرنا ہے، اور یہ دونوں یقیناً کفر ہیں۔

کفر و اسلام کے مساوی جاننے کا کفر ہوتا تو بدیہی ہے، اور رام کے معنی ہیں رہا ہوا، سایا ہوا، مشرک خدا کو اسی لیے رام کہتے ہیں کہ وہ ان کے زعم فاسد میں ہر شے ہر غلام میں رہا ہوا، سایا ہوا ہے اور خدا کو کسی چیز میں رہا ہوا جانا یقیناً کفر ہے۔ (پھر عبارت اسلام لہذاں مجروحہ حوالہ شفا)

اور کھنسر اس وقت کرے یا کھدہ اس کے کرنے کا ارادہ کرے بہر حال اسی وقت کافر ہو جائے گا۔ (بعدہ عبارت ہمدیہ عن الغلام)

اس فتنے میں شاعر کا حکم بھی واضح ہے اور وجہ کفر بھی تحقیقی طور پر صاف صاف بیان کی گئی ہیں، الفاظ بھی طے ہیں، کفر کا فہم زور دار اور واضح و غیر مبہم استعمال کیے گئے ہیں۔

غور فرمائیں درج ذیل وجوہ کفر کو کسی عمدہ طریقہ پر ثابت فرمایا ہے:

- (۱) خدا کی طرف عجب سبزی نسبت بلکہ صراحتاً عاجز ثابت ہو، وہ بھی اس حد تک کہ جس پر خود یہ سٹامپ قادیان سے وہ اس سے عاجز ہے۔
- (۲) مشرک کو اپنا نبی و پیشوا بنانا، جس کی تفصیل رسائل علمائے اہل سنت کے حوالے کی۔
- (۳) کلمۃ اسلام کو کلمۃ کفر کے مساوی ماننا۔
- (۴) کلمۃ اسلام چھوڑ کر کلمۃ کفر اختیار کرنا۔
- (۵) خدا کو کسی چیز میں رہا ہوا سمجھنا۔
- یہ پانچ وجوہیں اس فتوے سے عیاں ہیں، اور جیسے کہ ماقم نے افہم کیا، مولانا عبدالمکریم درویش علیہ الرحمہ کے فتوے سے بھی پانچ وجوہیں دریافت ہوتی ہیں جنکی وجہ تو وہی ہے جو ہر فتوے میں بیان کی گئی ہے، باقی چار وجوہیں الگ ہیں۔
- (۲) اپنے کو ذات الہی کا مساوی و مقابل ٹھہرانا۔
- (۳) کلمات لامسکال کے لیے مکان قرار دینا۔
- (۴) حکیم اللہ بننے کا دعویٰ۔
- (۵) مومن و غیر مومن کو یکساں قرار دینا۔

اگرچہ یہ وجوہیں مولانا سید اوداد رسوں محمد میاں برکاتی علیہ الرحمہ کے طرز تحقیق اور انداز بیان کے ساتھ بہت واضح طور پر نہیں لکھی گئیں، مگر ان کے کلام سے یہ وجوہیں آسانی سے اخذ کی جاسکتی ہیں، تاہم تعداد وجوہ زیاد ہے۔ اور فتوے بارہوی زبان و بیان کا کمال، انہماک حق میں صراحت و جسارت کا جلال، شعر کے فہم و تفسیر کے ساتھ بعض الفاظ کی تحقیق اور وجوہ کفر پر کتب علمائے تائید کا حسن و جمال اپنی جگہ عیاں ہے۔

⑥ اب آئیے امام احمد رضا قدس سرہ کے فرزند جلیل مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا قدس سرہ کے فتوے، نظر ڈالیں جنہوں نے فتوے کے گھر میں آنکھیں کھولیں، نقد و کلام کی پابندیوں کے حل میں طالب علمی کا زمانہ نہ سر کرے اور یہ عہد ابھی سر بھی نہ ہوا تھا کہ افتادہ زکریا اور والد گرامی کی اجازت افتادہ عطا کردہ مہر سے سرفراز ہوئے۔ دراصل اسی فتوے کے لیے ساجد چار فتوے بھی مکمل پاس ادب کے ساتھ نقل کیے گئے۔ قابل مطالعہ کا کام ہی کچھ ایسا پیچیدہ ہے کہ بہت سے قابل قدر اور اپنی اپنی جگہ عظیم و جلیل رجحانات قلم پر نگاہ نقد گزارتے ہوئے ہر ایک کے درجہ و مقام کو متعین کرنا تفرافض میں داخل ہو جاتا ہے، مگر ان شاء اللہ المونی اروق المکریم ہم کسی حال میں انکار سے ادب اور احترام کا دامن ایک لمحے کے لیے بھی ہاتھ سے نہ چھوٹنے دیں گے۔ وھو الموفق و خیر معین۔

اس فتوے پر ہمیں جلیل القدر علمائے تصدیقات بھی ہیں، جن میں درج ذیل ہستیوں خاص طور سے قابل ذکر ہیں:

- (۱) صدر الشریعہ ابوہلال مولانا محمد امجد علی عظمیٰ۔
- (۲) صدر الاناضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی۔
- (۳) شریعہ اہل سنت مولانا شمس علی خاں قادری کھنوی۔
- (۴) مولانا سید غلام قطب الدین سہوولی دہلوی۔
- (۵) مولانا مفتی محمد غلام جان قادری۔
- (۶) مولانا موصوف حسین احمدی مجددی۔
- (۷) مولانا محمد اسماعیل محمود آبادی۔
- (۸) مولانا حسین رضا قادری بریلوی۔
- (۹) مولانا محمد قند صدیقی میرٹھی۔
- (۱۰) مولانا نقی علی رضوی بریلوی، علیہم الرحمہ۔
- مستفی کی حیثیت سے نائب ناظم حزب الاحناف لاہور، جناب محمد الدین کلا تھہ مرچنٹ کا نام ہے اور صرف تین اشعار ذکر کردہ العدد سے متعلق سوال کیا گیا ہے کہ کفریات کا تعلق انہیں تین سے ہے، صورت سوال یہ ہے:
- "آپا یہ اشعار شرعاً درست ہیں یا خلاف شرع ہیں؟ در صورت ثانی شاعر کا کیا حکم ہے؟ ہمارے دیار کے علماء کرام فرماتے ہیں کہ ان اشعار کا مفہوم کفر و کلام ہے اور قائل پر تجدید اسلام اور تجدید نکاح لازم اور جس طرح ان اشعار کی اشاعت عام ہوئی اسی طرح توبہ نامہ کی اشاعت بھی واجب ہے۔
- بعض شعور کا خیال ہے کہ ان اشعار کا مفہوم کفر نہیں، بس جناب کی خدمت میں گزارش ہے کہ اشعار ذیل کے مفہیم پر غور فرما کر جو حکم شرع شریف ہو اسے دلائل فقہیہ سے مزین بہ مواہب فرما کر بتا دیں کہ حقی الواسع جلد واپس فرمائیں۔"

فاس ان اشعار سے متعلق جواب سات صفحات پر مشتمل ہے اور درمیان میں علمائے دین کے خلاف ہوائی فغاٹا لڑیں اور غیروشی، غیبت، تہذیب کے بے جا تہجد و پسندوں اور فرقہ بندی کے اشتعال و فغاٹوں اور کید و افترا کا کاروبار ہے۔ چون کہ فتویٰ بہت تفصیلی ہے اس لیے یہاں اس کی تھیں اور قابل مطالعہ کے طور پر ضروری تحلیل سے کام لیا جا رہا ہے۔ ابتدا چند مثالوں کے ساتھ واضح کرتے ہوئے یہ رقم فرمایا ہے:

"اسے عزیز یاد کیا پوچھتا ہے کہ یہ اشعار درست ہیں یا خلاف شرع؟ ارے برادر دینی! یہ پوچھ کر کیسے اجنبی واقعہ کھراتا ہے، جن میں شاید بھی ایمان کا نہیں اور جو ان کے کفر ہونے اور ان کے قائل و قائل کے کافر ہونے میں شک کرے اس کا کیا حکم ہے؟ بلکہ درحقیقت تو بات پوچھنے کی یہ بھی نہیں کہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ قطعاً کفر ہے، قطعاً کفر ہے۔ فالعیاذ باللہ تعالیٰ۔

بے شک ان اشعار کا قائل و قائل کافر اور جو اس کے کفر و تحقیق غذاب ہونے میں ادنیٰ شک کرے وہ بھی ان کا حامی ہے۔"

ان الفاظ سے قول اور قائل اور ان کے حامی و موافق بھی کا حکم پہلی نظر میں ہی واضح ہو جاتا ہے۔ تحصیل اور دلائل کا نمبر اس کے بعد آتا ہے۔ یہ وہ طرز امتحان ہے جو امام احمد رضا کے فتاویٰ میں عام طور سے ملتا ہے۔ والو للمسر لایبہ۔

ساتھ ہی ان امور کے تیسرے عیاں ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ کی بارگاہ منزہ و مقدس میں جسارت و بے گامی اور سرکشاخ و بدگامی کس قدر شنیع و قبیح ہے، جس کے بعد انسان کی ذاتی شان و شوکت اور وجاہت و شہرت شریعت مقدسہ کی عداوت عالیہ اور علماء ربانین کی بارگاہ حق پسند میں ذرا بھی پاس و لحاظ کے قائل نہیں رہ جاتی جیسے دنیاوی کچہریوں میں قتل ناحق کا یقینی مجرم یا کسی شاہی حکومت میں چاک و صاف بادشاہ پر غلط بہتان و افترا کرنے والا یا بی خلاف تہذیب گالیاں دینے والا ہے یا کسی سلطان کا قائل، پوری حکومت میں کسی کے نزدیک قائل رہ کر لائق حمایت نہیں قرار پا تا اور ہر شخص اس کے خون سے زمین کا چہرہ رنگین کر دیتا سراسر عدل و انصاف تصور کرتا ہے یہی حال ان افراد کا ہوتا ہے جو خدا کی تزیین و تقدیس اور اس کی عظمت و وقار کی کھارہ گردن میں ڈال لینے کے بعد اس پاک و بے عیب ذات بلند کی شان اقدس میں یا وہ کوئی یا اس کے باجروت قانون عام کی کھلی ہوئی خلاف ورزی و بغاوت اور اس کی حکومت میں رہ کر اس سے بے وفائی پر اتر آتے ہیں۔ یقیناً یہ کوئی زیادتی یا نا انصافی نہیں۔

نئی روشنی کے بے جا تجدد پسندوں کو شاکر تان خدا اور رسول کی یہ حیثیت شاید آفتاب کی روشنی میں بھی نظر نہیں آتی، یا دماغوں کی صائب روشنی سے عاری ہو چکے ہیں، اس لیے مذکورہ بالا حکم کے دنیاوی فیصلوں کو تو حق و انصاف سمجھتے ہیں مگر اس سے زیادہ بڑے جرم پر شرعی فیصلوں کو وطن و تہذیب سے یا کرنا۔ اپنے ذہن و دماغ کا کمال اور اپنی زبان و قلم کا ہنر سمجھتے ہیں، جب کہ یہ سراسر نا انصافی، بددعا و بددعا ہے۔ خدا مصلح سلیم سے نوازے اور حق کو حق، ناحق کو ناحق دکھائے۔

اب آئیے یہ دیکھا جائے کہ فتوے کی ابتدائی طور کی تفصیل اور ان کی دلیل میں کیا لکھا گیا ہے؟

ابتدائی طور چند باتوں پر مشتمل ہیں:

(۱) قول کا حکم (۲) قائل کا حکم (۳) اس قول کو ماننے والے اور قبول کرنے والے کا حکم (۴) قائل و قائل کے حکم کفر میں شک لانے والے کا حکم۔ اس لیے تفصیل اور دلیل میں بھی ان سب سے بحث ناگزیر ہے، دیگر فتاویٰ سے اس فتویٰ کا ایک امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ یہ صرف قول و قائل ہی نہیں بلکہ ذکر شدہ چاروں امور کا احاطہ کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو، تحریر فرماتے ہیں:

”شعر اول کے دونوں مصرعے کفر فاعل ہیں۔“

(۱) پہلے میں صاف تصریح کی کہ اس بات پر خدا کا قانون چلا۔

(الف) یہ اللہ عزوجل کی کھلی توہین اور اس کی قدرت عظیمہ، کاملہ، کریمہ ربانہ علیٰ کل شیء کا قدیر کاررو انکار ہے کہ ایک شخص کسی بھی ہے جس پر خدا کو قدرت نہیں اور اس پر اس کا قابو نہیں اور وہ اس سے عاجز رہا۔

(ب) یہ سرے سے الوہیت کا انکار ہوا کہ جو عاجز ہو خدا ہی نہیں ہو سکتا، تو مصرعہ خبیث لعین کے قائل نے الوہیت کا حقیقہ انکار و ابطال کیا، تو بے شک وہ اور جو اسے قبول کرے وہ ہر مسلمان کے نزدیک کافر ہوا، اور جو ایسے کو کفر نہ جانے یا اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر، کہ پہلے نے کفر کو کفر نہ جانا۔ الوہیت ہی کا انکار اگر کفر نہ ہوا تو اور کیا کفر ہو گا؟ ایمان کو ایمان جیسا جانا ضرور ہے، یوں ہی کفر کو کفر جانا، جو کفر کو کفر نہ جانے گا وہ ایمان کو کیا جانے گا کہ تعریف الاشیاء یا عہد ادھا (چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں) اندھا روشنی کی قدر کیا جانے گا اور دوسرے نے شک کیا، اور کفر کے کفر ہونے کی تصدیق ضروری ہے تو شک اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے، کہ تصدیق ہی کا نام ایمان ہے اور وہ بے حالت شک ناممکن۔

(۲) دوسرے مصرع میں برطا اپنے آپ کو خدا سے ناکہ قدرت والا بتایا تو اس کا مرتبہ گھٹایا اور اہتار تہ اس سے بڑھایا، ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ کتنا خبیث و کفر طعون ہوا۔

اس دوسرے مصرع میں اپنی الوہیت کا اثبات کیا، پہلے مصرع میں خدا کی الوہیت سے اسی لیے انکار کیا خدا کا ہے کہ مطلب یہ ہوا کہ لوگ جسے خدا کہتے ہیں اور اس کی قدرت بہت عقیم مانتے ہیں اور اسے ہر شے پر قادر جانتے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ ایک چیز ایسی ہے کہ اس سے وہ عاجز رہا، اسے وہ اپنی قدرت سے دہا رہا، مگر اس کا اس پر قانون چلا تو وہ خدا نہ ہوا کہ خدا عاجز نہیں ہوتا۔

اور ہم اس چیز کو بھی رام کر لیں گے، جس پر لوگوں کے خدا کا قانون چل سکا، اور جس سے وہ عاجز رہا، کسی طرح اسے رام نہ کر سکا، تو ہم ہر شے پر قادر ہوئے، تو ہم خدا ہوئے نہ کہ وہ عاجز کہ جسے لوگوں نے خدا بتایا۔

والعیاذ باللہ سبحانہ و تعالیٰ

کیا کوئی مسلمان اس کے کفر طعون ہونے میں ادنیٰ شک لائے گا، بے شک ہر مسلمان کہے گا لاریب یہ کفر ہے اور اس کا قائل و قائل کافر۔

(۳) یوں ہی اس کا دوسرا شعر:

بجائے کعبہ خدا آج کل ہے لندن میں  
وہیں پہنچنے کے ہم اس سے کلام کر لیں گے



کفر خالص ہے۔ (۱) مسلمانوں کا دینی مقدس اسلام، اللہ کو جسم و جسمانیات سے پاک بتاتا ہے۔

(الف) مکان جسمی کے لیے مخصوص ہے تو اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے وہ جسم نہیں۔

(ب) مکان مخلوق ہے، وہ خالق ہے۔

(ج) مکان حادث ہے، وہ قدیم ہے۔

(د) مکان جسم کو محیط ہوتا ہے اور اللہ اس سے پاک ہے کہ کوئی شے اس کا احاطہ کرے، وہ اپنے علم و

قدرت سے ہر شے کو محیط ہے۔ واللہ بکل شیء محيط۔

اور شاعر لندن کو خدا کا مکان بتاتا ہے، تو خدا کو جسم جانتا ہے اور لندن کو اسے محیط مانتا ہے جب تو کہتا ہے کہ خدا

آج کل کعبے میں نہیں، لندن میں ہے، بے شک وہ اہل اسلام کے نزدیک کافر ہے، اللہ و رسول کے نزدیک کافر ہے۔

باوجود کے کہ مسلمان کہہ چکے کہ، بلکہ ہر مسیح کو، اس لیے کہ وہ خالص اللہ ہی کی ملک ہیں، بیت اللہ کعبہ

ہیں، مگر جو کعبہ محترمہ کو اللہ کا مکان اور اللہ تبارک و تعالیٰ کو اس کا لکین مانتے ان کے نزدیک کافر ہے۔ یوں ہی اللہ

عز و جل زمانہ سے بھی پاک ہے کہ زمانہ بھی حادث و مخلوق ہے۔

(۲) اور یوں بھی کہ اس نے کعبہ محترمہ سے لندن کو بڑھایا کہ کعبہ مقدس کی تو جین کی، مگر جو بیت کعبہ کی ایسی شہید

تو جین و تنقیص کر چکا ہو ایسے سے اس کی کیا شکایت کرنا، ما علی مثلہ بعد الخطا۔ (ایسے کی خطا کی کیا گنتی؟ کیا شہر؟)

(۳) یوں ہی اس کا تیسرا شعر کھلا الجاد و زندہ ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ (الف) مولوی دہلوی اس کے

نزدیک برابر ہیں، (ب) خدا اور رام ایک ہیں، (ج) کفر و اسلام میں کچھ فرق نہیں، (د) اس کے نزدیک خدا خدا نہ کہ رام

رام کہ لیا بات ایک ہی ہے، حاصل وہی ہے، حالانکہ ہرگز خدا رام نہیں اور ہرگز رام خدا نہیں، (و) مشرکین کا مذہب بتا

مذہب ہے کہ ہر چیز میں رام ہوا، سراپت و طول کیے ہوئے ہے، خدا کو اپنے اسی عقیدہ و خبیث کی بنا پر رام کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ "رہنے" اور حلول کرنے سے پاک ہے، تو خدا کو رام کہتا کفر ہو اور خدا خدا کہتا عبادت اور کفر کو عبادت

جانتا کفر۔ اور نہ سبکی فرض کیجئے کہ وہ رام کے یہ معنی بھی نہ سمجھتا ہو جب بھی خدا خدا وہ نہیں، جو خود ہے بیہودہ کا مذہب موم خدا

ہے جسے مشرکین نے خدا سمجھ لیا ہے۔ (و) اور مشرکین میں تو اتنا تعجب ہو جانے کو تو دیکھو کہ خدا خدا نہ سبکی رام رام کہیں

گئے، کہ مسلمان اور اس کے پیشواؤں کو چھوڑنے کے ساتھ ساتھ ان کے معبود و حق کا ترک اور مشرکین میں گھلنے کے

لیے ان کے معبود باطل کا اختیار ہے، اور یہ ترک اور اختیار دونوں کفر ہے۔ والاعباد باللہ تعالیٰ کیسے الجشت کلمہ ہے۔

جو مولوی نہ طے گا مولوی ہی سبکی

خدا خدا نہ سبکی رام رام کہیں گے

کہ مولوی نہ طے گا تو وہ بد نصیب مولوی کے خدا کو ہی چھوڑ دے گا اور مشرکین کے طاغوت مولوی کو اختیار

کے گا اور مولوی کے خدا کو ہی چھوڑ دے گا۔

اس کے قائل اور ان شعرا پر جنہوں نے کہا ہے کہ ان اشعار کے مذہبیم کفر نہیں، توبہ و تجدید ایمان فرض

اور ہر فرض سے بڑھ کر فرض ہے، نئے سرے سے مسلمان ہوں اور اپنی اپنی بیویوں سے جب کہ وہ راضی ہوں، از

سر نو نکاح کر سں اور کہیں بیعت ہوں تو تجدید بیعت بھی لازم، یوں ہی اگر حج کر چکے ہوں تو پھر حج کرنا بھی ضروری ہے

کہ کفر سے اعمال جہ ہو جاتے ہیں، تو ہبلانج مثل اور اعمال کے جہ ہو گیا اب دو سرا جہ یوں فرض کی جی کہ فریضت کا

وقت عمر ہے، البتہ اب پھر حج ضروری و واجب، توبہ کر سں اور بہانے نہ بنائیں کہ وہ کافر ہو چکے اپنے ایمان کے

بعد واللہ الوافی۔" (لفظاً)

اس فتویٰ میں وجہ کفر کاس ژرف نگاہی اور وقت نظر سے جائزہ لیا گیا ہے وہ ناظرین پر عیاں ہے، ساتھ

ی ہر جدی دلیل بھی بیان کر دی گئی ہے اور قائل کا حال بھی مشکف کر دیا گیا ہے، وجہ کفر پر نظر ڈالیں تو درج ذیل

امور سامنے آئیں گے:

(۱) خدا کی قدرت کاملہ کا انکار اور اس کی عاجزی کا اقرار، (۲) اس سے دراصل خدا کی الوہیت اور اس کے خدا

ہونے کی انکار ہو، (۳) اپنی قدرت کو خدا کی قدرت سے نانہ مانتا، (۴) یہ دراصل اپنی الوہیت کا اثبات ہو، اسی لیے

جیلے خدا کی الوہیت سے انکار کیا، (۵) خدا کے لیے مکان مانتا، (۶) مکان جسم کے لیے ہوتا ہے تو خدا کو جسمانی جانتا،

(۷) یہ مانتا کہ لندن اسے محیط ہے، (۸) لندن کو کعبہ محترمہ سے بڑھانا اور کعبہ کی تو جین کرنا، (۹) مولوی دہلوی، مومن و

غیر مومن میں فرق نہ مانتا، (۱۰) خدا اور رام کو ایک سمجھنا، (۱۱) کفر و اسلام میں فرق نہ جانتا، (۱۲) کلمہ اسلام خدا خدا اور کلمہ

کفر رام کو یکساں قرار دینا، (۱۳) خدا کے لیے کسی چیز میں سراپت و حلول کے اعتقاد پر مشتمل لفظ اختیار کرنا، (۱۴) اہل

اسلام اور ان کے معبود و حق کا ترک، (۱۵) اہل باطل اور ان کے معبود باطل کو اختیار کرنا۔

ان اشعار میں جو قوی، صاف، صریح اور ناقابل جمل و جہیں التزام اور لزوماً موجود تھیں انہیں کو فتوے میں

داخل طور پر پیش کر کے ان کے احکام بیان کر دیے گئے ہیں، اور جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی صداقت و قوت سے انکار کی

گنجائش نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ خود فتوے کے الفاظ پیش کر دینے اور ان کی خصوصیات کی جانب اجمالی اشارہ اور مختصر

وضاحت کر دینے کے بعد دیگر فتویٰ سے اس فتوے کا امتیاز اور مفتی اعظم کی دقت نظر، جودت قلم، حسن تنقیہ، بکمال نتیجہ،

زور بیان، شوکت کلام اور سلطنت فتویٰ عیاں کرنے کے لیے مزید تبصرے اور بسط و تفصیل کی حاجت باقی نہ رہی۔

اس فتوے کے آخر میں حسب طلب مسائل خصوص فقہیہ بھی پیش کر دیے گئے ہیں اور ایک حدیث کے

ساتھ یہ حکم بھی مرقوم ہے کہ اعلان جرم کی طرح اعلان توبہ بھی ضرور ہے، یہ گمان نہ کرے کہ اس اور اب اس محمد میں نہ رہیں کہ کلمہ تکفیر یا زبان یا قلم سے نکل گیا اس کے بعد بار بار کلمہ پڑھا ہے، اب تک کیا وہ کفر یا ایمان رہا؟ اس پر مجمع الانہر شرح ملکی اللہ تعالیٰ کی یہ عبارت بھی روشنی کی ہے:

"إن أتی بکلمة الشهادة علی وجه العادة لم یغفره ما لم یرجع عما قاله لأنه بالایمان بکلمة الشهادة لا یرتفع الکفر" (ج: ۲، ص: ۲۵۵ کتاب السیر والجمہاد، باب المرتد، مادۃ الارتداد، ص: ۲۵۵) اگر بطور عادت اس نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا تو یہ اس کے لیے فائدہ مند نہیں ہوگا، جب تک کہ توبہ نہ کرے، کیوں کہ بغیر توبہ صرف کلمہ پڑھ لینے سے کفر ختم نہیں ہوتا۔

یہ مبارک فتویٰ انجمن حزب الاحناف لاہور سے پہلی بار ۱۳۴۳ھ میں شائع ہوا، دوسری بار رضا دارالاشاعت، رہما، ضلع بریلی شریف ۱۳۱۰ھ میں ہوا۔ سرورق پر ایک عربی نام ہے "سیف الجہاد علی کفر و میندار" دوسرا عربی تاریخ پر مشتمل "الفسورة علی ادوار الحمر الکفرة" (۱۳۴۳ھ) تیسرا عیسوی تاریخ پر مشتمل "ظفر علی دعة من کفر" (۱۹۲۵ء)

درمیان رسالہ ان لوگوں کی خبر گیری بھی ہے جو ایسے شخص کو دائرہ اسلام میں شمار کرتے ہیں، جو کلمہ اسلام کا مدعی ہے خواہ اس کے ساتھ وہ نبوت کا دعویٰ کرے، مدعی نبوت کی حمایت کرے، اسے فیما بالامام و پیغمبرانے، خدا کے لیے کذب ممکن بلکہ واقع مانے، علم رسول کو حیوانات و بہائم کے علم سے تباہ تشبیہ دے، کلمہ میں نام رسول کی جگہ اپنے پیر اشراف علی کا نام لے، جنت و نار، جن و ملائکہ کے وجود اور نماز و روزہ وغیرہ فرائض کا منکر ہو، نعم نبوت کے قطعی اجماعی معنی کو نہ مانے، دوسرا نبی آنا جا کر یا واقع مانے اور ایسے ہی بڑے بڑے ایک یا چند کلمہ کا مرکب ہو مگر ان کے نزدیک کلمہ پڑھ لینے کے بعد جس قدر کفریات کرتا اور بکتا رہے ایمان و اسلام رخصت نہیں ہوتا، آدمی بچا یا مسلمان برقرار رہتا ہے۔

ہاں جو ایسے سخت شیعہ کفریات کے مرکب کو کافر کہے وہ ان کے نزدیک مجرم ہے اس کی ہر طرح سبیل و حقیر ان کے یہاں داخل تہذیب و شرافت ہے، اس کے خلاف صفات کے صفات دیکھیں کہ عظیم خدمت ہے، ان کے خیال میں کفر کرنا، کفر بکنا، کفر لکھنا کچھ عیب نہیں، کافر کہنا عیب ہے۔

ان خیالات قاسدہ کے رد میں رقم طراز ہیں:

"قرآن و حدیث ہمیں بتاتے ہیں کہ زنا و افسوس میں ایسے لوگ تھے جو کلمہ اسلام پڑھتے تھے، اور نہ صرف کلمہ اسلام ہی پڑھتے تھے بلکہ دربار رسالت میں حاضر ہو کر شہادتیں ادا کرتے تھے، کہ ضرور ضرور بے شک و شبہ

یعنی حضور اللہ کے رسول ہیں، حضور کی خدمت میں حاضر رہے، حضور کے پیچھے نمازیں پڑھتے، حضور کے ساتھ جہاد کرتے تھے، مگر اس کے باوجود انھیں اللہ و رسول نے جہاد، فریب، کذاب، منافق فرمایا اور ان کے اس کلمہ طیبہ پڑھنے اور بڑی بڑی تاکیدات کے ساتھ شہادت رسالت دینے اور نمازیں ادا کرنے اور جہاد میں شریک ہو کر اپنی جانیں دینے اور کفار کی جانیں لینے پر نظر نہ فرمایا، سب کو قہباء مشہور و افرا دیا۔" (انجی پنجینیس پیر)

اس کے بعد آیات و احادیث پیش کر کے اسے واضح فرمایا، حاشیہ کے چند صفحات پر قتل مرتد کا حکم اور اس کے خلاف غوغا آرائیوں کا دل کش و دل نشین اور مستحکم و قوی جواب بھی رقم فرمایا اور یہ ثابت فرمایا ہے کہ علاوہ کچھ بیان کرتے ہیں اپنی طرف سے نہیں، قرآن و حدیث سے بیان کرتے ہیں، بلکہ قرآن نے ان باغیان بارگاہ مصدیت اور مرتد خانہ دربار رسالت کو جس سبیل و حقیر کے ساتھ اور جیسے القاب شہادت کے ساتھ یاد کیا ہے علمائے کرام کے لیے وہ سب استعمال بھی نہ کر سکے، اگر اسی طرح وہ انھیں یاد کرتے تو نہ معلوم کیا کچھ حامد سے نکلے، آپ سے باہر آتے، اس پر قرآنی آیات لکھ کر وہ القاب لے مت عیاں کر دے ہیں جو ان منکرین کے لیے وارد ہوئے، اس کے بعد فرمایا:

"بسم اللہ تعالیٰ کلام اپنے قیمتی کو بچاؤ اور ظاہر و باہر ہوا کہ یہ علما کو بے تہذیب و بے ادب بنانے والے خود سخت بے تہذیب اور نہایت بے ادب ہیں۔

آخر میں چند آیات و احادیث پیش کر کے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ ان باغیوں اور رگت خوں کے ساتھ اہل ایمان کو کیا سلوک کرنے کی ہدایت و تعلیم دی گئی؟ اور یہ نظر اختصار چند ہی پر اکتفا کیا ہے۔

المفروض عہد و ماحول کو سامنے رکھتے ہوئے اس مسئلہ کے تمام تعلقات بھی بیان کر دیے ہیں اور مستند و قنوتوں اور فہمائے ائمہ کی جزاکت کر کر دی ہے، اہل عقل و خرد اگر عدل و انصاف کے ساتھ اس رسالے کا مطالعہ کریں تو ان کے دلوں میں ایمان و اسلام کی اہمیت، بارگاہ خدا و رسول کی عظمت، کفر و مرتد کی شہادت و قہادت، اللہ و رسول کے قطعی احکام کی خلاف ورزی و بغاوت کرنے والوں کی شرابی و شہادت اور شان خدا و رسول میں بے ادبی و جسارت کی ذرا لت انجی طرح جاگزیں ہو سکتی ہے اور جاہلانہ و عقائد نہ مکر و فریب اور فتنہ و فساد سے نہایت بہت آسان ہو سکتی ہے۔

اس رسالے کے مطالعہ سے مفتی عظیم کے علم و امتیاز کے کچھ اور گوشے بھی ملے، جو ان کے کچھ اور فتاویٰ میں بھی دیکھے، ان شاء اللہ المولیٰ تعالیٰ ان سب پر تفصیلی گفتگو ایک مستقل مضمون میں ہوگی، فی الحال میں سمجھتا ہوں کہ جو موضوع میں نے اختیار کیا اور جو عنوان منتخب کیا، اس سے مکمل طور پر نہیں تو بڑی حد تک سبک دوشش ہو چکا ہوں۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَالْيَا أُوْثِقُ.

## شراح بخاری کی جلالت علمی سے میری روشناسی

حضرت شراح بخاری (مفتی محمد شریف الحق امجدی) کو میں اس وقت سے جانتا ہوں جب میری عمر چھ سات برس کی تھی۔ والد صاحب کا معمول یہ تھا کہ عید کے دوسرے دن گھوڑی جاتے اور اپنے رشتہ داروں سے ملاقات کے ساتھ وہاں کے مقتدر علمے سے بھی ملتے۔ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ جب تک باحیات تھے ان کے یہاں پابندی سے حاضر ہوتے۔ میں نے جب ہوش سنبھالا تو ان کے ساتھ میں بھی گھوڑی جانے لگا۔ اس زمانے میں صدر الشریعہ تونہ تھے مگر دیگر جن علمائے والد صاحب ملتے ان میں علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی اور حضرت مفتی صاحب قبلہ سر فہرست تھے۔ اس سے میرے ذہن میں یہ بات رائج ہو گئی کہ یہ حضرات یہاں کے بڑے علمائیں ہیں۔

علمی باتیں کرنے اور سمجھنے کی صلاحیت ہی نہ تھی کہ ان حضرات کی مجلسوں سے اپنے طور پر کوئی رازے قائم کرتا۔ اتنا ہی تعارف ایک عرصے تک باقی رہا۔ مفتی صاحب کو خود پڑھنے اور سمجھنے کا اتفاق اس وقت ہوا جب میں مدرسہ ضیاء العلوم خیر آباد کے بعد دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں ہدایہ اولین، مشکوٰۃ شریف وغیرہ کی جماعت میں داخل ہوا، اور کسی کے ذریعہ پاسان الہ آباد کا حسین فہرہ ”کریلا کا مسافر“ دستیاب ہو گیا۔ پڑھنے کی عادت پر انگریزی کے دور سے تھی۔ یہ فہرہ ملا تو پورا پڑھ گیا۔ دراصل یہ فہرہ محمود عباسی امروہوی کی کتاب ”خلافت معاویہ و یحییٰ“ کے رد میں شائع ہوا اس کے مندرجات کو سامنے رکھ کر علامہ مشتاق احمد نظامی نے چند سوالات قائم کیے اور ملک بھر کے ارباب فکر و قلم سے جوابات حاصل کر کے شائع کیے۔ سوالات کچھ اس طرح تھے:

(۱) حضرت علی کی خلافت صحیح ہے یا نہیں؟

(۲) انھوں نے حضرت عثمان کا قصاص کیوں نہیں کیا؟

(۳) یحییٰ بن قیس و فاجر تھا یا زہد و متدین؟

(۴) اس کی خلافت درست تھی یا نہیں؟

(۵) حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے یا غلط؟

(۶) وہ شیعہ پند یا سنی تھے یا نہیں؟

اس پر ملک کے طول و عرض سے کثیر علمائے کرام نے اپنے جوابات رقم فرمائے۔ بعض بہت اجمالی تھے بعض زرا تفصیلی، اکثر مضامین میں مسلک اہل سنت کی کتابوں سے ان کے واضح جوابات پر اکتفا کیا گیا ہے مگر چند مضامین میں محمود عباسی کے خیالات کا تنقیدی جائزہ بھی لیا گیا ہے ان میں دو تین مضامین نے مجھے زیادہ متاثر کیا۔ ان دو تین میں سر فہرست حضرت مفتی صاحب کا مضمون ہے۔

مجھے محسوس ہوا کہ مفتی صاحب نے جواب لکھنے سے پہلے خود محمود عباسی کی کتاب پوری پڑھی اور اس کی بنیادی غلطیوں پر گرفت کر کے ایسا بھر پور رد فرمایا کہ خشوک و شبہات کے سارے بادل چھٹ جائیں اور حق کا آفتاب عالم تاب ہو کر جلوہ گر ہو جائے۔ بے جا نہ ہو گا اگر میں اس مضمون پر مکمل تبصرہ کر دوں تاکہ میرے قدر رقی تعارف اور بے بنیاد تاثر کی بات پوری ہو جائے۔

مفتی صاحب نے پہلے محمود عباسی کے تمسکات کا خلاصہ درج ذیل عبارت میں نقل کیا، اس کا حاصل نکالنا پھر رد کی جانب اشہب قلم مولد۔

”یہ بیعت چوں کہ باقیوں اور قاتلوں کی تائید بلکہ اصرار سے مشعقہ ہوئی تھی۔ اور یہ خلافت ہی عثمان ذوالنورین جیسے محبوب اور خلیفہ راشد کو ظلم اور ناحق قتل کر کے سبائی کر دئے کے اثر سے قائم کی گئی تھی۔ نیز قاتلین سے قصاص جو شرعاً واجب تھا نہیں لیا گیا اور نہ قصاص لیے جانے کا کوئی ارکان باقی تھا۔ اکابر صحابہ نے بیعت کرنے سے انکار کیا، اس لیے بیعت خلافت مکمل نہ ہو سکی۔“

اس دعوے کا تجزیہ کرتے ہوئے دکھایا کہ حضرت مرتضیٰ کی خلافت نامکمل ہونے کے ثبوت میں تین باتیں پیش کی گئی ہیں۔ (۱) اس خلافت کا سبائیوں کے زیر اثر قائم (۲) قاتلان عثمان سے عدم قصاص (۳) اکابر صحابہ کا بیعت سے انکار۔ پھر پہلی اور تیسری بات کے رد میں علامہ ابن حجر مکی کی صواعق محرقہ، امام جلال الدین سیوطی کی تاریخ الخلفاء، بحوالہ طبقات ابن سعد اور محبت المدین طبری کی الریاض النضرہ فی مناقب العشرۃ کی عبارتوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت مرتضیٰ کی خلافت سبائیوں کے زیر اثر قائم نہ ہوئی بلکہ ارباب مل و عقد اور اکابر صحابہ کے اتفاق ہی سے قائم ہوئی جن میں عشرہ مبشرہ میں سے حضرت طلحہ و زبیر اور اصحاب بدر بھی شامل ہیں۔

دوسری بات بہت جذباتی ہے اور نامیں طبقہ نے لپٹی کتابوں میں اسے بہت رنگ دے کر بیان کیا ہے۔ میری نظر سے بھی یہ اعتراض بار بار گزر چکا تھا جو خاصاً اشک انگیز ہے اس کے جواب میں حضرت مفتی صاحب نے بہت صاف اور دو ٹوک بات کہی ہے جو ہر شہید و خشک کو بخ و بن سے اکھڑا سمجھنے کے لیے کافی ہے اور جسے پہلی بار پڑھ کر میں خوشی کے سمندر میں ڈوب گیا اور صاحب مضمون کی تائید نہ بصیرت اور تضاد افکنی کی مہارت کو داد دے بغیر نہ دے گا۔ وہ فرماتے ہیں:

”قانون اسلام کی روشنی میں قصاص کے لیے ضروری ہے کہ (۱) مقتول کے ورثہ خلیفہ یا قاضی کے یہاں مقدمہ

دار کر۔ (۲) قائل کی نشان دہی کر۔ (۳) اس کے قائل ہونے پر شرعی شہادت پیش کر۔ قائل کا قائل خود قرار کرے پھر نہیں حاکم پر قصاص لینا واجب ہوتا ہے۔ سیدنا عثمان کے ورثہ نے نہ مقدمہ دائر کیا نہ قائل کو تائید کیا نہ شہادت شرعی شہادت کی نوبت آئی۔ ان سب کے بغیر حضرت علی قصاص لینے تو کس لیے کسی بنیاد پر لینے اور کیسے لینے؟ ورثہ کے مطالبہ و تہنیک کے بغیر حاکم کو کسی پر دست اندازی کا حق ہی کہاں ہے؟ اگر اس قسم کا کوئی دعویٰ بارگاہ خلافت میں دائر ہوا تو امر و ہوی صاحب اس کا ثبوت لائیں۔ حد تو یہ ہے کہ حضرت طلحہ و حضرت زبیر جی کہ خود حضرت معاذ نے لشکر کشی ضررہ کی مگر اس قسم کا کوئی دعویٰ بارگاہ خلافت میں دائر نہیں کیا۔" (لفظاً) کسے فرماتے ہیں:

"امر و ہوی صاحب کے سامنے انگریزی قانون ہے جس کے تحت کسی قتل کے بعد پولیس فرضی لوگوں کو پکارتی ہے، شبہ میں گرفتار کرتی ہے، زرد کو ب کرتی ہے۔ پھر کسی پر مقدمہ چلاتی ہے۔ مگر تیر تکہ پڑھیں گے اور فرضی کو بیعت کی نظر میں جرح و قدح سے سلامت رہ گئے تو قائل کو پھانسی ہو گئی ورنہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اصل قائل گھبرے اڑتا ہے اور کوئی بے گناہ شخص تختہ دار پر ہوتا ہے۔ اسلام کا قانون ایسا عالمہ نہیں۔ نہ حضرت علی سے اس کی امید کہ وہ اسلامی قانون چھوڑ کر کسی دوسرے قانون پر عمل کر سکتے نہ ہی ان سے یہ توقع کہ دعویٰ دائر ہو، ثبوت، بار و ثبوت پھر بھی قصاص نہ لیں۔ قصاص حد ہے، ثبوت کے بعد حد جاری نہ کرنا شریعتین ظلم اور بہت بڑا فسق ہے، اس کے ارتکاب کی نسبت مولائے مومنین دلاوا سید المرسلین کی طرف کرنا این جیسے جیسے بے باک اور اس کے اندسے مقلدین کا کام ہو سکتا ہے کسی سنی صحیح العقیدہ کا ہرگز نہیں ہو سکتا۔" (لفظاً)

اس کے بعد ثابت فرمایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت حق تھی اور وہ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مقابلے میں درستی پر تھے پھر متعدد احادیث کریمہ سے اس کی تصریحات پیش کی ہیں اور امام نووی شارح صحیح مسلم کی فیصلہ کن عبارت پر یہ بحث ختم کر دی ہے یہاں تک پاسان کے پہلے دو سوالوں کا جواب مکمل ہوجاتا ہے۔

اس کے بعد جیہ کے فسق و بدین کا سوال سامنے آتا ہے۔ اس بارے میں محمود عباسی کا جائزہ لینے ہوئے مفتی صاحب نے بتایا ہے کہ:

(۱) امر و ہوی صاحب نے اپنی ساری تحقیقات کی بنیاد اس پر قائم کی ہے کہ ابن تیمیہ اور ابن خلدون نے علاوہ سارے مورخین روایت پر دست تھے۔ انھیں جو کچھ ملے، بلا تحقیق و جستجو اندھا دھند نقل کر دیا۔

(۲) امام ابن جریر طبری جیسے جلیل القدر مسلم الشہوت امام کو شیعہ کہہ کر ناقابل اعتبار قرار دیا ہے جب کہ علامہ ذہبی نے ابن جریر پر الزام کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ جھوٹی بدگمانی ہے، ابن جریر اسلام کے معتدلوں میں سے ایک امام اکبر ہیں۔ رہا ابن خلدون تو وہ خارجیوں کا بھائی معز بن تھا۔ مولانا عبدالحی فرنگی علی کے مجموعہ فتاویٰ جلد اول ص: ۷۳، میں عبدالرحمن حضری معروف بہ ابن خلدون کے معز بن ہونے کی صراحت موجود ہے۔"

طبری جیسے امام وقت کو شیعہ بنا کر ناقابل اور ایک معز بن کو قتل و شہد بنا کر مقبول و معتد لکھا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ امر و ہوی صاحب کے نزدیک جو ان کی افتاد طبع کے موافق ہے وہ محقق، مدقن، صحیح العقیدہ، معتد سب کچھ ہے اور جو خلاف طبع ہے وہ کچھ بھی نہیں۔ اسی کا نام تحقیق اور دیر سیرج ہے جس کا ذہن دار چاہتا ہوا ہے۔ اس تجزیے پر یہ محمود عباسی کی امانت و ذہانت کا راز اچھی طرح منکشف ہوجاتا ہے اور واضح ہوجاتا ہے کہ جس لطافت پر یہ لوگ اپنا اعتقاد جماتے ہیں اسے صحیح دکھانے کے لیے کیسی کیسی حیرت انگیز خیانتوں کا ارتکاب کرتے چلے جاتے ہیں۔ مفتی صاحب اس انداز پر ریمارک کرتے ہوئے ایک جگہ بڑا دل چسپ اور دندان شکن طنز کرتے ہیں۔ دور قمر طراز ہیں:

"امر و ہوی صاحب جیہ کی محبت میں اس درجہ خود رفتہ ہیں کہ انھیں احادیث صحیحہ اور کبار صحابہ و تابعین کے ارشادات تک نظر نہیں آتے۔ آپ نے تحریر کیا ہے کہ "جیہ کے معاصرین میں صرف عبداللہ بن زبیر اسے برا بھلا کہتے تھے مگر چوں کہ وہ خود آٹھ سے دیکھتے نہیں تھے اس لیے ان کی بات لائق اعتبار نہیں۔" لیکن اس کے برخلاف امر و ہوی صاحب تیرہ سو برس کے بعد جیہ کے فضل و کمال کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ گویا جیہ کے ہم نام اور ہم پیکار تھے۔"

خود مشاہدہ نہ کرنے کی وجہ سے اگر عبداللہ بن زبیر جیسے عظیم صحابی کا بیان ہم عصر ہونے کے باوجود ناقابل اعتبار ہے تو تیرہ سو برس بعد پیدا ہونے والے کا قول اسی بنیاد پر ناقابل اعتبار کیوں نہیں؟ اور اگر تیرہ سو برس پر پہلے ہوئے وسائل کے باوجود سن مائی تحقیق و تفتیش کی بنیاد پر ایک معمولی درجے والے فکار کا بیان معتبر ہے تو بغیر کسی زبانی واسطے کے ایک جلیل القدر معاصر صحابی کی قابل اعتماد تحقیق و تفتیش اور یقین و اعلان پر مبنی بیان کیوں قابل اعتبار نہیں؟ یہ اسی گرفت ہے جس سے آج کے نامہ نامہ محققین کے لیے گویا خلاصی ممکن نہیں۔

محمود عباسی کے معیار تحقیق و اعتبار کا پردہ چاک کرنے کے بعد جیہ کی حیثیت واضح فرمائی ہے۔ پہلے جیہ کی ذمت پر مشتمل احادیث کریمہ شارحین کرام کے ارشادات کے ساتھ پیش فرمائی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکار نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ میری امت کی بربادی جیہ و مروان جیسے لو خیزوں کے ہاتھوں ہوگی، بعض احادیث میں نام لایہ کی صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ یہ اموی شخص امرات میں سب سے پہلا "رشد انداز" ہوگا۔ سب سے پہلا "سنت کا بدلے" والا ہوگا۔ رسول جیسے "مبدل سنت" بتائیں اسے "مربع سنت" کہنا نہایت ناروا جسارت ہے۔ مگر یہ تحریر فرمایا ہے کہ خود اموی خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سامنے ایک شخص نے جیہ کو "امیر المومنین" کے لقب کے ساتھ ذکر کیا تو انھوں نے اسے جس کوڑے لگوائے۔ جیہ کے ہم عصر حضرت عبداللہ بن حنظل غیل ملائکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: "ہم جیہ کے خلاف اس وقت صعب آرا ہوئے جب ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں (ہماری سستی اور غفلت کی وجہ سے) ہم پر آسمان سے چٹھر نہ برسائے جائیں۔ وہ ایسا شخص تھا جو اصابت



اولاد اور بیٹیوں بہنوں سے نکاح کرتا، خراب پیتا، نمازیں ترک کرتا۔

اس کے بعد متفقہ روایات سے مزید کافق و فجور، واقعہ حرہ کے مظالم، مزید کی موت کے بعد اس کے بیٹے معاویہ کا مزید کی برطانتہ مت پر مشتمل خطبہ، حضرت حسن بھری کا بیان، امام احمد بن حنبل، علامہ ابن جوزی، سعد الدین قضا زانی کے اقوال ذکر کیے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں۔

”اگرچہ علامہ حنابلین نے کفر مزید کے معاملہ میں سکوت فرمایا ہے کہ کفر کے لیے جس درجہ کا ثبوت درکار ہے وہ حاصل نہیں لیکن جس بد نصیب کے بارے میں اتنے معتدل القدر ائمہ اور علماء کفر کا فتویٰ دینا اسے لائق قاتل زائد وہی کہے گا جو دینی امور سے غافل و غافل ہوگا۔“

پھر ”اول حبشہ من امی یغزون مدینۃ فیصر مفعود لہم“ سے مزید کی مغفرت پر استدلال کی خیانتیں ذکر کی ہیں اور شمار میں حدیث کے جوابات رقم فرمائے ہیں پھر ایک مشکل مضمون میں اس استدلال کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے تار و پود تکبیر کر رکھ دیے ہیں، یہ بحث اصل مضمون میں دیکھنے کے لائق ہے اور علمی و تاریخی ہر لحاظ سے قابلِ داد ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں:

”خلاصہ کلام یہ ہے کہ مزید کے بارے میں امت کا اتفاق ہے کہ وہ قاتل و قاتل تھا، امام احمد بن حنبل اور ابن جوزی وغیرہ اسے کافر بھی کہتے ہیں اس پر (نام ذکر کر کے) لعنت کو بھی جائز فرماتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے کہ وہ زائد و عابد تھا۔ تمام تاریخ چھان ڈالے اس کے زہد و قناعت کا ایک واقعہ بھی نہیں ملے گا۔ اگر تھا تو امر وہی صاحب نے اسے نقل کیوں نہیں کیا۔“

اس کے بعد خود محمود عباسی کی بیان کردہ ایک روایت سے ثابت فرمایا ہے کہ وہ زائد نہ تھا۔ یہاں ماسان کے تیسرے سوال کا جواب مکمل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد چوتھے سوال کی طرف رخ فرمایا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اپنے برعافق و فجور کے باعث وہ خلافت کا اہل تھا نہ اس کی خلافت درست تھی، اسی لیے صحابہ کرام نے اس پر تنقید نہ کر سکر کہ بد قول سے بھی ہوتا ہے فضل سے بھی۔ افضل فعل سے بدلتا ہے، صحابہ نے تو انکار فرمایا ہے، امام مال مقام نے فضل سے اس کی مخالفت کی، نوامس رسول کے شایان شان یہی تھا کہ جو طریقہ افضل ہے اسی پر ان کا عمل ہو۔

اس کے بعد یہ ثابت فرمایا ہے کہ مزید کے مقابلے میں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے۔ اور وہ قتل شہید کیے گئے۔ اس بارے میں احادیث کریمہ اور تسمید ابو شکور سامی کی عبارتیں پیش کر کے فیصلہ رقم کیا ہے۔ اسی پر بس نہیں، آگے ان دلائل کا جائزہ لیا ہے جن سے امام علی مقام کے خالی ہونے کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔ یہ بحث بھی خاصی طویل ہے اس لیے وہیں دیکھی جائے۔ آخر میں یہ دکھایا ہے کہ امر وہی صاحب نے اپنے قیاسات فاسد کو روایت کا نام دے کر ان کے ذریعہ شہادت کر لیا کہ بہت سے سلسلہ جزئیات کا انکار کیا ہے۔ اس سلسلہ میں بطور

نمونہ ایک جزئیہ اور اس کے انکار کے سلسلے میں امر وہی صاحب کی روایت یا قیاس فاسد کا بڑا دل چسپ تعاقب کیا ہے چہرہ بہ خاطر میں ہے۔

”تا پہلی مقام تک محکمہ سے آٹھ ذی الحجہ کو نہیں بلکہ دس ذی الحجہ کو چلے ہیں اور راستے میں تیس منزلیں ہیں۔ لہذا ماہ میں عرم کو کر بلا میں جلوہ فرما ہوئے ای دن شہید ہو گئے نہ تین دن کر بلا میں قیام رہا نہ تین دن تک چلے بند رہا۔“

اس دعوے کی بنیاد کسی حدیث یا تاریخی کتاب پر نہیں بلکہ اس کے پیچھے یہ قیاس کار فرما ہے جو عوام کے لیے مذہب مفاد انگیز اور جذباتی ہے۔ وہ یہ کہ ”کیا یہ ممکن تھا کہ امام حج کو چھوڑ کر کوئٹہ چلے دیتے ایسی کیا جلدی تھی“ یعنی دس سیر تاریخ کو حج ہوتا ہے اس لیے ان پر فرض تھا کہ جب حج ادا کریں پھر کہیں سفر کریں۔ حج سے فراغت ہر ذی الحجہ کو ممکن نہیں اس لیے آٹھ کو روانگی بھی ممکن نہیں۔ اور اس سلسلے کی ساری روایات محض غلط اور افسانہ ہیں۔ اس قیاس کی پروردہی کرتے ہوئے مفتی صاحب رقم طراز ہیں:

”آپ نے یہاں کتنی ہوشیاری سے کام لیا ہے۔ حضرت امام ہاراج ادا فرما چکے تھے۔ حج فرض ان کے ذمہ نہیں تھا۔ یہ حج اگر ادا فرماتے تو نفل ہوتا۔ دوسری طرف کوفوں نے مزیدی استبداد کے ازالہ کے لیے ہر ممکن مدد کا یقین دلایا تھا کسی صورت میں ازالہ مکر فرض تھا۔ نتیجہ العمل پڑھنے والا بھی جانتا ہے کہ نفل پر فرض کی ادائیگی مقدم ہے۔ اگر حضرت امام نے اس اہم فرض کی ادائیگی کے لیے ایک نفل ترک کر دیا تو اس میں کیا گناہ لازم آیا۔“

آگے یہ بھی دکھایا ہے کہ اس قیاس فاسد کے برخلاف خود بیان امر وہی کی روشنی میں قیاس حج کا تقاضا یہ ہے کہ پانی بند ہو کیوں کہ امر وہی صاحب بھی یہ کہتے ہیں کہ ”لیکن سعد لڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن مزید کی بیعت لینا اس کا صلح طر تھا۔“ ایسی صورت میں قیاس یہ چاہتا ہے کہ پانی بند کر دیا جائے تاکہ امام تنگدستی سے جاں بلب ہو کر چھوٹے چھوٹے جگہ کو توپے چلتے دیکھ کر عزیمت چھوڑ کر رخصت پر عمل فرمائیں۔

اس کے آگے جو تعاقب ہے وہ اور زیادہ دل چسپ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس قیاس فاسد کا تقاضا تو یہ ہے کہ امام دسویں عرم کو بھی کر بلا نہ پہنچے اس لیے کہتا ہے چاہیے کہ دسویں کو شہادت اور کر بلا کا پورا واقعہ ہی محض ایک افسانہ ہے۔ نہ امام اس تاریخ کو کر بلا پہنچے، نہ شہادت ہوئی، نہ وہ سارے واقعات پیش آئے جن سے تاریخ و سیر کی کتابیں بھر گئیں۔ روایت ہو تو ایسی ہو، صرف پانی بند کرنے کا انکار کیا تو کون سا ذریعہ مار لیا۔ پورا کمال تو جب تھا کہ جس روایت سے پانی بند ہونے کا انکار کیا اسی سے یہ بھی ثابت کر دیتے کہ پورا واقعہ کر بلا ہی محض افسانہ ہے جس کی حیثیت جو حسن خیال سے زیادہ نہیں۔ شارح بخاری لکھتے ہیں:

”اسی طرح آپ نے بڑی طولانی بحث کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ ”کہہ کر بلا“ تک تیس منزلیں ہیں اور دو منزلہ منزلہ کی طرح ممکن نہیں، لہذا ایک دن میں ایک ایک منزل کے حساب سے تیس دن میں تیس منزلیں



طے کر کے دوسرے عزم کو کرنا چاہئے۔“

واقعہ یہ ہے کہ عقل پر محبت یا بغض کا پردہ پڑ جانے کا کوئی علاج نہیں۔ پہلی منزل بستان عامہ جو میں میل ہے۔ دوسری ذی الحجہ کو حج کے مراسم ادا کر کے کوئی شخص کسی طرح چوتھیں میل طے نہیں کر سکتا۔ امر وہی صاحب کی جبر کہ دوسری ذی الحجہ کو کیا مراسم ہیں۔ دوسری ذی الحجہ کو آداب تکلف سے کچھ پہلے مزدلفہ سے چل کر مٹی پر ہے۔ جمرۃ العقیقہ پر سنگری مارنا ہے۔ قربانی کرنا ہے۔ حجامت بنوانی ہے۔ پھر مکہ معظمہ جا کر طواف زیارت اور منہ مردہ کی سعی کرنی ہے۔ کیا کسی عقل مند آدمی کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ ایک دن میں مزدلفہ سے چل کر مٹی آئے وہاں کے مراسم ادا کر کے پھر مکہ معظمہ گئے، وہاں کے مراسم ادا کرنے کے بعد اتنا وقت بچا کہ حسین قافلہ چوتھیں میل مسافت طے کر کے بستان عامہ پہنچ گیا۔ یقیناً ایسا ممکن نہیں، لہذا امر وہی صاحب کی تحقیق کی بنا پر یہ لازم آئے گا کہ امام گیارہ کو مکہ سے چلے اور گیارہ کو کرنا جلوہ فرما ہونے پھر دس کو شہادت کس طرح ہوئی؟

دوسرے یہ کہ ۱۲ ذی الحجہ کو کنکریاں مارنا حج کے واجبہ سے ہے۔ حج اگرچہ نفل ہو، ۱۱ اور ۱۲ کی رمی واجبہ ہے۔ امام عہالی مقام اگر حج نہ کرتے تو صرف ترک نفل لازم آتا۔ اور حج شروع کر کے ۱۲ کی رمی چھوڑنے میں ترک واجبہ لازم آئے گا۔ یہ کہاں کی عقل مندی ہوگی کہ ترک نفل سے بچنے کے لیے ترک واجبہ کے وہاں میں جہز ہوں۔ لہذا آپ کی جعفر افغانی ریسرچ کی بنا پر لازم آئے گا کہ امام تیرہویں ذی الحجہ کو مکہ سے روانہ ہوں اور تیرہویں محرم کو کرنا چاہئیں۔“

اس مضبوط گرفت کو پڑھنے کے بعد میں فرط مسرت سے جھوم اٹھا۔ اور خدا کا شکر ادا کیا کہ ایک سے ایک ترو پر پھیلا کر انسانی فکر و عقل کا شکوکہ کرنے والے اہل باطل اگر موجود ہیں تو ان کے مکائد کا ظلم ہوش ربا توڑنے والے اہل حق بھی موجود ہیں۔ یہ تھا حضرت مفتی صاحب کی علمی جلالت سے میرا پہلا تعارف۔

یہ مقالہ کئی لحاظ سے قابل تحسین اور باعث تاثر بنا۔ اس سے احادیث و روایات پر وسعت نظر، تہذیب و ماہرانہ آشنائی، رجال سے واقفیت، نقد و افشا کی مہارت، نقد و نظر اور رد و مناظرہ کا کمال، زبان و بیان کی چاشنی، فصاحت، حسن، مطلق الفاظ، چمچیدہ تراکیب سے دوری، معنی کی ڈولیدگی اور تعقید سے سلاطنت وغیرہ سب کچھ عیاں ہے۔

اس مقالے کو پڑھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ وہ مفتی صاحب جن سے والد صاحب پابندی سے اور احادیث کے ساتھ ملتے اور وہ بھی والد صاحب کے ساتھ سادگی اور اعزاز سے خوش آتے ان کا علمی مرتبہ کیا ہے۔ میں نے کہ بیان البند مولانا ابوالوفا قصصی غازی پوری بھی اسی مضمون کے ذریعہ مفتی صاحب کی جلالت علمی سے آگاہ ہے اور اس کے بعد ملاقات پر بہت اعزاز و تحسین سے پیش آئے۔ اپنے رفقا علامہ نظامی و علامہ ارشد قادری وغیرہ کے ذریعہ اور دیگر اہل علم سے سن کر اجمالاً وہ بھی مفتی صاحب کو ایک جید عالم سمجھتے تھے مگر مشاہدہ و تجربہ کا کلف اور

ایضین کی جلالت کچھ اور ہی چیز ہے:

شفیدہ کے بودمانند دیدہ

اس کے بعد میرے رفیق درس مولانا حسین الہدی نورانی کیادی نے مجھے مفتی صاحب کی کتاب ”اتک روای“ عنایت کی۔ یہ میری پیدائش سے چھ سال پہلے ربیع الاول ۱۳۵۵ھ کی تصنیف ہے جو بیت الانوار کیا سے شائع ہوئی۔ اس کا موضوع ”کاغزیں اور مسلم لیگ کی سیاست“ ہے۔ اس موضوع پر حافظ ملت علیہ الرحمہ کی کتاب ”ادار شاہ“ میں پڑھا تھا۔ یہ اشک رواں سے نودس ماہ بعد شائع ہوئی مگر والد صاحب نے غالباً حافظ ملت سے اس کے مدنیے حاصل کر رکھے تھے اس دور میں انھیں بھی لیگ اور کانگریس کے قیام سے خاصی دل چسپی تھی۔ کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ لیگ اور کانگریس کوئی بھی اس قابل نہیں کہ چوری بم نوآوری کی جائے۔ سلاطنت اسی میں ہے کہ دونوں سے جدارہ کر شریعت کی پابندی کی جائے۔ یہ بات اشک رواں میں بہت شرح و بسط، دلائل و براہین اور چرسے جوش شیب کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ اس کی تصنیف کے وقت حضرت مفتی صاحب کی عمر تقریباً ۲۵ سال تھی مگر علم و فکر کی چنگی کتاب سے عیاں ہے۔ مذہب سے آشنائی، تاریخ سے باخبری، استنباط و استدلال کا تجربہ، رد و نقد کی مہارت، قلم کی روانی، جوش خطابت کا رنگ سبھی کچھ اس تحریر میں جلوہ نما ہے، نوجوان قاضوں میں یہ ساری چیزیں یکجا شاید دیکھ ہی نظر آتی ہیں۔ اس سے میں نے اندازہ کیا مفتی صاحب اپنے دور طالب علمی ہی میں کافی وسیع النظر ہو چکے تھے اور فراغت کے چند سال بعد اور زیادہ کمال پیدا ہوا گیا۔

”اتک رواں“ کا سیاسی موضوع میرے لیے فکر انگیز تو بہت مگر زیادہ دل چسپی کا باعث نہ ہوا اس لیے کہ تیرہ لکھن سے نکل چکا تھا، دونوں پارٹیاں اپنا اپنا مطلوب بڑی حد تک حاصل کر چکی تھیں اور جس تیسری رولہ کے لیے دعوت دی گئی تھی اس پر عمل اور اس کی تیاری کا زمانہ برسوں پہلے ہونا چاہیے تھا پھر کہیں علمائے حق کی قیادت میں صحیح و عسک سے آزادی حاصل ہوئی اور زمام اقتدار لائق ہاتھوں میں پہنچتی، مگر شاطران فرنگ و دیوہ کی چالوں میں سے ایک چال یہ بھی ہے کہ انھوں نے علمائے دین کو میدان سیاست و حکومت سے بے دخل کرنے اور زمین فرنگ کے تحت یافتہ دین و علم میں خام کار افراد کو بساط سیاست کے مہروں کی شکل میں استعمال کرنے کا منصوبہ بد توں عیب تیار کیا اور پچاس سال نہ گزرے ہوں گے کہ اس کے اثرات نمایاں ہونے لگے اور دوسری جنگ آزادی تک اس منصوبے کا کلی روپ بالکل منظر عام پر آیا۔

میری دلچسپی کی چیز ”اتک رواں“ کی دینی و ملی بخش تھیں۔ ان میں بعض چیزیں میرے لیے بالکل نئی تھیں مثلاً: یہ تو میں نے سن رکھا تھا کہ کچھ لوگ رام اور کرشن وغیرہ کو نبی مانتے ہیں چوں کہ رطب و یابس سب کچھ پڑھنے والے کی عادت تھی اس لیے یہ بھی کہیں نظر سے گزر چکا تھا لیکن اس عقیدے کی بنیادیں کیا ہیں اور ان کے جوابات

کیا ہیں۔ تفصیلاً اس کو کہیں نہ دیکھ تھا۔ اس کتاب میں مسلم ایک کی حمایت میں پرورش پانے والے فرقوں کے کفر میں قادیانی، رافضی، وہابی، دیوبندی، نجری کا تعارف کراتے ہوئے ایک ایسے طبقے کی بھی نشان دہی کی گئی ہے جو ہم دکرشن وغیرہ کو بھی مانتا ہے پھر اس میں اس طبقے کا استدلال اور اس کا جواب ایک رولوں میں تفصیلاً مرقوم ہے۔ یہ حصہ میرے علم میں خاص اضافے کا سبب بنا اور ایک باطل نظریے کا تقبیحی بخش تعاقب دیکھ کر ایک کیف آگس مسرت حاصل ہوئی۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

”کرشن، رام چندر، گوتم بدھ وغیرہم کوئی اور رسول یا مذہب رہنما ثابت کرنے کے لیے جو اجمالی کلام کا حوالہ دیتے ہیں۔ یا کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ مولا عزوجل نے ارشاد فرمایا ہے: **إِنَّ فِرْنَ أَفْقَىٰ إِيَّاكَ خَلَا فِرْنَ أَفْقَىٰ**۔ کوئی گروہ میرا نہیں جس میں کوئی ذرستانے والا نہ گزرا ہو۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: **وَلَا تَخْلُقْ أَفْقَىٰ ذُنُوبًا**۔ ہر امت کے لیے کوئی گروہ نہیں ہے۔ جب ہر امت اور گروہ میں ہادی اور رسول آئے تو ہندوستان کے لیے بھی ضرور کوئی آیا ہوگا۔ اب وہ کون ہے؟ نہ تو قرآن نے بتایا کہ وہ فلاں ہے اور نہ حدیث نے خبر دی کہ وہ فلاں ہے۔ نہ کسی اور معتبر ذریعہ سے پتا چلتا ہے کہ وہ کون ہے؟ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ ہونہ ہودہ شری کرشن جی مہمان ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ گوتم بدھ ہوں۔“

اس کے بعد اس استدلال کا پھر رد و فرمایا جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) آیات کریمہ کے اندر ہر امت اور قوم میں ہادی اور رسول آنا مذکور ہے۔ ہر ملک یا شہر اور قصبہ میں ان کی آمد نہیں اس لیے ہر ملک میں آنا کوئی ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اہل ہند جس قوم سے تعلق رکھتے ہیں اس میں سے آئے ہوں مگر خاص مرتضیٰ ہند میں نہ آئے ہوں۔

(۲) بالفرض کسی سرزمین میں نبی آئے تو ضروری نہیں کہ ان کا نام بھی ہمیں معلوم ہو؟ قرآن کریم میں دے رسولوں کا بھیجنا مذکور ہے جن کو قرآن میں بیان کر دیا گیا اور ایسے رسولوں کا بھی جن کا اس کے ساتھ بیان نہیں ہوا۔ **وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ** (۱۶۳-۱۶۴) (نساء) حدیث میں ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام کا آنا مذکور ہے مگر کون ہے جو ان کے نام بتا سکے؟

(۳) کسی کوئی ثابت کرنے کے لیے ایسے نص قطعی کی ضرورت ہے جس میں کوئی شبہ نہ ہو۔ اور نبی نہ ہونے کے ثبوت میں یہی دلیل کافی ہے کہ اس کے نبی ہونے پر کوئی دلیل قطعی قائم نہیں۔ محض ہو سکتا ہے کہ یہ ہر شاید کہ وہ ہندو اندھے کی لامٹی سے نبی کا اثبات نہیں ہو سکتا ہے جیسا کہ کتب عقائد میں اس پر دلائل کا بارہ قائم ہیں۔

(۴) نبی کے لیے ضروری ہے کہ اخلاق و کردار کے لحاظ سے بلند اور ہر قسم کے گناہ صغیرہ و کبیرہ سے پاک، خصوصاً ایسے گناہوں سے جو باعث نفرت ہیں مثلاً: جھوٹ، چوری، زنا کاری، امام فخر الدین رازوی نے بیان کیا کہ تصریح فرمائی ہے کہ زمانے نبی کے ہاں باپ کا بھی بری ہونا ضروری ہے چہ جائے کہ خود نبی۔ اس معیار پر مذکورہ افراد

دیکھتے تو ان کے اخلاق و کردار جو ان کی کتابوں میں مذکور ہیں کسی صالح انسان کے بھی لائق نہیں، کسی نبی میں کیا ہوں گے۔ اگر یہ کہیں کہ ان کتابوں کا کوئی اعتبار نہیں تو ہم یہ کہتے ہیں کہ ان افراد کے دنیاوی وجود کا بھی کوئی اعتبار نہیں، نبی ہونا بہت دور کی بات ہے، بالفرض جن کتابوں سے ان کے وجود کا علم ہوتا ہے انہی سے ان کے ایسے کردار کا بھی علم ہوتا ہے جو شان نبوت کے بالکل متنافی ہے۔ پھر ان کی نبوت کا علم دیکھان چہ معنی؟

(۵) ہمارا عقیدہ ہے کہ ہر قوم کے لیے ہادی اور رسول آئے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر قوم یا ہر ملک و شہر کے لیے ہر دور میں کوئی نبی ضرور رہے ہوں۔ سیدنا یحییٰ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تقریباً چھ سو برس کا زمانہ ایسا گزرا ہے کہ اس میں کوئی نبی نہ آیا۔ ہمارا دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے نبی کی رسالت ہر ملک اور ہر قوم کے لیے عام ہے، بالفرض کسی قوم یا ملک میں پہلے نبی نہ آئے ہوں تو بھی ہمارے نبی کی بعثت عامہ سے ہر قوم کے لیے ہادی و نذیر یا رسول و نبی آنے کی بات پوری ہو جاتی ہے۔ اب ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ آیت کریمہ کا مصداق ایسے انسانوں کو بتائیں جن کے وجود ہی کا ہماری شریعت میں کہیں چٹانیں۔ اور جن ذرائع سے ان کے وجود کا علم ہوتا ہے وہی انہی ذرائع سے اس کا بھی یقین ہوتا ہے کہ یہ اپنے اعتقاد و عمل کے لحاظ سے شان نبوت سے بہت دور ہیں۔ اس کے بعد کردار و عمل سے آگے ان کے کفری اعتقاد کا ذکر کرتے ہوئے بحث ختم کر دی گئی ہے۔

نچریوں کے بیان کے تحت سرسید کی وہ عبارت بھی مذکور ہے جس میں بہشت کا مذاق اڑایا گیا ہے پھر اسی رجحان میں اس کا جواب بھی دیا گیا ہے جو خاص مفتی صاحب کے قلم کا حصہ ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نقد و نظر، استدلال و استنباط اور رد و رد و طرد کا جو ہر مفتی صاحب کے اندر شروع ہی سے ودیعت تھا جو تجربہ اور اعتدال و زمانہ کے مضائل سے اور زیادہ دار و تاب ناک ہوتا گیا۔ یہ حضرت مفتی صاحب کے رجحان علمی اور تجزیہ فنی سے میرا دوسرا عقائد تھا۔ ۱۹۶۸ء میں جب میں ہدایہ اخیر جن، ترمذی شریف، مدارک شریف وغیرہ پڑھ رہا تھا، سیوان کا نفرنس منعقد ہوئی جو پندرہ میں ادارہ شریعہ کے قیام کی تمجید تھی۔ اس میں شرکت کے لیے میرے رفقاء درس میں سے مولانا فضل حق غازی پوری اشرفیہ سے گئے۔ وہاں میں وہاں سے اشرف السیّدی ساتھ لائے۔ اس کے فاسل پنجابی کی زبانتہ تو کھوس میں سرکار مجاہد ملت کی تقریر کے دوران وہاں جو کلج بھی مگر مندرجات دیکھنے کی نبوت نہ آئی۔ رفیق موصوف کتاب لائے تو ان سے وہیں سے اسے اس کا مطالعہ شروع کر دیا اور ختم کرنے کے بعد ہی وہاں کی۔ اس کے فاسل پر نصف اول جلد اول مرقوم ہے اس میں بڑا حصہ مقدمہ اور کتب میرے تعارف پر مشتمل ہے پھر سیرت کا آغاز ہوتا ہے اور اسلام آیا امامت رسول اکرم پر یہ نصف جلد اول اختتام پذیر ہوتا ہے۔ سوے اتفاق کہ اس وقت کتاب پیش نظر نہیں لیکن پہلے پہل میں اس کے جن مندرجات سے زیادہ متاثر ہوا وہ اجمالاً ضرور بیان کر سکتا ہوں۔ مقدمے میں سیرۃ النبی کی خاموشی کا ذکر امام واقدی پر جرح کا تفصیلی رد کیا گیا ہے جو دارالمصنفین کی

سیرت نگاری پر سر دھننے والوں کے لیے تازیانہ عبرت ہے۔ میں اس مقدمے سے بہت متاثر ہوں۔ اور بعد میں "تہذیب و حضرات کا علمی محاسبہ" لکھتے وقت اس سے استفادہ بھی کیا اور لہام و اتقادی کے سلسلے میں خطیب بغدادی کی تاریخ، تہذیب التہذیب، تقریب التہذیب وغیرہ کی خود مراجعت کرتے ہوئے کچھ اضافہ بھی کیا۔

دوسرا بحث تاریخ ولادت اقدس کا ہے۔ جناب شکی نعمانی نے اس بارے میں ایک نئے ہیئت دہن محمود لکھی کی تحریر سے مرعوب ہو کر یا "کل جدید للذہن" سے محفوظ ہو کر بالکل نیا قول یہ لپٹایا ہے کہ سرکار کی ولادت ۹ ربیع الاول کو ہوئی۔ مفتی صاحب نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ مانے تاریخ ولادت سے متعلق روایات میں سے کسی روایت سے مطابقت نہیں رہتی اور اہل فن کے تقویٰ استخراج سے بھی میل نہیں کھاتی۔ پھر تقویٰ استخراج پر ہلے کار اس وقت درست ہوتی جب زمانہ جاہلیت میں ہزاروں سال کا دور سیر قمر کے مطابق ہوتا۔ قرآن سے ثابت ہے کہ مشرکین مینے بڑھایا کرتے تھے یہاں تک کہ سرکار نے جودہ وادع کے موقع پر اعلان فرمایا: آج زمانہ محوم پھر کر اپنی اس حالت پر آگیا ہے جس پر تخلیق زمین و آسمان کے وقت تھا۔ اس لیے اہل سیر نے ہیئت و تقویم سے صرف نظر کرتے ہوئے استدلال پر کیا جو روایات مشہور سے ثابت ہے یعنی ہارویس رقیع الاول، اور اسی پر اہل مدینہ و اہل اسلام کا عمل ہے جو بجائے خود وجہ ہے۔

مجھے اس بات سے بے حد خوشی ہوئی کہ مستشرقین کے اعتراضات سے مرعوب ہو کر اپنے روایتی و تاریخی اثبات کو ساقط دے اعتبار قرار دینے اور معذرت خواہی کا انداز اختیار کرنے کی بجائے مخالفین کی آنکھوں میں آنکھیں دکھاتے کہات کرنے کی جرأت "اشرف السیر" میں کار فرما ہے۔ جو ایک مسلم سیرت نگار اور دینی عالم کے شایان شان ہے۔ یہ تھا حضرت مفتی صاحب کے دفور علم، زور قلم، جرأت نقد و نظر اور وسعت فکر و فن سے میرا تیسرا اعتماد۔ جو کچھ تعالیٰ میرے زمانہ طالب علمی ہی میں مکمل ہو گیا۔ اس کے بعد جب میں مدرسہ فیضیہ نظامیہ ہارپٹ ضلع جھنگ ہر میں مدرس تھا، مفتی صاحب کا ایک فتویٰ روزے میں آنکھن سے متعلق پڑھا۔ یہ میرے رفیق درس مولانا مہدائین نعمانی کے استفتاء کے جواب میں لکھا گیا جسے مراد موصوف نے السیزان کچھو چھو شریف کے ایک شہرے میں شائع کرایا۔ پھر ایساں میں بھی چھپا۔ اب یہ فتویٰ برادر گرامی مولانا مہدائین اخرمصباحی کی تعادلی کتاب "شواہد بخاری" میں بھی شائع ہو گیا ہے اور مجموعہ مقالات میں بھی شامل ہو کر منظر عام پر آنے والا ہے۔ آنکھن کے ذریعہ اگر کوئی غلط فہم میں پہنچائی جائے تو روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟ یہ ایک نیا سوال تھا جس کا جواب مفتی صاحب نے نفی میں دیا ہے اور کتب فقہ سے اخذ کرتے ہوئے اس کے دلائل فراہم کیے ہیں۔ حضرت کی شان اہل حق سے یہ میرا پہلا تعارف تھا جس سے میں بہت متاثر ہوا۔

کبھی تقریر سننے کا اتفاق نہیں ہوا تھا، میری فراغت کے تیسرے سال مفتی صاحب دہرا العلوم اشرفیہ کے بلاء

دستار فہیت میں مدعو ہوئے اور روزہ اجلاس میں دونوں دن تقریر فرمائی پہلے دن "علم غیب" کے موضوع پر تقریر کی جو میں نے دیر سے چننے کے باعث درمیان سے کٹی اور دوسرے دن "رحمت عالم" کے عنوان پر تقریر کی جو میں نے شروع سے آخر تک بغور سنی، یہاں تک کہ اس کے مضامین ذہن نشیں ہو گئے اور کسی یادداشت میں درج بھی کر لیے۔ یہ تھا حضرت کے حسن خطابت سے میرا پہلا تعارف۔

تقریر میں چند خاص باتیں میں نے محسوس کیں: (۱) عالمانہ وقار (۲) اعتدالی اور علمی لحاظ سے پختگی (۳) جنوں اور مضامین کی صحت و ندرت (۴) مضمون علمی اور مشکل ہونے کے باوجود بہت آسان انداز میں ایسا بیان کر عوام کو بھی بخوبی سمجھ میں آئے۔ (۵) ترتیب میں ایسی عمدگی کہ پورا خطاب ذہن نشیں رہے اور چالیس تواری ترتیب کے ساتھ سامعین دوسروں کو سمجھا سکیں۔ (۶) ایسا دلچسپ اور موثر خطاب کہ آکھٹ نہ ہو (۷) علمی و غیر تحقیقی باتوں سے حمل و اعتبار۔

تقریر سننے کی طرح کی ہوتی ہیں: (۱) ادق اور علمی جن کو اہل علم ہی سمجھ سکیں (۲) علمی اور دلچسپ جن کو عوام تو پہنچ کر سن کر اہل علم حکمت سے دیکھیں۔ (۳) غیر تحقیقی باتوں کی کثرت، علمی و تاریخی لحاظ سے غلط روایات میں لپٹی جاتی ہے بے اجاضافہ، الفاظ کے، جملوں کے، مضامین کے، غلط سیاق و سباق کے پیوند پر چند مگر بیان میں ایسی چاشنی اور زور کہ عوام وجد میں آجائیں۔ ایسی تقریروں سے ان خطبہ کے کشکول بھرے ہوتے ہیں جنہیں رضائے خدا اور رسول سے زیادہ خوشنودی عوام عجز ہوتی ہے اور ثواب آخرت سے زیادہ نظام دنیا جمع کرنے کی فکر لگتی رہتی ہے۔ (۴) روایت و روایت اور علم و تحقیق کی رو سے صحیح معلومات کی جامع اور زبان و بیان کے لحاظ سے دلچسپ اور عام فہم جس سے عوام و خواص دونوں نفع اندوز ہوں۔

قسم اول کا دائرہ نفع محدود ہے، قسم دوم و سوم کی کثرت ہے۔ ایسی تقریریں اور ایسے خطبہ ہر دور عوام کے دل و دماغ پر بھگائے رہے مگر صحیح معنی میں خطاب اور خطابت وہی ہے جو چوتھی قسم کے معیار پر دل کا ہو۔ بفضل فضل حضرت مفتی صاحب کی تقریر اس قسم سے تعلق رکھتی ہے اور نہایت جامع، مفید اور بصیرت افروز ہوتی ہے۔

وہ اعتقادات پر ایسے غوس دلائل کے ساتھ خطاب فرماتے ہیں کہ مذہب کا ایمان درست ہو جائے اور صحیح الاعتقاد شخص راسخ الاعتقاد اور اپنے دین کا مسلف بن جائے، عملیات پر بھی ایسی موثر باتیں پیش کرتے ہیں کہ انسان انہیں اپنا کر صالح و طاعت شعار ہو جائے۔ علمی تقریرات اور مجمع علماء میں بھی ایسا مختصر اور نکات و معارف سے بھرپور خطاب فرماتے ہیں جو ان کے لیے فکر و بصیرت کے نئے در پے کھول دے اور علم و آگہی کے نئے گوشے روشن کر دے۔ فلک فضل الله یوتیہ من یشاء۔

اس کے بعد حضرت کی کتاب "تحقیقات" پہلی بار بنام "التحقیقات لدفع التلبیبات" کی

اشاعت ہوئی اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا، اس میں شہادت رسل کی بحث نے بہت متاثر کیا پھر ”اسلام اور چاند کا سفر“ منظر عام پر آئی، یہ ایک نئے موضوع پر بڑی ہی بصیرت افروز، معلومات افروز، شبہات شکن کتاب تھی جس نے صرف مجھے ہی نہیں، تمام علمی حلقوں کو متاثر کیا۔

یہ میرے تعارف کے ابتدائی نقوش تھے، بعد میں جب حضرت مبارک پور تشریف لائے اور میں جہاں پور سے محمد آباد کو ہٹ آیا تو مبارک پور بکثرت حاضری ہوتی اور علمی باتیں بھی ہوتیں۔ اسی دوران نزہۃ القادری کا کام شروع ہوا، ابتداً صرف ترجمہ کا ارادہ تھا اور اسی نچ پر کافی تحقیق کے ساتھ ترجمہ کا کام ہو رہا تھا، مولانا حسین اختر صاحب اور مولانا افتخار احمد صاحب بھی موجود رہتے تھے۔ اس کاوش کو دیکھ کر میں نے یہ عرض کیا کہ احادیث کا صرف ترجمہ عوام کے لیے باعث تشویش ہو سکتا ہے جیسا کہ غیر مقلدین اور دیوبندیوں کے ترجمے پڑھنے کے بعد حقیقی عوام جب بہت سی باتیں اپنے مسلک کے خلاف پاتے ہیں تو انہیں تشویش لاحق ہوتی ہے۔ جتنی محنت ترجمہ کے لیے صرف ہو رہی ہے اس میں تھوڑا اضافہ کر لیا جائے تو ایک مختصر شرح بھی ہو جائے گی اور لوگوں کے لیے اطمینان بخش ہوگی، بحمدہ تعالیٰ حضرت نے یہ رائے قبول فرمائی اور نو چندوں میں ”نزہۃ القادری“ کے نام سے شرح مکمل ہو گئی جس پر اہل علم کا خراج تحسین اس مجموعہ میں زیب نظر ہوگا۔ بلاشبہ یہ زبردست اور عظیم خدمت ہے جس پر بھی مدلل علم کو ممنون و شکر گزار ہونا چاہیے۔ رب تعالیٰ ہمیں بھی دینی و علمی خدمات سے نوازے اور حضرت کے کھنکھانے قدم پر چلنے والے بکثرت افراد پیدا فرمائے، آمین۔



## حافظ ملت کے علمی افادات<sup>(۱)</sup>

حافظ ملت نے پوری زندگی درس و تدریس اور تقریر و تبلیغ کا مشغل رکھا۔ مصروفیات بہت زیادہ تھیں مبارک پور تشریف لائے تو تیرہ ماہ سابق روزانہ پڑھاتے جس میں سب سے چھوٹا سبق شرح جہاں کا تھا۔ آپ کے بڑھتے ہوئے اثرات اور علمی وجاہت دیکھ کر دیوبندی کتب فکر کے مولوی شکر اللہ مبارک پوری نے تقریروں کے ذریعے مذہبی چیمبر چھڑا کر دی اور پھر دونوں طرف سے مقابلے کی تقریریں شروع ہو گئیں۔ ایک دن حضرت کی تقریر ہوئی اور ایک دن مولوی شکر اللہ کی۔ اس وقت حضرت کے طلبہ بھی بڑی محنت و مستعدی کے ساتھ حضرت کی معاونت کرتے، حافظ ملت فرمایا کرتے کہ ”وہ طلبہ میرے لیے قوت بازو تھے“ مخالف مقرر کی پوری تقریر ٹوٹ کر تے اور شام کو مہارے مشاغل سے فراغت کے بعد حضرت اسے سنتے، عصر سے مغرب تک کی درمیانی مدت جو ابلی تقریر کی حالت اور جواب الجواب کے لیے طلبہ کی تیاری میں صرف ہوتی۔ اگرچہ یہ سلسلہ مسلسل ساڑھے چار ماہ تک تھا۔ مگر تدریس مشاغل، غیر درسی اوقات میں کچھ کتابوں کی تدریس، اہل کلمہ اور ملاقاتیوں کی دل داری اور اس طرح کے بہت سے مشاغل کا مجموعہ رہتا۔ غالباً ۳۹۴ھ میں ایک بار بزم امجد یہ عزیز یہ (واقعہ حلقہ بکسلائی، جیشید پور) کی دعوت پر حضرت جیشید پور تشریف لے گئے تھے۔ میں ملاقات کے لیے حاضر ہوا بعد ملاقات، نماز مغرب بکسلائی جامع مسجد میں حضرت کے پیچھے ادائی، حضرت نماز پڑھ کر اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ میں امام جامع مسجد حضرت مولانا محمد حسین صاحب اٹکلی سے گفتگو اور حضرت کے حالات پر تہاولہ خیالی میں مصروف ہوا۔ اور میں نے ان سے کہا کہ حافظ ملت نے کوئی خاص تصنیفی سرمایہ نہیں چھوڑا جس کے باعث ان کے افادات اور علوم سے آنے والی نسل محمدہ مددہ جائے گی۔

### کثرت تصنیف سے موانع:

اس گفتگو کے بعد میں حضرت کی قیام گاہ پر حاضر ہوا تو حضرت نے فرمایا:

بفضلہ تعالیٰ تصنیفی صلاحیت مجھے ضرور ملی اور قلم کی قوت بھی..... یہ کہہ کر فرمایا: کیا کہوں، بہر حال مجھے

(۱) کلمہ مشرق، سوانح ملت، نمبر، جن، جولائی ۱۳۵۷ھ



لیکن یہ قدرت تھی، جس کا نمونہ "الغلاب اللہی" ہے، اسے "مقاصع اللہی" کے جواب میں چند ایام کی مختصر مدت میں تیار کیا، مگر چوں کہ اسے جلالت میں لکھا تھا اس لیے خاطر خواہ نہ ہوئی، کتاب اپنے تلمیذ عزیز مولانا محبوب احمد صاحب کے نام سے منسوب کر دی، حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ (حضرت کے استاذ گرامی مولانا امجد علی صاحب قدس متوفی ۱۳۶۷ھ) نے کتاب دیکھ کر فرمایا: "کتاب بڑی معرکہ دارا اور جلیل القدر ہے، حافظ صاحب کو اسے اپنے نام سے شائع کرنا چاہیے تھا۔"

ارشاد (رئیس التحریر مولانا ارشد القادری صاحب) کا کہنا ہے "اس کتاب نے مجھے مناظرہ سکھایا۔"

قوت تصنیف کے باوجود ہمیشہ حوائق و موانع در پیش رہے، مصروفیات نے گھیرے رکھا، جس کے باعث میں کچھ لکھ نہ سکا، ایک طالب علم نے (حضرت نے نام بتایا تھا، مگر مجھے یاد نہ رہا) مرقعات (علامہ فضل دام خیر آبادی لکھی شرح (مصنف مولانا محمد ابراہیم خیر آبادی، جس کا درجہ قاضی مبارک کے مساوی ہے) پر مدعا شروع کی تو ان کے اصرار پر میں نے شرح مرقعات کا حاشیہ لکھنا شروع کیا، مگر طالب علم موصوف فراغت حاصل کر کے چلے گئے، جس کے باعث یہ حاشیہ نام نہاد ہو گیا اور پھر کوئی ایسا باذوق طالب علم نہ دیکھ کر کتاب پڑھنے والا نہ ملا کہ اس کے لیے حاشیہ کی تکمیل ہو سکے۔"

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت کی جو کچھ بھی تحریر میں، مقالے اور خطوط وغیرہ پیش نظر ہیں وہ انشا پرنازی کا بہترین نمونہ ہیں۔ اور ان کی مصروفیات سے کبھی اہل تعلق باخبر ہیں، ورنہ یقیناً ہمارے لیے عظیم تصنیفی سرمایہ بھی ضرور چھوڑ جاتے۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ حافظ ملت نے اگرچہ زیادہ تصنیفات نہ چھوڑیں مگر بے شمار مصنفین ضرور پیدا کر دیے۔ طلب کے اندر تحریری ذوق پیدا کرنے میں ہمیشہ ان کا زبردست ہاتھ رہا۔ خصوصاً جس طالب علم کے اندر تصنیفی صلاحیت اور تحریری ذوق دیکھتے اسے اسی طرف لگا دیتے جس کے باعث ان حافظ ملت کے علاوہ میں اردو، عربی، فارسی کے جید اہل قلم دیکھ سکتے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ تمہاری حضرات کی کاوشیں بروئے عام لائے اور انہیں افتاد عامہ کے اترے نوازے۔ وهو الموفق و بحیر معین۔

### درسی افادات:

حضرت کی تقریر، تحریر اور گفتگو کی طرح تعلیم بھی حسن ایجاز، اور کمال تنہیم دونوں کی جامعیت کا بے مثال نمونہ تھی۔ بعض مقامات پر خصوصی بسط اور تفصیل سے کام لیتے، اگرچہ اس بسط کے الفاظ اور ان کے معانی کا انتخاب دیکھا جائے تو اسے بھی ایجاز ہی سے موسوم کرنا پڑے گا۔ الغرض حضرت کا اہتمام ہوا یا ایجاز بہت جان دار اور باریک تحقیقات کا حاصل ہوتا۔ مگر یہ ہماری ناقابل حوائی کوتاہی اور لاہردہائی ہے کہ حضرت کے خطبات، ملفوظات اور

واقعات کی طرح ہم نے یہ افادات بھی قید تحریر سے آزاد رکھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت غور و خوض اور حافظہ پر زور دین کر بھی صرف چند افادات ان قلم کی گرفت میں لاسکا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ دوسرے قوی الحافظ حضرات کا بھی یہی حال ہوگا کہ سو ذرا سو سے زیادہ جمع نہ کر سکے ہوں گے، خیر اس طرح بھی اگر متحذہ و علامہ نے کوشش کی ہے تو افادات کا ایک ضخیم مجموعہ تیار ہو سکتا ہے۔

### سوال سے زیادہ جواب دیا جاسکتا ہے:

بخاری شریف کی حدیث ہے:

عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أن رجلاً سألہ ما یلبس المحرم فقال لا یلبس القميص ولا العمامة ولا السراويل ولا البرنس ولا ثوبا منہ الورس والزعفران فان لم یجد الثعلین فلیلبس الخفین ولیقطعہما حتی یمکون تحت الکعبین (ج: ۱، ص: ۲۵)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص نے حضور سے دریافت کیا: کیا اہرام باندھنے والا کیا پہنے؟ فرمایا: کرتا، جملہ، پاجامہ، اور ٹوپی نہ پہنے، نہ ہی وہ کپڑا جس میں ورس اور زعفران لگا ہو۔ اگر جوئے نہ پائے تو موزوں پہن لے، اور انہیں کاٹ دے تاکہ ٹخنوں کے نیچے ہو جائیں۔"

اس حدیث پر دوسرے افادات اور مکمل تقریر کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ:

آخری حصہ فان لم یجد الثعلین (اگر جوئے نہ پائے الخ) مسائل نے دریافت نہیں کیا تھا، جواب میں ذکر فرمایا گیا تاکہ یہ مسئلہ بھی معلوم ہو جائے۔

اس پر فرمایا: ایک بار محمد آباد گوہر (مبارکپور سے قریباً ۸ میل پر) واقع ہے) سے ایک استنبا آیا۔ رافضی کی نماز جتانہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ میں نے جواب میں دوسرے مباحث کے ساتھ لکھا: رافضی، قادیانی، وہابی، دیوبندی سب کی نماز جتانہ حرام، سخت حرام ہے۔

بعد میں معلوم ہوا یہ استنبا دیوبندی کتب فکر کے کچھ لوگوں نے بھیجا تھا اور اس سے ان کا مقصد کئی شیعہ فساد و اختلاف برپا کرنا تھا۔ مگر اس جواب سے ان کی ساری اسکیم فیل ہو گئی۔

یہ تھا حافظ ملت کا حسن تدبیر اور ان کی سیاسی بصیرت جسے ان کی سوانح کا مستقل موضوع بنایا جاسکتا ہے۔

### قانون اصول فقہ:

بخاری شریف میں یہ حدیث متحذہ دروایات و طرق سے بفرق اجمال و تفصیل مختلف مقامات پر آئی ہے:



عن أنس أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أتى بلحم تصدق به على بيرة فقال هو عليها صدقة وهو لنا هدية. (بخاری: ۲۰۴۰)

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں حضور ﷺ کے پاس ایک گوشت حاضر کیا گیا۔ جو حضرت عائشہ کی کیز جناب پر برہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر صدقہ کیا گیا تھا، فرمایا: اس پر صدقہ ہے اور ہمارے لیے دے دیے۔

اس کی تفہیم کے لیے حضرت نے یہاں لمبی چوڑی تقریر کے اصول فقہ کا ایک ایسا قاعدہ بتا دیا جو آج تک پا رہا اور بہت سے مواقع پر مفید ثابت ہوا، فرمایا: "تبدل ملک سے تبدل میں ہو جاتا ہے حکم۔"

جب وہ گوشت حضرت پربرہہ کے قبضہ میں پہنچا تو صدقہ ہوا۔ اور جب انھوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو اب صدقہ نہ رہا بلکہ ہدیہ ہو گیا، اس لیے ہادی کے لیے اسے تناول کرنا جائز ہو گیا۔ اسی حدیث سے فقہاء نے یہ اصول مستنبط کیا کہ ملکیت بدل جانے سے حکم اصل حقیقت بدل جاتی ہے۔ فقہ کے بہت سارے مسائل اسی اصل اور قانون پر مبنی ہیں۔

### ایک تاویل کا ردِ بلیغ:

ترمذی شریف پڑھنے کے زمانہ میں یہ حدیث بھی آئی "أبرءوا بالظھر فإن شدة الحر من فیج جہنم"۔ ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو اس لیے کہ سخت گرمی جہنم کی پیش سے ہے۔ تو کسی سے اس حدیث کی تاویل یوں سننے میں آئی کہ اگر سخت گرمی جہنم کی پیش کے باعث ہے تو ہر جگہ گرمی ہونی چاہیے جب کہ کشمیر اور شیخی تال میں ٹھنڈک ہوتی ہے اس لیے یہ حدیث برائے تفہیم و تمحیل ہے جیسے کہ جب خوش گوار ہوا چلتی ہے تو کہا جاتا ہے "جنت سے ہوا آرہی ہے۔"

مولانا فضل حق غازی پوری وغیرہ چند ساتھیوں نے حافظ طلت کے سامنے یہ تاویل پیش کرتے ہوئے استصواب کیا تو آپ نے فرمایا: "نچریت ہے۔" (یہ طریقہ نیچریوں ہی کا ہے کہ صریح نصوص کو ظاہر سے منحرف کر دیتے ہیں، اور بالکل بے سرو پا تاویلات اڑاتے ہیں) اور اس کا ردِ بلیغ فرمایا۔ اگلے سال جب بخاری شریف میں یہ حدیث آئی تو خود میں نے بھی سنا کہ حضرت نے تاویل مذکورہ پیش کرتے ہوئے فرمایا:

"یہ تاویل کسی طرح صحیح نہیں، گرمی کے موسم میں کشمیر اور شیخی تال میں بھی وہ ٹھنڈک نہیں رہ جاتی جو موسم سرما میں وہاں ہوتی ہے۔ بلکہ نسبتاً یعنی فرق ہوتا ہے جو ہمارے یہاں جاڑے اور گرمی میں ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہاں بعض عوارض کی وجہ سے وہ موسم نہیں ہوتا جو ہمارے یہاں ہوتا ہے۔ حدیث کو بلا دلیل اس کے

ظاہر سے پھیرنا ہرگز درست نہیں۔

### اپنی بڑائی کرنا بھی ایک موقع پر جائز ہے:

درس گاہ میں ایک بار حضرت نے اس مسئلہ سے مطلق الفاظ فرمایا تھا جسے میں نے اسی دن لکھ رکھا تھا خوش قسمت ہے یہ تحریر مل گئی جو یہیں نقل کر رہا ہوں۔

۱۵ جمادی الثانی ۱۳۸۹ھ / ۳۰ اگست ۱۹۶۹ء شنبہ۔ درس بخاری شریف میں حضور حافظ ملت نے فرمایا: "مومن عزت اسی وقت حاصل کر سکتا ہے جب اللہ اے دین کی تذلیل کرے۔ اور بوقت مقابلہ انھیں حقیر و ذلیل ثابت کر دے۔ اگر ان کے سامنے انکار و تواضع سے پیش آئے تو اس میں اس کی ذلت ہے۔ محدث اعظم ہند عبد الرحمن (علامہ سید محمد صاحب کچھوچھو) شاگرد اعلیٰ حضرت متوفی ۱۳۸۱ھ) کا بیان ہے کہ میرا مہد الشکور کا کوردی سے مناظرہ ہوا جس میں اس نے "صرفی مسئلہ" پر بحث کرتے ہوئے مجھ سے بطور طنز کہا کہ آپ نے شرح مائت بھی نہیں پڑھی، اس پر میں نے اس کی بھرپور تذلیل و تحقیر کی اور اپنے کو اس کے مقابلے میں بہت کچھ بڑھایا جس سے وہ رسوا ہو کر شکست خوردہ ہو گیا، میں نے مناظرہ میں فتح تو حاصل کر لی، لیکن میرے دل میں اپنے ان جملوں سے جو اپنی بڑائی میں کم ڈالے تھے، انقباض پیدا ہو گیا کہ میں کہہ کر جب کا مرکب ہوا جو قطعاً موم ہے۔ طبیعت میں ایک حکمران ہا کر تھا، جس کے باعث میں نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی طرف رجوع کرنا چاہا، حاضر یار گاہ ہوا۔ وہاں تو دل کی دھڑکنیں دیکھی جاتی تھیں اور سچ دماغ پر ابھرتے ہوئے اعتراضات کا پچھم بصیرت مشاہدہ ہوا کہ تا تھا کچھ کے بعد فرمانے لگے، "تغیر کو کبھی اپنی بڑائی پسند نہیں آتی، خدا کا فضل ہے جو کچھ ملا ہے کچھ اپنے کو اس پر غرور و تاز نہیں، تکبر و غلبہ بہت ہی مذموم ہے، کوئی کسی بھی بلند مرتبے پر پہنچ جائے اسے غر نہیں کرنا چاہیے۔" محدث اعظم بیان فرماتے ہیں: اتنے جیسے سننے کے بعد میں دم بخور رہ گیا اب تو کچھ پوچھنے کی بھی مجال نہ رہی اور میں اپنے لیس بہت زیادہ ملامت کرنے لگا لیکن اعلیٰ حضرت نے پھر اس کے بعد فرمایا:

"مگر دشمن رسول اور اللہ اے دین کے مقابلے میں کبھی انکساری نہیں کرتا چاہے وہاں تو یہ شخص دین حق کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اسے دین کو بلند و برتر ثابت کرنا ہوتا ہے اور حمایت رسول ﷺ میں ان کی عظمت شان کا اظہار اس کا فریضہ ہوتا ہے، وہاں تواضع و انکسار سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ان کے مقابلے میں اپنے کو بلند دیکھا کرنا ہرگز اور دین حتمی کی حمایت ہے۔"

محدث صاحب فرماتے ہیں: میں اتنا سننے کے بعد بہت سرور ہوا۔ دل کا انقباض اور ٹھنڈک دور ہوا۔ اور

اشراف صدر ہو گیا۔ "فالحمد لله على ذلك."

حلو اور مٹھائی:

بخاری شریف پارہ ۲۲ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ یحب الخلواء والعسل۔ رسول اللہ ﷺ کو حلو اور شہد پسند تھا۔ رفیق گرامی مولانا عبدالستار پھولپانی ذکر کرتے ہیں (۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء میں) یہ حدیث پڑھتے وقت حضرت نے فرمایا: اس سے حلو کا مرغوب اور رسول اللہ ﷺ کا بھی پسندیدہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مولانا عبدالرحمن چورنی نے عرض کیا: حلو کا معنی تو مطلق مٹھائی چیز ہے معروف حلو امر او نہیں۔ فرمایا:

جب بھی تو حلو کی پسندیدگی اور استحباب ثابت ہے کہ یہ بھی اسی مطلق کا ایک فرد ہے (بلا تخصیص) مطلق کا استحباب اس کے فرد خاص کے استحباب کو مستلزم ہے۔"

## دیگر افادات

### جمعہ کی اذان ثانی اور حضرت کی فقہی بصیرت:

ایک بار درس گاہ میں حضرت نے فرمایا: بنارس سے کچھ لوگ آئے، انھوں نے کہا: امام عظیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل شہر سے فرمایا: "جب بین بیوی الخطیب اذان ہو اس وقت نہ چلو بلکہ جب پہلی اذان ہو اس وقت چلو۔" اس میں بین بیوی الخطیب کا لفظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے یہاں اذان ثانی خطیب کے قریب ہو کرتی تھی۔ میں نے کہا: اس سے اذان ثانی کا بیرون مسجد ہونا ثابت ہوتا ہے کوئی جیسے شہر کے لوگ اذان ثانی سن کر اپنے گھروں سے مسجد چلتے، یہ لوگ اذان ثانی اسی وقت سن سکتے تھے جب بیرون مسجد ہوتی رہی ہو۔ اندرون مسجد کی اذان بھلا اس وسیع شہر میں لوگوں کے گھروں کے اندر تک کب پہنچتی کہ وہ سن کر آتے۔

### اعلیٰ حضرت کا ترجمہ قرآن:

نچریوں کا عقیدہ ہے کہ رام کرشن وغیرہ بھی نبی تھے اس پر "ولکل قوم ہاد" سے استدلال کرتے ہیں کہ ہر قوم کے لیے ایک ہادی اور رسول ہے تو آخر ہندی قوم کے لیے بھی کوئی ہادی اور رسول ہو گا۔ اور وہ یہی سب تھے۔ حالانکہ کسی شخص کو بھی نبی ماننے کے لیے نصیحتی ضروری ہے، رام، کرشن وغیرہ کا تو کسی اسلامی دلیل سے وجود بھی ثابت نہیں اور جن غیر اسلامی ناقابل التفات کتابوں سے ان کا وجود معلوم ہوتا ہے خود ان ہی کتابوں سے ان کے

حالات بد بھی معلوم ہوتے ہیں جو کسی نبی تو کیا، کسی "مومن" میں بھی نہ ہوں گے۔ بہر حال، حافظ طے نے ایک بار فرمایا۔ نچریوں کے قول کی ساری بنیاد "لکل قوم ہاد" پر قائم ہے۔ مگر اعلیٰ حضرت نے اپنے ترجمہ سے ان کا سارا قصہ اصلاح بالکل منہدم کر دیا ہے۔ آیت کریمہ ہے: "انما انت منذر ولكل قوم ہاد" اعلیٰ حضرت نے ترجمہ فرمایا تم تو ڈر سنانے والے ہو اور ہر قوم کے ہادی۔ یعنی یہ فرمان صرف ہمارے رسول گرامی ﷺ سے متعلق ہے کہ تم ہر قوم کے لیے ہادی اور نذیر ہو۔ اب ولکل قوم ہاد سے نچریوں کے استدلال کی گنجائش ہی نہ رہی۔

### حاضر و گواہ:

انجمن امجدیہ، بمبیرہ ولید پور، عظیم گڑھ کے اجلاس میں ایک بار حضرت الامام مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ دام ظلہ نے آیت کریمہ اِنَّا ارْسَلْنَاكَ شَاحِدًا وَمُنْذِرًا پر تقرر کرتے ہوئے فرمایا کہ شاید کا معنی حاضر ہے، نماز جنازہ کی وہ دعا جس میں ہے لَشَاحِدًا وَغَاثِبًا (مغفرت فرما) ہمارے حاضر کی اور ہمارے غائب کی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہید یعنی حاضر آتا ہے لہذا آیہ کریمہ سے ثابت ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کو حاضر و ناظر بنا کر بھیجا۔ بعدہ حافظ طے نے تقریر کی تو حضرت نے مفتی صاحب قبلہ کی تحسین کے ساتھ حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: یہی مان لو کہ شہید کے معنی گواہ ہیں۔ تو تباؤ گواہ کون ہوتا ہے؟ کیا وہ شخص گواہ ہو سکتا ہے جو واقعہ کے وقت موجود نہ ہو۔ یا موجود ہو مگر یہ چشم خود نہ دیکھتا ہو۔ ہرگز نہیں۔ گواہ وہی ہوتا ہے جو واقعہ کے وقت حاضر بھی ہو اور ناظر بھی۔ لہذا اِنَّا ارْسَلْنَاكَ شَاحِدًا میں شہید کے معنی گواہ لینے پر بھی حضور ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا ہی جگہ بعینہ ثابت ہے۔ واللہ الحمد۔

### نماز نصف شعبان:

شب برات ۳۹۳ھ میں اختلاف رہا، بعض اصحاب میں ۲۹ ربیع الاول شعبان کی رویت ہو گئی تھی لیکن جمہور میں کوئی شری ثبوت نہ ملنے کے باعث ۳۰ شب برات تھی۔ حافظ طے نے پندرہویں شعبان کے اجلاس (منفقہ جمہور پور) میں شب برات کی فضیلت پر تقرر فرمایا اور اس میں شایعہ جلالین للامام احمد الصاوی الماکلی علیہ الرحمہ کے ۱۷۱ء سے یہ حدیث پیش کی:

من صلی فیہا مائة ركعة ارسل الله تعالى اليه مائة ملك: ثلاثون يبشرونه بالجنة وثلاثون يؤمنونه من عذاب النار وثلاثون يدفعون عنه افات الدنيا وعشرة يدفعون عنه مكابد الشيطان. (صاوی سورۃ دخان پ: ۲۵)

جس نے اس شب میں سو رکعت نماز پڑھی۔ خدا تعالیٰ اس کے پاس سو فرشتے بھیجتا ہے۔ تیس اسے جنت

کا مژدہ سنا سکتے ہیں۔ تیس اس کو عذاب دوزخ سے مامون رکھتے ہیں۔ تیس آفات دنیا سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور دس فرشتے شیطان کے مکر و فریب اس سے دور کرتے ہیں۔

حافظ ملت نے فرمایا: ”ان عظیم فوائد کے پیش نظر شب برات میں نماز پڑھ لینی چاہیے، سو رکعت پڑھنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی، بس پڑھ گھٹن لگتا ہے۔ میں اس نماز کا پابند ہوں، اس سال شب برات میں اختلاف رہا، تو میں نے کل بھی سو رکعتیں پڑھیں اور آج بھی پڑھیں۔“

حافظ ملت ایک زمانے سے بلاناغہ، شب برات جمشید پور میں کیا کرتے۔ اسی شب میں مدرسہ فیض العلوم کا جلسہ دستار بندی منعقد ہوتا ہے جس میں حضرت کی شرکت لازمی سمجھی جاتی۔ میں نے چار سال تو خود مشاہد کیا کہ حضرت جلسہ گاہ تشریف لے جانے سے پہلے بعد مغرب فوراً اور کبھی ذرا دیر بعد یہ نماز ضرور پڑھتے۔ آخری سال ۱۳۹۵ھ جس میں حضرت کی طبیعت متضائل اور نقاہت زیادہ تھی، اس سال بھی یہ نماز فوت نہ ہونے دی حدیث پاک افضل الأعمال ادا وہا۔ (بہترین عمل وہ ہے جو ہمیشہ رہے) کا جلوہ اگر دیکھنا ہو تو کوئی حافظ ملت کے ممبر اکرام مشفقوں سے لبرح احوال زندگی دیکھے۔

### نشان سجدہ اور داغ جبین:

اسی سال ۱۳۹۳ھ شعبان کو جب حافظ ملت مدرسہ فیض العلوم میں تشریف فرما تھے، علامہ رشد القادری صاحب نے ایک صاحب کا ذکر کیا کہ یہ نمازوں کے تو پابند نہیں، مگر پیشانی پر ایک نمایاں داغ بنا رکھا ہے حضرت نے فرمایا: ”بہت بری چیز ہے۔ قرآن میں اس علامت سجدہ کی تعریف کی گئی ہے جو چہرے میں نمایاں ہوتی ہے۔ قرآن فرماتا ہے: **يَبْيِطُ اللَّهُ فِي وَجْهِهِ** ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے۔ قرآن کریم میں ”فی جباہہم“ (ان کی پیشانیوں میں) نہیں ہے۔ حضرت کے پاس تفسیر صاوی شریف رکھی ہوئی تھی۔ فرمایا: اسی صاوی میں داغ سجدہ کی ذمت میں ایک حدیث ذکر کی ہے۔“

یہ سن کر فوراً میں نے صاوی شریف سے یہ مقام نکالا۔

(يَبْيِطُ اللَّهُ فِي وَجْهِهِ قَرْنِ آيَةِ الشُّجُو) وهو نور و بياض يعرفون به في الآخرة أنهم مسجد وافي الدنيا. (جلالین)

(ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے) وہ ایک نور اور سفیدی ہے جس سے آخرت میں اس کی شناخت ہوگی کہ انھوں نے دنیا میں سجدے کیے ہیں۔ (جلالین)

علامہ احمد صاوی فرماتے ہیں:

اختلف في تلك السيمة فقيل: إن مواضع سجودهم يوم القيمة تروى كالقمر ليلة البدر وقيل هو صفرة الوجوه من سهر الليل وقيل الخشوع الذي يطهر على الأعضاء حتى يتراعى أنهم مرضى وليس المراد به ما يصنعه بعض الجهلة المرائين من العلامة في الجبهة. فإنه من فعل الخوارج وفي الحديث ”إني لأبغض الرجل وأكرهه إذا رأيت بين عينيه أثر السجود.“ (صاوی شریف، سورۃ فتح، ص: ۲۶)

اس علامت میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کے اعضاء سجدہ روز قیامت چمک دھنک کے چاند کی طرح روشن نظر آئیں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ چہرے کی زردی ہے جو شب بیداری کے باعث پیدا ہوا ہوتا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے وہ خشوع مراد ہے جو اعضا پر نمایاں ہوتا ہے، جس سے کچھ ایسا خیال ہوتا ہے کہ وہ پادری حلال کہ پتار نہیں۔ اس سے وہ ”داغ“ مراد نہیں جسے بعض ریاکار جالین اپنی ”پیشانیوں“ میں بنا لیتے ہیں۔ یہ تو خدایوں کا فضل ہے۔ حدیث شریف میں ہے: میں تو اس شخص کو دشمن اور ناپسند رکھتا ہوں جس کی آنکھوں کے دو مہان (پیشانی پر) نشان سجدہ دیکھتا ہوں۔

حضور حافظ ملت کی توجیہ، علامہ احمد صاوی کی تفسیر، اور اس حدیث پاک سے ہم لوگوں کو ایک عجیب و غریب صدر ہو گیا، مولانا رشد القادری صاحب نے کہا۔ میرے دل میں ایک انقباض رہتا تھا کہ قرآن علامت سجدہ کی تعریف کرتا ہے اور ہم لوگ اس کی ذمت کرتے ہیں۔ بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا داغ سجدہ قرآن کا پسندیدہ اور محمود ہے۔ مگر آج شرح صدر ہو گیا کہ ”داغ پیشانی“ تو مذکور قرآن ہی نہیں۔ بلکہ اس میں تو نور چہرہ کی تعریف فرمائی گئی ہے۔

### موت کیا ہے؟

حافظ ملت نے تقریروں میں بار بار اس پر روشنی ڈالی۔ فرماتے:

انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے۔ جب کہا جاتا ہے: فلان آدمی مر گیا تو کیا؟ جسم و روح میں سے کون سی چیز ہے جو مر گئی یا فنا ہوئی؟ کیا روح مرجاتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اہل اسلام ہی نہیں بلکہ فلاسفہ کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ روح نہیں مرتی، پھر کیا جسم مرجاتا ہے؟ یہ بھی نہیں۔ اسے تو تم آنکھوں سے دیکھتے ہو، ہاتھوں سے ٹٹولتے ہو۔ تمام اعضا اپنی جگہ علامت ہیں کوئی عضو نہیں ہوا۔ پھر موت کیا ہے؟ میں کہتا ہوں موت جسم اور روح کے اختلاف کا نام ہے۔ جب

تک روح اور جسم کا اتصال و اتفاق تھا، آدمی زندہ تھا۔ جب دونوں میں اختلاف اور جدائی ہو گئی کہ دیا انسان مر گیا۔ معلوم ہوا انتہا تک زندگی ہے اور اختلاف موت۔ ایک جسم و روح کا اختلاف شخص کی موت ہے۔ اگر وہ حسنا نہ کا اختلاف گھر کی موت ہے۔ ایک محلہ، ایک گاؤں، ایک شہر، یا ایک ملک کا اختلاف اس محلہ، گاؤں، شہر یا ملک کی موت ہے۔

مدرسہ اور مسجد:

حضرت کو مدرسہ اور مدرسے سے پوری زندگی شغف رہا۔ بہت سارے مدارس کی بنیاد رکھی، کسی مدرسے کے جلسہ تاسیس کی دعوت حتی الامکان رو نہ فرماتے۔ اور ایسے اجلاس میں مدرسہ کی اہمیت پر خصوصی تقرر کرتے۔ مسجد اور مدرسہ کی عمومی افادیت کا فرق بیان کرتے ہوئے حضرت سے ہم نے بار بار سنا کہ:

اگر کسی نے مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا تو اسے اس مسجد میں ہر نماز پڑھنے والے کا ثواب ملے گا لیکن اگر وہی شخص دوسری مسجد یا کسی دوسری جگہ نماز پڑھے تو اس کے نماز پڑھنے کا ثواب پہلی مسجد تعمیر کرانے والے کو ملے گا۔ اور اگر کسی نے مدرسہ کی تعمیر میں حصہ لیا تو اس مدرسہ سے نماز روزہ، احکام شرع، اور علوم دینیہ سیکھ کر جانے والا ہر ایک طالب علم جہاں بھی رہے، جس جگہ نماز پڑھے، روزہ رکھے، اور کوئی کار خیر کرے، اس مدرسہ کی تعمیر میں حصہ لینے والا اس طالب علم کے ہر کار خیر کا ثواب پائے گا۔ اور خود اس مدرسہ کے اندر اساتذہ و طلبہ یاد مگر حضرت کے تعلیم و تعلیم اور عملی خیر کا ثواب مزید برآں ہے۔

حافظ ملت کے یہ افادہ جملے معانی کثیرہ کا مجموعہ، حسن ایجاز کا بہترین نمونہ، فطری دقت نظر، اور ان کی کو شناسی کی شاندار مثال ہیں۔ ان مختصر جملوں کی اگر تفصیل کی جائے تو ایک مہموط اور لمبی تقریر ہو سکتی ہے۔

خدا کے نافرمان سے متارکت اور دعوای قوت:

حافظ ملت فرماتے ہیں: مجھے دور طالب علمی میں تقریر کی پوری مشق ہو گئی تھی اور کسی بھی موضوع پر ایک گھنٹہ تقریر کر سکتا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ دو گونوں سے کہا: مجھے کوئی بھی موضوع دے دیا جائے ایک گھنٹہ تقریر کروں گا۔ لوگوں نے معروف ”دعوای قوت“ میری تقریر کا عنوان تجویز کیا۔ میں نے اس پر ایک گھنٹہ بوجت تقریر کی۔

”اس دعوای قوت میں توکل، ایمان، شکر، کفرانِ نعمت، عبادت، نماز وغیرہ کا مضمون تو ہے ہی مگر میں و خلع و تترک من بھجورک پر خاص روشنی ڈالی، بتایا کہ رب العالمین کے حضور کھڑے ہو کر روزانہ قرآن کیا پڑھے کہ ”ہم جدا ہوتے ہیں اور اس شخص کو چھوڑتے ہیں جو تیری نافرمانی کرے“ لیکن اس اقرار کے مطابق عمل کیا

تک ہوتا ہے۔ یہ تو ہر فاجر اور خدا کے نافرمان سے قطع تعلق کا اقرار ہے۔ اور کافر و مرتد تو سب سے بڑا نافرمان نافرمان خدا ہے اس سے تعلق اور دوستی بھلا کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟“

یہ چند افادات میں نے بہ جھلک پیش کر دیے ہیں۔

اثر خیر کے حافظ ملت نمبر کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں۔ افسوس کہ میں نے یہ کام پہلے شروع نہ کیا۔ ورنہ اس طرح کے اور بھی افادات ذہن میں محفوظ ہیں۔ خدا کرے انہیں جلد ہی کہیں لکھ کر پیش کر سکوں۔ آمین

## ملفوظات و واقعات

حضرت مولانا عبدالحق خیر آبادی:

ملفوظات میں حافظ ملت کا سلسلہ تلمذ بواسطہ صدر الشریعہ (م ۱۳۶۷ھ) از مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری (م ۱۳۶۲ھ) حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی (متوفی ۱۳۷۸ھ) علیہم الرحمہ سے ملتا ہے ان کے صاحبزادے مولانا عبدالحق خیر آبادی کے بارے میں فرمایا کہ وہ جامعہ ازہر مصر پہنچے۔ وہاں ایک جگہ منطق کی مشکل و اہم اور معرکۃ الآراء کتاب ”افی الامین“ پڑھائی جا رہی تھی۔ مولانا عبدالحق صاحب بھی اس درس گاہ میں پہنچے اور طلبہ کی صف میں بیٹھ گئے۔ استاذ کی ان سے کوئی شناسائی نہ تھی۔ دورانِ درس استاذ نے ایک تقریر کی اس پر مولانا نے اعتراض کیا، استاذ نے اس کا جواب دیا۔ اس جواب پر مولانا نے سات اعتراضات قائم کر دیے۔ استاذ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور اپنے پاس لٹھاتے ہوئے کہا: آپ مولانا عبدالحق خیر آبادی ہیں۔ افی الامین کے اس سوال پر میرے مذکورہ جواب کے بعد سات اعتراضات قائم کرنے والا آج دنیا میں مولانا عبدالحق خیر آبادی کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

طریقہ اصلاح اور ظرافت طبع:

(۱) ایک بار ایک طالب علم نے ہدایۃ النوح پڑھتے وقت عبارت یوں پڑھی، ”من حیث الإعراب والبناء“ فرمایا: بتائے کیا؟ گاڑ دیا۔ ہوتا ہے قلعہ والبناء۔

(۲) مدرک شریف ج: ۳ ص: ۲۰ (سورہ کہف) کی عبارت ہے: ”بَعِیْ اَنْ قَوْلِهِمْ هَذَا لَمْ یَصْدُرْ عَنْ عِلْمٍ وَلٰكِنْ عَنْ جَهْلِ مَفْرُوطٍ“ اُسے میں نے یوں پڑھا ”عن جھیل“ فرمایا: جہل پڑھا خود جھیل صاحب مہارت درست کر کے میں نے پڑھا ”عن جھیل مفرط“

(۳) ایک بار کہیں نماز پڑھی۔ امام صاحب کو اس نماز میں بہت زیادہ کھانسی آتی رہی یا کہا جائے کہ کھانستے



رہے، بعد نماز حضرت نے فرمایا: "امام صاحب کی کھانسی کھانسی کی کام ہے۔" (بروایت مولانا شمس افروز مصباحی عیادت):

حافظ ابراہیم صاحب مبارک پوری مرحوم رشتے میں والد صاحب کے بھائی ہوتے ہیں۔ اکثر ہمارے گھر ان کی آمد ہوتی۔ بڑی محبت رکھتے تھے۔ ایک بار والد صاحب بیمار ہوئے، اور حافظ ابراہیم صاحب سے کہا کہ مبارک پور کا حافظ ملت سے دعائے شفا کرائیں۔ اور ہو سکے تو حضرت سے ایک تعویذ لے کر بھیج دیں۔ موصوف نے حضرت سے پیغام عرض کیا اور تعویذ بھیج دیا۔ اس کے چند دنوں بعد حضرت کا عمر آباد کو بہن ایک اجلاس میں شرکت کے لیے تشریف لانا ہوا۔ (مبارک پور سے براہ ابراہیم پور عمر آباد جانے کے لیے راستہ میں خیر آباد سے پہلے دھرم گھاٹ پہنچے جہاں سے اکثر نوٹس ندی پار کر کے ہمارے وطن بھیرہ تک رسائی ہوتی ہے۔ ندی سے بھیرہ تک پہنچنا تقریباً ۱۰ منٹ کا راستہ ہے) اس دن انھیں حافظ ملت اور حضرت مولانا سید حامد اشرف صاحب فریب خانہ پر پہنچے۔ اس وقت میں خیر آباد میں درسیہ العلوم میں زیر تعلیم تھا۔ آواز دی تو ننگے سر باہر نکلا حضرت کو انجانوں دیکھ کر سخت غصہ ہوا، ملاقات کی اور حضرت اندر تشریف لائے، فوراً والد صاحب بھی لے۔ والد صاحب کو دیکھ کر فرمایا آپ کو محنت یا ب دیکھ کر بڑی خوش ہوئی۔ عیادت کے لیے عمر آباد کا ریشہ چھوڑ کر یہاں آگیا۔

### سادگی اور محنت کی قدر:

والد صاحب نے کچھ مٹائی منگائی اور وہی خوش کی۔ یہ قربانیاں بچے کا وقت تھا۔ چائے کے لیے میں دودھ کی تلاش میں نکلا۔ اس وقت بھیرہ میں چائے کا کوئی بوتل بھی نہ تھا۔ چارپ محلہ سے پیچھ محلہ اور دھن محلہ تک گئے دوڑ لگائی، یہ مشکل تمام دھن پور میں محل احمد صاحب کے یہاں دودھ ملا، وہ بھی وہی چائے کے لیے رکھا تھا تھا۔ موصوف کے لاکھ عمر رفیق نے اسی سے ایک ہاؤ دودھ نکال کر دیا۔ اوسرے والوں آیا تو طول انتظار کے باعث سادی چائے حضرت کے سامنے رکھی جا چکی تھی۔ اب دودھ لے کر حاضر ہوا تو فرمایا: دودھ کی ضرورت نہیں، سادی چائے پی جا سکتی ہے۔ والد صاحب نے عرض کیا: "بڑی محنت سے ملا ہے" فرمایا: "جب اس پر محنت صرف ہوئی ہے تو لاء"۔ یعنی محنت کی قدر ضروری ہے اور محنت راہاں نہیں کی جا سکتی۔

چند منٹ مزید قیام رہا۔ دعائیں دیں۔ مولانا سید حامد اشرف صاحب قبلہ سے بھی دعائیں کرائیں۔ اور پھر پیادہ عمر آباد کے لیے روانہ ہو گئے۔ عمر آباد گھاٹ تک میں نے مشاہدات یا متابعت کا فریضہ انجام دیا۔ اس منہ عیادت پر حیرت ہوتی ہے کہ دھرم گھاٹ سے بھیرہ پیدل آنا۔ اور پھر وہاں سے عمر آباد پیدل جانا کارے ہزار

میں وہاں کا باشندہ ہوں مگر جوانی میں بھی یہ مسافت طے کرنے کے لیے مجھے بڑی ہمت کرنی پڑتی ہے۔ ایک بار برادر محرم مولانا پندرہ قادری نے میرے ساتھ عمر آباد سے بھیرہ پہنچنے وقت کہا: اگر یہ آپ کا وطن نہ ہوتا تو شاید آپ بھی ایسی رحمت پیادہ پائی برداشت نہ کرتے، میں نے کہا: بالکل۔ مگر حضور حافظ ملت کے لیے صرف سنت عیادت کی ادائیگی میں یہ ساری زحمات گوارا تھیں۔ درحقیقت ان کے نزدیک ہر ایسے شخص کی بے پناہ قدر تھی جو سنیت سے بھی ہم دردی رکھتا ہو اور مذہب کا سچا خادم ہو۔ یہی جذبہ قدر شناسی و محبت انھیں اپنے خدا کی دل جوئی کے لیے ایسی مفتیں چھیلنے کا ہلکاف آواز دیا کرتا تھا۔ اللھم اوز قضا نصیبنا منہ۔

### مہمان بحیثیت مہمان کی خاطر تواضع:

بارہا سیکڑوں اور ہزاروں افراد کو حافظ ملت کی قیام گاہ درستہ قدیم میں حاضری کا شرف حاصل ہوا ہوگا۔ وہاں جانے والے مہمانوں کے لیے حضرت بخش نفیس چو لھا جلاتے، چائے بناتے، اور چائے، گرمی کا موسم ہوتا تو شربت کا اہتمام کرتے۔ چائے یہ حاضر ہونے والا، ایتھارے و شاگرد ہی کیوں نہ ہو۔ اور کمال تو یہ ہے کہ مہمان اگر ان کے کام میں ہاتھ بٹاتا، یا کوئی خدمت کرنا چاہتا تو ہرگز گوارا نہ کرتے۔ مولوی عبدالحلیم صاحب بھیرہ دی کے والد عبدالشکور صاحب جو حضرت کے مرید ہیں ایک بار حاضر خدمت ہوئے، چاہا کہ کچھ بھلیں۔ گوارا نہ کیا اور فرمایا: "آپ مہمان ہیں۔"

رفیق گرامی مولوی عبدالستار صاحب پر دلایا وی بیان کرتے ہیں کہ بقر عید کی چوٹی میں جو طلبہ در سر میں رہ جاتے، بعد نماز حضرت ان سب کی دعوت کرتے، سویاں، چائے اور بسکٹ سے ضیافت فرماتے پھر سب کو عیدی دے کر ادھس کرتے، وہ ان کا لازمی معمول تھا۔ میں بچوں کو بھیرہ کا ہوں اس لیے بقر عید کے دن مبارک پور میں گذرانے کا اتفاق نہ ہوا (بھیرہ مبارک پور سے ۶ میل دور ہے) قریب ہر ہفت کھر بھیج جاتا تھا۔ تقطیل عید الاضحیٰ میں رکنے کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ اس لیے یہ منتر بچشم خود دیکھنے کا موقع نہ ملا۔ مولانا عبدالستار صاحب بیان کرتے ہیں حضرت خود اپنے ہاتھوں تمام طلبہ کے سامنے چائیاں دیں اور حاضر پہنچاتے۔ ایک بار میں نے چاہا کہ ذرا چائے بناؤں اور طلبہ طلبہ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں۔ فرمایا: مجھو، میں میزبان ہوں۔ ان گرامی الفاظ سے کچھ ایسی حیرت طاری ہوئی کہ مزید کوئی ہمت نہ کر سکا اور اپنی جگہ بیٹھ گیا۔

ہم نے ان کتابوں میں پڑھا تھا کہ امام مالک کے یہاں امام شافعی علیہ الرحمہ تحصیل طم کے لیے حاضر ہوئے تو انھوں نے امام شافعی کو مہمان کی جگہ رکھا اور بحیثیت میزبان خود ان کی خدمت انجام دی۔ امام شافعی فرماتے ہیں: میں اس وقت سخت شرمندہ ہو گیا۔ جب نماز صبح کے وقت میرے استاد امام مالک نے اپنے ہاتھوں، صو کا پانی حاضر



کیا۔ مگر حافظ ملت کے یہاں بارہ سو برس بعد اس کا عملی ثبوت مشاہدہ میں آتا ہے۔ یہ ہے رسول مگرانی و قاری صاحب کی سنت پر عمل اور اسلاف کرام کے اسوۂ حسنہ کی پیروی۔ دور حاضر میں جس کی مثال ملنا بہت مشکل ہے۔ اعزازِ اقرار اور احباب و رفقاء کے ساتھ تو کسی حد تک بعض لوگ اس کی پابندی کر لیتے ہوں گے۔ مگر ان مریدِ سن اور کلاذمہ کی خدمت جو سامنے زانوئے ادب نہ کرنے کے عادی اور دستِ پوسی، قدمِ پوسی اور اکرام و تعظیم کے مشتاق ہوتے ہیں۔ انتہائی نادار بلکہ نایاب ہے۔ اور زیادہ مشکل اس کا التزام اور دوام ہے۔ دو چار بار، دس تیس آدمیوں کے ساتھ کوئی شخص چاہے تو ایسا کر سکتا ہے مگر پوری زندگی سختی سے اس پر عمل در آہ، یہی ہے حافظ ملت کا وہ نمایاں اور امتیازی کردہ جس کی نظیر دھندلے نہیں ملتی۔

قلت وقت کے باعث اتنے ہی پراکتفا کرنا ہوں، توفیق الہی نے یادری کی تو مزید واقعات جلد ہی کسی رسالے میں نذر قارئین کر دوں گا۔ واللہ الموفق لكل خیر وهو المستعان وعليه التكلان۔

### مکتوبات

① ۱۰ شعبان ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۳ اکتوبر ۱۹۶۹ء کو اشرفیہ سے میری فراغت ہوئی۔ تفصیل کلاں کے بعد ۲۰ شوال ۱۳۸۹ھ کو خالص پور اور سیٹھ اعظم گڑھ کے کچھ لوگ آئے، وہ اپنے مدرسہ بیت العلوم خالص پور میں خدمتِ مدرس کے لیے مجھے لے جانا چاہتے تھے، والد صاحب نے ان کے اصرار پر اجازت دے دی۔ مگر میں نے حضور حافظ ملت کو اجازت طلب کی کا خط لکھا اور اپنی کوتاہیوں، تقصیر اور غلطیوں سے معافی بھی طلب کی، جس کے جواب میں حضرت نے مندرجہ ذیل کرم نامہ تحریر فرمایا۔

۷۸۶

از دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

محبت محترم مولوی محمد احمد صاحب زید محمد کرم..... دعاے خیر و سلام مستنون

محبت نامہ ملا۔ آپ کی سعادت مندانہ زندگی اور مخلصانہ، عبادتِ روش اس منزل پر ہے کہ میرے حاشیہ کچھل میں بھی غلطی اور ناراضگی کا کوئی گوشہ نہیں۔ میں آپ کا قص و دعا گو ہوں۔ مولائے کریم ہمیشہ بصحت و سلامتی شاد آباد رہے، دینِ متین کی نمایاں و ممتاز خدمات انجام دلائے۔ آمین  
آپ کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ ابھی آپ اشرفیہ کو کچھ وقت اور دس تو آپ اور زیادہ قیمتی ہو جائیں گے، چنانچہ آپ کے والد صاحب سے میں نے کہا تھا۔

آپ کی اور آپ کے متعلقین کی جو رائے ہو اگر آپ کو خالص پور کی جگہ پسند ہے اور جانا چاہتے ہیں تو میری اجازت ہے۔ اپنے والد صاحب کو سلام کہہ دیجیے، فقط عبدالعزیز مفتی عنہ۔ ۲۱ شوال ۸۹ھ  
اس کے بعد ۲۱ شوال ہی کو تحصیل تعلیم مزید کی خاطر اشرفیہ پہنچ گیا۔ میرے ہم سبق برادر محترم مولانا بدر عالم صاحب بدر القادری زید مجدد کو بھی یہی حکم ہوا تھا۔ وہ مجھ سے چند دنوں پہلے پہنچ چکے تھے۔ ہم دونوں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا: آگے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ فرمایا: میں نے بھی ایک بار ترک تعلیم کا ارادہ کیا تھا۔ صدر الشریعہ کا حکم ہوا کہ ابھی آپ کو مزید پڑھنا ہوگا۔ میں نے قبولِ حکم کی تھی۔ تم لوگوں نے بھی کی۔

اس سے پہلے کسی موقع پر حضرت نے بیان فرمایا تھا کہ غلط پریشانیوں کے باعث میں نے بہت ساری کتابیں پڑھنے سے پہلے ہی دورۂ حدیث لینا چاہا۔ صدر الشریعہ نے فرمایا: تعلیم پوری کرو، خدا حافظ ہے۔ تو خدا نے کسی حکمت فرما کر مزید تین سال اجیر شریف میں گزرے۔ اور اس کے بعد حضرت بریلی تشریف لے گئے تو وہاں بھی حاضر خدمت ہو کر اور ایک سال تعلیم حاصل کی۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

② ۷ اگست ۱۹۷۰ء / ۱۳ جمادی الآخرہ ۱۳۹۰ھ کو بحکم حافظ ملت اشرفیہ چھوڑ کر استاذان محترم حضرت مولانا حافظ عبد الرؤف صاحب قبلہ علیہ الرحمہ اور قاری محمد یحییٰ صاحب قبلہ کی ہمرکابی میں دارالعلوم فیضیہ نظامیہ بانیات، اشپور، ضلع بھاگل پور پر اسے مدرس حاضر ہوا۔ حضرت حافظ جی قبل اور قاری صاحب دو تین دن بعد اشرفیہ واپس ہو گئے۔ پھر میں نے حافظ ملت کی خدمت میں اپنی خیریت و فیروہ پر مشتمل ایک عریضہ لکھا۔ جس کے جواب میں مکتوبہ ذیل کرم نامہ موصول ہوا۔

محبت محترم مولوی محمد احمد صاحب زید محمد کرم..... دعاے خیر و سلام مستنون!

آپ کا خط ملا تھا۔ معروضات زیادہ ہیں۔ جواب میں تاخیر ہوئی۔ آپ کی سعادت مندی، سلامت روی، دینِ پردہ سے قوی امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ آپ دینِ متین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کریں گے۔ دعا ہے خدا کریم آپ کی عمر میں برکت دے، علم و فضل میں وسعت دے، آمین بجاہ حبیب سید المرسلین۔

واللہ اعلم۔ عبدالعزیز مفتی عنہ ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۹۰ھ۔

③ ۱۰ شوال ۱۳۹۰ھ کو حضرت کی ملاقات کے لیے اشرفیہ حاضر ہوا مگر ۱۰ تاریخ کو جمعہ تھا، اس لیے خرام تھا کہ ۱۱ شوال کی صبح کو دارالعلوم فیضیہ نظامیہ پہنچ گیا پھر حضرت ۱۱ کو مبارک پور تشریف لائے، ملاقات نہ ہو سکی۔ میں نے بھی حضرت کو ایک اطلاعی عریضہ لکھ دیا جس کا یہ جواب موصول ہوا۔

از اشرفیہ مبارکپور ۲۴ شوال ۱۴۰۰ھ

محبت محترم مولوی محمد احمد صاحب زیہ محمد کم..... دعوات و فرہ و سلام مستنون!  
آپ کا خط ملا۔ ملاقات نہ ہوئی، مجھے خوشی ہوئی کہ آپ وقت پر مدرسہ پہنچے۔ مولائے کرم پر محبت و سلامتی شاد و آباد رکھے، زیادہ سے زیادہ دینی خدمات انجام دلائے، مخلصانہ دینی خدمات آخرت کا بہت بڑا سرمایہ ہیں۔ سب سے بڑی بنیادی چیز احساس ذمہ داری ہے۔ جس کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہو گا وہ ہمیشہ کامیاب رہے گا۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ خداوند کریم ہمیشہ کامیاب فرمائے۔ آمین۔ محبت محترم جناب مولانا شاہد صاحب و جناب حاجی صاحب وغیرہ سب احباب کو سلام و دعا۔

قطب عبد العزیز مفتی عنہ

(۴) شعبان ۱۴۰۰ھ میں قحطیل کمال کے بعد مکان پہنچا، اس وقت دارالعلوم فیضیہ نظامیہ کے حالات یکہ ایسے دیکھے کہ میں نے وہاں مزید رہنا مناسب نہ سمجھا، اس وقت حافظ ملت عمر آباد گوہر ایک جلسہ میں تشریف لائے تھے۔ ان سے باہر آکر غنایا اور اپنا خیال ظاہر کر دیا۔ پھر اسی موضوع سے متعلق رمضان شریف میں حضرت کے وطن بھوجپور ضلع مراد آباد کے سچے پر ایک خط لکھا جس کے جواب میں یہ گرامی نامہ وصول ہوا۔

محبت محترم جناب مولوی محمد احمد صاحب زیہ محمد کم..... دعوات و فرہ و سلام مستنون!

آپ کا خط ملا جس میں مدرسہ فیضیہ سے مستغنی ہونے کی اجازت طلب کی ہے۔ جواباً تحریر ہے آپ نے وہاں کے حالات اور مستقبل میں مزید خرابی کا اندازہ بتایا تھا۔ اس وقت میں نے آپ سے کہہ دیا تھا کہ آپ کو اختیار ہے۔ دینی اس وقت کہتا ہوں کہ آپ چلتے ہیں۔

میں مدرسہ کا تقرر کرتا ہوں، ہناتا نہیں ہوں۔ مدرسہ اپنی خوشی سے خود چھوڑ دے اُسے اختیار ہے۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اپنے والد صاحب و دیگر احباب سے سلام مستنون کہہ دیجیے، والدہ عا و السلام۔

قطب عبد العزیز مفتی عنہ

(۵) بھاکپور میں مولانا فضل حق غازی پوری بھی میرے ساتھ مدرسہ تھے، وہ رمضان شریف میں ترویج پڑھانے جمشید پور جاتے تھے۔ مولانا ارشد القادری صاحب سے انھوں نے میری تدریس کے لیے گفتگو کر لی۔ اور اپنے اصرار سے مجھ کو جمشید پور لے گئے، چند ہی دنوں کے بعد حافظ ملت کا بھی گرام موصول ہوا کہ مولانا عبد الرؤف صاحب انتقال کر گئے۔ اس سانحہ کی خبر پا کر دوسرے تیسرے دن علامہ ارشد القادری مبارک پور پہنچے۔ غالباً انہیں کے ذریعہ مجھے حضرت کا یہ گرامی نامہ ملا۔

محبت محترم جناب مولوی محمد احمد صاحب زیہ محمد کم..... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت علامہ ارشد القادری صاحب تشریف لائے۔ فرمایا مولوی محمد احمد، مولوی عبد الستار فیض العلوم میں درس رکھ لیے گئے۔ مجھے یہ معلوم ہو کر بڑی خوشی ہوئی، فیض العلوم بھی اپنا ادارہ ہے، اپنا ہی کچھ کر محنت سے کام لےنا ہے۔ بار بار درس اور مدرسہ کی تبدیلی معسر ہے۔ دوقی و اعتقاد جاتا رہتا ہے اور کام بھی نہیں ہوتا۔ بزرگوں نے بتایا ہے یک در یک حکم گیر۔ بہر حال آپ جم کر محنت سے کام کریں میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ عزیز محترم جناب مولوی عبد الستار صاحب کو بہ معنون و احد سلام و دعا۔

قطب عبد العزیز مفتی عنہ

(۱) میں نے بذریعہ ذاک فیض العلوم میں کار تدریس منظور کر لینے کی خبر حضرت کو دینی تھی، اور عرض کیا تھا کہ مولانا عبد الستار صاحب پر ولایت بھی نہیں ہیں۔ مولانا حافظ فضل حق غازی پوری بھی شبر کے مدرسہ دارالقرآن، بھاکپور میں درس ہیں۔ اس کے جواب میں یہ کرم نامہ دستیاب ہوا۔

از اشرفیہ مبارکپور ۱۹ رذی القعدہ ۱۴۰۱ھ

محبت محترم مولوی محمد احمد صاحب زیہ محمد کم..... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا۔ اس کا جواب تو جو ہو سکتا تھا میں نے لکھ دیا ہے بہر حال میں آپ کے اور مولوی حافظ فضل حق اور مولوی عبد الستار صاحب سب کے لیے دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ دین کی خدمت کی توفیق بخشے۔ آپ حضرات کی مشورہ خدمت سے فیض العلوم و ترقی ہو۔ ہام عروج پر پہنچے۔ آمین۔ سب کو سلام و دعا۔ قطب عبد العزیز مفتی عنہ۔

(۲) میں نے اپنے ادنیٰ ذوق اور عربی جدید کی تفصیل سے متعلق حضرت کو ایک خط لکھا تھا۔ جس کا یہ جواب موصول ہوا۔

۸ رذی القعدہ ۱۴۰۲ھ

محبت محترم مولوی محمد احمد صاحب زیہ محمد کم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا محبت نامہ صادر ہو کر مسرت بخش ہوا۔ حصول کمال کا ذوق معلوم ہو کر بڑی خوشی ہوئی۔ مولائے قدیر پہنچائے۔ بہر حال میں کمال عطا فرمائے۔ عربی ادب کی خود ہی کوشش کرتے رہیے۔ باہر جانے کا بھی انتظام ہو جائے گا۔ اپنی سستی سے کم از کم قدیم عربی پر قدرت ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد جدید کے لیے بھی کوئی سبیل نکل آئے گی۔ میری دعائیں شامل حال ہیں اور رہیں گی۔ مدرسین و طلبہ اور علامہ ارشد القادری صاحب کو سلام و دعا۔

قطب عبد العزیز مفتی عنہ

۵) میرے لڑکے محمد احمد مرحوم عرف غلام جیلانی عظیم رضا کی طبیعت عرصے سے خراب رہتی تھی۔ اس کے لیے میں نے رمضان شریف ۱۳۹۳ھ میں حضرت سے تعویذ کی درخواست کی۔ اسی خط میں اپنی علمی معرفیت اور حصول کمال کے لیے اپنی سنی و محنت کا بھی ذکر کر دیا۔ اس کے جواب میں ذیل کا کرامی نامہ اور تعویذات موصول ہوئے۔

۲۳/ رمضان ۱۳۹۳ھ

محبت محترم جناب مولوی محمد احمد صاحب ذیل محمد کم..... السلام علیکم ورحمۃ  
یہ جملہ بڑا ہی پیارا تھا کہ حصول کمال کی کوشش کر رہا ہوں۔ خداوند کریم آپ کو بالکمال کرے۔ عمر میں برکت، علم،  
فضل میں وسعت عطا فرمائے، آمین۔ بچے کا تعویذ روانہ ہے۔ بچے کے لیے بھی تعویذ ہے جس پر تا کہ بندہ چلے۔  
تاخیر جواب کا سبب میری علالت و مصروفیت ہے۔ عید الفطر عفی عنہ

## حضرت آسی کی شاعری کا اعتقادی و اصلاحی رنگ<sup>(۱)</sup>

آسی مست کا کلام سنو  
وعدہ کیا، پھر کیا، نصیحت کیا

حضرت آسی کا کلام دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک غفلوان شباب اور دور جوانی کا، جب عشق سخن اور  
شاعری میں شرکت کا زمانہ تھا۔ اس دور کی شاعری میں معشوقان مجازی کا بھی ذکر ملے گا اور اسے شیخ یا کسی بزرگ یا  
مدنی عزوجل پر محمول کرنا بہت زیادہ تکلف کے بغیر ممکن نہ ہوگا۔

مثلاً ایک بار مقبرہ بنگرانی نے مومن کا یہ شعر طرح مشاعرہ میں دیا:

کھول دو وعدہ کہ تم پردہ نہیں ہو نہ وصال  
اپنی زلفوں کی طرح بات بتاتے کیوں ہو

اس شعر میں ”وعدہ کھولنا“ خلاف محاورہ ہے اور وصال کی پردہ نشینی بھی عقل کلام ہے حضرت آسی نے اس  
طرح پر غزل کہی جس میں متعدد اشعار بلا تکلف حسن حقیقی پر محمول ہو سکتے ہیں۔ مگر مشاعرے میں غزل پڑھتے  
پڑھتے جب اس شعر پر پہنچتے تو مقبرہ صاحب سے آنکھ ملا کر فرمایا کہ دیکھیے محاورہ یوں نظم کرتے ہیں۔ اشارہ یہ تھا کہ  
مومن محاورہ نظم کرنا چاہتے تھے، نظم نہیں کر سکے۔ شعر یہ ہے:

تم پری زاد ہو، وعدہ تو پری زاد نہیں  
آپ اڑتے ہو اڑو، بات اڑاتے کیوں ہو<sup>(۲)</sup>

دراصل بعد کی شاعری کا ہے جس میں بچگی، سلاست اور برجستگی کے ساتھ یہ بھی نظر آئے گا کہ اس کا تعلق  
مثنوی عشق سے ہے یا اس کے ذیل میں ہے مثلاً اپنے مرشد، کسی شیخ سلسلہ، ذات سرور، کائنات یا ان کے آل و اصحاب

(۱) اکبر علی شاہ صاحب مولانا محمد اسلم آسی قادری مدظلہ العالی نے اپنی کتاب ”۲۰۰۰“

(۲) اکبر علی شاہ صاحب، ص: ۵۵۔ مختصر حالات از حضرت سید شاہ علی ہجویری علیہ الرحمہ۔ تاریخ شامت: تدار، ماہ: ۱۹۹۶ء کے شمارہ کی اشاعت  
سے بہت قبل انجیل ایڈیشن ہوگا۔ انجمن فیضانِ شریعتی، کراچی، نکلنے کے شائق کیا، اگلے حوالے بھی ایڈیشن کے دو۔ محمد احمد مصباحی

میں سے کسی کو طوطا نظر رکھ کر شعر کہا گیا ہے۔ اور بیش تر مقالات پر عشق مجازی کا شیدا شعر کو پاسانی اپنے مطلب پر بھی محمول کر سکتا ہے۔

حضرت آسی کے کلام کا بڑا حصہ وحدۃ الوجود کے گرد فخر ہے مگر اس میں بھی جو اظہار کا پاکین، اندام بیان کا تنوع، طرز تنبیہ کی دل کشی، معانی کی شوکت اور خیالات کی ندرت ہے وہ آپ کے قلم کا خاص حصہ ہے۔ فرماتے ہیں:

پاؤں سے ہو کہ سبز وحدت کیا

ما سوا کی بھلا حقیقت کیا

(ص ۱۰۴)

وہ کیا ہے ترا جس میں جلوہ نہیں ہے

نہ دیکھے تجھے کوئی اندھا نہیں ہے

(ص ۱۱۷)

بصارت ملی ہے ان آنکھوں کو جب سے

سوا تیرے کچھ میں نے دیکھا نہیں ہے

(ص ۱۱۷)

بے جوابی یہ کہ ہر شے میں ہے جلوہ آشکار

مگر تو گفت اس پر وہ کہ صورت کج نادیہ ہے

(ص ۱۰۹)

تم نہیں کوئی، تو سب میں نظر آتے کیوں ہو

سب تمہیں تم ہو تو پھر منہ کو چھپاتے کیوں ہو

(ص ۱۵۷)

کیا نیستی بہت فنا کی ہستی

دھوکے سے بھری ہے ما سوا کی ہستی

آسی اس دھوکے میں نہ آتا ہرگز

ہستی ہے اگر تو بس خدا کی ہستی

(ص ۲۹۱)

کلام آسی کا بیش تر حصہ غزلوں پر مشتمل ہے، یہاں تک کہ خود فرمایا:

(ص ۲۷۴)

مگر غزل کا دامن بڑا وسیع ہوتا ہے، اس میں ہر قسم کے مضامین سامنے آسکتے ہیں اور اس میں ہر شعر مستقل ہوتا ہے، اس لیے الگ الگ اشعار میں متنوع اور مختلف خیالات کا اظہار پاسانی ہو جاتا ہے۔

اس لیے غور کیا تو حضرت آسی کی غزلوں میں جہاں وحدۃ الوجود اور حسن و عشق کا جلوہ کثرت سے ہے وہیں عقائد کا بیان، حسن عمل کی ترغیب، آرائش قلب کی تاکید، صدق طلب کی تعلیم اور راہ سلوک کے رموز بھی جابجا جلوہ نشاں ملتا۔ سب پر باضابطہ تبصرہ تو مشکل ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ چند عنوانات قائم کر کے اشعار پیش کر جاؤں تاکہ کام آسی کا یہ رخ بھی طوطا خاطر اور زیب نظر ہو۔

مقالات کے مضامین و مظاهر یہ نظر ہو تو ہر ان ایک نئی شان ہے:

مزا ہر آن میں ہے شان نو کا

مگر جب دل نہ ہو فاضل ہمارا

(ص ۹۳)

نور مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء ہر حقوق میں جلوہ نما: حدیث پاک کی روشنی میں اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ سب سے

بڑے نور مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی تخلیق ہوئی، پھر اسی سے ساری کائنات پیدا کی گئی اس لیے ہر شے کے وجود میں نور

مصطفیٰ کا شمول و ظہور ہے۔ اسی حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے غزل زن ہیں:

جو شے تری نگاہ سے گزرے درود پڑھ

ہر جزو و کل ہے منظر انوار مصطفیٰ

(ص ۲۰۱)

وہی نور ہے اصل ارکان عالم

انہیں نے جو عالم ہے سب شان عالم

وہی جسم اطہر ہوا جان عالم

”ہم سے دین محبت سلطان عالم

کے کو بود پائمال محمد“ ﷺ

(تخصیص پر کلام جاہی ص ۲۳۷)

محبت کی کار فرمائی: جو دلِ حمِ عشق سے آباد ہے اس کے لیے ساری آسائشیں تیار ہیں اور جو اس سے خالی اور  
دیران ہے وہ دائمی سوزش اور کلفتوں کا شکار ہے۔ بڑی صفائی سے فرماتے ہیں:

جس نے کچھ حمِ محبت کا نہ بویا دل میں  
ایسا ہی دل ہے سدا آگ میں جھلنے کے لیے  
(۱۳۵)

جس نے کچھ حمِ محبت کا ہے بویا دل میں  
ہے سدا باغ میں وہ پھولنے پھلنے کے لیے  
(۱۳۵)

بارگاہِ رسول تک رسائی خدا تک رسائی ہے: اسے کتنی تاکید اور یقین محکم کے ساتھ بیان فرماتے ہیں:

عشق ہاؤ جو شے ہر دوسرا تک پہنچا  
وہ خدا تک ، وہ خدا تک ، وہ خدا تک پہنچا  
(ص ۹۳)

جوازِ توکل: توکل کے خلاف منکرین کتنی ہرزہ سرائیاں کرتے اور اسے شرک تک پہنچانے کی جہالت بندھا کرتے ہیں  
مگر حضرت آئی بڑی سنجیدگی اور دل کشی کے ساتھ ان کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نسبتِ شرک بجز تہمت بے جا کیا ہے  
دل ہے جب اس کی طرف ، رخ ہے وصال کی طرف  
(۱۳۸)

لٹے والوں سے رو پھیر کر  
اس کے لٹنے کی اور صورت کیا؟  
(۱۴۰)

راہِ حق کی ہے اگر آئی تلاش  
خاکِ رہ ہو مردِ حق آگاہ کی  
(۱۸۱)

عقیدہ شفاعت: شفاعت کا مضمون بہت سے بزرگوں نے اپنے اشعار میں گونا گوں انداز میں باندھا ہے۔ حضرت آئی  
کے بھی انداز کی نزاکت اور اعتقاد کی صداقت دیکھیں:

گناہ گار ہوں میں داعی! تمہیں کیا فکر  
مرا معاملہ چھوڑو شفیعِ عشر ہے  
(۱۴۰)

وہ رے الفت اپنی امت کی  
مجھ سے بے کس کی بھی شفاعت کی  
(۱۷۷)

ہم ایسے فرقِ دریائے گنہ جنت میں جا چکے  
تو ان لفظِ صوبِ شفاعت ہو تو ایسی ہو  
(۱۵۳)

فیہو جم، حسن کے وہ حفاطِ جملے:

نیم کیسی جیم کیسی، کرشمے سدا سے یہ حسن کے ہیں  
کسی کو لوٹا ثواب ہو کر، کسی کو مارا عذاب ہو کر  
(۱۱۹)

اقتدار و اعتماد: سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ و التحیات اپنے رب کی عطا سے صاحبِ تعریف و اختیار ہیں، جہاں چاہیں  
وہاں پہنچ سکتے ہیں، دور افتادہ درو مندوں کی چادر سازی اور طالبانِ امداد کی فریاد کی ان کی رحمت عام اور اختیارِ عظیم  
کے ظہور کی طرح قابلِ انکار وارتباب نہیں۔

کیوں نہ کھنچے میری فریاد کو وہ بلِ بھر میں  
جو پلکِ مدنے میں عرشِ خدا تک پہنچا  
(۹۳)

حب آلِ رسول:

زندگی کا نہ ابا خاک ہو حق آئی  
جان جب خاک رہ اہلِ پیہر نہ ہوئی  
(۱۷۳)

ہے فجرِ جہاں آئی ان کی غلامی  
اسی میں کلمات کی ہے تہائی  
نہیں رہتی ہے پختہ کاروں میں خالی



”ہمدرد و صفائے چہن گشت جان  
”غلامِ غلامانِ آلِ عمر“ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ وسلم  
(تخصیص - ص ۲۷)

ہمدرد:

ہمدرد پادشاهِ نبی میں آتی  
جیت جیتے ہر پاد کی ہے  
طلبِ راہِ خدا میں لیکن  
بیرونی حیدر کرد کی ہے  
(ص ۱۹۹)

پادشاہِ قادریہ:

دل ہے آتی فدائے خوفِ پاک  
جانِ شہا جتائے خوفِ پاک  
جائے اس کو ولی اللہ کا  
جس کے دل میں ہو ولایے خوفِ پاک  
گردش ہوں اولیا کی، زیم کا  
کون ایسا ہے سوائے خوفِ پاک  
زیم فرماں ہیں زمین و آسمان  
رنگِ سلطان ہے گدائے خوفِ پاک  
روزِ محشر آگیا ہے چارہ کو  
بخشا یا رب برائے خوفِ پاک  
(ص ۳۱)

پوچھتے ہو شہرِ جیلاں کے فضائل آتی  
ہر فضیلت کے وہ جامع ہیں نبوت کے سوا  
(ص ۱۰۶)

شوقِ دیدارِ رسول:

کہتے ہیں تم کو جو دیکھا تو خدا کو دیکھا  
غلاب میں بھی تو میسر ہو یہ دولت مجھ کو  
(۱۶۶)

دیدارِ انبی:

ہوں مجھ پر مگر حسرتِ دیدار نہ بوجھ  
جلوہ تیرا ہو تو دوزخ بھی ہے جنت مجھ کو (۱)  
(۱۶۶)

(۱) کریم کی اہل المسند المعتمد بقاء نجات الابد ۱۳۲۰ھ (للإمام أحمد رضا القادري الملبوي ۱۲۷۲ھ - ۱۳۱۰ھ) شرح المعتمد المتفقد ۱۲۷۰ھ (للعلماء فضل الرسول الباديوني ۱۲۱۳ھ - ۱۲۸۹ھ) کل ایک مل چپ مدت پڑاتی ہے جس کی بحث کے تحت ہے کہ جو شخص ظاہر اطلع و فرماں بردار ہے اور علم الہی میں (یعنی باطن) بھی ایسا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے خطاب دے۔ یہ عقلاً ممکن ہے یا نہیں؟ ان شریعت کہتے ہیں کہ ممکن ہے، مگر یہ یہ کہنے کی کیا مثال ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے اس ناس میں سے کسی شریعت کا مذہب اختیار کیا ہے اور اس پر دلیل قائم کی ہے۔ اسی دلیل میں تحریر فرماتے ہیں:

ولا مانع عقلاً أن يسجل الرث سبحانه وتعالى حل بعض من في النار و برقه روبة وجهه الكريم رحمة منه، فإن الرحمة واسعة لا تحصر فيها، وكذا لا امتناع عقلاً أن يربط المولى سبحانه وتعالى حصول ذلك لمن يشاء مدخول النار، فيحقق أن ذلك الإيلاء لرفع الدرجات، و جليل العنوبات، كما كان يكون في الحياة الدنيا، ولا والله لو فعل الله سبحانه وتعالى ذلك لرأيت عباده المخلصين إلى السار نهرين، وفي طلبها مسرعين، و عن الجنة هاربين، كهم بهم عن الشهوات الدنيوية طلباً لوجه الحق المبين، و الحمد لله رب العالمين. (ص ۸۰) - اشاعت المجمع الإسلامي مبارک پور

(تخصیص) عقلاً کوئی بات اس سے مانگ نہیں کہ رب سبحانہ و تعالیٰ جہنم میں داخل کسی شخص پر اپنی رحمت سے نفی فرمائے اور اسے اہل دوزخ اور عذاب سے لے کر رحمت میں بڑی رحمت ہے، کوئی رکاوٹ نہیں۔ اسی طرح عقلاً یہ بھی محال نہیں کہ مولا سبحانہ و تعالیٰ جس کے لیے چاہے اپنے لیے ہر کاحصول، دخول تیرے واسطے فرمائے تو جبریت ہو گا کہ وہ اہل رسائی جہنم پر غلبہ اور رحمت اور عظیم ثواب و عطا کے لیے ہے جسے اللہ طاقت و معرفت پر دنیاوی زندگی میں مصائب و آلام کا نزول باندی درجہ و ثواب کے لیے ہے۔ اگر اللہ سبحانہ کی طرف سے ایسا ہوتا تو فی قسم اس کے شخص جسے ہے تمنا جہنم کی طرف دہڑتے، اس کی طلب میں تیز کام اور جنت سے گرجاں نظر آتے، جیسے آج وہ اس کے دہائی طلب میں دنیاوی خواہشات و شہوات سے گرجاں ہیں۔ اور تمام حمد اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ معلوم ہو کہ کل شخص و عارفین کے نزدیک رب کریم کا دے اور مثال حق کا مشاہدہ وہ عظیم نعمت اور دہائی و بلند والا مقصود مطلوب ہے کہ اس کا حصول اگر جہنم میں جانے پر موقوف ہو تو ان میں جہنم ہی محبوب ہے۔ اور بلند عارف ربانی حضرت آتی قدس سرہ النورانی:

ع جلوہ تیرا ہو تو دوزخ بھی ہے جنت مجھ کو

واعظو ! اس کو دیکھ لو جبکہ  
پھر کہو حور کیا ہے جنت کیا  
(۱۰۳)

یاد دہی اور محبت و مروت:

وہاں تکلیف کے یہ کہنا صبا سلام کے بعد  
کہ تیرے نام کی رت ہے خدا کے نام کے بعد  
(۱۱۵)

نہ میرے دل، نہ جگر پہ نہ دیہۂ تر پہ  
کرم کرے وہ نشان قدم تو پھر پہ  
(۱۲۰)

ملاحت بھی تو پیدا کر لے دل مضر  
بٹا ہے نقش کف پائے پر پھر پہ  
(۱۲۰)

انہر وقت ہے آئی چلو دینے کو  
نہ ہو کے مرد تربتِ حیدر پہ  
(۱۲۰)

وصف رخ و نور و صمیم روح و ہمد:

پر تو عاشق ہے صبا نور کا  
زلف مسرور ہے سکندر پور کا (۱)  
(۱۰۷)

(۱) حضرت سید شاہ علی ہزین شریعت اللہ تعالیٰ علیہ نے میں العارف پر اپنی تصانیف تحریر میں لکھا ہے: حمرائے حق کی صفات ہوئی کی تعریف تمام شعرا نے کی ہے۔ حمرائی صفت ہوئی محض خیال ہے اس لیے کہ جب تک صفت و صفہ و خال کے جذبہ میں رہتا ہے تو حیدر ہر نسبت کا محض ہے۔ حضرت نے حمرائے سکندر پور کی تعریف جس خوبی سے کی ہے وہ اپنی فکر آپ ہے۔ سکندر پور کے طرف میں گلاب، چری، چنبیلی اور بیچ کی کاشت ہوتی ہے اور دریائے گھاگرا بھی قریب ہے {غرض اس سے لہجہ اس حمرائے زلف صغر زنی تشبیہ علی چری در گل اور کیف آئیں ہے۔ مصباحی}۔ نو بین العارف تذکرہ المصدا ص ۵۱۔

نقد حسن کی قصہ کوئی کیا کہنے  
نظر ٹھہرتی نہیں عاشق منور پہ  
(۱۲۰)

وہ جسم تھا یا کوئی گل تر، صمیم جس کی وہ روح پرور  
چہرے سے گزرتے بسا وہ رستا، بھاپینہ گلاب ہو کر  
(۱۱۹)

امید مضر، ہلاکت کی اور قوت دہا:

واعظو! مرا معاملہ میرے خدا کو سونپ  
بندہ گناہ گار ، وہ آمر زگار ہے  
(۱۸۹)

اعمال کی پریش جھے، ہم کو یہ نقص  
رحمت تری بڑھ کر ہے کہ تقصیر ہماری  
(۱۸۳)

نہ بخاری کو شرم آئے نہ غفاری کو فخرات ہو  
قیامت میں ترا بندہ ترے آگے نصیحت ہو  
(۱۵۶)

گناہ گار کی سن لو تو صاف صاف یہ ہے  
کہ لطفِ رحم و کرم کیا پھر انتقام کے بعد  
(۱۱۵)

اصل مطلوب دہا رہی درخشاں فیض و حصول جنت و دوری جہنم:

مری نظروں میں تو ہو، در تراء تیری محبت ہو  
نہ دنیا ہو، نہ عقیق ہو، نہ دوزخ ہو، نہ جنت ہو  
(۱۵۶)

سوا تیرے نہ مائل ہو کسی پر، وہ طبیعت دے  
تری الفت ہو، تیرا شوق ہو، تیری محبت ہو  
(۱۵۶)

مجھ کو ہمارے عشر سے غرض  
بس تمنا ترے دیار کی ہے  
(۱۹۹)

خوف و دوزخ ، نہ حرص جنت کی  
بے غرض میں نے تجھ سے الفت کی  
(۱۷۷)

اس کے کوسے میں کہیں کس کس نیم درجا  
خوف و دوزخ بھی نہیں ، خواہی جنت بھی نہیں  
(۱۴۹)

تاب و دیار جو لائے مجھے وہ دل دینا  
منہ قیامت میں دکھا سکے کے قابل دینا  
(۹۲)

اصل فتنہ ہے قیامت میں بہار فردوس  
بڑے ترے کچھ بھی نہ چاہے مجھے وہ دل دینا  
(۹۲)

اس سے مانگا بھی اگر کچھ تو اسی کو مانگا  
دیکھنا حوصلہ و صبرِ سائل کی طرف  
(۱۲۸)

صدق طلب اور غلو صفت کی تعلیم : عابدین میں کوئی جہنم کی کشتوں سے بچنے کے لیے رب کی عبادت کرتا ہے، کوئی جنت کی آسائشیں پانے کے لیے مشقت و ریاضت میں گزارتا ہے مگر عارفین کا مطلوب جہاں حق کا دیار اور روضے صفا کا حصول ہوا کرتا ہے، اس لیے قاصرین کے حوصلوں کو ہمیز کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اور صبر بلند کر اے شیخ  
طمع و خوف کی عبادت کیا  
(۱۰۴)

بارغِ رضوں بھی بارغِ ہے آخر  
سیرِ گل کے لیے ریاضت کیا

اس سے دل جو ہمیشہ ساتھ رہے  
بے وقاص سے لطفِ محبت کیا

عشق کی راہی:

عشق کامل ہو تو مرشد نہیں ایسا کوئی  
خود دی قبلہ دی قبلہ نما ہوتا ہے  
(۲۲۱)

پُروردہ راہ طلب میں نہیں ہمت کے سوا  
راہبر کوئی نہیں جو شِ محبت کے سوا  
(۱۰۶)

فریادِ دل:

کشور کشا وہی ہے جسے ہو فتح دل نصیب  
شہابی اُسی کی جو کہ ہو فرماں رواے دل  
(۳۶)

صدقے میں اپنے ہاتھوں اطہر کے یا علی  
آئی کو اپنے کیجیے خیرِ کشائے دل  
(۳۶)

اصلاحِ قلب کی تعلیم : دل ہی وہ مسکن ہے جہاں حسن محبوب جلوہ نما ہوتا ہے۔ اسے اگر درست و عیادت نہ کیا تو استہلال و اگر مایہ کا کچھ حق ادا نہ ہوا، دیگر مسکن کو تھانے ستونہ میں اس کے خاص جلووں کو بسانے کا اہتمام کہاں؟ اس طویل و تمام بیان کو چند سادہ و عام فہم اور دل نشیں لفظوں میں تمام و کمال سیٹھا، ساتھ ہی طالبانِ رملوک تربیت اور فہمائش کے لیے صرف مختصر اور مرشد کامل ہی کا حق ہو سکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

دل جو تھا خاص گھر اس کا ، نہ بنایا افسوس  
سجد و قیام بنایا کرو، کیا ہوتا ہے  
(۲۲۱)

حاجتِ دنیا پر علم اور زندگی حریفانہ دنیا دل لگانے کے قابل نہیں، اس میں ہر دم کوئی تازہ آفت و مصیبت رونما

ہوتی رہتی ہے، اس کے لیے بقا اور دوام نہیں اسی لیے دارقانی سے موسم ہے، اس کا انعام بڑا بھلیکھ اور دردناک ہے۔  
مضمون اگرچہ پامال ہے مگر اختصار کا کمال، طرزِ ادب کی دل کشی اور اثر آفرینی کا امتیاز اپنی جگہ آپ ہے۔ فرماتے ہیں:

کمال اس کا قیامت ہے قیامت

وہ آفت کی جگہ ہے دارقانی

(۱۷۵)

دنیا کی رعینوں میں الجھنا، اپنے کو آفات و آلام کی زد پہ لانا ہے اور اس سے بے تعلقی میں ہر طرحِ عافیت ہے مگر لوگوں کا حال یہ ہے کہ راحت چھوڑ کر بے فائدہ کلفت میں جھنٹے ہیں۔

ترک دنیا تو ہے دنیا طلبی سے آسان

چھوڑ کر سہل، مہم جاتے ہیں مشکل کی طرف

(۱۷۸)

مرشد کمال کی شان یہی ہے کہ وہ دلوں کو فریب دینا سے آگاہ و خبردار اور داریابی کی نعمتوں کا عاشق و طلب گار بنائے۔

اشعارِ بالا میں یہ شان جلوہ گر ہے۔

**فصلِ حسیہ:** ہل دہل و دولت کی محبت انسان کو آخرت سے غافل اور بہت سی معصیتوں کا عامل بنا دیتی ہے، ہر مرشدِ ذمہ داری یہ ہے کہ انسان کو معصیت سے بیزار، نیکیوں کا خوگر اور آخرت کا شیدائے اس لیے آخرت سے غافل اور معصیت کا مرتکب بنانے والی محبت سے جود کو خالی نہ کر سکے وہ اپنے فرض کی ادائیگی سے قاصر ہے اور جو بقی تعلیم و تربیت کے ذریعہ حسبِ حال کو بالکل فنا کے گھاٹ اتار دے وہی مرشدِ کمال ہے، بعض سلسلوں میں ارشاد کی تکمیل کیسے گری کی تعبیر ہوتی ہے تاکہ حاجت و اضطرار کے وقت صاحبِ منصب ارشاد کسی کا دست نہ ہو مگر یہی کیسے گری سونا بنانے کا فن تھا: نہیں بلکہ دل میں پائی جانے والی حسد و رگوں کو اچھی طرح نشتر کرتا ہے۔ فرماتے ہیں:

کیسیا گر وہی درویش ہے میرے نزدیک

ہوئی زر کو کرے خوب جو ٹھٹھا دل میں

(۱۷۶)

تاکید و توجہ: عمل میں آئے بلکہ سارے مومنوں کو عمل کا پابند بنانا، آخرت کی رسوائی اور حسرت و افسوس سے بچاؤ اور حسد۔ عمل کو ہمیشہ نہ کرنا ایک عالم و مرشد کی اہم ذمہ داری ہے، اس کا کچھ نمونہ حضرت آسی کے اشعار میں بھی

زیادہ سے ملاحظہ ہو:

روزِ بزمِ جزا ہے اور غالی اپنے ہاتھ  
جب بکھنا تھا نہ کچھ، آج بچھتے ہیں کیوں

(۱۷۵)

بہرِ ہر روز، فرما مگر اے آسی  
آج ہی چاہیے اندیشہ، فرما دل میں

(۱۷۷)

رات ہے رات تو بس مردِ خوش اوقات کی رات  
گریہ شوق کی، یا لادِیِ مناجات کی رات

(۱۷۸)

محسنِ صورت کے لیے غریبی سیرت ہے ضرور  
مکل وہی جس میں کہ خوشبو بھی ہو رگت کے سوا

(۱۷۶)

توضیح کی تعلیم و تامل:

فائدہ دہی سببِ آمدے سالک ہے  
جو ملا خاک میں آس، ڈیرِ تالیب ہوا

(۱۸۲)

سرخندوں کو ہے ٹھٹھا لازم  
یہ صدا گنبدِ کلاں کی ہے

(۱۸۹)

عادت رکھنا فردوسی کی اے دل  
نعمت نہیں بھائی ہے کسی کی اے دل

کھول آنکھ چاہ بھر سے عبرت لے  
بے مضر ہے جس نے سرکشی کی اے دل

(۱۸۶)

ڈرتے سے جو دیکھنے میں کم تر ہوں گے  
تیرے لیے وہ بھی میرا نور ہوں گے  
اے دل نہ بڑھتی کسی کی کرتا  
ہاں خاک کے ایک روز برابر ہوں گے

(۲۸۱)

اور بھی کچھ دل کش موضوعات اور دل نواز اشعار تھے جو میں نے فرصت کی کمی کے باعث ترک کر دیے، جیسے شامل مضمون اشعار پر تھوڑا تھوڑا تبصرہ اسی وجہ سے قلم اٹھا رہا ہوں۔

بہر حال حضرت آسی کی غزلیں جہاں ان کے مذاق عشق اور ذوق معرفت کی ترجمانی کرتی ہیں وہیں ان کے حسن اعتقاد، بلند اخلاق، اور جذبات اصلاح و عمل کی بھی عکاسی کرتی ہیں۔ اور انہماک کی برجستگی، طرز ادا کی دل کشی، قوت تخیل کی کار فرمائی اور معنی آفرینی تو پورے کلام پر چھائی ہوئی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ اہل ذوق نے مختلف چیزوں سے ”میں العارف“ کا جائزہ لیا ہے اور ہمیں حضرت آسی کے شاعرانہ کمالات سے بھی روشناس کیا ہے۔ خدا کرے اس کی ضوابطی عام سے عام تر ہو۔

شب جمعہ ۲۹ رجب ۱۴۳۵ھ / ۱۵ مئی ۲۰۱۴ء



## بلغ اسلام اور کتاب التصوف<sup>(۱)</sup>

کتاب التصوف مستحق ہے ”لطائف المعارف“ کا وہ ایڈیشن ہمارے سامنے ہے جو اہل دیوبند کی پہلی کوشش، دریاغ، فی اہل سے ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا۔ اس میں مکمل ایڈیشن کا کوئی حوالہ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ کتاب پہلی بار کب اور کہاں سے شائع ہوئی۔

ابتداء میں حضرت مبلغ اسلام کے داماد ڈاکٹر فضل الرحمن انصاری کے قلم سے ایک تعارف شامل ہے بعنوان: ”بلغ اسلام مولانا سر شہناشاہ محمد عبد العلیم العسکری قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دینی خدمات کا مختصر تعارف۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب حضرت کے وصال کے بعد اور ڈاکٹر صاحب کی حیات میں شائع ہوئی۔ صفحہ ۱۲۸ پر حضرت مدنی کی یہ عبارت ہے: ”نظریات اور اصول تصوف، یعنی اس مبارک فن کا علمی شعبہ، بحول اللہ وقتاً بوقتاً ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کو درسی جلد میں با تفصیل ملے گا“ یہاں بریکٹ میں لکھا گیا ہے (جو سونہ، افسوس! نہ مل سکا)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کے دو حصے تھے، حصہ اول میں تصوف علمی کا بیان، حصہ دوم میں تصوف عملی کا ذکر کر دوسرے حصے کا سونہ نہ مل سکا اور ایک اہم علمی و روحانی خزانے سے ہم محروم رہ گئے۔ حصہ اول کے خاص عنوانات یہ ہیں:

مقدمہ: تلاش حق: ص ۱، حقیقت روح: ص ۸، اغذیہ روحانی: ص ۱۲، امراض روحانی: ص ۳۳، ضرورت توحید: ص ۱۸، تزکیہ قلب: ص ۲۰، علم تصوف: ص ۳۳، التوبۃ: انصوح ہے دل کی توبہ: ص ۴۳، سلوک نقشبندیہ مجددیہ: ص ۴۵، سلوک قادریہ: ص ۶۲، سلوک سہروردیہ: ص ۶۳، سلوک حضرات چشت اہل بہشت: ص ۷۰، چشتیہ و قادریہ کے کچھ دیگر اذکار: ص ۸۳، مشاہدے کے بعض طریقے: ص ۹۱، سلوک طریقت و احکام شریعت: ص ۹۳، دنیا کے دوسرے مذاہب اور ان کا سلوک: ص ۱۱۶، فیہر: مسیح مژدہ نور بنی و نظر بندی اور بھان متی کا مانگ: ص ۱۳۳، ختم کتاب۔ یہ فیہر خان ڈاکٹر فضل الرحمن انصاری کا لکھا ہوا ہے۔

کتاب کے مضمون کے ساتھ اس کی زبان، انداز بیان اور طرز تفہیم نے بھی مجھے بہت متاثر کیا۔ تصوف کے

(۱) لکھنؤ حرم محمد شاہی، مبلغ اسلام نمبر ۱۵، ص ۵۰



خشف اور چچیدہ مضامین کو ایسی دل کش زبان اور اثر انگیز اسلوب میں پیش کرنا مضامین میں تبحر کے ساتھ زبان و بیان پر قدرت اور استاذانہ مہارت کی دلیل ہے۔ یقیناً وہ ایک شیخ کامل، دعوت حق کے ماہر، ہندوگان خدا کی جاہلیت کے لیے درمند اور انھیں راہ راست پر لانے کی مساعی جلیلہ پر کار بند تھے۔ جزاء اللہ عنا ومن المسلمین خیر ما یجری بہ عبادہ العالین المخلصین۔

میں چاہتا ہوں کہ قارئین بھی کسی قدر اس کتاب سے بہرہ مند اور اس کی زبان سے لطف اندوز ہوں۔ اس لیے اگلی سطور میں اس کے اقتباسات زیادہ پیش کروں گا اور اپنا تہجد بہت مختصر کروں گا۔ ناظرین، کتاب کی عظمت و افادیت سے از خود آشنا ہوں تو زیادہ اچھا ہے۔ یہ خیال رہے کہ پوری عبارتیں نقل کرنا زیادہ دشوار ہے اس لیے تفصیل اور کچھ حذف و اضافہ با تسہیل کی راہ اہلانی جائے گی۔ اہل تحقیق کے لیے اصل کی مراجعت ضروری ہے۔ انکم الماکین اور اپنے منعم حقیقی سے قرب و صل اور اس تک باریاب کرنے والے نفس قدسی کی پیروی اور انسانی کافر کی تقاضا اور یقینی قریضہ ہے، اسے دل نشیں کرنے کے لیے ابتدائیوں کی ہے:

”مہر کے قائل خالق کون و مکمل، نعمت کے مستحق سید انس و جان، اس نے سارے عالم کو بنایا، انھوں نے عالم کو مقصد حیات بتایا۔ اس کی نعمتیں، اس کا کرم ایسا عظیم کہ کتنی بھی کوشش کرو گنا اور شمار کرنا اور گھبرنا محال، ان کی رحمت ایسی وسیع کہ جو کچھ ملا انھیں کے صدقے، جو کچھ بنا انھیں کے طفیل میں۔ مگر وہ اپنے بد قسمتی (ان کوئی کائنات کی بنیادی) پان کی گھوری بلکہ معمولی ایک الاچھی بھی دے تو آداب کے لیے جھک کر سلام کریں۔ کسی نے ذرا سا احسان کر دیا تو شکریہ ادا کرتے کرتے زبان سوکھتی ہے۔ کوئی قوت رکھتا ہے، نعمت رکھتا ہے، دولت مند ہے تو ہزار جتن کیے جانے ہیں کہ اس سے روایط بڑھیں، تعلقات پیدا ہوں، ہم اسے پہچانیں، وہ ہمیں جانے۔ معمولی سلام دعا نہیں، دوسری تہجد بلکہ محبت اور محبت بھی بے تکلف محبت کسی نہ کسی طرح حاصل ہو ہی جائے۔ کون ہے جسے بادشاہ کا مقرب بننے کی تمنا نہ ہو۔ کون ہے جس کے دل میں دنیا کی محبت کا درد رہ کر چنگیاں لیتے ہوئے ہر اس قوت اور صاحب قوت دولت اور صاحب دولت، دنیا اور الہی دنیا سے ہم آغوش ہونے کے دلوں نے پیدا کرنا ہو۔

مگر یہ حقیق ہوتے ہوئے کہ دنیا کا بنانے والا وہ پروردگار، دولت کا دینے والا وہ کردگار، ساری چیزوں کا دہی والی و عطا (اسی سے غفلت دے تعلق لوگوں کا شعاع) اصل کو چھوڑنا اور شاخوں سے لٹکانا، یکس کو چھوڑنا اور مکان سے دل لگانا، اس سے زیادہ بے سمجھی کی بات اور کیا ہوگی؟ ہوش کی آنکھیں جب کھلتی ہیں، مشکل کے ناخن جب لے جاتے ہیں، خواہ جس درست ہوتے ہیں۔ بندہ اس کے عرفان اس کی پہچان کے دریاے ناپید کنار میں غواہی کے لیے قدم اٹھاتا ہے۔ مگر ہا و صف کمال ظہور، وہ ایسا مستور کہ انتہائے مقام تحقیق، اول منزل واقعیت ہی

مقالات مصباحی، ابتدائے اور ایک ذات کا مقدمہ بھی نہیں۔

تین۔ کمال شعور، ابتدائے اور ایک ذات کا مقدمہ بھی نہیں۔ آئینہ نیل میں جو شکل بھی محقق ہوئی جب غور کیا تو میرے واسطے کی ایک مخلوق، صغریٰ کبریٰ نے جس چیز پر پہنچا وہ میرے واسطے علم میں محدود، فلسفی کی موشگافوں نے جس نقطے کو لکھا وہ میرے عقابیات کا ایک مفروضہ مجسم اور وہ واجب الوجود قادر مطلق، خالق ہے نہ کہ مخلوق، محیط ہے نہ کہ محاط و محدود، باقی ہے نہ کہ غانی، قدیم ہے نہ کہ حادث۔

اسے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم  
وزیر چہ گفت دیم و شنیدیم و خواندہ ایم  
دفتر تمام گفت و بیاں رسد عمر  
ماہم چنان کہ اول وصف تو ماندہ ایم

پس در خیال تک و دو سے ہمارا سند عقل کے گھنٹے ٹوٹے:

خواب تھا جو کچھ دیکھا، جو سافسانہ تھا

اس لہجہ ووقی بیابان حیرانی اور بادیہ پریشانی میں رحمن ورحیم کے ایک متوالے کی دل کش آواز، درد والے لہجے میں آتی ہے: معارف فناء حق معرفت سننے کے لیے کان لگاؤ، جاننے پہچاننے کے لیے آنکھیں لگاؤ، اس نے توبہ ہیں مگر تم نے ان کو دوسری آوازوں سے بھر لیا، اس نے تو عطا کی ہیں مگر تم نے ان کو دوسرے نظاروں سے خوب نما کر لیا، جب توجہ کر دے آواز غیر سے کان بہرے ہوں گے، جمال غیر سے آنکھیں بند ہوں گی کان کھولو اور اس کلام سنو، چشم حق میں داگرد اور اس کی راہ دیکھو۔ وہ کلام ہے قل ان کنتم تہبون اللہ فانتہون فی ہبہ اللہ۔ (اگر تم خدا کی محبت چاہتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا تمہیں دوست بنا لے گا) وہ راہ ہے: ما انا علیہ واصحابی (جس پر میں ہوں اور میرے صحاب) جس نے دیکھا اسی طرح دیکھا، جس نے دیا اسی صورت سے دیا، نسب سے استمداد وہ پیدا کرو، پھر

فیصل روح القدس ارہاز مدو فرمایا  
دیکھا ہم بکندہ انجی مسیحی کرد

اس کا طریق ہے: فاذا تلوونی اذکذبتہ (تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں) انبیاء و مرسلین کی بعثت اسی شاہرہ و حقیقہ کوئی کرنے کے لیے تھی، دوستوں اور محبوبوں کی خلقت اسی شراب کاسائی بنانے کے لیے تھی۔ منزل پر پہنچا خدا اُنھی سے محبوب سے ملایا صرف اُنھی نے، کج روی سے بچایا، ورطہ ہلاکت سے نکالا، وہیات سے بچرایا۔ اس لیے کہ اہل حق کے گھوڑے نہ دوڑاتے، وہ اُنکل کے تیر نہارتے بلکہ وہی سنا تے جو سننے تھے، وہی بولتے تھے جو

بلوئے جاتے تھے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ.

## الباش از جلیل و پاشا و جرنیل

نطقش نه از طبيعت و ريش نه از هوا

آج بھی جواہری کہے جھوٹا، جوان کی کہے سچا۔ (کتاب التصوف: ص ۱۱۷، پہلی شخص)

کتاب کی حمیدہ کوثر میں معرفتِ رب کی اہمیت اور پادری برحق کی ضرورت کو بڑے پیمانے پر اور مدلل انداز میں واضح کاف کیا گیا ہے۔ اس کے بعد خود اسی کے لیے روحانی ریاضت کا بیان ہے۔ اس ذیل میں روح کی حقیقت، روح کی غذا، روح کے امراض، روح کے علاج اور روحانی معارج کا ذکر ہے۔

حقیقت روح:

”موتے سرے ناخن، پانچ کھانسی، جسم ہے اور اس کی حیات کا دار و مدار ایک چیز پر۔ جب تک وہ ہے، جسم ہے اور جب وہ علاحدہ ہوئی، جسم مردہ ہوا، بے کار شمار کیا گیا، کسی نے زمین میں دفن کیا، کسی نے جلایا، غرض کسی نہ کسی طرح جلد خاک میں ملا رہا۔“

کیا کبھی اس پر بھی غور کیا کہ ان کی آن اور لحظہ کے لحاظ میں کیا سے کیا ہو گیا وہ پیداری جیتی صورت کیوں ایسی دو بھر ہوئی کہ ایک لحظے کے لیے گھر میں رکھی بھی ناگوار ہے۔ کوئی چیز تو تھی جس کے جاتے یہی جسم کی قابل رہا۔ وہ کیا تھی؟ ہوا تھی؟ پانی تھا؟ مٹی تھی؟ آگ تھی؟

کوئی کہتا ہے حیات تھی، جان تھی، گیس تھی، اسپرٹ تھی، آتما تھی، روح تھی، جس ضرور کوئی چیز، تاہم کچھ رکھ لو۔  
مگر یہ تو بتاؤ اس کی تعریف کیا ہے؟ وہ تھی کیا؟ کہاں سے آئی؟ اور کہاں گئی؟ فلسفی حیران ہیں، سائنس  
پریشان، نہ کسی آرٹ میں اس کا سارخ، نہ سائنس میں اس کا پتہ، جانش تو کون کون کر جائیں؟ پچائیش ٹوکس طرح پچائیش؟  
جب کسی کو پتہ چلتا تو چھٹی باتوں کو بتانے والے، غیب کی خبریں لانے والے، عرش سے فرش تک کے  
حالات بیان فرمانے والے، مکہ کے چاند، مدینہ کے تاجدار، احمد مختار محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت  
میں بھی لوگ آتے ہیں اور جو جنت ہیں کہ روح کیا ہے؟

وہ سرکارِ جاہلیی طرف سے نہیں بولے بلکہ جو ان کا رب کہلاتا ہے، کہتے ہیں۔ جو وہ بولتا ہے، بولے ہیں۔ اس بات میں بھی اپنی رائے نہیں بتاتے بلکہ وحیِ ربانی و فرمانِ الہی صاف صاف لفظوں میں اس طرح سناتے ہیں:

يَسْمَعُونَكَ مِنَ الرَّؤُفِ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا يَنْتَفِعُونَ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا لِيُؤْمِنُوا (القرآن: ۸۵/۱۷) "لوگ آپ سے

روح کے تعلق سے سوال کرتے ہیں، آپ ان سے فرمادیجیے کہ روح تو میرے رب کے احسے ہے اور تحصیلِ قوسم قوزی سلاویا کیا ہے۔“

”رب کے علم سے رب کے امر سے؟ کیا مطلب لکھا، کیا مجھے؟ کوئی یوں ہے کہ ارشادِ باری کی تعلیمات میں سے ایک جی ہے۔ کوئی کہے کہ عالمِ امر کی ایک مخلوق۔ حُکْم کی حقیقت خود ایک ابدال، عالمِ امر کی کیفیت خود مطلق، پھر یہ جس طرح سمجھیں۔“

پوں سمجھ لو کہ ”جناب رب العزت جل و علا کے ساتھ خاص نسبت و تعلق و رابطہ رکھنے والی ایک ایسی شے ہے جس کے متعلق جب تک اس رب تک رسائی نہ ہو“ عالم امر سامنے نہ آئے، تجلیات پر تو قنن نہ ہوں، حقیقت و حریف کا مکتشف ہونا محال۔“

ایسا طلبہ کلم طیب کھانے کے لیے چیز یاد رکھنا کہ وہاں، تب تشریف لے کر کلمہ عقود کلمہ، علم یمیا کا ہر کیمسٹری کے معمل کے سامنے مائے کی تفریق کرے تب اس کی مائیت کی کچھ خبر لے، اسی طرح جب اس کے روح میں غوطہ زن ہوں تب کوہ عقود چھو آئے اور حقیقت جلوئی ہو۔

ہاتھ نہ لایا کچھ نہ بنا سکو گے۔ کان نہ لگاؤ کچھ نہ سن سکو گے۔ زبان نہ چلاؤ کچھ نہ بولی سکو گے۔ بلا قبیل اسی طرح رنج و کرب تک کام میں نہ لگاؤ سب کی "صفات" نہ معلوم کمر سکو گے۔ تاہم "ذات" چرمد۔

(كتاب الأصول: ص ۱۱۹)

## غذائے روحانی:

کام میں لانے کے لیے پہلے قوت کی ضرورت، قوت کے لیے تغذیہ کی حاجت۔ اسی طرح روح کو کام میں لانے کے لیے بھی روح میں قوت کی ضرورت اور قوت کے لیے غذا کی حاجت۔ جسم، ہاتھ، پاؤں کے عاجز ہونے کے اعتبار سے مادی تغذیہ کا محتاج ہے تو اس نسبتِ خاص کے سبب جو روح کو سب جل و علا سے حاصل، و بھی انسانی غذا کی ضرورت مند جو اس رب کے ساتھ خاص مناسبت رکھتی ہو۔ اس لیے پہلے ان غذاؤں کو معلوم کیجیے جو روح کو قوت دینے والی اور اسے اس کی حقیقی معراجِ کامل تک پہنچانے والی ہیں۔

رب عظیم جل و علا کے ساتھ یوں توگون کی چیز ہے جو نسبت نہیں رکھتی ہر مخلوق منکسر ہے اور منکسر اسماء  
خلقت کو اس ذات کے ساتھ ایک خاص نسبت حاصل اور ہر اسم صفت میں تقدیر و رون کی آیہ خاص کیفیت تغذیہ  
اور موجود، لیکن اسم ذات اس نسبت میں انصر اس لیے تقدیر میں اعظم اسی لیے ارشاد ہے: إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَكِ



بھی اپنے کو خدر مست جانتا ہے، بری بھی ہر چیز کھانے کی رغبت کرتا ہے اور چٹ پٹے خمرے کے لیے ہر چیز کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے۔

روحانی امراض کی تشخیص اور حقیقی بیماری کی تعین۔ یعنی کسی چیز کے گناہ ہونے یا نہ ہونے میں انسانی راستہ کی دخل نہیں، اس کا فیصلہ وحی والہام سے ہوتا ہے، اس پر اس تعین و تشخیص کا دار و مدار۔ سب سے پہلے یہ دیکھنی ضرورت کہ یہ الہام وحی صحیح ہے یا نہیں؟ اس امر کو جس کوئی پرچا ہو اچھی طرح پرکھو اور جب کسی چیز کو الہام وحی بری بتائے، بے چوں و چرا مان لیا جائے کہ بے شک وہ بری ہے خواہ اس کی برائی ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ اسی لیے فرمایا گیا: وَمَا لَكُمْ لِمَا كُفِّرَتْ عَنْهُ فَاَتَّخَذُوا (الفرقان: ۵۹) (رسول جو تمہیں دلسلہ اور جس چیز سے منع کرے اس سے بچ رہو)

جب بھی کوئی بدلی بیماری پیش آتی ہے، غم، سودا، صفر، خون، ان میں سے کوئی غلط حد اعتدال سے خارج ہے، فساد آتا ہے، طیب مضر، ملا کر، مادہ کھاد کھاد کر سہل دیتا اور خفیہ کرتا ہے۔ جب خفیہ سے صفائی ہو جاتی ہے، قوت دوائیں اور عمدہ غذائیں کھانے کی اجازت دیتا ہے۔ جو دوا وہ کھائے کھانی ضروری اور جس چیز سے وہ بچائے بچ واجب۔ اسی طرح امراض روحانی کے جملہ کے لیے طیب روحانی کی ضرورت اور جو وہ بتائے اس پر عمل کفر حاجت۔ (کتاب التصوف: ص ۱۳۳ تا ۱۴۱)

### ضرورت شیخ:

اگر امراض روحانی میں مبتلا ہو، خطرات ماسوی اللہ کا جہم ہے اور ہلاکت کا اندیشہ۔ طیب کو دھوکہ دیتی قدرت ہو، صحیح علاج و لحواس ہو، مرض کی حقیقت جانے والا ہو اور مزاج کو بھی پہچانے والا۔ صرف عمل سے کھوڑے دوڑ کر آپ کو طبع آزمائی کا آلہ بنانے والا نہ ہو بلکہ تجربہ کار اساتذہ طب، حکماء مشہور کے اقوال سے فائدہ رکھنے اور اس شاہ راہ پر چلنے والا ہو جس پر چل کر بہت سے مریض خدر مست ہو چکے ہوں۔

### وہ زبردست طیب:

جس کے پاس نہ صرف دوا ہے بلکہ نسخہ شفاء، سید کوئین، رسول قلین، طیب قلوب، شیخ ذلوب، مرکبہ مولانا مدینہ علی صلی اللہ تبارک و تعالیٰ علیہ و علی آلہ و صحابہ و مسلم جن کے علاج نے بھی خطائے کی۔ ایک دوا نہیں بلکہ لاکھوں ایسے زبردست بیمار جو پایہ گور تھے، جن کے قلوب زنگار محاسنی سے اس قدر سیاہ ہو چکے تھے کہ ہر ایسی تجلیات کا منکس ہوتا ہی از قبیل محال معلوم ہوتا تھا، آنا فانا انھیں نہ صرف صحیح و خدر مست بنایا بلکہ ایسا زبردست

پہلوں کو دکھایا کہ بڑے بڑے شہ زور ان کے ڈر سے لرزے میں آئے۔

اس لیے سب سے مقدم یہ امر کہ ان کے دربار کے سندیان، ان کی درس گاہ کے تعلیم یافتہ ایسے شخص کی طرف رجوع کر جس کا سلسلہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچے ہو، صحیح لحواس ہوں نہ کہ مجذوب، مرض و مزاج کی پہچان رکھتا ہو، کتاب و سنت کا عالم ہو اور خود صحیح المزاج یعنی سنت مبارک کی پیروی کرنے والا ہو ہر گناہ و معصیت سے بچنے والا ہو۔ اگر اس میں یہ صفات موجود نہیں تو خود بھی ڈوبے گا اور تم کو بھی لے ڈوبے گا۔ اگر مکار ہے اور ہندو، عجم، شیروں کے لباس میں گدھا ہے، بچو، بچو۔ تم متردد ہو گے کہ ہم پہچانیں کیوں کر؟ اگر امتوں پر نہ پہنچا، کاشفات پر نہ پہنچا۔ بزرگوں نے فرمایا کہ اگر کسی کو ہوا پر اڑنا اور پانی پر چلتا دیکھو لیکن سنت کے خلاف چاؤ، بچو کہ وہ زندہ نہیں ہے۔

ان شرطوں کو دیکھ لو، کتاب و سنت کی مکمل ہوئی کوئی پر دیکھ لو۔ نسبت صحیح اگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رکھتا ہے، ضرور ان کے دربار میں صوب ہوگا، اعلیٰ روحانی یعنی اکیس کرام کی شان میں ہر ان پر لحظہ خاص ادب رکھے گا۔ اگر گستاخ دے ادب ہے، دولت علم الہی سے محروم ہے، بد نصیب ہے۔ زہار! زہار! اس کے قریب نہ جاؤ! اتاکم و اتاہم لا یضلو نکم ولا یفتنونکم (ان سے دور ہو، ان کو اپنے سے دور رکھو، کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں، کہیں وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں)۔ (الحدیث)

ہاں جو ان شرائط میں کامل ہے وہی تمہارے لیے فاضل، اس کی ذات کو غفلت سمجھو۔ اعتقاد شرط ہے۔ اگر طیب غار سے بد عقیدہ ہو گے۔ دوا کے حلق پہلے ہی سے یہ سمجھ لو گے کہ فائدہ نہ دے گی تو مشہور بات ہے کہ اثر نہ ہو گا یا ہو گا تو بدیر، لہذا صحیح اعتقاد کے ساتھ اسی کو اپنا دلی اور رہبر سمجھ کر، مودہ نہ حاضر ہو، شرمندگی کے آنسو بہاتے ہوئے بچے دل سے توبہ و استغفار کا بیج و سہل استعمال کرو اور قدرت الہی کا تماشا دیکھو۔ المناشب من الذنب کمین لا دلب لہ (حدیث) جس نے گناہ سے بچی توبہ کر لی توبہ وہ بے گناہ جیسا ہو گیا۔ (کتاب التصوف: ص ۲۰ تا ۲۱)

### خلاصہ:

یہاں تک یہ بیان ہو کہ انسان کے لیے اپنے پروردگار، اپنے خالق مالک کو پہچانا اور اس سے ربط و تعلق اور تہجد پر اگر ضروری ہے۔ انسانی وجود میں ایک ہی چیز ہے جو امر رب سے ہے، وہ ہے انسان کی روح۔ اسی کو ہم اس لگانے سے رب کے قرب کی راہ پیدا ہو گی مگر کام میں لگانے سے پہلے اس میں قوت و توانائی چاہیے، قوت کے لیے غذا چاہیے اور غذا دینے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ روح میں کوئی بیماری تو نہیں؟ ورنہ تہجد کے لیے



موتی غذائیں بجائے فائدے کے ضرر رساں ہوجاتی ہیں۔ روح کی بیماری: شرک، کفر، غناق، کبر و غرور اور برکات و معصیت ہے۔ ان امراض کے علاج کے لیے طبیب حاذق کی ضرورت ہے اور روحانی دنیا میں طبیب حاذق وہی ہے جس کا علم وحی و الہام سے حاصل ہو۔ جب اس کی پرکھ ہو جائے کہ یہ طبیب وحی و الہام سے تائید یافتہ ہے تو وہ جو مرض اور علاج بتائے اسے قبول کرنا صحت کے لیے ناکر ہے۔ ارواح انسانی کے زیر دست طبیب رحمت لکھائیں یہ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ پھر جو ان کی درس گاہ کے تعلیم یافتہ و سند یافتہ ہیں۔ جو ان سے صحیح نسبت رکھنے والے، صحیح مزاج، صحیح علم و تقویٰ والے ہیں، ایسے کسی معلم کامل کی تلاش کرو اور اسے اپنا معالج بناؤ وہ تمہاری روحانی بیماریوں کی تشخیص کرے ان کی دوا کرے گا۔ پھر تمہاری روح کو غذا اور قوت بہم پہنچائے گا۔ روح کی غذا خدا کا ذکر اور اس کی صفات میں فکر ہے، مرشد کامل کی رہنمائی میں صحیح اور مفید طریقے پر ”ذکر و فکر“ ہی سے تمہارا روحانی سفر کامیاب ہو سکے گا اور تم قریب الہی کی منزل تک پاریا ہو سکو گے۔

### تزکیہ قلب:

روح حیوانی کا مولد قلب ہے۔ روح حقیقی کے ساتھ بھی قلب کو ایک خاص تعلق ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا: ان فی جسد آدم لمضغۃ لو فسدت فسد الجسد کله ولو صلحت صلح الجسد کله الا وہی القلب، الا وہی القلب، الا وہی القلب (حدیث) آدمی کے جسم میں ایک پارہ گوشت ہے اگر اس میں فساد آیا تو سارا جسم فاسد ہوا اور اگر وہ صلاح پذیر ہوا تو تمام بدن صلاح پذیر ہوا۔ خبردار ہو جاؤ وہ قلب ہے، ہوشیار ہو جاؤ وہ دل ہے، غور سے سن لو وہ دل ہے۔

احادیث میں یہ مضمون موجود کہ ایک معصیت قلب پر ایسا کام کرتی ہے جیسے زنگار کا ایک نقطہ چمک رہا ہو۔ غور کرو کہ چمک دار لوہا جس میں تمہارا منہ نظر آتا ہے، کچھ دنوں کیچڑ میں پڑا رہا، زنگ کے نعلے لگے گئے کالا ہو گیا، اب اس کی صفائی کی کیا تدبیر؟

کسی لوہار کو تلاش کرو وہ اس زنگ آلود سیاہ لوہے کو پھٹی میں ڈال کر دھوئی سے آگ کو دھوئے گا یہاں تک کہ لوہا اچھی طرح تپ جائے اور حرارت اس کے رگ و پے میں اس طرح سرایت کر جائے کہ خود انکارہ معلوم ہونے لگے۔ اس وقت لوہار آئرن پر رکھ کر ہتھوڑے سے کوئے گا، زنگ دور ہوگا، پانی میں غوطہ دے کر دھوئے گا، پھر صیقل کرے گا، وہی زنگ آلود سیاہ لوہا آئینہ سکندر کی طرح شفاف ہو کر حیاں محبوب دکھانے کے قابل ہو جائے گا۔ اسی طرح وہ مصفی و نجی قلب جو زنگار معاصی اور کدورت ماسوی اللہ سے آلود ہو کر سیاہ پڑ گیا ہے قلوب

صیقل کرنے والے یعنی باطنی تزکیہ فرمانے والے جن کی شان میں فرمایا گیا: یُؤَخِّضُهُ (وہ ان کا تزکیہ فرمائے جس پر کبر و دعاء علی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کرو۔ ان کے دربار کے خدام، ان کے ساتھ صحیح نسبت رکھنے والے، اسی صیقل مری کے سند یافتہ شیخ کی خدمت میں لاؤ، وہ ایمان و محبت الہی کی چنگاری باطنی قوت سے تمہارے قلب میں ڈالیں گے اور حصیں سکھائیں گے کہ لا الہ الا اللہ کی دھوئی سے اسے دھو کر، لا الہ الا اللہ کی ضرروں سے اسے کوٹھار محمد رسول اللہ کے مبارک ذکر کے آب رحمت میں اسے غوطہ دو، پھر ذکر اسم ذات سے اس پر صیقل کرو۔

کفر و شرک کے جلی داغ اس طرح جائیں گے، لا کو قلب سے اٹھاؤ، دائیں شانے تک لاؤ، اللہ کے ہنرے کو شانے سے اٹھاؤ اور لا کو داغ تک کھینچ کر حاد داغ سے نکال کر عرش تک پہنچاؤ کہ تمام معبودان باطل فنا ہوں، لا معبود کا تصور ذہن میں رہے، وہاں سے فیوضِ انہیہ کو لیے ہوئے الہی جلال و قوت کی ضرب لا الہ الا اللہ قلب پر دو تاکہ خدا سے قدوس کی تجلیات قلب پر بر توکلن ہوں اور دل میں بیٹھ جائے کہ ”بس وہی ایک معبود ہے۔“

جب یہ مضمون دل پر جم جائے، شرک و کفر، کذب و زور و غیرہ کا مجموعہ کفایک کاشا بیگنی باقی نہ رہ جائے، اس وقت لا معبود الا اللہ کے بجائے لا مقصود الا اللہ کا تصور کرو، یہ ہے انقطاع ماسوی اللہ، جب تک تن دہی سے ایک ہی جانب رجوع کر کے یکسوئی کے ساتھ متوجہ نہ ہو گے مطلب حاصل نہ ہوگا۔

لہذا اچھی طرح دل میں جمنا کہ میرا مقصود اللہ کے سوا کچھ نہیں ہے اور کوئی جس کا وسوسہ دل میں باقی ہے، خبر جس کا نقطہ قلب پر لگا ہے بلکہ خود اپنی ہستی جو ایک پردہ بین کر راہ میں حائل ہے، اتانیت کی صورت میں کہیں رنج نہ لائے اس لیے اس حقیقت پر غور کرو کہ وہی تھا اور کچھ بھی نہ تھا، وہی رہے گا اور کچھ بھی نہ رہے گا، یہ تمام عمل ہوا بطور وہی نفسہ بھی نہیں، اس کو بھی ہٹاؤ اور لا مقصود الا اللہ کے بجائے تصور کرو لا معبود الا اللہ یہ ہے وہ زیر دست تخیہ جس کو اصطلاح صوفیہ میں ”جارب قلب“ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

تاجہ ”جارب قلب“ نہ روئی نہ  
نہ دی نہ سرائے ”الا اللہ“

اس میں دو بھی ہے اور غذا بھی، مرض بھی جائے گا اور قوت بھی آئے گی۔ اس کے مختلف طریق ہیں چہار نالی یاد نا فرمیں کہ، بلند آواز سے خواہ پست آواز سے، خواہ سانس کے ساتھ تصور ہی تصور میں، خواہ صبر میں، خواہ غصہ میں، خواہ ہلا جی دم، خیال ہی خیال میں، اس لیے کہ اصل مطلب خیال ہی خیال، جانا اور یکسوئی پیدا کرنا ہے۔ جس مریض کے لیے جیسا مناسب ہو یہ طبیب بتا سکتا ہے اسی تخیہ کو ”تزکیہ قلب“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ (کتاب انصاف، ص ۳۳۲)



اس کے بعد علم تصوف کی تعریف ہے، وہ فرماتے ہیں: ”وہ مقدس و مبارک علم جو قلب کو ذائقہ کی نجاست سے پاک بنانے کی ترکیب سکھائے اور صفائے باطن کا طریق بتا کر روح کو اس کی سراج کمال تک پہنچائے اور رفیع اعلیٰ سے وصال حقیقی پانے کی طرف دال ہو، تصوف کہلاتا ہے۔ ترکیب و عروج کے طریقے کو سلوک، اس راہ کے چلنے والے کو سالک یا متصوف اور ختمی کو صوفی کہتے ہیں۔“

اس کے بعد سلوک نقش بندہ، مہر دیہ، سلوک قادریہ، سلوک چشتیہ، سلوک سہروردیہ کی تفصیل اور طریق عمل کی تفصیل ہے۔ سلوک مہر دیہ کے تحت لطائف عشرہ کا بیان اور ہر لطیف کے تحت اس کا طریق عمل وضاحت اور اختصار کے ساتھ آسان انداز میں مذکور ہے۔ درمیان میں مراقبات اور ولایت صغریٰ و ولایت کبریٰ کا ذکر ہے۔ اسی ذیل میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

### دائرۂ ولایت صغریٰ:

یعنی مراقبہ احدیت و معیت میں ظلال اسوہ صفت کی سیر ہوتی ہے، ماسوی اللہ کا خیال دل سے محو ہوتا ہے، نسبت توحید غلبہ کرتی ہے، کبھی رقت طاری ہوتی ہے، بے خودی پیدا ہوتی ہے، استغراق پڑتا ہے، دوام حضور حاصل ہوتا ہے، معیت کا مجید جس کی طرف الفاظ و هو معکم اینما کنتم دال ہیں، قلب پر مکشوف ہوتا ہے اور وہ خاصہ صوفی ستودہ جن کا مہموم و دائرۂ الفاظ سے نکل کر گوشہ دل میں ایک شکل مفروضہ رکھتا ہے، وہ جو سالک میں پیدا ہو رہا ہوتا ہے یعنی مقامات عشرہ: توبہ، انابت، زہد، قناعت، ورع، فکر، صبر، توکل، رضا، تسلیم اجمالاً حاصل ہوتے ہیں۔ اب سالک میں اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ کشف قبور، کشف قلوب، کشف ارواح، اس کے لیے ان کیفیات کا حصول اور مقامات پر فائز ہونے کا ایک کرشمہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس مقام پر پہنچ کر اگر ان کھجوروں میں پڑا اور میٹیں کا ہو رہا تو ایک سخت عہد دی ہے۔ طالب صادق کا کام ہے کہ اس سے آگے بڑھے کہ میدان وسیع ہے اور منزل مقصود کہیں اور۔

اے برادر بے نہایت دہکے است

ہر چہ بروئے کی دمی بروئے دایت

ہو شیار رہنا، کہیں یہ کیفیات اس مطلب حقیقی سے غافل نہ کر دیں جس کے سراج میں گھر سے نکلے ہو۔ ریل میں بیٹھ کر جا رہے ہو، راستے میں عجیب و غریب مناظر نظر آئیں گے، دشت و بیابان میں سبز و زار کا ساں ضرور دکھن ہو گا، دامن کوہ میں پانی کا چھلنا، چشموں کا ابلنا، یہاں تاں فریب ہو گا، روح کو فرحت، قلب کو راحت ملے گی اور

مردہ نے کی کھڑی کھڑی ہوا میں، وہ نظر فریب ادا میں اگر ایسی بھائیں کہ وہیں بیٹھ رہے تو ادھر گھر بار چھوڑا دھر مردہ نہ ملے۔ دوسرے یہ خوف ہے کہ اس سبز و زار میں جہاں ہر چہ نمایاں بھرتے بھرتے ہیں، بلبلیں، چھپھاری، مینوں، لڑکے، گھڑیاں، شیر، بیاہن بھی کسی نہ کسی جھاڑ میں چھپا ہو گا، سانپ اور بچھو بھی اسی سبز و زار میں چھپا ہوں گے۔ نس و شیطان کا شیر، خودی و انابت کے سانپ اور بچھو کبھی کام قیام نہ کر دیں اور خسر الدنیا والا آخر کی نوبت نہ آئے اس لیے ولایت کبریٰ میں قدم رکھو۔ ”کتاب تصوف ص ۵۵۳“

اس کے بعد ولایت کبریٰ کے مراقبات مذکور ہیں، بعد تکمیل لکھتے ہیں:

یہ ہے وہ مبارک سلوک جو حضرات مشائخ و صوفیہ نقش بندہ کا معمول رہا ہے۔ صدر اول میں ایک نگاہ فی قدس سرہ، نبی اکرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلی علیہ وسلم، کیفیات ذکر و فکر پیدا کرنے والی اور مقامات طے کراتے ہوئے منزل مقصود تک پہنچانے والی ہوتی تھی۔ صحابہ کرام اسی سراج منیر سے منور شدہ کو اکب و نجوم تھے۔ اصحابیہ کا لہجہ ماہم، اقلیدس، اہل بیت (ع) کے اصحاب ستاروں جیسے ہیں، تم نے جس کی کی بیرونی کی ہدایت پائی۔ حدیث ائمہ کی شان تھی، اصحاب میں اکبر، خلفاء میں اول، معیت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں انصاف کہ معیت ذات کے منصب جلیل پر ممتاز اور اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا لَا يَفْتِنَا خُذْ اَمْرًا سَاحِجًا (کے صاحب راز حضرت صدیق اکبر تھے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ و رضاء عنہا۔ انھوں نے مشکوٰۃ نبوت سے انوار اخذ کرتے ہوئے اس راہ کو لیا۔ ان کے نقش قدم بہ چلنے والے حضرات مشائخ و صوفیہ بندہ ہیں رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ انھوں نے سالکین راہ طریقت کی آسانی کے لیے ان قواعد و ضوابط کو مرتب و مدوّن کرتے ہوئے عالم کے سامنے پیش کیا۔ مبارک ہیں وہ نفوس جو اس راہ پر گامزن ہوں اور خوش نصیب ہیں وہ افراد جو فائز المرام ہوں اور دولت وصال محبوب سے مالا مال۔ ان سے عرض کہ:

چوں با حبیب عشق و ہادہ چنان

بیاد آہ حریفان ہادہ چنان

اس ترکیب و تقیید اور فائز المرام ہونے کے لیے اور مستعد طریقے ہیں، کما قبل، الطریق الی اللہ جلد انعام خلق اللہ (اللہ تک پہنچنے کے راستے خلق الہی کے سامنوں کی تعداد کے برابر ہیں۔ یعنی ہر ایک کا ملک سے ملے میں خاص فرما انداز)

سالک جس طریقے کی طرف اپنی طبیعت کو مائل پائے یا جس راہ پر شیخ کامل لگائے، بہت و استقلال کے ساتھ ان کی طرف متوجہ ہو جائے بول اللہ و توبہ و تبت تعالیٰ امیر حصول و وصول یقینی۔ ”کتاب تصوف ص ۴۳۰“

اس کے بعد ص ۴۳۲ تک دیگر سلاسل کے سلوک کا بیان ہے۔ پھر ص ۴۳۳ سے ص ۴۰۲ تک سلوک

طریقت و احکام شریعت میں مناسبت اور ہم آہنگی دکھاتے ہیں۔ اسی عنوان کے آخر میں ایک اعتراض و جواب بھی تحریر فرماتے ہیں۔ (ص ۳۹۹-۴۰۰ ملاحظہ ہو)

### ایک شبہ کا ازالہ:

بعض افراد یہ شبہ پیش کر دیا کرتے ہیں کہ اذکار و اشغال کے طریقے نو ایجاد ہیں، نہ زمانہ نبوت میں ان سراغ، نہ صحابہ و تابعین کے دور میں ان کا وجود۔

یہ شبہ محض نادانیت اور لاعلمی کے سبب پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے ان شبہ کرنے والوں عزیزوں کو نہ ان لوگوں کی حقیقت کا علم، نہ اسلام کی حقیقی تعلیمات کی خبر۔ اس مقام پر ہم چند باتوں کا اظہار ضروری خیال کرتے ہیں تاکہ ان شبہات کا سد باب ہو سکے۔

اگر یہ امر کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں ان طریقوں کا رواج نہ تھا صحیح مان لیا جائے تو آپ دن رات دیکھتے ہیں کہ ان دیہات میں جہاں کوئی ماہر فنِ جراحی موجود نہیں، کسی دخل یا پھونسنے سے مواد خارج کرنے یا زخم کے اندال کے لیے دوائیں استعمال کی جاتی ہیں، پتیس بانڈی جاتی ہے لیکن اگر کوئی پتلی سرجن موجود ہو تو اس قدر مشقت کی ضرورت نہیں وہ ایک آن واحد میں عملِ جراحی (اپریشن) کرے گا اور تھوڑی مدت میں سب کام درست ہو جائے گا۔ مدتوں کا مریض عرصے تک اسیا کے زیرِ مشق رہے مگر ایک تجربہ کار ماہرِ فنی طب آسیر کی ذرا سی پڑیا میں ایک عرصے کے مفلوج وجود کو کھن بنا دیتا ہے۔ اسی مثال سے قیاس فرمایا جائے کہ ہر حال میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر کیا اثرِ ان واحد میں کدو بات ماسوی اللہ کی آلودگی سے قلب کو پاک کرنے والی اور اپنی قوتِ باطنی سے روح کو درست حالت میں لانے والی ہوتی۔ اس دور میں ہماری عمارتیں ان جہاں پر انوار کے دیوار سے محروم ہیں۔ ہمیں ان اصولوں پر غور کرنا ہے جو ہمارے علاج اور تفریہ کے لیے ہمارے لئے بنائے اور اس پلٹس کو استعمال کرنا ہے جو مواد کو پکائے اور قابلِ اخراج بنائے۔

اندرونی علاج کرنا ہے اس مادہ فاسدہ کا جو ہماری صحت روحانی کا سب سے بڑا دشمن ہے یعنی نفسِ لہو، جس کے لیے قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے: **إِنَّ النَّفْسَ لَأَكْثَرُ مَا يَسْخَرُونَ** (نفس تو رانی ہی کا حکم دینے والا ہے اور ہر حال میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **اعِدِّيْ عِدُوْلَكَ نَفْسَكَ اَلْحَيِّ بَيْنَ جَنَّتَيْكَ** (تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیری کروٹوں کے درمیان ہے)

پھر علاج کرنا ہے اس بیرونی سرگرم حملے کا جو شیطان کی صورت میں رونما ہو جس کے لیے ارشادِ خداوندی

ہے: **إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ** (یقیناً شیطان انسان کے لیے کھلا ہوا دشمن ہے، اور فرمان ہے: **اَلشَّيْطَانُ يُؤْمِرُكَ بِالْفَحْشَا وَبِالْمُنْكَرِ** (شیطان تمہیں عجاتی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے)

اب دونوں بیماریوں کا علاج وہی اصول علاجِ پالندہ کے مطابق ملاحظہ کیجیے۔ دشمنِ اول کے مقابلے کے لیے ارشاد ہے: **خَالِفُوا اَهْلَهُنَّ** ( مخالفت کرو خواہشوں کی )، دوسرے دشمن کے لیے حکم ہے: **وَلَا تَتَّبِعُوا خُلُلَهُنَّ** (شیطانِ خطر کی پیروی نہ کرو)

اسہال کی تدبیر اور اخراجِ مادہ کا طریقِ توبہ کی صورت میں موجود ارشادِ ربانی ہے: **وَلَوْ اَنَّكُمْ اَدْرَاكُتُمْ اَنْفُسَكُمْ فَذَكَرْتُمْ اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرْتُمْ اللّٰهَ وَاسْتَنْصَحْتُمْ اللّٰهَ وَذَكَرْتُمْ اَنْفُسَكُمْ** (قرآن ۳: ۶۳) مگر انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو تمھارے پاس حاضر ہوں، پھر اللہ سے بخشش مانگیں اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت کی دعاؤں کرس تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا، رحم فرماتے والا بنائیں۔

اب رہیں غرائز، ان کے لیے ارشاد اور نہایت روشن ارشاد کہ دل کا چین اور قلب کی راحت اللہ کے ذکر میں ہے: **اَلَّذِيْنَ كُوْنُوا تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ**۔ دل اللہ کے ذکر ہی سے آرام پاتے ہیں، دل کے چین اور اطمینان پر تمام امور موقوف، اس لیے کہ وہ جو دلی جزا اور تمام جواریں اسی سے متعلق۔ اسی دل کو یہ غذا پہنچانے کے لیے تاکید پر جبکہ کہیں ارشاد ہے: **فَاَذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْکُمْ** تم میرا ذکر کرو میں تمھارا ذکر کروں گا۔ کہیں یہ حکم کہ: **وَاذْكُرْ ذَنْبَکَ کَیْفَ تَاْوِیْ** (تو اپنے رب کا ذکر کر اور شام سویرے اسی کی پاک بیان کر۔)۔ تحریف کے لیے حدیث میں یوں فرمایا گیا: **لَا یَقْعِدُ قَوْمٌ یَذْكُرُونَ اللّٰهَ اِلَّا حَقَّقْتُمُ الْمَلَائِکَةَ وَعَشَبْتُمُ الرَّحْمَةَ وَنَزَلَتْ عَلَیْهِمُ التَّسْکِیْنَةُ** ، و ذکر ہم اللہ فیمن عندہ جو لوگ اللہ کا ذکر کرنے بیٹھے ہیں فرشتے انھیں زحمت لینے ہیں، رحمت ان پر بھیجا جاتی ہے، سکینہ و اطمینان انھیں حاصل ہوتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ ان کو اس نعمت میں یاد کرتا ہے جو (اس کے مقربین کا) اس کی بارگاہ میں ہے۔ پھر تہذیب کے لیے قرآن کریم میں آیا ہے: **وَمَنْ اَقْبَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَکُمْ مَعِیْشَةً طَعْنًا وَ تَعْذُرًا یَوْمَ الْقِیَمَةِ** اعلیٰ جس کسی نے ہمارے ذکر سے رمد وانی کی اس کے لیے عکس روزی ہے اور قیامت کے دن اسے اللہ حاکم بنائیں گے۔

پھر حدیث صحیح میں یہ بھی بتایا گیا کہ افضل الذکر **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه**، نہ کرے یہ مختلف طریقے ہیں جو آپ ﷺ ملاحظہ فرمائے تاکہ روح و قلب کو ان کے ذریعے ملے قوت حاصل ہو جائے کہ وہ آدمی پاک نہیں، چین حاصل کر نہیں اور قوتِ باطن اس قدر بڑھ جائے کہ کافرانہ فاسدہ یعنی نفسِ لہو و ملیحہ یعنی نفسِ شیطان و ابلیس کے شر سے محفوظ ہو جائیں۔

جہاد کی فریضت و ضرورت سے کس کو انکار؟ مقصود اصلی مقابلہِ شرِ مسلم، اس کے لیے سامان کی حاجت

تقسیم، زمانہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تیر و تلوار اور نیزہ و کمان کے ذریعہ مقابلہ کفار کیا جاتا۔ آج اگر توپ، بندوق، ہوائی جہاز، بم کے گولے یا مسندروں میں تار پینڈ و غیرہ جہاز کے وقت کام میں لائے جائیں تو کیا ان کو یہ کہہ کر چھوڑا جاسکتا ہے کہ یہ آلات سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے زمانے میں نہ تھے؟

مٹی ہذا ایمانی قوت رکھنے والے سرکار کے فیضِ محبت سے پنے والے صحابہ کو نہ پرین کی ضرورت تھی نہ قوسوں کی حاجت، نہ نشانہ بازی کا باقاعدہ انتظام۔ آج اگر باقاعدہ یہ تعین اوقات قواعد اور پرین کے لیے اہتمام کیا جائے اور جدید اصول حرب استعمال میں لائے جائیں تو کیا ان کو یہ کہہ کر روکیا جاسکتا ہے کہ قرونِ سابقہ میں ان کا وجود نہ تھا۔ شاید ہی کوئی بے عقل ایسا ہو جو ایسی رکب بات اپنے ذہن میں لائے۔ بس اسی پر قیاس کر لیجئے کہ جتنے طریقے ہیں ہر نسل کے مطابق اعدا کی سرکوبی کے لیے اختیار کیے جا رہے ہیں جس کی تعلیم خود سرکار علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے دی۔ وہی جنگ کی صورت میں جنگ کا طریق ہی بالکل بدلا ہوا نظر آتا ہے لیکن یہاں نہ آلات میں تغیر، نہ طریق جہاد میں تفاوت۔ اصل وہی تعلیمات ہیں، طریق اور ہر معلم کی استعداد کے مطابق جدا جدا تعلیم کیا گیا۔

معدے کو غذا پہنچانا، کھانا کھانا، فرائضِ حیات میں داخل۔ اس کھانے کے متعلق حلال و حرام کو دلائل قرآنِ عظیم و احادیثِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واضح کر دیے۔ گائے کا گوشت حلال اور محرم، اٹھا، بھنن، دودھ، دہی ساری غذائیں اچھی۔ اسی طرح بھل پھلوری، وال ترکاری، لہجالی یا تفصیل سے بہر صورت کسی نہ کسی طرح ہر شے کے متعلق حکم بتا دیا گیا پھر جس کی حرمت ثابت نہ ہو اس کے لیے الاصل فی الاشیاء الإباحۃ (اشیاء میں اصل اباحت ہے) کا کلیہ فقہانے ترتیب دیا ہے۔

گوشت حضور انور ﷺ نے بھی تناول فرمایا، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی نوش ہاں کیا، تابعین و متابعین بھی نے کھا یا مگر کس طرح؟ کیا ہماری طرح گوشت کو مصالحہ ملا کر، کباب، بیج یا کر یا مرغ، پکھیز، قلیا، قوربا، سوپ بخنی، بنیا کر یا یوں ہی بڑے بڑے کٹڑے آگ پر گرم فرما کر؟ آج اگر گوشت کو ان ترکیبوں سے لپکا جائے تو کیا کوئی کچھ نہ اس پر یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ کھانے کا یہ طریقہ بدعت یا خارج از اباحت ہے؟ یہاں جو کچھ گایوں ہی کے گائے کا گوشت کھانا سنت، دست کا گوشت اور بھی زیادہ قابلِ رغبت اس لیے کہ سرکار دو عالم ﷺ کو اس سے حاصل الفت۔

اسی طرح اس باب میں بھی تصور فرمائیے کہ ذکرِ نئی و اشبات یا اسم ذات ذکر ہی ہے، نہ کہ کچھ اور۔ اور اس کا رد کرنا ہر مومن و مسلم کا کام، ہاں رد کا کیا عنوان ہو؟ یہ ہر ایک شخص اپنی آسانی اور ضرورت کے مطابق خود غور کرے کہ کس طرح میرے لیے زیادہ نافع ہو گا اور اس روحانی غذا کو کس طرح کس مصالحے کے ساتھ بتا کر میں زیادہ لذت یاب ہو سکتا ہوں۔ خود غور نہ کر کے تو دوسروں سے مشورہ کر لے کہ کھانا کھانے کے نہ تھے طریقے روز بروز

ہوں ہی نکلتے رہتے تھے۔

ایک اصول میں سمجھ لیجئے اور یاد رکھیے، ان شاء اللہ تعالیٰ ہر جزئیے میں کام لے گا۔ ذکرِ الہی کا داخل دین ہونا عبت۔ اب اگر ان طریقوں میں سے کسی طریق پر کسی صاحب کو اعتراض ہو تو وہ براہِ کرم اس کے حرام، مکروہ، تحریمی، کردہ، تنزیہی، ہونے کے لیے کوئی دلیل شرعی بیان فرمادیں۔ اگر ان تینوں باتوں میں سے کسی کے لیے بھی کوئی دلیل نہ ہو (اور یقیناً نہیں ہے) تو اس مباح کو اپنی اباحت پر قائم۔ چوں کہ یہ ذکرِ اللہ ہے، اس کا مستحب و سنت ہو نا ظاہر و باہر۔

قرآنِ عظیم منزل من اللہ اور اس کا پڑھنا اور جاننا ہر مسلمان پر واجب۔ اس کے پڑھانے کے لیے دن رات ہم اپنی ضرورتوں کے مطابق نئے نئے قاعدے بناتے ہیں، اسی کے سمجھانے کے لیے صرف و نحو، اسی کے حفاظت میں رسائی کے لیے معانی و بیان، پھر محققین قرآن کے اعتراضات کے دفاع کے لیے مقول کلام۔ بنظر غور دیکھا جائے تو یہ سب تعلیمات اسی لیے ہیں کہ خدا کا کلام سمجھنے کے لیے قابلیت پیدا ہو جائے۔ اسی طرح اصل مقصود ہے کہ بندہ اپنی شانِ بندگی کا لحاظ رکھتے ہوئے اس محمود حق کے دربار میں سربازِ جھکاے اور جس عبادت کا وہ مالک و خلیفہ خشن ہے نیز جس اندازِ عبادت کو بھالانے کا یہ بندہ نشانِ عبودیت مکلف ہے وہ عبادت حضورِ قلب کے ساتھ بجا لائے تاکہ اس دربار میں قرب و وصول کی نعمت سے مالا مال ہو کر عرفان کے منازل طے کرتے ہوئے اس رب کو جانے اور اسے پہچانے۔

اس عبادت کا بہترین طریقہ بلکہ واحد اندازِ بصورتِ فرض بندے کے ذمے نماز کی شکل میں عائد کیا جاتا ہے اور اسی نماز کو منازلِ عرفان کی محرابِ کمال بتایا جاتا ہے۔

اس کے بعد "سلوک الصلوٰۃ" کے عنوان سے نماز میں حضورِ قلب اور توجہ الی اللہ کی تعلیم تفہیم کرتے ہوئے اسے وصول الی اللہ کا ذریعہ بنانے کا تفصیلی بیان ہے جو سراسر مقول ہی مقول ہے اور اس میں نو ایجاد ہونے کا شبہ و درکنہ کرنے کی گنجائش بھی نہیں۔ (لاحظہ ہو: ص ۱۰۳-۱۰۵)

اسلامی سلوک کا بیان مکمل کرنے کے بعد دیگر مذاہب کے سلوک کا بیان ہے۔ عنوان ہے "دنیا کے دوسرے مذاہب اور ان کا سلوک"۔ یہ بیان ص ۱۱۶ سے شروع ہو کر ص ۱۲۹ پر ختم ہوتا ہے۔ نفع عام کے لیے اس کی بھی تفصیل کچھ توضیح و تفسیل کے ساتھ سہرہ قلم کی جاتی ہے:

"جو حضرات کسی دینِ سماوی سے خشک ہوئے ان کے نزدیک ذات واجب الوجود کا تصور تعلیم انبیاء کے زیراثر موجود ہے لیکن جو کسی دینِ سماوی سے خشک نہ ہوئے ان میں بھی ایسے افراد ملتے ہیں، جنہوں نے اس نظام عالم کو جاننے والی ایک ہستی کا سراغ بتایا۔

اپنی قوت فکر یہ کو کام میں لانے والا انسان جب آسمان و زمین کی تخلیق، مہر و ماہی گردش، ستاروں اور سیاروں کے حیرت انگیز نظام، روز و شب کے اختلاف اور زمانے کے انقلابات پر نظر کرتا ہے تو اسے ایک قادر و توانا ہستی کے ہر تیرہم و ضبطی کار فرمائی صاف نظر آتی ہے۔ دائرہ غور و فکر میں قدم رکھنے والا، حقائق مابین کی طرف التفات کرنے والا ہر نفس اس نتیجے پر پہنچتا اور ضرور پہنچتا ہے کہ کوئی نہ کوئی ہستی اس عالم کی مشیتری کو ضرور چلا رہی ہے۔

تماشا گاہ عالم کے منتظر کھیلوں نے جو اس دور ترقی کی ماہ الا امتیاز خصوصیت کہے جاسکتے ہیں، اگرچہ کچھ اکثریت کو ایسا محو تماشا کر رکھا ہے کہ وہ اس طرف حقائق تجلیمیر ناجی حماقت اور اضاعت وقت سمجھتے ہیں لیکن تھکے ہی ایک، اس زمانے میں بھی اس طرف متوجہ ہوتی اور ضرور ہوتی ہے۔ کسی نہ کسی گوشے سے، کبھی نہ کبھی مالک حقیقی کے نام کی آواز آتی جاتی ہے۔

زمان قدیم میں جب تک دو آتش و خست رز کی اعلیٰ اداؤں نے دنیا کو اس قدر بے خود نہ بنایا تھا، حسن باقی کے طرز و لہری نے لوگوں کے قلوب کو بہت نہ بڑھایا تھا، ضرور ایسے افراد کی کثرت پائی جاتی ہے جو اس حسن حقیقی کی تلاش میں حیران و سرگرداں ہوں۔ وہ فلاسفہ کی شکل میں ہوں یا جوگیوں اور رشیوں کے پیکر میں۔ کچھ نہ کچھ پاتے ہی ہوں گے جسے دکھا کر ایک جماعت کو اپنا متبع بناتے اور اپنی اپنی جماعتوں کی قیادت و پیشوائی فرماتے ہیں۔

اس طرح قدیم رہنماؤں کو بعض لوگوں نے صاف صاف ”نبی و رسول“ کہتے تھے جسے مگر حق نہ کیا جب کہ نبوت و رسالت ایسا منصب ہے جس کے متعلق وحی آسمانی کے بغیر یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ فلاں کو حاصل تھا۔ اس خیال نا حق کو ایک مثال کی روشنی میں رد کرتے ہوئے یہاں رقم طراز ہیں:

نبی و رسول کے اصطلاحی نام تو یقیناً انھیں نہیں دیے جاسکتے، اس لیے کہ یہ شریعت اسلام کے مصطلح خطبات ہیں۔ جب تک کسی شخصیت سے متعلق یقینی صورت یعنی واقعی اہم و وحی کے ذریعے اس خطاب سے نوازا جاتا تھا نہ ہو جائے، دنیا کے کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی کو اس خطاب سے امتیاز یافتہ ہونے کا دعویٰ کر سکے۔

بلاتشیل خان بہادر، رائے بہادر، سر اور نائٹ کے خطابات اگرچہ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے برابر ہوں، مقتدر اور راہی کے معنی ہر صادق آئیں یا کسی فرد کا اپنی قوم و جماعت یا حکومت میں ایسا اقتدار ہو جو اس قسم کے خطاب یافتگان کو حاصل ہوتا ہے اور آپ کا تحمل آپ کو اس حد تک آباد کرتا ہو کہ آپ اسے اس خطاب سے یاد فرماتے ہوں لیکن آپ کی تخصیص اور آپ کا خطاب، قانون حکومت کے نزدیک درست نہیں قرار دیا جاسکتا جب تک کہ واقعی حکومت نے اس خطاب کی منظوری نہ دی ہو نیز آپ اس قسم کے غلط خطاب کے جرم سے بری نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپ اس کے ثبوت میں حکومت کے کسی ”سلطہ احاطہ کی گارنٹی نہ پیش کریں۔

اس لیے اسلام کی شریعت حق کا یہ فتویٰ ہے کہ جس طرح کسی ایسے نبی و رسول کی نبوت سے انکار نہیں کیا جاسکتا جن کی نبوت و رسالت کی خبر قرآن عظیم کی وحی یقینی نے دی یا رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے متعلق حکم جمع میں اطلاع بخشی۔ اسی طرح کسی ایسے فرد کو جس کے متعلق انھیں دونوں ذریعوں سے تخصیص کے ساتھ یہ حدیث جمع کی خبر نہ ملی ہو، نبی کہنا یا رسول بنانا یقیناً خدا کی فرمان کی توہین اور قانون عینی ہوگی۔ آپ انھیں رہبر کہ خطاب دینے کی خبر نہ ملی ہو، امکانی طور پر یہ قیاسی حکم بھی نکالیں کہ ممکن ہے وہ ایسے ایسے ہوں مگر قلعی طور پر دیکھنا صحیح نہ تھلی ہے جس میں آج بہت سے لوگ جھکا گئے۔ والعباد باقہ مہا

اب اصل مقصود کی تکمیل کے لیے فرماتے ہیں:

انھیں وہ فلاسفہ یا جوگی، ادوات یا رشی، جماعتوں کے رہنما یا ہولی، جب کبھی صحیح طریق پر اس مالک حقیقی کی تلاش میں قدم اٹھاتے ہیں، اس راہ روی کے لیے ایک اصول الدین منقطع طور پر دیتے ہیں، وہ ہے مجاہد اور ریاضت و مشقت کے ذریعے نفس کی حفاظت۔ رہی یہ بات کہ منزل مقصود کو پاتے اور شاہد مطلوب کے دربار میں بارپاب ہوتے ہیں یا نہیں؟ اس کے متعلق بے سوچے سمجھے لوگ جو چاہیں کہ دیں مگر حقیقت بر حسب اسباب ظاہر لازم (نبی) اور ہاں (میں جواب دینا مشکل۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مجاہد و ریاضت سے نفس کشی اور جیتا سے روح میں قوت، شہوانیت و نفسی اندرہ کی حرکات میں کم زوری و تقاضت پیدا ہو جاتی ہے۔

بعض بندگان خدا اس تحوزی سی قوت اور معمولی سی طاقت کو اپنے اندر محسوس کرتے ہوئے استدراج و خوارق کے کھیزے میں پھنسے اور پیس کے ہو رہے۔ بعض آگے بڑھے مگر عقاید کے ٹھوسے کہاں تک دوڑتے، مادیات کو رہاں چاکری کھیزے میں پھنس رہے۔ روح سادہ دونوں کو قدم بہاں روح کی منازل برحقا کو تاح (ادواں) کا پکر جانا اور ای روح کو سب کچھ سمجھا۔ بعض سیر مادیات میں مصروف ہوئے اور صفات میں تدر کرتے کرتے انھیں مظاہر صفت کو محسوس نہ ہونے لگے۔ بعض نے بزم خوشی انتہائی ترقی کی، کثرت صفات کو محسوس کرتے ہوئے ان میں وحدت بھی اور توحید کے درپے تاپید انکار کے کنارے پر پہنچ کر اس قدر تھجے پاسکے کہ ”ہست“ ”ہے“۔

اس قسم کے متفقہ بہت سی قوموں اور جماعتوں میں گزرے، سب کا اہصا تو اس مختصر میں دشوار، ہاں باربعال والا اختصار صرف دو بڑی جماعتوں کے زبردست قوش ردوں کی بعض تعلیمات کا نظیر، ایرانی آتش پرست کی جانے والی جماعت کے مقتدا جناب زرتشت کے ماننے والے عوام آج کچھ کہیں اور کچھ کیا کریں۔ وہ کو اکاب پرست ہوں یا آتش پرست لیکن ان کی تعلیمات کو سمجھنے والے نفوس کے حالات کا جب مطالعہ کیا جاتا ہے تو توحید کی جھلک مار چہ ہزاروں پردوں میں سہی، نمایاں ضرور ہوتی ہے۔ آذر کیواں جو ایک جمیل القدر مذہب ہے، اکبر کے



زمانے میں ہندوستان آیا، پندرہ میں سکونت اختیار کی، ۱۰۲۷ء میں انتقال کیا، محمد حسن ایک فاضل، ہم عصر کا بیان ہے کہ میں نے خدائے وجود پر دو سو سالہ (۲۶۰) دلیلیں اس کی زبان سے سنیں، خوارق بھی اس سے صادر ہوتے دیکھے۔ اس جماعت کے متوفین نے بھی طریق خدا جوئی و خدا طلبی کے لیے جن شرائط کو ضروری جاننا وہ ریاضت و نفس کشی ہی پر مبنی۔ انھوں نے سلوک کی شرطیں پانچ بتائیں:

۱۔ گرنگی ۲۔ خاموشی ۳۔ بیداری ۴۔ تنہائی ۵۔ پیروی دانی۔

پیروی دانی کے لیے تین امور کا حضور ضروری۔ "اول خدا، دوم قلب، سوم تصور مرشد۔"

اس کے بعد ان کا ایک طریق ذکر اور ذکر کے وقت نشست کی ہدایت کا بیان ہے، پھر لکھتے ہیں:

"یہ مشق بہت سی مشقوں کا خلاصہ یا یوں کہیے کہ سب میں اعلیٰ اور زیادہ ہاتھیہ لیکن اس کی کیفیات اور اس اسم کے اثرات و کیفیات تک محدود۔ اس سے آگے وہی بڑے جو اس اسم سے بالا اسم کو جانے۔"

اس کے بعد دوسری بڑی جماعت کی ریاضت کا ذکر ہے، آگے لکھتے ہیں:

لیکن یہ سیر بھی اسم "اوم" کے معانی کے مطابق اسی کائنات کی سیر ہوگی اور یہ علم اور پہچان بھی اسی اسم صفت کی تجلیات کے معانی تک محدود۔ سارے دینوں کا مطالعہ کر جائیں، تمام شاستروں کو دیکھ جائیں، اس ذات بحث کے اسم ذات کا کہیں اشارہ تک نہ پائیں۔ جب اسم ذات تک رسائی نہیں تو سیر ذات کیوں کر کریں؟ اسی لیے اس مشرب کے جتنے افراد کے حالات بھی ملاحظہ میں آتے ہیں سب کی اقصیٰ الغایات سیر صفات ہے اور بس۔ ذات تک رسائی وہی پانے جو مقدمہ درسیات اسم ذات ہی کو بتائے۔

سطحیات میں جہلا، برہما، کشن، مہادیو کی پوجا کرنے والا جتنا ہرادی دیوتا کو خدا سمجھنے اور کہنے والا تو حقیقت سے جدا، شرک کے مرض میں پھنسا ہوا، اس سے نہ ہمیں کچھ غرض، نہ ان کی حرکات و سکنات سے کچھ مطلب۔ انھوں نے تو خود اپنے معلمین کی تعلیمات کو بھی پیچھے ڈالا۔ جس کسی نے ایک روزی دینے والے دیوتا کی پوجا کا سبق دیا، انھوں نے اسے گائے سے تعبیر کیا۔ ایسے بے حقلوں سے کیا الجھنا اور ان کی باتوں میں کیوں پھنسا۔ ہم تو اس حقیقت کی طرف قدم اٹھانے والوں اور اس ذات مطلق کے عرفان پہچان کے لیے سینہ حزم بڑھانے والوں کا ذکر کر رہے ہیں اور انھیں کے متعلق کہہ رہے ہیں۔

ایزودا ہرمن کی تفریق کرنے والے، خالق خیر و خالق شر و خدا ماننے والے، آگ اور سورج کو دیوتا قرار دے کر ان کی پوجا کو اپنا وظیفہ بنانے والے، مادہ پرست دنیا داروں کی طرح ان لغویات میں پھنسنے رہیں، ہم انھیں کیا کہیں جب وہ اپنے معلمین کے بتائے ہوئے نور حقیقی کی طرف توجہ ہی نہ کریں۔

ہم نے جو کہہ کہا اور کہہ رہے ہیں وہ انہی نور حقیقت کا سراغ لگانے والوں اور معرفت کی راہ پر قدم بڑھانے والوں سے متعلق ہے۔ ان کی نہایت سچی کائنات کی وسعت اور دشمن اساتذہ صفات کی مہمکت ہے۔

دات جامع صیغ صفات ان شون والوں سے بالا، وراہ الودی، ثم وراہ الوری، اس کا پتہ اس کو ملا جو اساتذہ صفات سے آگے بڑھا اور یہ آگے بڑھنا ہی کو نصیب ہوا جس نے شاہد ذات سے اسم ذات کا سبق لیا۔

اس کے بعد تصوف پر اعتراض کرتے ہوئے اسے جو گہوں اور زر نشینوں کے سلوک سے تشبیہ دینے والوں کا ذکر کرتے ہیں اور ان کے اعتراض کا جواب رقم فرماتے ہیں:

ان ہمارے نا آشنا، ان حقائق سے بے پروا، وہ جن کو نہ اس راوی خبر نہ اس محبوب حقیقی کے عشق کا سودا، بے تم علمی و فنی سمی کے سبب یوں کہہ دیا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا سلوک یا تصوف جو کیوں اور زر نشینوں سے لیا گیا، ان کی حقیقت انہی کی عقلیں، ان کے اصول انہی کے معمول۔

جو کیوں اور زر نشینوں کے اصول ریاضت کو اسلامی تصوف کی صف میں لانا ایسا ہی ہے جیسے کاف کی نافرمانی بنا کر ہلی یا کسی برتن میں اسے چلانے والا بچہ کہے کہ بڑے بڑے جنگی جہاز اور زبردست اسلحہ بڑے بڑے دریا اور تاجیہ کبر مندہ کیا ہیں؟ سچی سیرا جہاز اور سچی سیرا بحر ویر۔

پانکھوے اور چنگ اڑانے والوں کہے کہ ہوائی جہاز کیا ہے؟ سچی سیرا کنگو۔ اس کا کل پرواز بھی ہوا ہے اور بری چنگ کا مقام عروج و ارتقا بھی سچی خلا۔ جس طرح آپ ان مثالوں کو سن کر نہیں سمجھے اسی طرح واقعہ ان معضلات کے تخیلات کو سن کر متعجبمان انداز میں قائل دیا کرتے ہیں۔

آگے بتایا ہے کہ اسلامی تصوف اور دیگر مذاہب کے اصول ریاضت میں کتنا فرق ہے۔ یہ اگلی جلد میں واضح ہو گا جس نظریاتی تصوف کا بیان ہے۔ اس سے واضح ہو گا کہ دونوں کے افکار و نظریات میں کتنا بعد اور کس قدر نمایاں فرق ہے۔ اس جلد میں تصوف کے عملی شعبے سے بحث کی گئی ہے اس لیے وہ تفصیلات یہاں مذکور نہیں۔ پھر یہیں چند فرق ملاحظہ کر لیجیے۔

(۱) ہر کیش کے سلوک میں ترک و تجرید لازم، برہمچریہ کے یہاں آشرم اور رہبانیت ضروری، یہاں لا رہبانیت یا الاسلام اصول اولین۔

(۲) وہاں انتہائی مشقتوں اور ریاضتوں کے بعد بھی سیر صفات سے آگے بار نہیں، یہاں ابتداء کا رہی نما عروج فی اللغات پر مدد۔۔۔ حضرت سرکار محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:

اول ما آخر ہر منتہی است  
آخر ما جیب حتماً قبی است



(۳) وہاں بعض خشتی بھی ہیں ذات کو صفات کہہ جاتے ہیں، یہاں ابتدا ہی سے لائین و لا غیر کا مسلک رکھتے یا آئینوں میں تجلیات کا معاینہ کرتے اور مظاہر صفات سے اسی ذات کے مشاہدات کی طرف راہ پاتے ہیں۔ یا مظاہر اور نشانیوں کو لا موجد کی نفی میں خاکرتے ہوئے، واجب و ممکن کے معانی فہم میں لاتے ہوئے ممکن و ہالک و حادث کو ایک اعتبار مفروضہ جہان کرالان کا کان کا رنگ ملاحظہ فرماتے ہیں۔

جلال و جمال دونوں صفات ایک ذات کا کمال جانتے ہوئے اس بحر ناپید اکنار میں غواض کے لیے جب آگے بڑھے کبھی انوار کی جھلک میں سب کچھ مشاہدہ کیا، کبھی ظلمات بعضہا فوق بعض کی تاریکیوں میں اپنے وجود کو بھی گم پایا بلکہ جانے کا احساس بھی کھویا، پھر کیسا نور کیسی ظلمات، نہ یہ رہا نہ وہ رہا۔ کثرت سے وحدت میں آیہ وحدت سے توحید کے مقام پر فائز ہوا، پھر توحید کی نفی صورت کو بھی چھوڑا التوحید ترک التوحید فی التوحید کا راز کھلا۔

چون کھوجا، تن پائیاں، گھرے پانی چلے

میں پلین لکسی بگٹی، رقی کنارے چلے

یہ حال ہے قال نہیں، نہ قلم کو یہاںے تحریر، نہ زبان کو بجا لیا تقریر، من سکت مسلم، من مسلم نجار۔  
نفی کی مخالفت اور مشقت و ریاضت پر رہبر این مذاہب کا اتفاق دیکھ کر کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سب مذاہب ایک ہیں، ان کی ہدایت کے لیے رقم طراز ہیں:

"اتحاد مذاہب کا خواب دیکھنے والے سطحیات پر سرسری نظر ڈال کر بھی اگر کسی قبیحہ پر پہنچنا چاہتے ہیں تو یوں ہی سمجھ لیں کہ وہاں اجماعی اور یہاں تکمیل، کماتیل، الیوم اَلْمَشْنُونُ لَكُمْ دِينُكُمْ وَ اَنْتُمْ عَلَیْكُمْ بَعْیْق وَ رَحْمَةُ لَكُمْ الْاِسْلَامُ دینا۔ (القرآن، ۳: ۵۰)

اتحاد مذاہب اور وحدت تصوف:

کچھ لوگ یہ جانتے ہیں کہ تمام مذاہب سے اچھی اچھی باتیں چن کر ایک نئی شکل ترتیب دی جائے۔ اس سے متعلق فرماتے ہیں:

"یہ کام کون کرے گا؟۔ ایسی حالت میں کہ عجائب و اہام پرستی کا بیوی حقیقی نوری کونوں کے سامنے حجاب بن گیا ہو اور باقیات کی آلودگی روحانیت کی لطافت پر گرد کی طرح چھائی ہو۔ یہ کام انسانی طاقت سے باہر ہے، انسان متفرد کیفیات کا حامل ہے، ممکن ہے کہ اس مبدک نیت وادارے میں اس کی اغراض ذاتی و عصبیت نفسانی شریک بن

جائیں۔ ممکن ہے وہی نفس لئیم جو اس راہ میں ہمیشہ رہ رہتی کیا کر تا ہے اس کو راہ ہی غلط بتائے۔ پھر باوصف کمال حد و جہد جو کچھ سامنے آئے وہ غلطی ہی غلط ہو، یقین کا اطلاق اس پر نہ ہو جائے۔ اس لیے کہ یقین کے لیے جن براہیں کی ضرورت وہ انسان کو میسر نہ ہو سکیں۔

بہر صورت اس ضرورت کی تکمیل کے ذمے داری بھی اپنی رحمت سے اس مالک قدوس جل جلالہ ہی نے لی۔  
اور اَقَامَ دِیْنَهُ التَّوْحِیْدَ فرماتے ہوئے یہ بتا دیا کہ صحیح اصولوں کی طرف رہبری ہمارا ہی کام۔ غلطی نہیں قطعی و تحقیقی وحی کے ذریعے فرمادیا گیا کہ: اِنَّ الدِّیْنَ قَدْ عِنْدَ الْاِسْلَامِ۔ طریق عروج الی اللہ، ہاں مقصد حیات کو پورا کرنے کی راہ ایک حلالی لفظ اسلام ہی میں مضمر۔ خدائی احکام کے سامنے سر جھکاؤ اور الہام وحی کے ذریعے جو رول ملے اسی کو اختیار کر۔ تمام مذاہب حقد جو انبیاء و اصفیاء نے پیش فرمائے، تمام طرق صحیحہ جو بعض سچے رہبروں اور بادلوں نے بتائے ان میں جہاں تک رطب و یابس نے دخل پایا، عقلیات و ذاتیات ملے، ذاتی اغراض و نفسانی خواہشات نے آلودگی پیدا کی ان سب کو غلطی حد و کر دیا گیا۔ اور دنیا کے انسانوں نے جس چیز کو بھلا یا یا منازل اور تھا پر کمانہ بنی فائز نہ ہونے کے سبب جو امور بخیر کئے گئے اس کی کو پورا کیا گیا، سبیل تکمیل کو دھو گیا، گھمری ہوئی تعلیم مکمل صورت میں، تمام مذاہب حقد کے عکس شکل میں اس محبوب ذات احدیت کی معرفت صحیح و غلطی کی اور فرمادیا گیا هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاَوَّلِیْنِ رَسُوْلًا یُّنْفِیْهِمْ مِنْتَلْوَاعَیْهِمْ اَنْیَیْہَ وَ یُؤْتِیْهِمْهُمُ الْکِتَابَ وَ الْحِکْمَہَ۔ (القرآن، ۲: ۲۱۳)

دور سول جو خدا کے سوا کسی اور کے سکھائے ہوئے نہیں، اس رب ہی کے جتانے سے اس کی نشانیوں لوگوں کو دکھائے، ان کا تزکیہ باطن فرماتے اور کتاب و حکمت کے اصول سکھاتے ہیں۔ وہ اپنے عقلیات کے تیر نہیں چلاتے۔ اپنی ذاتی اغراض کو دخل نہیں دیتے، وَ مَا یَسْئَلُ فِیْ عِشِ الْهَوَیْ، ظلمات پر اعتبار نہیں کرتے بلکہ جو کہتے ہیں اِنْ هُوَ اَوْ وَحْیٌ یُّوحِیْ، قطعی و یقینی ہے۔ ان کا مبلغ حقیقی، تاریخ کی مدونہ کتابیں نہیں بلکہ جو کچھ ہے وہ علیہ الغیب وَ الْغُفْلَہُ کے علم قدیم کا فیضان ہے۔

چودہ سو برس پہلے نہایت دل کش انداز میں عرب کی پر نور وادی سے دنیا نے سنا: الْیَوْمَ اَنْتُمْ لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَ اَنْتُمْ عَلَیْكُمْ بَعْیْق وَ رَحْمَةُ لَكُمْ الْاِسْلَامُ دینا۔ تم تکمیل چاہتے ہو وہ ہو چکی، تم تمام نعم کے منتہی ہو اس کی صورت سامنے آئی۔ شفت علی خلق اللہ کے مضمون کو ذہن میں لے کر تم تمام مخلوق کو ایک رنگ میں دیکھنا چاہتے ہو، اسلام کی طرف سے اجنبیت کا پردہ اٹھاؤ، وہ دیکھو اسلام کس محبت کے ساتھ تمام مذاہب حقد موسویت و مسویت کے سامنے والوں کو آواز دے رہا ہے: تَعَالَوْا اِلَیَّ فَاَعْبُدُوْنِیْ وَ یَسْتَفِیْضُوا مِنْیْ وَ یَسْتَفِیْضُوا مِنْیْ وَ لَا تُشْرِکُوْا بِہِ شَیْئًا۔ (القرآن، ۳: ۶۴)

(۱) عقیدہ توحید (۲) توحید الہی اللہ (۳) اعراض عاصوی اللہ، یہی تین زمریں اصول ہیں جن پر تمام مذہب حق کا دار و مدار ہے۔ اور یہی وہ باتیں ہیں جن پر تمام عالم کے حقیقت ہیں متحد ہیں۔ اسلام اس اتحاد کا سرور اور اسلام ہی اس واحد تصوف کا معلم جو تمام عالم کی خوبیوں کا مخزن، تمام جزئیات پر عبادی اور تمام محاسن کا جامع ہے۔ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَعِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ**۔

عالم کی عمارت جس ستون یا پتھر کے سبب ناقص تھی وہ ستون یا پتھر یاوں کہو کہ وہ رابطہ برقیہ جس نے تمام عالم کے مذہب حق کی عمارتوں کو باہم متحد کر کے ایک مستحکم قلعے کی صورت میں منتقل کر دیا، وہ سین قدیم، اسلام کے جوئے والے سرکار محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پیش کردہ طریق ہے۔

انھوں نے اپنے دامن میں سارے عالم کے حق گو اور حق پسند افراد کو لیا اور سب کو: **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا** کا درس دیا، خدا کی محبت اور پریم کا جام بھلایا اور ایک بارہ وحدت سے تمام عالم کو سرشار بنایا۔ جس کا دل چاہے، آئے، ایک نظم توحید کے نیچے جمع ہو جائے۔ اس احد و وحدت کی طرف دھیان لگائے۔ غیر اللہ کی نفی کرتے ہوئے لا الہ الا اللہ کہے اور محمد رسول اللہ (ﷺ) کے علی عاطفت میں تربیت پاتے ہوئے منازل عرفان طے کر لے۔

گھر ٹھیکھے یہ دولت مل رہی ہے، بے تلاش و جستجو، بے سعی و محنت یہ خزانہ ہاتھ آرہا ہے، فلسفیانہ رنگ کی طرف میلان ہو، دلائل و براہین کا قہر بے پایاں موجود، سادہ لطائف و حقائق کا ذوق ہو، اسے صفات کا مخزن، تمام کائنات کا قرآن کریم سامنے، **وَلَا تَطْلُبْ وَلَا يَأْتِ بِكَ فِي كُثُوبٍ فُتِي** (القرآن - ۵۹:۶)

خدا کا ذکر کرو، صفات میں فکر کرو، ذات کی طرف راہ لو، اس دہان کے خیالات دل سے بھلاؤ، ماسوی اللہ کا قہر قلب سے مرعہ، یک سوئی کے ساتھ اس کی طرف دھیان جماد، اگر مقصود کو نہ پاؤ، منزل بہ نہ پہنچ جاؤ تب ہی کچھ کہنا۔ جھگڑے سے منہ موڑو، زق زق، بتی بقی چھوڑو، انانیت کا رشتہ توڑو، دیکھو تو کبھی سب کچھ ملے، باتیں بنانے میں وقت ضائع نہ کرو، قیل و قال سے زبان کو روکو اور گمان و دھیان سے کام لو، روح کو لپٹی راہ لگے کی مہلت تو دو۔

قال را بگوار مرد حال شو

پیش مرد کاٹے پال شو

(کتاب تصوف ص: ۳۶۳۱۳۰)

یہ ہے اس مبارک کتاب کا ایک جلوہ بے حجاب، اس کے حقائق و معارف کا ایک دلکش انتخاب اور اس

کے حسن دل آرائی ایک نظر افروز جھلک جس میں مصنف کا داعیانہ جذبہ نمایاں ہے۔ زبان ادبیان کی دل کشی، عبادت کے کام کی چاشنی، وقت مضامین کو دلوں میں اتارنے کا فن، پیچیدہ مسائل کی تفہیم کا کمال، تصوف اور اس کی عملی مشق سے ہر لگاؤ، ایک شہ کمال کا انداز تربیت، ایک سچے مرشد و رہنما کا سوز و درد، ایک دینی راہی و مبلغ کا جوش و ولولہ سبھی کچھ عیاں ہے۔ میں نے حسب وعدہ اپنا تبصرہ بہت کم رکھا ہے تاکہ اہل نظر خود مبلغ اسلام علیہ الرحمہ کی تحریروں سے براہ راست مستفید ہوں۔



## سیدنا غوث اعظمؒ

کا ترجمہ تمام اولیائے بندہ ہے

تمہیدی گفتگو:

سرکار مفتی اعظم قدس سرہ کے زمانے میں ۱۳۹۸ھ کے عرس رضوی کے بعد دس بارہ دن حضرت کے ہوا کردہ دارالعلوم مظہر اسلام (مسجد نبی نبی) بریلی شریف میں میرا اور برادر گرامی مولانا عبدالحمید نعمانی کا قیام ہوا۔ درمیان اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے حاشیہ شامی (جد الامتار علی رد المحتار) کی نقل کا اصل قلمی نسخے سے مقابلہ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنی مملوکہ رد المحتار ہی پر حواشی تحریر فرمائے تھے۔ سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے یہ نو ہمیں حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی سفارش پر رضوی دارالافتاء سے مفتی محمد اعظم رضوی قادریؒ فیضہ کے ہاتھوں عنایت فرمایا تھا۔

اس کے آخر کے خشک اوراق پر سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد ”قدمی ہذہ علی رد کل ولی اللہ“ کے عموم پر اعتراض نقل کر کے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے جواب تحریر فرمایا تھا۔ اُس وقت میں دارالعلوم ندائے حق، جلال پور، ضلع فیض آباد (حالیہ ضلع: امبید کرگھر) میں مدرس تھا۔ جلال پور واپسی کے بعد دہلی، دنائے اندر وہ مضمون مع ترجمہ میں سے ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور میں اشاعت کے لیے مدیر اعلیٰ حب گرامی مولانا بدر القادری کے پاس بھیج دیا اور مارچ ۱۹۷۸ء (مطابق ربیع الاول و ربیع الآخر ۱۳۹۸ھ) کے شمارے میں شائع ہو گیا (ملاحظہ ہو مذکورہ شمارہ ص ۲۵ و ۳۱۳ اور کچھ جہے کے لیے ص ۲۱)۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی یہ تحریر ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۰۲ھ کی ہے۔ قصیدہ ”اکسیر معظم“ اس سے چند قبل نظم ہوا ہے اور ”مجید معظم“ کی تعریف و تسبیح ۱۳۰۳ھ میں ہوئی مگر نظر ثانی، کچھ مضامین کا اضافہ اور تکمیل ۱۳۰۴ھ قدس ۱۳۰۴ھ جماد الثانیہ بعد نماز جمعہ ہوئی۔ ملاحظہ ہو مجید معظم کا دیباچہ اور اختتام۔ مجید معظم میں بھی یہ اعتراض واجب قدر۔ تفصیل سے مرقوم ہے مگر مذکورہ صدر قلمی مضمون میں ایک بحث زیادہ ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ مضمون بھی یہاں شریک اشاعت کر دیا جائے۔ جہاں تک مجھے علم ہے ماہنامہ اشرفیہ (مارچ ۱۹۷۸ء) کے بعد یہ مضمون

۱۰۰۰ کس شان بھی نہ ہوا۔ تقریباً ۳۵ سال گزر چکے۔ اس مضمون سے کہے اس کا خلاصہ میں نے لکھا ہے۔ پھر ایک نوٹ ہے۔ پھر اصل مضمون اور ترجمہ ہے۔ نوٹ یہ لکھا تھا:

”امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مضمون ان کی مملوکہ رد المحتار للامام الشافعی جلد اول کے اخیر میں خشک اوراق پر خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے قلم فیض رقمی تحریر خاص سے میں نے مولانا عبد الحمید نعمانی کے ساتھ ۱۸ ربیع النور ۱۳۹۸ھ کو بریلی شریف میں نقل کیا ہے۔ فارسی مضمون اعلیٰ حضرت کا ہے اور توضیحی ترجمہ میں نے کر دیا ہے۔ فارسی داس حضرات اصل فارسی سے لطف اندوز ہوں اور ترجمہ میں اگر کوئی غلطی ہو تو مطلع فرما کر ممنون رہاؤں۔ ورنہ اپنے تاثر سے ضرور نوازئیں۔“

محمد احمد عظمیٰ مصباحی

دارالعلوم ندائے حق، جلال پور، فیض آباد، یوپی

۱۸ ربیع النور ۱۳۹۸ھ / ۲۵ فروری ۱۹۷۸ء

اب یہاں بھی پہلے خلاصہ تحریر کیا جا رہا ہے، پھر فارسی مضمون، بعدہ ترجمہ مذکور۔ عنوان دہی ہے جو سابقہ اشاعت میں رکھا گیا تھا۔

محمد احمد مصباحی

۲۷ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ / ۱۲ دسمبر ۲۰۱۲ء۔ چہار شنبہ

## خلاصہ مضمون:

حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بریلے امر فرمایا تھا: ”میرا یہ قدم خدا کے ہر ولی کی گردن پر ہے۔“ بعض حضرات نے کہا اس عموم میں اگلے پچھلے تمام اولیائے کرام شامل نہیں۔ اس لیے کہ اگلے اولیائے صحابہ کرام میں جن کی فضیلت سب پر مسلم ہے، اور متاخرین میں سیدنا امام مہدی ہیں جن کے متعلق حضور کی بشارت ہے۔ لہذا ارشاد مذکور کا مطلب یہ ہے کہ صرف زمانہ غوثیت کے ہر ولی کی گردن پر قدم غوث ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اس شبہ کا زیر نظر مضمون میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے جواب دیا ہے۔ - حاصل جواب یہ ہے:

(۱) تخصیص بلا ضرورت نہیں کی جاتی، اور کی جاتی ہے تو بقدر ضرورت۔

(۲) عرفان لفظ اولیا کا اطلاقی غیر صحابہ و تابعین پر ہوتا ہے، لہذا فرمان غوثیت ”نکل ولی اللہ“ کے زیر اطلاقی

وہ نکلا نہیں گئے کہ حاجت تخصیص ہو۔

(۳) سنی فضیلت دلیل سنی سے عین ہوتی ہے۔ سیدنا امام مہدی کی تفصیل پر جب کوئی دلیل نہیں ان کی فضیلت کا دعویٰ ہے جاوے۔

(۴) محض بشارت آمد دلیل فضیلت نہیں ورنہ بشارت حضور غوث پاک کے لیے بھی ہے۔

(۵) اور افضل بشارت ہوتی بھی فضیلت کی متقاضی نہیں۔ ورنہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان بشارتوں سے امام سے افضل ماننا پڑے گا جن کے متعلق کوئی تفصیلی بشارت مسطور نہیں۔

(۶) امام مہدی کا خلیفہ اللہ ہوتا ہے ان کی فضیلت کا متقاضی نہیں۔ کیوں کہ یہ خلافت الہیہ پر اور راست قسم نہیں، پورا سنا ہے۔ یہ سرکار غوثیت کو بھی حاصل ہے۔

(۷) سرکار غوثیت کے بعد امام مہدی کا زمانہ ہوگا اور بازار سیدنا مہدی ہوگا۔ یہ بات بھی فضیلت پر مہدی کا سبب نہیں ہوسکتی کہ یوں انتحاب نیابت کا سلسلہ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صدیقی اکبر ان سے بالترتیب خلفاء باعد تک جاری ہے، جو منور کے مقدم سے افضل ہونے کا سبب بزرگ نہیں، پھر سبب نیابت میں فضیلت سیدنا امام مہدی کا سبب کیوں کر ہوگی۔

(۸) برتیل تنزل اگر مان لیا جائے کہ سیدنا امام مہدی کی فضیلت ثابت ہے، اور لفظ اولیا کا اطلاق صحابہ تابعین کے لیے عام ہے، اور اس بنا پر ارشاد غوث اعظم میں تخصیص کی جائے، تو صرف بقدر ضرورت تخصیص کی جائے گی، اور کہا جائے گا کہ سرکار غوثیت مآب کے ارشاد مذکور سے صحابہ و تابعین اور سیدنا امام مہدی متشخص کیے جائیں گے۔ نہ یہ کہ تخصیص کا دائرہ اتنا عام کر دیا جائے کہ تمام اولیائے حقہ من و متاخرین کو محیط ہو جائے، اور حضور غوث اعظم فرمان صرف ان سے اہل زمانہ کے لیے محدود کر دیا جائے۔ اس لیے کہ قاعدہ یہ ہے کہ ضرورت کے تقاضے پر انہیں تخصیص کی جائے تو بس۔ قدر ضرورت اور اس سے زیادہ تجاوز نادرہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**اعلیٰ حضرت قدس سرہی اصل..... قدری تحریر کی نقل**

بِسْمِ اللَّهِ الرَّؤُفِ الرَّحِيمِ

قول قائل کہ واجب است تخصیص ارشاد ہدایت بنیاد "قدمی خذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ" بادلیاے ہمال زمان برکت نشان، ورنہ نیست ہمیش ہمہ اولیائے حقہ من و متاخرین را۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ زیرا کہ در حقہ من صحابہ اللہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم، و تفضیلہم علی جمیع اولیاء الامۃ مطلق بہ، و در متاخرین حضرت سیدنا امام مہدی است کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم از قدومش خبر داده، و اورا علیہ السلام نام نہاد۔ ہذا ملخص ما قال ذلك القائل۔

اقول و باللہ التوفیق اجماع دارند آں کہ باتفاق ایشان اجماع قاطع انعقاد یابد کہ حمل کلام بر قائل

واجب است۔ ما لم یضرب عہ صارف۔ کمال ہے دلیل اعتبار نشانہ دار نہ ان مرتب شدہ و ارجحہ نصیب و ہدایت با خصوص۔ و آن چه بقدر ضرورت ثابت شود ہم بقدر ضرورت مطلق ماند، و تعدیہ اولیاء اللہ است۔ و جمیع متعلق و حرفیہ و کلامہ تخصیص کے سر گذار و اذان باشد تا ان کے حاجت بایات اور تہجد زہد، تخصیص بخارج است۔ حتیٰ کہ امام الزکریا علیہ السلام نے یہ قطعیت فرود نیارہ۔ و کل ذلك مبرهن علیہ فی الأصول

ابا ثبت ذلك بقول: ان چنان کہ بنگام ذکر تفضل امیایا فیما بینہم حضرات عالیہ و نبی اللہ علیہم افضل صدقہ و اسلام۔ تخصیص مخصوص اللہ ہم چنان وقت ابانت قنات الیہ۔ اللہ در درجات خود با حضرت است صحابہ و ائمہ و رضوان ب استثنائش باشند۔ لیما ارنکر فی عقائد المؤمنین انہم افضل الامۃ جمیعاً، و لا بدس ہجہ احد ممن بعدہم۔ بقدر رنگ ہمیں اکابر خیار تابعین، قدس سرہم، شہداء و اولیاء اللہ تعالیٰ علیہم، بخیر القرون قونی ثم الذین یلوئہم ثم الذین یلوئہم۔

و نقل کنہ شطب را ان چه افادہ کرد حضرت شیخین علامہ البند شریف مولانا عبدالنقی دہلوی افاض اللہ علیہ من ہر کاتہ، و نفعنہ فی الدارین معلومہ و افاضاتہ، کہ عرفا لفظ اولیاء اللہ و ہم چنان عرفہ و معین، و سائیں، و مشائخ برادرارے صحابہ و تابعین اطلاق کردہ آید، بار ہاشیہ و باشی کہ "چشم و چنان ست مذہب صحابہ و تابعین و اولیائے است و عدلے ملت۔" اگرچہ صحابہ و تابعین خود اولیاء و ملائکہ سادات ایمانی بودند۔ پانچلہ ہاؤس۔ مگر ہمیشہ اس ارشاد واجب الایضاد اعظم شگستن ہوتے خام ترش نیست۔

و اما حدیث سیدنا امام مہدی جعلنا اللہ ممن والاہ، امین اقول، ورنہ بعلمی۔ ہمہ تفصیل سنی است، نقل مجرور را بدان راہ نیست فذل المدار مرۃ القرب، والعقل لا یہتدی الی مراد من دول مدرک من التسمع و تذاویر قائم شدہ بر تفصیل سیدنا امام ہر حفت سیدنا القوت رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ و من ادعی فعلیہ البیان۔

و ان کہ مصطفیٰ سنی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم بقدر و مش بشارت فرمود، اقول: بقدر و حفت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بشارت، و است، إذ قال فی الحدیث الصحیح لسیدنا علی المرتضیٰ و سیدنا البتول لوزہار کرم اللہ تعالیٰ و وجہہما: اخرج منکم اکثر اہلبیان۔

شاید مراد ان سے کہ اس جابہ تخصیص نام و تفصیل احوال مرادہ و اولیاء۔ اقول ان ہم بموجب تفصیل بشر بہ زعمہ او نیست۔ و اگر کتب سابقہ بشارت آمد و است بخلاف حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفسیر دیگر مناقب او، کہ در وی تعب الاحیاء، و اس معنی ہرگز بموجب تفصیلش باشد بر ہر اہل صحابہ و ائمہ از مہاجرین و انصار، و زہاد و شائیان ایشان با تخصیص ہیچ گاہ از کتب سابقہ مسطور نیست۔

والہا ان کہ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۃ اللہ باشد: اقول: سقا و طاعة! اما ایس خلافت پر اسکا کھڑا  
است نہ اصالت کہ بیچ فروغے از افراد انسان را ایس شرف نیست، جز حضرات انبیا و مرسلین علیہم الصلوٰۃ من رب  
العالمین، ایٹانند خلفائے مستقل، و من بعدہم خلفاء ایٹان۔ پس خلیفۃ اللہ اکبر سید الخلیفین است۔ صلی اللہ تعالیٰ  
علیہ و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔ و خلفائش ظاہر و باطن او بیکوثر ثم علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم و جمیع، و حضرت  
مہدی کہ خلیفہ باشد در حقیقت خلیفہ صلی مرتضیٰ است رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

بلکہ از محاورات صحابہ گرام معلوم است کہ خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں جناب صدیق اکبر را  
مقتدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ چون فاروق اعظم بر کرسی زعامت جلوہ گرد خواستند کہ اورا خلیفۃ خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ  
تعالیٰ علیہ وسلم گویند، حضرت فاروق اسں تطویل را مکروہ داشت کہ مرا خلیفہ خلیفہ گویند و انرا کہ پس از من آئے خلیفہ  
خلیفۃ خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، و لکن ایس لقب "امیر المؤمنین" وضع فرمود۔ بالجملہ خلافت الیہ  
حضرت مہدی را نیست الا بواسطہ و ہا پس معنی جناب غوثیت آب را نیز نقد وقت است۔ کما لا یخفی۔

والہا ان کہ امر بدست حضرت غوث اعظم تا ظہور پر نور حضرت مہدی است رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ باز باز، ہذا  
مہدی باشد۔ اقول ہم چہیں ایس منصب منتقل شدہ آمدہ است از حضرت رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ و التحیۃ۔ بحضرت  
صدیق، و از صدیق بفاروق، و از و عثمان، و از و علی مرتضیٰ، و از و ہمام حسن، و از و ہمام حسین باز ہمام زین العابدین  
جرتیب تا حضرت عسکری و بدست او بود تا ظہور حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اگر ایس انتقال موجب تفصیل  
منتقل الیہ باشد ہمیں کہ سخن تا بجا رسد۔ چہ بلاے جاہلی باشد کہ ایس انتقال را، انتقال سلب و عزل و فائدہ و لا حول  
ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ و چون ایس چہیں نیست تفصیل از کجا؟ من فقیر فی گویم کہ مضمونیت حضرت  
مہدی مقلوع ہے است۔ ابی گویم و پسیدی گویم کہ تفصیلش بر حضرت غوثیت معلوم نیست، پس چگونہ نقل کردہ شو  
بدان بر کلیت ارشاد کرد۔

وبعدہ الخلیفۃ و انی، غایت مافی الباب آنست کہ مائن فی عام مخصوص من بعض باشد، پس زہار تخصیص کردہ  
شود از و مگر افرادے کہ دلیل بر تخصیص اتہا قیام پذیرد۔ و در باقی بر عموم خود جاری ماند۔ کما هو القاعدة  
المعروفۃ۔ آنست کہ از ایس تخصیصات قبلہ پناہ جستن را تخصیص عظیم از پیش خود بے اقتضای دلیل بہ  
برند۔ فالخلق الحامل علی الظاہر، و الاجراء علی العموم، الا ما خص بدلیل، و العلم بالضراب  
عند المملک الجلیل۔ و صلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

کتبہ عبدہ المذنب أحمد رضا عفی عنہ بمحمد المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

[شب بسم (۲۰) ماور نشان المبارک لیلۃ السبت، ۳۰۲ ہجریہ علی صاحبہا الصلوٰۃ و التحیۃ۔ آمین۔]

ہدی تحریر کا اردو ترجمہ..... ائمہ محمد احمد معبائی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد "قدمی ہدے علی رقبۃ کل ولی اللہ" (امیرایہ قدم خدا کے  
برہائی کی گردن پر ہے) کے متعلق قائل کا کہنا کہ اس ارشاد ہدایت بنیو کو صرف کسی زمانہ مہدک کے اولیائے ساتھ خاص  
تر ضروری ہے۔ اور ارشاد عالی کے معنی ہیں کہ "میرے زمانہ کے برہائی کی گردن پر میرا قدم ہے"۔ اس ارشاد کو تمام  
اولیائے حق دین و متاخرین کے لیے عام کرنا جائز نہیں اور یہ معنی لینا درست نہیں کہ "اولیائے حق دین و متاخرین  
میں سے ہر ایک کی گردن پر میرا قدم ہے"۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اس لیے کہ حق دین میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم  
ہیں۔ اور تمام اولیائے امت پر ان کی تفصیل (انہیں سب سے افضل قرار دیا جانا) قاطع طور پر ثابت ہے۔ اور متاخرین  
میں حضرت سیدنا امام مہدی ہیں جن کی تشریف آوری کی خبر مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دی، اور انہیں  
"خلیفۃ اللہ" کے لقب سے سرفراز فرمایا۔ یہ ان ساری باتوں کا خلاصہ ہے جو اس قائل نے کہیں۔

جواب:

اقول و باللہ التوفیق۔ میں کہتا ہوں اور خدا ہی کی طرف سے توفیق ہے۔

تمہیدی مقدمے:

(۱) وہ تمام حضرات جن کے اتفاق سے اجماع قطعی منعقد ہوتا ہے اس مسئلہ پر اجماع رکھتے ہیں کہ "مقام کو  
اس کے ظاہر پر محمول کرنا ضروری ہے جب تک ظاہر سے بھرنے والی کوئی دلیل نہ ہو۔"

(۲) اور تاویل بے دلیل قابل اعتبار نہیں، ورنہ تمام نعوص اور خصوصت عوم رکھنے والے اقوال سے ایمان  
اٹھ جائے، کیوں کہ بے دلیل تاویل تو ہر نعص میں ہو سکتی ہے، اور اسی طرح ہر عام کو خاص کرنا ممکن ہے۔

(۳) وہ شخص جو ضرورت ثابت ہو پس قدر ضرورت تک محدود رہے گی، اُسے چاہے ضرورت سے آگے  
نہ جائے۔ حد سے تجاوز اور تعدی ہے۔

(۴) عقلی و عرفی تخصیصات اور ایسے ہی ہر وہ تخصیص جو اس حد تک ذہنوں میں جمی ہو کہ اس کے اظہار و  
بہان لفظاً حاجت نہ ہو یہ سب شمار تخصیص سے خارج ہوں گی، یہاں تک کہ (وہ عام جس سے کوئی فرد خاص نہ کیا  
یہ بظنی ہوتا ہے، اور جس عام سے تخصیص کر دی گئی ہو ظنی ہو جاتا ہے، مگر ایسی بے ضرورت تخصیص عام غیر  
نعوص نہ بعض کو (عام مخصوص من بعض بنا کر) درجہ قطعیت سے نیچے (مرتبہ یقینیت میں) اتارنے کے قائل  
نہ ہوتے ہوگی۔ ان تمام باتوں پر فن اصول میں یہاں قائم ہو چکی ہے۔



### تخصیص صحابہ کی بحث:

جب یہ ثابت ہو گیا تو ہم کہتے ہیں جس طرح امتیاز کے باہم ایک دوسرے سے افضل ہونے کا ذکر ہو تو انبیاء کرام علیہم السلام بے تخصیص مخصوص ہوں گے (اور کسی امتی کے سب سے افضل ہونے کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ دوسرے امتیوں سے افضل ہے، نہ یہ کہ حضرات انبیاء بھی افضل ہے۔) اسی طرح جب اولیاء اللہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باہمی درجات کے تفاوت کا بیان ہو تو حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بے امتیاز مقرر رہیں گے۔ (اور کسی ولی کی افضلیت کا یہی مطلب ہو گا کہ وہ دوسرے تمام اولیاء سے افضل ہے، نہ یہ کہ صحابہ کرام سے بھی افضل ہے۔) اس لیے کہ مؤمنین کے عقیدے میں یہ بات رائج ہو چکی ہے کہ صحابہ کرام تمام امت سے افضل ہیں (اور ان کے بعد کے کسی شخص کو ان پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ ان ہی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے رنگ میں خیر تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بھی مشتمل رہیں گے اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد مشہور ہے کہ سب سے بہتر میرا ذات ہے پھر دو لوگ جو میرے زمانے والوں سے مشتمل ہیں پھر وہ جو ان سے مشتمل ہیں۔

اور سارا جھگڑا اس سے ختم ہو جاتا ہے جو علمائے ہند کے شیخ الشیخ، شیخ محقق مولانا عبدالحق دہلوی علیہ الرحمہ نے افادہ فرمایا۔ اللہ میرا کی برکتوں کا فیضان عام کرے۔ اور ان کے علوم و اوقات سے ہمیں دونوں جہان میں نفع بخشے۔ (شیخ محقق کا افادہ یہ ہے) کہ ”عرفا لفظ ”اولیاء اللہ“ اسی طرح عرفاء و صلیین، سالکین اور مشائخ کے الفاظ کا اطلاق صحابہ و تابعین کے علاوہ بزرگوں پر ہوتا ہے۔ یار ہاستا ہو گا کہ یہ ہے اور وہ ہے صحابہ اور تابعین اور اولیاء امت اور علمائے ملت کا مذہب۔ اگرچہ صحابہ و تابعین خود اولیاء ہو بلکہ علما و اولیاء کے سردار تھے۔“

حاصل بحث یہ کہ جب عرفا اولیا کا طلاق صحابہ و تابعین پر نہیں ہوتا تو لفظ ”کل ولی اللہ“ سے ان حضرات کو خاص کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ لہذا ان حضرات صحابہ کا ذکر کر کے حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد کی تعظیم ختم کرنے کا غزم اور اس کے عہد کی قطعیت زائل کرنے کا قصد ایک ”ہوس خام“ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

تفصیص سیدنا امام مہدی کا جواب:

رحی سیدنا امام مہدی کی بات۔ اللہ تعالیٰ ہم کو انھیں دوست رکھنے والوں میں سے بنائے۔ آمین۔ میں کہتا ہوں اور میرا رب مجھے بخشنے:

(۱) کسی کو کسی سے افضل قرار دینے کا معاملہ سمعی، اور کسی نفسِ معترف کے سننے پر موقوف ہے، عقلی عقل کو اس میں دخل نہیں، کیوں کہ افضلیت کا دار و مدار قرب خداوندی کی خصوصیت پر ہے، اور عقل اس کے ادراک سے قاصر ہے، جب تک کسی دلیل سمعی کا سہارا نہ ہو۔ اور سیدنا امام مہدی کے سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

ثبت بھی نہیں۔ جو شہادت دیکھ کر کہہ دی ہو دیکھ کر کہے۔ اور جب دیکھ کر کہے تو افضلیت کا

(۲) اور یہ بات کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آمد سیدنا امام مہدی کی بشارت دی تو میں کہتا ہوں، آمد حضرت غوث رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بھی بشارت دی ہے۔ حدیث کجی میں ہے: سیدنا علی مرتضیٰ اور سیدنا جواد زہرا کرم اللہ تعالیٰ وجہہما فرمایا: تم دونوں سے بہت ہی طیب و پاکیزہ اولاد پیدا فرمائے گا۔ حضور غوث اعظم علیہ السلام کی اولاد میں ہیں، لہذا یہ بشارت انھیں بھی شامل ہوگی۔

(۲) شاید قائل کی مراد یہ ہے کہ سیدنا امام مہدی کے نام کی تخصیص اور حالات کی تفصیل کے ساتھ سرکار نے بشارت دی ہے۔ اور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں تفصیلی بشارت نہیں، تو میں کہتا ہوں: بشارت تفصیلی بھی بشر ہے (جس کے بارے میں بشارت دی گئی ہے اس) کو دوسروں سے افضل قرار دینے کی وجہ نہیں۔ کچھ کی آسمانی کتابوں میں حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خلافت سے متعلق ان کے دوسرے فضائل و مناقب کے ذکر کے ساتھ بشارت آئی ہے جیسا کہ کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ مگر یہ تفصیلی بشارت ہرگز سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ہزاروں ان مہاجرین و انصار صحابہ کرام سے افضل قرار دینے کا باعث نہیں جن کا ذکر کتب سابقہ میں کسی جگہ بھی ان کے نام و نشان کی خصوصیت کے ساتھ نہیں آیا۔

(۴) رضی یہ بات کہ سیدنا امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۃ اللہ ہوں گے۔

**اقول:-** بسر و چشم - مگر یہ خلافت الہیہ بہت واسطوں کے توسط سے ہوگی براہ راست نہ ہوگی، کہ افراد انسان میں سے کسی کو یہ شرف حاصل نہیں، سوائے حضرات انبیاء و مرصیین بہیم الصلوات والسلام کے۔ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے خلیفہ براہ راست ہیں، اور ان کے علاوہ حضرات ان ہی کے خلیفہ ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اکبر سید العین ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ و اصحابہ اجمعین۔ اور ان کے خلفاء کا ہر ایک باطنی ابو بکر پھر عمر، پھر عثمان پھر علی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

اور حضرت مہدی جو خلیفہ ہوں گے وہ درحقیقت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ ہیں۔ بلکہ صحابہ کرام کے عبادت سے معلوم ہے کہ "خلیفہ رسول اللہ" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہتے۔ جب فاروق اعظم کرسی قیادت پر جلوہ گر ہوئے تو صحابہ نے چاہا کہ انہیں خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہیں۔ حضرت فاروق نے یہ قبول نہیں کیا کیونکہ مجھ کو خلیفہ خلیفہ کہیں، میرے بعد اُسے کو خلیفہ کے خلیفہ کا خلیفہ" پھر اسی طرح بعد میں آنے والوں کے لئے اضافوں کا سلسلہ دراز کرتے چائیں،

لہذا انھوں نے "امیر المؤمنین" کا لقب وضع فرمایا۔

مختصر یہ کہ خلافت النبیہ حضرت مہدی کو ہے، مگر براہ راست نہیں بلکہ بوساطت۔ اور اس معنی میں توجیب غوثیت بآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی خلافت حاصل ہے۔ جیسا کہ مخفی نہیں۔ اور یہ بات کہ امر خلافت حضور غوث اعظم کے لیے حضرت مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ظہور پر فوری ہے پھر حضرت مہدی کا سکہ رائج ہو گا اور بازار بازار سیدنا مہدی ہو گا۔

اقول: اسی طرح یہ منصب منتقل ہوتا آیا ہے حضرت رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ سے حضرت صدیق تک، صدیقی سے فاروق تک، ان سے عثمان، ان سے علی مرتضیٰ، ان سے امام حسن، ان سے امام حسین تک پھر امام زین العابدین سے تہرتیب حضرت عسکری تک، اور ان کے ہاتھ میں یہ منصب سیدنا غوث اعظم کے ظہور تک نقل۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اگر یہ انتقال امر خلافت، منتقل الیہ (جس کے پاس منتقل ہو کر آیا ہے اس) کو افضل قرار دینے کا سبب ہو تو دیکھو بات کہاں سے کہاں جا پہنچتی ہے۔ جہالت عجیب بظاہر ہے کہ قائل خلافت و نیابت کے اس طرح منتقل ہونے کو یہ سمجھتا ہے کہ ایک سے خلافت سلب ہو جائے گی، اور اسے معزول کر دیا جائے گا پھر دوسرے کی طرف یہ خلافت منتقل ہوگی، جس سے یہ گمان کر لیا کہ یقیناً بعد وال غلیفہ معزول شدہ غلیفہ سے افضل ہوگا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العظیم۔ اور جب ایسا نہیں تو تفصیل کہاں؟

فقیر یہ نہیں کہتا کہ حضرت مہدی کا معزول ہونا قطعی ہے، لیکن میں یہ کہتا ہوں اور صاف کہتا ہوں کہ حضرت غوثیت پر ان کی تفصیل معلوم نہیں۔ تو ان کا نام قس کر کے حضور غوث پاک کے ارشاد مذکور (میرا یہ قدم خدا کے ہر ولی کی گردن پر ہے) کی کلیت پر کیوں کر نقض و اعتراض وارد کیا جاسکتا ہے۔

ساری چٹیس و چٹس کے بعد آخری بات بس یہ کہی جاسکتی ہے کہ ارشاد مذکور عام مخصوص منہ بعض ہے (یعنی ایسا عام ہے جس سے بعض افراد خاص کر دیے گئے ہیں) تو اس سے صرف ان ہی افراد کو خاص کیا جائے گا جن کی تخصیص پر دلیل قائم ہو، اور دوسرے سارے افراد میں یہ ارشاد گرامی اپنے عموم پر جاری رہے گا۔ جیسا کہ عہد معروف ہے، نہ یہ کہ ان معمولی تخصیصات کی بناء لینے کو خود اپنی طرف سے ایک عظیم تخصیص کرالیں جس کی بناء پر مگر کسی دلیل پر قائم نہیں۔ پس حق یہ ہے کہ کلام کو ظاہر پر محمول رکھیں، اور عموم پر جاری کریں، ہاں اگر تخصیص کریں تو صرف اس کی جو کسی دلیل سے مخصوص ہو۔ والعلم بالصواب عند الملك الجلیل و صلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

[آخر امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ تاریخ ۲۰ رمضان المبارک شب شنبہ ۱۳۰۲ھ]

## باب دوم

فکری و اصلاحی مضامین

## اہل سنت کی تصنیفی خدمات<sup>(۱)</sup>

اس موضوع پر اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور کئی محفلوں میں بھی اس پر گہرے بحثیں ہوتی رہتی ہیں، جن کا اصل زیادہ حنفی خیالات اور ماتم و مرثیہ کی طرف جاتا ہے۔ میرے خیال میں اولاً تو یہ حالات کا جائزہ اور مشقائے جائزہ لینا چاہیے تاکہ اس کا اصل یہ نہیں کہ صرف ماتم و مرثیہ سے زبان و قلم کو آلودہ کر کے، قتل کر دی جائے۔ ایک دوسرے کو مجرم قرار دیا جائے اور خود کو بالکل بری الذمہ اور بے قصور تصور کیا جائے۔ اگر تھوڑا بہت اپنے قصور کا اعتراف بھی دے لفظوں میں ہو تو عملی سرگرمی اور مثبت اقدامات سے دوری ہی برقرار رکھی جائے۔

یہ تو اپنے احباب اور بزرگوں کے ملک گیر تاثرات بتاتے ہوئے ان پر ضروری رہیاد کہ میں نے لگا دیے، خود ماتم و مرثیہ کے خیالات اس باب میں کافی تحلیل و تجزیہ اور بسط و تفصیل کے متقاضی ہیں۔ لیکن اپنی عدم اطمینان اور سامعین و قارئین کے قیمتی وقت کا لحاظ کرتے ہوئے چند اجمالی اشارات پر اکتفا کرتا ہوں۔ میرے پورے مضمون کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے علمائے کام بے پناہ کیا ہے اور مسلسل سرگرم جہد و عمل رہے ہیں۔ جن کی تفصیل کتابی شکل میں منظر عام پر آ چکی ہے، لیکن ضروریات اور وقت کے تقاضے کی ایک حد پر رکھنے والے نہیں، اس لیے یہ سلسلہ عمل، ترقی کے ساتھ جاری رہنا ضروری ہے اور کسی کوتاہی کا علاج شکوہ و شکایت نہیں، بلکہ محسوس، منصوبہ بند، مثبت اور تعمیری اقدامات ہیں۔ اب اس مختصر کی قدرے تفصیل ملاحظہ ہو:

اس میں شک نہیں کہ امام احمد رضا قدس سرہ نے ہر فن میں یادگار تصانیف چھوڑی ہیں خصوصاً فقہ حنفی میں انہوں نے اور ان کے جلیل القدر خلیفہ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ہماری ہمت کو اس منزل پر پہنچا دیا ہے کہ آج دنیا کا کوئی طبقہ ہمارے فقہی سرمایے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ امام احمد رضا قدس سرہ سے قبل علامہ فضل حق خیر آبادی، علامہ فضل رسول بدایونی، بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی علی و دیگر علمائے فرنگی محل، مولانا مراد حسین رام پوری، مولانا سلامت اللہ رام پوری، مولانا نجم الغنی رام پوری، مولانا سید عبدالقدیر محدث دکن، مولانا نور اللہ حیدر آبادی، مولانا موصی احمد محدث سورتی، صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی، مبلغ اسلام مولانا عبد العظیم صدیقی میرٹھی، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری، مولانا ظفر الدین بہاری وغیرہم علمائے اہل سنت و اہل سنت قدس سرہ

اسرار ہم نے تفسیر، حدیث، سیرت، تاریخ، منطق و فلسفہ، تاریخ ادیان و مذاہب، رد فرق جدیدہ، طب یونانی و غیرہ مختلف علوم و فنون میں اہم اور گراں قدر عربی، فارسی، اردو تصانیف کا ذخیرہ پیش کیا ہے۔ ان میں سے بیشتر حضرات درجنوں سے زائد کتابوں کے تجلہ مصنف ہیں اور ان کی بہت سی کتابوں کی اشاعت اور ان کی پذیرائی بھی ہوئی ہے۔ ان کی جلیل القدر خدمات کا انکار تو انکار ہے ان کے تذکرے سے تقاض بھی نہ صرف یہ کہ اپنے اسلاف کی احسان فراموشی اور غلم و نا انصافی ہے، بلکہ اپنی جماعت کی بھی کردار کشی اور ضرور سرائی ہے۔

حال کی خدمات میں بھی مفتی احمد یار خاں نعیمی کی تصانیف، خصوصاً شرح مشکوٰۃ، تفسیر نعیمی، اسی طرح علمائے اہل سنت کے حالیہ تراجم صحاح ستہ اور شروع حدیث مشکاۃ، تبیین البخاری، نزہۃ القادری، سیرت میں شفا شریف، مدارج النبوة، تصوف میں غنیۃ الطالبین، مکاشفۃ القلوب وغیرہ کے ترجمے اور دوسرے مختلف موضوعات و علوم پر بے شمار کتابوں کو نظر انداز کرنا اور بالکل منہی و مکروہ پر دیکھنے جاری رکھنا اپنے علمائے خدمات کی باقدری کے ساتھ اپنی جماعت کی بھی تحقیر ہے۔ جب کہ ہماری حریف جماعتیں نہایت منظم طور سے وہ کام بڑے شد و مد سے انجام دے رہی ہیں۔ ایک تو عام طبقوں کو یہ یاد کرانا کہ جو کچھ کیا ہے ہم نے کیا ہے اور اسلامی ہند کی علمی و سیاسی ترقی میں سدا کا کہ صرف ہمارا ہے۔ دوسرے یہ یقین دلانا کہ بریلوی جماعت محض جاہلوں کی جماعت ہے اور تصنیفی و تحقیقی میدان میں اس کی خدمات صفر کے درجے میں ہے اور جماعت اسی ہے تو اس کا عقیدہ بھی دینا ہی ہوگا۔

حالانکہ ان کا وسیع انظر حلقہ ہمارے علمائے اہل قابلیت و استعداد اور ان کی خدمات سے ابھی طرح واقف ہے لیکن ان کی یہ منظم سازش ہے کہ اہل حق کی ہر آواز کو دبا دے، ان کی ہر قدر اور شخصیت اور اس کی خدمات کو دفن کر دے۔

ایسے ماحول میں کسی مقررین، مدرّسین، طلبہ، شعراء، مصنفین، ناشرین اور سارے اہل باطن و فاضل کا فرض اور ہم فرض تو یہ تھا کہ تقریر و تحریر ہی نہیں بلکہ فنی مجلسوں، دورس کا ہوں بلکہ تفریحوں میں بھی اپنے علماء اور اپنی جماعت کی خدمات کو زیادہ سے زیادہ متعارف بھی کرائیں اور ان کے نقش قدم پر چلنے ہوئے اپنے حلقہ میں کو بھی چلانے کی کوشش کرسکے۔ عام تعارف کے سلسلے میں ہمارے مقررین کا طبقہ سب سے اہم رول ادا کر سکتا ہے۔ کاش وہ اس طرف توجہ ہو۔

یہ عہد حاضر کے قابل ذکر و اشہر ان اہل سنت کا کتابتاً بڑا عظیم سہو اور تقاض ہے کہ ان کی تقریریں اور تحریریں ہمارے جماعتی مخالفین بلکہ ہٹ و دم معاہدین کے لیے ہماری کردار کشی کا خاصا سوا اور اہم کارہی ہیں۔ اپنے سی فوجوانوں کے جذبات کی توجیز کرنے اور سرگرم عمل بنانے کے لیے علمائے حق اور جماعت اہل سنت کو غلط طور پر تاراج اور اونچ و کھانے کے علاوہ بھی بڑا زور دینا ضروری ہو سکتی ہیں۔

میں اعتراف کرتا ہوں کہ کام کا وسیع میدان ابھی خالی پڑا ہے، مگر چہ اپ تک بے پناہ کام انفرادی طور پر ہر

میں ہونا ہے۔ جو کچھ کی روٹی اور آئندہ جو سرگرمی ہوئی ہے اس باب میں ہر باتیں خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ (۱) بد مذہبی کا جہل کن سیلاب بر صغیر میں تقریر و تحریر، تحقیق و تصنیف، سیر و تفریح، لاجت ہجرت، بطور مجلسی دورک بر جل میں اہل حق کی آبادیوں کی طرف بڑی تیزی سے بڑھا اور پھیلنا، ہمارے حلقوں نے ہر جہاندار اور عریاں طور بھی سی عوام کو بیکار کیا اور مستحقین یورپ سے بیکہ بیکہ کر دینے کی دلدے بھی ہمارے تعلیم یافتہ اور سادہ لوح طبقہ کو دینی طرہ بیکارنے کی کوشش کی۔ پہلے اپنے کسی غیر اختلائی کام سے انہیں متوجہ کیا۔ پھر اپنی شخصیت کے ساتھ اپنا عقیدہ بھی ان کے ذہن میں اتار دیا۔ اور بھی طرح طرح کے حربے ان کے پاس ہیں جو اہل نظر سے مخفی نہ ہوں گے۔ ایسے بیباک ماحول میں علمائے حق کو نہ تو تنظیم کا موقع ملانہ ان کی طرح اپنی شخصیت، پھر اپنا عقیدہ منانے کی مہلت ہاتھ آئی۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ برہنہ، جماعت اور تحریک میں اسیرت اور عظیم زیادہ ہوتی ہے۔ جب کہ قدیم جماعت کے بیت سے افراد سرد و جذبات اور اس کے نتیجے میں انتشار و بد نظمی کا شکار ہو جاتے ہیں، یہ ہادی جماعتی زندگی حتی کہ جماعت کو اہل کے مصلوں سے بچانے کے لیے جو جہاں تھا وہی سرگرم عمل ہو گیا۔ اس وقت کا علمائے فریضہ کی تھا کہ آبادیوں کی طرف بڑھنے والے تیز و تند سیلاب سے قوم کو دھانکنا، انداز میں فوراً باخبر کرکے اور اس کو تباہی و ہلاکت کے تدار سے جتنی جلد ہو سکے نکالیں یا پکارتیں اور آئندہ محفوظ رکھیں۔

یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ شکار ہونے والی قوم کا غالب طبقہ یا کم خاندان خاص کے لیے تصانیف کے اہل ہے سو ہیں۔ اس لیے تقریر اور زبانی تبلیغ پر ہر طرف زیادہ توانائیاں صرف کی گئیں۔ جب کہ تعلیم یافتہ کی اصلاح و ہدایت اور مقررین و مبلغین سے بھی غافل نہ رہے بلکہ امام احمد رضا قدس سرہ کی تقریر ساری کوشش اسی سے برسرِ کار رہی۔

(۲) ان سنگین حالات میں ہوا یہ کہ ان انفرادی خدمات اور بر صغیر کے چپے چپے میں پھیلی ہوئی علمائے حق کی اصلاحی و دعوتی سہائی کو نوٹ کرنے اور ان کا رکارڈ رکھنے والے افراد بھی خاطر خواہ نہ رہ سکے، بلکہ ہر شخص اسی خدمت میں مصروف ہو گیا جس میں دوسرے مصروف تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فنی اور بلاوائف نسل کو ان خدمات سے اپنے طور پر روشناس بھی حاصل نہ ہو سکی۔

حال میں مولانا محمود احمد قادری کی کتاب ”مذکرۃ علمائے اہل سنت“ مولانا عبدالحکیم شرف قادری کی ”مذکرۃ اکابر اہل سنت“ ان کے شاگرد مولانا عبدالمستدر قادری کی ”مرآۃ التصانیف“ اور مستند ماہناموں کے شخصیات نے ان کے اس باب میں اہم کردار ادا کیا۔ مذکورہ اور دوسری تعداد فی تصانیف نے شخصیات اور ان کی متنوع خدمات کو اجاگر کیا۔ اور ”مرآۃ التصانیف“ نے صرف تیر ہوس، چھو ہوس، صدیقی کی تقریر کاچہ بڑا تصانیف اہل سنت کا تعارف

کرایا ہے۔ پھر میں اعتراف کرتا ہوں کہ اب بھی کام باقی ہے، لیکن ان اہم سبب کی اشاعت کے باوجود کوئی ان سے متاثر نہیں کرے گی۔ غیروں کی سہولت ہار گشت جتنا اپنے اور اپنی جماعت کے لیے سہا پہا فخر، باعث وقار اور منفعت بخش سمجھتا ہو تو اپنی پسند فکری اور اپنی محنت و مصلحت تک ہمارے فہم قاصر کی رسائی اب تک نہ ہو سکی اور خدا کرے کہ آئندہ بھی نہ ہو سکے۔

(۳) تصنیف، اشاعت، پندیرائی یہ تین چیزیں ہیں اور تینوں میں اتنا گہرا ربط ہے کہ ان میں سے صرف تصنیف پر نظر مرکوز رکھی جائے تو بہت سی دشواریاں کا حل بھی فراہم ہی نہ ہو سکے گا۔

تصنیف بغیر اشاعت کے اپنا مقصد اور فائدہ کھو بیٹھتی ہے اور اشاعت ہو لیکن قوم اپنے چند سکوں کو اس سے زیادہ محبوب اور قیمتی سمجھتے ہوئے اس کی پندیرائی نہ کرے تو اشاعت بھی بیکار ہو جاتی ہے اور مصنف اور شریک کا قلم حوصلہ تک حوصلہ شکنی اور سخت ناقدری ہوتی ہے جب کہ پندیرائی سے اشاعت کو قوت ملتی ہے اور اشاعت سے تصنیف کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

اس تجزیہ کے بعد خاص بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آج دوسروں کی طرح ہمارا عالم، مفکر اور صاحب قلم انسان بھی مختلف معاشی اور خانگی مشکلات میں گھرا ہوا ہے۔ دوسرے وہ علمی استعداد اور وہ ایمانی حرارت، وہ تکیوں جذبہ ایثار و قربانی سے دھکتا ہوا سینہ، وہ فقر و درویشی کا لباس و مسکن اور اس پر قناعت جس سے اسلاف کی بڑی تعداد سرشار نظر آتی ہے آج یہ اوصاف خال خال ہی ملتے ہیں اور ذرا بے احتیاطی سے بولنے کی جسارت کروں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ ناہید ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کل کا عالم تدریس، تقریر، تصنیف، بیعت و ارشاد حق کی تعویذ نویسی کے ذریعے حاجت روائی سب سے تنہا عہدہ برآ ہو رہا ہے اور اپنی معیشت کا انتظام بھی کر لیتا اور آج جس شعبے سے معاش وابستہ ہے وہ قوتور جاری ہے، لیکن باقی کے لیے فرصت نکالنا جو شیر لانے سے کم نہیں۔ پھر بھی جو کچھ ہو جاتا ہے رب قدر کے بے پناہ شکر و امتنان اور قوم کی طرف سے خاطر خواہ قدر و دانی اور بہت افزائی کا حق ہے۔

اگر تدریس کی طرح تصنیف کا معاملہ بھی ہو تو اس باب میں حرمت انگیز اضافہ بہت جلد سامنے آ سکتا ہے کیوں کہ جماعت پر چودہ سو سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی خدا کا شکر ہے کہ آج ہمارے اندر اب علم و فن کا ایک بڑا طبقہ ایسا موجود ہے جس کے جذبات سرد نہیں اور جس کا خون سفید نہیں ہوا ہے۔ حالات نے قسم ڈھالی ہے تو یہ:

فکر معاش، عشق ممل، یاد و فکراں

اس مختصر سی عمر میں کیا کیا کرے کوئی

مختصر آئیہ عرض کروں کہ اگر دارالتعمیم کی طرح دارالتصنیف اور دارالاشاعت وغیرہ بھی ہو اور باضابطہ خدمت ملی

جتنے کام زیادہ بھی ہو گا اور مستحکم و مربوط بھی۔ ایک اصلاحیت قلم کار اپنے کام کے لیے عظیم لائبریری، طباعت کا سرمایہ، اشاعت کے وسائل تنہا کیسے فراہم کر سکتا ہے اور دنیا بھر کے گونا گوں موضوعات سے دس پانچ آدمی مل کر چشم زدن میں کیوں کر عہدہ برآ ہو سکتے ہیں؟ ان کی شکایات کو نظر انداز کر کے تن آسانی اور مقدار پرستی کا الزام لگانا سخت ناانصافی ہے۔ گو بعض افراد پر اس طرح کا غم نہیں اور متنبی ہو لیکن سارے اسلاف اور موجودہ اصاغر و اکابر پر یہ الزام عہد و فکر کی نشانی ہے۔

اگرچہ آج بھی ہماری جماعت میں لکھنے والوں کی کمی نہیں اور صرف جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں درجنوں دیکھے لکھے والے بیٹھ رہے ہیں اور فارغ ہوتے ہیں، دیگر مراکز دہرا دہرا کے فارغین و طلبہ بھی ہرگز اس سے خالی نہیں ہوتے بلکہ ان کے کام بھی ان کی بساط کے مطابق سامنے آتے رہتے ہیں۔ لیکن مناسب موقوف نہ ملنے پر ان کیوں کی صلاحیتوں کا مارجاننا بالکل فطری اور لازمی امر ہے۔ جب کہ ان کو پانچواں مدرس کی طرح پانچواں مصنف بنایا جائے اور ان کے لیے تمام تر سہولتیں فراہم کی جائیں اور خاطر خواہ رہنمائی بھی کی جائے تو وہ چند برسوں میں عالمی برہنہ ہو کر انجمن خیالات سے قوم کو بہرہ ور کر سکتے ہیں۔ آج وہ طریقے اپنائے جاسکتے ہیں:

(۱) ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے سیکڑوں مدارس جہاں تعمیر و تعلیم کے لیے ہزاروں جتن کرتے ہیں وہیں ایک بڑی لائبریری پر بھی توجہ دےں اور دو چار اہل قلم کو بھی معقول مشاہرہ پر ایک پروگرام دے کر مقرر کر لیں۔ پھر ان کی تصانیف کی طباعت و اشاعت کا بھی شہرہ رکھیں۔

(۲) قوم کو تیش بہا ہنہا، تعاون مدارس کے لیے خون فراہم کر سکتا ہے۔ کی صرف یہ ہے کہ ان کی ضرورت و رزقت قوم کو بتائی جائے اور اسے ان کی اہمیت و افادیت اور کام کے خالی پڑنے ہوئے وسیع میدان سے اچھی طرح آگاہ کیا جائے۔ قوم موجودہ اداروں کی بھی مدد کر سکتی ہے اور اس سے آئندہ مزید تصنیفی و اشاعتی ادارے قائم کر کے ان کے لیے بھی تعاون حاصل کیا جاسکتا ہے۔

جو قوم عرض و قولی، محرم کی سیلوں، جلسوں اور کانفرنسوں وغیرہ کے لیے پانی کی طرح رو پے بہا سکتی ہے وہ آئندہ بھی دارالتصنیف و دارالاشاعت وغیرہ کے لیے بھی بھرپور توانائیاں صرف کر سکتی ہے۔ اس کے جذبات کی اعلیٰ قدر و دانی اور صحیح رخ پر لگانا ہمارا ہی فریضہ ہے۔

فطال مذکورہ دونوں طریقوں سے تفسیر، حدیث، سیرت، تاریخ، جدید فلسفہ و ادب، رد استراق، رد بدعت و غیرہ سے حق ان تمام خانوں کو جن میں خلا نظر آرہا ہے، جدید تراویز خوب تر انداز میں لے کیا جاسکتا ہے۔

اس طرح ضرورت و ماحول کے مطابق نئی تصانیف کتابیں بھی تیار کی جاسکتی ہیں۔ موجودہ نصاب پر تنقید ہو جائے، لیکن



قبول نصاب بہتر و کامل اگر چاہتے ہیں تو نصاب کے تصنیفی بورڈ کے علاوہ چارہ کار نہیں۔ کاش انکوئی ایسے بھی سوسے۔  
تصنیف و اشاعت کے میدان میں مسیحی دارالاشاعت مہلک پارہ "مرکزی مجلس رضالامہ" اور "مجمع الاسلامی مہلک پارہ" "مکتبہ الطیبہ الہ آباد" "مکتبہ قادریہ لاہور" جیسے قومی سطح کے اداروں کی خدمات خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔  
تجارتی جیواہر کام کرنے والے ادارے بھی اگر ممبرانہ پابندی کو ساتھ رکھیں اور خواص کے لائق زیادت و کمائی سے نکلے والی کتابوں کو بھی نکالنے اور پھیلانے کی سعی مراد جاری رکھیں تو دارالانقلاب برپا ہو سکتا ہے۔ ہم علیٰ قریٰ کا سحر دیکھنے کے مشتاق ہیں خواہ اس کے پیچھے صالح تجارتی جذبہ یا تجارتی و تبلیغی دونوں سے ملتا ہوا جذبہ ہی کار فرما ہو۔ پارہ اشاعت سے گزشتہ موجودہ خدمات کا احیاء اور ان کی تجدید از حد ضروری ہے۔ یہ نہ ہو تو بس خلائی غلام کھلی گے۔

(۳) ان سب کے بعد انفرادی و اجتماعی طور پر اشاعتوں کی پیرائی از حد ضروری ہے، جس کے لیے ہر شخص کو ایک توہین ذاتی لا تعمیری قائم کرنا اور اپنی جماعت کی تمام نشریات کو بڑی عالی ظرفی اور مثالی حوصلہ افزائی کے ساتھ خریدنا ہوگا۔ دوسرے زیادہ سے زیادہ قومی لا تعمیری قائم کرنا اور ہر رسوں میں کتب خانہ کے اس شعبہ کو بھی قریب دیکھا ہوگا۔ عوام کے اندر بھی کتابیں خریدنے، پڑھنے، لکھنے قائم کرنے، اشاعتی مراکز کی فہرستیں حاصل کرنے اور کتابیں منگانے کی تحریک کرنا ہوگا۔ مراسلات سے ناشرین اور مصنفین کی حوصلہ افزائی بھی کرنی ہوگی۔

یہ ماحول برپا ہو جائے تو ہمارے روزناموں کی خاطر خواہ نکالی اور ان کے لیے خون کی فراہمی کوئی مسئلہ نہ جائے گی اور قوم مصنفین کو بھی مقررہ متن کی طرح خوش حالی و قارخ اہل کے علاوہ فکر و فکری جولانیت اور بحث کی دماغ مزہ کاوش اور نگار دینے والی مکتوں میں ثبات و استقامت بھی مضار کے کی۔ اس طرح ہمارے اہل قلم کی نگارشات کا میدان زمین سے آسمان پر پہنچ جائے گا اور ہمارا قلم کار اس انداز کی جدت طراز قلمی خدمات بھی انجام دے سکے گا جو مغرب کے قارخ اہل اور خوش حال طبقے کا طرز امتیاز سمجھا جاتا ہے۔ پھر ہر طرف سے یہ آواز سنائی دے گی:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ

سر رہے میری آنکھ کا خاک دیند و نجف

لیکن یہ بات کسی لمحہ ذہن سے اوجھل نہیں ہونی چاہیے کہ اس قسم کا ماحول برپا کرنے کے لیے کوئی آہن سے چل نہیں ہوگا نہ ہی ہمیں دفن کرنے والا مغرب و مشرق ہمیں آگے بڑھانے آئے گا۔ بلکہ ترقی و خوش قدمی کی واحد صورت یہی ہے کہ ہمارا طبقہ اور ہر فرد اپنی اپنی ذمہ داری محسوس کرے اور قائم و شکوہ کے بجائے جس طرح بھی ہو سکے کوشش و سوجھ بوجھ اور باب علم و فن اور اصحاب قلم اس قلم کے کار کو مضبوط اور مستحکم و مستحکم کرتے ہوئے آگے بڑھانے کی سرگرم کوشش کرے۔ السعی منا والإتمام من الله۔

## اہل سنت کی شیرازہ بندی — مسائل اور امر کائنات (۱)

آج جب ہم اہل سنت کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو ان میں بنیادی فکری و اعتقادی اتحاد کے باوجود عالمی یا قلمی یا اصولی یا فنی سطح پر علما کوئی باضابطہ اور تباہ نظر نہیں آتا۔ یوں لگتی ہے ضروریات اور وقتی کاموں کے لیے لوگ ایک دوسرے سے رابطہ ضرور رکھتے ہیں مگر جماعتی و اجتماعی انداز میں کوئی باقاعدہ تنظیم کسی میدان میں نہیں۔ نہ کوئی دعوتی و اصلاحی مرکز ہے جس پر سب متفق ہوں، نہ کوئی روحانی قیادت ہے جس کا مرجع اور سب پر اثر انداز ہو، نہ کوئی تعلیمی و تحقیقی ادارہ ہے جس میں سب کے لیے کشش ہو اور جس کی پیشوائی سب کو قبول ہو، نہ کوئی علمی تحقیقی تصنیفی مجموعہ ہے جسے قبول حاصل ہو، نہ دوسرے سماجی و قلمی میدانوں میں کام کی کوئی اجتماعی سب سے جو قابل ذکر ہو۔ اور سیاسی میدان تو بالکل خالی ہے، اس میں نہ ہماری کوئی نمائندگی ہے، نہ قومی و قلمی سطح پر ہمارا کوئی نام و نشان۔ یہ پورا وسیع و وسیع میدان غیر دلا کے لیے محفوظ ہے۔

اس سے انکار نہیں کہ انفرادی طور پر جماعت میں بہت سارا کام ہو رہا ہے اور اسی کی بدولت جماعت کا کاروبار کی طرح رواں دواں ہے لیکن اجتماعی اور تنظیم کی شان ہی الگ ہے اور اس کے شرارت و کات بہرہ گیر اور پائدار ہیں۔

**مسائل:** اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل سنت و جماعت جن کا وجود مجدد رسالت سے آج تک پورے تسلسل کے ساتھ جلا رہا ہے، ہمیشہ بیرونی و اندرونی سازشوں کا نشانہ بنے۔ خارجی طاقتوں کا نشانہ بھی نہیں رہے اور داخلی فتنوں کا شکار بھی بنی ہوئے۔ خلافت راشدہ کے دور اخیر میں خوارج کا گروہ ہمارے ہی درمیان سے نکلا اور خود مسلمانوں کے خون کا پیاسا ہوا، اس کے بعد بھی ہر دور میں ایک تسلسل کے ساتھ فتنے اٹھے، فرقے بنے اور اہل ذہاب بڑھے رہے۔ اہل سنت کی تعداد کم ہوتی رہی، اہل حق کو اکثر اوقات میں بیرونی دشمنوں سے بھی مقابلہ کرنا پڑا اور اہل کفر و فتنوں سے بچانے کے لیے بھی سرگرم رہنا پڑا۔ ان کی درد مندی، غلصت، سرگرمی اور ہمہ جہت مساعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے فرقوں کا خاتمہ ہو گیا اور آج ان کی طرف اپنے کو منسوب کرنے والوں کوئی نہ رہا۔ یہ اور بات ہے کہ ان کے اٹھانے ہوئے کچھ خیالات بعد کے نئے فرقوں میں ور آئے اور ان کے اثرات آج بھی باقی ہیں مگر قدیم طرز حق اور ان کے معادین سے جو کچھ ہو سکتا تھا اس میں انھوں نے کوئی کسر روا نہ رکھی۔

اب اہل سنت پر جن فروع کا حصہ زیادہ شدت سے ہو رہا ہے وہ تقریباً دو سو سال قبل کی چیز ہیں اور جن سے اہل سنت ہی کے درمیان سے نکلے اور ایک نیا مذہب بنا کر اہل سنت کو صراطِ مستقیم سے ہٹانے اور سنتے حال میں پھنسانے کی کوشش کی ہے شروع کر دی۔ اس کے لیے انھوں نے مختلف حربے استعمال کیے:

- (۱) کتابیں لکھیں جن میں اہل سنت کے عقائد و معمولات کو شرک و بدعت قرار دیا۔
- (۲) اجتماعات اور جلسے کر کے لوگوں کا ذہن مسموم کرنے کی کوشش کی۔
- (۳) لوگوں سے مکاتوں، دکانوں پر ملاقات کر کے انہیں اپنی طرف راہل کیا۔
- (۴) اہل سنت کے درمیان اپنے مکاتب و مدارس قائم کر کے تعلیم و تربیت کے نام پر ہمدردی و قریب کیا اور اسے اپنا ہم عقیدہ اور اپنے مذہب کا داعی و مبلغ بنادیا، اسی طرح اہل سنت کے درمیان مسجدیں بنائیں جن کی مسجدوں پر قبضہ کیا پھر نمازیوں کو اپنا ہم عقیدہ بنالیا۔
- (۵) اسکول اور کالج قائم کر کے عصری تعلیم کا شوق دلایا پھر طلبہ کے ذہن میں ایسا عقیدہ اور مذہب بھی بکھیر دیا۔
- (۶) کلمہ و نماز کی تبلیغ کے نام پر ایک جماعت قائم کی اور اس کے ذریعے اہل سنت کے بے شمار افراد اور چھوٹی بڑی بہت سی آبادیوں کو اپنا ہم عقیدہ بنالیا۔
- (۷) ان کے علاوہ تحقیق و تصنیف، سیاسی و سماجی نکل و حرکت اور دوسرے ہر قسم کے ذرائع سے لوگوں کو جھٹلایا اور اجماع و معتقد پھر اپنا ہم عقیدہ بنانے کی کوشش کی۔

ان حرکتوں سے نقصان صرف اہل سنت کو پہنچا، ہمیشگی کی تعداد کم گئی، انہی کے افراد اہل باطل کا نشانہ بنے اور وہی طرح طرح کی سازشوں کا شکار ہوئے۔ اور یہ سلسلہ آج بھی پوری قوت کے ساتھ جاری ہے۔

اب اہل سنت کے سامنے دو چیلنج ہیں:

- (۱) اپنے نئے ہوئے افراد کو پھر جوڑنا۔
- (۲) دیگر افراد کو شکار ہونے سے بچانا۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ دشمن کے پاس جتنے اسلحہ اور ہتھیار ہیں ان سے زیادہ ہتھیار اور ان سے قوی اسلحہ ہمارے پاس ہوں، ان کے اندر جو سرگرمی اور مستعدی ہے اس سے زیادہ ہمارے اندر ہو۔

اس کے لیے ہمیں اختلاف و انتشار سے دوری اور تحفظ عقائد و فروغ مسلک کے لیے اجتماعیت اور شہادت بندی کی قدر ضروری ہے، یہ اہل دانش کے لیے حکمتِ بیان نہیں۔

**امکانات:** پیشوایان اہل سنت اور دوستان ملت اگر دل و جان سے متوجہ ہوں تو اسباب و وسائل کی

ذاتی ہمارے لیے بھی ممکن ہے اور ایسا ہو سکتا ہے کہ کام کو مختلف حصوں اور شعبوں میں تقسیم کر کے ہر شعبے کے لیے لائق اور فعال افراد پر مشتمل مجلس یا بورڈ بنادیا جائے تاکہ کام آسانی سے ہو سکے۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ تین چار یا چار پانچ افراد پر مشتمل ایک تحفہ ٹینک یا مجلس اعلیٰ ہو، جو ہر وی ہالغ فکری کے ساتھ تمام امور کے لیے منصوبہ سازی، مجلس سازی، اصول سازی اور تحفیہ و ترویج کی ذمہ دار ہو۔ اسی طرح مشکلات اور رکاوٹوں پر غور کرنے اور انہیں دور کرنے پر بھی اس کی نظر ہو۔

یہ کام ممکن ہونے کے ساتھ مشکل ضرور ہے۔ وقت اور سرمایہ کی بڑی قربانی چاہتا ہے۔ اتنے جیسے ملک میں چھپے ہوئے اہل سنت کی شیرازہ بندی اور ہر خطے کے لوگوں کو متحرک و فعال بنانا اور شطراتِ سطوں کے دفاع کے لیے بے شمار و تیار رکھنا کوئی ایسا کام نہیں جو چند دنوں یا مہینوں کی محنت میں انجام پڑے ہو جائے۔ مہینوں بلکہ برسوں کی محنت درکار ہے۔

ہو سکتا ہے کہ قبلہ ہر علاقے کا دورہ کر کے وہاں کے حالات اور ضروریات کا جائزہ لیا جائے، قابلِ عمل اور اپنی اہم و اہم تلاش کیے جائیں، پھر جہاں کتب، مسجد، مدرسہ، اسکول، کالج، شفاخانہ وغیرہ قائم کرنے کی ضرورت ہو ان کا قیام عمل میں لایا جائے اور طے شدہ خطوط پر ان کا انتظام معتد افراد کے سپرد کیا جائے۔ اور جہاں قبلہ سے دور ہے قائم ہیں انہیں بھی تنظیم سے خشک کرنے کی کوشش کی جائے اور انہیں زیادہ فعال اور کارآمد بنایا جائے۔

اس طرح ہر جگہ کے حالات سے واقفیت بھی، ہم کو بھی اور ہر علاقے کے نمائندے مجلس اعلیٰ کے ماتحت مجلس منظر یا مجلس شوریٰ میں شامل ہوں گے اور ہر ادارہ سے رابطہ رکھنے کا۔

بہت بڑی مرکزی عمارت اور بہت سے آفسوں اور درکاروں کی بھی ضرورت ہوگی جو ہر علاقے کے حالات جاننے والی، رپورٹ پیش کرنے اور عام ضروریات کے لیے اپنے متعلقہ مقامات کا دورہ کرنے کے ذمہ دار ہوں۔

ساری تفصیلات تحفہ ٹینک یا مجلس اعلیٰ طے کر سکتی ہے۔ اگر ملک گیر بنانے پر آغاز مشکل ہو تو جس حد تک باہمی ابتدا ہو سکے اسی حد پر کام شروع کیا جائے۔ اسی طرح جو کام انفرادی طور پر یا کسی مجلس اور بورڈ کی ماتحتی میں ہو رہے ہیں انہی کو تقویت دی جائے اور جو میدان بالکل خالی ہے اس پر خاص توجہ صرف کی جائے۔

سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ پیش قدمی کس طرح سے ہو؟ کہاں سے ہو؟ اور کون کرے؟ بہر حال یہ قدم ایک یا چند حساس، دردمند، شخص اور توانا قلب و جگر کے بغیر ممکن نظر نہیں آتا۔ مگر قوم کے خسارے سے صرف نظر کسی طرف روا نہیں۔ اقدام ہونا چاہیے اور ضرور ہونا چاہیے۔ واللہ الموفق والمعین۔

**انہی کے:** اگر سارے اکابر اور پیشوایان قوم اس میں دل چسپی نہیں لیتے تو جو دورِ مند اور حساس حضرات

جس دی قش قدمی کر کے کام شروع کریں اور آگے بڑھائیں، ہائی حضرات سے گزارش کی جائے کہ اگر حمایت اور مشارکت نہیں کر سکتے تو مخالفت اور رکاوٹ سے بھی باز رہیں ورنہ انہم الحاکمین کے حضور اہل سنت کے عظیم خصلتوں کا حساب دینے کے لیے تیار رہیں۔

اگر جماعت کی اکثریت خصوصاً اہل علم و دانش اور اہل ثروت میں یہ احساس بیدار ہو جاتا ہے کہ ہم مسلسل خساروں سے دوچار ہیں اور تلافی کے لیے میدان عمل میں جان و دل، ہوش و خرد، اور زبان و عمل کے ساتھ سرگرم ہونا ضروری ہے تو کام کی راہیں کھل سکتی ہیں ورنہ غفلت و بے حسی کے ماحول میں کامیابی کی توقع فضول ہے۔ مگر یہ اندازہ ہے کہ اکثریت حساس اور بیدار ہونے کے ساتھ کسی قش قدمی کی منتظر ہے۔ رب تعالیٰ ہمارا حسن عمل ناست فرمائے اور سب کو حسب درجہ و مقام اور حسب اہمیت و صلاحیت توفیق خیر سے نوازے۔ وهو المستعان وعلیہ التکلیان۔

محمد احمد مصباحی

۳۰ مئی ۱۴۳۹ھ / ۱۷ ستمبر ۲۰۱۵ء، شب جمعہ



## خلیج کا بحران<sup>(۱)</sup>

باسمہ و حمدہ والصلوة علی نبیہ و جنودہ

ایک وقت وہ تعجب دنیا کی قوتیں اسلام کے غلبہ و دہجہ سے ہر اسان نظر آتی تھیں اور اسلام کی پرکشش خوبیاں دنیا کے گوشے گوشے میں بسنے والے انسانوں کو اپنا گردیدہ بنا کر ایمان و یقین کی دولتوں سے مالا مال کر رہی تھیں۔ ماضی قریب میں بھی ترکی سلطنت کا جلاوٹ و حشم اور پوری دنیا میں اس کا رعب و دہجہ معروف و مشہور تھا لیکن اسلام دشمن طاقتیں جی سرگرمی سے میدان کارزار میں اتریں اور انھوں نے ایک سے ایک حربے استعمال کیے۔ مسلمانوں میں فتنہ جنگی کے سارے وسائل لپٹائے۔ ان سے ایمان و یقین کی دولت چھیننے کی ہر کوشش بروئے کار لائیں۔ اور اپنی قوموں کے اندر ہر مصیبت و تنگ دلی اور اسلام دشمنی کو اس قدر پروان چڑھایا کہ آج دنیا کا نقشہ بدلا ہوا نظر آتا ہے۔ جب کسی مسلم ملک کو طاقتور دیکھا اندازے اسلام اس کے پیچھے پڑ گئے۔ جب کسی قائد کو مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد کا غرہ بند کرتے ہوئے پایا، اس کی جان کے درپے ہو گئے۔ شاہ فیصل نے مغربی ممالک کے خلاف تیل کو اسمے کے طور پر استعمال کیا تو اس کے نتیجے ہی کے ہاتھوں اسے قتل کر دیا۔ ایران نے اسرائیلیا تو عراق سے لڑا کہ اس کا کس بل کمال دیا۔ عرب عراق نے اسرائیل اور امریکہ کو آکھیں دکھائیں تو اس کا رازش پانی بھی بند کر دیا گیا۔

دوسری طرف خود شاہ فیصل کے جانشینوں کو اس طرح شیشے میں اتار دیا کہ وہ اب مغرب ہی کو اپنا لٹا دیا۔ اور اپنا آقا و فرماں روا سمجھتے ہیں۔ کویت اور سعودی عرب کے بادشاہوں کو ان ممالک پر اس قدر اعتماد ہے کہ اپنا دیوبند ان کا سرمایہ اپنے ملک، کسی اسلامی ملک، یا اسلامی ممالک کے کسی متحدہ بینک میں جمع کرنے کی بجائے امریکہ میں رکھ چکے ہیں۔ اگر وہ اپنے کسی ملک میں رکھتے تو یقیناً اسے فروغ حاصل ہوتا، اس کی قوت میں اضافہ ہوتا، اسلامی ملکوں کے اقتصادی و تجارتی مسائل حل ہوتے۔ لیکن افسوس کہ اپنا سرمایہ ایسے بینکوں میں جمع کر رکھا ہے جو ان کی دولت و خزانہ کے خلاف پورے طور سے استعمال کر رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ خطرہ بھی ہے کہ ان جان چاہیں تو کانٹن و رکناں سرمایہ یہی متحد ہو جائے جیسا کہ شیعہ بادشاہوں اور ملکوں کے خلاف یہ ہو چکا ہے۔

(۱) خلیج کا بحران، مرتبہ مولانا سید محمد حسین مصباحی، المصباح الاسلامی، مجلہ ۱۰، دسمبر ۱۹۹۰ء، میں شامل ہے۔

امریکہ نے یہ ایذا بردست حربہ استعمال کیا ہے کہ سعودیہ عربیہ اور کویت وغیرہ اس کے خلاف کچھ سو فی بھی نہیں سکتے تھے۔ اور آج تو اپنی طرح ان کے چکل میں پھنس چکے ہیں۔ اپنی جنگی حکمت عملی، اپنی فوجی قوت میں اضافہ، اور اپنے اندر اتفاق و اتحاد کی راہ سے ہٹ کر دوسروں پر بھروسہ کرنے کی جو سزا ملنی چاہیے وہ ان ممالک کو رہا برس سے مل رہی ہے۔ لیکن ایمانی غیرت و یقین، اسلامی جوش و ہمت، حوصلہ مندانہ اقدام و جرأت، اور مومنانہ دوراندیشی و فراست کے بغیر اپنی ذلت و نکبت کا احساس بھی پیدا نہیں ہوتا۔

رسول عربی فداہ الہی و الیٰہ و رسلہ کی غلامی کو کفر و شرک قرار دے کر امریکہ کے بندہ بے وادام ہوئے تو اس حد تک کہ یہ شعور بھی نہ رہا کہ ہم خدا اور خدا کے محبوبوں کا چارہ گر آستان چھوڑ کر اس کے دشمنوں کی چوٹ پر نہیں سائی کر رہے ہیں۔ جب یہ شعور ہی نہیں تو اس جیس سائی اور روزہ گری سے نکلنے کی فکر کہاں تک پیدا ہوگی۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی  
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اس وقت فتنہ کی پیدا شدہ صورت حال میں امریکہ جس طرح دخل ہے اور پورے عالم اسلام کو عرب میں اس کی فوجوں کی موجودگی سے جو خطرہ لاحق ہے وہ ہر مسلمان کو چمکانے کے لیے کافی ہے۔ لیکن یہ عجیب ہے غیبتی ہے کہ اسے جائز ثابت کرنے کے لیے طرح طرح کی تاویلیں گڑھی جا رہی ہیں۔ اور ایک کا جرم دوسرے پر ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کیا اس طرح کی باتوں سے وہ داغ و صل سکتا ہے جو عرب ممالک کی مسلسل عیاشیوں اور دفائی قوتوں سے مجرمانہ غفلتوں نے پیدا کیا ہے؟ یہ کون سا اسلام ہے جو اپنا سرہ پایہ اپنے خلاف استعمال کرانے کی حکمت عملی سکھاتا ہو، دفائی قوتیں فراہم کرنے سے روکتا ہو اور عیاشیوں میں دولت لانے کی تلقین کرتا ہو؟ وہ کون سی آیت ہے جو انہوں، اپنے رسولوں اور خدا اور روحانی قوت و اقتدار رکھنے والے انبیاء و اولیاء سے مدد طلبی کو کفر و شرک قرار دیتی ہو، لیکن اپنے دشمنوں، اسلام کے دشمنوں اور خدا اور رسول کے دشمنوں سے استعانت و استدعا اور اتحاد و داد کو جائز و لازم بتاتی ہو؟ وہ کون سی حدیث ہے جو دشمنان اسلام کے لیے ہر نرم سے نرم اور نفع بخش سے نفع بخش پالیسی اپنانے کی تلقین کرتی ہو؟ بات بات پر اہل اسلام کی گردن زدنی کا حکم صادر کرتی ہو۔ اور سچے چکے ایمان والوں کو کافرو بے ایمان ثابت کرنے کے لیے ہر قسم کی فوجی اور دفائی توانائی استعمال کرنے کی اجازت بخشتی ہو۔

یہ بھی وقت کا المیہ ہے کہ جنہیں خود اپنے ایمان و اعتقاد اور قوت و اتحاد کی فکر ہوئی چاہیے وہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو کافرو مشرک قرار دے کر انہیں از سر نو مسلمان کرنے پر سارا سرہ پایہ صرف کر رہے ہیں۔

آج کی صحبت میں ہمیں یہ جائزہ لینا ہے کہ فتنہ کا یہ بحران کیسے پیدا ہوا؟ اور اس خصوص میں عالمی پیمانے پر

عراق کو سراسر جرم ٹھہرانے اور سعودیہ عربیہ کو بالکل بے گناہ ثابت کرنے کے مضمرات کیا ہیں؟ بالخصوص ہندوستان کے مسلم طبقوں میں آنکھ بند کر کے سعودیہ کی جو ہر شر حمایت کی جا رہی ہے کیا یہ امریکہ سے متوقع خطرات کا جواب بن سکتی ہے؟ آنکھ بند صفحات سے آپ کو معلوم ہو گا کہ اس کا جواب نفی میں ہے۔ البتہ ان حایوں کو اس حمایت کی مقبول قیمت ضرور مل جائے گی۔ بلکہ جیلے سے ملے گی آئی ہے۔ جس کا حق اور کار کیا یہ انہیں فرض نہیں سمجھتے تھیں۔

ان میں ایک طبقہ تو وہ ہے جو سعودیہ کو اپنی ٹولی کی مخصوص مذہبی اور آئینہ مل حکومت تصور کرتا ہے۔ اور اس کے ہر ناجائز جائز ثابت کرنے کے لیے اپنی ساری توانائیاں صرف کرنا پڑتا ہے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو خود سعودی حکومت کے علاوہ صرف یہ کہ گمراہ کہتے ہیں بلکہ کافرو مشرک قرار دینے میں بھی اپنا کوئی نقصان نہیں سمجھتے۔ اور یہ طبقہ بھی ماضی میں اس کی مذمت کے لیے اپنا سارا زور قلم صرف کر چکا ہے۔ ترکی حکومت کے زمانے میں اس کی مقالات و گمراہی کے ثبوت میں پوری کتاب لکھ ڈالی۔ اور آج ہمدردت اس کی صداقت و حقیقت کا ڈھکھانے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں ہونے دیتا۔ حالات کی اس قدر تبدیلی کیوں؟ وجہ صرف یہ ہے کہ اس طبقہ نے ہمیشہ جڑ سے سورج کی پوجا کو اپنا مذہب ٹھہرایا ہے۔ اندرون ملک اور بیرون ملک جس سے اس کا مادی اور گردنی مناد وایت ہو رہی ہو پوری دیکھ و لہری کے ساتھ اس کا ناقوس اپنے ہاتھ میں لے کر بجانے کو تیار رہتا ہے۔

اب سیاسی حلقوں اور دنیا دار طبقوں کی نظر سے بھی یہ بات غفلت نہ رہی کہ صرف اہل سنت و جماعت ہی وہ سادہ علم ہے جو ہمیشہ اپنے موقف پر سختی سے کار بند رہا ہے اور کسی قیمت پر بھی اس نے کبھی اپنے ضمیمہ و ایمان کا سودا نہیں کیا ہے۔ وہ اگر بولتا ہے تو وہی بولتا ہے جو حق کا تقاضا ہو، جو اسلام کی آواز ہو، جو قرآن کا ارشاد ہو، جو رسول گرامی و خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہو۔

خون اور سکون پر اس کے فتوے نہیں لکھتے۔ منصب و عہدہ کے عوض اس کا دین و ایمان نہیں خریدھا جاسکتا۔ وہ مالی اور مادی طور پر کمزور تو ہو سکتا ہے، لیکن باطل کو باطل اور غلط کو غلط کہنے کے لیے اس کے ہر فرد کا ضمیر بیدار رہتا ہے۔ وہ نہ صرف یہ کہ دوسروں کی غلط روی طشت ازہام کرتا ہے بلکہ انہوں کو بھی اگر جاہل حق سے منحرف ہوتے دیکھتا ہے تو اس کے خلاف چیخ مارتا ہے۔ اس کے یہاں گردی مصیبت کی بنیاد پر کسی قانون کی بڑی سے بڑی خطیوں کی تاویل نہیں کی جاتی بلکہ اسے بھی روکتی اور سچائی کی طرف آنے کی پراسرار دعوت دی جاتی ہے۔

اب درق لینیے اور کھلی آنکھوں اور بیدار دل و دماغ سے حقائق کا جائزہ آپ خود ہی لیجیے۔







چاہیے۔ مگر افسوسناک بات یہ ہے کہ اس کے قول و فعل میں بہت تضاد ہے۔ اس پورے دہے میں جواب ختم ہونے والا ہے امریکی اور دوسرے سامراجی ممالک نے پوری کوشش یہی کی ہے کہ وہ کہیں کچھ اور کر سکیں کچھ اور وہ دنیا میں چار چکر پر دو چکر بند کرتے ہیں کہ وہ انسانی حقوق کے لحاظ اور علیرہ ہیں۔ لیکن عملی طور پر وہ انسانی حقوق کی نفی کرتے ہیں خواہ ان کے اپنے ملک ہوں یا فلسطین، مثلاً انسانی حقوق کے یہ نام نہاد محافظ فلسطینیوں کی تحریک انتفاضہ کی طرف سے آنکھیں موندے رہتے ہیں۔ وہ اس وقت کہاں ہوتے ہیں جب فلسطین میں محصور بچہ مارے جاتے ہیں؟ اب ان کی شہ پر عراق کے خلاف معاشی ناکہ بندی کی گئی ہے۔ کیا یہ ان کے لیے ضروری نہ تھا کہ وہ جبکہ اسرائیل کے خلاف کسی کارروائی کرتے۔ جب اس نے اقوام متحدہ کی کھلی خلاف ورزی کر کے جنوبی لبنان پر قبضہ کیا تھا یا جب اس نے جلدوں کے دریائے مغربی کنارے پر قبضہ کیا تھا یا غزہ بنی اور گولان کی پہاڑیوں پر قبضہ کیا تھا۔ اس وقت تو انھوں نے کبھی بھی معاشی ناکہ بندی یا معاشی بائیکاٹ کی بات نہیں کی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں اس کی قطعی پروا نہیں ہے کہ کچھ کیا ہے اور غلط کیا ہے۔ بلکہ ان کا اصل مقصد تو عربوں کے خلاف سازش کرنا ہے۔ اس خطے کے خلاف سازشیں کرنا ہے اس کے لیے وہ یہ آڑ لیتے ہیں کہ وہ اپنے مفادات کی حفاظت کر رہے ہیں اور اس خطے کے عربوں کی مدد کر رہے ہیں اور انھیں عراق سے بچا رہے ہیں۔“ (اخبار نودلی، جلد ۸، شمارہ ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵،

## امریکہ کے نقد فائدے:

یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ امریکہ جیسے خود غرض اور شریکدہ ممالک اپنے مادی منافع کے بغیر اپنی جگہ سے ہلنا تو دور کی بات ہے کسی کی حمایت یا مخالفت میں زبان بھی نہیں ہلا سکتے۔ انسانی اور دی، حقوق انسانی کی حفاظت، اخلاقی بلندی وغیرہ جیسے خوبصورت الفاظ ان کے یہاں محض ایک نمائندگی لیل اور جلب منفعت کے کارگر اسلحہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ ان کے الفاظ کے بطن میں حقیقی معنی کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ پھر سوال یہ ہے کہ امریکہ نے کویت کی باغیانی اور سعودی عرب کی شامی بچانے کے لیے اپنی فوج اور دوسری توانائیاں اور کوششوں کی پیش کش کیسے گوارا کر لی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امریکہ نے یہ سب اپنے خاص منافع کے پیش نظر کیا ہے اور اس کے عزائم نہایت خطرناک ہیں۔ اس کا اور دیگر مغربی ممالک کا پہلا فائدہ یہ ہے کہ عراق کی قیادت سے تیل کی قیمت اور پیداوار پر پابندی لگ رہی تھی۔ اس لیے مصیبت یہ تھی کہ اسے اس قدر پیداوار کو روکا دیا جائے کہ وہ کسی معاملے میں قیادت کا خیال ہی ترک کر دے۔ یہی سزا اس نے ایران کو دی تھی۔ جب ایران نے امریکی یہ غالیوں کے معاملے میں اسے اپنے سامنے پھرنے پر مجبور کر دیا۔ سزا کی نوعیت تو سوزی بدلی ہوئی تھی۔ وہ یہ کہ عراق کو بالواسطہ مدد پہنچا کر اسلحہ ایران عراق جنگ جاری رکھ کر ایران کو اس قدر کمزور کر دیا کہ وہ سر بھی نہ اٹھا سکے۔

اسی طرح وہ مختلف طریقوں سے مصر اور لیبیا کو بھی زیر کر چکا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب جتنے عرب ممالک ہیں وہ بری طرح امریکہ سے لرزاں و ترساں نظر آتے ہیں۔ اور وہ جو چاہتا ہے ان سے منوالیتا ہے۔ کویت کے تیل کی پیداوار میں اضافہ اور کم سے کم قیمت پر امریکہ کے ہاتھوں اس کی فروخت امریکہ کی اسی منفعت جتنی کا ایک حصہ ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ڈھائی لاکھ فوج کا جو خرچ امریکہ کے سر آتا تھا وہ یک لخت سعودیہ کے سر منتقل ہو گیا۔ جو پورے کرڈوں ڈالر تک پہنچتا ہے۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ عرب ممالک میں مالی لحاظ سے سعودیہ سب سے زیادہ طاقتور نظر آتا تھا۔ اسے اس قدر مصارف میں ڈال دیا جائے کہ اس کی بھی کمر لٹ کر رہ جائے۔ ظاہر ہے کہ جو ملک اپنے پورے دفاعی بجٹ سے صرف پچاس ہزار فوج کا انتظام کرتا تھا۔ ایک ایک اس پر اپنی فوج کے مقابلے میں کئی گنا بہتر اور زیادہ لوازم کے ساتھ ڈھائی لاکھ فوج کا انتظام بڑی خزانہ شکن معاملہ ہے۔ مگر امریکہ نے اسے باور کرایا کہ اگر وہ ہماری فوجیں نہیں حاصل کرتا ہے تو اس کا سارا وجود ہی خطرے میں ہے۔ اس لیے یہ ایک ضروری اقدام ہے جس سے اغراف اپنی

## دولت دینے کے مترادف ہے۔

یہ تھا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح امریکی ماہرین کو سعودی عرب کے زمینی ذخیروں کی دریافت، اور اس سرزمین کی تیل ملائیشیا میں جانچنے کا پھر پور موقع مل سکے گا۔ اور وہ سیر و سیاحت کے نام پر اس خطے کے چپ چاپ چھان کر اس کی خفیہ فوجیں کا راز معلوم کر سکیں گے۔

پانچواں فائدہ یہ ہے کہ امریکی فوج میں شامل اسرائیلی فوج سعودی سرزمین کے راستوں اور اس پر فوجی حملہ کے متوقع اور منصوبہ بند ذرائع کو روکے کا لانے کے سارے طریقوں پر غور کر سکے گی۔

چھٹا فائدہ یہ ہے کہ اتنی بڑی فوج یہاں رکھنے کے بعد سعودی حکومت پوری طرح تابع فرمان رہے گی۔ کیوں کہ یہ فوج اسے یہ خطرہ ہے کہ کسی بات میں بھی اگر ملکی ضد پڑ اگئے تو امریکہ چشم زدن میں ہمیں خاستہ کر دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ سعودی وزارت دفاع جس نے بار بار یہ اعلان کیا تھا کہ وہ اپنی سرزمین سے عراق پر حملہ کی اجازت نہ دے گی۔ آج امریکہ کی خواہش اور سرگرمی کے پیش نظر اپنا موقف تبدیل کر چکی ہے۔

ساتواں فائدہ یہ ہے کہ اس علاقے میں امریکی فوج کے بھاری بھر کم وجود کے باعث کوئی بھی عرب ملک اور اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ بھی نہ سکے گا۔ اور اگر کسی نے اس پر حملے کا ارادہ بھی کیا تو سب سے پہلے اسے خود اپنے وجود و عدم کے بارے میں غور کر لینا ہو گا۔ اس طرح عرب ممالک کی ہزار ہا مخالفتوں، لاتعداد کانفرنسوں، بے شمار تجویزوں اور منصوبوں کے باوجود اسرائیل کے وجود کا پورا پورا تحفظ ہو جائے گا۔ اور یہ امر واقعہ ہے کہ آج فلسطینیوں پر اسرائیل کے سارے ترین مظالم سامنے آرہے ہیں، لیکن کوئی ملک نمائندہ مت سے زیادہ اسرائیل کے ساتھ کبھی نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ اب مقبوضہ علاقوں کی دہائی کا مطالبہ چھوڑ کر ایک نمائندگی قسم کی فی فی تنظیم بنانے کی تجویز ہی پوری ہے۔ یقیناً یہ سب بیخ و بن اور سعودی عرب میں امریکہ کی بھاری طاقت کی موجودگی کا کرشمہ ہے۔

آٹھواں فائدہ یہ ہے کہ ایک طرف امریکی فوج کے بوجھ سے سعودیہ کی کمر لٹنے لگی، تو دوسری طرف اقتصادی معاش کی بکنڈی سے عراق کا سب مل نکل جائے گا۔ پھر جنگ ہو یا نہ ہو عالم اسلام میں کوئی ملک ایسا نہ بن سکے گا جو مغربی ممالک اور امریکی سامراج کے خلاف کچھ سوچنے سمجھنے کی بھی ہمت کر سکے۔

نواں فائدہ یہ ہے کہ عربوں ڈالر کا امریکی اسلحہ جو بیکار ہو رہا تھا۔ سعودیہ کے ہاتھوں فروخت کر کے مالی شمال کی دہائی بھاری ہوئی۔ اب وہ استعمال ہو یا نہ ہو امریکہ کا دام خالی ہو گیا۔ دوسری طرف اسرائیل کو بھی اس سے زیادہ تعداد اور قوت میں اسلحہ فراہم کرنے کا جواز نکل آیا کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو طاقت کا توازن برقرار نہ رہتا۔

اس فائدہ یہ ہے کہ تحفظ حرمین کے نمائندگی کردار کے باعث تمام عرب ممالک جو امریکہ سے یک گونہ





اہتمام بھی اہل سنت ہی کرتے۔ انیسویں صدی کے اخیر میں بعض غیر مسلموں نے بھی یہ کام شروع کیا جس میں منشی نول کشور کا نام سرفہرست ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کا مقصد تجاہل کی نفع خاندہ کو دینی خدمت۔ پھر جب کچھ نئے فرستے اور بدر سے وجود میں آئے تو انھوں نے بھی یہ کام شروع کیا۔ بعد میں انھوں نے یہ ستم ڈھایا کہ بہت سی کتابوں سے سی مصنفین و محشیین کے نام اڑا کر جھانپنا شروع کر دیا تاکہ لوگوں کو یہ گمان ہو کہ مصنفین و محشیین بھی ناشرین کی جماعت کے ہوں گے۔ کچھ نئے حواشی بھی لکھے گئے جن میں اہل سنت کے سابقہ حواشی و شروع کی عبارتیں بعینہ نقل کی گئیں مگر ان کا حوالہ بھی نہ دیا گیا۔ یہ سارا کام تجاہل کی منفعت اور دنیوی نام آوری کی غرض سے کیا گیا ہے۔ لیکن بعد میں بد مذہب ناشرین نے اس تجاہل کی نفع اندوزی اور سرتہ نام آوری کے عمل کو اپنے طبقہ کی ایک علمی و دینی خدمت کے روپ میں شہرت دینا اور یہ پروپیگنڈا کرنا شروع کیا کہ درسیات کی تحریر و اشاعت کا سہرا صرف ہمارے سر ہے، اہل سنت کا اس میدان میں کوئی حصہ نہیں۔

اس مسلسل پروپیگنڈے کے باعث نئے سنی طلبہ اور عام قارئین غلط فہمی کا شکار ہونے لگے۔ اب ضرورت تھی کہ ان ناشرین کے چہرے سے تلبیس کی چادر ہٹا دی جائے اور یہ عیاں کر دیا جائے کہ انھوں نے کس چپک دہی سے اہل سنت کی خدمات کو اپنے خانے میں ڈال لیا۔ اسی احساس کے تحت خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مظہرہ اور اس کے متوسلین نے اہل سنت و جماعت کے ممتاز ترسین مرکزی ادارے الجامعہ الاشرفیہ مبارک پور کو اس طرف توجہ کیہ مقام سرت ہے کہ اس تحریک کے جواب میں اشرفیہ کی طرف سے ایک کی آواز بلند ہوئی، اشرفیہ کے اکار طلب کرام نے انجمن برکات کی بنیاد ڈالی اور طے ہوا کہ:

(۱) جن کتب و حواشی سے اہل سنت کا نام اڑا کر شروع کیا جا رہا ہے انہیں اصلی شکل میں لایا جائے۔

(۲) اہل سنت کے جن حواشی کی اشاعت موقوف ہے انہیں پھر شائع کیا جائے۔

(۳) جن کتابوں پر حواشی کی ضرورت ہے ان پر نئے حواشی لکھے جائیں۔ (ازمخمون مذکور - مختصراً)

الحمد للہ مذکورہ تجاویز کی روشنی میں کام شروع ہو گیا۔ پہلی تجویز کے نمونے کے طور پر تین کتابوں کے ہم نازل طور سے قابل ذکر ہیں:

(۱) **ہدایۃ النحو:** جس پر مولانا الہی بخش فیض آبادی نے تصنیف کی فارسی میں بہت عمدہ حاشیہ لکھا اور

کی حیات میں بار بار شائع ہوا۔ ۱۲۶۶ اور ۱۲۷۸ھ کے نسخے میری نظر سے بھی گزرے۔ مگر بعد میں حضرت منشی کا نام غائب کر کے مسلسل اس کی اشاعت ہو رہی ہے۔ مقابلہ کرنے پر معلوم ہوا کہ حاشیہ تو حاشیہ بین السطور تحریر میں بھی ان ہی کی ہیں اور نام اس طرح غائب کر دیا گیا ہے کہ کہیں سے سراغ بھی نہ لگے۔

(۲) **کالیہ:** یہ کتاب ایک بہت وسیع عربی حاشیہ کے ساتھ کم و بیش سو سال سے شائع ہو رہی ہے مگر محشی کا نام اب ہے۔ خانقاہ رشیدیہ جون پور میں مولانا عبدالعلیم سرکار آبی غازی پوری کے مرشد مولانا خدام عین الدین صاحب ہے۔ نسخہ دستیاب ہوا جس کے خاتمہ الطبع میں ان کے استاد ذکرائی مولانا منشوق علی جون پوری بشیہ کا ہر جہاں ہوا ایک نسخہ دستیاب ہوا جس کے خاتمہ الطبع خود انھوں نے ۱۲۶۷ھ میں لکھا ہے۔ اس نسخے کا جب موجودہ جلدی ۱۲۶۸ھ کا نام بطور محشی مذکور ہے اور خاتمہ الطبع خود انھوں نے ۱۲۶۷ھ میں لکھا ہے۔ اس نسخے کا جب موجودہ نسخوں سے مقابلہ کیا گیا تو معلوم ہوا بعینہ وہی حاشیہ مع بین السطور حضرت محشی نے لکھا ہے کہ نام غائب کر کے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ بڑھ سو سال پہلے کا نسخہ کون پائے گا اور کس کا ذہن اس طرف جائے گا کہ نئے نسخوں سے مقابلہ کرے۔ حقیقت کا سراغ لگائے؟

(۳) **شرح جامی:** درس نظامی کی معروف کتاب ہے اس پر مولانا الہی بخش فیض آبادی متوفی ۱۳۰۳ھ کے بزرگ مولانا عبدالعلیم آسی دہراوی (وفات ۱۳۳۷ھ) کا بھی بڑا وسیع حاشیہ ہے۔ مولانا آسی کے روابط اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ سے بھی تھے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایک دوسرا حاشیہ مولانا برکت اللہ فاضل فنی نے لکھا جو پہلی بار مطبع قیومی کان پور سے ترتیب قیومی کے نام سے پھر مطبع مجیدی کان پور سے ترتیب مجیدی کے نام سے شائع ہوا مگر دونوں میں محشی کے کا نام واضح طور پر ٹائیکل تیج کے علاوہ خاتمہ میں بھی موجود ہے۔ ترتیب مجیدی کی کتابت، طباعت بہت عمدہ تھی اس لیے ہندوستان کے نامور پیشہ دروں نے اس کا ایسا سرق کیا کہ نسخے ترتیب مجیدی بھی جو کر دیا اور ابتدا و انتہا سے محشی کا نام بھی اڑا دیا پہلی کتابت و طباعت بعینہ وہی رہی۔

یہ تین کتابیں مجلس برکات سے شائع ہو چکی ہیں مگر حضرات محشی کے اسامع حالات درج کر دیے گئے ہیں۔  
 "سری تجویز کے تحت اصول الشاشی مع احسن الحواشی، دروس البلاغہ مع شرح شمس البرہامہ، فتاویٰ مع اہل الضروری، التعلیق المجلد لما فی منیہ المصلی کی اشاعت عمل میں آچکی ہے۔ اہل الضمیر از مولانا عبدالحمید فرنگی علی ۱۳۱۳ھ میں منظر عام پر آیا اس کے بعد اس سے تھوڑی کی کر کے دوسرا حاشیہ بنام التفسیر الضروی تیار کر لیا گیا۔ اب وہی شائع ہو رہا ہے۔ اسی طرح احسن الحواشی میں ذرا ذرا سی تخفیف کے ایک دوسرا حاشیہ عمدہ الحواشی بنالیا گیا اب وہی شائع ہو رہا ہے۔ مولانا رفیق علی ردولوی کا مبسوط حاشیہ میر تقی میر کی طرف سے ستم کا شکار تھا اسے بھی اصلی شکل میں مجلس برکات سے شائع کر دیا گیا ہے۔ اور التعلیق المجلد توشیح نیس بہت عظیم ثمر ہے جو حضرت صدر الشریعہ اعلیٰ و عمدہ عظیم کچھ تجویز میما الرحہ کے استاد اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ قدس سرہ کے تخلص دوست علامہ دس احمد محمد سورتی قدس سرہ کی مدد خانہ و قیابہ عظمت کا منت ہوتا ہے۔ عنینۃ المصلیٰ تو ایک ابتدا کی کتاب ہے مگر یہ شرح منتہی کتاب نقد و حدیث کے مطالعہ کے لیے کارآمد ہے۔



ہدایہ، شرح وقایہ، موطا، مشکوٰۃ، ترمذی، بخاری اور مسلم کے اسباق پڑھنے والے اس سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

تیسری تجویز کی روشنی میں شرح عقائد کا عربی حاشیہ جمع الفوائد بانوارۃ شرح العقائد (۱۳۲۲ھ) مولانا صدر الودی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے قلم سے تیار ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔ اور علم میراث کی مشہور کتاب سراجی کا عربی حاشیہ ہرکات السراج لحل اصول السراجیہ (۱۳۲۳ھ) مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی استاذ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ کی قلمی و علمی کاوشوں سے ایک اردو عام فہم رسالہ قواعد میراث (یارم بطرفہ) کے ساتھ عنقریب منظر عام پر آنے والا ہے۔ دیوان متنبی، سبغہ معلقہ، مقامات حریری، شرح ہدایۃ الحکمۃ، موطا امام محمد پر حواشی تکمیل کے آخری مراحل میں ہیں ان کا کچھ تعارف بعد میں پیش کیا جائے گا۔ جو کتابیں شائع ہو چکی ہیں ان کا مختصر تعارف اگلے صفحات میں دیا جا رہا ہے۔ (۱) یہ اہل سنت کے مدارس، طلبہ اور علما کی ذمہ داری ہے کہ ان کتابوں کی خریداری اور زیادہ سے زیادہ اشاعت میں مدد لیں۔ شکوہ شکایت کا بازار بند کر دیں۔ قدر دانی و حوصلہ افزائی کی دنیا میں قدم رکھیں۔ واللہ الموفق لکل عہد۔ ۳۳ رجب ۱۳۲۳ھ / ۲۷ ستمبر ۲۰۰۲ء



## چار روزہ فقہی سیمینار کی ایک جھلک

بسم الله الرحمن الرحيم حامداً ومصلياً ومسلماً

اسلامی شریعت ہر شعبہ زندگی میں رہنمائی کی ضامن ہے اور ہر دور میں اس نے یہ فریضہ انجام دیا ہے اگرچہ زندگی کے انقلابات اور نئی ایجادات کے ساتھ گونا گوں نادر و عجیبہ سوالات بھی پیدا ہوتے ہیں مگر علمائے اسلام نے زہنی قیادت پانچ نظری سے ہمیشہ ان سوالات کا حل تلاش کیا ہے لیکن یہ کوئی آسان کام نہیں جس سے ہر عالم مہذبہ رہا ہو سکے۔ اس کے لیے حالات زمانہ پر گہری نظر، اشیاء جدیدہ سے متعلق عمیق مطالعہ پھر شریعت اسلامیہ کے اصول و فروع سے پوری واقفیت، کمال استحضار، قدرت استخراج اور قوت فیصلہ کی ضرورت ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اپنے گونا گوں علوم و فنون کی بنا پر جہاں ایک ایسی اکیڈمی کی حیثیت رکھتے تھے جو بہت سے علوم و فنون کے ماہرین پر مشتمل ہو اس لیے ان کی بارگاہ میں جو سوال پیش ہوتا اس کا ایسا نتیجہ شدہ جواب مٹا رہا ہے کہ کسی صاحب نظر کے لیے مجال اختلاف باقی نہ رہے۔

ان کے مجموعہ فتاویٰ کے اندر یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ متعدد مفتیوں نے فتوے دیے مگر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں دو پیش ہوئے تو سب کی خامیوں کی مفصل نشان دہی کے ساتھ ایسا مفصل جواب رقم فرمایا جسے دیکھ کر اہل علم و فضل کھٹکے۔ ریاست بہاول پور کے ہائی کورٹ میں پیش آمدہ ایک مقدمہ سے متعلق چیف جسٹس نے انہیں مفتیوں سے رجوع کیا۔ مگر ان کے جوابات میں ایسا اختلاف و تضاد نظر آیا کہ انہیں سخت الجھن ہوئی۔ اور یہ لکھا کہ سوال ان تمام جوابات کے ساتھ بریلی حضرت مولانا احمد رضا خان کی خدمت میں بھیجا جائے، اعلیٰ حضرت نے ان جوابات کی علمی و شرعی غلطیاں عیاں فرمائیں اور اس عجیبہ سوال کا ایسا واضح جواب عطا فرمایا جو نہ صرف ایک متعاندہ و مختلفانہ جواب ہے بلکہ ایک چیف جسٹس کا متوازن و سنجیدہ اور شرعی فیصلہ بھی ہے۔ اس کی بہت سی نظیریں فقہی و قضیہ میں موجود ہیں۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) ان کے زمانے میں بہت سے قابل علما جو خاص شہرت و اہمیت کے حامل تھے حکم شرعی کے استخراج میں غفلت رکھتے۔ اس لیے کہ اس کام کے لیے جس وسعت نظر، مہارت علوم اور عظیم بصیرت و نور نقاہت کی ضرورت

تھی وہ لوگ اس کے حامل نہ تھے۔

(۲) حکم شرعی کی دریافت کے لیے مختلف علوم و فنون میں مہارت بھی چاہیے اور وہ خاص طور فقہیت بھی جس سے امام احمد ر ضا قدس سرہ کو قدرت نے بڑی فیاضی کے ساتھ نوازا تھا۔  
آج جب کہ نئے مسائل روز بروز پیش آتے رہتے ہیں اور ایسی جامع مہارتیں ہمارے درمیان ناپید ہیں تو ضرورت اس بات کی ہے کہ مختلف ماہرین مل کر مسائل کو اشکاف کریں۔ اور ان کا ایسا علمی و شرعی حل قوم کے سامنے پیش کریں جس میں شک و تردید کی گنجائش باقی نہ رہے۔

دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور کی مجلس شوریٰ کو اس ضرورت کا شدت سے احساس ہوا۔ اور سہ ماہی قعدہ ۱۳۳۳ھ کی منعقدہ مجلس شوریٰ کی ایک قرارداد کی روشنی میں عزیمت حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب دام ظلہ سرمدہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ نے ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹ دسمبر ۱۹۹۳ء شنبہ کو علماے اشرفیہ کی ایک میٹنگ رکھی جس میں مجلس شری قایم عمل میں آیا۔

پھر ۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۳ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۹۹۳ء کو مجلس شری کے ارکان کی نشست ہوئی جس میں مبادیات اور ضروری اصول و ضوابط طے کیے گئے اس کے ساتھ تقریباً چالیس جدید اہم مسائل بھی زیر نظر آئے جن سے متعلق یہ تجویز پیش ہوئی کہ سیمینار منعقد کر کے باضابطہ نہ اگر وہ مباحث کے بعد ان کا شرعی حل تلاش کیا جائے۔  
مگر زیادہ مسائل پر یک بار کی بحث نہ ہو سکتی تھی اس لیے پہلی بار صرف تین مسائل سیمینار کے موضوع کی حیثیت سے مقرر ہوئے اور سیمینار کی تاریخ ۱۱ جمادی الاول ۱۴۰۱ء جون ۱۹۹۳ء رکھی گئی۔

### سیمینار کے موضوعات:

وہ تین مسائل درج ذیل ہیں:

(۱) انگریزی دواؤں کا حکم

(۲) زندگی بید اور عام بید کے احکام

(۳) مشترکہ سرمایہ سیمینی میں شرکت اور اس کے حصوں کی خرید واری

مجلس کی قرارداد کے مطابق حضرت مولانا مفتی نظام الدین رضوی نے ان سوالات کی مکمل تشریح، ماہرین کے بیانات کی روشنی میں مذکورہ چیزوں کی تفصیل، پھر ان سے متعلق کچھ فقہی جزئیات کی نشان دہی کرتے ہوئے طے الترتیب ۱، ۲، ۳، ۴ = (۸۰) صفحات پر مشتمل سوال نامہ بڑی محنت و جاں فشانی سے تیار کیا۔

اوائل شعبان ۱۴۰۳ھ میں یہ سوالات ملک کے مقتدر مفتیان کرام اور علماے عظام کی خدمات میں سیمینار کے دعوت نامے کے ساتھ ارسال کر دیے گئے۔ مگر شعبان و رمضان کی تعطیلات کے زمانے میں اکثر حضرات کے وطن چلے جانے اور مناسب وقت پر ڈاک موصول نہ ہونے یا دیگر مصروفیت میں لگ جانے کی وجہ سے ایک طویل عرصہ ہی تک عمل کیا اور متوقع وقت تک موصول ہونے والے مقالات کی تعداد بہت کم نظر آئی اس لیے سیمینار کی تاریخ کے بڑھا کر ۱۸/ ۲۱ اکتوبر ۱۹۹۳ء مقرر کر دی گئی اور مقالات بھیجے کی تاریخ ۱۱/ ۱۴ جولائی ۱۹۹۳ء رکھی گئی۔  
بحمد تعالیٰ اس مہلت سے بڑا فائدہ ہوا، علماے کرام نے مجلس کو قیمتی مقالات سے نوازا اور سیمینار میں شرکت سے بھی ممنون فرمایا۔

ان مقالات کا خلاصہ، بحثوں کا تذکرہ اور فیصلے یوزو کا فیصلہ آخر میں درج ہوگا۔ جبکہ سیمینار کی مختصر رپورٹ ذرا بعد ہے۔

## سیمینار کی اجمالی رپورٹ

سیمینار چھ خصوصی نشستوں اور ایک جلسہ عام پر مشتمل تھا۔ ان کی قدرے تفصیل یہ ہے:

پہلا اجلاس: یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۹۳ء، دو شنبہ ۱۱/ ۱۳ بجے شب۔

صداوت اجلاس: شام بخاری فقیر عصر حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی دامت راجم۔ سرپرست مجلس شری، ناظم تعلیمات و صدور شعبہ اہل دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور۔

قائم: مولانا محمد امجد مصباحی، استاذ: جامعہ اشرفیہ و رکن مجلس شری۔

قرآن حکیم کی تلاوت سے اجلاس کا آغاز ہوا۔ پھر ایک نعت پاک پڑھی گئی۔ اس کے بعد مندوبین کی خدمت میں مجلس شری کے سرپرست حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دام ظلہ تائب مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ پھر مجلس شری کے صدر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مدظلہ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے مندوبین و سامعین کو خطبہ صداوت سے نوازا۔ ان کے بعد مجلس شری کے سرپرست دارالعلوم اشرفیہ کے سرمدہ اعلیٰ، حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب مدظلہ نے علماے کرام کی خدمت میں "عرض دعا" کے نام سے مجلس شری کے قیام کے اسباب اور علماے کرام کی منصبی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی۔ "خطبہ استقبالیہ" اور "عرض دعا" کا سنہی شکسہ میں دوسری جگہ ملاحظہ فرمائیں۔

اس انداز کی کاروائی کے بعد مندوبین نے انگریزی دواؤں سے متعلق اپنے مقالات پڑھے اور ۱۱ بجے صلوٰۃ

سلام اور دعا پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

دوسرا اجلاس: ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۹ اکتوبر ۱۹۹۳ء شنبہ ۸: ۱۲ بجے دن۔

صدرت: بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان اعظمی مصباحی دام ظلہ شیخ الحدیث دارالعلوم اہل سنت دارالعلوم کوسلی ضلع سوات۔

نظامت: محمد احمد مصباحی بھیروری۔

اس اجلاس میں سابق المذکر موضوع سے متعلق باقی ماندہ مقالات پڑھے جانے کے بعد مندوبین کو مقالات اور موضوع مقالات پر بحث کی دعوت دی گئی جو بہت خوش گو اور ماحول میں جاری رہی۔ موضوع کے بعض گوشے طے ہو گئے اور بعض کو فیصل بورڈ کے حوالے کرتے ہوئے ۱ بجے صلوٰۃ و سلام اور دعا پر اجلاس ختم کر دیا گیا، پھر نماز تہنیز اور طعام کے بعد مندوبین کو کھانا آرام لینے کا موقع دیا گیا۔

تیسرا اجلاس: ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۹ اکتوبر ۱۹۹۳ء منگل ۹: ۱۰ بجے شب۔

صدرت: حضرت مولانا سید تسلیم احمد زبیری قادری مدظلہ، تلمیذ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی قدس سرہ سابق استاذ شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

نظامت: محمد احمد مصباحی، رکن مجلس شرعی۔

موضوع: انشور نس اور جنرل انشور نس (بستر زندگی و سہولت و آسائش وغیرہ)

حسب سابق اس اجلاس میں بھی تلاوت قرآن حکیم اور نعت پاک کے بعد مندوبین نے موضوع پر مباحثہ مقالات پڑھے جو آخر وقت تک جاری رہے۔ ۱۰ بجے صلوٰۃ و سلام اور دعا پر اجلاس ختم ہوا۔ پھر نماز مشکلی اذان اور جماعت ہوئی بعد ازاں شرکاء اجلاس نے حاضر تبادلہ فرمایا اور آرام کیا۔

چوتھا اجلاس: ۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۳ھ مطابق ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۳ء بدھ ۸: ۱۲ بجے دن۔

صدرت: حضرت مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی دام ظلہ مفتی دارالعلوم فیض الرسول براءیں شریف۔

ضلع بستی یو۔ پی۔

نظامت: مفتی محمد نظام الدین رضوی، رکن مجلس شرعی۔

اس اجلاس میں زندگی بستر اور سہولت و آسائش سے متعلق مباحثے ہوئے۔ نتیجہ بحث آگے ملاحظہ فرمائیں۔ ۱ بجے

صلوٰۃ و سلام اور دعا پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

باقی اوقات کے کام حسب سابق انجام پذیر ہوئے۔

پانچواں اجلاس: ۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۳ھ مطابق ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۳ء بدھ ۹: ۱۰ بجے شب۔

صدرت: عزیز ملت حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب مدظلہ، سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ دوسرے دست مجلس شرعی۔

نظامت: مفتی محمد نظام الدین رضوی، رکن مجلس شرعی و استاذ نائب مفتی دارالعلوم اشرفیہ۔

موضوع: مشترکہ سرمایہ کھیتی میں شرکت اور اس کے حصول کی خریداری۔

اس اہم موضوع پر متفقہ و قیاسی مقالات پڑھے گئے۔ مگر اس نشست میں سب عمل نہ ہو سکے اس لیے ۱۰ بجے سلام دعا پر اجلاس ختم کرتے ہوئے باقی مقالات اور مباحثے کو دوسرے دن کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔

چھٹا اجلاس: ۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۳ھ مطابق ۲۱ اکتوبر ۱۹۹۳ء جمعرات ۸: ۱۲ بجے دن۔

صدرت: حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری دامت برکاتہم القدر سید، جانشین مفتی اعظم ہند قدس سرہ مرکزی دارالعلوم دہلی شریف۔

نظامت: مفتی محمد نظام الدین رضوی۔

اس اجلاس میں تلاوت قرآن و نعت کے بعد سادہ موضوع سے متعلق باقی مقالات پڑھے گئے۔ پھر بحث کا دور شروع ہوا۔ یہ موضوع بہت دقیق اور اہم تھا۔ اس لیے آخر وقت اجلاس تک فیصلہ کن مرحلے میں نہ پہنچ سکا اور مزید غور و خوض کے بعد آئندہ بحث و فیصلہ کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔ ۱ بجے سلام دعا پر اجلاس اختتام ہوا۔ حضرت

علامہ اختر رضا خاں ازہری مدظلہ کی تشریفات آوری اسی دن صبح کو ہوئی۔ ان کی آمد سے مجلس شرعی کے ارکان اور مندوبین کرام و شرکاء اجلاس کی بڑی حوصلہ افزائی ہوئی۔ وہی فیصل بورڈ کے صدر منتخب ہوئے اور ان کے ساتھ حضرت علامہ ضیاء المعطفی قادری و حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی رکن ہوئے۔ اجلاس نے طے کیا کہ

بورڈ کے اہل ارکان اور ذمہ داران کی تین حضرات ہوں گے۔ لیکن اپنے تعاون کے لیے جن حضرات کی بھی ضرورت سمجھیں ان سے مدد لے سکتے ہیں۔

اجلاس عام: ۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۳ھ مطابق ۲۱ اکتوبر ۱۹۹۳ء جمعرات بعد نماز عشاء ۱۲: ۱۲ بجے شب۔

صدرت: حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری مدظلہ، جانشین مفتی اعظم ہند بریلی شریف۔

یہ اجلاس مندوبین اور علمائے کرام کے علاوہ طلبہ و عوام پر بھی مشتعل تھا۔

اس میں حضرت نائب مفتی اعظم علامہ مفتی شریف الحق امجدی دام برکاتہم نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا اور جامعہ کے سربراہ اعلیٰ عزیز ملت مولانا عبدالحفیظ صاحب دام ظلہ نے مجلس شرعی کی ضرورت و افادیت پر روشنی ڈالی اور شرکاء کا شکریہ ادا کیا۔ اسی طرح مجلس شرعی کے صدر علامہ ضیاء المعطفی قادری مدظلہ نے مندوبین کے شکریہ کے

ساتھ مجلس کی اہمیت بیان کی اور چار روزہ نشستوں کے نتائج سنائے۔ مولانا آل مصطفیٰ مصباحی نے ان نشستوں کی اجمالی رپورٹ پیش کی۔

حضرات مندوین نے مجلس شرعی اور اس کے سیمینار سے متعلق اپنے تاثرات پیش کیے جن میں حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی، حضرت مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی، حضرت مولانا مفتی اختر حسین رضوی اور متعدد حضرات نے خطاب کیا۔ مزید برآں حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری مدظلہ نے بھی اپنے کلمات خیر سے نوازا۔ ان تاثرات کا مختصر خلاصہ کچھ اس طرح ہے:

مجلس شرعی کا قیام وقت کی ایک اہم ضرورت ہے اور جامعہ اشرفیہ کا ملک کی دیگر علمی و دینی ضرورتوں کی تکمیل کے ساتھ اس طرف متوجہ ہونا باعث مبارک باد اور لائق تحسین ہے۔

جامعہ کی خدمات پورے ملک کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی ہیں اور اب اس کا دائرہ عمل دیگر ممالک کو بھی محیط ہو رہا ہے۔ جامعہ اشرفیہ ہر میدان میں بہترین افراد پیدا کیے۔ اور اس سیمینار میں بھی اکثر مصباحی حضرات نے ہی مقالات پیش کیے جو اس بات کی دلیل ہے کہ جامعہ نے اپنے طرز تعلیم میں علمی باطن نظری کے ساتھ فہمی چنگی اور فقہی دقیقہ بینی بھی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ سارا فیضان حافظ ملت حضرت مولانا عبدالعزیز مراد آبادی قدس سرہ کا ہے جن کی روحانیت آج بھی کارفرما ہے۔ پھر ان کے جانشین حضرت عزیز ملت کے اخلاص عمل اور حسن نیت کا ثمرہ ہے کہ اس وسیع پیمانے پر سیمینار کا انعقاد ہوا اور علمائے کرام کے اعزاز و اکرام اور انھیں راحت پہنچانے میں ہر طرح حسن انتظام اور سلیقہ مندی کا ثبوت پیش کیا گیا۔ سیمینار کی ہمیش نہایت سنجیدہ اور خوش گوار ماحول میں خالص علمی انداز میں جاری رہی۔ جب تک کئی مسئلہ متحج نہ ہو گیا فیصلہ نہ کیا گیا۔ یہی اہل علم اور اہل تقویٰ کی شان ہے۔ یقیناً ان تمام امور میں مجلس شرعی کے ارکان اور جامعہ اشرفیہ کے اساتذہ کا خاص حصہ ہے۔ اساتذہ ہی کا یہ فیضان ہے کہ ان کے فارغ شدہ طلباء اتنے دقیق علمی مسائل پر بحث کر سکے اور مقالات لکھیں۔ ان کے حسن تعلیم و تربیت کو فراموش کرنا بہت بڑی ناپسائی ہوگی۔

### حسن انتظام:

۸۰ صفحات پر مشتمل سوال نامے کی کتابت و طباعت ۱۰ مندوین کی خدمات میں ان کی ترسیل ۱۰ ان سے رابطہ و تقاضا ۱۰ سیمینار کی تیاری ۱۰ خطبہ استقبالیہ، عرض دعا، نظام الاوقات وغیرہ کی کتابت و طباعت ۱۰ مندوین کا استقبالیہ ۱۰ ان کے قیام و طعام کا معقول بندوبست ۱۰ سیمینار ہال کے لیے سامانوں کی فراہمی ۱۰ مندوین کے لیے ضروری امور کا انتظام ۱۰ وقت پر جلسوں کے آغاز و اختتام کا اہتمام۔

بہت سے کام ہیں جو اس سیمینار کے سلسلے میں سلیقہ مندی اور نظم و ضبط سے انجام پاتے رہے۔ ان میں سے پیش تر امور مجلس کی نشست دسمبر ۱۹۹۲ء کی تجویز کے مطابق حضرت مولانا محمد معراج القادری استاذ و نائب مفتی اشرفیہ دکن مجلس شرعی کے ذمہ تھے جو انھوں نے بڑی محنت و فن دہی سے انجام دیے۔ حسن انتظام کے سلسلے میں وہ بجا طور سے جلد مندوین اور مجلس شرعی کی جانب سے تحسین و تبریک کے مستحق ہیں۔ رب کریم انھیں صحت و عافیت، سلامت دہی، استقامت اور مزید محاسن سے نوازے۔ مفتی نظام الدین رضوی کی رفاقت و معاونت اور رہنمائی کا بھی اس میں خاص حصہ ہے۔ انتظامات کے سلسلے میں اسٹاف کے کچھ اور حضرات کا بھی سرگرم تعاون رہا۔ مثلاً: ماسٹر فیاض احمد صاحب عمراس دارالقائمہ، قاری جلال الدین صاحب استاذ شعبہ قرأت، مولانا زاہد علی سلانی استاذ جامعہ اشرفیہ، مولانا محبوب احمد عزیز بن مدبر معاون تادمہ اشرفیہ، ماسٹر حفیظ الرحمن صاحب کلرک، مولانا احمد رضا مصباحی وغیرہم۔

اسی طرح جامعہ کے کچھ طلبہ نے بھی بڑی دل جمعی اور محنت و سرگرمی سے انتظامات میں حصہ لیا اور عمل یہی سب سے زیادہ قوی معاون اور ہم در و ثابت ہوئے۔ رب کریم ہر فرد کو اپنی بے پناہ نعمتوں سے نوازے اور دارین کی سعادتوں سے شاد کام فرمائے۔ اور یہ سب برکات و ثمرات ہیں اسی اخلاص عمل اور دینی جذبات کے جو اکابر اشرفیہ کے دلوں میں موجزن ہیں جن کی تائیدات سے ہر موڑ پر کارکنوں کو قوت بھی ملی اور ان کی حوصلہ افزائی بھی ہوئی ان کارکنوں کے راقم کی مراد:

- (۱) حضرت عزیز ملت سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ دسمبر دست مجلس شرعی۔
- (۲) حضرت فقیہ عصر، صدر شعبہ افتادہ قائم تعلیمات جامعہ دسمبر دست مجلس شرعی۔
- (۳) حضرت شیخ الجامعہ صدر مجلس شرعی۔



مجلس شرعی کاتیسرافقی سیمینار<sup>(۱)</sup>

منعقدہ ۱۱/۳۳، جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ۔

۱۲۳ جمادی الآخرہ ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۹ دسمبر ۱۹۹۲ء کو جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے تحت مجلس شرعی کا قیام عمل میں آیا جس کا مقصد یہ ہے کہ وہ نئے مسائل جن کے صریح احکام کتب فقہ میں دستیاب نہیں ہوتے نتیجہ اللہ تلاش و جستجو کر کے ان کے جوابات متعین کیے جائیں اور اس بات میں مسلمانوں کی شرعی رہنمائی کی جائے۔

اس مقصد کے تحت مجلس کا پہلا فقہی سمینار ۱۸ تا ۲۱ اکتوبر ۱۹۹۳ء منعقد ہوا جس میں درج ذیل مسائل زیر بحث آئے:

- (۱) انگریزی واداس کا حکم (۲) بیرے کے احکام (۳) مشترکہ سرمایہ سمیٹنے سے متعلق احکام۔  
(۱) انگریزی واداس سے متعلق اجتلاء عام اور مذہب صاحبین کے خوش نظر جواز کا حکم دیا گیا۔  
(۲) بیرے سے متعلق بتفصیل اہل فیصلہ ہوا۔

(الف) انجمن سے چلنے والی گاڑیوں کا جبری بیمہ حکومت کی جانب سے ایک جبری ٹیکس ہے اس کا اٹھانے والا معذور ہے گنہگار نہیں۔

(ب) دکانات، مکانات اور ذرائع حمل و نقل کا اختیاری بیمہ ناجائز ہے۔

(ج) کرل گاڑی، ہوائی جہاز کے ٹکٹوں میں جو جبری سیر کی رقم دی جاتی ہے وہ بھی ٹیکس کی علیل ہے۔  
 بوجہ جراثیم میں گناہ نہیں۔ مزید تفصیل ”صحیفہ فقہ اسلامی“ میں دیکھیں جو ایک سال قبل شائع ہو چکا ہے۔

(۳) مشترکہ سرمایہ کمپنی پر کچھ مقالات و مباحث سامنے آئے مگر فیصلہ دوسرے سیشن تک کے لیے ملتوی ہو گیا۔  
دوسرا فقہی سیشن ۱۹/۲۳ تا ۲۳/۲۳ مطابق ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۳/دسمبر ۱۹۹۴ء منعقد ہوا جس کے موضوعات  
یہ تھے: (۱) مشترکہ سرمایہ کمپنی (۲) دوائی اجارہ دار پر گجڑی کا مسئلہ (۳) یونین اور ان کے منافع پر زکاۃ (۴) چھلکی  
خرید و فروخت۔

اس سیمینار میں مذکورہ موضوعات کے تحت مقالات اور بحثوں کے بعد بھی کچھ ضروری امور تفصیل طلب ہیں۔

جئے جن کے لیے مندوین کو مزید تلاش و جستجو کے جوابات فراہم کرنے کی دعوت دی گئی اور مقالات و ابھارت کو نتیجہ طلب امور کے ساتھ ان کے یہاں چند ماہ کا موقع دے کر ارسال کیا گیا پھر تھا جسے بھی ہوئے مگر صرف پانچ چھ حضرات نے جوابات لکھے جب کہ ایک طویل عرصہ گزر گیا اس لیے ارکان مجلس نے طے کیا کہ فقہ و فتویٰ سے دلچسپی رکھنے والے مقامی اور قریبی علما کو چاہئے اشرفیہ میں مدعو کر کے ان تحقیقات اور تحقیق طلب امور پر باقاعدہ سبائے ہوں تاکہ کام آگے بڑھے۔ اس تجویز کے تحت ۱۱/ ۱۳۳۳ھ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۳/ ۱۲۶۳ھ دسمبر ۱۹۹۷ء تیسرا انجمنی میجر منعقد ہوا۔ جس میں چھ نشستیں ہوئیں۔ روزانہ صبح ۸ بجے سے دوپہر ۲ بجے اور پھر تک پھر بعد مغرب سے دس بجے تک۔ ان نشستوں کی صدارت بالترتیب درج ذیل شخصیات نے فرمائی:

- (۱) شاعر بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دام ظلہ سرمدت مجلس شرعی  
(۲) عزیز ملت حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب دام ظلہ سرمدت مجلس شرعی  
(۳) فقیہ ملت حضرت مفتی جلال الدین احمد امجدی دام ظلہ رکن فیصل پور، مجلس شرعی  
(۴) محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری دام ظلہ صدر مجلس شرعی  
(۵) بزرگ علوم حضرت مفتی عبدالنسان عظمیٰ دام ظلہ شیخ الحدیث شمس العلوم گھوسی  
(۶) شاعر بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دام ظلہ

ان نفستوں میں علماے کرام نے جڑی دل چسپی سے حصہ لیا اور اہم بحثیں ہوئیں، بعض امور فیصل بھی ہوئے لیکن یکمختار رہ گئے جن پر گفتگو کے لیے ۲۱/۲۲ رجب ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۳/۲۴ نومبر ۱۹۹۷ء، اتوار، چرکی بند میں ضروری گئی ہیں، مدعو حضرات کے علاوہ بھی جو اہل علم فقہ و فنی سے دل چسپی رکھتے ہوں اور تشفی طلب ہو۔ ہر بدلتی دلیل آرا بھیج سکتے ہوں ان سے گزارش ہے کہ یکم رجب ۱۴۱۸ھ تک اپنے جوابات ارسال فرمادیں۔ لیکن یہ جوابات موصول ہونے کے بعد مجلس انھیں بحث میں شرکت کے لیے دعوت نامہ بھی جاری کرے اس لیے بے اوقات میں اس کی بھی محابش رکھیں تو کرم بالا لے کر ہم وگا۔

اسی مقصد کے تحت متقاضی طلب امور یہیں درج کیے جا رہے ہیں تاکہ جن حضرات تک دعوت نامہ نہ جائے ان کے لئے یہ جماعت سے استفادہ کی بھی راہ نکل سکے۔

فقیح طلب امور:

- (۱) مشترکہ سرمایہ کمپنی جس کے ذریعہ آمدنی یا نتیجہ ہر سال: ۱۔ ترجیحی حصص، ۲۔ قرض تسکات، ۳۔ مساوی تقصیر۔



ان میں سے پہلے دونوں تو قرض مع سود ہونے کے باعث ناجائز ہیں، تو ان حصص والوں کی شرکت جائز ہے یا نہیں؟

دیوان اور ان کے منافع پر زکات:

(۱) زر خطی کرایہ میں وضع ہونے سے پہلے قرض ہے یا کچھ اور؟

(۲) مال معصوم کی تعریف۔

(۳) زر حنانت قرض محض ہے یا رہن محض ہے یا دونوں؟

(۴) اگر دونوں سے مشابہ ہے تو حکم زکاۃ مشابہت قرض سے متعلق ہوگا یا مشابہت رہن سے؟

(۵) کیا زر حنانت مال حرام کے حکم میں ہو سکتا ہے؟

(۶) لکچرنگ میں منافع کا اندراج، قبضہ یا ملک ہے یا نہیں؟

(۷) زر حنانت اگر ذین محض نہیں تو رہن محض بھی نہیں، تو جس طرح ذین محض کے احکام اس پر جاری نہیں ہوتے

اسی طرح رہن محض کے احکام بھی جاری نہ ہوں گے؟

چک سے متعلق:

(۱) چک مال معقول ہے یا نہیں؟ عامۃ الناس کے تعامل اور "الأمور بمقاصدہا" کے تحت نظر اس

مسئلے کا حل تلاش کیا جائے۔

(۲) چک حوالہ ہے یا قبضہ یا زکات؟

(۳) عوام کے چک اور شاہی چک کے درمیان فرق ہے یا نہیں؟

ان شاء اللہ تعالیٰ تفصیلی رپورٹ اگلے تذکرات کے بعد اشاعت پذیر ہوگی اس میں طے شدہ مسائل کا بھی

تذکرہ ہوگا پھر جملہ مقالات و مباحث یا ان کی مناسب تفصیل الگ کتابی شکل میں شائع کرنے کی بھی کوشش ہوگی۔ تاکہ

ان کی افادیت زیادہ عام ہو سکے۔ خدا کرے مجلس شرعی صحت و سلامتی اور تیز روی کے ساتھ اپنے مقاصد حسنة

مہم کنار ہوتی رہے۔



## مجلس شرعی اور مسائل جدیدہ<sup>(۱)</sup>

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ (۱۲۷۲ھ - ۱۳۴۰ھ) کی ذلت علوم و فنون کا ایسا مخزن تھی جس سے ہر فن کے شادروں کی رہنمائی اور دست گیری ہوتی، لیکن انھوں نے اصلاح عقائد اور اصلاح اعمال کو اپنے شبہ حکم کی خاص جولان گاہ بنایا۔ اسی لیے ہمیں عقائد و فقہ کے ابواب میں ان کے رشحات قلم کا عظیم ذخیرہ ملتا ہے۔ ان کی بارگاہ میں بہت سے نوپید مسائل بھی پیش کیے گئے اور انھوں نے اپنی خدا داد ذہانت و بصیرت سے انہیں اس قدر منضبط اور مدلل طور پر حل کیا کہ دیکھنے والے ناہرین حیران و ششدر رہ گئے۔ یہاں بطور نمونہ درج ذیل مسائل کا تذکرہ کافی سمجھتا ہوں:

(۱) كفيل الفقيه العاظم في أحكام قراطاس الدراهم. ۱۳۲۴ھ

پہلے سونے چاندی کے تکے اور کسی دھات کے پیسے چلتے تھے۔ جب کرکی نوٹ معرض وجود میں آیا تو علماء مکہ نے اس سے متعلق کئی اہم سوالات مرتب کیے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی خدمت میں پیش کیے۔ جواب میں مکہ کے اندر ہی اعلیٰ حضرت نے یہ رسالہ تصنیف کیا جس نے نوٹ سے متعلق تمام گوشوں کا بصیرت افروز حل پیش کیا۔

(۲) الاحلی من الشکر لطلبة شکر و شکر. ۱۳۰۳ھ

زور سر لک شکر صاف کرنے میں جلدی کی ہڈیوں کا استعمال ہوتا تھا۔ اس کے باعث اس شکر کی طہارت و نجاست اور طہ و حرمت سے متعلق سوال ہوا۔ جواب تو مختصر ہے لیکن اس جواب کی تصدیق و تحقیق میں جو مقدمات سپرد قلم ہوئے تھے ان سے منضبط، جامع اور حقائق افروز ہیں جن کی روشنی میں فقہاء نے شکر دوسرے مسائل کا حل تلاش کر سکتے ہیں۔

(۳) المنی و الذور لمن عمد منی آورد. ۱۳۱۱ھ

ذاک کے ذریعہ روپے بچنے کے لیے جب "منی آذر" کا سلسلہ جاری ہوا تو شرعی نقطہ نگاہ سے اس کی حقیقت اور حکم کے بارے میں کئی سوالات رونما ہوئے۔ بعض ایسے زمانے ان کے جواب میں بڑی بڑی عجیب باتیں لکھ گئی تھیں۔ لیکن اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا یہ رسالہ منی آذر سے متعلق تمام گوشوں کا احاطہ کرتے ہوئے سب کا ایسا حکم و واضح رہنما ہے جس کے سامنے آج موافق و مخالف سب کی گردنیں خم ہیں۔

(۱) مجلس شرعی، جلد دوم، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، مئی ۲۰۰۰ء

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے بعد بھی نئے مسائل پیدا ہوتے رہے اور ان کے خوان علم سے فیض یافتہ فقہاء ان کا شافی حل پیش کرتے رہے اور امت مسلمہ ان کے جوابات سے فیض یاب ہوتی رہی۔ اس سلسلے میں صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی رضوی (۱۲۹۶ھ - ۱۳۶۷ھ) اور مفتی اعظم ہند علامہ شاہ مصطفیٰ رضا قادری بریلوی (۱۳۱۰ھ - ۱۳۵۲ھ) رحمہما اللہ رحمة واسعة کے نام خاص طور سے پیش کیے جاسکتے ہیں۔

لیکن بیسویں صدی عیسوی کے اواخر تک معیشت، تجارت، صنعت و حرفت، طب و جراحات جی کہ مہارت وغیرہ سے متعلق بھی نئے مسائل کی اس قدر کثرت ہو گئی کہ علمائے عصر کے لیے سب کو سمیٹنا اور ہر ایک کا تشفی بخش حل پیش کرنا دشوار ہو گیا خصوصاً انفرادی طور پر کسی مفتی کا ان سب سے عہدہ برآ ہونا بڑا سنگین مسئلہ بلکہ لامحلہ مقصد بن گیا۔ جب حکومت کے ساتھ تجارت، معیشت، صنعت، طبابت وغیرہ میدانوں میں مسلمانوں کا غلبہ قوتاً قبول اسلام بالعموم کسی پیش قدمی سے پہلے شرقاً اس کے جواز و عدم جواز پر بھی غور کر لیتے۔ اور عموماً نہ مقدم جواز ہی کی تلاش نہ اٹھاتے اور اگر کسی نے کوئی غلط اقدام کیا تو علمائے عصر کی بردقت تعبیر سے اس کا خاتمہ یا بڑی حد تک اس کی روک تھام ہو جاتی۔ لیکن جب ان سب میدانوں میں یہود و نصاریٰ کا غلبہ ہوا تو وہ ناجائز و ناجائز کی پردہ کیے بغیر بے شمار نئی نئی اسکیمیں اور نئی نئی صورتیں نکالنے اور دنیا بھر میں انھیں عام کرنے پر کمر بستہ ہو گئے۔ ان کے سامنے صرف غلطی حاصل کا حصول ہے۔ شریعت سے انھیں کوئی سروکار نہیں۔ مسلم حکومتوں میں بھی شریعت کی گرفت ڈھیلی ہو چکا ہے۔ ساتھ ہی بلند ہستی، صحیح منصوبہ بندی اور جائز کے ذریعہ ناجائز سے دلیرانہ مقابلے کا بھی فقدان ہے۔ اس لیے ضرور مفاسد کا دائرہ روز بروز بڑھ رہا ہے اور حق کی آواز نہایت ڈھم ڈھم کر رہی۔

لیکن خدا کا شکر ہے کہ ان حالات میں بھی بہت سے مسلمان جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی تفریق کر کے جائز و حلال بنی کو اپنانے کا حوصلہ رکھتے ہیں مگر ان کے پاس شریعت کا علم نہیں، اس لیے شش و پنج میں مبتلا رہتے ہیں۔ اب شرعی و دینی رہ نمائوں کا یہ فریضہ ہوتا ہے کہ نئی نئی صورتوں کا ماہرانہ جائزہ لیں اور ان سے متعلق شرعی احکام واضح کر کے پریشان حال امت کی دست گیری فرمائیں۔

اسی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے جامعہ اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ عزیز ملت حضرت مولانا شاہ عبد الحفیظ صاحب دام ظلہ نے جامعہ کے صدر شعبہ اختا شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی رحمہ اللہ کو اس طرف متوجہ کیا اور کئی بار کی گفت و شنید اور تحریک و اصرار کے بعد علمائے اشرفیہ کی ایک نشست میں ۱۳۳۳ھ بمطابق ۱۹۱۲ء کو مجلس شرعی کا قیام عمل میں آیا۔

حضرت شارح بخاری اس راہ کی مشکلات سے بخوبی آشنا تھے۔ اس لیے پیش قدمی میں انھیں سخت تامل تھا

اور بعد کے تجربات نے تو سب پر واضح کر دیا کہ کسی کیسی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ کام آ رہا ہے اور اہل اخلاص و عزیمت کی مساعی جلیلہ بار آور ہو رہی ہیں۔

ہماری ہے اور اہل اخلاص و عزیمت کی مساعی جلیلہ بار آور ہو رہی ہیں۔ سران القضا حضرت مفتی نظام الدین رضوی صدر شعبہ اختا جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے جب سے اس کی کامیابی کی ذمہ داری سنبھالی ہے جامعہ کے بجٹ پر کامیابانوں کے مصارف کا بار بھی کم ہی آتا ہے۔ ان کی یا حضرت مولانا مفتی کی مجلسانہ گزارش پر ضرور کچھ ارباب خیر اخراجات کا بار الگ سے اٹھانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ بلکہ بعض علم دوست اور کشادہ دل حضرات از خود اس کی خوش کش بھی کرتے ہیں۔

خود مقالہ لکھنے، دیگر مقالات کی بحثوں کا جائزہ لینے اور عمل کی راہیں تلاش کرنے میں بھی حضرت مفتی نظام الدین صاحب کا ابتدائی سے کلیدی رول رہا ہے۔ مذاکرات کی نظامت بڑی اہم ہوتی ہے۔ سب کو گفتگو کا موقع دینا، سب کی باتیں سننا، "خیال خاطر احباب" پر کاربند رہنا، بحثوں کو ختم و خزاہ پر لانا، بڑے نازک مراحل ہیں۔ مگر مفتی صاحب سب کو بڑے فروخت بخش اور دل چسپ انداز میں سر کر لے جاتے ہیں۔ اور مذاکرات خوش گوار ماحول میں چمکی رہتے اور اتفاقاً پدید ہوتے ہیں۔ ان مبارک کاوشوں اور کامیابیوں پر ہم مفتی صاحب کو مجلس شرعی اور جامعہ اشرفیہ بلکہ پوری جماعت کی طرف سے مبارک باد پیش کرتے ہیں اور رب کریم و قدیر کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ مولانا مفتی انہیں انتقامت، صحت و عافیت اور قوت و توانائی سے ہم کنار رکھے اور ہم سب کو دین و ملت کے لیے نفع بخش اور اہم خدمات انجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ جامعہ کے ارکان و مدرسین، فارغین، متعلمین اور جملہ دوستان اہل سنت و جماعت خیر کی راہوں میں اپنی اپنی وسعت اور مقدور کے مطابق سرگرم عمل رہیں اور ان کی کوششیں دیندار آخرت میں بار آور اور مقبول ہوں۔ وما ذلک علیہ بھار۔

برادر گرامی مولانا نجمین اختر مصباحی صاحب کی ایک روایت بار بار یاد آتی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ: "ہم نے دس برس میں ایک بار ہم دو تین احباب حافظ ملت کی بارگاہ میں حاضر تھے۔ عرض کرنے لگے: حضرت! یہ کام ہونا چاہیے، وہ کام ہونا چاہیے، اس میدان میں پیش قدمی کی ضرورت ہے، فلاں جانب توجہ بہت ضروری ہے۔ حضرت سر جھکائے خاموشی سے ہم لوگوں کی باتیں سنتے رہے۔ آخر میں سر اٹھایا اور فرمایا: ہاں! یہ بھی ہو گا، یہی ہو گا، سب کام ہو گا اور ان شاء اللہ تعالیٰ تمہیں سے ہو گا، اس زوردار جواب پر ہم لوگ ستائے میں آ گئے اور تھوڑی دیر بعد خاموشی سے واپس چلے آئے۔"

اس گفتگو پر چوتیس سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن ہم نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں تو حافظ ملت قدس سرہ کا زمانہ بروز عملی شکل میں نمودار ہوتا جا رہا ہے۔ جامعہ اشرفیہ اور فرزند ان اشرفیہ کے ذریعہ ملک و بیرون ملک تفسیر میدان میں میلان القدر و خدمات بروئے کار آتی جا رہی ہیں۔ جہن اہل سنت و جماعت نہیں تابندہ و فرخندہ ہو

رہی ہے اور اہل سنت کے مجلس علماء و محوام جامعہ اشرفیہ کو ہر چہار جانب سے خراج تحسین اور تحفہ ارسال و اعتبار میں کر رہے ہیں۔ درحقیقت یہ سب اسی مرحوم آگاہ کا فیضان اور اسی "ابوالفیض" کی دعا سے سرگامی و تارنیم شکی کی جلوہ بازی ہیں۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء، واللہ ذو الفضل العظیم۔

مجلس شرعی کے اغراض و مقاصد میں سیمیناروں کے مقالات،بحاث اور فیصلوں کی اشاعت بھی شامل ہے پہلے سیمینار کے دو موضوعات [الکھل آمیز دوا اور انشور نفش] کے مقالات تو شائع ہو گئے۔ بعد کے سیمیناروں کی بحثوں کو کیسٹوں سے قلم بند کرنا بڑا دشوار ہوا، اور تعویق در تعویق ہوئی گئی، یہاں تک مزید سیمیناروں کے ساتھ خود مقالات ہی کا حجم بہت زیادہ ہو گیا۔ ہمیں جواب دینے لگیں لیکن:

مشغلے نیست کہ آسمان نہ شود  
مرد پایے کہ ہر سال نہ شود

طے یہ ہوا کہ مقالات کو پانچ پانچ صفحات کی جلدوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ نظر ثانی کر کے قابل حذف چیزوں کو حذف کر دیا جائے تاکہ ضخامت کچھ کم ہو سکے اور قارئین بھی تشویش سے بچ سکیں۔ میری مصروفیات اور حال زار پر رحم کرتے ہوئے ارکان نے یہ سب کام باہم مجلس کے ذمہ رکھا اور حسب ضرورت تعاون کا بھی وعدہ کیا۔ کچھ روز تک دو سال قبل شروع ہو گئی مگر بومیہ معمولات و مشاغل میں کمی کی تو ہوتی نہیں، کسی طرح ایک پروف ریجنگ کے بعد مفتی صاحب نے تھوڑا تھوڑا وقت نکالا اور بڑی حد تک نظر ثانی و ترتیب مکمل کر دی اور اب امر وز و فرامیں کایاں پریس کے حوالے ہونے والی ہیں۔

مولانا تعالیٰ اس مجموعے کو بہتر و مفید بنائے اور بقیہ جلدیں بھی جلد منظر عام پر لانے کی توفیق بخشے اور سب کو قبول عام و خاص سے سرفراز فرمائے۔ آمین یا رب العالمین، بجاہ حبیبک سید المرسلین علیہ و علیہم و علیٰ آلہ و صحبہ الفضل الصلوات و التسلیم۔

آخر میں جامعہ اشرفیہ کے معزز ارکان، اساتذہ اور دیگر اساتذہ خصوصاً مجلس شرعی کے ارکان، مجلس کے سیمیناروں میں شرکت فرمانے والے علمائے کرام، مجلس کے حوصلہ افزا معاونین اور کسی بھی جہت سے مجلس کی عزت افزائی کرنے والے خاصین کی خدمات میں دل کی گہرائیوں سے ہدیہ امتنان و تشکر پیش ہے کیوں کہ مجلس کی فرحت افزا بہادری میں کم و بیش سبھی کا حصہ ہے۔ رب تعالیٰ سب کو استقامت، صافیت اور دامن کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے۔ (۵ جولائی ۱۴۳۰ھ - یکم مئی ۲۰۰۹ء قبل ہجری ۱۴۳۰ھ)



## کاش مسلمان اپنی قوت سے آشنا ہوں

اور اپنے دشمنوں کے مددگار نہ بنیں<sup>(۱)</sup>

اسلام دشمن قوتوں میں سرفہرست یہود ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَتَّبَعُوهُمْ (آئۃ: ۸۲)

"خزرو اہل ایمان کی دشمنی میں تم یہود اور مشرکین کو سب لوگوں سے زیادہ سخت پاؤ گے۔"

قبل اسلام بھی یہود اپنی نافرمانی، سرکشی، انبیائے کرام سے بغاوت اور احکام ربانی سے عداوت میں معروف تھے انھوں نے حضرت عیسیٰ کو سولی دینے کا منصوبہ بنایا اور ان سے قبل خود ہی اسرائیل کے نہ معلوم کتنے نبیوں کو شہید کیا پھر سرور کائنات علیہ الصلوٰات و التحیات کی بعثت کے بعد یہودی ایک چھوٹی سی جماعت کے سوا باقی سب اپنی ہی پرانی روش پر رہے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کی دشمنی میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ اس وقت سے آج تک ان کی یہ کوشش ایک طویل منصوبہ بند اور منظم سازش کی شکل میں جاری ہے۔ بحیثیت کے ساتھ بھی ان کی سازشیں جاری کر اس کو ظاہری قوت اور مذہبی حرارت سے بالکل خالی کر دیں۔ جب عیسائیوں پر ان کا افسوس پوری طرح کام کر گیا تو ان کی جعل سازیوں کے مقابلہ میں مسلمان تیار نہ ہو گئے۔ سب سے پہلے انھوں نے مسلم حکومتوں یا حکمرانوں کو سز کرنے کی کوشش کی۔ ادارہ اقوام متحدہ کے خوش نما اور دلفریب جال میں ساری دنیا کو پھنسا دیا، سب کو اپنے تابع بنایا مسلم حکمرانوں کو اسلام کی روح سے دور کرنے اور مغربی تہذیب و ثقافت سے قریب لانے کا سرچلایا اور بیشتر کو کور کی گدی یا کین اسلام کی برادری پر اس کا جادو پوری طرح کام نہ کر سکا۔ مسلمانوں میں جو دین کے جال ڈال رہے وہ شریعت کے شیطانی نظام سے ہمیشہ بیزار اور متنفر ہی نظر آئے اور ہر دور میں اکثریت ان ہی کی رہی۔ اس صورت حال نے یہودیوں کو غم کو اضطراب دے جیسی میں ڈال دیا، وہ حیران و ششدر رہ گئے کہ جو بحیثیت کے کھوکھلا کر دیا کہ اسلام پر کیوں کامیاب نہ ہو سکا؟ انھیں محسوس ہوا کہ مسلمانوں میں جب تک خدا و رسول کی عظمت و محبت، قرآن کی عظمت اور آخرت کا یقین باقی ہے دین سے ان کی دانستگی و محبت باقی ہے۔ اس لیے انھوں نے ایسے پر

فریب پر وگرام اور ایسی دلکش ایکسپریس بنائیں جن کے جال میں پھنسنے کے بعد مسلمان اپنے دین سے خود غافل ہو جائیں۔ ان کا دینی عقیدہ و یقین کمزور ہو جائے اور وہ کسی طرح بچے گئے مسلمان نہ رہیں۔

انھوں نے شریعت اسلامیہ کے جائز و ناجائز کا بھی عام مسلمانوں سے زیادہ گہرا مطالعہ کیا۔ تجارت، صنعت، معیشت، معاشرت اور زندگی کے تمام شعبوں میں ایسی نئی چیزوں کو داخل کیا جن سے متاثر ہو کر ایک مسلمان انہیں قبول کر لے اور اسے چٹا بھی نہ چلے کہ میں اپنے مذہب سے دور ہو گیا۔ تعلیم کو انھوں نے دینی اور دنیاوی حصوں میں بانٹ دیا اور دنیاوی تعلیم ایسی رکھی جس سے روحانی اور دینی حرارت پیدا ہی نہ ہو سکے بلکہ جو کچھ موجود امور کی قسم ہو جائے انھوں نے سنیما، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات و رسائل کا بھرپور استعمال کیا اور ایسے معاشرے کو پھیلانے کی کوشش کی جس میں دین، علم، دین، علمائے دین اور احکام دین سے دوری پیدا ہو۔ بچے ماں باپ کی عظمت سے نا آشنا ہوں، اپنے فرائض اور باہمی حقوق سے غافل ہوں۔ لباس آرائش و زیبائش کے وہ نئے نئے مسلمان فراہم کیے جو مسلم تہذیب و ثقافت سے نوجوانوں کو الگ کر دیں۔ وہ منظم طور سے اس کوشش میں لگے ہیں کہ مسلمان حرام و گناہ میں زیادہ سے زیادہ مبتلا ہوں اس لیے کہ انسان جتنا ہی گناہ کرتا ہے اس کی روحانی قوت کمزور ہوتی جاتی ہے، برائی سے الفت اور نیکی سے نفرت بڑھتی ہے تجارت میں سود کا رواج، ناجائز طور پر نفع اٹھانے کا رواج، بیوی پارلر، ناخن پالش وغیرہ میں ناپاک چیزوں کی آمیزش وغیرہ کا مقصود یہی ہے کہ مسلمان مرد و عورت حرمت نجاست کی دلدل میں ایسا پھنسیں کہ یا تو وہ روزہ و نماز وغیرہ کے پابندی سے رہ جائیں یا اگر ان کی کوشش کریں نجاستوں سے آلودگی کی وجہ سے صحت ہی نہ حاصل ہو یا ان میں روحانیت نہ رہا ہو۔ طبی طریقوں میں حلال رہیں، چھوڑ کر حرام کو اپنانے اور اس پر زیادہ سے زیادہ تحقیق کر کے بہت مفید اور دلکش روپ، محرکات و محرکات، اور منفعت نما تقریروں کے ساتھ رواج دینے پر ان کی لابی مسلسل کام کر رہی ہے اور عیسائی دنیا اور نئی مسلم دنیا کی ان کے طرز ہوش و پاکا شکار ہو کر ان کی باتیں بے سوچے سمجھے دہرانے میں لگی ہوئی ہے بلکہ اسی کو رواج دینے میں لگائیں اور لہذا ترقی تصور کرتی ہے۔ فیا للعجب!

مسلمانوں کی غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مغرب کی شاگردی چھوڑ کر خود اپنی استاذی کا حق ادا کریں اور اپنے دین کی روشنی میں اپنی معیشت، معاشرت، طبابت، صنعت و حرفت، ہر قسم کا نظام ترتیب دیں۔ مگر انھوں نے جو حکم تعلیم یافتہ طبقہ اس میدان میں تیش قدمی کا سب سے زیادہ ذمہ دار تھا وہ خود سب سے پہلے مغرب کے انھوں کا کھڑا چکا ہے۔ اس کے باوجود مغرب کو اسلام کی ذرا سی قوت اور مسلمانوں کی معمولی سی طاقت بھی سراہ کر دیتی ہے۔ یہ مسلمانوں سے یہودیت آج بھی خوف زدہ ہے۔ اسی لیے عراق و عرب کی جنگی قوتوں کو ختم کرنے اور تاہم کی مسلم حکومتوں کے

دبا کر کھینچنے کے لیے اس کا دماغ ہر وقت چکر کرتا رہتا ہے۔ مسلم ممالک پر حملے اور ان میں طرح طرح کی اذیتوں میں بواسطہ اور بی واسطہ طریقوں سے اسی خوف و سرانگہی اور اضطراب دے چکی کا نتیجہ ہیں۔ اگر ہمارا حکمران طبقہ اپنے ذاتی فائدے کے قربان کر کے امت مسلمہ کے مفاد کو ترجیح دیتا تو آج دنیا کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔ مگر جو بادیت اور منفعت کی اندھی حرص میں پڑ گیا اس کا دماغ اپنے دین اور اپنی قوم کی منفعت کہاں سوچ سکتا ہے؟

عام مسلمانوں کا جو فریضہ ہے وہ ان پر ہر حال عائد ہوتا ہے اور دینی اس وقت اسلامی کشتی کسی طرح لے رہی تھیں۔ وہ اگر یہودیت کے جال کو سمجھتے ہوئے شیطانی تہذیب سے دوری اور ربانی احکام کی پابندی پر کاربند ہو جائیں تو یہودیت کا خواب پورے طور سے کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

دین حنیف سے مسلمانوں کی وابستگی اور مغربیت کے تیز جھوٹوں کی زد پر اسلامی احکام اور اسلامی تہذیب و ثقافت کا چراغ جلانے کی روش ان کی روحانیت کو ضرور قوت دے گی اور ان کے اندر کا طاقتور ایمان اور ان کے پاکیزہ جوش کا اثر انگیز اسلام شیطانی قوتوں کی تخیل کے میدان میں ایک دن ضرور رنگ لا کر رہے گا۔

کاش مسلمان اپنی قوت کو پہچانیں، اپنے دین کی قدر کریں، اپنے احکام کی عظمت سمجھیں، اپنے دشمنوں کے پیچھے ہونے سے چار کٹا رہیں۔ نہ ان کی تہذیب اپنائیں نہ روزہ نماز اور دیگر احکام اسلام کو ترک کر کے دشمن کے منصوبے کو کام یاب کریں، نہ اپنی روحانی و ایمانی قوت گھٹائیں، نہ اپنا ضمیر اور دل مردہ و خوار پیدا ہونے دیں، بلکہ نفس و شیطاں اور ان کے آلہ کار انسانوں کو خوب پہچان کر ان کے ہر حربے کو ناکام بنائیں، لباس، تہذیب، معاشرت، عادات و اطوار، رہن، مہن، معاملات، ہر راہ سے آج ان کے اوپر حملہ ہو رہا ہے۔ خدا را حملہ آوروں کی مدد کر کے اپنی امت کا سامان نہ کریں بلکہ ایک زندہ قوم اور زندہ و تابندہ اسلامی شخص کے ساتھ جینے کی تدبیر کریں۔ اور یہ سمجھ لیں کہ اسلامی حکومتوں کی توانائی کے زمانے میں تو ایک مسلمان کا گناہ صرف اس کی خرابی تک محدود رہ سکتا تھا کیونکہ دوسروں کو بچانے والی قوتیں موجود تھیں مگر آج گناہوں کو اپنانے کا مطلب ہے باطل کے خفیہ منصوبوں کو کام یاب بنانا اور اپنے ہی کو نہیں بلکہ اپنے معاشرے اور اپنی قوم کو بھی تباہی کے دہانے تک پہنچانا۔ آج جیسے سے بھی زیادہ ہمیں اپنے ظاہری و باطنی اسلحوں اور اپنی روحانی قوتوں سے آراستہ ہونے کی ضرورت ہے۔ واللہ المستعان و علیہ التکلان۔ والصلاة والسلام علی حبیبہ سید الانس والجن و علی الہ وصحہ ما تعاقب الملوان۔



یک روزہ دینی و ملی سیمینار

بعنوان: مسلمان اور مستقبل — اندیشے اور امکانات

{ تاریخ ۳۳ مفر ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۸ء یک شنبہ  
بمقام: مراکز پیش میرٹھ ہاٹ، سودھی روڈ، پورہ رانی، مہارک پور  
زیر انتظام: کنٹرال بورڈ اینڈ آرگنائزیشن۔ مہارک پور۔ اعظم گڑھ۔ یوپی }

خطبہ صدارت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی سَیِّدِ الْعَالَمِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖمُ اَجْمَعِیْنَ۔

۲۳ جمادی الآخرہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۲ مارچ ۲۰۱۸ء کو ایک اجلاس میں شرکت کے لیے بحر اوقیانوس میں آفاق احمد مجددی دام ظلہ نے مجھے قنوج مدعو کیا۔ وہاں حاضری کے بعد معلوم ہوا کہ رات کے اجلاس سے جبکہ دن کو ایک سیمینار بھی ہے جس کا عنوان ہے ”مسلمان اور مستقبل — اندیشے اور امکانات“ بعد ظہر کی نشست میں تھوڑی دیر کے لیے میں بھی شریک ہوا اور مندوبین کے افکار و خیالات اور ہدایات سن کر متاثر ہوا۔ میرے ساتھ مولانا سلمان شاہد مہارک پوری بھی تھے، یہ اس سیمینار سے اس حد تک محفوظ ہوئے کہ اسی عنوان پر خود مہارک پور میں ایک سیمینار منعقد کرنے کا ارادہ کر لیا۔ واپسی کے بعد اپنے احباب اور معاونین سے مشاورت اور بحر اوقیانوس کی اجازت و ہدایت کے مطابق ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۸ء تاریخ مقرر کر لی۔

میں سیمینار منعقد کرنے والے تمام تنظیمیں اور معاونین کو مہارک پور پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے ایک دینی و ملی موضوع کے تحت پیش قدمی کی، اہل علم اور دردمند حضرات کو جمع کیا اور مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں کچھ سوچنے سمجھنے اور سننے سنانے کا کراں بہا موقع فراہم کیا۔ فَحَجَّرَ اَہْمُ اللّٰہِ خَیْرَ الْجَزَاءِ

ان سے املوئی تحسائی ہم اور آپ اہل قلم کے منتضیٰ یا مختصر خیالات، ہدایات اور تدابیر سے جلد ہی مستفید ہوں گے۔

عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ مسلمانوں پر شہداء و اوقات اور مصائب و مشکلات کے جو حصے ہورہے ہیں ان میں حکومتوں کی بدنگی یا ظلم و تعصب کی ساری کار فرمائی ہے۔ اس سے بالکلے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا، مگر اس پر بھی غور کرنا ضروری ہے کہ خود ہمارے اندر کیا خامیاں ہیں؟ غیر تو ہمیں مسلمان سمجھ کر نشانہ ستم بناتے ہیں مگر اسلام سے اہل شفق اور اس کے احکام پر ہمارا عمل کس حد تک ہے؟

ظاہری حکومت کسی کی ہو مگر حاکم حقیقی رب العالمین ہے، اس نے بندوں کو نیست سے بہت کیا اور ہر آن ان کی تربیت اور پرورش فرمانے والا ہے۔ اس کے ساتھ اس نے بندوں پر کچھ فرائض اور احکام بھی عائد کیے ہیں اور ان سے سر تابی کے خطرناک انجام سے بھی خبردار کیا ہے۔ بندے اس کے ہیں، حکومت اس کی ہے، حکم اس کا ہے، اس لیے اسے خالق و مالک و رازق احکم الحاکمین کے حکم سے سر تابی بھی کوئی معمولی سر تابی نہیں اس لیے اس کی سزا بھی غیر معمولی ہوگی اور بالکل عجاہوگی۔

ارشاد ربانی ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۳۰﴾ (سورہ نور: ۱۳۰)

”وہ لوگ جو اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں اس بات سے کہ انہیں کوئی فتنہ پہنچے یا دردناک عذاب پہنچے۔“

دردناک عذاب تو عذاب جہنم ہے، فتنہ کیا ہے، اس بارے میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں:

- (۱) حضرت عہد تابعی فرماتے ہیں: فتنہ سے مراد دنیا کی آفت و مصیبت ہے۔
- (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے: یہ قتل کی مصیبت ہے۔
- (۳) حضرت عطاء تابعی نے فرمایا: یہ زلزلے اور خطرناک حوادث ہیں۔
- (۴) حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: رب کے حکم کی خلاف ورزی پر آنے والا فتنہ یہ ہے کہ کسی عالم و جاہل یا شاہ کو مسلط کر دیا جائے۔
- (۵) حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: وہ فتنہ یہ ہے کہ دل رب کی معرفت سے الگ اور سخت ہو جائے۔



- (۶) حضرت جبرائیل رحمہ اللہ تعالیٰ فرشتہ اسے بتاتے ہیں کہ بطور استدراج بندے پر نعمتوں کی فراوانی ہو جائے۔  
 (۷) حضرت شعیب اور عبید الرحمن بن زید رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ فرشتہ یہ ہے کہ دلوں پر مہر کر دی جائے یعنی ان سے طاعت کی بجا آوری اور سچی نصیحت سننے اور ماننے کی صلاحیت سلب کر لی جائے۔

(مواعظ الجلیل لتجلیۃ مدارک التنزیل)

ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں۔ قرآن کریم کا لفظ ”فنتی“ یہی کو شامل ہے۔ یہ فتنہ کسی بھی صورت میں رونما ہو سکتا ہے اور ہوتا رہتا ہے مگر ہماری توجہ اس طرف نہیں ہوتی۔ ہم کسی دنیاوی آفت و مصیبت کو لینا بدیہیوں کا نتیجہ نہیں سمجھتے بلکہ سارا الزام غیروں کے سر ڈالتے ہیں۔ یہ خود ایک مصیبت ہے کہ انسان لینا اور اپنے اعمال کا محاسبہ نہ کرے اور انکم الحاکمین کی گرفت کا خیال بھی خاطر میں نہ لائے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَمَا تُسَبِّحُونَهَا ۚ لَبِثْتَ آيَاتِنَا وَلَمْ يُخَذِّعُوا عَنْ تَعْبِيرِهَا

”اور تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کم تو مصافحہ فرمادیتا ہے۔“

اللہ ہدایت دے اور خلاف ورزی سے بچائے۔ بیذہ الخیر، و هو المستعان۔  
 حضرات! ان چند الفاظ میں اہل دل اور باپ دانش و بخش کے لیے میں نے بہت کچھ عرض کر دیا۔ یوں باتیں تو اور بھی ہیں مگر میں قصداً ترک کرتا ہوں۔ جہاں تک ہو سکے ہمیں مندوبین کو موقع دینا ہے اور سنانے سے زیادہ سننے اور عمل کرنے پر توجہ صرف کرنی ہے۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

محمد امجد مصباحی

۳۰ صفر المظفر ۱۴۳۴ھ ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۸ء۔ یک شنبہ

پانچ تعلیمات الجامعۃ الاثریہ

مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی



## مدارس اسلامیہ کا تعلیمی معیار<sup>(۱)</sup>

### اشطاط کے اسباب و علل اور ان کا علاج:

عربی مدارس کسی بھی جماعت کے ہوں سب کا حال یکساں ہے۔ بعض ایسے ہیں جن کا معیار تعلیم بڑی حد تک قابل تحسین و ستائش ہے۔ اور زیادہ تر وہ ہیں جن کا حال خراب ہے اور مدارس عربیہ سے ابتر حال پیش تر کالجوں اور اسکولوں کا ہے۔ جس کے نتیجے میں پورے ملک کے طول و عرض میں سنیافتہ تاملوں کی بہت بڑی بھینچ بھونچ ہوئی جا رہی ہے۔ جب کہ ہماری حکومت کا کثیر سرمایہ بھی ان کے اوپر خرچ ہوتا ہے۔ لیکن صورت حال نے دانشوروں کو محو حیرت بنا رکھا ہے۔

بروقت ہمارا موضوع صرف مدارس اسلامیہ سے متعلق ہے اس لیے ان ہی کے حالات پر اپنی گفتگو محدود رکھنا ضروری ہے۔ معیار تعلیم کی بلندی اور پستی میں نصاب تعلیم اور نظام تعلیم دونوں کا دخل ہوتا ہے لیکن بعض حضرات اپنی معیار کے سلسلے میں سب سے زیادہ قصور وار نصاب تعلیم کو ٹھہراتے ہیں۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ موجودہ نصاب قابل ترمیم و اصلاح ہے۔ اس کے باوجود میرا خیال یہ ہے کہ نظام تعلیم اگر اتریزی و پراگندگی کا شکار ہو تو اچھے سے اچھا نصاب بھی بے ثمر اور بے سود ہے۔ اور تعلیم و تربیت کا نظام بہتر ہے تو موجودہ نصاب سے کچھ زیادہ قدر اور فرسودہ نصاب بھی حیرت انگیز اور افادیت سے لبریز ثمرات و نتائج قوم کے سامنے پیش کر چکا ہے۔ اور اس نے اپنے ایسے سلاطین علم و دین پیدا کیے ہیں جن کا ذکر آج بھی دنیا کے لیے سرمایہ افتخار ہے۔

### تعلیمی مراحل:

مدارس کی تعلیم چند مراحل میں تقسیم ہوتی ہے:

- (۱) ابتدائی (پرائمری) تعلیم (۲) عربی و فارسی درجہ اعدادیہ سے متوسطات (درجہ رابع) تک (۳) درجہ عالیہ و فضیلت (درجہ حفظ و قراءت سے سردست افاض کیا جاتا ہے، اس کی بہتری و اتریزی کے اسباب معمولی غور و غرض یا دیگر درجات کے احوال سے دریافت کیے جاسکتے ہیں) مدارس بھی تین قسم کے ہیں: (۱) بعض میں صرف ابتدائی تعلیم ہوتی ہے (۲) بعض میں متوسطات تک (۳) بعض میں فضیلت تک۔

(۱) اہل علم و فضلہ، مبارک پور، شمارہ اکتوبر ۱۹۸۹ء۔

## اجمالی حال:

اور تینوں ہی اقسام میں کچھ معیاری اور عمدہ ہیں اور زیادہ تر غیر معیاری اور پر آئندہ حال۔ قصور طریق تعلیم کا ہے جس کی ذمہ داری اساتذہ پر عائد ہوتی ہے۔ اور تا تجربہ کار اساتذہ کے تقرر کا جرم انتظامیہ پر عائد ہوتا ہے اور انتظامیہ کی بعض مجبوریوں کی ذمہ داری مسلم عوام کے سر جاتی ہے۔

## تفصیل و تمثیل:

اس اجمال کی تفصیل کے لیے چند مثالیں درکار ہیں:

(الف) ناظرہ کی تعلیم کے لیے حروف شناسی اور حروف کی صحیح اور غلط پیدائش پر پہلا کام ہے۔ پھر حروف کی ترکیب اور ان کے صحیح تلفظ اور روانی کے ساتھ از خود پڑھنے کی لیاقت پیدا کرنا دوسرا کام ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو کچھ زندگی بھر قرآن قسط پڑھتا رہے گا۔ یا اس میں خود سے پڑھنے کی صلاحیت نہ آسکے گی۔ اور خام کا خام ہی رہ جائے گا۔ اسی طرح اردو قواعد، اردو زبان، اور اردو ادب و نقل اور حساب وغیرہ جملہ مضامین کو مختصر طور پر سمجھیں کہ اگر معلم نے ہر جگہ صرف بتانے یا پڑھانے کی کوشش کی اور طالب علم میں سمجھنے اور خود لکھنے پڑھنے اور دست کرنے کا ذہن نہیں پیدا کیا تو وہ وقتی امتحانات اگرچہ ادنیٰ یا سو فیصد نمبروں سے پاس کر لے جائے مگر اگلے معلم کے لیے درد سر بنے گا۔

(ب) عربی گرامر اور ابتدائی زبان و ادب کا بھی یہی حال ہے۔ اگر قواعد کا اجرا نہ ہو اور زبان کی کتاب میں الگ الگ ہر لفظ اور اس کے معنی کی شناخت پھر ترکیب کی معرفت اور ترجمہ کی مشق طالب علم کے اندر پیدا نہ ہوئی اور معلم نے صرف قواعد و ناکر اور اپنی زبان سے عبارت و ترجمہ سب کچھ بتا کر پچھنی کر دی تو محکم کو راضی رہ جائے گا۔ اور اگلے درجہ میں جا کر دوسرے بنے گا۔

(ج) منطق کی تعلیم میں اصول و قوانین یاد کرانے کے ساتھ کلیات فہم کا اجرا، دو ٹکوں اور ان کی نتیجوں کے درمیان نسبتوں کی شناخت کے لیے کافی مثالوں کے ذریعہ مشق، اسی طرح قضایا، منطق و موجد، تناقض و محسوس، پھر اشکال اور بعضی عقلی مشق، اسی طرح موادِ آفہانہ پر مثالوں کے ذریعہ بحث اور استدلال کی خوب خوب تمرین ضروری ہے۔ ورنہ قاضی مہارک تک پڑھ لینے کے بعد بھی طالب علم کسی دلیل کے اندر صغریٰ و کبریٰ کی تعین اور شکل کی تعین۔ اسی طرح دلیل کی صورت یا مادہ میں پائے جانے والے قسم کی تعین سے قاصر رہے گا۔ اس کام کے لیے مروجہ نصاب کتابوں کو تبدیل کر کے ایسی کتابیں لائیں جو ان سب تمرینات پر خود ہی مشتمل ہوں، یا ان ہی کتابوں سے کام چلیں یہ بہر حال یہ کام ضروری ہے۔

اسی طرح بداعت و عروض وغیرہ فنون کو بھی سمجھنا چاہیے کہ صرف کتاب کی شاندار اور دل چسپ تقریر کر دینا

بلکہ فنی ملک پیدا کرنا بھی ضروری ہے۔

لیکن ہوتا ہے کہ ابتدائی تعلیم عموماً تو آموز اور غیر تربیتی یافتہ (ان ٹرینڈ) معائیں کے سپرد کر دی جاتی ہے جس کے لیے کتاب سمجھ لینے کے بعد اسے سمجھا دینا ہی بڑا سخت مرحلہ ہوتا ہے۔ طالب علم کے نفسیات کو سمجھنا، اس کی غلطیوں کے پس پشت خطائے ذہنی کا ادراک کرنا، پھر اس کی اصلاح اور اس میں فنی ساقی پیدا کرنا یہ معلم کے لیے تو کمال عادی کا درجہ رکھتا ہے۔ اب خطا معلم تک محدود نہ رہی بلکہ انتظامیہ کے سر بھی آئی جس نے نہ تو ابتدائی تعلیم کی اہمیت کا ادراک کیا نہ اس کے مطابق مدرس کا تقرر کیا۔ رہا سوال تنخواہ کی زیادتی اور اچھے معلم کے لیے کافی مراہ کی فراہمی کا تو اس کا جواب کچھ مشکل نہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مدرس کے ارکان تعمیر کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اور قوم کو یہ اہمیت سمجھا کر اس سے کافی سرمایہ حاصل کرتے اور تعمیری کام میں لگاتے ہیں۔ اگر قابل مدرس کی قدر و قیمت اور اس کے لیے سہولیات فراہم کرنے کی اہمیت بھی انتظامیہ سمجھ لے تو اسے سمجھا کر اس کے لیے بھی سرمایہ حاصل کر سکتی ہے۔ لیکن ہم نے اب تک نہ سنا کہ کسی صاحب خیر کو بتایا گیا ہو کہ تعلیمی نظام کے استحکام و ارتقاء کے لیے اعلیٰ ذہن و صلاح کی ہمیں ضرورت ہے۔ اور اس کی خدمات پر ہم کافی سرمایہ صرف کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ دو تیس سال بعد از کار رفتہ ہونے کے بجائے چالیس سال تک ہمارے ادارے کا ساتھ دے سکے۔ اور قوم کے لائق و فائق افراد پیدا کر سارے۔ اگر انتظامیہ یہ اہمیت اپنے منہ پر لے کر کوہن نشیں کرے اور وہ اسے تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو یقیناً یہ خطا انتظامیہ سے منتقل ہو کر ہمارے مہذبہ ہر طبقہ کے سر چائے گی۔ جس کی اصلاح سب کی ذمہ داری ہوگی۔

## ذمہ داروں کا فرض:

ارکان ہی نہیں مقررین، علماء اہل قلم سب کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ تعلیم کو اس کا صحیح منصب و مقام دلائیں۔ اور قوم کا فکری معیار ظاہری دل کشی سے بلند کر کے باطن کی ہمہ گیر اقداریت کی طرف بھی منتقل کریں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان کے تعلیم انقلاب وار تھا کا اصل راز یہ ہے کہ اس نے تعلیم اور ماہرین کی تخریب پر پوری قوت صرف کر دی۔ مدرس کے لیے ذہنی کشش کی صلاحیت اور ذہنیوں کے برابر سہولیات لازم کر دیں۔ جس کے حیرت انگیز نتائج کوئی دنیا کے سامنے ہیں۔

## تفصیل مشکلات:

امراض و علاج اتنے ہی پر ہنس نہیں بہت ہیں۔

(۱) ان میں سے درجاتی ترقی اور امتحانی نظام کی بے قاعدگی بھی ہے۔ بہت سے مدرس کا امتحانی نظام بالکل

ذہیلا اور محض دیکھی ہے۔ جس سے طالب علم کی صحیح صلاحیت اور مدرسہ کی اصل کارکردگی کا کبھی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد بھی ترقی کے لیے ۳۳ نمبر حاصل کرنے کی شرط پوری ہو جائے تو ترقی مل جاتی ہے۔ جب کہ راقم الحروف کا نظریہ یہ ہے کہ پرائمری سے عربی و فارسی کی طرف منتقل ہونے والا طالب علم اگر ۵۰ سے کم نمبر لایا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی وہ اردو حساب وغیرہ میں بہت کمزور ہے۔ اور آگے چل کر عربی درجیات میں بھی وہ پریکٹیشن ہوگا۔ اسی طرح درجہ اعدادیہ، اولیٰ، ثانیہ کے اندر ابتدائی زبانوں اور قواعد کے پڑچوں میں ۳۳ نمبر لانے پر طالب علم کو کامیاب اور لائق ترقی تصور کیا جاتا ہے۔ حالانکہ دو تہائی سے زیادہ قواعد جو کھو چکا ہو وہ ہرگز لائق کتابوں میں چلنے کے لائق نہیں۔ اس لیے ابتدائی زبان و قواعد کے پڑچوں میں کم از کم ۶۰ نمبر حاصل کرنا ترقی کے لیے لازم ہونا چاہیے۔ کیونکہ دنیا کمزور ہو جاتی ہے تو آخر تک عمارت کمزور ہی رہتی ہے۔

(۲) مقدار تعلیم کی کمی بھی پستی معیار کا باعث ہے۔ ابتدائی کتب خصوصاً قواعد کی کتابیں مکمل پڑھانا اور ان کا اجرا کرنا ضروری ہے۔ ہدایہ، انخوار آرمی، تہائی، دو تہائی پڑھادی گئی اور طالب علم نے خوب یاد بھی کر لی، جب بھی ابھی سیکڑوں باتیں اس کی نظر سے اوجھل ہی رہیں۔ انگلی کتابوں میں جہاں ان سے ساتھ پڑے گا، طالب علم انہیں میں پڑے گا۔ اس لیے نو میرا اور ہدایہ انخوار کے ساتھ مکمل اجرا کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح علم الصیغہ بھی مکمل ہونی چاہیے۔ تاکہ قواعد کے ساتھ اجرا کا کام بھی ہو جائے۔ ورنہ قواعد میں چٹکتی کمی نہ ہوگی اور الفاظ کی اصل و بارہاد تحلیل و تفسیر کے فہم میں تیزی بھی نہ آسکے گی، جب کہ دونوں کے بغیر سخت دشواریاں ہوتی ہیں۔ اور فضیلت تک پہنچ جانے کے بعد بھی اس بنائے خام کے اثرات نمایاں طور پر نظر آتے رہتے ہیں۔

ارکان و اساتذہ مذکورہ، صوری کی طرف بلند ہوتی اور ثابت قدمی کے ساتھ متوجہ ہوں تو معیار تعلیم بڑی حد تک بہتر ہو سکتا ہے۔ کچھ خرابیاں اور درجہ جاتی ہیں جن میں بہت سے مدرسے مبتلا ہیں۔ ان کی صرف فہرست لکنا دواہوں علاج کچھ بھی نہیں، سو اس کے مزاج تبدیل ہو اور علم و تعلیم کی قدر و قیمت سے دل و دماغ میں غیر معمولی جرأت و ثبات اور حوصلہ مند پیدا ہو۔ کیونکہ ان خرابیوں کا سرچشمہ یہی پست فکری اور کم ہمتی ہے۔ جب تک یہ برقرار رہے گی کوئی دوان استعمال میں آئے گی، نہ اثر انداز ہوگی۔

اب فہرست ملاحظہ ہو:

(۱) بعض مدرسے میں طلبہ کو غیر تعلیمی امور میں مشغول کرتا۔ مثلاً قرآن خوانی وغیرہ کے لیے بھیجنا جس میں روزانہ کی قیمتی گھنٹے صرف ہو جائیں۔ فصل کٹنے کے مواقع پر مہینوں یا کم و بیش طلبہ و مدرسین کا تعلیم و تعلیم چھوڑ کر غلہ کی و صوبی میں لگنا۔ اسی طرح کسی بھی غیر تعلیمی کام میں مدرسہ کا وقت یا طالب علم کا وقت قابل لحاظ مدت تک

مصرف کرتا۔ یقیناً غیر معمولی اخطاط و پستی کا سبب ہوگا۔ انتظامیہ کی اس قسم کی حرکتوں کا مقصد ادارہ چلانے کے لیے روابط قائم کرنا، رقم حاصل کرنا یا اخراجات کا بچانا ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ چیزیں ضروری ہیں لیکن تعلیم کی ترقی کے لیے اثران و سائل کو اس طرح حاصل کیا جائے کہ مقصد نظر انداز ہو جائیں تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ دراصل رقم فراہم کرنا یا بچانا ہی اصل مقصد ہے۔ اور تعلیم محض بہانہ و وسیلہ۔

(۲) نظام تعلیم کا ذہیلا پن اور حد سے زیادہ ترقی و درواری اور تعلقات و محبت کی پاس داری بھی تعلیم کو پستی کی طرف بڑھانے والی چیز ہیں۔ اس خصوص میں طلبہ کی کثرت سے غیر حاضری، مدرسین کی رخصتوں کی زیادتی اور اس سب سے دہم داروں کی بے اعتنائی اور بہت سی چیزیں سامنے آتی ہیں۔ مدرسہ میں حاضر ہونے کے باوجود بھی درس سے مدرسہ یا طالب علم کی غیر حاضری، طلبہ کی آزاد روی، سیر و سفر، لہو لعب کی طرف غیر معمولی میلان، نماز و عبادت سے غفلت، مطالعہ و محنت سے دوری، چیلوں اور قسم قسم کے پردہ گراموں میں روز بروز طلبہ کی شرکت۔ یہ بخریاں غائی نصاب کی نہیں بلکہ ضعف نظام کی پیداوار ہیں۔

(۳) لائبریری، دارالمطالعہ اور تعلیمی تفریح کے اسباب سے دوری بھی بہت سے طلبہ کو بے راہ بنا دیتی ہے۔ اور بہت سے طلبہ کی فکری بلندی و ترقی کی راہ میں حائل ہوتی ہے۔ اگر لکھنے پڑھنے کا سامان طلبہ کے گرد و پیش جمع ہوا نہ ہوتا و رسائل اور دل چسپ صحائف کتابوں کی کثرت نہ ہو تو علم استعداد طالب علم بھی دوسرے لہو لعب کی طرف جانے کے بجائے ان ہی میں مشغول ہوگا اور کسی لائق بن جائے گا۔ اور ابھی صلاحیت والا اپنی استعداد کو ماحول غلام ترقی دے سکے گا، جو ادارہ اور قوم و ملت، سب کے لیے مفید ہوگا۔

مذکورہ اسباب اخطاط کے پیچھے بھی کچھ اسباب کار فرما ہیں۔ جس کا خواہی خواہی ارکان و مدرسین کو شکار ہونا پڑتا ہے۔ ان سب کا مختصر جائزہ اور حل پیش کرنا بھی ضروری ہے۔

(۱) بہت سے مدرسے دوہرے نصاب تعلیم سے زیر بار ہیں۔ گورنمنٹ سے الحاق کی وجہ سے انہیں درس عالیہ کا نصاب بھی پڑھانا پڑتا ہے اور درس نظامی کا بھی۔ اور دونوں کا امتحان، پھر ہر امتحان کی تیاری بھی الگ الگ ہوتی ہے۔ جب امتحان عالیہ کا وقت آتا ہے تو درس نظامی چھوڑ کر طلبہ و مدرسین اس امتحان کی تیاری میں لگ جاتے ہیں۔ نتیجہً نصاب مکمل نہیں ہوتا۔ اور استعداد بھی ناقص رہ جاتی ہے۔

(۲) مدرسے اسلامیت صرف تعلیم و مدرسین کا امر نہیں ہوتے بلکہ مسلمانوں کی دینی و دنیائی زندگی کا مروجہ اور ان کے رہنما بھی ہوتے ہیں۔ اس لیے مسلمان اپنے تبلیغی جیلوں، فاتحہ، نفل، جنازہ، حتیٰ کہ جادو آسب وغیرہ ضرورتوں اور پریشانیوں کے وقت بھی مدرسے کا رجحان کرتے ہیں۔ اگر ان اوقات میں ان کی دست گیری نہ کی جائے تو عوام کی جدلی اور روایتی کمی کے ساتھ یہ بھی خطرہ ہوتا ہے کہ دین اور دینی رہنماؤں سے دور ہو کر بے راہ ہو جائیں۔ ان

اندیشوں کے تحت انتظامیہ جیسے بھی ہو عوامی ضرورت پوری کرنے کی طرف توجہ کرتی ہے۔ اور اپنے ہر سین و طلبہ کو اس میں لگا دیتی ہے۔ جس کا نمایاں اثر تعلیم پر پڑتا ہے۔ اور کام نکل جانے کے بعد کسی کو خیال بھی نہیں آتا کہ انتظامیہ نے کس مجبوری اور خطرہ کے پیش نظر اس جرم کا ارتکاب کیا۔ بلکہ لوگ اسے سند کے طور پر پیش کرتے ہیں اور اسے ہمیشہ کے لیے اپنی حاجت روائی کا لازمہ قرار دیتے ہیں۔ بعض مہر سین اپنے ذاتی تعلقات اور علاقہ گردی کا ہمہ گیر مقبولیت و مرجعیت کے باعث براہ راست بھی اس طرح کے حالات کا شکار ہوتے ہیں۔ اور ملی ضرورت کے پیش نظر ادارہ کافی تعلیمی خسارہ سے دوچار ہوتا ہے۔ جس پر کوئی سخت کارروائی بھی نہیں ہو سکتی۔ بعض مہر سین اپنی تنخواہوں کی کمی اور ضروریات کی زیادتی کے باعث بھی تدریس کے ساتھ تفریری یا تجارتی میدان کا رخ کرتے ہیں۔ کبھی اپنی غربت و کم مائیگی کی صعوبتیں دور کرنے سے زیادہ عوام کی نظر میں ایک دولت مند سی عزت پیدا کرنے یا معیار زندگی بلند کرنے کا جذبہ بھی غیر تعلیمی مصروفیات کا محرک ہوتا ہے۔ پھر ایسے مہر سین کو یہ دعوای بھی ہوتی کہ ادارہ نے ہمارے اوپر کوئی کارروائی کی تو ہم کیا کریں گے۔ کیوں کہ ان کا "منفعت بخش اور تابناک مستقبل" ان کے سامنے ہوتا ہے۔ جب کہ انتظامیہ کے لیے کسی لائق مدرس کا حصول ایک اہم مسئلہ ہے۔

(۴) اسی طرح کسی بنگالی ضرورت یا خسارہ کو پورا کرنے کے لیے غلطی و مصلوبی اور چندے وغیرہ میں انتظامیہ کے لیے مہر سین و طلبہ کو لگاتا بھی بعض اوقات ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اور اس کی قیمت تعلیمی نقصان کی صورت میں ادا کرنی پڑتی ہے۔ طلبہ کی ملی بے رغبتی کے پیچھے بھی بہت سے اسباب و عوامل کار فرما ہوتے ہیں۔

اولاً: مسلمانوں کا سرمایہ دار طبقہ دینی تعلیم کی طرف میلان ہی نہیں رکھتا۔ وہ اپنی دولت سے دوسرے مسلم بچوں کی مذہبی تعلیم کا ذمہ لے سکتا ہے لیکن خود اپنی اولاد کے لیے اس تعلیم کو پسند نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ پیش تر ایسے افراد بھی پائے جاتے ہیں جو خود دین دار ہیں لیکن اپنی اولاد کو پراگمتری تک بھی دینی تعلیم دلانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اور اپنی عزیز نسل کو غیروں کے زرق برق ماحول میں ڈال کر اس کے لیے الحاد و لادینیت کے سارے وسائل بڑی خستہ چیشانی کے ساتھ فراہم کر کے خوش رہتے ہیں کہ

شادم از زندگی خوشی کہ کھارے دارم

ثانیاً: متوسط اور معمولی طبقہ جو اونچی دنیاوی تعلیم دلانے سے قاصر ہے یا دین دار ہونے کے ساتھ دینی تعلیم کی ضرورت کا شدید احساس بھی رکھتا ہے اس لیے اپنی اولاد کو مہارس اسلامیہ کے حوالے کرتا ہے۔ ان میں بعض یا نصف کئذ ذہن پائے جاتے ہیں اور اکثر تعلیم کی اہمیت سے نااہل ہوتے ہیں۔ سرپرستوں یا اساتذہ کے دہائی و جہ سے مجبوراً تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے سامنے کوئی منصوبہ اور کوئی مستقبل نہیں ہوتا۔ اب ان کے فکر

مزنی کی تبدیلی و ترقی کا مسئلہ سامنے آتا ہے۔

لیکن پراگمتری یا ابتدائی عربی درجہات کے سستے اور اذکار رفتہ مہر سین بھی آمد اور کام چھوڑنے کے بل جھ تو پھر ان طلبہ کی آزادی، بے راہروی اور تباہی کا پورا راسی سامان فراہم ہو گیا۔ ان میں جو ذہین ہوئے اور اپنے ذاتی مسئلہ پر غور کیا تو ان کو تقریر کا میدان یا کوئی دوسرا امید ان زیادہ منفعت بخش نظر آیا۔ اسی میں کوشش کی اور تعلیم میں اچانک دبا کرنے سے زیادہ محنت کی کوئی ضرورت نہ سمجھی۔ بہت قلیل تعداد اسکی بچتی ہے جو ملی اور خدمت دہن کی شائق ہو، اسے بھی اگر محنتی، ماہر اور پابند اوقات مہر سین نہ ملے، یا محنت و مطالعہ کی سہولتیں اور تعلیمی ترقی کے وسائل فراہم نہ ہوئے تو یہ بھی خام اور ناقص ہی رہ جاتی ہے۔

ثالثاً: تین تہہ ارس میں لاہور، کھلاڑی اور شرعیہ طلبہ جمع ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اپنا ایک غالب کردہ اور حادی ہول پالتے ہیں۔ جس سے کبھی متاثر اور خراب ہوتے ہیں۔ پھر ادارہ کے ذمہ داروں کی اس ماحول سے بے اعتنائی اسے اور زیادہ ہلکے اور تباہ کن بنا دیتی ہے۔

رابعاً: مہارس میں رہائش، غذا اور دیگر ضروریات زندگی کبھی کا انتظام فرود ہوتا ہے جس میں انتظامیہ اور متعلقہ ملازمین دونوں ہی ذمہ دار قرار پاتے ہیں۔ اس کے سبب بھی اونچا طبقہ مہارس کا رخ نہیں کرتا۔ اور بہت سے مہر سین بھی اس سے کنارہ کش ہونے کی فکر کرتے ہیں۔ بہت سے جھگڑے اور جنگاے بھی پیدا ہوتے ہیں ان سب کا بھی تعلیم پر غیر معمولی اثر پڑتا ہے۔

حاصلاً: عموماً مہارس میں یہ منظر بھی سامنے آتا ہے کہ مالداروں یا حکام میں سے کوئی متوسط قسم کا بھی انسان آیا تو اس کے لیے سارا عملہ حرکت میں آ جاتا ہے۔ اور اگر کوئی عالم بلکہ بڑے سے بڑا عالم بھی آیا تو اس کا وہ اعزاز و احترام نہیں ہوتا جو اول الذکر کے لیے ہوتا ہے۔ بلکہ اگر اس کا عشر عشر بھی ہو جائے تو بہت غیبت ہے۔ رور کے اس نمایاں فرق کے بعد مذہبی تعلیم اور علم و فن کی جو قدر و منزلت کسی معلم یا محکم کے ذہن میں پیدا ہوتی ہے وہ حق بیان نہیں۔

سادساً: انتظامیہ کے اختلافات، یارکن و عہدے دار غنہ کی ہوس اور اس کے تحت محاذ آرائی، کام کرنے والوں کے کام میں بلاوجہ رخنہ اندازی، عوامی گروہ بندی اور مہارس کی فیلڈ میں اگر ذاتی انتقام جوئی۔ یہ وہ علاقہ امراض و آفات ہے جو غیر مذہبی تعلیمی اداروں کو گھن کی طرح دکھائے جا رہے ہیں۔ ان کے پیچھے جاہ پسندی، مفاد پرستی اور دوقی، ملی و تعلیمی نصب العین سے بے اعتنائی کا جو سنگین مرض کار فرما ہوتا ہے جب تک اس کا علاج نہ ہوگا تب تک پیدا ہونے والے مہلک امراض کا علاج ممکن نہیں۔



## حل و علاج:

میرے خیال میں عزم و حوصلہ اور نظم و ضبط سے پیش تر دشواریوں اور خرابیوں پر بڑی حد تک کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔ اور ہر طرح کی دینی و ملی ضروریات سے عہدہ برآ ہونے کے ساتھ تعلیمی ارتقاء کا منصوبہ بننے کے کار لایا جاسکتا ہے۔

(۱) الف) بہتر تویہ ہے کہ مدارس اسلامیہ گورنمنٹ سے لے کر لائق ختم کرس۔ اس کے اندر نسبتاً زیادہ سلامتی ہے۔

(ب) اور اس عالیہ کا نصاب ہی مکمل طور سے نافذ کر دیں وہ درس نظامی سے کم نہیں۔ بلکہ اب تک یو پی میں جو نصاب ہے وہ بعض چیزوں سے درس نظامی سے زیادہ جامع و بہتر ہے۔

(۲) علاقہ اور ملک کی تعلیمی ضرورت کے لیے ہر مدرسہ دو تین ایسے اچھے اور لائق عالموں کا تقرر لازم کرے جنہیں تقریروں کے لیے باہر بھیجا جاسکے۔ تدریس سے ان کا تعلق جزوی ہو اور ان کی غیر حاضری میں دیگر مدرسہ میں بھی خالی گھنٹیوں کے ذریعہ متبادل انتظام ابتدائی سے نظام الاوقات میں شامل ہو۔ ضرورت ہو تو ایسے مقبول مقررین کو صرف مبلغ کے طور پر بھی رکھا جاسکتا ہے۔

(۳) جو مدرسین اپنے طور پر پروگرام کرتے ہیں وہ اس چیز کو ملحوظ رکھیں کہ تعلیمی نقصان کے بغیر لوگوں کی ضروریات یا اپنی ضروریات پوری کی جائیں۔ جس ادارے سے وابستہ ہوں اس کی تعلیمی ترقی سے ہمہ روی ایک دقیقہ ضمیر کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ تقریر کے لیے ایام تعطیل ہی کو خاص کر س اور مزید چاہیں تو رخصت متاخر بہ مستزاد نہ ہونے دیں، بلکہ ایسے علماء پیدا کریں جو اسی میدان کے لیے خاص ہوں یا جو لوگ اس کے لیے خاص ہوں ان کی طرف رجوع کرادیں۔ ان سب سے بھی اگر ضرورت یا شوق کی تکمیل نہ ہو سکے تو اپنی جگہ کسی لائق اور نخبہ خطیب مدرس کو لانے کا انتظام کریں۔ اپنی ذات، اپنے ادارہ اور اپنی قوم تینوں ہی کا منافع ملحوظ خاطر رہتا ہے۔

انسان کا ضمیر اگر انصاف پسند ہو اور اس کا ذہن اگر نظم و تدبیر کا حامل ہو تو مشکلات کی بہت سی زنجیریں کاٹ سکتا ہے۔ ورنہ خود ہزاروں مصائب کی چٹائیں راہ میں حائل کر سکتا ہے۔

(۴) انتظامیہ کا وسیع انتظار، بلند حوصلہ اور باتدبیر ہونا سب سے زیادہ ضروری ہے۔ اپنی خرابیاں اور ان کا علاج کوئی از خود انتظامیہ کو بتانے کی زحمت کیوں کرے گا بلکہ وہ پردہ داری ہی میں عافیت سمجھے گا، تعمیری ترقی، مدرسین طلبہ کے معیاری انتظام زندگی اور تعلیمی ترقی کے لیے ساری سبوتوں کی فراہمی، ہر سمت ہر گوشہ میں واقع ہونے کو تابی پر نظر اور ان سب کی معقول تدبیر عمل میں لانا انتظامیہ کا فریضہ ہے۔ جمعی دو سراسر طبقہ بھی ہمارے مدارس کا کر سکے گا۔ اور جو طبقہ زیر تعلیم و تعلم ہے وہ کار آمد اور مفید بن سکے گا۔ شخصی جاہ و منزلت اور مال و زر کی قیمت، علم و

اور بلند تعلیم و تربیت سے زیادہ کبھی نہ سمجھنا چاہیے۔ علم و عمل کی بلندی کے لیے جان و مال کو قربان کیا جاسکتا ہے۔ لیکن محض مال و زر کی تحصیل یا صرف مالی بچت کے لیے تعلیم و تربیت کو اغماط و ہنسی کے تور میں جھونکا نہیں جاسکتا۔ حسن تدبیر و بہت و استقامت کے ذریعہ مالیت فراہم کرنے والا علم، صحیح تعلیم اور اچھی تربیت دینے والے مدرسین و طلبہ، عمدہ تدریس و نظام، علم و فن سے شغف رکھنے والا ماحول سبھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے کوشش بھی کرنی ہوگی، نئی بھی، نئی بھی، قانون سازی بھی، قوانین کی تنفیذ اور ان کی نگرانی بھی، مدرسین و طلبہ اور ملازمین کے ذہنوں کی صلاح و تہذیب بھی، اصلاح پذیر نہ ہونے والوں کی حسب حال سخت سے سخت تادیب بھی، عوام اور معاونین کی ذہن سازی بھی، کہ وہ ادارہ کے تعلیمی و انتظامی معاملات کو بے جا سفارشات و خواہشات سے بوجھ نہ بنائیں۔ اور پوری قوم کی صلاح و ترقی کے لیے بنے بنائے ہوئے پروگرام کو اپنی ضد اور انانی تسکین کے لیے ضرر نہ پہنچائیں۔

سب سے مشکل کام ذہنوں کی تعمیر و اصلاح ہے۔ حالات اور ماحول کی روش تیزی کے ساتھ بننے کا فن تو سب کو آتا ہے۔ لیکن قائم دین ملت اور مصطفین امت کو اپنے منصب اور مقام سے کسی لمحہ غافل نہ ہونا چاہیے۔ انھوں نے بھی اگر بے حالات سے مصالحت کر لی یا ماحول کی روش میں بہنہ لیا تو پھر سفید ملت کی ناخداہی کے لیے کوئی آہن سے نازل نہ ہوگا۔

## نصاب تعلیم:

نصاب تعلیم کے متعلق اب تک میں نے کوئی خاص نشان دی نہ کی۔ چون کہ میرا نظریہ ہے کہ نظام تعلیم میں اصلاح و ترقی کی اسپرٹ کار فرما ہے تو نصاب تعلیم کی اصلاح و ترقی ایک خانگی اور جزوی مسئلہ ہے۔ جس پر خود ہی توجہ مبذول دیگی۔ تاہم عمومی حالات کے پیش نظر چند معروضات قلم بند کی جاتی ہیں۔

نصاب تعلیم سے متعلق پہلے تو ہمیں یہ طے کرنا ہوگا کہ عصری حالات کس طرح کے علماء کے متقاضی ہیں۔ پھر یہ کہ ان کے لیے موجود نصاب کہاں تک ساتھ دے سکتا ہے۔ اس سلسلے میں تین نظریے سامنے آتے ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ عالم کو قدیم عربی نصاب تعلیم ہی تک محدود رکھا جائے۔ اگر وہ معقولات و مقولات پر حاوی نہ ہو تو فقہ و کام کی باریکیوں کو صل نہ کر سکے گا۔ اور جدید کلامی اور فقہی سوالات کا بھی شافی جواب نہ دے سکے گا۔

(۲) دوسرا یہ کہ دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کو بھی شامل کیا جائے۔ تاکہ ہمارا طالب علم علم دوسلوں سے نکل کر ان کی اور نیوٹر شیوں کی طرف بھی جاسکے اور معاش کے مختلف شعبوں سے وابستہ ہو کر ہماری ناکامی کی اور اپنی حالت کا فریضہ انجام دے سکے۔



(۳) تیسرے ایک کہ آنی مستشرقین اور بد مذہب فرقوں کی طرف سے بہت سے ایسے شکوک و شبہات اور سوالات و اعتراضات سامنے آتے رہتے ہیں جن کے جوابات سے ہماری نصابی کتابیں خالی ہیں۔ اور یہ بے شمار ایسے نغمات اور ان کے رد و ابطال سے بھری ہوئی ہیں جن سے آج ہمارا مقابلہ نہیں۔

اسی طرح آج اسلام کے خلاف پھیلے انگریزی اور فرنچ غیرہ زبانوں میں لکھا جاتا ہے، علمائے زبانوں سے واقف نہیں ہوتے اور جو طبقہ واقف ہوتا ہے وہ جوابات سے مکمل طور پر عہدہ بر آ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے آج کے نصاب میں جدید علم کلام اور بہت معیاری انگریزی یا فرنچ زبان کا شامل ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح جغرافیہ، سائنس، سیاست، تاریخ عالم، تاریخ علوم، تاریخ مذاہب وغیرہ کی ضروری حد تک تعلیم یا ان کا مطالعہ و امتحان بن چاہیے۔ ورنہ فکر و نظر میں وہ وسعت نہ آ سکے گی جس کی قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے۔

میرے خیال سے یہ تینوں ہی نظریے اپنے اندر کچھ اہمیت رکھتے ہیں۔ اور ان سب کی رعایت کرتے ہوئے ایک جامع نصاب کی ضرورت ہے۔ جس کے لیے پہلا کام یہ ہو گا کہ دنیا بھر کے مسلم جامعات کے نصاب ہائے تعلیم اور نصابی کتابیں مکمل فراہم کی جائیں۔ پھر ماہرین کا ایک بورڈ تعین کرے کہ قدم نصاب کی کون سی کتابیں پڑھنی چاہئیں اور دیگر نصابوں سے کون سی کتابیں ہمارے لیے بعینہ کارآمد ہیں اور کون سی قدیم و جدید کتابوں کا متبادل اپنے ملک اور اپنے طلبہ کے مطابق ہمیں خود تیار کرنا ہو گا۔ پھر ایک تصنیفی بورڈ ہو جس کے لیے تمام سہولیات فراہم کی جائیں اور وہ ضرورت کے مطابق کتابیں مرتب کر کے پیش کرے اور ماہرین کی نظر چینی کے بعد وہ شائع اور شامل نصاب ہوں۔

### ترتیبی کورس:

اسی طرح ایک ترتیبی کورس بھی فارغین کے لیے تعلیم و تدریس کی ٹریک کا کام سرانجام ہو اور بعض مدارس یا کورس پڑھانے کے لیے اپنے یہاں اساتذہ کا بھی باقاعدہ بندوبست کرنا ہو گا تاکہ مدارس کو تجربہ کار اور وسیع نظر مدرسین فراہم کیے جاسکیں۔

دوسرے نصاب کے سلسلہ میں کثیرا فراہمات کا مسئلہ درپیش ہو گا، جو چند با حوصلہ اور ہم مزاج مدارس نے اشتراک عمل سے حل ہو سکتا ہے۔ پیش قدمی اور نمائندگی و نگرانی کے لیے کسی ایک ادارہ کا انتخاب کیا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد عملی اقدام فوراً کسی ایک شخص، پھر متعدد اشخاص کے سپرد کرنا ہو گا۔

نئے نصاب میں عمومی و فنی اور تحریری و قلمی ترقیوں کا لحاظ بہر حال ضروری ہے کیوں کہ موجودہ زمانہ فکر و فن اور تحریر و قلم کا زیادہ تقاضی ہے۔ تحریر ہو تو وہ بھی ایسی جو افادیت میں تحریر کے ہم پلہ یا اس سے بالا تر ہو۔ علمی اور کردہ

اپنے کا جادو تعلیم یافتہ دنیا کو زیر نہیں کر سکتا۔

### خلاصہ مضمون:

مضمون متعدد مصروفیات اور مختلف اوقات میں قلم بند ہوا۔ پھر بھی تقریباً کبھی ضروری باتیں تفصیلاً یا اجزاء و اجزاء تحریر میں آئی ہیں۔ جن کا خلاصہ عنوانات کی شکل میں ایک بار پھر ذہن میں تازہ کر لیں۔

### (۱) نظام تعلیم کی ابتوری:

(۱) مدرسین کی بے اعتنائی یا نااہلی اور اس سے انتظامیہ کی غفلت۔

(۲) طلبہ کی صالح تربیت کا فقدان یا کمی۔

(۳) نظام امتحان کی بے قاعدگی۔

(۴) ترقی درجات اور داخلہ کی بے ضابطگی۔

(۵) مقدار تعلیم کی کمی اور اکثر مسائل فن سے طلبہ کی بے خبری۔

(۶) غیر تعلیمی امور میں طلبہ اور مدرسین کی مشغولیت۔

(۷) لائبریری سسٹم اور دارالمطالعہ کا فقدان یا کمی۔

### (۲) طلبہ کی بے رغبتی:

(۱) بہت سے ذہین اور بلند ہمت بچوں کی تعلیم یا دینی تعلیم سے دوری۔

(۲) متوسط قسم کے داخلہ مدارس طلبہ کی مقصد سے دوری۔

(۳) ضرر طلبہ کا غلبہ اور ان سے ذمہ داریوں کی عاجزی یا بے اعتنائی۔

(۴) مدارس میں غذا اور رہائش کے انتظام کی کمی۔

(۵) اہل ثروت اور اہل اقتدار کی پٹریاں اور اہل علم کی ناقداری

### (۳) مدرسین کی بے رغبتی اور دشواری:

(۱) تنخواہوں کی کمی، ضروریات زندگی کی زیادتی۔

(۲) تجارتی اور تقریری میدانوں کی نفع بخشی و عزت افزائی، تعلیمی ماحول کی صعوبتیں، اہل علم و فن کی بے وقعتی۔

(۳) انتظامیہ سے متعلق نااہلی یا فراخ نفس مدرسین سے غافل مدرسین کا غلبہ، ان کا پاس و لحاظ۔

(۴) تعلیمی مسائل اور مدرسین و طلبہ کی دشواریوں کے حل سے انتظامیہ کی غفلت۔

(۵) لائق، مقصد میں خلص اور بلند ہمت طلب کا فقدان یا انتہائی کمی۔

(۴) انتظامیہ کے حالات و مشکلات:

(۱) اختلافات، گروہ بندی، قبیلہ فکرو ذہن سے دوری۔

(۲) سرمایہ کی کمی۔

(۳) مسلم عوام کی دین، علمائے دین اور دینی تعلیم بلکہ مطلق تعلیم سے لاپرواہی۔

(۴) عوامی دل جوئی۔

(۵) دوہرے نصاب تعلیم سے نفاہ۔

(۶) لائق مدرسین کی کمی۔

(۷) ماحول کی نامناسب کاری۔

(۵) علاج:

(۱) دین و علم سے الفت، مقصد میں اخلاص، فرض شناسی، عزم و حوصلہ، ثابت قدمی، فکر و تدبیر۔

(۲) تمام دانشوروں، قائدوں، عاملوں کا دین اور علم کے فروغ کے لیے عوامی فکر و ذہن کی اصلاح اور ماحول

میں انقلاب و تبدیلی کی عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مسلسل حرکت و عمل۔

(۳) قومی و ملی دینی و علمی مفاد کے لیے ذاتی خواہشات و مفادات کی قربانی۔ اختلافات سے کنارہ کشی۔

امراض و علاج کے بیان پر مضمون نگار کی ذہنی، بحیثیت مضمون نگار ختم ہو جاتی ہے۔ آگے کا کام ان سب شہ

مع لہجوں کا ہے، جو ہمارے دس کو موت سے بچانے کے واقعی ذمہ دار ہیں۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان

محمد احمد مصباحی

استاذ المباحث الاسلامیہ رکن الجمع الاسلامی، مہارک پور عظیم گڑھ

۱۹۸۹/۸/۲۸ء — ۱۹۸۹/۴/۶ء



## اسلامی مدارس کی اہمیت<sup>(۱)</sup>

آج دنیا میں دو طرح کے نظام تعلیم رائج ہیں ایک وہ جس کا مقصد دین و مذہب کی تعلیم و ترویج ہے۔ دوسرا وہ جو دین و مذہب کی قید اور دین اسلام سے بہت دور ہے۔

لا دینی نظام تعلیم کا واحد مقصد یہ ہے کہ نئی نسل کے دل و دماغ سے دینی و مذہبی اسپرٹ بالکل ختم کر دی جائے اور وہ یہ سمجھ ہی نہ سکیں کہ ہم کیا ہیں؟ ہمارا مقصد وجود کیا ہے؟ اسی مقصد کی تکمیل کے لیے جاہلجانہ سری اسکولوں کا قیام عمل میں آ رہا ہے جس کا نفع فائدہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ بچے ابتدا ہی سے اخلاق و تہذیب کے حامل بن جاتے ہیں۔ اور انگریزی میڈیم تعلیم حاصل کر کے سائنس و ٹیکنالوجی کے لائق فائق انگریزی داں اور ماہر علوم و فنون ہو جاتے ہیں۔ لیکن باخبر حلقوں سے مخفی نہیں کہ ایسی درس گاہوں کا نصب العین یہ ہے کہ بچے ابتدا ہی سے غیر دینی ماحول میں پرورش پائیں۔ تاکہ ان کے اندر دینی فکر و مزاج پیدا ہی نہ ہو سکے۔

ظاہر ہے کہ یہ مقصد دل فریب فوائد دکھائے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے وہ سب انقلابات کیے جاتے ہیں جو مادی نگاہوں کو سکھور کر رکھیں۔

افسوس یہ ہے کہ مسلم اہل ثروت نے بھی ایسی درس گاہوں میں اپنے ننھے بچوں تک کو داخل کرنا شروع کر دیا۔ جس کا لازمی نتیجہ بہت جلد سامنے آ گیا کہ اہل دنیا کی زبان میں خواہ وہ بچے لائق فائق کبے جاسکے ہوں مگر مذہب کی نظر میں وہ بچی فکر و شعور سے محروم غالی ہیں۔

یہ بات تو یہ چاہیے تھا کہ اہل ثروت خود ایسی درس گاہیں قائم کرتے جن میں عصری طرز تعلیم کی بھرپور رعایت کی جاتی ساتھ ہی طلبہ کو اس اخلاق و تہذیب کا حامل بنایا جاتا جس کا تقاضا مذہب اسلام کرتا ہے۔ ان درس گاہوں میں ابتدا ہی سے قرآن پاک اور دینیات کی تعلیم دے دی جاتی اور عصری علوم بھی پڑھائے جاتے۔ تاکہ ایک طرف وہ بچے مذہبی جنابت و مہملت اور اسلامی اسپرٹ سے سرشار نظر آتے اور دوسری طرف عصری فنون کے ماہر ہو کر ہر عصری ماہر علوم کی نگاہوں میں آنکھیں ملا کر بات کرنے کی ہمت اور اسلام کی حقانیت و برتری ثابت کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے۔

(۱) المقصد شرعی مہارک پور، شہدہ سنی ۱۹۸۷ء

لیکن مادی نفع حاصل کی ہوس یہ سب سوچنے اور انتظام کرنے کی مہلت کب دیتی ہے؟ جہاں بھی ہو بچوں کو داخل کرو، بنیادی قدر و منفعت حاصل ہونی ضروری ہے۔ مذہب ہمیں کیا آراء و آسائش دے سکتا ہے کہ اس کی بجلی فکر کریں؟ یہ ایک عام طرز تصور ہے جو مسلم آبادیوں خصوصاً مالداروں پر عفریت کی طرح چھاتا جا رہا ہے۔ بہت کم اللہ کے نیک بندے ایسے ملتے ہیں جو مال و دولت کی آغوش میں بیٹھنے کے بعد بھی اسلام کو جان و مال، عزت و وقار اور پیش و آراء سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ رب کریم ان کے امثال زیادہ کرے۔ (آمین)

ایسے افکار و حالات کے پیش نظر آپ تصور کریں کہ دینی درس گاہوں کا قیام کتنا اہم مسئلہ ہے۔ اور اس کے باوجود استحکام میں کسی کسی دشواریاں حاصل ہیں۔ کہیں تو حکومتیں ادارے ملاتی ہیں اور ان کا ہر خرچ برداشت کرتی ہیں۔ ساتھ ہی تعلیم حاصل کرنے والے بھی فیس کی شکل میں بہت سا خرچ ادا کرتے ہیں۔ اور کہیں ایسا ہے کہ کچھ حاجت میں افراد و درویش بھیک مانگتے اور ہر طرح کی تکالیف و مصائب کا سامنا کرتے ہیں پھر کہیں وہ اپنے مدارس کی رتی باتی رکھنے کا سامان کر پاتے ہیں۔

جبکہ دینی مدارس کی کفالت بھی حکومتیں کیا کرتی تھیں اور علمائے دین کو شاہانہ عز و قدر بھی حاصل تھا۔ مگر اب وہ دور نہیں خود خاک بند کے مسلمانوں کو اپنی بقا کا انتظام کرنا ہے۔ اور اپنے ملی وجود و شخص کی تعمیر کے لیے اپنی خستہ بے بہا قربان کرنی ہے ورنہ اس منظر کا تصور بھی ہمارے لیے سوہان روح ہے، جب خدا نے خواست اسلامی مدارس یا ان کا اصلی تشخص باقی نہ رہے۔ الجامدہ الاشریہ جیسی عظیم دینی درس گاہ بھی اپنے بقا و تحفظ میں یقیناً مسلمان ہند کے تعاون کی محتاج ہے۔ جس کی طرف بھرپور توجہ دینا اہل اسلام کا اہم ترین فریضہ ہے۔ تاکہ نو نواں لادھو کی تعلیم و تربیت کا معقول اور عصری تقاضوں کے مطابق عمدہ سے عمدہ انتظام کیا جاسکے۔ واضح رہے کہ الجامدہ الاشریہ مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری علوم و فنون کی تعلیم کی طرف بھی روز بروز توجہ پیش قدمی کرتا جا رہا ہے۔



## موجودہ درس نظامی اور جدید نصاب سازی (۱)

(۱) اس وقت ہندو پاک اور دیگر ممالک میں تعلیمی اداروں کا نصاب بالعموم وزارت تعلیم کے تحت تیار ہوتا ہے جہاں ماہرین کی ایک نیم بھاری تختہ اہوں اور دیگر سہولیات کے ساتھ اسی کام بہ ماہور ہے اور ہر کہ آمد بخارتے زبانت "کامل جاری ہے۔

پچاس سال پہلے اور پہلے جو نصاب جاری تھا اس میں برلن کے اصول و مبادی درج ہوتے تھے اور ان کی تفہیم، تہیل اور اجرا پیش و تخرین کا کام مدرس کے ذمہ ہوتا تھا اور اچھے مدرسین ذمہ داری سے یہ کام کرتے کرتے تھے۔ پھر تعلیمی اداروں میں کئی طرح کی خرابیاں در آئیں۔ (۱) اہل، نااہل ہر طرح کے ماسٹر یا مدرس جگہ پانے لے۔ (۲) ملکی سیاست اور بیرونی حکومت کی مخالفت میں طلبہ کو استہمال کیا گیا۔ (۳) داخلی حکومت بن جانے کے بعد بھی یہ عمل جاری رہا۔ (۴) مدرسین نے اپنے مطالبات منوانے کے لیے احتجاج اور استراکھ کا راستہ اپنایا۔ (۵) طلبہ نے بھی اپنے مطالبات منوانے کے لیے انھیں کے نقش قدم کی پیروی کی۔ (۶) تعلیم کے ایام میں کمی، تعطیل کے ایام میں نمایاں زیادتی ہوئی، ہنگامی بندیوں نے اس میں اور اضافہ کیا۔ (۷) تعلیم ثانوی درجہ میں جلی گئی، اپنے جائزہ معائنات طلبات کے لیے ہنگامہ آرائی پہلے درجہ میں آگئی۔ تحوہ لینا اصل کام ٹھہرا اور پابندی سے پڑھنا گئی اور فرمی کام ہو گیا۔ کم مدت میں طلبہ کو باصلاحیت اور لائق بنانے کا تصور بہت دور چلا گیا۔ (۸) اوقات کے تحفظ کا احساس نہ مدرسین میں رہا نہ طلبہ میں۔ (۹) جائزہ و ناجائز طریقوں سے امتحان پاس کرنا، کرنا اور سندس حاصل کرنا غلط نظر بن گیا علم و فن میں کمال اور لیاقت و صلاحیت سے کوئی خاص مطلب نہ رہا۔ انا شاء اللہ۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے نصابی کتابوں میں ضرورت سے زیادہ پھیلاؤ، حد درجہ تسہیل یا سہولت اور بہت ساری ترمیمات اور شقی سوالات کو بڑی فیاضی کے ساتھ جگہ دی گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ مثلاً ریاضی کی جو بہارت مڈل کے غالب علم کے اندر پیدا ہو جاتی تھی وہ آج انٹر میڈیٹ پاس کرنے کے بعد بھی نظر نہیں آتی بلکہ زیادہ سچائی اور گہرائی کے ساتھ بات ہو تو کہا جاسکتا ہے کہ عام طور سے انیم۔ اے پاس کرنے کے بعد بھی وہ صلاحیت مفقود رہتی ہے۔

نصاب میں یہ پھیلاؤ ایک بارگی نہ آیا، بلکہ جوں جوں حالات بگڑتے گئے نصاب پھیلتا اور آسان ہوتا چلا گیا۔ جب دیکھا گیا کہ اس سے زیادہ تسہیل اور پھیلاؤ کی گنجائش نہیں تو بعض کتابوں میں کچھ اسباق و مضامین کی تقدیم و تاخیر۔

مجموع حذف و اضافہ، ادبی کتابوں میں منتخب اقتباسات کی تبدیلی وغیرہ کا مکمل برتن یا پانچ سال پر مقرر عام ہر آٹھ سال کا کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ان کرسیوں پر بیٹھے والوں کو بھاری تنخواہیں صرف ان کرسیوں پر منحصر رہنے کے عوض دی جا رہی ہیں۔

حالات کی تبدیلی کے باعث نصاب میں تبدیلی کا اصل کام پہلی اور دوسری ٹیم کے درمیان بعد میں جو برتن سال پر تبدیلی کا مکمل ہو رہا ہے اس میں طلبہ کی ضرورت سے زیادہ اپنی مصلحت کا دخل ہے۔ اسی کے ساتھ دیگر فرقہ پرستوں نے اپنی فکر، اپنا مزاج اور اپنی نقطہ ذہنیت نصاب میں داخل کرنے کا ناجائز فائدہ بھی اٹھایا ہے۔

ہندو پاک کے مدارس اسلامیہ کے پاس ایسا کوئی نصاب ساز عملہ بھی نہیں رہا اس لیے عام طور سے اعتراض ضرورت کے باوجود عمل کی منزل دور ہی رہی۔ مدارس کی مجلس انتظامیہ اکثر ایسے افراد پر مشتمل ملے کی جو ہر قسم نہیں بلکہ بہت سے اداروں میں سب ارکان تعلیم یافتہ بھی نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ انتظامی صلاحیت، تعلیمی مہارت، جذبہ لگات، دیانت و امانت وغیرہ کے جامع افراد کا وجود ہماری بستوں میں عموماً ہے، جو مل جاتے ہیں انہیں سے کام چل رہا ہے۔

مدارس میں جو ان کے اوپر تدریس کے ساتھ تبلیغ و اصلاح، انتظام و انصرام، رابطہ عام، سرمایہ کی فراہمی وغیرہ کی ذمہ داریاں بھی رہتی ہیں اور اپنی خانگی مقامی ذمہ داریاں ان سب پر مقرر ہیں۔

پھر مدارس کے درمیان یا بھی تنظیم بھی نہیں کہ سب ایک نصاب اور ایک انداز پر گامزن ہوں، نہ ان کے اوپر کوئی ایسی قوت حاکمہ ہے جو انہیں کسی نصاب اور مقررہ مقدار کی تکمیل اور ہجرت انداز میں تعلیم و تہذیب کا پیمانہ بن سکے۔ نہ کسی ادارے کا انفرادی یا چند اداروں کا اجتماعی کوئی ایسا بورڈ ہے جو نصاب پر غور و خوض اور اس میں تسکین و تجدید کا ذمہ دار ہو۔ انفرادی طور پر کچھ کوششیں ہوئیں مگر وہ سب نامکمل ہیں۔ غور کیجئے، ساری خامیوں کو دور کرنا اور نتیجہ خیز وسائل کو بروئے کار لانا کتنا مشکل ہے؟

مدارس کے نصاب میں ترمیم سے متعلق بے شمار مضامین اور تحریریں میری نظر سے گزری ہیں لیکن ہم تک پہنچتے ہوئے کوئی نظر نہ آیا۔ ایسے ماحول میں عملی اقدام کی توقع ایک دل فریب خواب سے زیادہ وقت نہیں رکھتی۔

(۲) درس نظامی کی تیش و ترشہ کتابیں ایسی ہیں کہ جامعہ ازہر کے نصاب میں بھی شامل ہیں مثلاً تفسیر میں کشاف، بیضاوی، مدارک، حدیث میں صحیح ستہ، فقہ میں فقہ قسری، کنز الدقائق، ہدایہ، اصول فقہ میں توحید، منطق میں تہذیب المنطق اور رسالہ شمس، عقائد میں تہذیب الکلام اور شرح مقاصد وغیرہ۔ بعض کتابیں کتب ازہر کا بدل یا نام البدل بھی قرار دی جاسکتی ہیں۔ لیکن تیش و ترشہ کتابیں قابل تبدیلی یا لائق ترمیم ہیں۔

جامعہ ازہر نے خود صرف اور بلاغت کے اصول و مبادی کو نئی شکل میں پیش کیا ہے اور ہر فن کے ساتھ ان فن کی تاریخ کو لازم درس بنایا ہے اسی طرح قواعد فن کو کئی اجزاء اور کئی سالوں پر تقسیم کر کے مکمل پڑھانے کا انتظام کیا ہے۔

تہذیب، فقہ کی کتابیں مکمل کرنے کے لیے اساتذہ و طلبہ کو کچھ اجزاء پر طور درس اور زیادہ حصے پر طور مطالعہ و خطاب پڑھنے پڑھانے کا پیمانہ کیا ہے۔ کچھ فنون کا اضافہ بھی کیا ہے۔ مثلاً تفسیر احکام، اصول دعوت، نئے فقہی مسائل، اسلام و اسلامیت پڑھنے، اعترافات و جوابات۔ ان سب کو مطالعہ و خطاب کے طور پر مکمل کرنے کی کوشش کی ہے، استثنائی کام بہت عرصہ اور سخت بنایا ہے، تاکہ طلبہ و اساتذہ کی محنت کا صحیح اندازہ ہو اور علوم میں زیادہ پیش قدمی ہو۔

وہاں ۶ سال پر انگریزی اور ۳ سال اعداد اور ۳ سال ثانویہ کا کورس سب کے لیے لازم ہوتا ہے، اس کے بعد کلے کا کورس شروع ہوتا ہے جو مختلف فنون کے لحاظ سے الگ الگ شعبوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ مثلاً کلے، اصول الدین، کلے الشریعہ، کلے اللغۃ العربیہ و آداب و غیرہ۔

قرآن و حدیث دیگر علوم سمیت اور دوسروں تک اپنی بات پہنچانے کا ذریعہ ہیں، اس لیے ان دونوں پر اگر زور دیا جائے تو بالکل بجا ہے۔ تفسیر و حدیث میں اختصاں کر دیا جائے تو اس کے بھی فوائد ہوں گے۔ ضروری حد تک تفسیر و حدیث کی جو تعلیم ہوتی ہے اس میں بھی یہ التزام ہونا چاہئے کہ پورے قرآن کی مختصر تفسیر نظر سے گزر جائے۔ اسی طرح حدیث کی ایک دو جامع کتابیں مثلاً مشکاة المصابیح اور صحیح بخاری مکمل پڑھانا چاہیے۔

(۴) مصر کا پر انگریزی نصاب ہندوستان میں چلنے کے لائق نہیں، خود یہاں کا نصاب بہت اچھا ہے، تاہم مصر کے ابتدائی نصاب کو سامنے رکھ کر اس پر نظر ثانی مفید ہوگی۔ اعداد اور اس کے بعد کا نصاب درج ذیل امور کی پابندی کے ساتھ اپنایا جاسکتا ہے۔ (۱) اعداد کا نصاب اردو زبان میں منتقل کیا جائے۔ (۲) خود صرف کے تمام ضروری قواعد ایک سال میں مکمل کر دیے جائیں تاکہ طلبہ جلد از جلد عربی عبارت کو سمجھ کر پڑھنے کے لائق ہو جائیں۔ (۳) ان درجہات میں آسان ادبی کتابوں کا حصہ زیادہ رکھا جائے تاکہ طلبہ عربی زبان سے آشنا ہو کر ثانویہ کی

کتابیں مصری کورس کے مطابق بیعت پڑھ سکیں۔ (۴) مختصر آریہ کہا جائے کہ تین سال اعداد اور اس کے بعد کا نصاب ازہر نو تیار کرنا ہوگا۔ (۵) اعداد اور ثانویہ پڑھانے کے لیے اساتذہ کی قسوی فریڈنگ بھی ضروری ہوگی۔ (۶) کلے کا نصاب پڑھانے کے لیے زیادہ فریڈنگ کی ضرورت ہوگی۔ بہتر یہ ہوگا کہ اولاً جامعہ ازہر یا دیگر معیاری جامعات کے اچھے اور باوقار تدریس کے حضرات حاصل کی جائیں، پھر دیگر اساتذہ ان کا طریقہ درس اپنائیں۔ (۷) یہ بھی مناسب ہوگا کہ یہاں کے اساتذہ اور اس کے خرچ پر جامعات میں ایک ایک سال رہ کر وہاں کے نظام درس، طریقہ درس، نظام امتحان اور دیگر اصول و ضوابط سے باقاعدہ روشناس ہوں، پھر اپنے اداروں میں ان کی تنفیذ کریں۔ اور بھی چیزیں ہیں جو ابھی لکھنے کے بجائے وقت ضرورت بتانے کے لائق ہیں۔

(۵) مذکورہ امور کی تکمیل و تنفیذ کے لیے ایک فعال بورڈ اور بہت اچھے عملے کا "بانشا بلڈ" سرگرم ہونا بنیادی اہم ہے ورنہ سب خواب و خیال ہی ہو کر رہ جائے گا۔

## ذمہ داران مدارس کے لیے لمحہ فکریہ<sup>(۱)</sup>

اس میں شک نہیں کہ آج جو بھی علم کی روشنی نظر آرہی ہے اس میں درس گاہوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔ خصوصاً دینی درس گاہوں کا علم کے ساتھ صالح فکر و خیال اور پاکیزہ اخلاق و عمل کی ترویج میں جو اہم کردار ہے اسے ہرگز فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ انیس جس قدر متحرک و فعال ہوتا چاہیے زیادہ تر درس گاہیں اس سے ابھی تک بہت دور ہیں۔ جو درس گاہیں نسبتاً زیادہ فعال ہیں ان کے لیے بھی ترقی کے میدان ابھی کافی وسیع ہیں اور بڑی محنت و جہاں فٹانی کے بعد ہی وہ دنیا کی عظیم دانش گاہوں کے مقابلہ میں قابل ذکر ہو سکتی ہیں۔

میرا سابقہ طلبہ اور تعلیم یافتہ افراد سے اکثر پڑتا رہتا ہے۔ اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ کو، عموماً دین کی ضروری معلومات اور مذہبی افکار و اعمال کے لازمی علم سے بہت دور پاتا ہوں اور یہ فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ آخر ان تک دینی و مذہبی علم کی روشنی کیسے پہنچائی جائے، ان میں بعض طلبہ اور فراغت یافتہ افراد ایسے بھی ملتے ہیں جن کو بہت سے دنیاوی محکموں کی بھی عام معلومات نہیں ہوتی اور صحیح ہندی انگریزی سمجھنا سمجھنا بھی ان کے لیے بڑا مشکل ہوتا ہے۔ ایسے افراد پر اور زیادہ تعجب ہوتا ہے کہ آخر جس علم کی تحصیل میں انھوں نے عمر بسر کی ہے اس میں اس قدر کمزوریوں ہیں؟ اس طرف ان طلبہ کے اساتذہ، سرپرستوں، درس گاہوں کے ذمہ داروں اور خود ان طلبہ کو انصاف و اخلاص کے ساتھ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

مذکورہ طلبہ سے زیادہ میرا تعلق مدارس اسلامیہ کے طلبہ سے رہتا ہے اور ان کے علم و عمل، اخلاق و تہذیب اور فکر و خیال کو قریب سے دیکھنے کے مواقع بھی میسر ہیں۔ اسی طرح جو حضرات کسی درس گاہ سے فارغ ہو چکے ہیں ان سے گفت و شنید بھی اکثر پیشتر ہوتی رہتی ہے۔ طلبہ کا تو بعض اوقات باضابطہ امتحان بھی لینا پڑتا ہے اور زیادہ تر عام گفتگو اور ملاقاتوں میں طلبہ اور فارغین کی صلاحیتوں کا مختلف جہتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ بلاشبہ ان میں بعض کی علمی و عملی حالت بڑی مسرت بخش ہوتی ہے۔ مگر اکثر کی جو عام حالت پائی جاتی ہے ذیل میں اس کو ذکر کر کے میں

پہلے مل رہا پیش کرنا چاہتا ہوں۔

عام حالت یہ ہے کہ آج دینی درس گاہوں سے نکلنے والے فارغین کے متعلق تحریر و قلم سے دوری، تقریر و دین میں راہ کی حفاظت کی، غیر مستند و افہامات و روایات کی زیادتی، صحیح روایات میں بھی افسانوی اور افسانوی خیالات و خیالات کی عصر حاضر کے دینی و علمی تقاضوں سے بے خبری اور ان کی تکمیل سے بے اعتنائی کی شکایت عام ہوتی جارہی ہے۔ لیکن مدارس کے ذمہ داروں کو اپنے طلبہ کی خامیوں کا یا تو بالکل احساس ہی نہیں یا اگر احساس ہے تو ان کے ازالہ کی کوئی فکر اور کارکردہ وجہ نہیں جب کہ ان کا فرض ہوتا ہے کہ اس فکری پستی اور علمی محدودیت کے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے نگران کے علاج کی طرف متوجہ ہوں اور اپنی جہد مسلسل اور سعی جہم کے ذریعہ حالات کا رخ بدل دیں۔ اس مسئلہ میں روح ذیل نکات پر غور کرتے ہوئے مناسب تجاویز کو نوآفرین عمل لانے کی ضرورت ہے۔

[۱] ایک وقت تھا جب اسلامی شہروں میں محفل و خوارج جیسے فرقے اپنا سکہ جمائے ہوئے تھے وہ اپنے دین کا باریک ذہن و تقویٰ، شجاعت و دلیری، علم و مکالمہ، زبان و بیان کی دل کشی، تحریر و قلم کی دل آویزی، علوم ادبیہ میں بہت دہشت، حکمتوں کے عہدوں پر تسلط، مال داروں اور حاکموں کے یہاں اثر و رسوخ جیسے ناقابل تفسیر سمجھے جانے والے آلات و وسائل سے لیس تھے۔ ان کے علمی کمالات و محاسن کی وجہ سے ان کی بہت سی باتیں بھی عام فہم میں شامل تھیں۔ بعض آج بھی شامل ہیں۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ یہ باطل فرقے کسی وقت ناپید ہو جائیں گے۔ لیکن علمائے اہل سنت اپنی منہمی ذمہ داروں سے غافل نہ تھے۔ انھوں نے اعتزالی تفسیروں کے مقابلہ میں، کلام کے مقابلہ کلام، حدیث و فقہ کے مقابلہ حدیث و فقہ اسی طرح تاریخ و جغرافیہ و غیرہ فنون کے مقابلہ میں خود کتابیں لکھیں اور اہل باطل کی تلمیذوں اور گمراہیوں کا پردہ چاک کیا۔ ارباب حکومت اور اہل مناصب شہ کی ابتداء از حق پہنچایا اور نور حقیقت اس قدر عام کیا کہ غلطیوں نے خود دم توڑ دیا۔

اس کے ساتھ یہودیت و نصرانیت کی جانب سے جو حملے ہو رہے تھے ان کا بھی انھوں نے مقابلہ کیا اور اسلامی صداقت و حقانیت کا جلوہ ہر دور میں جہاں تاب کیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج جب بھی کوئی فتنہ سر اٹھاتا ہے تو اہل نظر کا قدیم علمی تحریروں سے اس کا جواب بھی کسی نہ کسی شکل میں دست دیا ہو جاتا ہے۔

[۲] آج ہم جس ماحول سے گزر رہے ہیں اس میں مدارس اسلامیہ کی ذمہ داریاں پہلے سے زیادہ سخت اور مشکل ہو چکی ہیں۔ کیونکہ آج کے ایسے نئے حوم و فنون پیدا ہو چکے ہیں جو ہماری درس گاہوں میں داخل نہیں۔ لیکن ایک مہمکن و میدان میں اترنے کے بعد ان کا بھی مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ دوسری طرف قدیم اسلامی علوم و فنون بھی اس قدر مہمکن ہیں کہ ان کی کامل تحصیل کے بغیر اسلامی شخص و کالت اور ملت کی صحیح رہنمائی کا فریضہ ادا ہی نہیں ہو سکتا۔

اس لیے آج عصری تقاضوں کے مطابق قدیم و جدید سے ہم آہنگ نصاب نو کی ترتیب اور مدارس میں اس کی



تفہیز ضرورت امتیاز ہم ہو چکی ہے کہ اس سے صرف نظر کسی جاتی و مالی خسارے سے کم نہیں بلکہ اس سے فوٹو ترس ہے۔  
[۳] نصاب تعلیم کوئی بھی نافذ ہو۔ اس سے ہرگز یہ تصور نہیں کر لینا چاہیے کہ اب طلبہ و علما کو مزید کچھ دیکھنے اور لکھنے پڑھنے کی ضرورت نہ رہی۔ ہم نے اپنے نصاب میں اتنا کچھ سمودیا ہے کہ وہی ساری ضروریات و مطالبات کے لیے کافی ہے۔ اس لیے کہ ایسا نہ تو کہی ہوا ہے اور نہ آئندہ کہی ہو سکتا ہے۔ کوئی بھی نصاب تعلیم صرف لازمی استعداد اور صحیح فکر و مزاج پیدا کرتا ہے جس کی بنا پر مزید تحقیق و مطالعہ کی راہیں کھل جاتی ہیں اور انسان تمام ضروری آلات و وسائل سے آراستہ ہونے کے قابل بن جاتا ہے۔

نصابی علم میں بھی وسعت و مہارت اور پختگی و مضبوطی خارجی مطالعہ کے بغیر نہیں آسکتی اس لیے کہ کسی بھی نصاب میں کئی جتنی محد دو کتابیں، محد دو مضامین اور محد دو علوم و فنون ہی داخل کیے جاسکتے ہیں۔ جب کہ علم و فن کی دنیا اور زمانہ کے حالات و مطالبات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اسے کوئی خاص نصاب اپنے دامن میں سمیٹنے سے عاجز ہے۔

آپ ارباب کمال اور اصحاب تصنیف و علاء محققین کے حالات زندگی پر نظر ڈالیں تو ہر ایک کے بارے میں آپ کو معلوم ہو گا کہ وہ صرف اپنے نصاب تعلیم کی بنیاد پر صاحب فضل و کمال اور شہادہ تحقیق و تدقیق نہیں بنے بلکہ انہوں نے نصابی کتابوں سے باہر بھی بے شمار کتابوں کا بڑی دیر و بڑی اور جگر کاوی سے مطالعہ کیا ہے۔ جب کہیں وہ اپنے زمانہ میں امتیازی شان کے حامل اور زمانہ ساز بعد میں بچائے دوام کے قابل ہو سکے ہیں۔

[۴] ایک قسم یہ بھی ہے کہ ہر عصری نصاب والا اپنے نصاب سے باہر معلومات و مضامین کے سلسلے میں یہ کہہ چھٹی پا جاتا ہے کہ یہ میرا موضوع نہیں رہا۔ میں تو ظاہر سبجیکٹ کا ماہر ہوں۔ مگر ایک عالم دین اگر یہی بات کہے تو اس کی گو خلاصی نہیں ہو سکتی۔ مزید برآں یہ صرف اس عالم کی کمی شمار نہیں ہوتی بلکہ اس کے مذہب، اس کی درس گاہ، اس کے تعلیمی نصاب، اس کے استاد بھی کا قصور شمار کیا جاتا ہے۔ عصری نصاب والے خود بے شمار ضروری معلومات و علوم سے نااہل ہوں جب بھی وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور عالم دین اگر چند دنیاوی علوم سے بے بہرہ ہے یا کچھ دینی مسائل سے محض نہیں تو وہ سب سے بڑا جاہل ہے۔ اس دنیا کے اندر علم و جبل کو اپنے کے چپانے بھی بڑے عجیب و غریب ہیں۔

اب لمزہ فکر یہ یہ ہے کہ مدارس کے طلبہ و استاد کو ضروری علوم سے آراستہ کیسے کیا جائے؟ نئے فنون کے رد میں مضبوط و زنی کتابیں منظر عام پر کیسے آئیں؟ جدید نصاب کی تدوین کرنے والے اہل علم و قلم کو کہاں تلاش کیا جائے؟ تقریروں کی غلط بیانیوں کا سد باب کیسے ہو؟ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ٹیٹھے رہنا اور اسباب و وسائل کو ترک کر کے آسمان سے رجاء الغیب کے نزول اور ساری ذمہ داریوں کی کفالت کے وقت کا انتظار کر کے رہنا حال خود کا کام نہیں۔ رب کریم نے خود صما سے عصر اور اسلامیان زمانہ کے کاغذ حوں پر دین و علم کی اشاعت اور فروغ و ترقی کی ذمہ داری رکھی ہے، اسباب و وسائل بھی پیدا فرمائے ہیں، عقل و علم اور کمال و بہتر سے بھی نوازا ہے، انہیں خود بخود

دار و لای اختیار کیا جاساں کہتا ہے اور آج ہی اپنے فرائض کو ادا کر لینی ہے۔

[۵] ان حالات میں ضروری ہے کہ خارجی طور پر طلبہ کو تھکاتے وقت کے مطابق لازمی معلومات سے کر دیا جائے اور ان میں قلمی صلاحیت کو بھی فروغ دیا جائے۔ اس کے لیے ہر ادارہ میں ایک ایسا لائبریری اور دارالطالعہ کا ہونا ضروری ہے جس میں مختلف جرائد و رسائل آتے رہیں اور مختلف علوم و فنون مشائخ و کلام، تفسیر و حدیث و فقہ و اصول، تاریخ عالم، تاریخ مذہب، تاریخ علوم، تھلیل ادیان، و فرقہ باطل، سیرہ صالح، جغرافیہ و سائنس وغیرہ کی کتابیں طلبہ و استاد کے لیے فراہم کی جائیں۔ اور انہیں مطالعہ کا عادی بنایا جائے۔ تقریری و تحریری مقابلے کرائے جائیں۔ اور اس بات کی پابندی کی جائے کہ جو کچھ بھی لکھیں اور پڑھیں وہ مستند کتابوں سے ماخوذ اور صحیح و مقبول ہو۔

اس طرح انہیں وہ علوم بھی حاصل ہو سکیں گے جو نصاب کی گرفت میں نہیں آتے اور قوم کو ایسے افراد بھی مل جائیں گے جو اپنی تقریروں میں معتبر اور صحیح مواد موثر انداز میں پیش کر کے دین کی تبلیغ اور ملت کی رہ نمائی کا فریضہ بجا طور پر انجام دے سکیں۔

دوسری طرف تعلیم یافتہ افراد کی رہ نمائی کے لیے قابل اعتماد مصنفین کا ایک گروہ پیدا ہو سکے گا۔ تیسری طرف ہر دور میں تھکاتے عصر کے مطابق جدید اور جامع نصاب تیار کرنے والے و وسیع النظر اہل قلم بھی مستعد اور تیار ملیں گے اور وسیع النظر اہل قلم کی ناپائی یا کم پائی کے باعث جدید نصاب کی تدوین کا مسئلہ تو قی میں نہ پڑ سکے گا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اہل مدارس جس طرح دو سرے تمام مصارف کے لیے سرمایہ کی فراہمی کر لیتے ہیں لائبریری اور دارالطالعہ کے لیے بھی بخوبی کر سکتے ہیں۔ ضرورت اور اس کی اہمیت کا احساس اولین شرط ہے۔ اگر دین و ملت اور علم و ادب کی اس اہم ضرورت کا احساس پیدا ہو گیا، دین و علم کے فروغ و ترقی کی جتنی توجہ دلوں میں مزین ذہن ہوئی اور سطحی و غیر علمی ماحول میں انقلاب لانے کا غلصہ نہ جذبہ پیدار ہو گیا تو ذمہ داران مدارس، درسیات کی نفاذ اور تعمیرات کے انتظام کے ساتھ دارالطالعہ کے قیام، لائبریری کی توسیع اور استاد و طلبہ کے لیے اسے مفید و متوازن کا مسئلہ بھی خود ہی بہت جلد حل کر لیں گے۔

[۶] اس کے ساتھ چند باتیں اور ہیں جن کی طرف توجہ ضروری ہے۔

(الف) قواعد کی کتابیں مکمل پڑھانی جائیں۔ اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے طلبہ علم الصیف و ہدایہ، انخو، پنج منج جی کتابیں مکمل نہیں کرتے اور آگے کی کتابیں انہیں شروع کرادی جاتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ابتدائی قواعد سے ناواقفیت کے باعث عبارت خوانی اور ترجمہ بھی ان کے لیے مشکل ہو جاتا ہے پھر وہ کسی لائق نہیں رہ جاتے۔

(ب) عربی فارسی شروع کرانے سے پہلے ابتدائی حساب اور اردو لکھنے پڑھنے کی قدرت پیدا کی جائے، اہل

درست کرایا جائے، چھوٹے چھوٹے مضامین اور خطوط لکھنے کی مشق کرائی جائے ورنہ یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض طلبہ حساب و اطلاق کمزور ہونے کے باعث بعد فراغت بھی بہت سی مشکلات کا سبب بنتے ہیں اور یہ کمزوری خود ان کی رسوائی کا سامان قرار دہم کرتی ہے۔

(ج) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابتدائی فارسی عربی کے ساتھ حساب اور اردو املا و مضمون نویسی کی ضروری تعلیم دی جائے تاکہ نو داخل طلبہ کی بنیادی کمزوریوں کی تلافی ہو سکے۔

(د) تجویز قرآن سے غفلت عام ہے۔ ناظرہ کی تعلیم عموماً ایسے مدرسین کو سپرد کی جاتی ہے جو طلبہ کو صرف مخارج کے ساتھ حروف کی ادائیگی کا عادی نہیں بناتے بلکہ بعض تو خود بھی اس پر قادر نہیں ہوتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید ختم کرنے اور اعادہ کرنے کے بعد بھی سو فی صد صحیح ادا کی گئی سے عاجز ہوتے ہیں۔ اب یہ عربی درجہ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد بھی قرآن غلط پڑھتے ہیں اور عموماً امامت بھی کرتے ہیں جس سے ان کی نمازوں کے ساتھ دوسروں کی نمازیں بھی باطل ہوتی ہیں۔

اس لیے ایک طرف تو ناظرہ کی تعلیم صحیح خواص اور ذمہ دار و محقق مدرسین کے حوالہ ہونی چاہیے دوسری طرف ابتدائی عربی کے کسی درجہ میں تجویز لازم کر دینا چاہیے تاکہ دوسری درس گاہوں سے آنے والے نئے طلبہ کی کمزوری دور ہو سکے اور سبھی اس قابل بن سکیں کہ صحت فرائض کے ساتھ اپنی نمازیں صحیح کر سکیں اور دوسروں کی نمازیں بھی ان کی اقتدا میں درست ہوں۔

(۷) اس طرح کے بہت سے مسائل پر میں اپنے مضمون ”مدارس اسلامیہ کے انحطاط کے اسباب و علاج“ میں گفتگو کر چکا ہوں اسے ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں دارالطالعہ، لائبریری اور دوسری چند ضروری باتوں کا ذکر شدت احساس اور جذبہ اخلاص کے تحت زیرِ قلم آیا ہے۔

قوی امید ہے کہ مخلص و دردمند اور سنجیدہ و وسیع الطرف حضرات مذکورہ نکات پر غور کر کے انہیں بروئے کار لانے کی کوشش کریں گے اور رب کریم اپنی توفیق و ہدایت اور نصرت و اعانت سے ہم کنار بھی فرمائے گا۔ و ما ذلک علیہ بعریز۔

(۱) الحمد للہ اس سلسلے کے کئی مشوروں کو اب جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور متعلقہ اداروں میں عملی شکل مل چکی ہے اور ابتدائی درجہ کی تعلیم کے لیے ایک جدید نصاب بھی تیار کر کے شامل درس کیا جا چکا ہے۔



## تنظیم المدارس اور نیا نصاب تعلیم (۱)

عظیم المدارس کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ مدارس کے نصاب تعلیم میں جو ناہمواری اور غیر معمولی فرق پایا جاتا ہے اسے دور کر کے یکسانی پیدا کی جائے اور تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر ارکان و اساتذہ سے اس کی بہتری کی جانب خاطر خواہ توجہ مبذول کرنے کی گزارش کی جائے۔

اس کی روشنی میں بعض خاصہ گان مدارس پر مشتمل ایک عبوری کمیٹی بنائی گئی جو نصاب پر نظر ثانی کر کے ایک حوالہ اور عمدہ نصاب کا خاکہ تیار کرے۔

نصاب پر غور کرنے کے لیے عبوری کمیٹی کا پہلا اجلاس ۱۷/۱۸/۱۹ رجب الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۷/۲۸ مارچ ۲۰۰۸ء بدھ، جمعرات، جمعہ کو الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں منعقد ہوا جو پانچ نشستوں پر مشتمل ترمیمی نشست ۸/۹ بجے سے ۱۲ بجے تک اور رات کی نشست بعد مغرب سے ۱۱ بجے تک دو نماز عشا کے ساتھ ہوئی۔ جو کہ دن ۷ بجے سے ۱۲ بجے تک آخری نشست ہوئی اور نصاب کا مسودہ با اتفاق حاضرین تکمیل کو پہنچا۔ دونوں میں کام مکمل نہ ہو سکا اس لیے دوسرا اجلاس ۲۳/۲۵/۲۶ اپریل ۲۰۰۸ء جمعرات، جمعہ، ہفت روزہ کو دارالعلوم دارفہ لکھنؤ میں رکھا گیا۔

### نصاب کی چند خاص باتیں:

[۱] قرآن کریم تمام علوم کا سرچشمہ اور جملہ عقائد و اعمال کا ماخذ و مصدر ہے، مگر سابقہ نصاب کی نوسال مدت میں اس کی تعلیم دس بارہ پارے سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ اس نصاب میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ تجربہ یا تفسیر کے ذریعہ اسے قرآن کریم کا اجمالی یا قدرے تفصیلی درس و مطالعہ ہو جائے۔

[۲] سابقہ نصاب میں صحاح ستہ سے صرف تین کتابیں صحیح بخاری، صحیح مسلم اور جامع ترمذی زیرِ درس تھیں۔ نصاب میں اب تین کتب سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور ابن ماجہ کے ابواب بھی شامل کیے گئے ہیں تاکہ طالب علم مزید محنت سے ایک حد تک بلا واسطہ روشناس ہو جائے۔ علاوہ انہیں مشکوٰۃ المصابیح، صحاح ستہ اور ان

کے علاوہ متعدد کتب حدیث کے بہت جامع اور نفیس انتخاب پر مشتمل ہے مگر درس میں سوسو اس صفحات سے زیادہ نہ آتے، نصاب میں اسے دو سال زبردور رکھ کر زیادہ سے زیادہ احادیث کریمہ مطالعہ میں لانے کی کوشش کی گئی ہے اس لیے کہ حدیث رسول، اسلامیات کا ماخذ دوم اور شارح قرآن حکیم ہے۔

[۳] تصوف کی کوئی کتاب باضابطہ داخل نہ تھی جس سے بڑی کمی کا احساس ہوتا تھا، اس نصاب میں:

(الف) تجلۃ الاسلام امام محمد غزالی (۵۰۵ھ - ۵۵۰ھ) کی مختصر اور جامع کتاب مہذب العابدین شامل کی گئی ہے۔

(ب) مشکوٰۃ شریف سے کتاب الرقاق مکمل داخل نصاب ہے۔ اس کے مضامین تصوف اور اہل تصوف کا

خاص ماخذ ہیں اور اخلاق و احسان کا حامل بنانے میں احادیث کریمہ کا اپنا اہم کردار ہے۔ دل و دماغ میں کلمات رسول علیہ الصلاۃ والسلام کی اثر آفرینی کا ایک خاص امتیاز اور بلند مقام ہے۔

(ج) ریاض الصالحین سے بھی ان ابواب و احادیث کو شامل کیا گیا ہے جو اخلاق و تصوف سے گہرا ربط رکھتی ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ طلبہ کی زندگی پر اس اضافے کا بہتر اثر نمایاں ہوگا۔

[۴] فقہ کے درس میں عموماً کتاب الطہارۃ، کتاب الصلاۃ، کتاب البیوع، کتاب الزکاح، کتاب الطلاق کے چند ابواب ہوتے تھے تمام فقہی ابواب بطور متن بھی نظر سے نہ گزرتے۔ اس نقص کو دور کرنے کے لیے نورالایضاح سے طہارت و عبادات اور قدوری سے بقیہ فقہی ابواب کو شامل کیا گیا ہے۔ اسی طرح کثیر جزئیات سے آگاہی کے لیے ہدایہ کے ساتھ بہار شریعت کا مطالعہ لازم کیا گیا ہے۔ اصول فقہ کی بھی کوئی کتاب مکمل نہ ہوتی تھی اب ہدیٰ اصول الشاشی داخل درس کی گئی ہے۔

جدید فقہی مسائل سے آشنائی کے لیے "قضایا فقہیہ معاصرہ" اور نئے افکار و مذاہب سے واقفیت کے لیے "افکار زائدہ معاصرہ" زیر ترتیب ہیں۔ انہیں مناسب مقام پر شامل کرنے کی کوشش ہوگی۔ ان شاء اللہ الرحمن۔

[۵] سابقہ نصاب میں علوم کے ساتھ تاریخ علوم کو جگہ نہ دی گئی تھی۔ اس نصاب میں تدوین قرآن، تدوین حدیث، فن جرح و تعدیل، اسماء الرجال، اصول تفسیر، تاریخ تفسیر، تاریخ اصول حدیث، تاریخ فقہ، تاریخ اصول فقہ، تاریخ ادب عربی، تاریخ مذاہب و ملل وغیرہ کو حسب گنجائش جگہ دی گئی ہے۔ یعنی تعالیٰ ان سب سے طلبہ کی بصیرت اور وسعت نظر میں کافی اضافہ ہوگا۔

[۶] عربی و انگریزی تعلیم میں انشاء داخل ہے، مگر اس انشاء کا بیش تر حصہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمے کی مشق پر مشتمل ہے۔ مضمون نگاری کیسے ہو؟ خیالات کو مرتب کرنا، چند فقرہ یا جملوں کو پھیلا کر مضمون دل شکل دینا، کسی شخصیت، کسی مسئلہ، کسی حادثہ وغیرہ کے گرد حالات، معلومات اور خیالات کو دل چسپ اور مناسب

ربط و ترتیب کے ساتھ پیش کرنا، ان سب پر تھوڑی سی توجہ اور اس کے ایک دو درجوں میں دی جاتی ہے جن میں طلبہ کو یہ کلاں عربی و انگریزی میں کرنی ہوتی ہے۔ اس سے قبل انھوں نے سرے سے مضمون نگاری ہی نہ سیکھی، اب سیکھ رہے ہیں تو ایک دوسری زبان کے مزاج، بلند معیار، اسلوب اور محاورات کو بھی سر کرنا ہے۔ اس دو ہرے بوجھ کی وجہ سے زیادہ تر انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اکثر طلبہ ہمت ہار کر بیٹھ جاتے ہیں۔

اگر ابتدائی درجہ میں انہیں اردو ہی میں مضمون نگاری کا عادی بنایا جائے تو یہ بار ہلکا ہوگا پھر جب ان کے اندر لہری زبان میں افکار و خیالات کی ترتیب کا ہلکا پیدا ہو گیا تو دوسری زبان میں مضمون نگاری کے وقت صرف ایک بار ہوگا اور وہ ہے دوسری زبان کے مزاج و معیار کا لحاظ، ان شاء اللہ وہ یہ بار بخوبی اٹھالیں گے۔ زیر نظر نصاب میں ان کی رہایت کی گئی ہے اور اردو مضمون نگاری کو داخل درس کیا گیا ہے۔

[۷] اچھے خاصے مقررین اور اہل علم کی گفتگو اور تقریروں میں زبان کی غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح بہت سے لکھنے والوں کی تحریروں میں زبان کے ساتھ قواعد املاک بھی بے شمار غلطیاں نظر آتی ہیں جس کا سبب یہ ہے کہ اردو زبان اور املاک کو قاعدہ نہ انہیں پڑھائے گئے نہ ان خود انھوں نے مطالعہ کر کے جاننے اور سیکھنے کی کوشش کی، مزید بریں بعض کو یہ بھی زعم رہا کہ اردو تو ہماری مادری زبان ہے اس کے قواعد سیکھنے کی ہمیں کیا ضرورت؟ اس خیال کی وجہ سے اخیر تک غلطیاں ان کا ساتھ نہیں چھوڑتی اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بالکل صحیح بلکہ نہایت فصیح و بلیغ زبان استعمال کرتے ہیں۔۔۔۔۔ ان حالات کے پیش نظر اردو زبان اور املاک کے کچھ ضروری قواعد بھی شامل نصاب کیے گئے ہیں۔

[۸] آج یہ ستم بھی ہو رہا ہے کہ بہت سے مدارس میں کچھ ایسے مدرسین نظر آتے ہیں جو چھ ماہ میں میزان و منشب اور نوہ ماہ میں بحر میں علم الفیضہ و ہدایہ انھو بھی مکمل نہیں کرتے۔ بلکہ ان میں سے ہر کتاب کے چند اوراق پڑھا کر یہ سمجھتے ہیں کہ ستم طلبہ اور ادارے پر بڑا احسان کر دیا ہے جب کہ یہ کھانا ہو علم ہے۔ پھر انتظامیہ کی جانب سے اس پر کوئی گرفت بھی نہیں ہوتی اور طلبہ کو ہر سال اگلے درجے کے لیے ترقی ملتی جاتی ہے اور وہ ایک سو کھلے درخت یا پوست بے مغزی صورت میں اداروں سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ بہت سارے ہندوستانی اسکولوں، کالجوں کی بنیادیں مدرسوں کی بنیادیں ہیں۔ ذمہ داری کا احساس اور خدا کا خوف کم و بیش ہر جگہ سے رخصت ہوتا جا رہا ہے۔

اس نصاب میں صرف، نحو، ادب، منطق، بلاغت، فقہ، اصول فقہ، اصول حدیث وغیرہ ہر فن کی بنیادی تشکیلی عمل طور پر شامل کی گئی ہیں کیوں کہ ان کے بغیر ذہنی استعداد و مولوی یا عالم بنانے کا تصور ایک دل چسپ خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ انتظامیہ اور استاد وہ دونوں کی ذمہ داری ہے کہ نصاب کی تکمیل سے غفلت روا نہ رکھیں۔

[۹] انگریزی زبان بھی شامل نصاب رکھی گئی ہے جس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ اردو میں فارسی کے بہت سے

اظاظ اور ترائیب داخل ہیں جنہیں اچھی طرح سمجھنے، بولنے اور لکھنے کے لیے فارسی زبان سے آشنائی ضروری ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بہت سادہ بنی و علمی ذخیرہ فارسی زبان میں بھی ہے، اس سے استفادے اور اس کی عقدہ کشائی کے لیے فارسی میں مہارت ضروری ہے۔ لیکن خود صرف اور منطق وغیرہ کی ابتدائی کتابیں اردو ہی میں رکھی گئی ہیں تاکہ مبتدی طلبہ کے ذہن پر فتن کے ساتھ ایک دوسری زبان کا کوئی بار نہ رہے اور وہ اصل مقصود کو کم سے کم وقت میں پے آسانی حاصل کر سکیں۔

[۱۰] عربی اور انگریزی دونوں کے ادب و انشا کو اوپر کی جماعتوں میں بھی لازم کیا گیا ہے تاکہ دونوں میں مہارت ہو سکے اور ملکی، دینی اور تبلیغی امور ہمارے فارغین کے ذریعہ دونوں زبانوں میں انجام پا سکیں۔

[۱۱] ان سارے اضافوں کے ساتھ اس بات کا شدت سے خیال رکھا گیا ہے کہ اگر اسلامی سال کے تین سو چوں ایام میں سے صرف ایک سو چھاس دن بھی تد رسی کام ہو تو نصاب تشکیمیل نہ رہے۔ ساتھ دن اچھاں ششماہی و سالانہ اور ان کی تیاری کے لیے، ایک سو چوالیس دن رخصت اور تعطیل کے لیے فرض کر لیے جائیں تو بھی اتنے ایام (۱۵۰ دن) بچتے ہیں جن میں نصاب کی تکمیل بخوبی ہو سکتی ہے بشرطے کہ مدرسین اور طلبہ اپنے فرض اور اپنے مقصود سے غافل نہ ہوں۔ واللہ الہادی الی سواہ السبیل۔

دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ تنظیم المدارس کے منصوبوں کو جلد پایہ تکمیل تک پہنچائے اور مدارس کا علمی، تعلیمی، عملی معیار بلند سے بلند تر بنائے۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین، خاتم النبیین وعلیہم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین، [نصاب مامنامہ اشرفیہ مبارک پور جون ۲۰۰۸ء میں شائع ہو چکا ہے۔ مجلس برکات کی فہرست کتب میں بھی شامل ہے۔ اشرفیہ کی ویب سائٹ پر بھی موجود ہے۔ وہاں دیکھ سکتے ہیں۔ مرتب]



## دینی تعلیمی نصاب ضرورت و اہمیت

[۱] امت مسلمہ کے ترجیحی مسائل اور ان کے حل پر دوسری کل ہند فکر و تدبیر کانفرنس ۸۳ ویں برس قاجی کے موقع پر فاتحہ برکاتیہ مارہرہ مظہرہ کے زیر انتظام یہ عنوان: مسلم معاشرے میں تعلیم: (مسائل اور امکانات) ۱۸ ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۰۰۹ء سنچر کو دن میں ایک بجے سے سوا چار بجے تک مشغول ہوئی۔ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل فکر انگیز تحریر ای کانفرنس میں پیش فرمائی تھی۔ [۱]

دینی تعلیم کے کئی مراحل ہیں۔ ایک مرحلہ یہ ہے کہ ابتدائیں بچوں کو توحید کے ساتھ قرآن کریم پڑھا دیا جائے۔ وضو، نماز کے ضروری مسائل اور دعائیں سکھا کر ان کی عملی مشق کرائی جائے اور پابندی نماز کی عادت پیدا کر لی جائے۔ پھر اردو زبان سکھا کر اردو کتابوں کے ذریعہ عقائد و اخلاق اور عبادات و معاملات کے ضروری اور عام مسائل کی تعلیم دی جائے۔ اس مرحلے کے لیے نصاب ایسا ہونا چاہیے جو بچوں کی طبیعت اور مزاج سے قریب تر، بہت آسان اور دل چسپ ہو۔

دینی تعلیم کا ایک حصہ وہ بھی ہے جو بعض مسلم اسکولوں اور کالجوں میں اپنایا گیا ہے کہ عصری علوم سکھانے کے ساتھ طلبہ کو دینی تعلیم و تربیت سے روشناس کیا جائے۔ اس شعبے کے لیے بچوں کی عمر کے لحاظ سے نصاب ذرا مشکل ہو سکتا ہے لیکن مختصر اور جامع ہونا بہت ضروری ہے تاکہ دیگر علوم و فنون کے ساتھ اسلامی عقائد و مسائل، اسلامی تاریخ اور اسلامی شخصیات سے بھی آگاہی ہو سکے اور طلبہ دوسرے ماحول میں جا کر بھی اپنے دین، دینی معاشرہ اور دینی عقیدہ عمل سے دور نہ ہو سکیں اور بد مذہبوں، بے دینوں کی پلغار سے بھی اپنے کو بچا سکیں۔

لیکن اس کانفرنس میں مجھے جو عنوان دیا گیا ہے اس کا اصل مطلع نظر غالباً وہ دینی تعلیمی نصاب ہے جو مدارس دینیہ میں طلبہ کے واسطے دین کی ترویج کے لیے مقرر ہے۔

اس نصاب کا بنیادی اور اہم مقصد یہ ہے کہ قرآن وحدیث کو سمجھنے اور ان سے براہ راست استفادہ کی صلاحیت پیدا ہو، اسلامی عقائد و احکام کا عرفان ان کے دلائل کے ساتھ ہو، اسلامی یا فخرہ اسلامی تاریخ، سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، شعائر اسلام اور اہل سنت کے عقائد و معمولات پر غیروں کی جانب سے ہونے والے حملوں کا جواب دینے کی اہلیت پیدا ہو اور مختلف محاذوں پر امت مسلمہ کی یکسانہ و خالصانہ رہنمائی اور رہبری کی لیاقت بہم ہو۔



میں نے چند جملوں میں جن باتوں کو سمیٹ دیا ہے جب آپ ان کی گہرائی میں اترس گئے اور سمجھنے کی سادھ غور کریں گے تو معلوم ہو گا کہ مذکورہ دینی تعلیمی نصاب نہایت اہم، بہت مشکل، بڑا صبر آزمائ اور حد درجہ مشقت خیز ہے۔ مزید برآں اس کے ساتھ کسی بڑی مادی منفعت کی توقع بھی وابستہ نہیں۔

آج عصری درس گاہوں نے اپنے علوم و فنون کو اقسام در اقسام کر کے اپنا ہر نصاب بہت آسان اور مختصر بنا لیا ہے اور ایک شے کو اختیار کرنے والا اگر دوسرے شے کی معلومات سے کسر خالی ہوتا ہے تو یہ اس کے لیے کوئی عار کی بات نہیں ہوتی۔ لیکن دینی عالم سے یہ توقع رکھی جاتی ہے بلکہ اس کے لیے یہ لازم سمجھا جاتا ہے کہ وہ تمام دینی علوم و فنون میں ماہر کامل ہونے کے ساتھ ریاضی، سائنس، جغرافیہ، تاریخ عالم وغیرہ اور دنیائی مشہور زبانوں کا بھی شہور ہو۔

دوسری طرف ہمارے مدارس کا جائزہ لیجئے تو اکثر بڑوں حالی کا شکار ہیں۔ ان کے لیے جیسے جیسے ادارہ چلا جائے وہ میرے مخصوص نصاب تعلیم پر غور و خوض اور تیزی سے بدلتے ہوئے حالات اور ضروریات کے مطابق نصابی کتابیں تیار کرنے کا ان کے پاس کوئی باضابطہ انتظام نہیں۔ حال ہمارے سامنے ہے اور ریاضی قریب بھی اس سے مختلف نہیں۔ ریاضی بعید میں چلے تو بہت سی تبدیلیاں اور بہت سی کاوشیں نظر آئیں گی، لیکن وہ بھی انتہائی اور ہر جہت میں بلکہ چند حصوں اور تبحر علمی ذاتی اور انفرادی کاوشیں ہیں جو انھوں نے اپنے علمی رسوخ و استحصال اور ذاتی ذوق و روحان کی بنا پر بہت کراہی سے اور بہت کم مدت میں انجام دیں اور انھیں بہت سے خطوں میں قبول عام بھی حاصل ہو گیا۔

جب کہ اس وقت دنیا کا یہ حال ہے کہ خود حکومتوں کے تحت وزارت تعلیم کا شعبہ ہوتا ہے جس میں کچھ ماہرین بھاری تنخواہوں پر اسی کام کے لیے مختص ہوتے ہیں کہ نصاب کا جائزہ لیتے رہیں اور حسب ضرورت ترمیم کے نیا نصاب سامنے لاتے رہیں۔ اب یہ ان کی ڈیوٹی بن چکی ہے کہ ہر سال نہیں تو کم از کم کچھ سال میں نصابی کتب میں کچھ ترمیم ضرور کریں ورنہ "نصاب بورڈ" کا کارہ وائل قرار پائے گا۔ ہمارا ہندوستان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ مگر برصغیر کے ہمارے مدارس کا حال ساری دنیا سے الگ ہے۔

**اول:** عام ہمارے پر نظر ڈالیے تو تعلیم کی عمر کی پر خاطر خواہ توجہ ہی نہیں بس کچھ طلبہ آتے جاتے رہیں اور نہ اور نہ ریسن کا وجود جائز رکھنے کے لیے یہی کافی ہے۔

**ثانی:** جو نصاب جاری ہے اس میں کوئی ترمیم بھی ممکن ہے؟ یہ ان کے تصور سے بالاتر ہے۔

**ثالث:** نصابی کتابوں اور نصابی فنون کا مقصد کیا ہے۔ عام ہمارے ریسن کو اس سے بھی سروکار نہیں۔ کون سا فن اور کون سی کتاب ناقص ہو تو طالب علم کی اگلی تعلیم کمزور یا بالکل برباد ہو جائے گی اس کا بھی خیال نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دینی کتاب کی ویرانی کوئی بھی کتاب ہو اگر اس کے چند صفحات کی زیارت سے طالب علم کو سرفراز کر دیا جائے تو ہمارا فرض پورا ہو گیا۔

**رابع:** ان حالات میں بھی بہت سے اہل علم ایسے ہیں جو تعلیم اور نصاب پر غور کرتے ہیں بلکہ آج سے تیس ماہ قبل مبارک پور میں تنظیم المدارس اور الہ آباد میں رابطہ مدارس کا قیام عمل میں آیا اور نصاب میں ترمیم کی ضرورت کو ایک حقیقت ثابت کے طور پر تسلیم کیا گیا۔ پھر ترمیم شدہ نصاب بھی پیش ہوئے مگر مدارس کے باہمی اور تنظیم مدارس نصاب کے نفاذ کا معاملہ آن تک تشدد تکمیل ہے۔ مدارس کی جو عمارتیں آئی ہے اس میں کوئی فزکس گورنمنٹ کی شاخ و باغ ہی نظر آتی ہے۔

اب خاتکہ برکاتیہ کی تحریک پر ۲۰۰۰ء میں تنظیم المدارس کی نشاۃ ثانیہ ہوئی تو اس کی نصابی نشست میں ترمیم نصاب پر ذرا متنبیائی کے پر غور و خوض ہوا، پورے قرآن کو درس یا اصطلاح یا فقیر کے ساتھ داخل نصاب کیا گیا، تصوف جو مریدانہ ذریعے خارج از نصاب تھا اسے بھی نصاب میں جگہ دی گئی، حدیث و فقہ کے درس میں بھی گراں قدر اضافہ کیا گیا، بعض فنون جن سے مختصر آشنائی بہت آسان ہے اور بالکل ناقص یا سخت مغیر انھیں بھی بھر پور بخش شامل نصاب کیا گیا، نئی تجویز بھی لازم کیا گیا، انگریزی زبان اور بعض عصری علوم جو جامعہ اشرفیہ کے نصاب میں شامل تھے انھیں بھی برقرار رکھا گیا۔ تفصیل ماہنامہ اشرفیہ شمارہ جون ۲۰۰۸ء میں شائع ہو چکی ہے۔ وہ اس کی کی کے ہاؤز داس یا کچھ نصابی کتب خود تیار کرنے اور شائع کرنے کی بھی ہمت کی گئی جب کہ ۸۱-۸۰ء میں اسے بہت مشکل یا ناممکن تصور کیا جاتا تھا (دیکھیے رابطہ مدارس عربیہ الہ آباد کی رپورٹ ص: ۹) نصابی کتب کی تیاری کا کام مجلس برکات کے سپرد کیا گیا ہے۔ مجلس برکات کا قیام دس بارہ سال قبل حضرت امین ملت (پروفیسر شاہ محمد امین برکاتی دام ظلہ) کی سرپرستی میں ہوا ہے اور جامعہ اشرفیہ کے زیر انتظام سرگرم عمل ہے۔ اس کا پورا وجود آستانہ برکات کا ایضاً ہے۔

نصاب میں ترمیم کی ضرورت کو ایک حقیقت ثابت کے طور پر ہمارے معاصرین اور ہمارے اکابر بہت جلد تسلیم کر چکے ہیں اور پوری دنیا میں اس پر عمل درآمد بھی جاری ہے اور خبیثہ بھی یہ عمل ہمیشہ جاری رہا ہے۔ ہمارے پر ۱۵۰۰ آستانہ حضرت مولانا دہانت اللہ خاں رام پور کی ثم جون پوری اور حضرت مولانا دہانتی احمد محدث سورتی علیہما الرحمہ کے یہاں جو نصاب رائج تھا وہ بیعت ان کے شاگرد حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد علی اعظمی علیہ الرحمہ کی درس گاہ میں نہ ہوا اور ان کی درس گاہ میں جو نصاب تھا وہ بیعت ان کے تلامذہ محدث اعظم پاکستان مولانا ساردار احمد لال پوری، حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز مراد آبادی، صدر العلماء مولانا سید غلام بیبی میرٹھی، شیخ العلماء مولانا نظام جیلانی مظفریہ، مخیرم علیہم الرحمہ کی درس گاہوں میں نہ رہا۔ نصاب، معیار داخلہ، معیار فراغت میں سب نمایاں فرق نظر آئے گا۔ انفرس حسب حالات تبدیلی نصاب ایک مسلمہ حقیقت ہے جسے دلائل سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اختلاف و اختلاف کا عمل خود اس پر شاہد عدل ہے۔



یہ بھی عرض کر دوں کہ تنظیم المدارس کا نصاب یا کوئی بھی نصاب حرف آخر نہیں۔ اس لیے تنظیم المدارس کے تحت ایک نصاب بورڈ بھی ہو گا جو طلبہ و مدرسین کی شکایات سنے، حالات کا جائزہ لینے اور نئی ترتیم یا اس کی تجویز سامنے لانے کا ذمہ دار ہو گا۔

ہاں اس بات کا ہمیں کھلے دل سے اعتراف ہے کہ جو وسائل حکومتوں کے پاس ہیں ان کا سوال حصر بھی مدارس کے پاس نہیں اسی لیے باتیں تو بہت ہوتی ہیں مگر عمل نہیں ہو پاتا۔ میرے عنوان کا دوسرا جز ہے:

### طریقہ تعلیم میں تبدیلی:

اس پر بھی تفصیلی گفتگو ہو سکتی ہے مگر جہاں جو دیکھا کہ سب کچھ تسلیم ہونے کے باوجود اعضاء حرکت عمل کی آہٹ قریب سے قریب جا کر بھی نہ محسوس ہو وہاں کسی اور تسبیہ ملی کی تجویز پار آور ہونے کی کیا توقع کی جا سکتی ہے؟

مصلیٰ استادہ قواعد یاد کرانے کے بعد زبانی سوالات کے ذریعہ ان کا اجرا کراتے تھے۔ اب عملی مشق اور زبانی تحریری سوالات کے جوابات لے کر قواعد ذہن نشین کراتے جاتے ہیں۔ کوئی بات سمجھانے کے لیے قرطاس و قلم کا سہارا مصلیٰ شاؤ نہ اور ہی لیا جاتا تھا۔ اب بلا ضرورت بھی تختہ سیاہ کا استعمال عادت میں داخل ہو چکا ہے۔ مکمل شش ماہی امتحانات کا وجود نہ تھا اور سالانہ امتحانات کے لیے صرف دماغ اور زبان کا استعمال کافی تھا جس کے باعث فعال زبانی بہت پیدا ہوئیں مگر کارآمد ہاتھ کم لگے۔ اب امتحانات کی کثرت ہے جن میں زبانی امتحانات بہت کم ہیں اور اکثر وہی ہیں جن میں زبان کو سامنے اور ہاتھ کو متحرک رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے فعال ہاتھوں کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اب ہاتھوں کی زیادہ حرکت بھی دوسرے فنون کے لیے ضروری ہے۔

مصلیٰ طلبہ کی تعداد کم ہوتی تھی اور استادہ افرادی طور پر ہر طالب علم کو زبانی مشق و اجرا کے مراحل سے گزار لیتا تھا۔ اب یہ کام مشکل ہے۔ ہر درس میں طلبہ کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ استادہ بھی عموماً تربیت یافتہ (ٹرینڈ) نہیں ہوتے۔ اس لیے اب نصابی کتابیں ہی اس انداز سے تیار کی جاتی ہیں کہ ان میں مشقی سوالات اور تحریری عمل کا ذخیرہ موجود رہتا ہے۔ سوالات و تمرینات کے ذریعہ سبق بھی لیا جاتا ہے اور سبق کو مزید سمجھانے اور ذہن نشین کرانے کی کوشش بھی کی جاتی ہے۔ مزید برآں استادہ کچھ باتیں تختہ سیاہ پر لکھ کر طلبہ کو فوراً سمجھاتا ہے۔ پھر دو چار طلبہ کے ذریعہ بلیک بورڈ پر کچھ عمل کراتا ہے۔

اس طرح کمزور طلبہ کے لیے بھی سبق سمجھنا اور ذہن نشین کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور بقیہ تمرینی عمل دودھ

کرتے لاتے ہیں۔ سین استادہ نے اگر ہر طالب علم کی کاپی دیکھنے، اس کی کتاب غیبی کا جائزہ لینے اور مناسب ہدایت دینے کی ہمت تو اس طریقہ درس کی افادیت بہت کم ہو جائے گی۔

فی الخملہ یہ طریقہ تدریس زیادہ کارگر اور بار آور ثابت ہوا ہے اس لیے مدارس کو بھی اسے اپنانے کی ضرورت ہے۔ خصوصاً جب کہ قدیم استادہ کی طرح زبانی مشق و اجرا اور کثرت تمرین و تعلیم کا عمل بھی کم تر یا مفقود ہو چکا ہے۔ سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ مدارس ہوں یا اسکول اور کالج، ان کے استادہ، طلبہ اور ذمہ داران کی سمجھیں کہ تعلیم بڑی اہم چیز ہے، اس پر توجہ دینا، اس میں کشادہ دل اور متعلقہ فن میں طلبہ کے اندر دوسرے نکات، بہم پہنچانا، جاری نہی مضعی ذمہ داری ہے۔ ذخیریں نصاب کے متعلق چند باتیں مزید عرض کرنا چاہتا ہوں، ان پر اگر قیام مدارس کار بند ہوں تو میرے خیال میں نتائج زیادہ اچھے ہو سکتے ہیں۔

(۱) درجہ پنجم یا ہشتم تک اسکولوں کے مطابق بچوں کو حساب، سائنس، جغرافیہ، ہندی وغیرہ کی تعلیم اردو زبان اور دین کے ساتھ مضابطہ دی جائے تاکہ وہ ضروری حد تک ان علوم سے آشنا ہو جائیں جن کی انہیں زندگی میں قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے اور دین کی بنیادی باتوں سے بھی باخبر ہوں تاکہ وہ اپنے دین پر پامانی عمل کر سکیں۔ ساتھ ہی اردو زبان سے اتنی آگاہی اور دل چسپی پیدا ہو جائے کہ وہ مزید مطالعہ کر کے اپنی معلومات کا دائرہ وسیع کر سکیں۔

(۲) از رو راست قرآن و حدیث کا مطالعہ کرنے کے لیے عربی زبان سے آگاہی ضروری ہے اور عربی سیکھنے کے لیے صرف نفاذ لغت و ادب کی معرفت لازم ہے۔ اس ذریعہ کو آسان سے آسان اور کم سے کم مدت میں سر کرنا چاہیے۔ اس کو مقصود بن کر اس پر زیادہ وقت صرف کرنا آج کسی طرح قرین حکمت و مصلحت نہیں۔ ہاں ضروری نصاب کی تکمیل کے بعد ان علوم آئیں جس سے کسی علم پر اگر کوئی تحقیق کرے اور اس میں امتیاز و اختصاص پیدا کرے تو چاہیے۔

(۳) تنظیم المدارس کے نصاب کے مطابق درجہ عالیت تک کی تعلیم تمام طلبہ کو مکمل دی جائے پھر فعالیت کا سالہ نصاب اس طرح ہو کہ تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، کلام وغیرہ میں سے کسی ایک کا طلبہ اور بقیہ کی شمولیت فنی حد تک ہو یعنی اس نصاب کو مستعد شعبوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ہر شعبہ میں کسی ایک فن کو اصل اور باقی کو فنی حیثیت دی جائے تو مختلف علوم و فنون کے ماہر بن پیدا ہو سکیں گے۔ اس میں مضامین اور شعبوں کی کثرت کا باعث زیادہ استادہ کی ضرورت پیش آئے گی جو بہت مشکل امر ہے۔ اس لیے چند مدارس مل کر اگر شعبوں کی باہم تقسیم کر لیں تو آسانی ہو سکتی ہے، ورنہ بروقت جو نصاب ہے وہی جاری رکھ دیا جائے۔

(۴) افضلیت کے بعد اختصاص کا دوسرا سالہ کو در مناسب ہے، اسے مزید سیکھنا اور زیادہ فعال بنانے کی ضرورت نہ اس طرح زیادہ شعبوں میں اختصاص کے انتظام کی صورت بھی پیدا ہونی چاہیے۔

الغرض بہتری کی شکلیں بہت ہیں لیکن ذمہ داران مدارس میں جب تک فکر و نظر اور بصیرت و حوصلہ کی بلندی نہ پیدا ہو کوئی کام آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اس لیے اہم مسئلہ یہ ہے کہ ان میں فکری و عملی بیداری پیدا کی جائے اور انہیں اس پر آمادہ کیا جائے کہ آپ تعلیم کا چھوٹے سے چھوٹا اور محدود سے محدود کام بھی اگر کر رہے ہیں تو اسے منظم، مضبوط اور زیادہ نتیجہ خیز بنائیں۔ محض دینی خانہ پر ہی سے بے شمار صلاحیتیں ضائع ہو رہی ہیں جب کہ مسلمانوں میں تعلیم کی طرف توجہ بہت کم ہے اور مدارس کی طرف رجحان کرنے والوں کی تعداد تو کم سے کم تر ہے۔ اگر کتنی کے یہ چند افراد بھی کار آمد نہ بنائے گئے تو اس میں دین و ملت کا تعلیم اور تحکیم خسارہ ہے۔



## طالبان علوم نبویہ سے چند باتیں<sup>(۱)</sup>

جس نے طلب علم کی راہ میں قدم رکھا اسے سب سے پہلے اپنی نیت کو صاف اور مستحکم کر لینا ضروری ہے۔ مثلاً نیت سے مراد یہ ہے کہ طلب علم کو واقعہ اپنا مقصود بنائے، وقت گزاری یا طلب سند اس کا مقصود نہ ہو اور دنیا کی نیت کا مدعا یہ ہے کہ طلب علم کا شوق اپنے دل میں راسخ کرے۔ اور ایک لمحہ بھی اسے دل سے جدا نہ ہونے دے تاکہ اس کے فرائض اس کے اعضا پر اور اس کی عملی زندگی میں نمایاں ہوں۔

ظاہر ہے جس کی نیت طلب علم نہ ہو ہرگز وہ طالب علم نہیں اور جس کی نیت میں استحکام نہ ہو اس کے اندر علم کی گہرائی اور اس کی طلب میں مشقتوں کا تحمل نظر نہ آئے گا۔ بار بار اس کا ذہن بیکاری یا آرام طلبی کی طرف مائل ہوگا، اور طلب علم سے روکے گا اور وہ اپنے اوقات اور اپنی تعلیم کے ساتھ انصاف نہ کر سکے گا اور ابتدائی کتب پر بھی عبور حاصل نہ کر سکے گا جس کے باعث انتہائی کمزور رہے گا یا بار بار ناکام ہوگا یا تعلیم ہی سے خاطر برداشت اور تنفر ہو جائے گا اور ایک وقت دیکھے گا کہ عمر بے بہا کا بڑا قیمتی حصہ ضائع ہو گیا اور کچھ حاصل نہ ہوا یا جتنا حاصل ہوا وہ اس قبولیت کی بہ نسبت بہت کم ہے۔ بعض طلبہ امتحان میں لازمی ۳۳ فیصد حاصل ہونے اور اگلے درجہ میں ترقی ہانکی حد تک کوشش کرتے ہیں۔ اب بنیادی کتابوں سے متعلق جن کی معلومات کا دو تہائی حصہ غائب ہو اور امتحان پاس کرنے کے بعد باقیہ حصہ بھی غائب ہو جائے تو آئندہ کے لیے ان کی دشواری، انتہائی کمزوری بلکہ ناکامی محتاج بیان نہیں۔ مگر ایہ یہ ہے کہ ابتدائیں عقل تازہ نہ ہوتی ہے، محنت سے نفرت، تھیل سے رغبت، نفسانیات سے الفت رہتی ہے اور جب شعور بیدار ہوتا ہے وقت ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے۔ طلبہ کی اکثریت اسی ایک سبب کے باعث کمزور بنیاد پر مبنی ہے۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ ابتدائی تعلیم چھوٹے مدارس میں اساتذہ کی سخت نگرانی کے ماحول میں ہو کہ نہ چاہتے ہوئے بھی پڑھنے اور لیاقت پیدا کرنے پر مجبور ہوں تو یہ ان کے لیے اور زیادہ کار آمد اور مفید ہوگا۔ بنیادوں اور مضبوط ہو گئی تو آگے کے ہر قفل کی کنجی ہاتھ آئی۔

یہ نذر جس میں الحاد و بے دینی اور آزاد روی و بے راہ روی اپنے عروج پر ہے، علم دین کی راہ میں قدم رکھنے کے لیے جسے مضبوط ارادے اور توانا قلب و جگر کی ضرورت ہے۔ عالم دین بننے کا مطلب یہ ہے کہ اسے ہر گمراہی سے

خبردار مانی کرنی ہوئی اور ہر آزادی دے رہے راہ روی کا چنچہ مروڑنا ہوگا۔ جس کے لیے بے پناہ قوتِ مہم و عمل اور بے شمار اسلحوں سے آراستہ ہونا لازمی امر ہے۔ جس کا ذہن مغربی تمدن اور اس کی دل فریب رعایتوں کی طرف مائل ہو اس سے اسلامی تمدن کا تحفظ کبھی کیوں کر ہوگا۔ خطرہ ہے کہ عالم بین کر وہ اپنے زیر اثر دوسرے مسلمانوں کو بھی اسلافِ اسلام کی روش اور ان کی وضع سے ہٹا کر مغربی روش پر ڈال دے۔

یوں ہی جو شخص علمِ دین اور دینِ اسلام کی برتری کے یقین سے خالی ہو گا وہ اس میں گہرائی و گیرائی نہ پیدا کر سکے گا۔ نہ ہی ان اسلحوں سے آراستہ ہو سکے گا جن سے وہ الحاد و ضلال کی کاٹ کر سکے۔

عصرِ حاضر کے طالبِ علمِ دین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے علوم سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ مغربی علوم سے بھی ایک حصہ حاصل کرے تاکہ مغرب سے مرعوب نہ ہو اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے۔ ان الزامات کا بھی پتہ لگائے جو دیگر ادیان و مذاہب کی طرف سے اسلام پر لگائے جاتے ہیں تاکہ ان کے دفاع و جواب کی تیاری کر سکے۔ اسی طرح اہل سنت کے حریف جتنے فرقہ باطلہ ہیں، ان کے شبہات و اقوال سے واقفیت حاصل کر کے ان کے تحقیقی و الزامی جوابات سے بھی روشناس ہو تاکہ امتِ مسلمہ کی حفاظت و صیانت کا فریضہ انجام دے سکے۔

ظاہر ہے کہ ہر فن اور ہر بات کی تعلیم خاص نصاب درسی میں ہو جانی ممکن نہیں۔ درسِ نظامی کا مقصد یہ ہے کہ طالبِ علم میں عربی کتاب خود سے سمجھنے کی قابلیت پیدا ہو جائے، نہ صرف سیرت و تاریخ اور حکایات و واقعات سمجھنے کی لیاقت، بلکہ فلسفہ و کلام کی مشکل کتابیں سمجھنے کی بھی لیاقت پیدا ہو۔ اسی لیے درسِ نظامی میں ایسی کتابیں شامل کی گئی ہیں جو مشکل سے مشکل فن اور کتاب کے حل کا حوصلہ اور اس کی صلاحیت پیدا کرنے والی ہیں۔

لہذا ہمارے طالبِ علم کا ایک فرض تو یہ ہے کہ وہ اپنی درسیات کو پورے اخلاص و محنت کے ساتھ اذ خود دیکھ کر پڑھے اور استاذ کے ذریعہ ان میں روشن و مہارت حاصل کرے تاکہ دیگر کتب جو شال نصاب نہیں، ان کے سمجھنے میں کبھی اسے وقت و محنت نہ ہو اور اس نصاب کا مقصد حاصل ہو۔

دوسرا فرض یہ ہے کہ سیرت و تاریخ، ادیان و مذاہب، تھابیل ادیان خصوصاً اثباتِ مذہب اہل سنت اور وہ فرقہ باطلہ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے ان میں عبور حاصل کرے تاکہ وہ اسلام و سنت کی صحیح و کالت کر سکے اور غلط باتیں بیان کر کے اپنے مذہب اور اہل مذہب کی رسوائی کا سامان نہ کرے۔ کتابوں کے مطالعہ میں بھی انتخاب و لحاظِ ترتیب ضروری ہے۔

انہی کتابوں کو منتخب کرنا چاہیے جو زیادہ جامع اور مستحکم دلائل و مسائل پر مشتمل ہوں اور ان کو بھی آسان اور مشکل، پھر مشکل یا الہام فلاہم کی ترتیب سے دیکھنا چاہیے۔

تیسرا امر یہ ہے کہ تدریس و تعلیم، تقریر و مناظرہ، تحریر و تصنیف، تدبیر و انتظام ہر شعبہ میں کچھ درجہ ضرور حاصل کرے کیوں کہ عملی میدان میں قدم رکھنے کے بعد ایک ذمہ دار عالمِ دین کو ہر طرف کے حالات و ضروریات سے خبردار ہونا پڑتا ہے۔

کسی طالبِ علم سے ان فرائض کی بجائے اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ اپنے اوقات کو ضیاع سے نہ بچائے اور ایک ایک منٹ کو اپنے مقصودِ اہم میں صرف نہ کرے، الہا ایک مرتب نظامِ الاوقات رکھے جس کی روشنی میں درسی و غیر درسی کتابوں کے مطالعہ کی ہم بخوبی سرانجام دیتا رہے۔ مثلاً فرصت و تعطیل کے ایام خصوصاً تعطیل کا دن میں غیر درسی کتب و مضامین پر بھر پور توجہ صرف کرے۔ اور ایامِ تعلیم میں درسیات میں مہذب رہے اور صرف ایک گھنٹہ غیر درسی کتاب کے لیے رکھے، تفریق و آرام کا بھی وقت رکھے مگر قدرہ حاجت سے ناہنہ نہیں کہ عمر کا ایک حصہ تو آدم میں گزر چکا اور باقی ساری عمر میں بھی اس کے مواقع مل سکتے ہیں۔ طالبِ علمی کا زمانہ اور اساتذہ سے کتابِ علوم و فنیاض کا دور بار بار نہیں ملتا اور کیا وقت بھرنا چاہتے آنا نہیں۔

عملی منزل بڑی سخت ہے اور نفس پر استہلا کی گراں مگر عالمِ دین اگر اس سے خالی ہو تو نہ عالم کے جانے کا حق رہے نہ دین کی بچی حمایت اس سے ہو سکتی ہے۔ اس لیے طالبِ علم پر لازم ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی سیرت کا مطالعہ کر کے اس سے الفت پیدا کرے تاکہ ان کی بے دارغ زندگی اور ان کے زاہدانہ کردار کے سامنے نہ مغرب کی جہود و ملانیاں اسے مرعوب کر سکیں نہ دنیا کی دوسری رعائیاں۔۔۔۔۔۔ جو مسلمان اور عالم ہو کر مغربی تمدن کا لباس پہن کر اس کا باطن مغربی لباس و وضع کی طرف دیکھتا ہو یقیناً اس کا ذہن اپنے اسلاف کی روش سے غیر مطمئن اور سب سے مرعوب ہے اور غیر سے مرعوب ذہن کبھی بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایسے افراد مغربی تمدن کی غیر شعوری و کالت تو کر سکتے ہیں مگر اسلامی تمدن کی خصلت و حمایت ان سے متوقع نہیں۔ خصوصاً جب کہ ہمارے حریف فرقہ باطلہ ظاہری اخلاق و عمل سے ہی لوگوں کو اپنا گرویدہ بناتے ہیں اور اپنے بعض حضرات اپنی بے راہ روی سے لوگوں کو دور و نفور کر رہے ہیں، پیچھے تو اپنی ذات سے متفر کرتے ہیں پھر چونکہ ان کی ذات، ان کے مذہب کے ترجمان کی حیثیت سے متعارف اور ذہنوں میں رائج ہوتی ہے اس لیے بعض لوگوں کے لیے اپنے مذہب سے بھی بعد و نفرت کا سبب بنتے ہیں۔ و العیاذ باللہ تعالیٰ۔

عمرِ انہی کی عظمت کے ساتھ اس ماحول کی نزاکت سمجھ لینے کے بعد عمل کی اہمیت اور بے عملی کی سخت معذرت ہم کو نکمہ رہ جاتی۔

پھر اسلام کی تعلیمات کا مطالعہ محض لباس و وضع پر بس نہیں۔ احکامِ ظاہر سے احکامِ باطن تک نہ جانے سکتی

دشوار گزار منزلیں ہیں جن کی جادہ پیمائی کے بغیر مقصد اصلی تک رسائی حاصل نہیں ہو سکتی، مومن کی ہر منزل سے آگے ایک اور منزل ہے۔ وہ فاروق و صدیق ہو کر بھی سہی یکدم سے باز نہیں آتا اور مزید کی طلب میں لگا رہتا ہے۔

ایک طالب علم اور عالم کا طرز زندگی ہر گز یہ نہ ہو کہ عمل سے گریز الں نظر آئے، صرف رخصتوں کی تلاش میں رہے، غرضتوں کا خیال بھی ذہن میں نہ لائے اور یہ تو بہت پست حالت ہے کہ معاذ اللہ صریح خلاف ورزی اور کھانا نہ کرنے کے بعد توبہ و اعتراف کے بجائے تاویل و اصرار میں پڑا رہے۔ ”غدر گناہ بدتر از گناہ“

محاسبہ نفس، حسن اخلاق، چنگی کر دار و عمل، اخلاق و تقویٰ، جذبہ خدمت دین، شوق اشاعت علم اور ان سب سے صرف خوشنودی خدا اور رسول کی طلب ایک طالب علم اور عالم دین کے لازمی اوصاف ہیں۔

ہاشعور اور ہوش مند طلبہ سے عرض یہ ہے کہ ان کو اپنی کتب پر عبور کے ساتھ کچھ اور ہمت کرنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً:

[۱] جن مدارس کے نصاب میں اب تک ادب عربی یا انگریزی میں سے ایک ہی لازم ہے، دونوں کو اس خیال سے لازم نہ کیا گیا کہ طلبہ پر بار زیادہ ہو جائے گا اور وہ سنبھال نہ سکیں گے، مگر دونوں کی ضرورت اپنی جگہ مسلم ہے، کیونکہ جو طلبہ عربی ادب کا نصاب مکمل نہیں پڑھتے وہ حدیث، سیرت و تاریخ اور دوسرے فنون کی بہت سی کتابوں کے بہت سے مقامات حل نہیں کر پاتے یا بہت مشکل سے سمجھ پاتے ہیں، جب کہ مکمل ادب پڑھے ہوئے طلبہ اول نظر میں انھیں سمجھ لیتے ہیں۔

دوسری طرف جو انگریزی نصاب مکمل نہیں کرتے انگریزی کتب و رسائل سے استفادہ سے قاصر رہتے ہیں، قاصر تو وہ بھی رہتے ہیں جو نصاب ہی کی حد تک محدود رہتے ہیں اور مطالعہ کے ذریعہ علم زبان کے فروغ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے لیکن ظاہر ہے کہ جنہوں نے انگلش بک ۳/۴ کے آگے کچھ دیکھا ہی نہ ہو زیادہ عاجز ہوں گے۔ اس لیے باہمت طلبہ کو میرا مشورہ یہ ہے کہ درس میں اگرچہ کسی ایک زبان کو رکھیں مگر فارسی کسی بھی ذریعہ سے وہ دوسری زبان کی بھی تحکیم کریں اور دونوں زبانوں سے متعلق غیر نصابی کتب و رسائل کثرت سے دیکھیں اور لکھیں اور پونے کی بھی خوب مشق کریں اس طرح وہ بہت کار آمد انسان بن سکتے ہیں۔

[۲] عالم دین سے لوگ اپنے روزمرہ کے مسائل ضرور پوچھتے ہیں اور اسے خود اپنے عمل کے لیے بھی مسائل سے آگاہی ضروری ہے اس لیے ہر طالب علم کا فرض ہے کہ مکمل ”بہار شریعت“ کا مطالعہ ضرور کرے اور ہر بار مراجعت کرتا رہے تاکہ ضروری مسائل اذہر رہیں۔

اسی طرح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے کلامی و فقہی رسائل ضرور دیکھے ان میں وہ علمی خزائن ہیں

میں دیکھتا ہوں کہ جن لوگوں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی کتابیں جو کس اور شاید ہی دستیاب ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ جن لوگوں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی کتابیں غور سے نہیں پڑھی ہیں ساری درسیات پڑھتے پڑھانے کے بعد بھی بہت سے مسائل میں ان کی سہولت بالکل عیاں ہوتی ہے۔

[۳] تجوید و قرأت بقدر ضرورت کم از کم صحت بخارج کے ساتھ قرآن کی قراءت ہر ایک پر فرض ہے اس سے کوئی طالب علم ہرگز غافل نہ ہو۔

[۴] حالات زمانہ سے آگاہی، عقائین کی حرکتوں سے واقفیت کے لیے مختلف کتب و رسائل کا مطالعہ کرنا ہے۔ سیرت، تاریخ، حساب، جغرافیہ وغیرہ کی بنیادی تعلیم جو ابتدائی درجہ میں شامل ہے، مطالعہ کے ذریعہ ان میں اور وسعت پیدا کرے۔

[۵] کتب حدیث کی ایک محد و مقدار داخل نصاب ہے مطالعہ میں کم از کم پوری ”مشکاۃ المصابیح“ ضرور دیکھئے۔

[۶] قدریں، تقریر، مناظرہ ہر ایک کا ملکہ پیدا کرے تاکہ وقت ضرورت عاجز نہ رہے اور اس کا دائرہ کار بھی وسیع ہو۔ ہمیں اگر سارے کام بخوبی نبھالیتا ہے تو بہت خوب ورنہ جیسی ضرورت ہوگی دیکھ کر کے گا۔

[۷] تقریر و تحریر کے ذریعہ جو بھی بیان ہو اس کی اچھی طرح جانچ کر لی جائے کہ وہ صحیح و مستند ہے اس کا اصل اور نقلیہ تذکرہ میں نہ آئے تو بھی معلوم و محفوظ ضرور ہو ورنہ نقل در نقل میں بہت سی اسکی باتیں بھی در آتی ہیں جو منطقی و علمی اور شرعی اعتبار سے غلط ہیں یا غیر مستبر اور ناقابل بیان ہیں، تنقیدی و تحقیقی نظر پیدا کرنا بہت ضروری ہے۔

[۸] زبان و بیان کی غلطیوں سے بھی اپنی تحریر و تقریر کو ہر طرح محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔ ”میں نے آیت پڑھا، تم نے حدیث سنا، خدا کے احکامات، اس امر کی وجوہات، رسومات“ وغیرہ جیسی تراکیب و الفاظ سے بھی بچنا چاہیے۔ معطوف علیہ دونوں عربی یا فارسی یا ایک عربی اور ایک فارسی ہو تو حرف عطف ”و“ درست ہے مگر وہ ایک ہندی یا انگریزی ہو تو وہاں ”و“ کے بجائے ”اور“ ہونا چاہیے۔ اس طرح کی اور بھی چیزیں ہیں جو اس دور کے صرف قلم کاروں کے یہاں بھی در آتی ہیں۔ شاید کہ بروقت ان کی اصلاح کرنے والا کوئی نہ ملا۔ مبتدیوں کی غلطیاں تو بہت ہیں۔ انھیں اساتذہ سے معلوم کرنا چاہیے۔

بولنے اور لکھنے سے پہلے اپنے سامع و قاری کو متعین کریں اور وہ جس سطح کے ہوں اسی سطح کی گفتگو کریں اور بیان میں بھی اس کی رعایت کریں، مخلوط ہوں تو دونوں کی رعایت کریں۔ اخبار اور عوامی رسائل کے لیے زبان بہت آسان اور عام فہم ہونی چاہیے، ادبی رسائل کے لیے ادبی اور تحقیقی، مگر مشکل الفاظ، پیچیدہ تراکیب اور فنی استعارات و تشبیہات سے اجتناب ہر جگہ ضروری ہے۔

[۹] اپنی نزاعات سے دور رہیں اور کسی جہد کوئی اختلاف رو نہ ہو تو اصلاح و مصالحت کی تدبیر کریں۔ دوسری  
مندی اور اخلاص سے کوشش ہوئی تو کامیاب ہو یا نہ کامیاب اس کا اجر ان شاء اللہ ضرور حاصل ہوگا۔

[۱۰] دوسروں کی تنقیدیں، جماعت میں کام نہ ہونے کا قیام، اپنی براہ راست کائنات اور دوسروں پر الزام آنے کا  
ایک محبوب مشغلہ بن گیا ہے۔ حالانکہ اس کا حاصل انہوں سے بدگمانی اور تشبیہ اوقات کے سوا کچھ بھی نہیں۔ جو  
سکے تو خود کچھ کریں یا جو لوگ کر رہے ہیں ان کی حوصلہ افزائی کریں۔

[۱۱] طالب علم اپنے افکار و خیالات، کردار و اخلاق، ہمیشہ پاکیزہ و بلند رکھے۔ بہت حرکتوں کا خیال آنے پر بھی  
اپنا محاسبہ کرے، دین و سنت کی پابندی اور خدا و رسول کی اطاعت ہی میں دنیا و آخرت کا بھلا جانے، آزادوں کی  
آسائشوں اور رنگینوں سے کبھی متاثر و مرعوب نہ ہو، نہ ہی ان کے حصول کی خاطر اپنے افکار و اخلاق کی دنیا مارن  
کرنے کا خیال دل میں لائے، شریعت کی خلاف ورزی کو زہر قاتل یا آتش مہلک جانے، فرائض و واجبات کی پابندی  
میں عوام سے کمتر ثابت نہ ہو بلکہ آداب و فوائل میں بھی ان کے لیے نمونہ اور مقتدا بنے۔

[۱۲] عمر انسانی چند روزہ ہے اور کام بے شمار لیکن رب تعالیٰ نے انسان میں قوت و استعداد دیے ہیں تاکہ بے  
قوت کو فعل کی منزل میں لانے کے لیے جدوجہد و کار ہے، آدمی کو چاہیے کہ خود کو زیادہ سے زیادہ کارآمد بنائے اور کئی  
بھی بڑے سے بڑے کام کو انجام دینے کی لیاقت اور حوصلہ پیدا کرے، رب تعالیٰ کی نصرت و حمایت کا رستہ ہوگی اس  
کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی کسی خدمت پر نہ مغرور ہو نہ احساس کسری کا شکار ہو کر دست کش ہو۔

[۱۳] کوئی اہم اقدام کرنا ہو، یا ادارہ یا انجمن بنانی ہو تو لوگوں سے مشاورت ضرور کریں تاکہ بے خبری میں  
اقدام کے بعد رسوائی یا ناکامی کا سامنا نہ ہو رائے دینے والوں میں کئی طرح کے لوگ ہوں گے۔

[۱۴] زیادہ وہ ہوں گے جو آپ کا منصوبہ اور اس کی افادیت سننے کے بعد فوراً دو تحسین سے نواز دیں گے اور  
اپنی حمایت کا یقین دلائیں گے، یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے سامنے صرف ایک رخ ہوگا، معصرت یا مشقت سے  
وہ نا آشنا ہوں گے۔

[۱۵] کچھ وہ تجربہ کار اور سن رسیدہ لوگ ہوں گے جو کام کی اہمیت، راہ کی دشواری اور آپ کی کم سنی و تجربہ کمائی  
دیکھ کر آپ سے بات کرنا بھی مناسب نہ سمجھیں گے اور کسی طرح اپنے سر سے آپ کو نالے کی کوشش کریں گے۔

[۱۶] کچھ وہ ہوں گے جو راہ کی مشکلات اور دشواریاں بتا کر آپ کو اس قدر سراسیمہ کر دیں گے کہ آپ اپنے  
منصوبہ سے دست بردار ہونے ہی میں ہر طرح کی عافیت محسوس کریں گے۔

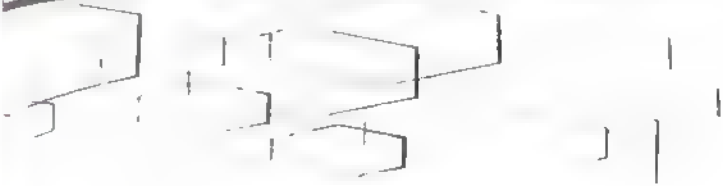
[۱۷] کچھ وہ ہوں گے جو کام کی اہمیت اور افادیت تسلیم کرنے کے ساتھ راہ کی مشکلات اور ان کا مناسب

بھی بتائیں گے۔ یہی حضرات آپ کے لیے کارآمد ہوں گے جو چری مشکل سے ہیں گے۔ سب کی باتیں سننے اور  
نہت کرنے کے بعد آپ اپنے حالات اور اپنے امکانات کا بے لالہ جائزہ لیں۔ اہم مشکلات کو سر کرنے کے ساتھ  
کامیابی کی توقع رائج اور غالب نظر آئے تو اقدام کریں ورنہ وسائل اور امکانات پر قابو پانے تک ملتوی کریں یا کسی  
دوسرے رخ، دوسری صورت یا دوسرے کام پر غور کریں۔ جسے آسانی یا دشواری کے ساتھ مل کر سنبھالیں۔

اس پر یقین رکھیں کہ انسان حرکت و عمل ہی سے بچتا ہے ورنہ کامیابی نہیں۔ اس لیے خود کچھ کرنے کی صورت میں سوچیں  
اور عمل میں لائیں۔ دوسروں کا محاسبہ، ان پر نقد و تبصرہ اور ان کی تنقید کا کوئی خاص حاصل نہیں۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے  
کہ کوئی شخص تمہارا بھی دینی کام کر رہا ہے تو اس کی قدر کی جائے، صرف اپنے کام کی قدر اور دوسروں کے کام کی حقیر ایک  
ذمہ داری ہے جس سے بہت سی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ اس بارے میں حافظ طہ حضرت مولانا شاہ عبدالحزیز محدث  
مبارک پوری قدس سرہ بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پوری ذات مشعل راہ ہے۔ دو ہر غائی و عالم کی، جو ولی ادارہ حجاز ہوا کو  
اپنی چھوٹی موٹی دینی علمی خدمت انجام دے رہا ہو، حوصلہ افزائی کرتے، کلمات خیرت یاد کرتے، غائبانہ بھی اس کا ہتھ  
ڈکارتے جس کے باعث وہ اپنی خدمت میں اور مستعد ہو جاتا، اسے اور ترقی دیتا اور ملت کا فائدہ، بہر حال ہوتا۔







## اصلاح معاشرہ کا اسلامی تصور

اصلاح معاشرہ کا اسلامی تصور یہ ہے کہ انسان عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات سب میں راہِ راست پر ہو، ہر فرد جب درست ہوگا تو معاشرہ بھی درست ہوگا۔ اس لیے کہ معاشرہ انفرادی کی اجتماعی عمل کا نام ہے۔

کون سی خوبیوں سے معاشرہ صالح ہوتا ہے اور کون سے خرابیوں سے معاشرہ فاسد ہوتا ہے؟ ان سب کی کافی تفصیل کتابِ سنت میں موجود ہے، سب کو یک جا کر ثابت و ثبوت ہے۔ ایک آیت کریمہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ ارشادِ ہانی ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَايَ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۹۰﴾ [نحل - ۹۰]

”بے شک اللہ انصاف اور نیکی اور قربت دار کو دینے کا حکم فرماتا ہے اور بے حیائی اور بُرائی اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔ وہ تجھیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ ڈھیان دو۔“

مشہد رک میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”یہ آیت خبرِ شر کے بیان تک سب سے زیادہ جامع ہے۔“

اس میں تین چیزوں کا حکم دیا گیا ہے: (۱) انصاف (۲) نیکی (۳) قربت دار سے حسن سلوک۔ اور تین باتوں سے روکا گیا ہے: (۱) بے حیائی (۲) بُرائی (۳) سرکشی اور زیادتی۔

(۱) انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہر صاحب حق کو اس کا حق دیا جائے۔ ارشادِ نبوی ہے: ائْتُوا كُلَّ فِئَةٍ بِحَقِّهَا (۱) (ہر جنر والے کو اس کا حق دو)۔ صحیح بخاری۔

اسلام میں حقوق کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کیوں کہ ان کی ادائیگی سے صلاح و فلاح کا وجود ہوتا ہے اور ایک صالح معاشرے کی تشکیل ہوتی ہے، جب کہ ان کی پامالی سے فساد و بد نظمی اور جنگ و جدال کا ماحول گرم ہوتا ہے اور ایک

کرب تک منحرف سامنے آتا ہے۔

اولاد پر والدین کے حقوق ہیں جن کو قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بڑی تاکید سے بیان کیا گیا ہے یہاں تک کہ بہ قولی نے اپنے حق کے بعد والدین کا حق ذکر کیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ أَطِيعُوا آبَاءَكُمْ وَأُمَّهَاتِكُمْ [لقمان - ۱۵]

حق ان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔

والدین پر اولاد کے بھی حقوق ہیں، جن کی تفصیل ”مشعلۃ الإرشاد إلی حقوق الأولاد“ (از امام احمد رضا قدس سرہ) میں مذکور ہے۔

زوجین، بھائی بہن، چچا، بھینس اور قربت داروں کے بھی ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔ ہر مسلم کا دوسرے مسلم پر حق ہے اور شری کا دوسرے شہری پر حق ہے۔ رعایا اور حکام کے بھی ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔ ان سب حقوق کی معنی و زیادہ رعایت ہوگی اتنی ہی زیادہ خوش گواری پیدا ہوگی اور ان سے جس قدر اغراض ہوگا اسی قدر خیریاں جنم لیں گی۔

ان باتوں اور باہمی تعلقات کی خرابی کے مناعہ جو شب و روز سامنے آتے رہتے ہیں وہ ایک دوسرے کے حقوق کی بھی طرح سے مجھے اور نہ ادا کرنے کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں۔

بامِ عدل و انصاف ہوگا تو حقوق کی ادائیگی بھی ہوگی اور انصاف کی پروا نہ ہو تو حقوق سے بھی بے فکری ہوگی اور لی فراموشی کا بھی سامنے آئیں گے۔

لغات کی ادائیگی اور لوگوں کے درمیان اقامتِ عدل کا ذکر ایک آیت کریمہ میں یک جا آیا ہے۔ ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَعْلَمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نَبْذُكُم ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَعْلَمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نَبْذُكُم ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ ۖ [نساء - ۵۸]

”بے شک اللہ تجھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں انھیں سپرد کر دو اور یہ کہ جب لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔“

عدل کے فقدان سے معاشرہ بھی تباہ و بالا ہوتا ہے اور شہری و ملکی نظام بھی درہم برہم ہوتا ہے۔

(۲) اب آئیے ”احسان“ پر نظر کریں۔ احسان کے معنی اچھا کرنا، نیک کرنا، بھلا کرنا۔ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ بندے اور رب کے معاملات میں ”احسان“ یہ ہے کہ بندہ رب کے عائد کردہ فرائض و واجبات کی ادائیگی کرے۔

بہت سے تو اس طرح کے گویا خدا کو دیکھ رہا ہے یا کم از کم یہ تصور عادی ہو کہ رب مجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ صورت صرف نمازی کے ترانہ فرائض و واجبات کی ادائیگی میں ہو سکتی ہے۔

بندوں سے معاہدے میں "احسان" صرف یہ نہیں کہ بھلائی کرنے والے کے ساتھ بھلائی کی ایک کڑی نگرانی ہو جس کا ذکر اس حدیث پاک میں ہے:

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ، وَ أَغْطِ مَنْ حَزَمَكَ، وَ أَغْرِضْ غَضَنَ ظَلَمَكَ. (رواہ الإمام احمد وصحہ من عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ)  
اور ایک روایت میں ہے:

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ، وَ أَخْسِنْ إِلَى مَنْ أَسَاءَ إِلَيْكَ، وَ قُلِ الْحَقُّ وَ لَوْ عَلَى تَغْلِيكَ. (جامع صغیر، امام سیوطی، من عل حکم اللہ وجہہ)

"اس سے رشتہ جوڑ دو تم سے قطع تعلق کر دے، اسے عطا کرو جو تم سے محروم کرے، اس سے اعراض کر دو کہہ ظلم کرے، اس کے ساتھ بھلائی کرو جو تم سے ساتھ برائی کرے، اور حق بولو اگرچہ بات اپنے خلاف جائے۔"  
اور بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے:

وَ الَّذِي تَغْيِي بَيْنَهُ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ خَفِيَ نَجْتٌ لَأَجْنِيهِ مَا يَجِبُ لِنَقِيْبِهِ. (عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً)

اس کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کوئی بندہ جو اس کو نہ ہو گا جب تک اپنے بھائی سے لے کر ہند تک اس کے چلنے کے لیے پسند کرتا ہے۔

یہ کمال احسان ہے۔ اگر انسان اتنا نہیں کر تا بلکہ عام ننگی کا عادی ہو تو معاشرہ کی درستی یقینی ہے۔ کروڑوں دست گیری، ضرورت مندوں کی حاجت روائی، مظلوموں کی فریادیں، مٹھی غربت و مفلسی والوں کی خبر گیری جیسے اوصاف ہی اگر لوگ اپنائیں تو ایک کرب ناک ماحول کی جگہ بظرافت بخش ماحول وجود میں آسکتا ہے۔

(۳) قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک بھی عدل اور نیکی کے ضمن میں شہر کیا جاسکتا ہے مگر اسے خاص طور سے مستحق ذکر کیا گیا اس لیے کہ یہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ انسان آجانب اور دور والوں کے ساتھ بد سلوکی کرے تو یہ بھی بڑی ہے مگر قرابت دار سے بد سلوکی، بلکہ غفلت اور بے پروائی بھی بڑی اذیت دہاں ہے۔

اوی غیروں سے وہ امید نہیں رکھتا جو انہوں سے رکھتا ہے۔ اگر اپنے ہی غیر بن جائیں تو انسان کے دل بے گزرے گی؟ اس کا تصور کیا جاسکتا ہے، لفظوں میں ادا کرنا بہت مشکل ہے۔

### منیبات:

ابن تین بیڑوں کو دیکھیں جن سے روکا گیا ہے۔

(۱) نخشاہ - حد سے بھی ہوئی برائی مجھے نہ آ۔

(۲) فٹکڑ - ہر وہ کام جو ناچار ہے،

جیسے ۱- سرہ ۲- غصب ۳- شراب نوشی ۴- سود خوری ۵- بھوت ۶- چٹل ۷- خبیثت ۸- امانت میں نہایت ۹- کسی بھی داہجی ذمہ داری میں خیانت ۱۰- تاپ، تول میں کمی ۱۱- فریب کاری ۱۲- بد ہمہری ۱۳- ابراف، میل خونی، یعنی باحق میں صرف کرنا، اگرچہ ایک ہی سہرہ جیسے دیکھا جاتا ہے کہ نام و نمود اور اپنی بڑائی دکھانے کے لیے بیڑوں میں سے بد سلوک لاکھوں صرف کر دیتے ہیں اور غریبوں، مفلسوں کی حاجت روائی کے لیے ہزار، ہزار بلکہ سو، دو سو دینے سے بھی گرج کر کرتے تھما۔

اسی طرح بہت سے ناروا کاموں میں دولت لٹا کر خرچ کرتے ہیں اور مصارف خیر میں دینے سے بھاگتے ہیں، اگر کسی نے غصہ کیا تو بڑی ترش روئی، غیظ و غضب اور بد چلتی سے پیش آتے ہیں۔

۱۴- بیٹوں کا باپ کی پوری میراث پر قبضہ کر لینا اور بیٹیوں کو نکسہ محروم کر دینا۔ یہ بلا عام ہوتی جاری ہے۔ اور بڑی ہے، اختیار نہیں کہ جو چاہے لے، جو چاہے چھوڑ دے۔ مورث کے مرتے ہیں میراث میں ورثہ کا حق لازم ہو جاتا ہے۔ ہاں میراث تقسیم ہونے اور ورثہ کا حصہ حقیق ہو جانے کے بعد وارث کو اختیار ہے کہ خود لے یا کسی دوسرے کو دے۔ مگر تقسیم ہونے سے پہلے یہ کام نہیں ہو سکتا۔

۱۵- کسی کمال یا جائیداد کا حق لینا ۱۶- ناجائز قبضہ کے لیے حکام کو رشوت دینا، جھوٹے دواوتیار کرنا، جھوٹی دستاویز پیش کرنا وغیرہ۔ ہاں میں لیتا اور اپنے فریق کمال پر یاد کرنا۔

۱۷- فریضہ و اہجیات ترک کرنا ۱۸- اپنے اوپر دوسروں کے جو حقوق لازم ہیں انہیں ادا نہ کرنا۔

یہ اور اس طرح کی ساری برائیاں "فٹکڑ" کے تحت آتی ہیں جن سے بچنے کا تصور دیا گیا ہے۔

اسی طرح باطنی برائیاں ۱- ریا ۲- نوب ۳- حسد ۴- کینہ ۵- تکبر ۶- حرص ۷- غل ۸- طبع دنیا ۹- غم و غمیرا بہب "فٹکڑ" کے تحت داخل ہیں۔

(۲) یعنی - ریشی، غم و زیادتی۔ یہ بھی فٹکڑ کے تحت داخل ہے۔ غصہ سے خصوصیت سے ذکر کیا گیا۔ اس لیے

کہ اس کے نتائج بڑے خطرناک ہیں۔

ظلم اگر تکثر تک ہو تو تکثر برباد ہوتا ہے، محلہ اور شہر میں ہو تو محلہ اور شہر ویران ہوتے ہیں، ملک بھر میں ہو تو پورا ملک شعلوں کی زد پر ہوتا ہے۔

اصلاح معاشرہ کا اسلامی تصور اسی وقت مکمل ہو گا جب اُن سارے امور کی بجائے دینی ہو جن کا حکم دیا گیا ہے اور ان سارے امور سے پرہیز ہو جن سے روکا گیا ہے۔

رب قدیر و کریم خیر کو عمل میں لانے اور شر سے دور رہنے کی تلقین مرحمت فرمائے۔ آمین۔

## باب سوم

سوانحی مضامین

### صاحب ہدایہ<sup>(۱)</sup>

فقد حق کی مشہور و معروف کتاب ہدایہ سے کون واقف نہیں؟ صدیوں سے علمی دنیا میں اس کی جلالت شان کا نشان رہا ہے۔ فقد کی کسی دوسری کتاب کے ساتھ آج تک اتنا امتنا نہیں کیا گیا ہوگا جتنا کہ علانے ہدایہ کے ساتھ کیا۔ فقہ زبانوں میں اس کے ترجمے شائع ہو کر مفید عام ہو چکے ہیں۔ ۱۷۹۱ء میں اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہوا۔ اس مختصر مقالے میں اسی جلیل الشان کتاب کے عظیم مصنف سے روشناس کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔

نام و نسب: اس کے مصنف شیخ الاسلام برہان الدین علی مرغینانی ہیں۔ یہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہیں۔ مختصر نسب نامہ یہ ہے: شیخ الاسلام برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر بن عبد الجلیل بن طلیل بن ابوبکر۔ ولادت، تعلیم:

۸ رجب ۵۱۱ھ دو شنبہ کے دن نماز عصر کے بعد بزم گیتی کو رونق بخشی۔ اپنے والد شیخ ابوبکر بن عبد الجلیل اور اس زمانے کے اکابر علو مشائخ سے استفادہ کیا جن میں سے چند اہم شخصیتوں کے اسمے گرائی یہاں لکھے جاتے ہیں۔

(۱) مفتی ثقلین شیخ نعم الدین ابوفضل عمر بن محمد نسفی۔ (۳۶۱ھ - ۵۳۷ھ) صاحب ہدایہ نے اپنے مشائخ کے تذکرے میں ان کو سرفہرست ذکر کیا ہے۔

(۲) شیخ نجم الدین ابوفضل کے صاحب زادے ابواللیث احمد بن عمر نسفی (م ۵۵۲ھ)

(۳) صدر شہید حسام الدین عمر بن عبد المعز بن عمر بن مازہ (۳۸۳ھ - ۵۳۶ھ)

(۴) صدر سعید تاج الدین احمد بن عبد المعز بن

(۵) شیخ ابو عمرو عثمان بن علی بیکندی۔ شاگرد شمس الامر سرخرسی (۳۶۵ھ - ۵۵۲ھ)

(۶) قوام الدین احمد بن عبد الرشید بخاری، والد صاحب خلاصۃ الفتاویٰ۔

(۷) امام بہاء الدین علی بن محمد بن اسماعیل اسپجالی۔ (۳۵۴ھ - ۵۳۵ھ)

حج و زیارت، وفات:

شیخ الاسلام ۵۳۳ھ میں حج بیت اللہ اور زیارت روضہ انور سے سرفراز ہوئے، ۱۳ رذی الحجہ ۵۹۳ھ منگل کی

(۱) اقدس شریف، مہدک پور، شہدائے حق، ۱۹۷۸ء

سات میں اس دار فانی سے دار بقا کو رحلت فرمائی، اور سر قدس مدفون ہوئے، سر قدس میں ”ترویجہ المحدثین“ نامی ایک قبرستان ہے جس میں تقریباً چار سو ایسے افراد مدفون ہیں جن کا نام ”محمد“ ہے اور ہر ایک صاحب تصنیف اقتدار اپنے زمانے کی ایک عظیم جماعت کا استاد و شیخ ہے، صاحب ہدایہ کا انتقال ہوا تو لوگوں نے انھیں اس میں دفن کرنے سے روکا، غالباً اس لیے کہ وہ قبرستان ”محمد“ نام والوں کے لیے مخصوص تھا اور ان کا اسم گرامی ”سلی“ تھا، پھر اسی کے قریب دوسری جگہ آسودۂ خاک ہوئے۔

### جلالت علم:

شیخ الاسلام کی مقبوت میں محمود بن سلیمان نکوی (متوفی ۹۹۰ھ) کتاب اعلام الاخیار معروف بجلالت نکوی میں رقم طراز ہیں:

كان اماماً فقيهاً حافظاً محدثاً مفسراً جامعاً للعلوم، ضابطاً للفنون، متقناً، محققاً نظاراً مدققاً زاهداً ورعاً فاضلاً ماهراً اصولياً ادبياً شاعراً، لم تر العيون مثله في العلم والأدب، وله اليد الباسطة في الخلاف والبيع المحدث في المذهب. وهو امام، فقيه، حافظ، محدث، مفسر، علوم وفنون کے جامع و ضابط، حفظ و علم کے پختہ، بحر تحقیق کے شہر، فکر و نظر کے بہت تیز، میدان تحقیق کے شہسوار، زہد و ورع کے حامل، مرجع کمال پر فائز، فاضل ماہر، فن اصول کے نکتہ دان، ادیب، شاعر سب تھے، علم و ادب میں نگاہوں نے ان کا شل نہ دیکھا، انھیں غلافیات میں بے طولی اور مذہب میں پوری و سترس حاصل تھی۔

### تلامذہ:

بڑے بڑے علما اور جلیل القدر شیوخ کو صاحب ہدایہ سے تلمذ کا شرف حاصل ہے۔ چند حضرات کے

اسمے گرامی درج کیے جاتے ہیں:

(۱) شیخ جلال الدین محمد بن صاحب ہدایہ۔

(۲) شیخ نظام الدین عمر بن صاحب ہدایہ۔

(۳) شیخ امام الدین بن صاحب ہدایہ۔

(۴) شمس الانار محمد بن عبدالستار دروی، م ۶۳۲ھ۔

(۵) جلال الدین محمود بن حسین استروشی۔

### تصنیفات:

”ہدایہ“ کے علاوہ شیخ الاسلام کی اور بھی کئی تصنیفات ہیں جو آپ کی جلالت علم اور کمال شان کا بے مثال ظہر ہیں، کتاب المنتہی، نشر المذاہب، التجنیس والمزید، مناسک الحج، مختصرات المنازل اور فرائض میں ایک کتاب، ان سب کا ذکر طبقات نکوی میں موجود ہے، علاوہ ازیں ہدایہ کے ساتھ اور دو کتابیں لکھی ہیں جو رقی و دنیا تک پائی جائیں گی، ہدایۃ المبتدی اور کفایۃ المنتہی۔

### ہدایۃ المبتدی:

برہان الملتز والدین نے اس میں مختصر قدوری اور جامع صغیر کے مسائل یکجا کر دیے ہیں اور اس کی ترتیب نثر کاوی رکھی ہے جو امام محمد بن الحسن شیبانی شاگرد امام اعظم (۱۴۳ھ - ۱۸۹ھ) نے اپنی کتاب جامع صغیر میں رکھی ہے، طبقات نکوی میں ہے:

قال في أول البداية قال ابو الحسن علي بن ابي بكر من عبد الجليل كان يحظر بهالي عدائته حال أن يكون كتاب في الفقه فيه من كل نوع، صغير الحجم كبير الرسم، وحيث وقع الاتفاق بتطواف الطرق، وجدت المختصر المنسوب إلى القدوري أجمل كتاب ل حسن إيجاز وإعجاب ورأيت كبراء الدهر يرغبون الصغير والكبير في حفظ جامع الصغير فهممت ان اجمع بينهما ولا أتجاوز فيه عنهما إلا ما دعت الضرورة إليه، وسميته بداية المبتدي ولو وقت لشرحه سميته بكفاية المنتهين.

برہان الدین ہدایہ کے شروع میں رقم طراز ہیں: ابو الحسن علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل کہتا ہے، ابتداء میرے دل میں یہ خیال ہوا تھا کہ فقہ میں ایک ایسی کتاب ہونی چاہیے جس میں ہر نوع کے مسائل ہوں، ضخامت میں چھوٹی اور فوائد و مضمون کے لحاظ سے بڑی ہو اور جب بہت ساری راہ پیمانیوں کا اتفاق ہوا تو یہی دیکھا کہ (ابو حسین احمد بن محمد بغدادی، قدوری (۳۶۲ھ - ۴۲۸ھ) کی مختصر قدوری ایجاز و اختصار اور پسندیدگی کے اعتبار سے نفیس ترین کتاب ہے اور یہ بھی دیکھا کہ اکابر زمانہ، چھوٹے بڑے ہر شخص کو امام محمد کی جامع صغیر حفظ کرنے کی ترغیب کیا کرتے تھے، تو میں نے چاہا کہ دونوں کے مسائل یک جا کر دوں اور کسی خاص ضرورت کے بغیر ان دو کتابوں سے تجاوز نہ کروں۔ ان مسائل کو یکجا کر کے میں نے مجموعہ کا نام ”ہدایۃ المبتدی“ رکھا اور اس کی شرح کی توفیق ارزانی علی قاس کا نام ”کفایۃ المنتہی“ رکھوں گا۔



## کفایۃ المنتبی:

اس ارادے کے مطابق تفتیش ربانی نے مصنف کی یادری کی اور انھوں نے "ہدایۃ المنتبی" کی "کفایۃ المنتبی" نامی شرح تصنیف فرمائی جو اتنی جلدوں پر مشتمل تھی، ملا احمد آندری بن مصطفیٰ معروف "بطاش کبریٰ زائدہ" (۱۲۳۳ھ) مفتاح السعاده میں لکھتے ہیں: یہ کتاب نادر الوجود ہے، دوسرے حضرات نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ کتاب اس وقت مفقود ہے، کہیں اس کا سراغ نہیں ملتا، لیکن ہدایہ دیکھنے والے یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ کتاب کتنی مبسوط اور کتنے مباحث، دلائل اور مسائل کی جامع ہوگی۔

## ہدایہ:

شیخ الاسلام نے کفایۃ المنتبی نامی شرح کے بعد "ہدایہ" لکھنے کی ضرورت محسوس کی اور چہار شبہ کے دن عمر کے وقت ذی قعدہ ۵۴۵ھ میں اس کی تصنیف شروع کی، ہدایہ کے رباچے میں فرماتے ہیں:

وقد جرى على الوعد في مبدا هداية المبتدى أن أشرحها بتوفيق الله شرحا أرحم بكفاية المنتهى فسرعت فيه والوعد يسوغ بعض المساع، وحين أكاد أنكأه أنكأه الفراغ تبينت فيه نبدا من الإطناب، وخشيت أن بهجر لأجله الكتاب فصرفت عنان العناية إلى شرح آخر موسوم بالهداية أجمع فيه بتوفيق الله تعالى بين عيون الرواية و متون الدراية، تاركاً للزوائد في كل باب، معرضاً عن هذا النوع من الأسهاب، مع أنه يشتمل على أصول ينسحب عليها فصول.

"ہدایۃ المبتدی" کے شروع میں قلم سے یہ وعدہ سرزد ہو گیا تھا کہ توفیق الہی اس کی ایک شرح لکھوں گا جو "کفایۃ المنتبی" سے موسوم ہوگی میں نے یہ شرح شروع کر دی، اور ایسے وعدہ کی ذمہ داری ایسے اہم کام میں ہاتھ لگانے کا ذرا جواز پیدا کر دیتی ہے اب اس شرح سے آرام فراغ حاصل کرنے والا ہی تھا کہ میں نے اس میں کچھ طول و اطباب عیاں دیکھا، اور مجھے اندیشہ ہوا کہ اس کی وجہ سے کتاب کہیں متروک نہ ہو جائے اور کوئی اس کے مطالعہ کی ہمت ہی نہ کر سکے۔ تو میں نے ذمہ توجہ ایک اور شرح کی طرف پھیری جو ہدایہ سے موسوم ہو۔ میں توفیق الہی ہر باب میں زوائد کو ترک اور اس نوع اسباب و تطویل سے اعراض کرتے ہوئے بہترین دلائل عقلیہ اور قوی دلائل عقلیہ دونوں ہی کی تلاش کروں گا۔ اس کے باوجود کتاب ایسے اصول پر مشتمل ہوگی جن سے بہت سی فروغ برآمد ہو سکیں گی۔" چنانچہ شیخ الاسلام نے اسی شان سے ہدایہ تصنیف کی اور جب یہ تصنیف ہو کر منظر عام پر آئی تو ساری دنیا

دن کی طرف جھک پڑی۔ بے شمار شرحیں اور حواشی لکھے گئے۔ مختلف زبانوں میں ترجمے ہوئے۔ علمائے فقہ و فہمی مختلف لہجہ و سحر و جادو کیا۔ اور اسے وہ قبول نام حاصل ہوا جو فقہ کی کسی دوسری کتاب کو نصیب نہ ہو سکا۔

## ہدایہ کی خصوصیت:

رباچہ ہدایہ کی طور بالا سے معلوم ہوا کہ ہدایہ میں صرف بیان مسائل پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ ہر مسئلہ کی پہلی ہی مذکور ہے۔ اگر صرف دلیل نقلی یا عقلی کا موقع ہے تو وہی۔ ورنہ حوالہ نقل و عقل دونوں طرح کی دلیلیں یکجا نقل (۱) موضوعی حکم کیوں تک دونوں کا تھ دھونے کے مسنون ہونے پر دلیل نقلی پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں: لقوله عليه السلام إذا استيقظ أحدكم من منامه فلا يغمرن يده في الإناء حتى يغسلها يمينه لا يدي أيمه باتت يده.

"اس لیے کہ ارشاد رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے کہ جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو ہرگز بائیں ہاتھ سے نہ لے، جب تک اسے تین بار دھو نہ لے، اسے کیا پتہ کہ اس کا ہاتھ کہاں رہا۔"

(یہ حدیث صحاح ستہ میں موجود ہے۔ تخریج زلیحی ۱۲ ماہیہ ہدایہ)

اس کے بعد عقل و دلیل پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ولأن اليد آلة التطهير ففسن الهداية بتطهيرها وهذا الفصل إلى الرسغ لوقوع الكفاية به في التنظيف. "اور اس لیے کہ ہاتھ دوسرے اعضاء کا کرنے کا ذریعہ ہے تو پہلے خود اسے صاف کر لینا مسنون ہوگا۔ اور یہ دھونا پس گئے تک ہے کیونکہ کار عقل کے لیے اتنا کافی ہے۔"

(۲) دو ادویوں نے ایک مقرر دام پر کوئی چیز آپس میں بیچی خریدی۔ اب کوئی اس بیچ پر بچتا رہا ہے اور ختم کرنا ہوتا ہے تو دونوں کا جو دام ملے تھا وہی لے دے کر بیچ کر سکتے ہیں۔ الإقالة جائزة في البيع بمثل نفس الأول کے تحت صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ کی دلیل نقلی میں یہ حدیث پیش کی۔ جسے ابو داؤد، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم، ابوداؤد، ترمذی نے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں: لقوله عليه السلام من أقال نادماً بعتته أقال الله عترة يوم القيمة.

"اس لیے کہ ارشاد رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے کہ جس نے کسی شرمندہ اور بچتارے والے شخص کی بیچ ختم کرنا اقلانہ عقلی یا معنی کے دن اس کی عترتیں ختم کر دے گا۔"

یہ دلیل عقلی پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولأن العقد حقهما، فيملكان رفعه، دفعاً لحاجتهما. (ہدایہ، ص: ۵۴، ص: ۵۳)

”اور اس لیے کہ عقد دونوں کا آپسی حق ہے۔ تو اپنی ضرورت کے پیش نظر دونوں مل کر اسے ختم کر لینے کے مالک و مختار ہوں گے۔“

اسی پر بس نہیں، انھوں نے مسائل میں ائمہ کے اختلافات، ان کی عقلی و فطری دلیلیں، جہادیات، ترویج حج سب ذکر کر کے اگر سب کے نظائر پیش کروں تو مضمون طویل اور بہت سے قارئین کے لیے اکتاہٹ کا باعث ہوگا۔ ہدایہ کا مطالعہ کرنے والے اس کی ان سب خصوصیات سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اور یہی وہ خوبیاں ہیں جن کے باعث ہدایہ صدیوں سے داخل نصاب ہے۔ اور محنت، جامعیت، اختصار، بیان مذہب سے ذکر دلائل وغیرہ میں اسے تک کوئی کتاب اس کے مثل نہ پیش کی جاسکتی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی (۱۲۷۶ھ - ۱۳۴۰ھ) تحریر فرماتے ہیں: من المحتون مع انہا شرح بالاصوۃ (فتاویٰ رضویہ اولیٰ حاشیہ، ص: ۸۱۰) باوجود اسے کہ ہدایہ شرح کی شکل میں ہے مگر اس کا اثر متون میں ہے۔ شیخ الاسلام کے فرزند شیخ عبدالمدین ہدایہ کی مقبلیت میں فرماتے ہیں:

کتاب	الہدایۃ	یہدی	الہدی
لمی	حافظیہ	ویجلو	العین
فلازمہ	واحفظہ	ذا	الحجین
فمن	نالہ	نال	أقصی
			المعنی

”ہدایہ اپنے حفظ کرنے والوں کو ہدایت کا ہدیہ پیش کرتی ہے اور بے ہمسری و تائیدی کو رد کرتی ہے۔ تو صاحب ہوش و خرد اسے پابندی سے اختیار کر اور حفظ کر لے کہ جس نے اسے پالیا اپنی آخری اور انتہائی امید و آرزو کے حصول سے شاد کام ہوا۔“

### قبول ہدایہ کا سبب:

جس طرح صحیح بخاری شریف کے قبول عام اور صدیاں گزر جانے کے باوجود اس کے فائز تمام کاموں سب یہ ہے کہ اسے امام محمد بن اسماعیل بخاری (۱۹۳ھ - ۲۵۶ھ) نے سولہ برس کی مدت میں چھ لاکھ صحیح احادیث سے منتخب کر کے جمع فرمایا ہے اور ہر حدیث کو لکھنے سے پہلے غسل کر کے دو رکعت نفل نماز پڑھی ہے اور پھر اس کے درم (ابواب کے عنوانات) نبی کریم ﷺ کی قبر انور اور منبر اطہر کے درمیان اس طرح تحریر کیے ہیں کہ ہر ترجمہ لکھنے

بلکہ اس سے بھی زیادہ خیرات و حسنات کا اقتزام کیا جس کے باعث اس کے بکثرت اثرات بھی زیادہ ہیں۔

اسی طرح ہدایہ کی مقبولیت کے کچھ روحانی اسباب بھی ہیں۔ شیخ الاسلام علیہ الرحمہ نے اس کتاب کی تصنیف میں تہذیبی صرف کیے ہیں۔ اس طویل مدت میں لازماً ہر دن روزہ رکھا۔ سوائے ایام منہ کے کبھی بھی دن میں کچھ نہ کھایا۔ اس پر بھی ان کی پوری کوشش یہ ہوتی کہ ان کے روزے سے کوئی ناخبر نہ ہو۔ خادم دن کا کھانا لے کر باہر ہوتا تو اس سے فرماتے ”حللہ و ذبح“ کھانا رکھ کر تم چلے جاؤ۔ خادم چلا جاتا تو کسی طالب علم یا حاضرین میں سے کسی آدمی کو کھلا دیتے، دو پارہ ان کا خادم حاضر ہوتا تو برتن خالی دیکھ کر بکھتا حضرت نے کھانا تناول فرمایا۔

یقیناً متعین عظام کی یہ روحانی مشقیں اور ان کا اخلاص بیکراں رنگ لایا۔ قرنہا قرن گزر گئے، صدیاں بیت گئیں، سترہ ہجرت سلاطین کی بیاضیں اٹ گئیں، مگر ان علمائے قدس کے نقوش تحریر کی جہاں تکوین میں اسی طرح رنگینہ ہیں جیسے ان کے حضور حیات میں تھیں۔ یا اس سے بھی زیادہ۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

### احادیث ہدایہ:

ہدایہ میں صرف احادیث پیش کی گئی ہیں۔ ان کی سند یا حوالہ درج نہیں۔ کیونکہ اختصار مقصود تھا۔ اس سے بعض حضرات شافعیہ کے موقع ملا اور انھوں نے یہ جرح کر دی کہ صاحب ہدایہ نے ضعیف اور غیر معتبر حدیثیں ذکر کر دی ہیں۔ مگر یہ الزام مصنف کی جلالتِ شان اور علم حدیث میں ان کی درجہ بلند سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ اسی جرح و جنس کے پیش نظر بعض گرامی قدر علمائے ہدایہ میں ذکر کردہ احادیث کی کثیر کی استادی حالت واضح کرنے کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ اور ہر حدیث کے حسن، صحیح، ضعیف یا قوی ہونے کی صراحت کرتے ہوئے یہ بیان فرمایا کہ فلاں حدیث فلاں کتاب میں مروی ہے۔ شیخ محی الدین عبدالقادر بن محمد قرطبی مصری (۶۷۶ھ یا ۶۹۶ھ - ۷۷۷ھ) نے اہل تصوف کے تحت ”العناۃ بمعرفۃ أحادیث الہدایۃ“ لکھی۔ شیخ علاء الدین نے ”الکفایۃ فی معرفۃ أحادیث الہدایۃ“ اور شیخ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زلیق (متوفی ۷۲۲ھ) نے ”نصب الروایۃ لأحادیث الہدایۃ“ تصنیف کی جس کی تخیص امام الحفاظ احمد بن علی معروف بابن حجر عسقلانی شافعی (۷۷۷ھ - ۸۵۵ھ) نے کر کے اس کا نام ”الدرایۃ فی منتخب أحادیث الہدایۃ“ رکھا۔ یہ کتاب موجودہ طباعت ہدایہ کے حاشیہ پر دیکھی جاسکتی ہے۔

## ایک حدیثی بحث اور خاتمہ:

صاحب ہدایہ نے اپنے شیخ، صاحب خلاصہ کے والد شیخ احمد بن عبد الرشید علیہ الرحمہ کی سند سے ایک حدیث روایت کی ہے۔ برہان الاسلام زر توحی شاگرد صاحب ہدایہ اپنی کتاب "تعلیم المستعلم" کی "فصل" بدایۃ السبیل میں لکھتے ہیں ہمارے استاذ شیخ الاسلام برہان الدین سبکی شروع کرانے کو بدھ پر موقوف رکھتے اور اس بارے میں یہ حدیث روایت کرتے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

ما من شیء بدیٰ یوم الاربعاء الا تم بدھ کے دن جس کام کا آغاز ہو وہ ضرور انجام کو پہنچے۔  
اور اسی طرح تمام عظیم ابو ضیفہ بھی کیا کرتے۔

بعض محدثین نے اس حدیث کی صحت میں کلام کیا ہے۔ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن سہلوی شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) ۸۲۱ھ - شعبان ۹۰۲ھ "المقاصد الحسنۃ فی الأحادیث المشتملۃ علی الألسنۃ" میں فرماتے ہیں: لم أقف له علی أصل و یعارضہ حدیث جابر مرفوعاً یوم الاربعاء یوم غسر مستمر رواہ الطبرانی فی الأوسط وهو ضعیف۔

"میں اس کی کسی اصل پر مطلع نہ ہوا۔ اور اس کے معارض حضرت جابر کی مرفوع حدیث ہے کہ چار شنبہ دائمیٰ غسرت کا دن ہے۔ اسے طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے اور یہ ضعیف ہے۔"

لیکن ظاہر ہے کہ جب صاحب ہدایہ نے یہ حدیث اپنی معتبر سند کے ساتھ روایت کی ہے تو اگر امام سہلوی جن کی ولادت وفات شیخ الاسلام کے ۱۳ سال ۳۵۰ بعد ہے۔ کسی دوسری جگہ اس کی اصل نہیں پاتے تو صاحب ہدایہ کی روایت کو رد حدیث پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ رہا ان کا یہ فرمانا کہ اس کے معارض اوسط طبرانی (ابوالقاسم سلیمان بن احمد ۳۱۰ھ - ۳۹۰ھ) کی ایک ضعیف حدیث موجود ہے تو اس کے ظاہر معنی مراد لینے کے باعث خود علامہ سہلوی پر تنقید کی گئی ہے۔ مجدد اسلام ملا علی قاری بن سلطان محمد ہروی (متوفی ۱۰۱۳ھ) اپنے رسالہ "المصنوع فی معرفۃ الموضوع" میں رقم طراز ہیں: إن معناه کان یوماً غسلاً مستمراً علی الکفار فمفہومہ وہ أنه سعد مستقر علی الأبرار۔ "اس کے معنی یہ ہیں کہ چار شنبہ کفار پر دائمیٰ غسرت کا دن ہے۔ جس کا مفہوم یہ نکلے گا کہ مسلمانوں کے لیے ہمیشہ سعد کا دن ہے۔"

مزید فرماتے ہیں، امام حفاظ حدیث ابن حجر عسقلانی شافعی (۷۷۳ھ - ۸۵۲ھ) کا بیان ہے کہ بعض صالحین سے جن کی ملاقات کا ہمیں شرف حاصل ہے۔ مجھے خبر پہنچی ہے کہ چار شنبہ نے بارگاہ خداوندی میں شکایت کی کہ لوگ

جس نے ان کے لیے یہ شرف عطا فرمایا کہ اس میں جس چیز کی ابتدا ہو، ضرور پوری ہو۔  
لیے توں جانتے ہیں تو خدا سے تعالیٰ نے اسے یہ شرف عطا فرمایا کہ اس میں جس چیز کی ابتدا ہو، ضرور پوری ہو۔  
صرف یہی دو حضرات نہیں ایک جماعت محدثین نے طبرانی کی حدیث مذکور کے یہی معنی لیے ہیں۔ جن

تبعی معنی بھی ہیں، وہ اپنی کتاب شعب الایمان میں یہی حدیث ذکر کر کے فرماتے ہیں:

أبی علی المفسدین لا علی المصلحین کالایام النحسات کانت غسرات علی الکفار مرفوعاً عاد لا علی نبيهم ومن آمن به منهم۔  
یعنی چار شنبہ مفسدین کے لیے غسرت ہے مصلحین کے لیے نہیں جیسے قرآن میں مذکور "ایام نحسات" قوم

مذکورہ کے لیے غسرت ہے، مگر اس قوم کے نبی اور مومنین کے لیے غسرت نہیں۔  
اس جمل کی تائید اور روز چار شنبہ کی فضیلت میں ایک حدیث ہے، جس سے صاحب ہدایہ کی روایت

آپ کی اصلیت ثابت ہوتی ہے۔  
امام بخاری نے الادب المفرد، امام احمد بن حنبل (۱۶۳ھ - ۲۴۱ھ) اور ابوبکر احمد بن زرار (متوفی ۲۹۲ھ) نے

نفاذی سند سے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے:  
دعا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی هذا المسجد مسجد الفتح یوم الاثنين ویوم الثلاثاء ویوم الاربعاء، فاستحب لہ بین الصلوتین ای الظهر والعصر من یوم الاربعاء قال جابر ولم یزل فی أمرهم الا نوحیت تلك الساعة فدعوت الله فیہ بین الصلوتین یوم الاربعاء فی تلك الساعة الا عرفت الإجابة۔

"رسول اللہ ﷺ نے اس مسجد، مسجد فتح میں دو شنبہ، شنبہ چار شنبہ کو دعا کی۔ تو چار شنبہ کے دن ظہر و عصر کے درمیان دعا مقبول ہوئی۔ حضرت جابر فرماتے ہیں مجھے جب بھی کوئی اہم امر درپیش ہوا، میں اسی ساعت دعا فرماتا رہا۔ اور روز چار شنبہ ظہر و عصر کے درمیان دعا کی تو نشان قبول ضرور دیکھ دیا۔"

نویں صدی کے مجدد و خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابوبکر سیوطی شافعی (متوفی ۹۱۱ھ) اپنے "ملہ سهام الإصابۃ فی الدعوات المستجابۃ" میں فرماتے ہیں اسنادہ جید۔ اس کی سند مذکور ہے۔  
ابن حجر عسقلانی (م ۹۱۱ھ) "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ" میں فرماتے ہیں: رجالہ نقلت الیہ کے رجال ثقہ ہیں۔

اس حدیث سے مستفاد ہوا کہ چار شنبہ کے دن اجابت دعا کا ایک وقت ہے اس لیے علما نے بہتر سمجھا کہ سبق

کرتا ہے اور اس روز و وقت میں دعا شرف قبول سے سرفراز ہوتی، اور کام مکمل ہوتا ہے۔

اور چہار شنبہ کے اہل اسلام کے لیے سعد ہونے کی اہم دلیل تو یہی ہے کہ گزشتہ اقوام کفار کے لیے جب یہ شخص اور نزول عذاب کا دن تھا، تو ظاہر ہے کہ مومنین کے لیے انعام و نجات کا دن ہوا۔ اور اس امت کریمہ کے لیے خاص کر سعد ثابت ہوا کیونکہ اسی دن رحمت عالم ﷺ کی مبارک دعا قبولیت سے سرفراز ہوئی۔

بہر حال یہ بھی ایک ذیلی تفصیل جو صاحب ہدایہ کی روایت کردہ حدیث پر جرح کی وجہ سے قحش کی گئی۔ اس باب میں مزید تفصیلات و افادات امام احمد رضا قادری بریلوی رضی اللہ عنہ کے رسالہ ”منیر العین فی تفصیل الإبهامین“ اور اسی میں مندرج رسالہ ”الہدایہ الکافی لاحادیث الضعاف“ اور بعض دیگر رسائل کے جہت جہت مقالات سے حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

مضمون کے مآخذ:

مقدمة ہدایہ، الفوائد البہیة فی تراجم الخفیة، التعليقات السنیة علی الفوائد البہیة مولانا عبدالحی فرنگی علی (۱۳۶۳ھ - ۱۳۰۴ھ) العطا یا النبویة فی الفتاوی الرضویة، امام احمد رضا قادری بریلوی (۱۳۷۲ھ - ۱۳۲۰ھ) طبقات کفوی تخلص شدہ در فوائد بہیہ ہدایہ، حاشیہ ہدایہ مولانا فرنگی علی۔



## شیخ الاسلام عزالدین بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ (۱)

ہر تاریخ اسلام کی ان مقتدر ہستیوں میں آپ کا نام گرائی ہے جن کے دم سے عظمت و بین اور سطوت علم قائم رہی۔ جن کے سامنے شیخ اسلام اور اصلاح زمانہ کی راہ میں عظیم الشکرت فرماں رواؤں کا اقتدار بچھتا تھا۔ جنہوں نے یکساں کو ایمان و یقین کی روشنی بخشی اور ایک جہاں ان کے وجود کی برکتوں سے مالا مال ہوا۔

ولادت، تعلیم اور علمی جلال:

شیخ عزالدین عبدالحزین بن عبد السلام، فخر اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے ستروہ برس بعد ۵۸۷ھ میں رزمین دمشق میں پیدا ہوئے۔ بعض روایات کے مطابق آپ نے عہد شباب میں تحصیل علم کا آغاز کیا مگر اپنے وفور ذہن اور غیر معمولی جدوجہد کے نتیجے میں بہت جلد تکمیل کر کے معاصر علماء پر سبقت لے گئے اور سب نے آپ کی جان شان کا اعتراف کیا۔ ۳۹ھ میں مصر پہنچے تو بلند پایہ محدث علامہ عبد العظیم منذری (۶۶۶ھ) صاحب ”الترغیب والترہیب“ نے اکتا سے دستبرداری ظاہر کر دی اور فرمایا ”جس شہر میں شیخ عزالدین جیسا جلیل القدر لڑکا موجود ہو وہاں دوسرے کے لیے کار اکتادار ست نہیں۔“

قاضی نجیر الدین علی لکھی لکھی کتاب ”تاریخ مع المعتمد فی ابناء من عبر“ میں شیخ کی عظمت شان کا اظہار ان فتاویٰ فرماتے ہیں: ان سیدنا الشیخ عز الدین بلغ رتبة الاجتهاد مع الزهد حتی ظهر حاله فی المناکفات، وانه لقب بسلطان العلماء، وکان حسن المحاضرة بالنواد والاشعار۔<sup>(۱)</sup>

”سیدنا شیخ عز الدین در جبہ اجتهاد کو پہنچے ہوئے تھے، اسی کے ساتھ ویکر زہد ورع بھی تھے یہاں تک کہ منافقت میں ان کا حال و مقام ظاہر ہو گیا، انھیں ”سلطان العلماء“ کا لقب ملا، نادر باتیں اور اشعار پیش کرنے میں اسے مانع جواب تھے۔“

(۱) علامہ شرف مہدک پر، فروری ۱۳۷۶ھ۔

(۲) الفوائد البہیہ، المجلد ۱، صفحہ ۱۲۷

## علمی وقار اور عالمانہ اوصاف:

شیخ بڑی پر جلال اور باوقار شخصیت کے مالک تھے، بادشاہوں کی دربار حضوری قطعاً پسند نہ تھی، خود ان کے بلائے پر اگر بھی گئے تو "حضور" یا خاموشی نہیں اختیار کی بلکہ ان کی بے اعتدالیوں اور بد عنوانیوں پر معروف تنقید و تنبیہ کی اور اپنے خلوص قلب اور عالمانہ رعب و جلال کی وجہ سے اثر انداز بھی ہوئے۔

## مجاہدانہ کردار:

اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ، "فتنہ تاتار" ہے۔ جس کے متواتر حملوں نے ممالک اسلامیہ کی بنیادیں ہلا دیں، مسلمانوں کے دلوں میں خوف و ہراس گھر گھرا گیا، یہاں تک کہ تاتاریوں کی شکست ناممکن خیال کی جانے لگی، اور یہ فقرہ لوگوں کے زبان زد ہو گیا۔ "إذا قيل للث ان الشتر انهم مو افلا تصدق اگر کوئی شخص تاتاریوں کی شکست خوردگی کی خبر دے تو جح نمانے۔"

اس دور میں سب سے پہلے سرفروش حضرت شیخ عبدالدین ہیں جنہوں نے تاتاریوں کے مصر کی طرف رخ کرنے کی خبر سنتے ہی لوگوں میں ولولہ جہاد اور جذبہ استقامت پیدا کیا، اور سلطان مصر نے فرمایا تم جہاد کے لیے صف آرا ہو جاؤ، فوجی ضمانت میں دیتا ہوں۔ مائاتی قلت کی وجہ سے مصارف جہاد کے انتظام کے لیے سلطان نے تاجروں سے قرض لیے جانے کی تجویز پیش کی، تو شیخ نے فرمایا "پہلے شائی محل کے جواہرات، عیادت کے زیورات اور ارکان سلطنت کے وزیورات نکالے جائیں جو شرفا حرام ہیں پھر اگر ضرورت ہو تو قرض لیا جائے۔"

زیر پرست اذہان کے لیے یہ تجویز بہت گراں پار تھی مگر شیخ کی شخصیت کا اثر تھا کہ تمام زیورات و جواہرات حاضر کر دیے گئے، جو مصارف جہاد میں لگائے گئے اور دوسری سلطنتوں کے برخلاف مسلمانوں کو پہلی بار تاتاریوں کے مقابلے میں فتح حاصل ہوئی جس کے بعد تاتاری پہا پھوٹے گئے۔ یہیں تک کہ ان کی شوکت و سطوت کا خاتمہ ہو گیا۔

## جرات بے باک:

حکم شرعی کے نفاذ میں شیخ کی کسب منصب و اقتدار سے ذرا بھی مرعوب نہ ہوتے اور جرات حق ہوئی نہ صرف کہ کے سنا دیتے بلکہ کر کے دکھا دیتے۔

الملک الصانع نجم الدین ایوب (م ۶۴۲ھ) کے زمانے میں آپ قاضی اور مساجد کے مہتمم تھے۔ اس وقت فخر الدین عثمان نامی ایک شخص قصر شاہی کا مہتمم تھا مگر عملاً نائب السلطنت اور حکومت کے سارے کاموں میں دخل تھا۔ اس نے ایک مسجد کی حجت پر طبل خانہ بنوایا۔ شیخ نے مطلع ہونے کے بعد فوراً حکم صادر کر دیا کہ شرقاً یہ تعمیر چار نہیں لہذا وہ عمارت منہدم کر دی جائے، اور اس جرم میں فخر الدین عثمان کو ساقط الشہادۃ قرار دیا پھر عہدہ نخلت

سلطنت میں ہوئی۔ سلطان نے اگرچہ آپ کو دوبارہ عہدہ نخلت یا مامور نہیں کیا مگر اس کی نگاہ میں اس واقعہ سے فوجی علم تک کم نہیں ہوئی۔

اگر عالم اسلام میں شیخ کی علمی سطوت کا اثر یہ تھا کہ اسی زمانے میں مصری سفارت کوئی پیغام لے کر خلیفہ بغداد کے پاس پہنچی خلیفہ نے دریافت کیا یہ پیغام تم نے خود بادشاہ کی زبانی سنا ہے یا کسی کے توسط سے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے یہ پیغام قصر شاہی کے مہتمم فخر الدین کی زبانی سنا ہے۔ خلیفہ نے کہا اسے تو شیخ عبدالدین کے ساقط الشہادۃ قرار دینے کے بعد اس لیے تمہارا پیغام لائق قبول نہیں۔ نتیجہ سفارت پھر مصر واپس آئی اور بادشاہ کی زبانی پیغام سن کر دوبارہ بغداد واپس آئے۔

بے مثال شجاعت: مصر میں کچھ امراء سلطنت بیت المال کی ملک اور غلام تھے۔ یہ شرعی طریقہ ہے کہ اصل حاصل کیے بغیر حکومت کے بڑے بڑے عہدوں کے مالک ہو گئے اور اطراف حکومت میں اپنا اثر و اقتدار بجا لیا۔ ان میں ایک وزیر اعظم اور نائب السلطنت بھی تھا۔

شیخ نے فتویٰ دے دیا کہ "یہ امرائیت المال کی ملک ہیں جب تک شرعی طریقہ پر آزادانہ کیے جائیں ان کے معاملات درست نہیں" شیخ کا فتویٰ سن کر مسلمانوں نے ان امراء سے معاملات ترک کر دیے اور وہ سخت دقت و پریشانی میں مبتلا ہو گئے انھوں نے ہر چند منت و ساجت کی اور سلطان نے بھی سفارش کی مگر آپ حکم شرعی پر قائم رہے۔ شیخ نے بتایا کہ میں ان سب کو نیکلام کر دوں گا، ان کی قیمت مسلمانوں کے کام میں صرف ہوگی اور آزاد ہونے کے بعد ان کے معاملات درست ہوں گے۔

کسی خوشامد پر شیخ نے اپنا فتویٰ واپس نہیں لیا تو نائب السلطنت اپنے نیکلام اور ذلت کے تصور سے غضبناک ہو کر کئی تلوار لیے اپنے محلہ کے ہمارے شیخ کے گھر پہنچا دروازہ کھٹکنا تو وہ جزائے باہر نکلے اور صورت حال دیکھ کر دلدرد ہو کر باہر نکلے۔ شیخ نے فرمایا "بیٹا! تمہارے باپ کا مقدر کہاں کہ راہ مولانا شہید ہو۔" یہ فرمایا اور اٹھ کر دروازے پر آ گئے۔ نائب السلطنت نے دیکھا تو اس کے ہاتھ سے تلوار پھوٹ گئی، اس نے روتے ہوئے گنگو کی اور آخر کار عرض کیا۔ میرے آقا آپ جو حکم فرمائیں میں راضی ہوں۔

شیخ نے تمام امراء کو نیکلام کیا اور ان کے اعزاز میں دام بہت زیادہ کہا پھر یہ آزاد ہو کر اپنے گھر گئے۔ طبقات - مہمان انکی فرماتے ہیں: "ایک عالم دین کے رعب و دبدبہ کی یہ انتہائی مثال ہے جو کہیں اور سننے میں نہیں آتی۔"

امرا المعروف اور نبی عن المنکر میں شیخ کا فکری موقف:

علمائے حق پر سب سے بڑی ذمہ داری امرا المعروف اور نبی عن المنکر کی ہے اس ذمہ داری کو شیخ نے جس



بہندی اور پامردی سے ادا کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں شیخ نہایت سخت مسلک فکر پر مال تھے اپنے اسی علمی و فکری موقف کا اظہار کرتے ہوئے الملک الاشرف کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

و بعد ذلك فلاننا نزع من احناء حزب الله وانصار دينه وحنده وكل جنطلي لا يخاطر بنفسه فليس ينجدي. "ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم جماعت الہیہ کے افراد، دین خدا کے مددگار اور لشکر ہیں۔ اور جو لشکر اپنی جان خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار نہ ہو وہ لشکر نہیں۔"

ایک دوسرے خطبہ میں بڑی صفائی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ ان کا یہ بیان علمائے زمانہ کے لیے درس عبرت بصیرت ہے۔ فرماتے ہیں: قد امرنا الله بالجهاد في نصرة دينه، ألا إن سلاح العالم علمه ولسانه، كما أن سلاح الملك سيفه فكما لا يجوز للملوك إغمد أسلحتهم عن الملحدين والمشركين لا يجوز للعلماء إغمد ألسنتهم عن الزاغين والمبتدعين۔ (طبقات الشافعية، ابن الجوزي، ج ۸)

ہمیں اللہ نے اپنے دین کی مدد میں جہاد کا حکم دیا ہے یقین کرو کہ جس طرح بادشاہ کا ہتھیار شمشیر و تلوار ہے اسی طرح عالم کا ہتھیار اس کا علم اور زبان ہے اور جس طرح بادشاہوں کے لیے بے دینوں اور مشرکوں سے لہجہ ہتھیار روک کر نایام میں کرنا جائز نہیں اسی طرح علمائے کلمہ کے لیے کج رکھوں اور بد مذہبوں سے روک کر اپنی زبانیں عام میں کرنا جائز نہیں۔

شریعت کے معاملے میں شیخ اپنی بھی رعایت نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی فتوے میں ان سے ظلمی ہو گئی تو اپنے غیر معمولی منصب و اثر کا لحاظ کیے بغیر اعلان کر دیا کہ "ابن عبد السلام نے جسے ظلم فتنی دیا ہو وہ اس پر عمل نہ کرے اس لیے کہ وہ غلط ہے۔"

آپ عالم شریعت ہونے کے ساتھ شیخ طریقت بھی تھے۔ شیخ المشائخ حضرت شہاب الدین سمرودی رحمہ اللہ (م ۷۲۳ھ) سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔

### تصنیفات:

شیخ نے نہ صرف اپنے زمانے میں اصلاحی اور تجدیدی کارنامے انجام دیے ہیں بلکہ بعد والوں کے لیے کتب کا گراں قدر ذخیرہ بھی چھوڑ گئے ہیں۔ آپ کی تصنیفات القواعد الکبریٰ، الإمام فی أدلة الاحکام، جمل القرآن، کنز القوائد سے علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) کو غیرہ استفادہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

وفات: الملک الظاہر بیبرس (م ۶۷۲ھ) کے عہد حکومت میں بتاريخ ۱۰ جمادی الاول ۶۸۰ھ علم و فن، صلاح و تقویٰ اور اصلاح و ارشاد کا یہ سلطان اس دار فانی کو خیر یاد کر گیا۔ انا لله وانا اليه راجعون۔

## علامہ فضل حق خیر آبادی

### عظیم فلسفی یا زبردست اسلامی متکلم؟

علامہ فضل حق خیر آبادی (۱۲۱۳ھ/۱۷۹۷ء - ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) نے علم و فن کی مختلف شاخوں اور زندگی کے متعدد شعبوں میں اپنے فضل و کمال کے اہم نقش چھوڑے ہیں۔ منطق و فلسفہ، فقہ و کلام اور شعر و ادب پر مدینہ من الان کی علمی برتری کے آثار آج بھی نظر آتے ہیں۔ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ مدت العصر ہو گیا۔ لیکن ایسا نہیں کہ وہ صرف درس گاہ میں محصور اور انیسویں صدی میں گوشہ نشین ہو کر عوامی زندگی اور ملکی سیاست سے بے تعلق رہے ہوں۔ نہیں۔ بلکہ سر زمین وطن کو عالم حکمرانوں سے بچانے اور اہل وطن کو غیروں کی غلامی سے آزاد رکھنے کی راہ میں انھوں نے جو عبادتہ کر دار پیش کیا ہے وہ ان کی زندگی کا ایسا درخشاں باب ہے جو تمام اہل ہند کی باب سے بڑا باخراں تحسین اور شکر و سپاس کا مستحق ہے۔ گھر یہاں میری گفتگو ان کی علمی زندگی اور فکری و علمی آثار سے متعلق ہے۔ جس کی کچھ تفصیل آئندہ سطور میں رقم ہوگی۔

مشہور یہ ہے کہ "وہ زبردست فلسفی اور اپنے دور میں معقولات کے کیتاے روزگار شاعر تھے۔" لیکن فلسفین کو عام طور سے دیکھا گیا ہے کہ وہ اہل یونان کے فضائل اور اسطواروں پر تکیہ کرتے ہیں۔ انھیں نہیں دیکھتے کہ وہ یہ دیکھنے کی رحمت نہیں کرتے کہ فلسفہ کہاں تک قابل قبول ہے اور کہاں بغاوت و فضول، اور پہلے محض المادہ و زندگی اور ناقابل قبول۔ اہل یونان کی بنیاد میں مضبوط کرنے کی خاطر فقر و فاقہ کی ذریعہ کرتے چلے جاتے ہیں اور یہ بھی لحاظ نہیں ہوتا کہ خدا اور رسول کی بارگاہ میں اس کی حیثیت کیا ہے۔ اور علم و تحقیق کی اعلیٰ میزان میں ان کا وزن کیا ہوگا۔ فلاسفہ یونان کے قواعد و مضمومات پر اگر کوئی اعتراض نظر آتا تو اس کا سختی سے سختی اور طویل طویل جواب لکھتے چلے جاتے ہیں اور اسے اپنی حیات مستعار کا قیمتی سرمایہ سمجھتے ہیں۔ "یہ ایسی کے لیے وہ لکھتے تھے اور آخرت کے لیے وہی توشہ لے کر جاتے۔"

لیکن اگر کبھی اسلامی اصولوں پر اعتراض ہوا، خدا کی شان میں جھوٹائی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف،

عظمتوں کو نشان بنایا گیا، انبیاء کرام کی تنقیص ہوئی، معصوم ملائکہ، مقدس صحابہ اور مہارک اولیاء کی لہانت ہوئی تو ان فلسفیوں میں کوئی حرکت نظر نہیں آتی، اسلام کا کلہ ضرور پڑھتے ہیں مگر نہ ان کی غیرت اسلامی جنبش میں آتی ہے نہ حیات دینی کو جوش آتا ہے، نہ فکر علمی و ایمانی کا تقاضا انہیں کسی حرکت و عمل پر آمادہ کرتا ہے بلکہ وہ خود اسلامی اصولوں سے جا بجا ٹکراتے اور اٹھتے ہیں اور اس کے لیے ہر جتن کرنے کو تیار رہتے ہیں۔

اس کے برخلاف ہم عداوت فضل حق خیر آبادی کو دیکھتے ہیں کہ جب تقویت ایمان نامی کتاب لکھ کر توحید کے ہم پر توہین رسالت کا پرفریب دام پھیلا گیا تو وہ کھل کر میدان میں آئے، مؤلف کتاب کی پر زور مخالفت کی، مجمع عام میں اس کا رد کیا، اور سب کے سامنے اس پر جہت تمام کر دی، پھر اس سلسلے میں تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ نامی کتاب بھی تصنیف فرمائی جس سے فقہ و کلام اور قرآن و سنت میں علامہ کی وسعت نظر، وقت نگاہ اور جولانی فکر عیاں ہے۔

یہ دین اسلام کی حمایت، اور ناموس رسول کی حفاظت میں ان کی غیرت ایمانی، حمیت دینی، اور جوش اسلامی کا ایک ایسا دل کش منظر ہے، جو اسطوہ اہل سینا کے وقادروں میں ناپید ہے۔ اسی طرح حب وطن، غیرت قومی، جوش ملی اور سیاست ملکی کے میدان میں انھوں نے جو مجاہدانہ کردار پیش کیا ہے وہ اغیار کے رجز و خواروں اور لہنی قوم کے بے غیرت غداروں کے عیاں کبھی نظر نہیں آسکتا۔

ان اجمالی اشارات کے بعد اب میں آپ کو خالص علمی ماحول میں لے جانا چاہتا ہوں جہاں آپ دیکھیں گے کہ علامہ نے فلسفہ کو کہاں تک قبول کیا ہے اور کہاں تک اس کی موافقت رد کر دی ہے اور کہاں صراحتاً اس کی تردید فرمائی ہے۔ پہلے یہ ذہن نشین رہے کہ تمام موجودات کے واقعی حالات کی تحقیق کو فلسفہ کا نام دیا گیا ہے۔ اس لیے فلسفہ نے واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات اور تمام ممکنات کی تحقیق و تفتیش میں اپنی دوائی توانیاں صرف کی ہیں۔ فلسفہ کو اولاد و حصوں میں تقسیم کرتے ہیں نظری اور عملی۔ پھر نظری کو اولیٰ، ریاضی، طبیعی شعبوں میں اور عملی کو تہذیب اخلاق، تدبیر منزل، سیاست مدنیہ تین قسموں میں تقسیم کرتے ہیں پھر ریاضی کو خاص و مسوع دے کر حساب، ہندسہ، ہیئت، موسیقی چار خانوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ انسانی دماغ کی اعلیٰ کاوش ہے جو ہزار ہا سال کی عرق ریزیوں کا نتیجہ ہے اور اس کے بے شمار اصول و قواعد ہیں جن پر موجودہ سائنس آج بھی عمل پیرا ہے، یہ بھی حقیقت ہے کہ فلسفہ کل کا کل قابل انکار نہیں، اس میں بہت سی باتیں اہل حق سے اخذ کر کے بھی شامل کی گئی ہیں اور انھیں عقل و استدلال کا رنگ دے دیا گیا ہے اور بہت سی چیزیں صرف ذہنی و فکری کاوش پر مبنی ہونے کے باوجود بجا و درست ہیں لیکن بہت سے مزاحمت و انکار ہیں جو سراسر باطل اور غلط ہیں اور بہت سے وہ ہیں جو غلط ہونے کے ساتھ اسلامی عقائد سے متصادم بھی ہیں۔

باب میں فلسفہ کا زیادہ تر حصہ محض باطل و غلط ہے۔ اور فلکیات کا شعبہ بھی کثیر ظلمات پر مشتمل ہے۔ البتہ منطق و ریاضی اخلاق و سیاست کی بنیادی باتیں عموماً بجا و درست ہیں اور شریعت سے متصادم نہیں۔

علامہ فضل حق خیر آبادی نے فلسفہ میں ”ہدیہ سعیدیہ“ تصنیف کی ہے جس سے فلسفہ میں ان کی مہارت اور ہندہ بصیرت کے ساتھ ان کی اسلامی غیرت اور دینی رسوخ بھی عیاں ہے۔ وہ جا بجا صراحت و اشارہ یہ بتاتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ جو کچھ بیان ہو رہا ہے وہ فلاسفہ کے مطابق ان کی نظریات کی تقریر و توضیح ہے، خود اپنا نظریہ کیا ہے اس کا ذکر دوسری کتابوں میں ہے۔ لیکن ہدیہ سعیدیہ میں بھی بعض مقامات پر باطل فلاسفہ پر نقد سے کتاب خالی رکھنا مناسب نہ تھا اور چند سطروں میں ان کی خاموشی کی ضروری نشان دہی کر دی ہے۔ اس کی تائید کے لیے مناسب ہے کہ اصل کتاب سے چند نظائر و شواہد پیش کروں تاکہ اب تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے، مکمل طور پر روشنی میں آجائے۔

نزدیک جسم کے بیان میں حکما کے مذہب بتاتے ہوئے مشائخہ کا مذہب بتاتے ہیں کہ ان کے نزدیک جسم پہلا اور صورت ثانی و مجرہوں سے مرکب ہے۔ پھر لکھتے ہیں:

”و نحن نريد تقرير مذهبهم و بيانہ علی حسب مطلبہم فی هذا المختصر، و اما تحقيق ما هو الحق فقد احلناه علی کتب آخر“ (ص ۲۳)

”اس مختصر میں مشائخہ کے مذہب کی تقریر اور ان کے حسب مطلب اس کا بیان ہمارا مقصود ہے، مگر حق کی یہاں کی تحقیق دوسری کتابوں کے حوالے ہے۔“

(۲) فن عانی فلکیات کے خاتمے میں لکھتے ہیں:

”فلاسفہ کہتے ہیں کہ افلاک توہیں، ایک کو ایک سے خالی ہے اسی لیے اسے فلک اطلس کہا جاتا ہے وہی فلک افلاک ہے جس سے ستوں کی تعیین ہوتی ہے وہ تمام اجسام کو محیط ہے۔ اس کے نیچے علی الترتیب فلک ثوابت، فلک مشتری، فلک مریخ، فلک شمس، فلک زہرہ، فلک عطارد، اور فلک قمر ہیں۔ یہ اس لیے کہ انھوں نے محسوس کیا کہ تمام ستارے و یوہرہ حرکت سے مشرق سے مغرب کی جانب حرکت کرتے ہیں، اس لیے ان کے لیے ایک ایسا فلک لازم تمام افلاک اور ستاروں کو محیط ہے جس کی اصلی حرکت کے تابع ہو کر دوسرے تمام افلاک اور ستارے بالواسطہ و اطرش حرکت کرتے ہیں۔ یہی فلک اعظم ہے جس سے ستوں کی تحدید اور تعیین ہوتی ہے۔ پھر محسوس کیا کہ کچھ ایسے ستارے بھی ہیں جو کچھ ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور ثوابت کہے جاتے ہیں مگر وہ بھی بڑی ست و رفتاری سے مغرب سے مشرق کی جانب حرکت کرتے ہیں اس لیے ایک فلک ان ثوابت کے لیے بھی مانا، یوں ہی ساتوں سیاروں کو دیکھا

کہ یہ مختلف حرکتوں سے حرکت کرتے ہیں اس لیے ہر سیدہ کے لیے ایک ایک فلک مان لیا، اس طرح ان کا زمزمہ ہے کہ افلاک نو ہیں۔ انھوں نے فلک اعظم سے متعلق جو احکام مانے ہیں مثلاً بسیط ہونا، کر دی ہونا، اس کے لیے حرکت آہنی اور خرقی و الشمام (پھٹنا جڑنا) محال ہونا اور اس کے علاوہ بہت سی باتیں جو باسیت میں تصدیق یوں ہوئیں۔ وہ سب احکام دیگر افلاک کے لیے بھی ٹھہرائے ہیں اور جتنی ساری انکل پچر باتیں اور اوہام و خیالات ان کے نفس نے انھیں سوچائے سب پر یقین کیے جیتے ہیں۔ انھیں یہ پتہ نہیں کہ اگر ان کی دلیل مان لی جائے اور اعتراضات عقل سے سلامت رہ جائے تو بھی وہ زیادہ سے زیادہ فلک اعلیٰ کی سطح بالا میں راست آ سکتی ہے اس کے علاوہ ان کی اور فلک کی سطح یا جسم میں وہ دلیل جاری نہیں ہو سکتی۔ سچ تو یہ ہے کہ اس مقام پر ان کے جتنے مزعمات ہیں محض انکل پچر ہیں اور یہ بڑی لاعلمی بہاری ہے۔“ (ص: ۷۵)

(۳) ظاہری حواس پانچ ہیں۔ لامر، ذائقہ، شامہ، سامعہ، باصرہ۔ شیخ بر علی مینا نے شفا میں کہا کہ سامعہ اور باصرہ کو مناسب نامناسب چیز کو سننے دیکھنے سے کوئی لطف و الم نہیں حاصل ہوتا، بلکہ جو بھی لذت و گفت ہوتی ہے وہ نفس کو ہوتی ہے۔ اور لامر، ذائقہ، شامہ کو خود بھی لذت و الم کا حصول ہوتا ہے۔ شیخ کے اس قول پر مستفاد اعتراضات ہوئے جن کے جواب میں امام رازی نے شیخ کا دفاع کرتے ہوئے چند باتیں پیش کیں۔ مگر علامہ خیر آبادی نے وہ سب ذکر کرنے کے بعد لکھا:

یہ کام بڑی محتانت کا حال ہے مگر اس سے اس اشکال کا حل نہیں نکلتا کہ کیا وجہ ہے کہ لامر، ذائقہ اور شامہ تو اپنے محسوسات سے متاثر ہوتے ہیں اور سامعہ، باصرہ متاثر نہیں ہوتے؟ آگے یہ فرماتے ہیں کہ لذت و الم اگر مناسب و نامناسب کے ادراک کا نام ہے تو ظاہر ہے کہ ادراک نفس کا کام ہے اور لذت و الم اگر حواس میں حاصل ہونے والی مناسب و نامناسب صورت کا نام ہے تو یہ بات دیگر حواس کی طرح باصرہ و سامعہ میں بھی ہوتی ہے۔ اس لیے یا تو یہ کہیں کہ پانچویں حواس کے احساسات سے لذت و الم صرف نفس کو ہوتا ہے، یا یہ کہیں کہ لامر، ذائقہ، شامہ کی طرح سامعہ، باصرہ کو بھی لذت و الم کا حصول ہوتا ہے۔ ان کے درمیان فرق کی کوئی وجہ نہیں۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ بہر حال شیخ نے ان حواس کے لذت و الم سے متعلق جو جدا گانہ حکم لگایا ہے وہ ایسا غلط ہے جسے فطرت سلیہ قبول نہیں کر سکتی ”ولم یخلق لآن نومن بمعافی دفعی الشفاء“ اور ہم اس لیے پیدا نہ ہوئے کہ شفا کے ادواق میں جہنم رقم ہو گیا اس پر ایمان لائیں۔“ (ص: ۳۲۳ ملخصاً)

اس سے فلسفہ میں علامہ خیر آبادی کی ناقدانہ بصیرت عیاں ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فلاسفہ کی عام باتیں بھی ان کے نزدیک اسی وقت قابل قبول ہوں گی جب وہ عقل و استدلال کی میزان پر پوری اثر و رسوخ نہ لیں۔

مقالات کے مقابل زیادہ دانش مندانہ عمل ہوگا۔  
(۴) فصل فی کائنات الجبر کے آخر میں لکھتے ہیں:

”اعلم أن تكون هذه الآثار بل سائر الكائنات والأشياء إنما هو بتقدير قدیر فعال بخلق ما يشاء، و حکم حکیم بديع، بديع الإنشاء، في الأرض والسماء، لا يحتاج في تكوين الأشياء إلى مادة ومدة ولا إلى مفعول وعدة، لكن حكمته الكاملة ربطت كائنات ما سبب عادية، وقدرته الشاملة كونت مواد عناصر وأعدتها لتكوين أشياء مادية، ودرنت عليها مصالح و غايات، وجعلتها على عظمته وحكمته أدلة وآيات، فخلق الله سبحانه بسائط، وركب منها أبخرة وأدخنة، وجعلها مواد وأنسابا، وقدر منها مطراً وماء، وسحاباً، وأخرج حياء و نباتاً، وقدر لكل منها فصولاً وأوقافاً، وجعلها أروافاً وأقوافاً، فبإذن الله أحسن الخالقين.“

”معلوم رہے کہ ان آثار کا وجود، بلکہ دیگر تمام اشیا اور کائنات کا وجود ایک قدرت والے کی تقدیر اور حکم سے ہوتا ہے، وہ جو چاہتا ہے تحقیق فرماتا اور بناتا ہے، وہ حکمت والا، از سر نو ایجاد فرمانے والا، زمین و آسمان میں انوکھی ایجاد دیتا ہے، وہ اشیا کو جو جتنے میں کسی مادہ و مدت، اور کسی ذریعہ و سامان کا محتاج نہیں۔ مگر اس کی حکمت کا نام نہ کچھ وجود نہ والی چیزوں کو کچھ اسباب عادیہ سے مربوط کر دیا ہے اور اس کی ہمہ گیر قدرت نے عناصر کے مادے پیدا کر کے انھیں کچھ مادی چیزوں کے بنانے کے لیے تیار کر دیا ہے اور اس پر بہت سے مصالح و مقاصد مرتب فرمائے ہیں۔ اور ان سب کو اپنی عظمت اور حکمت کے لیے دلیل و نشان بنادیا ہے۔ تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہر لحاظ کی تخلیق فرمائی، جن سے کچھ مخلوقات و ذخانات ترکیب دیے۔ پھر انھیں مادہ و سبب بنا کر ان سے ہارش پہائی اور ابرو کو جو درخشنا، اور ان سے تلان اور پوسے اگائے اور ہر ایک کے لیے موسم اور وقت مقرر کر دیا، اور ان کو رزق اور خوراک بنادیا۔ تو بڑی برکت والا ہے اللہ جس کی تخلیق سب سے بہتر ہے۔“

یہ خالص اسلامی نظریہ اور ایمانی نظریہ ہے جو اسباب و مسببات کے تعلقات میں الجھ کر رک نہیں جاتی، بلکہ مسبب الاسباب تک پہنچتی ہے اور یہ دیکھتی ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے دراصل اسی کی تدریج و تخلیق سے ہو رہا ہے اور اسباب میں جو کچھ صلاحیت و استعداد جلوہ نما ہے وہ سب اسی کا فیضان، اسی کی عطا، اور اسی کی بخشش ہے۔ جب کہ خالص فلسفی کا نام نہ مادہ و عناصر اور اسباب ظاہری کی ”جہول جہلیاں“ سے کبھی باہر نہیں نکلتا۔

(۵) خلاصہ نباتات کے لیے بے شعور نفس ماننے میں جس سے آلات و قوتی کے ذریعہ مختلف کام انجام پاتے

تین۔ اور نفس نباتی کے لیے حسب ذیل قوتیں ثابت کرتے ہیں۔

(۱) جذبہ (۲) ماسک (۳) ہضم (۴) دماغ (۵) غمازیہ (۶) تابیہ (۷) سولہ (۸) مصور۔

بدیہ سعید یہ میں ہر ایک کی تعریف و توثیح اور اس سے متعلق کام رقم کرنے کے بعد ان قوتی کے مانتے ہوئے اعتراضات وارد ہوتے ہیں وہ تحریر کیے ہیں۔ ان کا محکمہ اعتبار درج ذیل ہے۔

(۱) غور کریں تو نباتات میں بڑی دلکش، عمدہ اور حسین و جمیل ترتیب و تقدیر پائی جاتی ہے جس میں عقل و ہر حیرت زدہ ہے۔ اس میں جو منفی و مصالغ و دویعت ہیں ان کے ادراک میں ذہن و دماغ سرگرم ہیں، اس سے ابتدائی اصول سمجھنے سے فکر و نظر درمناغذ ہے، اجتہاد غایت تک رسائی سے عاجزی کے باوجود انسان کی عقلیت و وجد میں دویعت کردہ جن منافع اور حکمتوں کا استخراج ضعیف و کمزور عقل و فہم استخراج کر سکتا ہے ان کی تعداد پانچ ہزار ہے، جو علم تشریح میں مذکور ہے۔ جب کہ اب تک جو کچھ دریافت ہوا ہے وہ نامعلوم اسرار کی بہ نسبت کم سے کم ہے۔

تو جسے ذہنی دانش و بینش کا حصہ ملا ہے وہ ایک بے شعور قوت سے اسکی صورت گیری صادر ہونے کا کئی قائل ہو سکتا ہے جو بڑی اونٹنی اور دقیق حکمتوں، دلکش عقیم مصلحتوں اور خوش نما حیرت انگیز دیدہ زیب صورتوں اور شکلوں وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اگرچہ یہی مان لیا جائے کہ وہ قوت بسیط نہیں بلکہ مرکب ہے۔ اور مادے مختلف استخوان اور ملاحاتوں کے حامل ہیں۔

(ب) بے شعور نبات کے اندر ہونے والے حیرت انگیز، دل کش اور محکم افعال کو مذکورہ قوت کی جانب منسوب کرنا بہت بڑی حماقت ہے۔ اسی طرح یہ ماننا کہ بدن اور اس کے اجزاء اعضا کو نباتات حیوانی یا نفس انسانی اس کی کسی قوت کا فضل ہے۔ یہ بھی کھل ہوئی جہالت اور گمراہی ہے۔ نفس کی قوت کا فضل تو اس لیے نہیں ہو سکتا کہ وہ بے شعور ہے اور اس سے ان محکم حکمتوں کا صادر ہونا محال ہے اور خود نفس کا فضل اس لیے نہیں ہو سکتا کہ فلسفے کے نزدیک وہ بدن کے پیدا ہونے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نفس انسانی اپنے علوم کے کامل ہونے اور اپنے ادراک کی آخری حد تک پہنچ جانے کے بعد بھی اعضا کی کیفیت، ان کی مقداروں، ان کے حالات و حرکات، بقا، طبعی، صحت و بیماری، وغیرہ کی کیفیات اور ان کے اجزاء و عوارض سے آشنائیں ہوتا، اگر کچھ جانتا ہے تو علم تشریح و فیزیکی مہارت کے بعد بہت قلیل مقدار میں جانتا ہے وہ بھی محض عن و تخمین کے طور پر ہوتا ہے، جرم و یقین کا حصول نہیں ہوتا۔ پھر یہ یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ وہ نفس اپنے وجود پر ہونے کی ابتدا میں اتنی ساری تفصیلات سے آشنا ہے کہ ان اعضا سے بدن سے متعلق تمام مصالح اور حکمتوں کی رعایت کر لیتا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ جب نفس کی قوت پورے کامل و پہنچ جاتی ہے اس وقت بھی وہ بدن کی کسی صفت کو خود

بہت قدرت نہیں رکھتا پھر اپنے وجود کے آغاز اور شدت ضعف کے عام میں ان جنس صفات کے بنانے پر کیسے قادر ہو سکتا ہے؟  
تو ان کا یہ ماننا ہو گا کہ بدن کو تخلیق کرنے، بنانے اور اس میں عظیم حکمتیں و دویعت فرمانے کا کام ایک عام غیر، جبرہ کرب کا ہے، جس نے پیدا کیا تو بہت محمد بنایا اور جیسے چاہا حکمتیں و دویعت فرمائیں، وہی ہے جو رحم میں اپنی مشیت کے مطابق صورتیں بناتا ہے۔

اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بدن و اجزائے بدن میں جاذبیت، اور پکائے پختہ کرنے والی حرارت، و دفع و غیر صفات نہ ہوں اس لیے کہ یہ سہمی چیزیں اسی حکیم خلاق، تقدیر، مختار علی الاطلاق نے بدن میں پیدا کر دی اور دویعت فرمائی ہیں۔ ساری علوی و سفلی مخلوقات میں اس کے سوا اور کسی کی تاثیر حقیقت میں نہیں۔ اگرچہ بطور عادت جنس بشر بعض کے لیے سبب ہوتی ہیں جن کے خالق کائنات کی جانب سے عادت اور دستور یوں ہی جاری ہے جس میں بہت سی حقیقتیں اور حکمتیں کار فرما ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ فعلی تقدیر اپنے بندوں میں سے جن کو عظیم سہولتوں سے مرفر فرماتا ہے ان کی کرامت اور اعزاز کے طور پر عادات تخلیق پانے والی چیزوں سے زیادہ دلچسپی اور اونٹنی چیز پیدا فرماتا ہے۔

ہذا هو التحقیق، و هو سبحانه ولی العصمة والتوفیق (ص: ۱۳۳-۱۳۴ صفحہ ۱۳۳)

اس طرح کی بہت سی مثالیں خود بدیہ سعید میں موجود ہیں جن میں علامہ نے صراحتاً سلامی موقف کی ترجمانی فرمائی ہے۔ اور فلاسفہ کے باطل نظریات سے بیزاری ظاہر کی ہے۔ اور اشارہ عقیدہ ہم، وغیرہ الفاظ کے ذریعہ ان کے غلط جہت سے اپنی برائت تو بہت سے ایسے مقامات پر بھی کرتے گئے ہیں جہاں خود فلاسفہ کے نظریات اور ان کے دل کا بیان ہو رہا ہے۔ اس طرز نگارش سے عبادت ہوتا ہے کہ علامہ کو فلسفہ میں انہماک نہ تھا۔ اور نہ فلسفہ پر ان کا بدن تھا، وہ اسلام کو پختہ دلائل اور قوی براہین کی روشنی میں حق مانتے تھے اور اس سے مقصد ہر ظہر و کوار حکمت کی طرح تادہ کار کرنے کی عظیم صلاحیت کے حامل تھے۔ اس لیے میں انہیں ایسے فلسفی کہنے کے بجائے زبردست اسلامی ترقیان، عظیم متکلم، ہر جوش داعی، درد مند باطنی، اور ملکی سیاست کے باب میں غیرت مند مجاہد اور دور اندیش رہنما کہہ سکتا ہوں۔ بلاشبہ یہی ان کے شاہان شان ہے اور یہی حقیقت کے مطابق بھی ہے۔

علامہ کی دیگر تصنیفات مثلاً حاشیہ فاضی مبارک سے بھی رد فلسفہ اور تنبیہ اسلام کی مثالیں پیش کرنے کا ارادہ تو کر لیکن مضمون اور قارئین کے ملال خاطر کے خیال سے چھوڑ دیا، ورنہ بھی نہ کھٹ ٹپ کی سی نہ تھے نوسواہ الموفق وهو خیر معین۔



## سیدنا شاہ ابوالحسن احمد نوری مارہروی قدس سرہ

۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء — ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۶ء

مفتی اعظم حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی قدس سرہ کے مرشد گرامی سید المشائخ (۲) حضرت شاہ ابوالحسن احمد نوری قدس سرہ، حضرت سید شاہ ظہور حسن (وصال ۱۳۶۶ھ) قدس سرہ کے فرزند ارجمند، حضرت شاہ سید شاہ آل رسول بن سید آل برکات قدس سرہ (وصال ۱۲۹۶ھ) کے پوتے، مرید و خلیفہ اور سجادہ نشین تھے۔ علم فضل میں نابغہ روزگار، تصوف و سلوک میں یکتا، التزام شریعت و طریقت میں فروقت، اخلاق و اعمال میں نمونہ سنت اور کرامات و تصرفات میں بے مثال تھے۔ عہد مظنی سے عہد میری تک علم و فن، ریاضت و مجاہدہ، ذکر عبادت اور تصنیف و تبلیغ میں مصروف رہے۔ ایک جہان نے آپ سے فیض پایا۔ اور ایک عالم آپ کے انوار باطنی سے سیراب ہوا۔ ان ہی خوش بختوں میں ایک سیدی مفتی اعظم آل الرحمن محی الدین جیلانی، مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں قدس سرہ ہیں۔

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی ولادت سے پہلے ہی سید المشائخ بڑھتے نے مارہرہ شریف میں اعلیٰ حضرت کو ان کے تولد و سعادت کی بشارت دے دی تھی۔ اور ولادت کے چھ ماہ بعد بریلی تشریف آوری ہوئی تو بیعت سے نواز دیکر خلافت و اجازت بھی مرحمت فرمائی (۳)۔ سید المشائخ کی رحلت ۱۱ رجب ۱۳۲۳ھ/۱۳/۱۹۰۶ء شب کی شام کو ہوئی۔ اس وقت حضور مفتی اعظم قدس سرہ کی عمر مبارک چودہ (۱۴) سال ہوگی۔

### سلسلہ نسب:

حضرت سید شاہ ابوالحسن احمد نوری ملقب بہ میاں صاحب ابن (۱) سید شاہ ظہور حسن ابن (۲) سید شاہ آل رسول

(۱) ولد نامہ استقامت، مکان پور، مفتی اعظم قبر، مئی ۱۹۸۳ء

(۲) اس مضمون میں بہر جگہ سید المشائخ سے میری مراد صاحب ترکہ سیدنا شاہ ابوالحسن احمد نوری قدس سرہ ہیں۔ ۱۲ محمد احمد مصباحی

(۳) قبل ولادت بعد ولادت عبد مظنی و شیر خوار میں کسی کو داخل سلسلہ کرنے اور خلیفہ و جانشین کے مسئلہ میر عبد الوہاب بکری قدس سرہ (۱۰۵۰ھ)

۱۰۵۰ھ، مجمع منیل شریف میں منسوخ فرما چکے ہیں۔ ۳۳

ابن (۳) سید آل برکات عرف سقرے صاحب ابن (۴) سید شاہ حمزہ ابن (۵) سید شاہ آل محمد ابن (۶) سید شاہ برکت ابن (۷) سید شاہ اویس ابن (۸) سید شاہ عبد الجلیل ابن (۹) سید عبد الوہاب، صاحب سبع ضلع، صاحب سلسلہ برکات، ابن (۱۰) سید ابراہیم شاہ ابن (۱۱) سید شاہ محمد قطب الدین ابن (۱۲) سید شاہ محمد ہار و شہید ابن (۱۳) سید جلال شریف ابن (۱۴) سید شاہ کمال الدین ابن (۱۵) سید قاسم ابن (۱۶) سید حسین ابن (۱۷) سید نصیر ابن (۱۸) سید حسین ابن (۱۹) سید عمران (۲۰) سید محمد صفری جد اعلیٰ قابل سادات بلگرام ابن (۲۱) سید علی ابن (۲۲) سید حسین ابن (۲۳) سید ابو الفرج ابن (۲۴) سید ابو الفرج و اعلیٰ جد اعلیٰ قابل سادات زیدیہ بلگرام و غیرہ ابن (۲۵) سید زاید ابن (۲۶) سید حسین ابن (۲۷) سید علی ابن (۲۸) سید علی ابن (۲۹) سید زید سوم ابن (۳۰) سید عمران (۳۱) سید زید دوم ابن (۳۲) سید علی عراقی ابن (۳۳) سید حسین ابن (۳۴) سید علی ابن (۳۵) سید محمد ابن (۳۶) سید بیٹی ملقب بہ نمونہ ابن (۳۷) سید علی ابن (۳۸) امام زین العابدین علی ابن (۳۹) حضرت امام حسین شہید کربلا ابن (۴۰) حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ و رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عنہم، زوج (۴۱) سیدہ انشاء حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابن (۴۲) سید الانبیاء احمد بختی، محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و صحابہ وسلم۔

### خاندانی حالات:

حضرت امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما (۳۸ھ - ۱۲ محرم ۹۴ھ) کے فرزند زید علیہ السلام پانچ دن کی عمر میں ولادت ہوئی۔ جب بنی امیہ کا ظلم و ستم اور فسق و فجور حد سے آگے بڑھا تو حضرت زید نے ہمیں بن عبد الملک مروانی کے خلاف کوفہ میں علم جہاد بلند کیا۔ پھر اس کے عامل یوسف بن عمر ثقفی کی اجازت سے مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ لیکن دوبارہ بہت سے اہل کوفہ اپنی نصرت و وفا کا یقین دلا کر حضرت کو باصرہ کوفہ لے گئے۔ اہل کوفہ کے بعد پندرہ ہزار کوفیوں کی جمیعت ان کے ہمراہ ہو گئی۔ مگر بعد میں ساتھ چھوڑنے کی یہ تدبیر نکالی کہ حضرت سے کہا: آپ اب بکرو عمر بڑھ چکا ہے تمہارا کس۔ حضرت نے فرمایا: ہم اس سے راءت ظاہر کرتے ہیں جو حضرات شیخ پر تہہ کرے۔ کوفیوں نے کہا: اِذْنِ نَوْ قُضِلْتُ حَب۔ ہم آپ کو چھوڑتے ہیں۔ فرمایا: دور ہو جاؤ، تم رافضی ہو۔ اوقات سے اس لقب کی اجازت ہوئی۔ اب حضرت کے ساتھ بہت مختصر جماعت رہ گئی جو عالم وقت کے مقابلے کے لیے کافی تھی۔ ایک وقت آیا کہ عالموں نے حضرت کو سخت امتحانوں کے ساتھ شہید کر دیا۔ یہ ۱۲۱ھ کا واقعہ ہے۔ پھر مدینہ منورہ میں قبر شریف سے حضرت کی نعش مبارک نکال کر اسے سوئی دی اور ان مظالم و شقاوت کا مظاہرہ کیا جن کا نہ تو کسی ایک مسلمان کو لڑھکے پر اندام کروینے کے لیے کافی ہے۔





مارہرہ مقدسہ میں پیدا ہوئے۔ ذہائی برس کے تھے کہ والدہ ماجدہ علیہا الرحمہ نے رحلت فرمائی۔ اور جدہ ماجدہ نے تمام کفالت اپنے ذمہ لے لی۔ عمر شریف کا گیارہواں سال تھا کہ والد گرامی سید شاہ ظہور حسن علیہ السلام کا سایہ بھی لہو کیا۔ مگر یہ حضرت کی خوش نصیبی ہے کہ پورے اکتالیس برس اپنے جد گرامی سیدنا شاہ آل رسول احمدی کی خصوصی تربیت اور تعلیم و ہدایت سے سرفراز ہوئے اور ان کے زیر عنایت رہ کر سلوک و عرفان کی منزلوں پر فائز ہوئے۔

اساتذہ علوم ظاہری:

سب سے پہلے حضرت خاتم الاکابر علامہ شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ نے حسب قاعدہ سورۃ قمر شریف چند آیتیں پڑھائیں۔ سینہ مبارک سے لگایا، وَتَبْتَیْتُوْا لَا تَعْتِیْزُوْا بِاَلْحٰیثِرِ سَاحِدِیْہِ غَاسِ دَعَائِیْہِ دس۔ پھر درگاہ شریف کے مدرسہ قاری میں داخل کر دیا۔

حضرت شیخ المشائخ نے ”الصلوۃ البہیۃ علی اساتذتی و اساتذۃ اجدادی“ میں اپنے جن اساتذہ کرام کے ساتھ تحریر فرمائے ہیں ان میں سے اکثر حضرات کے متعلق یہ سراغ نہیں ملتا کہ حضرت نے ان سے کیا پڑھا قیاس یہ ہے کہ وہ حضرات چوں کہ بارگاہ معلیٰ کے مدرسہ میں رہتے تھے۔ اس لیے باضابطہ نہ سہی، اتفاقاً ہی کچھ استفادہ تعلیم کا موقع آیا ہوگا۔ ان بزرگوں کے طرز عمل سے یہ کبھی ظاہر نہ ہوا کہ استاد ہیں۔ بلکہ شیخ المشائخ سے ہمیشہ خدامتہ مودبانہ طے لی دیکھے گئے۔ یہ حضرات ان ارشادات کو پیش نظر رکھتے تھے:

وَلَا تَقْرَءُوا قُرْآنًا وَلَا تَتْلُوْا قُرْآنًا وَلَا تَعْلَمُوْا قُرْآنًا وَلَا تَعْلَمُوْا مِنْهَا قِیَانَ اَمَانَةِ الْاٰمِنِیْنَ (۱)

ترجمہ: قریش کو اپنا تابع نہ بناؤ۔ ان کی اتباع کرو۔ قریش پر دعویٰ استادی نہ رکھو، اور ان کی شاکردی کرو قریش میں ایک امین کی نمائندگی دو امینوں کے برابر ہے۔

قاضی القضاۃ مولانا شہاب الدین دولت آبادی قدس سرہ رسالہ ”مناقب السادات“ میں فرماتے ہیں:

ہر کہ پیش شاکرد پر خود خواند شاکرد نہ باشد اور انشاؤں کے منظر استاذی نگرد، ازاں کہ نعتیہ کے اور ان پر درش رجا بود ہماں نعت بہ پسرش رسانیدہ امین و مبلغ باشند ولی نعمت۔ فہم من فہم و جہل من جہل

ترجمہ: جو اپنے باپ کے شاکرد سے پڑھے شاکرد نہ ہوگا۔ پڑھانے والا اپنے کو استاذ نہ سمجھے اور اسے نظر استاذی سے نہ دیکھے کیوں کہ جو نعت اس کے والد سے ملی تھی وہی اس کے فرزند کو پہنچا کر وہ امین و مبلغ ہوا۔

(۱) حدیث بروی متن عسکر و بہت علی المرتضیٰ رحمہ اللہ نقلی وجہ۔

تحت ہول جس نے سمجھا، سمجھا۔ جو نادان بنا، نادان رہا۔

آپ تحت ہول نفس اور غلو بہت کی بات ہے کہ حضرت شیخ المشائخ نے کسی سے اگر کچھ بھی سیکھ لیا تو کوئی لیکن یہ شرف نفس اور غلو بہت کی بات ہے کہ حضرت شیخ المشائخ نے کسی سے اگر کچھ بھی سیکھ لیا تو کوئی

مربوبانہ جانتا ہوا ہے اپنے اساتذہ میں ذکر فرمایا۔ ان کی نظر میں یہ ارشادات تھے:

(۱) مَنْ عَلَّمَ نَفْسًا خَوْفًا فَقَدْ صَغُرَ لَهَا إِنَّ شَاءَ بَاعَ وَإِنْ شَاءَ آغَتْ (۱)

ترجمہ: جس نے مجھے ایک حرف پڑھا دیا یہ تحقیق اس نے مجھے اپنا بندہ و غلام بنا لیا۔ اگر چاہے فروخت

نہے اور اگر چاہے آزاد کرے۔

(۲) مَنْ عَلَّمَ عَبْدًا آتَةً مِنْ كِتَابِ اللَّهِ هُوَ مَوْلَاهُ (۲)

ترجمہ: جس نے کسی بندہ کو کتاب اللہ کی کوئی آیت سکھادی تو وہ اس کا آقا ہو گیا۔

(۳) تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَتَعَلَّمُوا الْجِلْمَ السَّكِينَةَ وَالْوَقَارَ وَتَوَاضَعُوا لِمَنْ تَعَلَّمُونَ مِنْهُ (۳)

ترجمہ: علم حاصل کرو اور علم کے لیے سکون و وقار سیکھو اور جس سے علم حاصل کرو اس کے سامنے تواضع و

ذلیلیت اختیار کرو۔

(۴) تَاكُنْ عَنْ أَخِي حَدِيثًا إِلَّا كُنْتُ لَهُ عَبْدًا مَا أَخِي (۴)

ترجمہ: میں نے جس سے ایک حدیث بھی لکھی تادم زبانت اس کا بندہ و غلام ہو گیا۔

مرباب تو وہ زمانہ ہے کہ بعض حضرات شرف استاذی پر فخر کرتے نہیں سمجھتے۔ اور بعض حضرات باضابطہ اخذ و

تقریر ممنون تربیت ہونے کے باوجود بھی اپنے واقعی اساتذہ کو استاذ بتاتے ہوئے کسر شان سمجھتے ہیں۔ باقی آداب

مبتدئہ شاکردی کا لحاظ تو دور کی بات ہے۔ حضرت شیخ المشائخ نے اپنے اساتذہ کی ایک طویل فہرست تحریر فرمائی ہے،

یہاں چنانچہ گرامی درج کیے جاتے ہیں:

(۱) امین بنی رحمت اللہ صاحب علیہ السلام، غالباً یہ حضرت کے پہلے استاذ ہیں۔

(۲) مولانا محمد سعید صاحب عثمانی بدایونی، مدرسہ اول مدرسہ عربیہ درگاہ معلیٰ۔ حضرت نے آپ سے ابتدائی

دراں صرف نو پڑھے۔ ۲۳ ربیع الآخر ۱۲۳۷ھ کو بدایوں میں وصال ہوا۔

(۳) علامہ کاکتہ رحمۃ اللہ علیہ، جہ۔ بطریق شریف

الحدیث بکلی بطریق شریف

الحدیث بکلی، بطریق حسن حدیثی

(۴) علامہ مہمل حضرت شعب بن جابر، مستطہ حدیث، جہ۔ بطریق

(۳) میاں جی جمال روشن صاحب

(۴) حافظ و قاری محمد فیاض صاحب رام پوری، حضرت کے معلم قرآن کریم ہیں۔ مدرسہ قرآنیہ درگاہ شریف میں ایک عرصہ تک صدر تفسیر رہے۔ رام پور میں انتقال فرمایا۔

(۵) مولوی فضل اللہ صاحب حب الیسری، مدرس س مدرسہ عربیہ درگاہ معلیٰ۔ بمباہ ذوالحجہ ۱۳۸۳ھ حب الیسر میں انتقال ہوا۔

(۶) استاذ الاساتذہ مولانا نور محمد صاحب بدایونی۔ بمقام بدایوں ۱۳۰۱ھ میں وصال ہوا۔

(۷) محب رسول مولانا عبد القدور عثمانی بدایونی، سید المشائخ نے اساتذہ کی فہرست میں ان کا نام درج نہیں کیا ہے۔ غالباً بطور درس ان سے کچھ نہیں پڑھا تھا لیکن برابر انھیں اساذی کہا کرتے۔ جس کا سبب یہ رہا ہوگا کہ حسب ہدایت حضرت خاتم الاکابر قدس سرہ سید المشائخ مسائل دینیہ میں علامہ سے مشورہ کرتے اور ان کے مشورہ و معاونہ کے بغیر اپنی تصانیف شائع کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اسی استفادہ کو شاگردی سے تعبیر کیا۔ اور علامہ کو یہو اساذی کہہ کر پکارا۔ علامہ رود ہادیہ ورد تفسیلیہ میں یکتاے زمانہ تھے۔ امام احمد رضا نے قصیدہ مدح میں کپ کی محبت کو علامت سنت قرار دیا ہے۔ علامہ سے اعلیٰ حضرت قبلہ کے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ اکثر مسائل و معاملات دینیہ میں باہم مشورہ بھی ہوا کرتا تھا۔ بتاریخ ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۹ھ بدایوں شریف میں انتقال فرمایا۔

### اساتذہ باطنی:

حضرت شیخ المشائخ کو علم باطن میں اپنے جد امجد سیدنا شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ سے باقاعدہ تعلیم حاصل ہے۔ مگر علم ظاہر کی طرح علم باطن میں بھی جن بزرگوں سے حضرت شیخ المشائخ نے کسی مسئلہ یا ورد و دعائیں کو استفادہ کیا اور کوئی فیض پایا۔ ان کے کچھ اساذ کر فرمائے۔ چند نام تحریر کیا ہیں لکھے جاتے ہیں:

(۱) حضرت سید غلام محی الدین قدس سرہ۔ سید المشائخ کے چھوٹے دادا ہیں۔ ان سے اجازت اور اذات و اشغال اور اکثر خاندانی چیزیں حاصل ہوئیں۔ فن تکمیر بھی اولاً آپ ہی سے سیکھا۔ <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup> (۲) حضرت شاہ شمس الحق عرف تنکا شاہ <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup>، ان سے بعض اعمال و اشغال ملے۔ (۳) مفتی سید عین الحسن بکراہی قدس سرہ نہایت مرجان اور صاحب کشف بزرگ تھے۔ درگاہ شریف کے مدرسہ حقائق میں تصوف و حقائق کے معلم اور سید المشائخ کے ادا تھے۔ (۴) مولانا احمد حسن صاحب مراد آبادی <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup>، سید المشائخ نے آپ سے علم تصوف کے بعض قواعد حاصل کیے۔ اور ۱۶ شعبان ۱۳۸۵ھ کو سند مسلسل بالاولیت بھی حاصل کی۔ ۱۶ صفر ۱۳۸۸ھ یکشنبہ کے دن اشراق کے وقت

حضرت حافظ شاہ علی حسین صاحب مراد آبادی <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup>، انھیں خاندان برکاتی سے خلافت و اجازت حاصل ہوئی۔ آپ سے سید المشائخ کو اجازت حرز یمنی و سلسلہ قادریہ منوریہ اور سند تسبیح حاصل ہوئی۔ مراد آباد میں انتقال فرمایا۔ اور محلہ کنگر میں دفن ہوئے۔

### تصانیف:

اگرچہ تصنیف اور شہرت مصنفی سے حضرت کو خاص دل چسپی نہ تھی لیکن ضرورت و ہدایت کے پیش نظر بعض کتابیں بھی لکھی ہیں۔ جن میں سے چند شائع ہو چکی ہیں۔ چند نام یہاں ذکر کیے جاتے ہیں:

- (۱) العسل المصطفیٰ فی عقائد ارباب سنة المصطفیٰ، بیان عقائد اہل سنت، (مطبوعہ)
- (۲) سوال و جواب: اردو، رد تفسیلیہ (مطبوعہ)
- (۳) تحقیق التواضع: تیس رکعت تراویح کا ثبوت۔
- (۴) دلیل الیقین من کلمات العارفین، حضرات صوفیہ کرام کا مسلک بھی تفصیل شنیع ہی ہے۔ (مطبوعہ)
- (۵) عقیدہ اہل سنت (محاربین جمل و مضین و نہروان کے بارے میں) (غیر مطبوعہ)
- (۶) لطائف طریقت، کشف القلوب، بیان سلوک، مع بعض اور اذات و اشغال۔ (مطبوعہ)
- (۷) النور والبہاء فی أساسید الحدیث و سلاسل الاولیاء، اساسید حدیث، سلاسل اولیاء،

بعض اور اذات و اشغال۔

- (۸) سراج العوارف فی الوصایا و المعارف، فقہ، کلام، حدیث، تصوف، سیر اور سلوک کے مقرر فائدہ کا خزینہ۔ (مطبوعہ)
- (۹) الجفر، علم جفر کا ایک خاص قاعدہ۔ (غیر مطبوعہ)
- (۱۰) النجوم، علم نجوم سے متعلق وہ معلومات جن کا جاننا عامل و جبار کے لیے ضروری ہے۔
- (۱۱) اسرار برکاتیہ، آخری تصنیف مبارک، صد ہائے نکات و اسرار پر مشتمل۔ (غیر مطبوعہ)
- (۱۲) تخیل نوری، عربی، فارسی، اردو اشعار کا مجموعہ (جو اوقاتہ نظم ہوئے) (مطبوعہ) نور اور نوری تخلص

نہتہ چند اشعار یہ ہیں:

دور آنکھوں سے ہیں اور دل میں ہے جلوہ ان کا  
ساری دنیا سے فرالا ہے یہ پردہ ان کا

حشر کے غم میں مبارک ہو عدد کو ماتم  
عید ہے ہم کو کہ دیکھیں گے تماشا ان کا

نگاہوں میں سب ہیں جو پردے میں تو ہے  
چھپے سب نظر سے کہ تو رو رو ہے  
موجہ ہیں تورا، اتحادی ہیں طہ  
نہ سب تو ہی تو ہے کہ بس تو ہی تو ہے

دل عشاق میں اے جاں کہیں کیوں نہ ہوئے  
یہ بھی تو عرش ہے تم عرش نہیں کیوں نہ ہوئے  
نام جب دیکھتے ہیں تیرہ خطوں میں عاشق!  
رک رک کرتے ہیں کہ قرطاس ہمیں کیوں نہ ہوئے  
غم فرقت کی بلاؤں میں پھنسا ہے نوری  
حیف صد حیف کہ تم اس کے امیں کیوں نہ ہوئے

خلفاء:

سید الشیخ کے خلفاء چس سے نامزد ہیں، یہاں چند اساذ کر کے جاتے ہیں:

- (۱) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ (۱۲۷۲ھ - ۱۳۴۰ھ)
- (۲) حضرت سید شاہ مہدی حسن برکاتی قدس سرہ
- (۳) سید شاہ ظہور حیدر مارہروی قدس سرہ (۱۸ شعبان ۱۳۳۳ھ)
- (۴) سید شاہ حامد حسن مارہروی قدس سرہ
- (۵) سید ذہن حسن مارہروی قدس سرہ (وصال یکم ربیع الاول ۱۳۴۳ھ)
- (۶) سید شاہ طہیل حسن مارہروی قدس سرہ
- (۷) سید شاہ فقیر عالم مارہروی قدس سرہ
- (۸) حضرت سید محمد میاں اولاد رسول مارہروی قدس سرہ
- (۹) مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ مصطفیٰ رضا بریلوی قدس سرہ

عام حالات:

یہ خاندان عالی بیٹ اہل سنت کے مسلک محقق و پابند رہا ہے۔ اکابر خاندان خصوصاً سیدنا میر عبد الواحد  
بکری قدس سرہ کی تصانیف جلیلہ سیح سائل شریف وغیرہ اس پر روشن وکیل ہیں۔ وہایت تو بعد کی پیداوار ہے۔ اور  
ان کی حلت اتنی عیاں ہے کہ کسی ولی اللہ کا اس سے تعلق ہو ناممکن نہیں۔ بعد کے اکابر خاندان نے اس فرقہ کے رد  
و اہل میں نمایاں کردار انجام دیا ہے۔ خصوصاً فرقہ تفضیلیہ کا رد و تبلیغ اس خاندان عالی کا مبارک شعار رہا ہے۔ جس کا  
ایک باب یہ بھی ہے کہ تفضیلیہ کے بعض شبہات ایسے ہیں جن کا کما حقہ رد ان ہی سادات کرام کا حصہ ہے۔ مثلاً  
تفضیلیہ کا یہ کہنا کہ:

- (۱) ہم اولاد علی ہیں۔ لہذا ان کی محبت فطری امر ہے اور یہ محبت ان کی تفضیل کی مقتضی ہے۔
- (۲) جملہ سلاسل کے مرجع وہی ہیں۔ لہذا سب سے افضل وہی ہیں۔
- (۳) فرزند کو اپنے پدر کی برتری ماننا بجا ہے۔
- (۴) فضیلت نسب وغیرہ وغیرہ

اکابر ہرہ قلدست آشترا دھم جملہ اصول و فروع میں اہل سنت کے بالکل موافق ہیں۔ حتیٰ کہ پیڑ کے  
ہے میں بھی مسلک امام اعظم ہی کے قائل ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں خود شیخ الشیخ تحریر  
فرماتے ہیں: ”دریں زمان مردان اہل سنت و جماعت از محاورات رافضیاں و صحبت ایماں از حال امیر معاویہ وغیرہ  
مجاہد سوہ عنی وادعائیں خود رض علی است۔“

ترجمہ: اس دور میں کچھ اہل سنت و جماعت رافضیوں کی محبت اور ان کی باتوں سے متاثر ہو کر حضرت امیر  
معاویہ وغیرہ صحابی بارگاہ میں سوہ عن رکھتے ہیں۔ یہ خود کھلا ہوا نفل ہے۔  
سید الشیخ نے اس سلسلے میں محبوب الہی حضرت نظام الدین اولیا، بدایونی دہلوی قدس سرہ کی کتاب مبارک  
نور الخواہد شریف سے سند بھی ذکر فرمائی ہے۔ حضرت نے مراسم تعزیر داری کی بھی سخت تردید فرمائی ہے۔ اور اپنے  
جامعہ سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہ کے ارشادات نقل کیے ہیں۔  
یہ حضرات صرف فضیلت شیخین ہی نہیں بلکہ تفضیل سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بھی قائل و معتقد ہیں۔ سید  
الشیخ فرماتے ہیں:

اُن کہ می دانند کہ فضیلت بر ترتیب خلافت است غلط است، بلکہ خلافت بر ترتیب فضیلت است و ہم چنین



واقع شد، یعنی ہر افضل بر غیر خود در خلافت مقدم شد، بدلیل آل کے افضلیت ایشاں بہ ہمیں ترتیب در عہد رسول ﷺ متفق تحقق بود، حالانکہ در اہل زمانہ بیچ کیے از ایشاں خلیفہ نہ بودند۔ پس چوں بہ ترتیب معلوم بعد رسول اللہ ﷺ خلیفہ شدند نظر ہو چوست کہ خلافت بہ ترتیب افضلیت واقع شد۔ نہ آل کے افضلیت بہ ترتیب خلافت باشد۔<sup>(۱)</sup>

ترجمہ: یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ افضلیت بہ ترتیب خلافت ہے غلط ہے۔ بلکہ خلافت بہ ترتیب افضلیت ہے۔ یہی واقع ہوا ہے کہ ہر افضل خلافت میں غیر افضل سے مقدم ہوا، دلیل یہ ہے کہ ان حضرات کی افضلیت رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اسی ترتیب پر تحقق تھی۔ جب کہ ان میں سے کوئی خلیفہ نہ تھا۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ کے بعد یہ لوگ بہ ترتیب معلوم خلیفہ ہوئے تو ظاہر ہوا کہ خلافت افضلیت کی ترتیب پر واقع ہوئی نہ یہ کہ افضلیت خلافت کی ترتیب پر رہی ہو۔

سید المشائخ نے ایک بار اپنے عقائد سے متعلق اشتہار شائع فرمایا۔ جس میں لکھتے ہیں:

"اما بعد فقیر حقیر سید ابوالحسن احمد نورانی الملقب بہ میاں صاحب قادری، برکاتی بخد مت کاؤ نام اہل اسلام خصوص مریدان خاندان و مریدان ذات خاص یہ خطاب کرتا ہے کہ: عقیدہ اس فقیر کا اور اسلاف فقیر کا اور اساتذہ فقیر کا وہی ہے جس کو فقیر ہے سر و پا "عسلی مصطفیٰ" اور "دلیل الیقین" میں ظاہر کر چکا۔ اب جو صاحب کے خلاف اس کے ہوں فقیر ان سے بری ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔ تحریر ۳۴ ربیع الثانی ۱۳۰۳ھ از مقام گجرات، بڑودہ۔"

خدا م سے ارشاد ہوتا: کسی بد مذہب سے دوستی، بری بات اور حرام ہے۔ ان لوگوں کی مجالس مذہبی اور خاص صحبتوں میں ہرگز شرکت نہ کرو کہ کم از کم یہ مورث بدعت و سستی اعتقاد ہے۔ سرائح العوارف میں فرماتے ہیں:

**واجب اول:** صحیح عقائد مطابق مذہب اہل سنت و جماعت کے حق مختصر در اہل سنت، بعزت و جلال خداوندی کے ماو مشائخ کا دساتر اولیائے کرام در ظاہر و باطن و خلوت و جلوت بر مذہب اہل سنت و جماعت بودند ہستند و خواہند بود، ہمہ میں زعم و ہمہ میں بر اہمیت شوم، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ (الخطاب)

ترجمہ: پہلا فرض مذہب اہل سنت و جماعت کے مطابق عقائد درست کرنا کہ حق اسی میں منحصر ہے۔ غلط عز و جل کے عز و جلال کی قسم! ہم اور ہمارے مشائخ اور تمام اولیائے کرام ظاہر و باطن اور خلوت و جلوت میں اسی مذہب اہل سنت و جماعت پر تھے اور ہیں اور رہیں گے۔ اسی پر جہنمیں گے، اسی پر مریں گے اور اسی پر اٹھیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

**اعمال:**  
اس مختصر تحریر میں اعمال کی تصویر کشی سخت مشکل ہے مختصر یہ کہ ظاہر شریعت کی پابندی کے ساتھ طریقت و لوگ کی پابندیوں کے بھی حامل تھے۔ التزام شریعت کی چند مثالیں یہ ہیں:

(۱) وقت بیت نہ کبھی مرید کا ہاتھ چھوتے، نہ کبھی زور دے کر آنے کی اجازت دیتے۔  
(۲) آیات اسلام لکھ کر چراغ جلانے کی اجازت نہ دیتے، تقلید میں صرف اہل اہل و عیال فرماتے۔  
(۳) زبان سرائی کی وہ دعائیں عمل میں لاتے جن کے معانی معلوم ہوں۔ باقی سے ممانعت فرماتے۔  
(۴) بعض مشائخ نے کچھ نفوش خون سے لکھنا جو جو کیے ہیں، سید المشائخ خون سے کبھی نہ لکھتے دیتے، مشک و پودہ پھران سے لکھتے۔

(۵) حمایت عالم سے بہت بیزار تھے۔ حضرت کے مرید خاص مولوی غلام شہر بڑا لونی، علیہ السلام، اپنے ایک چچا کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ وہ غازی آباد ضلع میرٹھ میں ملازم تھے۔ ان پر مقدمہ فوج واری چلا۔ حضرت کی خدمت میں انہیں لے کر پہنچے، ابھی عرض حال کر ہی رہے تھے کہ حضرت لینے سے اٹھ بیٹھے، اور جلال میں فرمایا: تم لوگ کس وقت کوئی ظاہری حکومت مل جاتی ہے تو خدا کو قبول جاتے ہو اور غربا پر سخت ظلم کرتے ہو۔ جب خدا کو ہے اس وقت فقرا کے پاس دوڑتے ہو۔ کیا یہ لوگ خدا کے چڑے ہوئے کو بچا سکتے ہیں؟ کیا یہ کچھ زبان ہلا سکتے ہیں؟ اس معاملہ میں حکم ہو چکا، عالم کو قید ہوگی۔ اب کیا کہتے ہو؟ مولوی غلام شہر صاحب بعد میں حضرت سے اکیلے ملے تو بے غصہ نہ تھا۔ مگر پھر بھی یہی فرمایا: بہت افسوس ہے کہ اس نے غریبوں پر بہت ظلم کیا۔ اور حکم سزا ہو گیا۔ تجو بھی ہوا کہ سخت کوشش کے باوجود سزا ہو گئی۔

دراحدہ موصوف ہی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت کے ایک مرید نے اپنے بعض اہل قرابت کی شکایت کرتے ہوئے درخواست کر ڈالی کہ کوئی ایسا عمل مرحمت ہو جس سے میرے مخالفین کو تکلیف پہنچے۔ فرمایا: تنازع فیہ حلاوت میں ان کا کچھ شرعی حق ہے یا نہیں؟ بولے ضرور ہے، مگر اس پر تمدنی قانون عارض ہے۔ عرصہ سے قبضہ نہیں۔ ان کے ساتھ کمال آیا۔ فرمایا: فقہر عالم کو بھی ایذا دینا گوارا نہیں کرتے۔ چہ جائے کہ صاحب حق کو طلب حق پر لانا چاہیں۔ ہم سے کبھی ایسا سوال نہ کرتا۔

لکھتے ہیں کہ: خدام عاجز نے ہر چند کوشش کی کہ حضرت کا غصہ کم ہو جائے۔ لیکن جب کسی بدبلسے ان کا ذکر وہ انجانان کا وہ سوال یاد آجاتا۔ اور فرماتے: یہ وہی ہیں جنہوں نے ناجائز، خلاف شریعت درخواست کی تھی۔ اور اس



معامد میں ہم سے معاونت چاہی تھی۔ شجکی اس برہی مزاج کا یہ نتیجہ ہوا کہ سائل مذکور تین برس سخت امراض میں مبتلا، محتاج ضروریات، صاحب فراش رہ کر انتقال کر گئے۔

سید المشائخ کو دینی کتابوں کے مطالعہ سے خاص شغف تھا۔ کوئی وقت بے کار نہ جانے دیتے۔ روزانہ اور روزہ اشغال حسب معمول رکھتے۔ خدام کی خبر گیری، سالکوں کی حاجت روائی، مہمانوں کا انتظام، تمام امور بخوبی وقت بہ انجام پاتے۔ رب کریم نے وقت میں کافی برکت رکھی تھی۔ روزانہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور قلیل دائم کو پند فرماتے۔ حافظ قرآن ہونے کے باوجود ہمیشہ دیکھ کر باآواز تلاوت کرتے، حروف و سطور پر انگلیاں بھی چلتی باتیں۔ ہر زبان، آنگھ، کان، ہاتھ، سب برکت تلاوت سے بہرہ ور ہوتے جاتیں۔ سہولت کے لیے ۲۳ منزلیں مقرر فرمائی تھیں۔ تاکہ روزانہ کچھ ہوتا رہے۔ پاروں کے بجائے سورتوں پر تلاوت ختم کرتے۔ سورۃ اعراف تک ایک ایک حصہ بہ منزل کرتے پھر انفال و توبہ، پھر دو چار سورتوں کی ایک ایک منزل، پھر سورۃ قیامت سے آخر قرآن تک ایک منزل۔<sup>(۱)</sup>

اطوار طریقت میں بھی چند نمایاں باتیں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) اخفائے حال حد درجہ تھا۔ تعلیم و ہدایت کے لیے اگر تذکرہ کرتے تو اس طرح کہ عام سامعین سمجھنے کی دوسرے کا ذکر ہے مگر راز آشنا خدام اکثر سمجھ جاتے کہ خود اپنا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں: سرمدین حضور خاتم الاکابر قدس سرہ میں اس شخص کو جانتے ہیں کہ وہ نتیجہ شغل میں اپنے جسد کو بے روح معاینہ کرتا۔ اور فلاں شغل کے زمانہ میں اس کو عالم ناموس اس قدر تنگ اور مختصر نظر آتا کہ اگر چاہے ایک شت دست میں لے لے۔

(۲) توحید میں حسب صوفیہ کرام وحدت وجود کے قائل تھے۔ لیکن فرماتے یہ مسئلہ حالی ہے کالی نہیں۔ بطور قائل وحدت شہود والوں کا مسلک خوب بیان ہو سکتا ہے البتہ اتحاد کے منکر تھے اور اتحادیوں سے بیزار۔ فرماتے ہیں:

موصد ہے نور، اتحادی ہے طم  
نہ سب تو ہی تو ہے کہ بس تو ہی تو ہے

(۳) ہمہ وقت یاد الہی سے دل کو آباد رکھنا، فرماتے ہیں:

ہم ایم یاد الہی مشغول باشند، از خدا بجز خدا طلب نہ کنند، چون خدا را یافت ہمہ اشیا را یافت۔ یک لمحہ از یادو تعالیٰ غافل نہ مانند۔ ”ترجمہ: ہمیشہ خدا کی یاد میں مشغول رہیں، اور خدا سے صرف خدا کو طلب کریں۔ جب خدا کا لباس پالیا۔ ایک لمحہ بھی یاد الہی سے غافل نہ رہیں۔

(۴) مرامی بقضا ہوتا: اپنے مرید خاص مولانا غلام مجتہد ایوبی کے نام ایک خط میں بڑودہ سے تحریر فرماتے ہیں: میں سال خراج میں ہمارے خاص اعزہ تھے، حضرت پھو بھی صاحب کرم، خالہ صاحبہ محترمہ، بشیرہ صاحبہ، یہ اب سال مبارک میں مقامات متبرکہ میں انتقال کر گئیں۔ رضینا بقضاء اللہ تعالیٰ، ہم یکہ و تہا ہیں۔ ”بڑا بے درفش ہے۔ دعا کرو انجام بخیر ہو۔

### تصرفات و کرامات:

حضرت سید المشائخ قدس سرہ کو اگرچہ ہمیشہ اخفائے حال منظور و ملحوظ تھا۔ مگر کچھ حالات و اسباب ایسے برحق ہوتے ہیں کہ کرامات و تصرفات کا انکشاف ناگزیر ہو جاتا ہے۔ یہ طور نمونہ صرف دو واقعے درج کرتا ہوں:

پاکیزہ ناصر خان مارہروی کسی موضع میں بسلسلہ علان تشریف لے گئے تھے۔ ایک شخص نے ان کے یہاں حاضر ہو کر کہا: قریب ہی ایک موضع میں ایک مریض کی حالت سخت خراب ہے آپ چل کر دیکھ لیں۔ معقول فیس بھی دے گا۔ ڈاکٹر صاحب اس کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔ چند کوس چلنے کے بعد کنارہ دریا پر واقع ایک وحشت ناک جنگل میں پہنچے۔ شخص مذکور نے یہاں تھم کر آواز دی اور فوراً دو شخص لائیں لے ہوئے آگئے۔ تینوں مدعا شوں نے چاہا کہ ڈاکٹر صاحب کا سامان اور نقد چھین لیں اور قتل کر کے دریا میں ڈال دیں۔ ڈاکٹر صاحب کو سخت خوف لاحق ہوا، قریب اہوت ہو گئے۔ حضرت سید المشائخ قدس سرہ کو دل میں یاد کر کے استغاثہ کیا کہ اللہ مدد فرمائیے۔ اس خیال کے ساتھ ہی دیکھ کر حضرت ایک جانب سے تشریف لائے اور اشارہ فرمایا: گھبراؤ نہیں ہم آگئے۔ حضرت کے آنے سے وہ تینوں رہنے ہو گئے۔ اب ڈاکٹر صاحب پریشان تھے کہ اس اندھیری رات میں کہاں جاؤں۔ ارشاد ہوا: ہمارے ساتھ چلے گا تو کوئی دیر میں اسی آبادی کے قریب پہنچ گئے جہاں سے وہ مدعا ش ابادی کے قریب پہنچ کر حضرت نے لایا تم آبادی میں چلو اور خود علیحدہ ہو گئے۔ انھوں نے خیال کیا کہ شاید رفع حاجت کے لیے ٹھہرے ہیں۔ راستہ پر رستہ واقعہ کے سبب حضرت سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ گاؤں میں پہنچ کر سخت بخار اور فحش میں مبتلا رہے۔ ہمارے دن وہاں سے روانہ ہو کر اپنے گھر بار پرہ شریف پہنچے۔ معلوم ہوا کہ آج صبح سے کئی بار حضرت کے خادم آکر ہیئت کر گئے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب آئے یا نہیں۔ یہ بھی حکم ہے کہ آنے کے بعد فوراً خدمت اقدس میں حاضر ہوں۔ جب ہم حاضر خدمت ہوئے۔ اور قدم بوس ہو کر خاموش کھڑے ہو گئے۔ حضرت نے متسمانہ ارشاد فرمایا: الحمد للہ آپ ہم پر گھبراؤ نہیں۔ یہ بات قابل تذکرہ نہیں۔ عرض کیا اگر یہ قصہ اپنے دوستوں سے نہ ہوں گا مگر جاؤں گا۔ فرمایا جب ہم ہر ہر سے چلے جائیں مختصر کہنا۔ یہ تمہارا اعتقاد اور حضرات پیران سلسلہ کا کرم تھا۔

ایک بار شاہ جہاں پور حضرت سید المشائخ کی تشریف آرائی ہوئی۔ ایک خادم کے مکان پر دعوت تھی۔ قریب ہی قاضی محمود رضا شفیق کا مکان تھا۔ یہ صاحب شاہ جہاں پور میں وکالت کرتے تھے۔ حضرت کی دعوت کا معلوم کر کے مشائخ پر طعن کیا۔ اور ان کے تصرفات سے منکر ہوئے۔ یہ بات حضرت تک پہنچی تو وکیل مذکور کو لاکر ارشاد فرمایا: ہر چند کہ ہم میں قابلیت نہیں لیکن بزرگ خاندان سے منسوب ہیں۔ کہو کیا چاہتے ہو؟ انھوں نے فکرت آمد اور کثرت خرچ کا حال ذکر کر کے خرچ نہ چلنے کی شکایت کی۔ فرمایا: لہذا یہ نقش کھدواؤ۔ یہ چراغ اس ترکیب سے جلاؤ، یہ پڑھو۔ تعمیل حکم پر ان کی آمدنی بڑے بڑے وکلا سے بڑھ گئی۔ اور چراغ ابال ہو گئے۔

کچھ دنوں بعد مطمئن ہو کر وظیفہ چھوڑ دیا۔ اور چراغ بانڈھ کر اندرونی دالان کے اندر ایک بلند طاق پر رکھ دیا۔ ایک دن علی الصبح ایک کوآیا اور دالان میں جا کر چراغ اٹھا لے گیا۔ ان کے کام کا وہی پہلے ساحال ہو گیا کہ عرصہ بعد سید المشائخ پھر شاہ جہاں پور میں رونق افروز ہوئے۔ تو وکیل مذکور حاضر ہو کر کمال تواضع اس نقش کے طالب ہوئے، حضرت نے فرمایا: الحمد للہ تم نے اکابر ہرہ کا تعارف دیکھ لیا۔ تم نااہل ثابت ہوئے اس لیے ہم معذور ہیں۔

### اخلاق حسنہ:

سید المشائخ قدس سرہ کی سیرت میں یہ باب بہت وسیع ہے۔ اور حالات زمانہ کے پیش نظر اس کا تفصیل ہے کہ اسے تفصیل سے بیان کیا جائے۔ لیکن یہاں اس کی گنجائش نہیں۔ مختصر یہ کہ اعمال کی طرح اخلاق میں بھی التزام سنت آپ کی فطرت ثانیہ تھی۔ مساکین پر رحم، غربا کی قدر، امرا سے استغناء، سخاوت کا کمال، نخل سے ملال، مالِ متعلیٰ کا خیال وغیرہ اخلاق حسنہ کے جامع تھے۔ تبرکات و تعلیمات چند واقعات بھی لکھے جاتے ہیں:

مذہب و ہدیہ میں جو کچھ آتا صرف ہو جاتا۔ کبھی جمع کر کے نہ رکھتے۔ موروثی مکان کے حصہ سے دست بردار ہو گئے۔ فرمایا: ہمارے قیام کو خانقاہ شریف کافی ہے۔ کسی جگہ خود کوئی مکان تعمیر نہ کیا۔ ایک سوداگر نے ایک عمدہ گھڑی خریدی۔ صاحب زادہ صاحب کو پسند آئی مگر سوچا کہ دوسرے وقت مانگ لوں گا۔ شام کو حضرت سے دریافت کیا، گھڑی کہاں ہے؟ فرمایا: وہ تو دے دی۔ تم نے اسی وقت کیوں نہ لے لی۔ اس طرح کے واقعات روزانہ پیش آتے۔ کبھی کچھ ذخیرہ نہ کرتے۔ غربا کی ہم نشینی محبوب تھی۔ جو شفقت و بے تکلفی ان کے حصہ میں آتی امرا اس سے محروم تھے۔ قبول دعوت میں امرا پر غربا کو ترجیح ہوتی۔ فرماتے: ہمارے فلاں خادم نے بڑے خلوص و کوشش سے سامان کیا ہے اس کی دل شکنی اور نقصان ہو گا۔ خاندان کے مرید امرا ہمیشہ کوشش کرتے کہ حضرت ان کے مکان پر رونق افروز ہوں۔ لیکن ان کے یہاں تشریف آرائی کا اتفاق بہت کم ہوتا۔ جن امرا کو بیعت نہ ہوتی ان کے یہاں نہ

ہوتے ان کا ذرا نہ قبول کرتے۔

ہوتے ان کا ذرا نہ قبول کرتے۔  
خاندان پر کاتبیہ کے درباریہ سید سردار علی خاں صاحب کے یہاں مبینی میں ۱۹۳۰ء/ ۱۴۰۲ء میں سید المشائخ نامہ لکھتے۔ سید صاحب نے عرض کیا: بزرگانِ مہرہ کے تصرفات میں نے بہت سے ہیں لیکن آنکھوں سے بھی حضور نظام بادشاہ دکن (میر محبوب علی خاں متوفی ۱۱۱۱ھ) میرے والد مرحوم اور مجھ سے ناخوش دیکھا جاتا ہوں۔

میر سے میری استدعا ہے کہ وہ بھی تشریف لائیں اور میرے مکان پر ٹھہریں، میری خطا معاف کریں۔ تب آپ نے فرمایا ہم نے کب آپ سے کہا کہ ہم کچھ کر سکتے ہیں۔ ہم کو یہ دعویٰ ہی نہیں۔ سید صاحب مصر ہوئے تو حضرت نے فرمایا ہم نے کب آپ سے کہا کہ ہم کچھ کر سکتے ہیں۔ اس میں کوئی تعجب بھی نہیں کیوں کہ وہ اکابر و سزا کرتے ہیں۔ یہ بھی بعید ازباہل ممکن ہے کہ وہ بھی تشریف لائیں۔ اس میں کوئی تعجب بھی نہیں کیوں کہ وہ اکابر و سزا کرتے ہیں۔ یہ بھی بعید نہیں کہ آپ کے مکان پر ٹھہریں۔ آخر آپ بھی معزز متوسل سلطنت ہیں۔ کچھ انتظار کیجیے۔ لیکن ضرور ہے کہ اگر کام بحرف لائے اور آپ کے حسبِ مراد نتیجہ نکلا تو ہمارے ایک خادم کی سفارش کر دیجیے گا۔ سید صاحب نے وعدہ فرمایا۔ چند روز کے بعد سید صاحب کے نام بادشاہ دکن کا تار آیا۔ معلوم ہوا ہے کہ ہندوستان کے کوئی بزرگ تمہارے زلیلا پند روز سے تشریف فرما ہیں۔ تم انھیں لے کر فوراً حیدر آباد پہنچو۔ سید صاحب نے تار حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا۔

روانہ فرمایا: جواب دو، فقیر کو حیدر آباد حاضری کی کوئی ضرورت در پیش نہیں۔ جلد وطن واپس کا قصد ہے۔ یہ جواب دیکھ کر پہنچا تو وہاں سے دوسرا تار آیا کہ ہم خود بھیجی آتے ہیں۔ حضرت کو متمم رکھو۔ نظام فوراً آئینٹل ٹرین سے بننے کے لیے روانہ ہو گئے۔ جب سید صاحب کو اطلاع روڈنگی کا تار ملا تو پورے مطمئن ہو گئے۔ اور سید المشائخ سے کہے ہوئے وعدے پر فوراً کرنے لگے۔ آخر یہ قصد کیا کہ حضرت کو کیا خبر ہوگی۔ عرض کر دوں گا کہ میں نے کہہ دیا۔ دس دن تار پہنچا کہ حضور نظام بھیجی کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ لیکن فلاں آئینٹل ٹرین حیدر آباد کو واپس ہو گئے۔ یہ معلوم کر کے سید صاحب بہت مایوس ہوئے اور حاضر ہو کر عرض حال کیا۔ سید المشائخ نے دلائل فرمایا سید صاحب! فقیر کو آپ کی معاونت درکار نہیں۔ لیکن حال معلوم ہو گیا، خیر چننے اور انتظار کیجیے، کام خود بخود ختم ہونے لگے۔

کچھ وقفہ کے بعد نظام تشریف لائے۔ اور سید صاحب کے اسی مسافر خانہ میں ٹھہرے جس میں سید المشائخ ٹھہرتے تھے۔ دوسرے دن بادشاہ نے ایک مصاحب کے ذریعہ خدمتِ اقدس میں استدعا بھیجی کہ سلام کو حاضر ہونا چاہتا ہوں، تفریق کی ضرورت ہے۔ حضرت نے جواب دیا فقیر ہر وقت تجلہ میں ہے۔ میرے یہاں حاجب و دربان کی نہ کہنے والے کے لیے روک ٹوک ہے ہر شخص کو اجازت ہے۔ جس وقت چاہیں تشریف لائیں۔ نظام آئے بلال! اب ملے اور حضرت کے پائیں چار پائی پر بیٹھے۔ حضرت نے کرسی طلب فرمائی اور یہ کہہ کر باصرہ اس پر بٹھایا

کہ آپ سلطان اسلام ہیں۔ ہر مسلمان کو آپ کی عزت کرنا ضروری ہے۔ مزار پر کسی وغیرہ کے بعد نظام نے عرض کیا۔ میں حضور کو حیدر آباد چلنے کی تکلیف دینا چاہتا ہوں۔ فرمایا: مجھ کو وطن میں کچھ ضرورتیں ہیں۔ اس وقت معذور ہوں۔ فرمائیں کہ اس تکلیف سفر کی وجہ اور فقیر سے کیا غرض ہے؟

نظام نے عرض کیا کہ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ خانوادہ برکاتیہ میں دعائے سیف الرحمن ہے اور حضور اس کے حاتم ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اجازت دعا مرحمت ہو۔ فرمایا: یہ سچ ہے کہ میرے گھر میں دعائے سیف الرحمن ہے اور مجھ سے مجھ کو اجازت ہے، اور میں پڑھتا ہوں۔ لیکن یہ چیز فقرا کے کام کی ہے، بادشاہوں کے لائق نہیں۔ دعا ترک خلافت چاہتی ہے اور آپ کے دامن دولت سے ایک عالم وابستہ ہے۔ تاہم مجھ کو دعا کی اجازت دینے میں کوئی عذر نہیں۔ اگر صرف اجازت قراءت درکار ہے، میں اجازت دیتا ہوں آپ پڑھیے۔ اگر باقاعدہ اجازت عمل مطلوب ہو تو آپ کو تکلیف ہوگی۔ اس دعا کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ طالب، اجازت دینے والے کے پس پشت کھڑا ہے۔ یہ سن کر حضور نظام فوراً حضرت کے پس پشت کھڑے ہو گئے۔ سید المشائخ نے دعا تک میں سے دعائے سیف الرحمن نکال کر قراءت فرمائی۔ درمیان قراءت بادشاہ کو عرشہ پیدا ہو گیا تو زوی دیر بیٹھ گئے۔ پھر بادشاہ کھڑے ہو گئے۔ حضرت نے دعا ختم کر کے حسب قاعدہ خرقہ کے ساتھ حضور نظام کو مرحمت فرمائی۔

بادشاہ نے آداب عرض کر کے شکر بھی ادا کیا اور ایک بڑی شاندار نذر پیش کی۔ حضرت نے ارشاد فرمایا: میرے آباؤ اجداد قدس سرہ اراکم مریدوں سے نذر لیتے تھے۔ اور میں بھی لیتا ہوں۔ لیکن آپ مرید نہیں۔ اور آپ نے مجھ سے دعائے یمانی (اسی دعا کا ایک نام یہ بھی ہے) کی اجازت لی ہے۔ فقیر دعا کو فروخت نہیں کرتا۔ اب یہ قیمت دعا ہو جاتی ہے۔ اگر طلب دعا سے پہلے فقیر کو کچھ مرحمت ہوتا، عذر نہ ہوتا کہ شاہان اسلام فقرا پر مہربانیاں کرتے اور ان کے مصارف کی کفالت فرماتے رہے ہیں۔ لیکن میں اس شاہانہ عطیہ کے قائل نہیں ہوں اور نہ اس کی ضرورت ہے۔ البتہ فاقہ کا اگر شرط اجازت ہے۔ اپنے خادم سے فرمایا: شرعی حاضر ہو گئی۔ حضرت نے فاتحہ کی اور اس میں سے ایک حصہ سلطان کو بھی مرحمت فرمایا۔ حضور نظام نے بکمال ادب و اخلاص حصہ لیا اور اسی وقت تناول فرمایا جو قلعہ دستور سلطنت کے خلاف تھا۔

اس واقعہ سے کئی سبق حاصل ہوتے ہیں:

(۱) بادشاہ دکن میر محبوب علی خان نظام حیدر آباد کو سلطنت اور علوم مرتبت کے باوجود مشعل کرام کے ساتھ حذر و جد اخلاص و ادب ملحوظ تھا۔

(۲) انھوں نے ایک فقیر کی بارگاہ میں حاضری دی تو آج کے لوگوں کی طرح کسی دنیاوی غرض کے طالب نہ

بہت دیکھ نہیں دعا کے طالب ہوئے۔

(۳) اپنے دولت کدہ پر سید المشائخ کی حاضری کے لیے مصر نہ ہوئے بلکہ ضرورت تھی تو خود حاضر ہو گئے۔

(۴) سید المشائخ کو درباروں کی حاضری سے گریز تھا۔

(۵) غیر مرید سے نذر قبول نہ فرمائی۔

(۶) نظام کی آمد، دواہی، پھر آمد وغیرہ میں حضرت کے تعارف کو ضرور دخل تھا۔ ہاں ہمہ اخلاص حال کے ہے حتی الامکان کو شاکر رہے۔

(۷) سید سردار علی خاں رئیس بمبئی کے اخلاص کا امتحان ہو جانے کے باوجود انھیں نظر انداز نہ کیا بلکہ معاف فرمایا کی اسے عاہوری کی۔ اور نظام سے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ سید سردار علی خاں جو آپ کا نمک خوار قدیم ہے ان کی خطا معاف کی جائے۔ حسب حکم حضور نظام نے خطا معاف کر کے انھیں اپنی ملازمت میں لے لیا۔

ضروری نوٹ: مسترشد کی عظمت سمجھنے میں عظمت مرشد کی معرفت بھی درکار ہوتی ہے۔ اسی لیے براہِ اول مولانا عبدالحسین نعمانی زیر فضلہ و فیض رکن الجمع الاسلامی مبارک پور و صدر المدینہ دار العلوم قادریہ بیروت نے راقم الحروف سے تذکرہ سید ابوالحسن احمد نوری کے عنوان پر کچھ لکھنے کا حکم دیا۔ انھوں نے مجھے فرصت

بہت کرائی ہے۔ اور وقت میں برکت کا بھی وہی حال معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ ہفتہ عشرہ بدایوں، اور بارہ ہفتہ شریف میں بزم کر کے خود حضرت سید المشائخ کی تصنیفات اور دیگر مراجع و آخذ سے استفادہ کرتا تو اس مضمون کی شان کچھ اور ہی ہوتی۔ سلسلہ کے کوئی فاضل اس طرف توجہ کرے اور جدید طرز پر ایک ضخیم سوانح مرتب کرے، تو ان کا بزرگرم ہو گا۔

چند باتیں کرنے والے اپنے مقالہ تحقیق کا موضوع حضرت سید المشائخ اور اکابر ہرہ کی شخصیات کو منتخب کر کے تو یہ کام آسانی سے ہو سکتا ہے۔ میں نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس میں خاندانی حالات سماج العلماء حضرت مولانا سید محمد

ہاشمی، مولانا ہمدانی، مولانا قدس سرہ کی اصح التواضع (۱۳۳۷ھ) سے اور سید المشائخ قدس سرہ کے حالات ان کے قریبی ملام نظام خیر بدایوں کی ”نور مدائح حضور“ سے ماخوذ ہیں۔ یہ کتاب پروفیسر محمد ایوب صاحب کے تحشیہ و

تقدم سے ۱۹۶۸ء میں مکتبہ علویہ رضویہ کراچی سے پہلی بار تذکرہ نوری کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ وہی نسخہ راقم کے

تھا غرض کہ جہاں تک ہو سکا اختصار دراختصار کی کوشش کی ہے۔ اصل مقصود عام قارئین کی تعلیم و افادہ ہے۔ خدا

نسبہ بخیر بر آئے اور یہ تعمیر کاوش بارگاہ کریم میں با قبول پائے۔ آمین

## صدر العلماء علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی<sup>(۱)</sup>

حضرت ممدوح کو صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ حاصل ہے، آپ کے جلیل القدر رفقاء درس میں چند نمایاں حضرات کے اسلئے گرائی یہ ہیں:

- ۱۔ ابو الفضل مولانا سردار احمد گورکھ پوری علیہ الرحمہ محدث اعظم پاکستان
- ۲۔ ابو الفیض حافظ ملت مولانا عبدالعزیز مراد آبادی علیہ الرحمہ، شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ مہارک پور
- ۳۔ مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمن قادری علیہ الرحمہ، رئیس اعظم اڑیسہ
- ۴۔ شمس العلماء مولانا قاضی شمس الدین احمد جعفری جو پوری علیہ الرحمہ
- ۵۔ شیخ العلماء مولانا غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ
- ۶۔ خیر الادکیاء مولانا غلام یزدانی اعظمی علیہ الرحمہ
- ۷۔ مفتی اعظم کانپور مفتی رفاقت حسین مظفر پوری علیہ الرحمہ
- ۸۔ مولانا محمد سلیمان اشرفی بھاگل پوری علیہ الرحمہ
- ۹۔ مفتی عبدالرشید خاں فتح پوری علیہ الرحمہ

میں یہاں حضرت ممدوح علیہ الرحمہ کی کچھ وہ خوبیاں ذکر کروں گا جن میں آپ کے رفقاء درس بھی شریک ہیں اور کچھ وہ جو خاص آپ سے تعلق رکھتی ہیں۔

(۱) حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے استاذ مولانا ہدایت اللہ خاں رام پوری کو علامہ فضل حق خیر آبادی سے شرف تلمذ حاصل تھا اور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے استاذ حدیث حضرت مولانا موسیٰ احمد محدث سہرنی علیہ الرحمہ کا سلسلہ حدیث دو واسطوں سے مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ تک پہنچتا ہے۔ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو ادرات اور خلافت و اجازت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ سے حاصل تھی اور فتویٰ نویسی اعلیٰ حضرت ہی سے سیکھی تھی۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا ایک سلسلہ تلمذ بحر العلوم علامہ عبد العلی فرنگی علیہ الرحمہ سے

(۱) صدر العلماء محدث میرٹھی، حیات و خدمت، جلد اول، ادارہ ترویج و اشاعت مسجد نبویہ اسلام پورن، ۱۳۳۳ھ/۲۰۱۰ء

جی تھا ہے، اس لحاظ سے صدر الشریعہ کی ذات تیرہویں صدی ہجری کے تینوں علمی مراکز خیر آباد، دہلی اور فرنگی علی کا علمی اور ان کے خلفاء ان تینوں اسکولوں کے علمی فیضان سے بہرہ ور تھے۔

(۲) صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس وقت جو نصاب درس رکھا تھا اس میں تینوں اسکولوں کا عکس صاف دیکھا جاتا تھا۔ صحاح کی تعلیم کے ساتھ فن حدیث کے نکات اور احادیث کریمہ سے مستنبط فقہی مسائل پر مدہ چاند دیکھ کر حلقہ بندی تھی۔ فقہ میں ہدایہ کی چار جلدیں مکمل پڑھائی جاتی تھیں۔ معقولات کی بھی بہت ساری کتابیں پڑھائی جاتی تھیں مثلاً مسلم العلوم اور اس کی شرح طاحسن، حمد اللہ، قاضی مہارک وغیرہ، اسی طرح رسالہ میرزا، طاحسن، طاب نصاب، دوانی کے حواشی قدیمہ و جدیدہ، فلسفہ میں صدر شمس بازفہ، پھر امور عامہ، تحریر اقلیدس اور خیالی، شرح مہافت، شرح مقاصد، حواشی طاب عبدالغفور وغیرہ شرح جاتی۔ الغرض مختلف علوم و فنون کی فہمی اور مشکل کتابیں پڑھائی جاتی تھیں اور نام سے بھی موجود طلبہ اور علما کم ہی آتا ہوتے ہیں۔ پھر ان کتابوں کی جتنی مقدار پڑھائی جاتی تھی ان کے دور میں اس کا تصور بھی مشکل ہے۔ جو طلبہ ایک سال میں قدوری فہم نہیں کر پاتے اور جو ساتہ چھ ماہ میں جی بڑھاتا تو کیا فہم مکمل نہ کر سکتے ان کے لیے یہ اندازہ لگانا انتہائی دشوار ہے کہ اب سے بچتر (۷۵ سال) پہلے ہدیہ مشکاوت اور جلالین جیسی ضخیم کتابیں پوری کیسے پڑھی پڑھائی جاتی تھیں۔

غور کیا جائے تو اب اس نصاب کی نصف کتابیں رہ گئی ہیں اور مقدار تعلیم کے لحاظ سے نصف کا نصف بلکہ جہز بہرہ کار راج (چوتھائی حصہ) بھی باقی نہ رہا۔ اس کے ساتھ اپنے زمانے کی جدوجہد یہ ہے کہ نصاب کی کچھ چیزیں کم کر کے عصری علوم سائنس، حساب، جغرافیہ وغیرہ کو شامل کیا جائے۔ اس تجویز پر کسی حد تک عمل بھی ہوا ہے خرمشاہک جادی ہے۔

علامہ القاب ان حضرات کے ساتھ بھی لگا ہوا تھا اور آج کے فارغین کے ساتھ بھی یہی ناٹل لگا ہوا ہے۔ بلکہ ہل کے معاملے میں ہم ان سے بہت آگے جا چکے ہیں۔ اُس وقت ”مولوی“ کہنے میں بھی اعزاز سمجھا جاتا تھا مگر اب یہ ناطل کو مولوی فلاں کہہ دینا تو وہ لہجہ حقیر سمجھے گا۔ انجیوں کے اناؤنس سینے تو ہر کس دناکس کے لیے مولانا کے ساتھ ہر کس ہندوستانی دے گا کیوں کہ اس کے بغیر اکرام و اعزاز میں کمی کا فہم ہونے لگتا ہے۔ لیکن پہلے دور کا کوئی عالم ان الفاظ کو کہنے کو ”مولوی“ ماننے کے لیے بھی تیار نہ ہوگا۔ اگرچہ بزم خویش کوئی ”علامہ“ سے کم نہیں۔

بہن بھئیے یہ دکھانا مقصود ہے کہ حضرت ممدوح علیہ الرحمہ کا جو دور تعلیم تھا وہ اتنا بلند و بالا تھا کہ اس دور کے فلاں اس کا صحیح اندازہ بھی مشکل ہے۔



(۳) حضرت ممدوح اور ان کے رفقاء کرام علیہم الرحمہ میں دہلی، خیر آباد اور فرنگی محل کی درس گاہوں سے فیوض اور ان کی خصوصیات جمع تھیں اور آج نظر اٹھا کر دیکھیے تو پاک و ہند اور بنگلہ دیش کی درس گاہوں میں اکثر مشہور دینی ملیں گے جن کا علمی سلسلہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے ان ہی خلفاء تک پہنچتا ہے۔ اس لحاظ سے میں کہتا ہوں کہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی علمی درس گاہ سے ان رفقاء کرام کی جماعت ایسی باکمال اور بافیض نکلی جس نے اپنے استاد ان کے علمی سلسلوں کا فیضان ہر طرف عام کیا اور اس دور اغلاط میں بھی دینی علوم کی آبرو بقی رکھی۔ آج درمغیر سے بہر بھی جو دینی اداروں اور تنظیموں کی چیل چیل نظر آ رہی ہے وہ ان ہی حضرات کی کیا اثر نگاہوں کا ثمرہ ہے۔ اب آئیے ہم خود حضرت ممدوح علیہ الرحمہ کی کچھ خصوصیات پر نظر ڈالیں۔

(۱) مجھے یاد آتا ہے کہ مبارک پور میں دارالعلوم اشرفیہ کا جلسہ دستار بندی تھا، حضرت ممدوح بھی مدعو تھے اور ان کے رفیق درس مولانا محمد سلیمان اشرفی بھاگل پوری، سابق استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور بھی۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ کے زمانے میں امتحان سالانہ کے لیے ان رفقاء کرام میں سے دو تین حضرات ضرور مدعو ہوتے تھے بلکہ کبھی زیادہ بھی ہوتے۔ مولانا محمد سلیمان اشرفی علیہ الرحمہ نے رات کے اجلاس میں ایک مختصر تقریر کی جس میں انھوں نے فرمایا کہ بیٹے مولانا سید احمد اشرف کچھ چھوٹی عمر پر حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے متعلق فرماتے تھے کہ ”یہ علم کی لائبریری ہیں۔“ اور اب میں مولانا غلام جیلانی صاحب کے متعلق کہتا ہوں کہ ”یہ علم کی لائبریری ہیں۔“

مولانا سید سیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ نے صدر الشریعہ کے نام اپنے ایک مکتوب ۲۰ جون ۱۹۳۲ء میں لکھا ہے: ”اس وقت سنی حق کی کوئی مدرسہ ایسا نہیں ہے جو معقول و منقول صحیح استعداد کے ساتھ پڑھا سکتا ہو، میرے علم میں مولانا (وصی احمد) محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور استاد (مولانا ہدایت اللہ رام پوری) علیہ الرحمہ کے آپ ہی یاد گار ہیں۔“

مولانا سید سلیمان اشرف علیہ الرحمہ بڑے بڑے کج گلاہوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اگر حدیث و فقہ کے کسی معرکہ الاراء مسئلہ میں بحث ہو رہی ہے اور کوئی تاریخ داں ”علامہ“ درمیان میں بول پڑے تو منہ پر لاٹھک کہہ دیتے کہ ”آپ سیرت اور تاریخ دیکھیے، یہ مسئلہ آپ کے بولنے کا نہیں۔“ اس لحاظ سے صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے متعلق ان کا جملہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اسی طرح حضرت ممدوح علیہ الرحمہ سے متعلق ان کے ایک رفیق درس کا جملہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ دارالعلوم فیضیہ نظامیہ بارہاٹ، بھگل پور کے ایک اجلاس میں حافظ ملت نے مولانا محمد سلیمان بھگل پوری علیہ الرحمہ کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا تھا: ”یہ ایک تبحر اور زبردست عالم ہیں، انھوں نے

بڑے بڑے علمی حلقوں میں وہ آج کے لوگوں نے دیکھی بھی نہیں ہیں۔“ ضلع کے عوام تو انھیں بس ایک مولانا اور ایک زمین دار دیکھ کر ہی حیرت سے جانتے تھے لیکن ان کی امتیازی حیثیت سے حافظ ملت نے لوگوں کو روشناس کرایا اور یہ کچھ بتایا۔ یہ پچیس سال پہلے کی بات ہے۔

معاصرین کی شہادت بجائے خود بڑی اہمیت رکھتی ہے اس لحاظ سے مولانا بھاگل پوری کے ارشاد کی روشنی میں اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت ممدوح کو علم و فن سے کیسا شغف اور کیسا زبردست علمی استغفار تھا کہ انھیں ”عظمیٰ شہادت“ کہہ سکتے اور بجا نظر آیا۔

(۲) حضرت ممدوح نے جو کتابیں لکھی ہیں وہ آپ کے علمی تحریر کا چھٹا جانتا ہوتا ہے۔ بخاری شریف کی صرف باب بدو الوحی کی شائع ہوئی ہے اور تقریباً ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں مختلف علوم و فنون کے موضوعات پر بحث ہے۔ ساتھ ہی عربی زبان میں فیض الباری کا زبردست علمی تعاقب بھی ہے۔ فنِ نحو میں آپ کو کلامت کا بڑا مہارت تھا۔ بشیر الکاظمی، بشیر الناجیہ اور البشیر کے ذریعہ آپ نے اس فن کی جتنی بھادھمت انجام دی ہے اور جتنی حقیقت پرکاش کی ہیں جو عام متداول کتابوں میں نظر نہیں آتیں، ساتھ ہی مدرسہ دیوبند کے بلند پایگانہ منہجین کی جو غمخیزی کی ہے وہ ان منہجینوں کے علمی افلاس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

عوام کے لیے لکھی ہوئی کتاب ”نظام شریعت“ بھی اچھا ایک خاص رنگ رکھتی ہے۔ مسائل کی تفہیم کے ساتھ ساتھ اس کا سادہ و سلیس اسلوب بھی دل چسپ ہے۔

(۳) سنائی کتب خانہ کے ذریعہ آپ نے جتنی قیمت اشاعتی کام انجام دیا ہے۔ فلسفہ قدیم کے رد میں امام محمد باقر مرہ کا رسالہ ”الکلمۃ الملہمۃ فی الحکمۃ المحکمۃ لؤہاء فلسفۃ المشئمۃ“ ۱۳۱۸ھ بمطابق ۱۹۰۰ء کی بارہی کتب خانے سے شائع ہوا۔ اس کتاب نے فلسفہ کی دھجیاں کھیر دی ہیں۔ زبردست محقق اور مدبر علامہ شبیر احمد خاں غوری نے اسے عہد حاضر کا ”تہافت الفلاسفہ“ قرار دیا ہے۔ مگر اس میں بے شمار غلطیاں بھی ہیں جو رد فلسفہ کی قدیم کتابوں میں دستیاب نہیں۔ ابطال جزء لاجتزی پر فلاسفہ کی بیشتر دیلوں سے مذکور تفسیر خاموش نظر آتی ہیں۔ خاص طور پر ان کے براہین ہندسیہ کا کوئی جواب نہ دیا گیا، لیکن ”الکلمۃ الملہمۃ“ نے ہندی، غیر ہندی کوئی دلیل سلامت نہ رکھی اور ایک ایک کر کے ساری دیلوں کو باطل کر دیا۔

فنونِ رضویہ دوم، انوار آفتاب صداقت، الصبح المنیر، کفایۃ المتحفظ وغیرہ بہت سی علمی کتابیں آپ نے شائع کیں، یہ اس دور کی بات ہے جب کتابت، طبعات، اشاعت کی راہ میں دشواریاں آج کی ج



نسبت کی گنا زیادہ تھیں اور پورے ملک میں وہ چار کتب خانے تھے جو اپنی چند کتابوں پر قانع اور زیادہ اشاعت سے قاصر تھے۔ خریداری کافی صد بھی افسوسناک حد تک کم تھا۔

(۴) مدرسہ سمنانی میرٹھ میں آپ صدر المدرسین تھے اور فتنی کتابوں کا درس دیتے تھے، مگر طلبہ کو دستہ فضیلت یا سند فضیلت دینے میں بڑے سخت اصول پر کاربند تھے۔ پورے دور تدریس میں شاید دو بار آپ نے فارغین کو دستار دی ہے۔ وہ یہ فرماتے تھے کہ جب تک معقولات و مقنولات کی تمام نصابی کتب پڑھنے کے ساتھ طالب علم ان کے پڑھانے پر بھی قادر نہ ہو جائے وہ دستار کا اہل نہیں ہوتا۔ وہ دیوبند کے اس رویے سے حق نالوں تھے کہ جو آیا دورہ حدیث میں اس کا داخلہ لے لیا اور وہ چار کتابوں کا دور کرا کے سند فضیلت حلا کر ملک سے فرماتے تھے کہ جاہلوں کو سند دے دے کر ان لوگوں نے علم اور علما کا وقار ملامت کر دیا۔

(۵) حضرت ممدوح اپنے رفقا اور معاصرین کے بھی قدرداں تھے۔ حافظ ملت کا بھی محبت سے ذکر کرتے تھے۔ مولانا رحمت اللہ عزمی کی بگرام پوری نے انور القرآن بگرام پور سے حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کے زمانہ صدارت میں فراغت حاصل کی۔ اس سے قبل میرٹھ میں حضرت ممدوح سے تعلیم حاصل کی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ صدر العلماء علیہ الرحمہ حافظ ملت کا ذکر خیر کرتے اور فرماتے کہ زمانہ طالب علمی میں ہم لوگوں کے بعض اوقات تفریح کے لیے خاص تھے۔ کبھی کبھی ہم لوگ ہنسی مذاق بھی کرتے مگر حافظ صاحب ہم لوگوں کی ہنسی مجلس میں کبھی شریک نہ ہوئے۔ وہ مطالعہ سے خالی ہوتے تو قرآن مجید کی تلاوت کرتے یا استاذ کی خدمت میں حاضر ہوتے، وہاں کمرے کی صفائی، لائینن کی صفائی، کمرے کی چیزوں کو سلیپے سے رکھنا، وقت پر جو کام نظر آتا وہ کمرے، کبھی سب ہو چکا ہوتا اور وقت خالی، بچاؤ دیواروں کی صفائی میں لگ جاتے، گرد و غبار، دھبے وغیرہ صاف کرتے، ہنسی مذاق میں شریک نہ ہونے پر خفا ہو کر ایک ساتھی نے حافظ صاحب کا کمرہ باہر سے بند کر کے کٹڑی چڑھا دی کہ نکلنے کے لیے جب کھلوائیں گے تو خوب مزہ آئے گا، انھوں نے کمرے میں بیٹھ کر تلاوت شروع کر دی، بند کرنے والا انتظار کرتے کرتے خود ہی آکٹا گیا اور کٹڑی کھول کر کہیں چلا گیا۔

(۶) میرٹھ میں ان کے قیام سے گرد و نواح میں ملکہ پورے مغربی یوپی میں اہل سنت کا ایک علمی رجحان قائم تھا۔ دیوبند کی باتیں ان تک پہنچتی رہتی تھیں اور وہ جواب دیتے تھے۔ اہل دیوبند اپنے مذہب کی حقانیت ثابت کرنے سے عاجز تھے اس لیے ہمیشہ جھوٹ اور غلط پروپیگنڈہ سے اپنا کام چلاتے ہیں اور اہل سنت کو جاہل بتاتے ہیں۔ حضرت ممدوح جس زمانے میں البشیر الکامل لکھ رہے تھے ایسا ہی ایک طعن جہالت ان کے کانوں تک پہنچا تو البشیر الکامل کا ایک

خدا نکلا، جس کی سرخی ہے ”دیوبندی ترکیب کی خامیاں“۔ اس میں حضرت نے دیوبند کی علمی تشکیک کا پردہ اٹھایا۔ ان کا کہنا ہے۔ افسوس کہ ان کے بعد میرٹھ یا اس کے اطراف میں حضرت کا کوئی علمی جانشین نہ رہا۔

درجہ اک کیا ہے۔ انھوں نے بہت سی خصوصیات کے حامل تھے۔ ایک زمانے تک ان کا فیض اہل کرم بن کر برستار رہا اور انھوں نے ان کا بھی فیضان ان کی تصانیف اور ان کے تلامذہ کے ذریعہ آئندہ بھی برستار ہے گا۔ رب کرم ان کے

ن شاہد ان کا بھی فیضان ان کی تصانیف اور ان کے تلامذہ کے ذریعہ آئندہ بھی برستار ہے گا۔ رب کرم ان کے



## علامہ مفتی احمد یار خاں بدایونی علیہ الرحمہ (۱)

(۱۳۲۳ھ/۱۹۰۶ء - ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء)

حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمہ بر صغیر ہندوپاک کی ان مقدّر شخصیتوں میں سے ہیں جن کے علم و عمل کی بہار میں قائم ہیں۔ اور اپنے پیچھے جنھوں نے عظیم تصنیفی سرمایہ چھوڑا۔ ہمارے نزدیک سب سے زیادہ قابل قدر ان کا وہ خلوص عمل اور جذبہ دل ہے جس نے دین کی خاطر انھیں زندگی بھر متحرک و فعال رکھا۔ وہ تنہا تھے، مگر ان کی تواناؤں خوبیوں، اور عظیم کارناموں کے پیش نظر بلا جھجک کہا جاسکتا ہے کہ وہ ان ذات میں ایک انجمن، ایک فعال اکیڈمی، اور ایک زندہ تنظیم کی حیثیت رکھتے تھے۔

## ولادت و نسب:

وہ ماہ شوال ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۶ء میں بمقام اوجھانی ضلع بدایوں (یو، پی) پیدا ہوئے۔ اوجھانی ریلوے اسٹیشن بدایوں شہر سے تیرہ کلومیٹر دوری پر واقع ہے۔ ان کا خاندان یوسف زئی پٹھان قبیلے سے تعلق رکھتا ہے جس کے کچھ افراد قاضی خان محل دور میں افغانستان سے ہندوستان آئے تھے۔

ان کے والد گرامی ملا محمد یار خاں بن منور خاں بستی کے معزز شخص تھے۔ دینداری، اور نماز و جماعت کی پہلا پابندی ان کا نشان زندگی رہا۔ اپنے گھریں پر فارسی کی ابتدائی تعلیم کا کتب قائم رکھا تھا۔ جس میں بستی کے بچے تعلیم پاتے تھے۔ بہت سے ہندو بھی ان کے شاگرد تھے۔

## تعلیم:

(۱) مفتی صاحب نے بھی قرآن مجید و دییات، فارسی، اور درس نظامی کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ہی سے پائی۔  
(۲) (تقریباً ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء) گیارہ برس کی عمر میں اوجھانی سے نکل کر بدایوں شہر کے مدرسہ شمس العلوم میں داخل ہوئے، وہاں تین سال (۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء - ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) پڑھتے رہے۔ اُس وقت وہاں علامہ قدس بخش بدایونی مدرسہ تھے۔ اسی دوران ایک بار امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ کی زیارت کے لیے بریلی شریف

(۱) مکتبہ المصباح شریف، مکتبہ المصباح، مطبوعہ کان پور، سنہ اشاعت ۱۴۰۰ھ

فرماتے ہیں:

ماہری دلی۔ میری عمر اس وقت کوئی دس بارہ کے لگ بھگ ہوئی، اور میں بدایوں میں تھا۔ ان دنوں ۲۷ رجب قریب خجی، اور اہل حضرت کے ہاں تقریب معراج کی تیاریاں زوروں پر تھیں، آپ اس تقریب کے لیے بڑا اجتام فرماتے۔ اس مصروفیت کے باعث ہمیں صرف ایک مجلس میں حاضری نصیب ہو سکی جس میں اہل حضرت کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔<sup>(۱)</sup>

(۳) بدایوں کے بعد حضرت مفتی صاحب نے ریاست مینڈھو میں والیان ریاست کے قائم کردہ ایک دارالعلوم میں تعلیم حاصل کی۔ مفتی صاحب کے دور طالب علمی میں یہ مدرسہ دیوبندی مسلک کا حامل تھا۔ اور اس کے اثرات مفتی صاحب پر بھی مرتب ہوئے تھے۔ مینڈھو میں کے دور طالب علمی سے متعلق خود فرماتے ہیں:

”دیوبندی اساتذہ کے پاس ایک عرصہ تک پڑھنے سے میں یہ سمجھنے لگا تھا کہ علمی تحقیق کا کمال تو بس اسی گروہ میں ملایا جاتا ہے لیکن جب صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی قدس سرہ سے ملاقات ہوئی، اور انھوں نے مجھے اعلیٰ حضرت کا ایک رسالہ ”عظایا القدير في تحکيم التصويير“ مطالعہ کے لیے دیا تو میری حیرت کی پہنچ نہ رہی۔ جب میں نے مذکورہ رسالے کا مطالعہ کیا تو میں اس کے لکھنے والے کے تبحر علمی اور وقتِ نظر کے کمال کا زبید ہو گیا۔ سچ یہ ہے کہ اس رسالے نے میری ذہنی اور اعتقادی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا۔“<sup>(۲)</sup>

مینڈھو میں مفتی صاحب کی طالب علمی کا زمانہ قریباً چار برس رہا۔ مفتی صاحب کے والد عقیدہ متصنّف سنی تھے، انھیں اس مدرسہ میں ان کا رہنا پسند نہ ہوا۔ ان دنوں مفتی صاحب کے ایک چچا زاد بھائی کی مراد آباد میں ملازمت تھی۔ ایک بار وہ گھر آئے تو مفتی صاحب پر زور ڈالا کہ آپ میرے ساتھ مراد آباد چل کر صدر الافاضل مولانا محمد الدین صاحب قبلہ سے ملاقات کریں۔ مفتی صاحب ملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔

(۴) صدر الافاضل نے مفتی صاحب سے امتحانی سوالات کیے، اور ان کے صحیح جوابات سے خوش ہوئے۔ پھر مفتی صاحب جامعہ نعیمیہ میں داخل ہو گئے۔ انھیں صدر الافاضل خود درس دیتے۔ مگر صدر الافاضل کی مصروفیات کو ان کی تھیں، جس سے مفتی صاحب کے اسباق کا ٹانفہ ہونے لگا۔ اسی لیے ایک بار وہ مراد آباد سے چل کھڑے ہوئے۔ صدر الافاضل کو معلوم ہوا تو انھیں واپس بلوایا اور علامہ مشتاق احمد کان پوری کو بلا کر استاذ رکھا۔ موصوف مشائخ و ریاضیات کی تعلیم کے ماہر تھے۔

(۱) اعلیٰ مداحی اکبر شاگرد مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمہ، حلیت سلف، ص ۷۷

(۲) اعلیٰ مداحی، ص ۷۸

(۵) تھوڑے عرصے کے بعد علامہ موصوف میرٹھ تشریف لے گئے تو مفتی صاحب صدر الافاضل کی اجازت سے ان کے ساتھ وہیں منتقل ہو گئے، ان کا یہ آخری تعلیمی دور تین برس رہا ہو گا۔ تیس برس کی عمر میں میرٹھ ہی سے سند فراغت حاصل کی، حضرت صدر الافاضل نے دستار فضیلت باندھی۔ مفتی صاحب کے چچا زاد بھائی جناب عزیز خاں مرحوم نے ایک فارسی قطعہ تاریخ میں ان کا سال فراغت لکھ دیا: "فاز فوزاً عظیمہ مستخرجن کیا تھا۔"

**طرز تعلیم:** مفتی صاحب کا طرز تحصیل وہی تھا جو ایک سچے خواستہ کار علم کا ہونا چاہئے۔ آنے والے سبق کا شب میں بڑی محنت و جاہ نشانی سے مطالعہ کرتے۔ ایسا بھی ہوتا کہ چراغ کے لیے مدرسہ سے ملتا ہو تو نصف شب تک ختم ہو جاتا تو وہ گلی میں لگی ہوئی بجلی کی روشنی میں جا کر کتاب دیکھتے۔ ایک بار رات کو طلبہ کے شور و غل کے سبب مطالعہ نہ کر سکے، صبح کو سبق سمجھ میں نہ آیا تو مضطرب ہو گئے۔ استاذ گرامی کو معلوم ہوا تو ان کی قیام گاہ تک کر دی، اور سبق میں با وضو شرکت کرنے کی ہدایت فرمائی۔ مفتی صاحب نے ہمیشہ اس کی پابندی کی۔

سبق پڑھنے کے بعد تکرار سبق کی بھی پابندی کرتے۔ اور اس طرح کہ استاذ کی پوری تقریر دھکے دوس کو سن دیتے۔ مزید اعتراضات و جوابات بھی پیش کرتے ہیں۔ کہیں شبہ ہوتا تو استاذ کی مجلس میں حاضر ہو کر رفع شکوک کر لیتے۔ اگر ان کی بیان کردہ بات غلط ثابت ہوتی تو ساتھیوں میں اگر اس کا برملا اعتراف کرتے۔ اس سلسلے میں خود فرمایا کرتے: "میں جب تک اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کر لیتا میرے ذہن میں ایک بھالی کیفیت برپا رہتی ہے۔"

**دور تدریس:** (۱) دستار فضیلت باندھنے کے بعد ہی حضرت صدر الافاضل نے جامعہ نعیمیہ میں مفتی صاحب کو تدریس خدمات سپرد کر دیں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مفتی صاحب کی تدریس کی قابلیت لوگوں کے مدللے نمایاں ہو گئی اور امتیازی خدمت بھی انھیں کے سپرد کر دی گئی۔

(۲) تقریباً ایک سال بعد دارالعلوم مسکینیہ (مورانی، گجرات) سے صدر الافاضل کے پاس ایک ایسے عالم دین کے لیے درخواست آئی جو تدریس، فتویٰ اور خطابات وغیرہ کی خدمات عمدہ طریقے سے انجام دے سکیں، حضرت صدر الافاضل نے مفتی صاحب کو وہاں بھیج دیا، اس دارالعلوم میں مفتی صاحب نے نو سال تک دینی خدمات انجام دیں، متعدد بار دورہ حدیث کرایا، اور بیسوں طلبہ ان کی درس گاہ فیض سے فارغ التحصیل ہوئے۔

ایک مرتبہ مدرسہ مسکینیہ مالی مشکلات کا شکار ہوا اور مفتی صاحب کو کچھ دوسری پریشانیاں بھی لاحق ہوئیں، جن کے باعث مدرسہ چھوڑ کر اپنے وطن اوجھانی چلے گئے اور صدر الافاضل کو خط لکھ دیا۔

(۳) صدر الافاضل نے دوبارہ انھیں جامعہ نعیمیہ میں بلا کر تدریس خدمات سپرد کر دیں۔

(۴) تقریباً ایک سال پھر وہاں مدرسہ رہے ہوں گے کہ شیخ الشانخ حضرت شاہ سید علی حسین صاحب اشرفی مدظلہ العالی نے مدرسہ اشرفیہ کچھ چھ تشریف کے لیے صدر الافاضل سے ایک قابل مدرس طلب کیا، صدر الافاضل نے وہاں مفتی صاحب کو بھیج دیا، انھوں نے یہاں ربیع الاول ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۳۵ء سے جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۳۸ء تک علمی و دینی خدمات انجام دیں، پھر بعض وجوہ کی بنا پر مدرسہ چھوڑ کر اپنے وطن اوجھانی چلے گئے اور صدر الافاضل کی خدمت میں اطلاع بھیج دی۔

(۵) اس کے بعد صدر الافاضل نے علامہ سید ابوالبرکات علیہ الرحمہ (۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء) کی وساطت سے مفتی صاحب کو بھٹی ضلع گجرات (پاکستان) میں مولانا سید جلال الدین شاہ کے دارالعلوم میں روانہ کیا، مگر مفتی صاحب کو یہاں کوئی دینی سہارا نہ ملا، اس لیے وہ لاہور پہنچ کر وطن جانے کے لیے آمادہ ہو گئے۔

(۶) مگر سید محمود شاہ رحمۃ اللہ علیہ، سید ابوالبرکات صاحب قبلہ کی وساطت سے مفتی صاحب کو انجمن خدام اہل سنت (گجرات پاکستان) کے دارالعلوم کے لیے آمادہ کر کے گجرات لے گئے، پھر وہ گجرات کے اور گجرات ان کا چرچا علم اہل سنت کے علاوہ مفتی صاحب کی تمام تصنیفات اسی دارالعلوم میں تصنیف ہوئیں اس لیے یہ دور اہم ضمیمہ کا حامل ہے۔

**شعر و سخن:**

شعر و سخن سے مفتی صاحب کو تعلق تھا، سالک تخلص فرماتے تھے، ان کا مجموعہ کلام "دیوان سالک" کی شکل میں پاکستان سے شائع ہو چکا ہے، فن شعر سے ان کی وابستگی کا واقعہ بھی حاصل چسپ ہے، ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۵ء میں جب وہ کچھ شریف شیخ الحدیث کی حیثیت سے پنجپہ تو حکیم سید نذرا شرف صاحب فاضل سے ملاقات کے لیے محکمہ صاحب نے ابتدائی ذکر و تعارف کے بعد برملا سوال کیا "آپ کو شعر و سخن سے بھی لگاؤ ہے؟" مفتی صاحب نے نفی میں جواب دیا تو بولے "آپ نصف عالم معلوم ہوتے ہیں، حکیم صاحب کی یہ بات اس انداز سے مفتی صاحب کے دماغ پر چھائی کہ انھوں نے باقاعدہ فن شعر گوئی کی تحصیل کی اور حکیم صاحب سے برابر اصلاح لیا کرتے اس طرح جلد ہی ایک بالکمال شاعر بھی ہو گئے۔"

**بیعت و ارادت:**

مفتی صاحب نے حضرت صدر الافاضل سے بیعت و ارادت کا شرف حاصل کیا اور خلافت حضرت مولانا مولانا سید شاہ علی الدین اشرف عرف اچھے میاں علیہ الرحمہ سے پائی۔ شیخ الشانخ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ

(۱) یہ سنی شیخ علامہ سید ابوالبرکات علیہ الرحمہ چھو شریف، شوال ۱۳۹۹ھ، نومبر ۱۹۷۸ء میں۔

سے بھی براہ راست انکساب فیض کیا تھا۔ اگرچہ اس کی مدت پانچ ماہ سے زیادہ نہ رہی کیوں کہ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ میں مفتی صاحب کچھوچھو تشریف لائے اور ۱۱ رجب ۱۳۵۵ھ کو اشرفی میاں علیہ الرحمہ کا وصال ہو گیا۔ لیکن اس کے باوجود حضرت کی نگاہ میں مفتی صاحب کا ذوق عرفان ایسا راسخ ہو چکا تھا کہ آخری غسل اور تجہیز و تکفین کے لیے حضرت مفتی صاحب ہی کو سربراہ بنانے کی وصیت فرمائی، یہ ایک ایسا اعزاز تھا جس پر اکابر علماء مشائخ و مہتمموں نے خفا کی زندگی:

مفتی صاحب کی شادی ان کے دھرم راجی کے زمانہ قیام میں شیخ پور ضلع بدایوں کے ایک معزز اہلخان خاندان میں عبد اللطیف خاں کی صاحب زادی سے ہوئی، خطبہ نکاح حضرت صدرالافاضل نے پڑھا، مفتی صاحب کی تمام اولاد ان ہی معزز خاتون کے بطن سے ہیں، یہ نہایت دین دار، نیک دل اور پارسا خاتون تھیں، خانگی مصروفیات اور نماز و عبادت کے ساتھ محلے کے بچوں کی ابتدائی تعلیم کا کام بھی کرتیں، مفتی صاحب کے فرائض منصبی کا انھیں اچھی طرح احساس تھا اس لیے تمام تر گھر بظور دین دار یا خود سنبھالتیں اسی لیے مفتی صاحب کے لیے گھر کا کوئی مسئلہ ہی نہ تھا، یہ اپنے آبائی وطن سے ہزاروں میل دور مفتی صاحب کے ساتھ گجرات میں بھی رہیں اور وہیں ۱۳۴۹ھ کو اس دار فانی سے رحلت کی، ان کی جدائی کا مفتی صاحب کو بے حد قلق رہا۔

ایک عرصے کے بعد احباب کے مشورے اور اصرار پر حضرت مفتی صاحب نے گجرات ہی میں دوسرا نکاح کیا، یہ خاتون بھی نیک نفس اور دین دار تھیں، ان کے بطن سے مفتی صاحب کی کوئی اولاد نہ ہوئی مگر کچھ اہلہ و عیال اولاد ہی کو انھوں نے اپنی پیٹ کی اولاد مانا۔

مفتی صاحب کے دو صاحب زادے ہیں مولانا مفتی مختار احمد خاں اور مفتی افتخار احمد خاں، ہر دو حضرات دینی خدمات میں مصروف اور اپنے والد گرامی کے کے لائق جانشین ہیں، چار صاحب زادیاں ہوئیں، جن میں دو معمولی صاحب زادیاں فوت ہو گئی تھیں۔

مفتی صاحب نے اپنے لڑکے لڑکیوں کو بھی علم و فن سے آراستہ کیا اور ان کی مذہبی تربیت کی طرف بھی اہمیت توجہ صرف کی، زندگی کے آخری سالوں میں انھیں یہ احساس زیادہ ستانے لگا تھا کہ خواتین میں علم دین کا فقدان ہوتا جا رہا ہے، اس لیے انھوں نے خواتین کو دینی تعلیم دینے والی ایک ٹیم خود اپنے گھر میں پیدا کر دی، اپنی بڑی بہن چھوٹی صاحب زادی کو مشکاف بخاری کا ترجمہ چار سال میں پڑھایا، صرف دو محو کے ضروری قواعد اور عربی بول چال کی کچھ مشق بھی کراتے رہے، انھیں وعظ کہنے کا بھی طریقہ سکھایا، آگے چل کر ان بیٹیوں نے دیگر خواتین اور طالبات کی کلاسیں لگا کر انھیں پڑھانا شروع کیا، یہ طریقہ اس قدر فیض رساں ثابت ہوا کہ مفتی صاحب کی وفات تک چار

بچوں اور خواتین ان کے گھر سے اس ”مدرسہ وحیات“ میں پڑھ کر فارغ ہو چکی تھیں۔  
ان احوال کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ مفتی صاحب کا گھر اس قرآنی دعا کا شریا نمونہ ہے۔ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَنْعَامِكَ وَ ذُرِّيَّتِنَا ذَوْقَ الْعَمَلِ وَ اجْعَلْ لَنَا لِبَيْتِكَ قِيَمًا اے ہمارے رب! ہمارے لیے ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے انھوں کی خدمت عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔  
معمولات زندگی:

مفتی صاحب کے اعمال و اشغال، تدریس، تصنیف، مطالعہ، درس قرآن، عبادات، تلاوت، اخبار بینی، تفریح و ملاقات وغیرہ تھے۔ ان تمام کاموں کے لیے انھوں نے اپنے اوقات کو بڑے سلیقے سے تقسیم کر رکھا تھا اور ہر کام کو اس کے مقررہ وقت پر ہی انجام دیتے، نماز و جماعت کے بڑی سختی سے پابند تھے۔ بحیرہ اولیٰ فوت نہ ہونے دیتے، مزدھر حالت میں تہجد بھی پڑھا کرتے۔ اکثر و بیشتر درود شریف کا ورد کیا کرتے۔ یہ ان کے لیے روحانی غذا کی ہیئت رکھتا تھا، جہاں ذرا موقع پاتے درود کا ورد جاری کر دیتے، یہاں تک کہ گفتگو کے دوران جب ان کا مخاطب بات کرتا تھا اس وقت بھی وہ درود پڑھ لیا کرتے۔

زیارت روضہ اقدس سے بھی ان کو خاص شغف تھا۔ زندگی میں پانچ بار حج و زیارت سے شرف یاب ہوئے۔ ایک بار دھرم راجی کے زمانہ قیام میں اور چار بار گجرات کے دور میں۔ حواری زندگی سے بھی ان کو خاص دلچسپی تھی۔ چھوٹوں کے ساتھ شفقت و حکمت کے طے طے انداز میں کلام کرتے۔ لوگوں کے ماحول پر نظر رکھتے۔ اور ان کی اصلاح و ہدایت کی طرف توجہ مبذول فرماتے، حواری تقریبات کی شرکت میں بھی خوش قدمی کرتے اور مسرفانہ و غیر شرعی رسوم سے لوگوں کو روکتے۔ مفتی صاحب کی بے نظیر کتاب ”اسلامی زندگی“ ان کے اسی ذہن و فکر کی آئینہ دار ہے۔ لوگوں کے آج کی تنازعات کا تصفیہ کرنے میں بھی ان کو خدا داد ملکہ حاصل تھا، لوگ آپس میں لڑکھٹنے مرنے کے لیے آمادگی کی حالت میں ہوتے، لیکن جب معاملہ مفتی صاحب کی ”عدالت“ میں پہنچتا تو ایسا شاندار فیصلہ فرماتے کہ زمین خوش ہو کر آپس میں مل جل کر زندگی گزارنے کا حوصلہ لے کر اٹھتے۔

## تلامذہ:

مفتی صاحب نے ۱۳۴۴ھ تا ۱۳۹۱ھ تقریباً نصف صدی کا تدریس انجام دیا۔ اس مدت میں نہ جانے کتنے فراغے ان سے تحصیل علم کی ہوگی۔ یہاں چند تلامذہ کے اسما ”حیات سالک“ سے پیش کیے جاتے ہیں۔  
مولانا سید مختار اشرف کچھوچھو عرف محمد میاں مدظلہ۔ مولانا مفتی محمد حسین نعیمی، لاہور۔ مولانا آل حسن



اشرفی نبی سنبھل، بھارت۔ مولانا عبدالکریم صاحب، ملکت گنج، بنگلہ دیش۔ مولانا عبدالقدیر صاحب، چٹاگانگ۔ صاحبزادہ مفتی مختار احمد خاں نبی۔ صاحبزادہ مفتی افتخار احمد خاں نبی۔ قاضی عبدالنبی لکب۔ مولانا یاقوت حسین صاحب، بنگلہ دیش۔ مولانا مسعود الحسن صاحب، چوہہ شریف۔ مولانا سید جلال الدین شاہ صاحب، بنگلہ دیش۔ مولانا ریاض الحسن صاحب، سنبھل بھارت۔ مولانا نذر محمد صاحب، خطیب سلا نوالہ۔ مولانا محمد ادریس صاحب، مارشلس افریقہ۔ مولانا غلام علی صاحب، اوکاڑوی۔ مولانا سید غنی شاہ صاحب، گجرات۔ مولانا حامد علی شاہ صاحب، چوہہ شریف۔ مولانا سید محمود شاہ صاحب، گجرات۔ مولانا حکیم غلام سرور صاحب، سرگودھا۔ مولانا سید فضل شاہ صاحب، گجرات۔ مولانا نذیر حسن صاحب، خطیب شاہد ولہ گجرات۔ مولانا عبداللطیف صاحب، خطیب ساکن کانونوالہ۔ سید محمد قاسم صاحب، خطیب ہری امام راولپنڈی۔ مولانا محمد بشیر ضیائی، خطیب اوقاف گجرات۔ مولانا حافظ غلام محی الدین ساکن فاروقی۔ مولانا زاہد صدیقی، لاہور۔

## تصنیفات:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے بعد تصنیف و تالیف کے ذریعہ آپ نے دینِ متین کی جو زرخیز خدمات انجام دی ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ اب تک جن کتابوں کی اطلاع ہو سکی ہے ان کی فہرست مع مختصر تفہیم پیش کی جاتی ہے۔

(۱) علم المراد: علم فرائض اور قانون وراثت میں ہے۔ یہ مفتی صاحب کی پہلی تصنیف ہے جو ۳۵۴ھ میں دھوراجی کے زمانہ قیام میں ظہور پذیر ہوئی۔ پہلے اس کا گجراتی ایڈیشن شائع ہوا پھر اردو۔

(۲) شانِ حبیب الرحمن: آیات القرآن: ان آیات قرآنیہ پر مختصر بحث کی گئی ہے جن سے صراحتِ نعت سرور کائنات علیہ الصلوٰت والتحيات ثابت ہوتی ہے۔ چھوٹے سائز میں ضخامت تقریباً ۲۵۰ صفحات ہے۔ ۱۸/۱۹ جمادی الاولیٰ تا ۳ شعبان ۱۳۶۱ھ صرف ڈھائی ماہ میں تصنیف ہوئی۔ پھر محرم ۱۳۶۵ھ میں ایک ضخیمہ شانِ اولیاء و شہداء میں لکھا گیا جو درحقیقت شانِ مصطفیٰ ہی ہے علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

(۳) جہاد الحق اول: اہل سنت اور وہابیہ کے درمیان مختلف فیہ عقائد و معمولات پر فیصلہ کن کتاب ہے۔ ہر بحث میں دو باب ہیں۔ باب اول میں مسلک اہل سنت کا قرآن و حدیث، اجماع و قیاس اور اقوال علماء غیرہ سے اثبات ہے۔ پھر باب دوم میں اس پر اعتراضات اور ان کے شافی جوابات تحریر کیے گئے ہیں، اس کی تکمیل ۲۱ ذی قعدہ ۱۳۶۱ھ کو ہوئی۔ سال ابتدا معلوم نہ ہو سکا۔ بعد میں "تہذیب کرام" مکررین عصمت انبیاء، تلاقی الأدلۃ فی حکم الطلاق، الشفاعة اور لمعات المصابیح علی رکعات التراويح مستقل تین رسائل اور بہت سے دلائل

مقالات مصباحی پر اضافہ ہوا، پوری کتاب تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔

(۴) سلطنتِ مصطفیٰ: موضوع نام سے ظاہر ہے۔ ذی قعدہ ۱۳۶۲ھ میں لکھی گئی۔ جہاد الحق کے طرز پر ہے، زینتی صفحات ہیں۔

(۵) رحمتِ خدا و وسیلہ اولیاء: بطرز جہاد الحق مسئلہ استدواء و توسل پر مفصل بحث۔

(۶) سالہ نور: سرور عالم ﷺ کے نور ہونے کا ثبوت۔ جہاد الحق کے طرز پر ہے، ربیع الاول ۱۳۷۵ھ

میں تصنیف کی گئی۔ رحمتِ خدا و سالہ نور، سلطنتِ مصطفیٰ تینوں کی ضخامت قریب قریب ہے۔

(۷) امیر معاویہ پر ایک نظر: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت کا اظہار و اثبات۔ اور ان پر

کے پہلے والے رافضیات اعتراضات کے جوابات۔ ۲۱ رجب ۱۳۶۲ھ شعبان ۱۳۷۵ھ صرف ۱۹ دن میں تصنیف

ہوئی۔ تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہے۔

(۸) جہاد الحق دوم: احناف اور غیر مقلدین کے درمیان مختلف فیہ مباحث پر مفصل تصنیف۔ حصہ اول کے

لرزدہ پہلے مسلکِ احناف کا اثبات پھر اعتراضات غیر مقلدین کے جوابات ہیں۔

(۹) اسلامی زندگی: شادی، بیوا، یتیم، عقیدہ، وغیرہ مختلف تقریبات میں رائج رسوم کا تفصیلی ذکر کر کے ان کی

دریں بیان کی گئی ہیں۔ پھر ان کا جائز اور اسلامی طریقہ بتایا گیا ہے۔ ۱۲ صفر ۱۳۶۲ھ صفر ۱۳۶۳ھ صرف ۲۵ دن میں

تصنیف ہوئی۔ تقریباً ۱۵۰ صفحات ہیں۔ غیر شرعی اور مسرفانہ رسم و رواج کے رد اور اصلاح میں بے مثال کتاب ہے۔

(۱۰) سرورِ ملاحام بخار القرآن: مختلف اسلامی مسائل کی عقلی حکمتیں سوال و جواب کے انداز میں پیش کی

گئی۔ ۲۱ جمادی الاولیٰ ۲۵۵۳ھ جمادی الآخرہ ۱۳۶۸ھ ایک ماہ پانچ دن میں تصنیف ہوئی، تقریباً پانچ سو

صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۱) مواضع نعیمیہ: (۲ حصے) مفتی صاحب کی مختلف تقریروں کا مجموعہ۔ تین جلدوں پر مشتمل ہے، کل

تقریباً سو صفحات ہیں۔

(۱۲) فقہی تقریریں: مواضع نعیمیہ کے بعد تازہ تقاریر کا مجموعہ۔ ڈیڑھ سو صفحات ہوں گے۔

(۱۳) سفرِ مدینہ، عراق، حجاز و شام وغیرہ: اس موقع پر لکھا گیا جب خشکی کے راستے سے حج کے لیے گئے۔

(۱۴) سفرِ حجاز: (۱) سفر حجاز کی علیحدہ یادداشت۔

(۱۵) سفرِ حجاز: (۲) آخری حج کی ڈائری۔ شاید یہ بھی طبع ہو چکی ہے۔

(۱۶) الکلام المقبول فی طہارۃ نسب الرسول: موضوع نام سے ظاہر ہے۔

(۱۷) خلافتِ نعیمیہ: مفتی صاحب کے فتوؤں کا مجموعہ، ۳۳ تا ۳۵ چاروں کتابیں میری نظر سے نہیں گزر سیں۔



(۱۸) نظم البہار فی اشعار البخاری: بخاری شریف پر عربی حاشیہ۔ غیر مطبوع ہے۔

(۱۹) نور العرفان فی حلیۃ القرآن: قرآن مجید پر مختصر اور جامع تفسیری حواشی۔ ترجمہ اعلیٰ حضرت کے ہاتھ ہندو پاک میں شائع ہو چکا ہے۔ اس میں آیات سے ثابت و مستنبط عقائد و مسائل کی ایک فہرست بھی شامل ہے۔

(۲۰) تفسیر فیسی: "أشرف التفسیر" (۱۳۳۳ھ) مفتی صاحب کی شاہکار تصنیف۔ دس جلدوں کی تفسیر دس جلدوں میں مکمل ہے۔ گیارہویں پارے میں آیت کریمہ: **أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ** کی تفسیر مکمل لکھ چکے تھے اس کے چند دنوں بعد وصال فرما گئے۔ یہ تفسیر طبع ہو چکی ہے۔ مطالب اعلیٰ اور علمی، زبان عام فہم، فرق باطلہ اور غیر اسلامی مذاہب کا رد بھی ہے۔ آیات و شعور کا باہمی ربط بھی بیان کیا گیا ہے۔ اس کی تصنیف ۱۳۳۳ھ میں شروع ہوئی، اسی لحاظ سے اس کا تاریخی نام "أشرف التفسیر" ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۲۱) مرآۃ المناجیح اردو شرح مشکوٰۃ المصابیح: مفتی صاحب کا دوسرا شاہکار۔ اہل بیت مشکوٰۃ شریف کا لغتی ترجمہ، پھر ان کی آسان شرح، عقائد و مسائل کا دلکش بیان، آٹھ یا نو جلدوں میں مکمل۔ آٹھ جلدیں پاکستان سے شائع ہو چکی ہیں۔<sup>(۲)</sup>

(۲۲) درس القرآن: چند آیتوں کی تفسیری تقریریں، تقریباً ۲۵۰ صفحات پر مطبوع ہیں۔

(۲۳) علم القرآن لرحمۃ الفرقان: دور حاضر کے گمراہ فرقوں کے غلط ترجمہ قرآن کے پیش نظر لغوی اصطلاحات کا محققانہ بیان، پھر قواعد ترجمہ اور مسائل قرآنیہ کا ذکر۔ ترجمہ قرآن کے شائقین اس کا مطالعہ ضرور کریں۔ ۲۲ رمضان ۱۳۷۱ھ کو اس کی تصنیف کا آغاز ہوا اور ۵ ذیقعدہ ۱۳۷۱ھ کو ایک بارہ دن میں مکمل ہوئی۔ تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہے۔

اکثر فضائل کتب پر حواشی۔ سب غیر مطبوعہ ہیں۔

وقات: مفتی صاحب نے تقریباً نصف صدی دین حق کی اعلیٰ خدمات میں صرف کی۔ اخیر ایام زندگی میں ۵۱ سال ہو کر لاہور ہسپتال میں داخل ہوئے۔ مگر ان کا مرض ختم نہ ہوا۔ آخر ۳ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو گمرات میں ان کا وصال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ ان کی قبر اس کمرے میں بنائی گئی جہاں انھوں نے کئی برس درس قرآن دیا تھا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً و کثراً مثلاً لھم۔



(۱) ہندوستان میں اس کی تمام جلدیں مکتب الحبیب لدیابہ کے زیر اہتمام طبع ہو رہی ہیں۔ ۳۰ نعیمی غفرلہ

(۲) ہندوستان میں ۶۱ اشاعت کا سلسلہ پہلی بار ادارہ استقامت، کانپور نے شروع کیا ہے۔ پہلی جلد ہیہ نظر میں ہے دیگر کا ہر گم ہے نہ

## مولانا حافظ عبدالرؤف علی الخیرؒ اور سنی دارالاشاعت<sup>(۱)</sup>

باسمہ و حمدہ و الصلوٰۃ علی نبیہ و جنودہ

جامع معقول و منقول علامہ حافظ عبدالرؤف بلیاوی قم مبارک پوری پانچھٹے گوناگوں خوبوں کے مالک و رفیع علوم و فنون کے ماہر تھے، ان کے فضائل و کمالات کی تعداد کی تعداد کے لیے سب سے نمایاں اور تحقیقی بخش حیثیت یہ کہ ان کی علمی و فنی مہارت کا چرچا صرف ان کے علاوہ کی زبانوں پر نہیں بلکہ ان کے استاد اور ان کے وہ شاگرد جن سے موصوف کور شیخ تلمذ بھی نہیں اور ان کے معاصرین (جب کہ معاصر اپنے معاصر کے کمال کا اعتراف کرتے ہیں) نہیں کرتا سب کے سب ان کے زمانہ حیات ہی سے ان کی علمی برتری، فنی مہارت، تدریسی کمال، انتظامی و فنی کردار اور قومی و ملی دل سوزی و محنت کا بار ملا کر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ انھیں ہنسنے والے کم تھے اس لیے کہ ان کی زندگی پر سادگی، کم گوئی، جلسوں اور تقریروں سے کنارہ کشی اور صمود بلکہ برہنہ سلسلے سے دوری کی وجہ چادر پڑی ہوئی تھی، اس لیے ان کو بھنٹا ان عوام اور کم سواد علماء کے بس کی بات ہی نہ تھی جن کے نزدیک ظاہر کی دل کشی ہی سب کچھ ہے۔

مجھے ان کی شخصیت سے سب سے زیادہ جس چیز نے متاثر کیا وہ ان کی فاضل و کمال ان کی یہی سادگی و سہ فہمی ہے اور یہی چند باتیں ہیں جن سے میں بہت متاثر ہوں، ان ہی امور کا تذکرہ یہاں مقصود ہے۔

(۱) وہ درالعلوم اشرفیہ میں نائب شیخ الحدیث تھے، صدارت حافظ ملت پانچھٹے کی تھی لیکن تعلیمی نظم و نسق زیادہ حضرت حافظ کی<sup>(۲)</sup> پانچھٹے سے ہی متعلق تھا۔ اس خصوص میں ان کا کمال یہ تھا کہ طلبہ کے معاملات تو فیصل کرتے تھے مگر در سین کے درمیان بھی کوئی اختلاف، شکر رنجی اور بد مزگی نہ پیدا ہونے دیتے، جہاں چند ہم پایہ استادہ اہل کتب باہمی اختلاف و درخشش بعید نہیں لیکن کم از کم اتنا میں پورے دھجے کے ساتھ کہ سکتا ہوں کہ حافظ عبدالرؤف صاحب پانچھٹے کی حیات تک استادہ کا کوئی اختلاف طلبہ کی نظروں تک نہ آ سکا اور اگر پر بندگی کا تو کسی طالب علم کو

(۱) دارالعلوم مبارک پوری، از مولانا آغا حسن بسملی، المجلد الاسلامی، محمد آباد، جنوری ۱۹۵۳ء

(۲) اوقات طلبہ در سین اور اہل مبارک پور میں اسی لقب سے وہ معروف تھے۔ ۳۳ مصباحی





میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ فتاویٰ رضویہ میں جو فتاویٰ نقل ہوئے ان پر نظر ثانی نہیں ہوئی، یا باتین تھیں یا نہ تھیں یا مہارت و صلاحیت سے خالی تھے کیوں کہ جس عمل کی تفصیلی حالت کی تحقیق نہ ہو اس کے بارے میں جو طور پر نئی یا اثباتی کوئی دعویٰ کر دیا یا تنقید دانش مندی سے بعید امر ہے لیکن حافظ عبدالرؤف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان یہ ہے کہ جو نقل خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے زمانے میں تیار ہوئی تھی بعینہ وہی دست یاب نہ ہوئی۔ اس کی نقل میں وہ بھی نہیں، جو وہ بھی کرم خوردہ، ناصاف حالت میں، اب اس قسم کے مسودہ کی تحقیق و تصحیح جتنی مشکل ہے اسے وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہیں کام سے پالا پڑا ہو۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے حاشیہ شامی کی نقل کو اعلیٰ حضرت کے اصل قلمی نسخے سے مقابلے کا کام جب راء الحروف اور مولانا عبدالحمید نعمانی انجام دے رہے تھے تو بہت سے مقامات پر بڑی زحمتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انھوں نے جلد ثانی کا مقابلہ بہت دشوار ہوا جس میں راقم کے ساتھ مولانا نصر اللہ بھیرودی تھے۔ کثرت استعمال سے بہت سے حواشی کی کچھ عبارتیں جو ٹھوکی ہیں اور کچھ تعین نہ ہو سکی کہ یہاں کیا عبارت لائی جاسکتی ہے۔

جب کہ ہمارے کام میں اصل مراجع سے مطابقت کا التزام نہیں تھا۔ جہاں اصل حوالوں کو دیکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی وہیں مراجعت کی گئی پھر بھی اس میں سخت محنت و دشواری سے گزرنا پڑا۔ "مقام المصطفیٰ خد المصطفیٰ الجدیہ" کا مبیضہ بہت صاف تھا مگر نقل در نقل کی وجہ سے متعدد مقامات پر اصل مراجع کی جانب رجوع کرنا پڑا اور کافی وقت و محنت صرف کرنے کے بعد میں اسے خاطر خواہ تبیین و کتابت کے مراحل سے گزر کر منظر ہر بار لاسکا پھر بھی ایک دو غلطیاں رہ گئیں۔

فتاویٰ رضویہ کی ضخیم جلدوں میں حوالوں کی جو کثرت ہے محتاج بیان نہیں۔ ان تمام حوالوں کو اصل کتب سے ملانا کتنا صبر آنا اور طویل عمل ہے۔ کوئی صرف دس دس صفحات کر کے اندازہ لگا سکتا ہے۔ اس کے پیش نظر میرا محترم علامہ حافظ عبدالرؤف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بہت مراد، کاوش مجاہدانہ، اور احتیاط بلند کی داد دیے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔ انھوں نے فتاویٰ رضویہ کو ایڈٹ کرنے کے سلسلے میں جو سعی ملیح فرمائی ہے راقم الحروف سے خود دیکھ کر اس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

"اتنی محنت کے بعد اتنی ضخیم کتاب خود لکھی جاسکتی تھی۔ یہ حقیقت ہے، میں فخریہ نہیں کہتا۔"

خود مجھے جب اس قسم کے کاموں سے سابقہ پڑا تو حضرت کا یہ مقولہ حرف بحرف درست نظر آیا اور میری تفصیلات سے قارئین خود بھی اندازہ کر سکتے ہیں۔

جلد سوم اور جلد چہارم کی اشاعت خوانان کی حیات میں ہو گئی۔ جلد پنجم کے کئی سو صفحات کی کتابت بھی انھوں

نے زبانی جلد ششم، ہفتم، ہشتم کے مسودات پر نظر ثانی اور تبیین کا انتظام بھی انھوں نے کیا۔ مزید جو رسائل، نے زبانی جلد نویں کے لحاظ سے ان جلدوں میں شامل ہونا چاہیے ان کو بھی یادداشتوں میں لکھ دیا۔

مفاتیح و ابواب کے لحاظ سے ان جلدوں میں شامل ہونا چاہیے ان کو بھی یادداشتوں میں لکھ دیا۔ طریق کار یہ تھا کہ ایک بار پوری ایک جلد کا مسودہ خود پڑھتے، ناصاف عبارتوں کو حاشیہ میں بنسب یا قلم سے صاف لکھ دیتے۔ اصل حوالوں کی مراجعت کرتے پھر جو مبیضہ ہوتا اس کا اصل سے مقابلہ کرتے پھر کتابت کا مبیضہ صاف لکھ دیتے۔ اصل حوالوں کی تصحیح کر کے کاتب کو واپس کرتے۔ کاتب لہنا نہ تھا بلکہ پریس کا تھا۔ پروف کی تصحیح میں سے مقابلہ کرتے اور کتابت کی تصحیح کر کے کاتب کو واپس کرتے۔ کاتب لہنا نہ تھا بلکہ پریس کا تھا۔ پروف کی تصحیح میں آئیں کا حال معلوم ہے کہ بہت کچھ بتاتے ہیں اور کچھ چھوڑ بھی دیتے ہیں یہ سارے فتاویٰ رضویہ کے ساتھ بھی ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ تلمذ صدر الشریعہ حضرت علامہ الحاج حسین المدین احمد دہلوی سابق شیخ الحدیث دارالعلوم مظہر اسلام بریلی نے اپنے جامعہ نعیمیہ مراد آباد کے زمانہ تدریس میں جلد سوم کے مخطوط نسخے پر نظر ثانی فرمائی تو کئی صفحات صحت پھر تیار ہو گیا، حافظ عبدالرؤف صاحب کا معاملہ لکھنؤ کے پریس سے تھا اور کاتب وہیں رہتا۔ اگر ان کا کاتب رہتا تو پروف کو دوسری تیسری بار دیکھنے کا موقع ملتا تو یقیناً تیسرے بے محنت تیسرے کی کج تلاش نہ نکل پاتی۔

انھوں نے جو طویل مجاہدہ کیا اس میں ان کا کوئی مستقل معاون نہ تھا، تبیین کا کام مفتی عیوب الاسلام صاحب نیم علی اور مولانا ایحسان اللہ احمدی بتدریج کے ذریعہ ہوتا، بانی کام خود کرتے۔ مقابلے کے لیے طلبہ میں سے چند ذی استعداد ہی افراد کو باری باری ساتھ کر لیتے، استاد یا مسلمان سے کسی کا اس سلسلے میں مستقل یا طویل تعاون نہ تھا اگرچہ ممکن ہے کہ چند گھنٹے کسی کسی زمانے میں کسی نے ساتھ دیا ہو لیکن ایک گراں بار اور طویل عمل میں چند گھنٹے یا چند ایام کی رفاقت کا کچھ اعتبار ہے تو اس میں ان طلبہ کا حصہ بہت زیادہ ہے جو اکثر ذہنی مشغولیت، بحیثیت مجموعی بیہوش شریک کار ہوتے اور ان کے شاہدوں کی کمی نہیں۔ اس زمانے میں جو طلبہ دارالعلوم میں زیر تعلیم اور متمم تھے سبھی اس کا مشاہدہ کرتے۔

یہ سارا کام غیر درسی اوقات میں ہوتا۔ حافظ جی رحمۃ اللہ علیہ درس و مطالعہ کی بڑی سختی سے پابندی کرتے اور اوقات تعلیم میں کوئی خارجی کام قطعاً روانہ نہ رکھتے مگرچہ وہ ادارہ اور جماعت کے لیے کوئی بڑا اور اہم کام کیوں نہ ہو لیکن تعلیمی نصاب، مقدار تعلیم کی کمی، طلبہ و ادارہ کے بنیادی مقصود اور اپنے فرائض سے بے توجہی انھیں کسی طرح گوارا نہ تھا اس زمانہ میں دیگر مدرسین بھی اسی روش پر کار بند تھے۔

فتاویٰ رضویہ کے سلسلہ میں ان کی علمی کاوشوں کا جو سب سے زیادہ گراں قدر اور تابناک گوشہ ہے اس پر کم و بیش کی نظر جاتی ہے لیکن میرے نزدیک سارے کام کی جان اور سب سے بیش بہا جوہر وی ہے۔ اسے میں ناقصانہ عرض کرنے کی جسارت کروں گا۔

دراصل نظر جن کا کسی مخطوطے کی تحقیق سے سابقہ پڑ چکا ہو یا ایسے ماحول کے پروردہ ہوں جہاں ایڈٹ کا کام



ہوتا ہے اور اسے خاطر خواہ اہمیت دی جاتی ہے تو وہ بہر حال مذکورہ کام کی قدر و منزلت کا اندازہ کر سکتے ہیں اور اسے قرار واقعی درجہ دے سکتے ہیں لیکن ایسے افراد کو شاید اگلیوں پر گھسنے کی بھی ضرورت نہ پڑے خصوصاً اس سلسلہ میں جب استاذ محترم یہ کام انجام دے رہے تھے۔

عوام تو عوام اکثر خواہیں اور عمارتیں حال ہے کہ بادل ساز کے سوچاں صفحات پر مشتمل کوئی کتب خانہ کی نگرانی اور دوسرے کی اصلاح و نظر ثانی اور محنت و کوشش کے بعد شائع ہوئی۔ جب بھی اسے لکھنے والے کا ایک کلمہ شکر کرتے ہیں اور اصلاح والے کو تو قطعاً کسی خانے میں نہیں رکھتے۔ اسی طرح مصنف کے پانچ چھ سو صفحات کا سہرا اگر کسی نے نئے انداز سے عنوانات، فہرست، پیرا گراف کی تبدیلی، عبارت ثنائیات وغیرہ سے آراستہ کر کے شائع کیا تو بھی کسی خانے میں شمار نہیں ہوتا، کام صرف مصنف ہی کا شمار ہوتا ہے۔ مزید برآں کسی بڑے مصنف کے خطوط کی تحقیق و تفتیش کے ساتھ منظر عام پر لانا بھی کوئی زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور ایٹ کرنے والے نے اپنے حزم و متانت و پابند ذوق تحقیق کے تحت مصنف کے دیے ہوئے حوالوں اور عبارتوں کی اصل سے مراجعت بھی کر لی تو یہ قطعاً مذکورہ حضرات کے لیے کوئی محسوس ہونے والی چیز ہی نہیں۔ اس لیے اسے کچھ شکر کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اس ماحول میں ہم دیکھتے ہیں کہ علمی قابلیت اور قلمی صلاحیت رکھنے والے حضرات خود کوئی کتاب لکھ اور اسے کتابت، تصحیح، طبع و اشاعت، ترسیل و مرسلت وغیرہ کے تمام مراحل سے گزارنا تو گوارا کرتے ہیں لیکن اپنے اکابر میں سے کسی بلند پایہ شخصیت کے خطوطات پر مدخل سوزی اور جاں فشانی انھیں قطعاً گوارا نہیں کیوں کہ جس ماحول میں رہتے ہیں اس طرح کا کام بالعموم صفر سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ ان میں بعض حضرات کے قلمی نظریہ خیال بھی ہو گا کہ جن موضوعات پر لکھا جا چکا ہے اور جو کام مسودہ کی حد تک ہو چکا ہے وہ کبھی بھی اور کسی کے ذریعہ بھی منظر عام پر آ سکتا ہے۔ لیکن جو شبہ اب تک تشہر تحریر ہیں انھیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور اگلی سلسلے سے زیادہ توقع نہیں کہ وہ خاطر خواہ ان موضوعات سے عہدہ برآ ہو سکے اس لیے خود کچھ لکھ کر جاننا چاہیے۔

لیکن کیا سارے اہل قلم ایسے ہی ہیں اور سارے ارباب صلاحیت کے اندر یہی جذبہ کار فرما ہے؟ ہمیں بلکہ اکثر میں یہی ذوق ملے گا کہ اپنی بقا کے لیے اپنی تحریر منظر عام پر لانا ہی ضروری ہے۔ مجھے اس ذوق کی تحقیر قطعاً مقصود نہیں۔ یقیناً اہل علم اور اہل دین کے لیے ہر علمی و ادبی کام خواہ وہ کسی کے قلم سے نفع بخش اور جماعتی و قاری کا ذریعہ ہے جس پر توجہ اور محنت کی ضرورت سے انکار یقیناً سفاہت و جہالت کے دائرے میں شمار ہو گا۔ ساتھ ہی ایک تامل قدر کام کی ناقدی اور کام کرنے والوں کی ہمت شکنی کا بھی حامل ہو گا۔

مجھے صرف یہ واضح کرنا ہے کہ اپنی تصنیف اور اس کی اشاعت میں مصنف کے لیے بہت سے جمل

لیکن کسی قدیم تصنیف پر اپنی تصنیف کے برابر یا کم و بیش محنت صرف کر کے اسے از جنہات میں کٹا کر اس قسم کے جذبات کی ہم نوائی نہیں ہوتی، جس کے باعث وہ بڑا ہی صبر آزما، ہمت شکن اور جان فشان کرنے میں جاتا ہے جو کسی ایسی ہی بلند خیال، عزیمت کیش اور پر عزم شخصیت کے خاندان اہمال میں شامل ہونا کم ہی نام پاتا ہے۔ جسے اعلاص و بے نفسی، دینی استغ، سرمایہ علمی سے محبت، اکابر سے عقیدت، جماعت سے ہم دردی، اپنی جوتکتا ہے، شہرت کے نفع بخش اور ہمت افزا تصورات سے کنارہ کشی کا دوا فر حصہ قدرت نے ارزانی کیا ہو۔

ہماری اور عزت و شہرت کے نفع بخش اور ہمت افزا تصورات سے کنارہ کشی کا دوا فر حصہ قدرت نے ارزانی کیا ہو۔ میرا جہاں تک اندازہ اور مشاہدہ ہے وہ یہی کہ استاذ محترم نے جس زمانے میں کام کیا ہے، ماحول کا حق قدر بھی کا تھا اور ان کی جو کچھ پذیرائی ہوئی وہ ان کی محنتوں کے تناسب سے نہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ عہدہ دار اسے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی قلمی کتابیں منظر عام پر آتا بند تھیں۔ ایک قلمی کتاب جو بہت ساری چھوٹی چھوٹی کتابوں پر بھاری ہے قادی رضویہ، اسے مولانا حافظ عبدالرؤف صاحب قبلہ نے شائع کر دیا مگر اشاعت کی دشواری اور اس طویل سفر کی سرگزشت، اس کے خازنہ مراحل کیا ہیں اور کس طرح سر ہوئے۔ اس کا صحیح اندازہ کرنے اور اس بہادر کو مبارکباد دینے والوں کی تعداد پورے برصغیر میں سو بیسکھ پچاس افراد تک بھی نہ رہی ہوگی۔

اتجاسا یہ ہے کہ ان کے قریبی رفقا کو بھی اس راہ میں شب و روز کی مشقتوں، محنتوں اور قربانیوں کا کوئی تجربہ اور صحیح اندازہ نہ تھا، بحسب العلوم حضرت مفتی عبداللہ انصاری صاحب اعظمی کے یہ الفاظ چشم بصیرت سے بڑھنے اور یاد رکھنے کے قابل لگتا۔

”مولانا عبدالرؤف صاحب رضویہ نے اکیلے ہی سب کام کر لیا کرتے تھے۔ اس لیے ہم لوگوں کو کچھ احساس نہیں ہوتا تھا لیکن اب جب کہ کام سے سابقہ پڑا تو معلوم ہوا کہ کام کتنی مشکل اور بڑا ہو گا۔“

جس دور میں جبر قسم کے ارباب فضل و کمال کو کسی عظیم خطوط کی تحقیق و اشاعت کی راہ میں پیش آنے والی دشواریوں اور جان گداز مراحل کا اندازہ نہ ہوا اس وقت کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ عام اہل علم کی طرف سے کما حقہ کوئی پذیرائی اور حوصلہ افزائی ہوئی ہو، پذیرائی اور ہمت افزائی اسی وقت بروئے کار آسکتی ہے جب اس کے چچے قدر آشنائی اور عمل شناسی موجود ہو۔

الحال ان حالات میں حضرت الاستاذ کے طویل مجاہدہ کی قدر و قیمت بہت بڑھ جاتی ہے۔ اب بلاشبہ ماحول جلی جلا ہے اور علم و فن، تجربہ و عمل کی ترقی کے ساتھ قدروں اور قدر دانیوں میں بھی ترقی آئی ہے اس لحاظ سے تمام تذہبوں کے باوجود مردان کار کی تسلی و ہمت افزائی کے لیے بفضل تعالیٰ بہت کچھ سامان پذیرائی فراہم ہو چکا ہے، محنت کر کے اس قسم کے مشقت خیز کاموں کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔





اجیل کی اور دوسرے متعدد مقامات پر اس کے لیے تعاون حاصل کیا گیا۔ چندے کا کام عموماً فند کی صورت میں ہوتا۔ جس میں حافظ ملت بھی شریک ہوتے اور اشرفیہ کے بعض اساتذہ بھی، مولانا عبدالرؤف بلاغی نے رقم طراز فرمائی: ”طباعت کے سلسلے میں سب سے اہم اور بنیادی سوال سرمایے کا تھا اور عوام اہل سنت کی غربت کی وجہ سے نہایت مشکل بھی، اس لیے اراکین سنی دارالاشاعت کو بے حد جدوجہد کرنی پڑی اور یو پی، بہار، بنگالہ میں جبکہ وہاں کرنا پڑا تب جا کر رقم فراہم ہوئی، بریلی میں محترم ساجد علی خاں صاحب، مولانا شریف الحق صاحب اور مولوی مجیب الاسلام صاحب، جھینور پور میں علامہ ارشد القادری صاحب، ضلع گونڈہ میں تلسی پور، لکھنؤ، پور، اودھ، شام، علاقہ بھا بھھر میں چیچروا، رام نگر، ناؤ دیہ، ہستی میں فضیل آباد، براؤں، امرڈیہ، مہنداول، ضلع اعظم گڑھ میں مبارک پور، خیر آباد، ابراہیم پور، محمد آباد، سگڑی، منو، اوری، گھوسی وغیرہ مختلف دیار و اصمار کے احباب اہل سنت نے ہر طریقہ و تدبیر سے اس کے لیے ہم سبھی احباب کے شکر گزار ہیں۔“

اس تفصیل کی روشنی میں یہ امر واضح ہے کہ سنی دارالاشاعت مولانا عبدالرؤف صاحب بلاغی نے کافاتی ادارہ تھا بلکہ خود مولانا عبدالرؤف صاحب بلاغی نے تحریروں سے یہ بھی واضح ہے کہ سنی دارالاشاعت دارالعلوم اشرفیہ کا ایک شعبہ ہے۔

جنوری تا دسمبر ۱۹۵۹ء کی کارکردگی پر مشتمل دارالعلوم اشرفیہ کی سالانہ روداد کے صفحہ ۴۴ پر یہ رپورٹ درج ہے:

### سنی دارالاشاعت:

یہ مستقل شعبہ دارالعلوم کے حوصلہ مند مدرسین کی نگرانی میں قائم ہوا ہے۔ اس کے لیے ابتدائی سرمایہ دی ہزار روپے طے کیا گیا ہے جس میں سات ہزار روپے بذریعہ چندہ فراہم ہو چکے ہیں، ادارہ کی سب سے پہلی اشاعت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کی فتاویٰ رضویہ جلد ثالث (کتاب الصلوٰۃ) ہوگی اگر قوم نے ادارہ کی ہمت افزائی کی تو یہ مفید ادارہ اہل سنت کی بیش بہا تصانیف شائع کرتا رہے گا۔“

تیسری جلد چھپ کر منظر عام پر آئی تو دارالعلوم کی روداد میں یہ رپورٹ شائع ہوئی:

”دارالعلوم کے حوصلہ مند مدرسین کی نگرانی میں قائم ہونے والا یہ اہم ادارہ ہے جس کی طرف سے کئی معرکہ آرا کتاب فتاویٰ رضویہ جلد سوم مارکیٹ میں آگئی ہے۔ تقریباً ساڑھے آٹھ سو صفحہ پر پھیلا ہوا علم و معرفت اور علوم اسلامیہ کا یہ بیش بہا خزانہ دارالعلوم کے عظیم کارناموں کی ایک تازہ مثال ہے اگر قوم نے اس کی اشاعت میں ہاتھ بٹا کر ہماری ہمت افزائی کی تو اس کی بقیہ جلدیں منظر عام پر آجائیں گی۔ چوتھی جلد کی طباعت کے

(۱) ”نہ مذکور تک حاجی محمد عمر صاحب ناظم اعلیٰ تھے اس کے بعد جب مولانا قاری محمد نجی صاحب ناظم اعلیٰ

دارالعلوم روداد ہونے تو ان کی نظامت میں ہی سنی دارالاشاعت سے متعلق مذکورہ بالا رپورٹ شائع ہوئی رہی۔ ۸۲، ۸۱ء کی روداد میں مذکورہ بیعت و بی الفاظ درج ہیں جو اوپر نقل ہوئے۔ اس کے بعد ۸۳، ۸۲ء کی رپورٹ میں صرف یہ تحریر ہے کہ ”بلکہ اس کا (جلد سوم کا) پہلا ایڈیشن ختم ہو رہا ہے۔ چوتھی جلد کی طباعت شروع ہو گئی ہے، ۸۳، ۸۳ء کی رپورٹ میں بھی یہی الفاظ ہیں، ۸۵، ۸۴ء کی روداد میں جلد چہارم سے متعلق کام کی دشواری کا ذکر ہے۔ باقی کی رپورٹیں ساقی ہے۔ لغرض سالہائے مذکورہ اور دیگر سالوں کی رپورٹوں میں اس بات کی واضح صراحت موجود ہے کہ یہ دارالعلوم ہی کا ایک مستقل شعبہ ہے اور فتاویٰ رضویہ کی اشاعت دارالعلوم ہی کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔“

مزید یہاں جب جلد چہارم منظر عام پر آئی تو ۸۶، ۸۵ء مطابق ۶۷، ۱۹۶۶ء کی روداد میں خود ناظم سنی دارالاشاعت کی طرف سے یہ اطلاع شائع ہوئی:

”فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحات ۷۵۰، سائز ۱۸X22/1X4 کاغذ گلیٹر، کتابت، طباعت معیاری، قیمت جلد ۲۴ روپے، غیر جلد ۲۰ روپے۔ ملنے کا پتہ: سنی دارالاشاعت اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یو پی۔“

دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور اپنی نمایاں دینی خدمات کی وجہ سے محتاج تعارف نہیں رہا۔ شعبہ تعلیم اور اشاعت کے ساتھ ساتھ فتاویٰ رضویہ کی طباعت ادارہ کی غیر معمولی خدمت ہے۔“

۸۸، ۸۷ء کی روداد میں بھی جلد چہارم کا اشتہار اور جلد پنجم کے انتظام کی اطلاع دی گئی ہے۔ ان سب سے یہ معاملہ بالکل واضح ہے کہ ناظم سنی دارالاشاعت حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب بلہادی بلاغی نے اپنی تمام زہنتیں صرف کرنے کے باوجود سنی دارالاشاعت کو دارالعلوم ہی کا ایک شعبہ اور فتاویٰ رضویہ کی اشاعت کو دارالعلوم ہی کا ایک کارنامہ قرار دیا۔

مال دینیکی طرح، اور شہرت و ناموری کی حرص استاذ مرحوم کے پاس ثبات کو کبھی لغزش نہ دے سکی، وہ اپنی مہمت کے باوجود ہمیشہ قوی سرمایے کے امین اور مادر علمی کے درد مند تخلص کی صورت میں جلوہ گر رہے۔ ہر بہت دارالعلوم کو انھوں نے ہمیشہ یہ کہتے ہوئے شوک داری:

برو لکھ نام بر مرغ و گر نہ

کہ عطا ما بلند است آسمان

۱۴ شوال ۱۳۹۱ء جمعہ کو جب استاذ محترم کا وصال ہوا تو اس وقت دارالعلوم اشرفیہ کے سابق شیخ الحدیث

استاذ انکریم حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ اور تمام شعبوں کے مرقع تھے۔ حافظ عبدالرؤف صاحب کی اچانک رحلت کے بعد بقول استاذ گرامی مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ: ”سنی دارالاشاعت کی بے گورکن لاش پڑی رہی۔“ سنی دارالاشاعت کے ارکان کا کہیں پتہ نہ تھا نہ اس ادارہ کی کوئی فکر، خیال یا احساس کو جو تمام شعبوں کا مرجع وادائی تھا۔

حافظ ملت نے اسے نشاۃ ثانیہ بخشی۔ ناظمین دارالعلوم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب اور حضرت مولانا قاری محمد یحییٰ صاحب کو اس کام پر مامور فرمایا۔ ان لوگوں نے حساب کتاب کر کے گاڑی کو ایک رنچ پر لگایا۔ چون کہ یہ حضرات مدرسہ کے انتظامات میں مصروف رہتے تھے اس لیے انھوں نے حضرت مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ کو آمادہ کیا اور انھوں نے اس کی بہت ساری ذمہ داریاں اپنے سر اٹھالیں۔

جب سنی دارالاشاعت کی تاسیس ہوئی اس وقت بھی حافظ ملت قدس سرہ نے اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا اور نہ صرف یہ کہ خوشی ظاہر کی بلکہ اس کے لیے خون کی فراہمی اور مالیاتی دوروں میں بھی حصہ لیا۔ سرمایہ کے حصول میں ان کے اشور سوخ اور ان کی شخصیت پر قوم کے عظیم اعتماد کا بھی بہت بڑا دخل ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کتاب چھپ کر آگئی تو ایوں کن حالات میں اس کی نکاسی کے لیے بھی زبردست جدوجہد کی۔ تقریری جلسوں میں اس ضخیم کتاب کی جلدیں ساتھ لے کر جاتے، اہل علم اور اہل ثروت کو ترغیب دے کر خرید دیتے اور واپس آکر قیمت ناظم امداد کے حوالہ کرتے۔ بظاہر یہ کام بڑا آسان معلوم ہوتا ہے لیکن کسی بلند پایہ شخصیت کو ایسی ضخیم کتابوں کی ”مفت پادری“ سے سابقہ پڑنے تو پتہ چل سکے گا کہ اس کے لیے کتنی کم روئی و محنت اور ہمت و اخلاص کی ضرورت ہے۔

اب یہ شعبہ مکمل طور پر حضرت مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ کے زیر تصرف ہے جس کی ابتدا مابقی میں ذکر ہو چکی ہے۔ حضرت ممدوح کے زیر اہتمام ششم، ہفتم، ہشتم شائع ہوئیں اور پنجم کا بھی اکثر حصہ انھوں نے ہی مکمل کر کے شائع کیا۔ تقریباً تیس سال سے وہ یہ خدمت سرانجام دے رہے ہیں، کام کی جو دشواری اور صعوبت ہے اس پر یہ حاصل گفتگو شروع میں ہو چکی ہے۔۔۔ موصوف خود ایک تجر عالم، صاحب طرز اہل قلم اور کتبہ مشق مصنف ہیں وہ چاہتے تو اسے چھوڑ کر خود اپنی کتابیں منظر عام پر لاتے مگر اپنی بہت سی تصانیف ناقام چھوڑ کر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے رشحات قلم کی تحقیق و اشاعت میں وقت اور محنت صرف کرنا تمام اہل علم کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کا مستحق ہے۔ اس میں جو اثاب ہے اسے بہت کم لوگ سمجھ پاتے ہیں کیوں کہ اب بھی ایسے افراد زیادہ تعداد میں نہیں ملے جو تصنیف کو بہت اہم خدمت شمار کرتے ہیں اور تحقیق و اشاعت کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے حالاں کہ نہ ہر تصنیف اہم اور مشکل ہوتی ہے نہ ہر اشاعت سہل اور آسان۔۔۔ اب تو ایسی ایسی غیر معیاری اور سطحی کتابیں دیکھنے کو ہوتی ہیں جنہیں تصنیف کا باوقار نام دینا ہی ہے چاہے۔۔۔ اور کسی جامع علوم اور ماہر فنون کے قلمی مسودے کی تحقیق کر کے

اسے صحت کے ساتھ شائع کرنا ایسا دشوار گزار عمل ہے جس میں اچھے اچھے علمائے تجربہ کا رُشادت ہوتے ہیں اور ان کی رائے کرہ کتابوں میں قاری کو بے شمار الجھنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح کا فرق ہرگز نظر انداز نہیں ہونا چاہیے۔ بہر حال امام احمد رضا قدس سرہ کے فتوے مبارک کی تحقیق و اشاعت وہ اہم خدمت ہے جس پر مولانا حافظ عبدالرؤف صاحب علیہ رحمۃ اللہ کے بعد بحر العلوم کے بھی ہم بے پناہ ممنون ہیں۔ رب کریم انھیں بھی اہل علم کی جانب سے جسے فرائض عطا فرمائے۔ آمین

۵ رجب ۱۴۳۱ھ / ۲۲ فروری ۱۹۹۰ء پنج شنبہ

محمد احمد مصباحی

رکن البیاع الاسلامی

استاذ دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور



حافظ ملت ایک جہان کمالات و محاسن<sup>(۱)</sup>

میں اکثر یہ کہہ کرتا ہوں کہ حافظ ملت جن بلند رائج اور بے تصنع کمالات و اخلاق کے جامع تھے اس بارے میں سوخ پران میں سے ایک کمال بھی کسی کو حاصل ہو جائے تو وہ اسے آسمان قبول و عظمت کی رفعتوں تک پہنچانے کے لیے کافی ہے۔

وہ ایک بلند پایہ عالم تھے۔ ایسے عالم جن کے علم و فضل کا ہر چاں کے دور طالب علمی ہی میں ہوا۔ مولانا مفتی حق رام پوری جیسے تبحر، محقق اور مصنف علامہ نے درس نظامی کی پختی و مشکل کتاب ”اسرار عامہ“ کے ایسے استاد امتحان لیا جو نہ شامل امتحان تھا اور نہ وہاں تک درس ہوا تھا۔ مگر جواب ایسا صحیح و درست اور اطمینان بخش پیش کیا کہ فرمایا ”اسی سے آپ کی ہر کتاب کا امتحان ہو گیا۔“

علم کے ساتھ استحضار علم کا کمال یہ تھا کہ مبارک پور کے ابتدائی زمانہ تدریس میں جب کہ تیرہ مہینوں کا روزانہ درس دیتے اور دوسری دینی مصروفیات میں ہمہ تن مشغول رہتے۔ بعض ایام میں مطالعے کا وقت بالکل ناپ سکا۔ اور ترمذی شریف کا درس بلا مطالعہ جاری رہا۔ قاری اسد الحق صاحب جو بریلی شریف میں حافظ ملت کے کم مدرس طالب علم رہ چکے تھے، مبارک پور میں حضرت سے ترمذی شریف پڑھ رہے تھے۔ کئی دنوں بعد حضرت نے فرمایا: مطالعہ کا وقت نہیں مل پاتا اور بلا مطالعہ پڑھا رہا ہوں۔ قاری اسد الحق صاحب حیران و ششدر ہو گئے۔ عرض کیا: ہمیں تو امتیاز بھی نہ ہو سکا۔ اس طرح کے اور بھی واقعات ہیں جو استحضار علم کی تین دلیل ہیں۔

وہ عظیم مناظر تھے۔ ایسے مناظر کہ تمام درسی مصروفیات کے ساتھ ساڑھے چار ماہ تک شانہ تقریریں جاری رکھیں اور احقاق حق اور ابطل باطل کا حق ادا کر دیا۔ واضح رہے کہ مناظر کے لیے صرف درگاہی علم و مطالعہ کافی نہیں ہوتا اس کے لیے مختلف علوم و فنون کا وسیع مطالعہ، ان کا استحضار، کمال اکتہار، حسن تقصیم، قوت استدلال کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور حافظ ملت کے اس مناظرہ سے ان کی کمالات کا ثبوت فراہم ہو گیا۔

اسی کمال مناظرہ کا زندہ ثبوت ”العذاب الشدید“ ہے جو آج تک لا جواب ہے۔ حافظ ملت فرماتے تھے کہ

”العذاب الشدید“ کا کیا جواب ہو سکتا ہے؟ ”مناظر الحدید“ منظر عام پر آنے کے بعد صرف ایک ہفتہ میں ”العذاب الشدید“ کے غائب کا کیا جواب ہو گیا۔ اس سے علم اور استحضار علم دونوں کا اندازہ کیجیے۔

اس دورہ کا شاندار خلیفہ تھے۔ ایسے خلیفہ کہ زمانہ طالب علمی میں ہی ان کا دعویٰ تھا کہ کوئی بھی موضوع دیا جائے، بغیر کسی تیار کی کے فوراً اس موضوع پر ایک گھنٹہ تقریر کر سکتا ہوں۔ امتحان کے لیے ایک بار دعائے قوت کو عنوان خلیفہ جو یہ کیا کیا اور انھوں نے اپنے دعوے کی تصدیق مکمل طور پر فراہم کر دی۔

بڑی بڑی کانفرنسوں میں جہاں مقررین بولتے ہوئے بیٹھتے ہوں انھوں نے حیرت انگیز اور اثر آفریں تقریریں کیں۔ ان کی خطابت بھی عصر حاضر کے بعض مقررین کی طرح محض خطابت نہ تھی بلکہ الفاظ کے ساتھ معانی، بیان کے ساتھ علم و فکر اور شوکت خطابت کے ساتھ قوت استدلال کا ضامن بن جاتا ہوا سمندر بھی نظر آتا۔ مولانا مفتی حق رام پوری اس قدر ہوتی کہ بعض مقررین کہتے تھے کہ ہم ان کی ایک تقریر بغور سن لیتے ہیں اسی سے تین تقریریں سن جاتی ہیں اور کسی مطالعہ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ نکات اتنے جامع اور فکر انگیز ہوتے کہ باہر مقررین نے ان کے بعض نکات میں سے کسی ایک کو لے کر پوری تقریر تیار کر لی۔

وہ باکمال مدرس تھے، اور تدریس کمال پر ایسا عبور تھا کہ ایک بار مجھ سے فرمایا: وہاں العلوم اشرفیہ میں کسی وقت اپنی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے تلمیذ شہر ملک العلماء مولانا ظفر الدین احمد بہاری علیہ الرحمہ کو صدر المدرسین کی حیثیت سے لانے کی تجویز ہوئی۔ حافظ ملت نے سنا تو فرمایا بڑی خوشی ہے وہ تشریف لائیں۔ میں خادم ہوں خدمت کر رہا ہوں گا۔ میں نے دس سال تک صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی کش برداری کی ہے حضرت مولانا تشریف رکھیں گے اور میں ان کے سامنے درس دوں گا۔

ماہرین تدریس جانتے ہیں کہ یوں طلبہ کے سامنے تقریر و تقصیم آسان ہوتی ہے۔ لیکن کسی تبحر و ماہر عالم کے سامنے کمزور علم والے کا آتا ہوا مضمون بھی غائب ہو جاتا ہے۔ اور گرمی تقریر و تقصیم سرد ہو کر رہ جاتی ہے۔ مگر حافظ ملت اس میدان کے بھی باکمال شہسوار تھے۔

میں نے صرف ”بلند پایہ عالم“ کہا۔ علم کی مختلف شاخوں کو لے لیجے وہ بلند پایہ محدث، مفسر، مفتی، اصولی، کلامی، معنوی بھی کچھ تھے اور ہر ایک کے شواہد موجود ہیں۔

وہ عالم گرتے ایسے عالم کہ آج برصغیر کی مشہور درگاہوں کے اہم عہدوں پر ان کے علاوہ ملوہ گر ہیں۔ وہ خلیفہ گرتے اور ایسے خلیفہ کہ میدان خطابت میں ان کے علاوہ کو امتیازی مقام حاصل ہے۔ اسی طرح مناظرہ و تقصیم و تحریر ہر شعبے میں ان کی درگاہ فیض کے حریت یافتہ ماہرین ضوابط ہیں۔



وہ صرف عالم ہی نہیں، ہم پر پورے طور سے عامل بھی تھے۔ ایسے عامل کے فرائض و واجبات تو فرائض و واجبات ہیں جن آداب و مستحبات کو انھوں نے اپنا اپنا تازیت ترک نہ ہونے دیا۔ افضل الاعمال ادا و مہیا کاربندی دیکھنا ہو تو کوئی حافظ ملت کی زندگی دیکھے۔

نماز تہجد کو اپنا تاسو میں بھی کبھی تقاضا نہ ہونے دیا۔ سو رکعت نماز نصف شعبان کو اپنا تازیت زندگی کے آخری سال تک جاری رکھا۔ روایت میں اختلاف ہوا تو ۲۹/۳۰ دونوں کے حساب سے دو دن بعد مغرب سو سو رکعتیں تھیں۔ علامہ سر پر ہاوند تھوڑا دس سال نہیں زندگی بھر التزام رہا۔ سنن مؤکدہ وغیرہ مؤکدہ جن کا التزام کیا سفر میں بھی ترک نہ ہونے دیا حالانکہ سفر میں جب فرار و عدم قرار کی حالت ہو، سنن مؤکدہ معاف ہیں۔ کسی جملہ کا وعدہ لیا تو بیماری کے باوجود اس کی پابندی کی۔ علامہ ارشد القادری سے فیض العلوم کے سالانہ جلسہ شب براءت کا وعدہ کیا تو اسے تاحیات نبھایا۔ یہاں تک کہ دو سال تک دائمی خود ہندوستان سے باہر برطانیہ میں، مگر حضرت جلسہ میں موجود۔ اس طرح کے بے شمار واقعات حافظ ملت کی زندگی سے وابستہ ہیں۔ اور اس پابندی کے ساتھ کہ عقل و دماغ ہے، مشاہدہ و تحریک ہے۔ ایک واقعہ قاری عبدالکحیم صاحب عزیزی کے مضمون میں جزیروں کو غدار سانی کی پابندی سے متعلق پڑھا۔ اور حیران و ششدر رہ گیا۔

میں صفر ۱۳۹۹ھ میں مفتی اعظم ہند قدس سرہ سے سلسلہ قادریہ برکاتیہ رضویہ میں بریلی شریف میں بیعت ہوا۔ پابندی سے شجرہ خوانی کی تاکید تھی مگر کوشش کے باوجود کبھی کبھی مجھ سے منہ ہو جاتا تھا۔ میں حرمت سے سہا کر چتا کہ کم مشاغل کے باوجود شجرہ پڑھنا مجھ سے چھوٹ جاتا ہے ہمارے پیرانا بزرگ جو دن رات کاموں اور حقوق کو گن کے بجوم میں رہتے ہیں کیسے پابندی کرتے ہوں گے؟ شاید ان کے لیے کچھ رخصت ہو؟ ۲۹/ صفر ۱۳۹۹ھ کو میں اور برادر گرامی مولانا عبدالحمین نعمانی سلمہ قادریہ معمریہ میں داخل ہونے کے لیے حافظ ملت کے یہاں ہلانے در در بعد ظہر حاضر ہوئے۔ اس سلسلے میں طالب ہونے کا اشتیاق اس لیے تھا کہ حافظ ملت کے مرشد حضرت شاد علی حسین صاحب اشرفی میاں علیہ الرحمہ سے غوث پاک تک اس میں صرف چار واسطے ہیں۔ حضرت حافظ ملت نے میں سلسلہ معمریہ میں داخل کیا اور فرمایا کہ ”شجرہ کی پابندی کرتے رہنا، میں جب سے بیعت ہوا کبھی شجرہ خوانی کا نفاذ نہ ہوا۔“ اس ارشاد سے شجرہ خوانی کے بارے میں میرے مذکورہ بالا خیال کی تردید ہو گئی۔ اور حضرت کی پابندی معصومات کا ایک اور نقش ذہن میں ترسم ہو گیا۔ مزید فرمایا کہ ”بریلی شریف میں بھی یہ سلسلہ ہے مگر اس میں ایک واسطہ زیادہ ہو جاتا ہے۔“ اس جملے کا میرے مذکورہ خیال سے کوئی ربط نہ تھا اس لیے میں نے یہی سمجھا کہ ہادی معصومات میں اضافے کے لیے اپنے سلسلہ کی مزید ایک خصوصیت بتا دی ہے۔ مگر باہر آنے کے بعد مولانا نعمانی

حضرت کے یہاں سلسلہ معمریہ میں داخل ہونے کے لیے آپ کے کہنے پر میں آیا۔ لیکن بار بار صاحب نے بتایا کہ حضرت کے یہاں سلسلہ بریلی شریف میں بھی ہے۔ اگر وہیں ہم لوگ اس سلسلے میں داخل ہوتے تو بہتر ہوتا کہ مجھے یہ خیال آتا تھا کہ یہ سلسلہ طلب دونوں ایک ہی جگہ سے منسلک رہتے لیکن حضرت نے جب یہ فرمایا کہ وہاں ایک واسطہ حلیہ بیت اور تو میرا انتقاض دور ہو گیا۔ اور خوشی ہوئی کہ اس طرح ایک واسطہ کم ہو گیا۔

زیادہ ہو جاتا ہے تو میرا انتقاض دور ہو گیا۔ اور خوشی ہوئی کہ اس طرح ایک واسطہ کم ہو گیا۔ میں نے خواہر مد کلام کرتے ہوئے حافظ ملت کو بار بار پایا۔ میں تو اسے فراموش ایمانی اور روشن ضمیری ہی سمجھتا ہوں۔ کوئی چاہے تو محض حسن اتفاق بھی کہہ سکتا ہے۔ مجھے اس پر اصرار نہیں۔ اصل کرامت استقامت علی الشریعہ ہے جو حافظ ملت میں بدرجہ کمال موجود تھی۔

مگر اس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ وہ عظیم روحانیت کے حامل تھے اور متعلقین پر ان کا تصرف اور ان کی روحانی و عیسیٰ دوریوں کے باوجود جاری رہتی تھی۔ خود مجھے ان کے وصال کے وقت تو کرب و غم کے سوا کچھ پتہ نہ چلا۔ میں جب چالیس دن پورے ہو گئے تو اپنے اندر ”انکرنا قلوبنا“ کی کیفیت میں نے تین طور پر محسوس کی۔ یہ ایک چچ پاپ رسول عظیم، صاحب روحانیت اور کریم دست گیر کے فیضان حیات سے محرومی کا کرشمہ تھا جو شک و زار دل کی بڑھ مروی کی صورت میں عیاں ہوا۔

شعبان ۹۵ھ میں حافظ ملت شب براءت کے اجلاس میں شریک تھے۔ لوگوں نے فیض العلوم اور جشید پور کی نفی ضروریات ذکر کیں، اور عرض کیا کہ اب علامہ ارشد القادری کی طویل غیر موجودگی سے معاملات بگڑتے رہے ہیں۔ حافظ ملت نے بڑی ہمدردی سے سنا اور فرمایا کہ میں ان کو لکھوں گا کہ واپس آجائیں۔ اجلاس کی تقریر میں بھی فرمایا کہ آپ لوگ پریشان نہ ہوں میں ان کو بہت جلد بلاؤں گا۔ وہ آئیں گے۔ میں اس سال مولانا فضل حق پوری کی کچھ ضرورت سے تعطیل کے بعد ان کے مدرسہ دارالقرآن میں مقیم رہا۔ غائبانہ کی روداد مرتب کرنی تھی پادری فرائض کی مشق کر رہے تھے۔ چند دنوں بعد مولانا کے بڑے صاحبزادے غلام ربانی نے خبر دی کہ اچا کا نہیں رہا موصول ہوا ہے۔ وہ پورہ سوں برطانیہ سے یہاں واپس پہنچ رہے ہیں۔ علامہ ارشد القادری واپسی کے دو ماہ بعد ماہ شوال میں مہارک پور آئے، اس موقع پر لال چوک کے پاس ایک جلسہ عام میں بیان کیا کہ ”حافظ ملت نے مجھے کوئی خاتونیں لکھا الیت میرے دل پر تصرف کیا۔ مجھے شب براءت کے بعد واپسی کی بے قراری ہو گئی۔ اہلیہ کی علامات کا لکھنا مجھے لگتا تھا وہی میں نے سبب بتا کر لوگوں سے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا اور وید او غیرہ لے کر واپس آ گیا۔ مجھے یاد آتا ہے کہ ۲۲ شعبان کو وہ جشید پور پہنچ گئے۔“

اس طرح کے بہت واقعات متعلقین کے ساتھ پیش آئے ہیں جو قلمبند ہو کر سامنے آئیں تو اس بات کی



شہادت کے لیے کافی سے زیادہ ہوں گے کہ حافظ ملت عظیم روحانیت اور عظیم تصرفات کے مالک بھی تھے۔ وہ بہترین مدبر تھے۔ ان کے ناخن تدبیر سے سیکڑوں مشکل مسائل کی گتھیاں سلجھیں۔

وہ ایک دوراندیش اور معاملہ فہم منتظم تھے۔ جن کی دوراندیشی سے بہت سے معاملات کا حل اور بہت سے مسائل کا جواب پہلے ہی موجود ہوتا۔

وہ عظیم قوت فیصلہ اور بے پناہ قوت ارادی کے مالک تھے۔ علمی مسائل ہوں یا انتظامی معاملات منجھو اور سیکڑوں میں انہیں مستحکم فیصلے سناتے دیکھا گیا ہے۔ اور جو فیصلہ کر دیتے اس پر یوں قائم رہتے کہ بعض اوقات پوری بالادست انتظامیہ اور عوام کی کثیر جماعت بھی ان کے پاسے ثبات میں لغزش پیدا کرنے سے ہراساں جاتی۔ قوت ارادی کا حال یہ تھا کہ جس کام کا عزم کر لیتے اسے مکمل کر کے ہی دم لیتے۔ انھوں نے آندھ جیل کی زد پر چراغ جلائے اور دنیا کو حیرت و کجی ہی رہی۔

ان کے حسن تدبیر، دوراندیشی، معاملہ فہمی، سرعت فیصلہ اور قوت ارادہ کا اعتراف انہوں نے بھی کیا، فیصلوں نے بھی کیا۔ ان عنوانات پر واقعات و شواہد بھی پیش کیے جاسکتے ہیں۔

وہ عظیم سیاسی بصیرت اور ایمانی حکمت و قیادت میں بھی منفرد مقام رکھتے تھے۔ محدود ماحول میں قوم کی بہت مثالیں ہیں۔ مکی پیمانے پر ان کی فکر رسا کا اندازہ کرنے کے لیے ان کی کتاب ”الارشاد“ دیکھنا چاہیے۔

وہ ایک انقلاب آفریں اور عہد ساز شخصیت تھے اس کے ثبوت کے لیے مبارک پور کی سرزمین اور ہندوستان کا گوشہ گوشہ گواہ ہے۔ انھوں نے علم و آگہی، دین و حکمت، قرحا و قلم اور تحریک و تنظیم کی جو جوت جگائی ہے ملک چہارسو نظر آ رہی ہے۔

انھوں نے مبارک پور کے گمنام قصبہ سے عظمت دین اور شاعت علوم کا جو تصور پھونکا ہے، آج ہندوستان کے چپے چپے سے اس کی آواز باز گشت سنانی دے رہی ہے۔ انھوں نے بوسیدہ چٹائی پر بیٹھ کر خدمت دین کی دلائم اثار و قربانی، اور استقلال و استقامت کا جو درس دیا ہے ان کے حوالہ کے ذریعہ ملک و بیرون ملک مختلف تحریکوں، تنظیموں اور اداروں کی زندگی میں اسی درس کا فیضان آج بھی کار فرما ہے۔

اب ان کے اخلاق گراں یاد ہو سکیں۔ عم و فن کی گہرائی، حقیقت و تحقیق کی گیرائی اور تعلیم و تدریس کی جرات صرف اہل نظر کو متاثر کرتی ہے۔ لیکن اخلاق و مروت کی شیم جانفروز ابر خاص و عام کے دل میں گھر کر رہے۔ اخلاق و کردار ہی وہ آئینہ ہے جس میں انسان کے باطن و ضمیر کا عکس بہت صاف دکھائی دیتا ہے۔ حافظ ملت ہمدردی و غم گساری، تواضع و خاکساری، بلند ہمتی، دہلی ظریفی، چشم پوشی و رواداری، صاف دلی و قدر افزائی، صحت

دینی، شجاعت و ہمدردی وغیرہ ہر وصف میں اس درجہ کمال پر فائز تھے کہ اس کمال کے ساتھ ایک وصف بھی کسی میں بڑا نہ تو اسے امتیاز و اختصاص کے آستان پر پہنچانے کے لیے کافی ہو۔ میں یہاں چند اوصاف سے متعلق ذرا تفصیلی گفتگو کر رہا ہوں

ہمدردی و غم گساری:

انسان کے لیے جہاں ہے کہ وہ اپنے نفع و ضرر اور راحت و الم کی فکر رکھے وہیں اس کا اخلاقی فریضہ ہے کہ دوسروں کا بھی خیال رکھے۔ اس کے بغیر اجتماعی و معاشرتی زندگی سبے کیف بلکہ خطرناک ثابت ہوتی ہے۔ آج نام فہم اس ضرورت کو محسوس کر رہی ہیں اور ہر چہاں جانب یہ جذبہ پیدا کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ خود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں اس پر کافی زور دیا، انھوں نے جو معاشرہ تشکیل دیا اس میں یہ بات ضرورت اہم موجود تھیں۔ صحابہ کرام کے درمیان عقد موافقت اس نیک جذبہ انسانی کا ایک ایسا مظہر ہے جس کی مثال تو اہل علم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

آج بھی کسی نہ کسی حد تک باہمی ہمدردی کا جذبہ اہل اسلام اور دوسری اقوام کے اندر پایا جاتا ہے۔ لیکن عملی دنیا میں جس کے اندر اس جذبے کا دائرہ جس قدر وسیع ہو گا اسی قدر اسے شرف و کمال اور امتیاز و افتخار حاصل ہو گا۔ قوم انسان اپنے قربات و داوروں، دوستوں، تجارت و معاملات یا کسی صنعت و حرفت، ضرورت اور حاجت کے تحت تعلق رکھنے والوں کے دکھ سکھ میں حصہ لیتا ہے لیکن زیادہ باوقار اور با عظمت انسان وہ ہوتا ہے جس کا صاف و شفاف دل اور جس کا شوق طاقتور ضمیر اسے بے غرض اور بے نمود ہمدردی و غم گساری کے لیے آمادہ و تیار رکھتا ہو اور جو انہوں کی طرف دوسروں کے لیے بھی سرگرم نظر آتا ہو۔

حافظ ملت کی مثالی زندگی پر متصفانہ نظر رکھنے والے اگر سرسری طور سے بھی اپنے مشاہدات اور یادداشتوں کا جائزہ لیں تو اس وصف کے تعلق سے انہیں واقعات و شواہد اتنی وافر مقدار میں دستیاب ہوں گے جو اس گراں بہا منت میں بھی حافظ ملت کے مقام عظمت و امتیاز کے اعتراف کے لیے کافی سے زیادہ ثابت ہوں گے۔

ہمدردی و غم گساری کا لفظ ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے جس کے دامن میں متحدہ واد صاف و اخلاق جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ بہادری کی عبادت، جفا و میں شرکت، پس ماندگان کی تعزیت، غریبوں کی امداد، کسی بھی آفت و مصیبت میں گرفتار ہونے والوں کی تسکین خاطر یا حسب وسعت اعانت و دہکیری، یہ سب اسی ہمدردی و غم گساری کی شاخیں ہیں۔ آئیے حافظ ملت کی زندگی میں ہم ان سب پر ایک سرسری نظر ڈالیں۔

## عیادت:

حافظ ملت عوامی زندگی سے بہت قریب تھے اور لوگوں کے مرض و الم سے باخبر ہونے میں انھیں زیادہ نہیں ملتی تھی۔ لیکن زیادہ حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ اگر کسی کی بیماری و پریشانی سے متعلق واسطہ در واسطہ بھی خبر مل جاتی یا بریکیل تذکرہ بھی کسی کی بیماری سن لیتے تو کوئی نہ کوئی وقت نکال کر بہت جلد اس کی عیادت کو پہنچ جاتے۔ اس میں نہ کسی عالم و فاضل کی تخصیص تھی نہ کسی امیر و غریب کی، نہ مرید و شاگرد کی، نہ عزیز و رشتہ دار کی، نہ عقیدت کی بلکہ نیاز مندی، اگر کچھ خصوصیت تھی تو ایسے افراد کی جو سین دار اور دین پرور ہوں۔ وہ ایسے بیماروں کے یہاں بھی جاتے تھے جنہیں یہ توقع بھی نہ ہوئی کہ ہمارے گھر کو اس موقع سے کبھی حافظ ملت کی آمد کا شرف حاصل ہوگا۔

مبارک پوری سرزمین سے تو ایسے بے شمار واقعات وابستہ ہیں، کاش وہ قید تحریر میں بھی آئیں۔ طرفہ دہ جوانب مثلاً خیر آباد، محمد آباد، بھیرہ، گھوسی، اداری وغیرہ کے لوگوں سے بھی حسب اطلاع اسی قسم کا معاملہ تھا۔ اگر کسی باہر تشریف لے گئے اور وہاں کسی مریض کو جان لیا تو اس کی عیادت کے لیے بھی اٹھ کھڑے ہوتے۔ رجب ۱۳۹۵ھ کی بات ہے۔ میں مدرسہ فیض العلوم جمشید پور میں تھا۔ مدرسہ کے کچھ طلبہ شام کو ایک محلہ میں قرآن خوانی کے لیے گئے، اتفاقاً جس گھر پر طلبہ تھے اس کے پاس سے غیر مسلموں کا ایک جلوس گذرا۔ جلوس والوں نے اہم لگایا کہ اس گھر سے ہمارے جلوس پر پتھر آیا ہے جس کے نتیجہ میں پولیس نے گھر والوں خصوصاً طلبہ کو زور و کوب کیا اور تھانے لے گئے۔ رات گئے کچھ لوگوں کو معلوم ہوا تو طلبہ کو تھانے سے چھڑا کر مدرسہ لائے، اس وقت صدر ارشد القادری صاحب برطانیہ میں تھے، خیر یہاں زخمی طلبہ کی مرہم بنی ہوئی اور علاج و معالجہ ہوتا ہوا اس وقت جلد ملت علیہ الرحمہ مدرسہ سے تقریباً آٹھ کلومیٹر دور محلہ جھلسائی میں گیا۔ جوں جوں شریف کے جلوس کے سلسلے میں قیام پذیر تھے، طلبہ سے متعلق خبر ملی تو دھنگ ڈیہ عیادت کے لیے تشریف لائے، طلبہ کو دیکھا اور انھیں تسلی دیتے ہوئے مؤثر کلمات سے نوازا اور واپس ہوئے۔

دور طالب علمی میں ایک بار میں اشرفیہ میں بیمار پڑا۔ کسی طرح حضرت کو معلوم ہو گیا۔ اچانک دیکھا ہوں کہ حضرت خفاف معمول نیچے میرے کمرے میں شریف لارہے ہیں، قریب آئے، حال پوچھا۔ ہدایت کی اور دعاؤں دے کر تشریف لے گئے۔

اسی طرح ایک بار بیمار ہو کر گھر آیا اور ایک ہفتہ کے بعد واپس ہوا تو وقت ملاقات فرمایا۔ چھارے لیے بہت دعائیں کیں، مجھے معلوم ہو جاتا تو جانے نہ دیتا، تیس علاج ہو جاتا۔ ایک بار میرے والد صاحب کی علالت سن لیا تو

تذکرہ منہجی جلد میں جاتے ہوئے خیر آباد سے رکشہ چھوڑ کر پیادہ بھیرہ تشریف لائے پھر پیادہ محمد آباد گھاٹ سے فریاد آیت گئے۔ میرے اندازے کے مطابق ان کی زندگی میں عیادت کے واقعات ہزاروں کی تعداد میں ہوں گے شریف نے کئی معجزات اس قدر تھیں کہ دس پانچ منٹ بھی خالی رہنا مشکل تھا۔ مگر عزم و ہمت اور تدبیر و حکمت سے وہ بے شک کر لیا کرتے تھے۔ صالح اور سچا عزم و اخلاص ہو تو تائید غیبی بھی یادری کرتی ہے۔

## شرکت جنازہ:

مطمئن کہنے افراد ہیں جن کے جنازوں میں حافظ ملت نے شرکت کی اور زیادہ تر وہی ہیں جن سے نہ تو دوستی ارشاد ہے نہ ارادت و شاگردی کا، اور نہ ہی قرابت کا تعلق، صرف دین و ایمان کا رشتہ ہی وہ قوی محرک تھا جو ہماروں کے گھروں کی طرح انھیں مرنے والوں کے جنازوں تک بھی کھینچ لاتا۔ بعض اوقات اس کے لیے سخت صعوبت کے گھروں کی بھی اٹھانی پڑتی۔ خود بیان فرمایا کہ موضع اطوا (جو حافظ ملت کی قیام گاہ سے ایک کلومیٹر دوری پر واقع ہے) میں بھی اٹھانی پڑتی۔ چلو بیان فرمایا کہ موضع اطوا (جو حافظ ملت کی قیام گاہ سے ایک کلومیٹر دوری پر واقع ہے) میں بھی ایک شخص نے وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ حضرت پڑھائیں۔ بعد وفات لوگوں نے اطلاع دی۔ گرمی کا موسم تھا۔ دوپہر کا وقت، چھلپاتی ہوئی دھوپ، اور اس زمانے میں سواری تیاہاب مگر صرف ایک مسلمان کی وصیت کی تھی اور اس کے جنازہ میں شرکت کے لیے بلا توقف پیادہ تشریف لے گئے۔

ملاقات مبارک پور اور قریبی علاقوں سے بھی اگر کسی کے جنازے کی خبر آ جاتی تو اس زمانے میں سواریوں کی فہم و مصروفیتوں کے باوجود شرکت فرماتے۔

## تقریرت:

اس سنت کا التزام تھا۔ جنازہ میں شرکت فرمائی تو بعد جنازہ میت کے گھر آکر پس ماندگان کو کلمات تسلی سے نوازے اور اگر بعد میں اطلاع ملی تو بھی کم از کم تقریرت سے باز نہ رہتے۔ مجھ سے پہلے میرے آٹھ بھائی بہن کسنی ہی میں انتقال کرتے۔ میرے والدین کا بیان ہے کہ جب بھی کسی بچے کا انتقال ہوا اس کے بعد حضرت ضرور تشریف لائے اور آتے تو آیات و احادیث کی روشنی میں ایسی دلنشین باتیں فرماتے جن سے بڑا صبر و سکون ملتا۔ اور کافی حد تک بے پناہ صدمے کا غم غلط ہو جاتا۔

## حاجت مندوں کی امداد:

حافظ ملت کوئی بڑے دولت مند اور صاحب ثروت تو نہ تھے لیکن جو کچھ رکھتے تھے اسے ضرورت مندوں پر نہتے دل سے نہ تھا۔ قدرت نے اس دل دردمند میں جو سوز و گداز و دلیت فرمایا تھا اس سے ممکن نہ تھا کہ کسی پریشان

حال کو دیکھ کر اس کی فکر نہ ہو۔ اور زیادہ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ بعض اوقات بہت سے لوگوں کی ضرورت نہ تھی۔  
 حالی سے ان کے قریبی احباب بھی آشنا نہ ہوتے لیکن حافظ ملت کی نگاہیں بہت جلد اس کا اندازہ کر لیتیں۔ گھر سے  
 تو خود پاکسی اور کے ذریعہ حاجت روائی فرماتے۔ یہ چند سال کا معمول یا چند افراد کے ساتھ خصوصی برادری کا قلم  
 زندگی بھر کی عادت کر لیا اور ایک عام طریقہ تھا۔ اس پر کمال یہ ہے کہ اس امداد اعانت کا اپنی زبان سے نہ کہ کوئی  
 کی بات ہے کسی اور ذریعہ سے بھی اس کا اظہار ممکن نہ تھا۔ بلکہ لینے والا اگر خود نہ بتائے تو کوئی جان بھی نہ سکتا تھا۔  
 مولانا قاری محمد حسین صاحب اعظمی امام جامع مسجد جگلسائی جشید پور نے ایک بار اپنے ساتھ حضرت کی  
 عنایتوں کا حال بیان کیا (مجھے یاد آتا ہے کہ انھوں نے یہ اس تعزیتی اجلاس میں بیان کیا تھا جو حافظ ملت کی رحلت کے  
 چند دنوں بعد جگلسائی جامع مسجد میں منعقد ہوا تھا۔)

وہ کہتے ہیں کہ جب میں اشرفیہ میں زیر تعلیم تھا، ایک وقت والد صاحب نے خانگی پریشانیوں کی وجہ سے مجھے  
 تعلیم چھوڑنے کے لیے کہا لیکن حافظ ملت کو معلوم ہوا تو انھوں نے تکمیل کا حکم دیا اور میری کفالت خود اپنے ذمہ لے لی۔  
 میں والد صاحب نے میری شادی کر دی کہ شاید اس وجہ سے ترک تعلیم پر مجبور ہو مگر حافظ ملت نے میرے ساتھ میری  
 اہلیہ کے اخراجات کا بھی ذمہ لے لیا اور کئی سال یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ میری فراغت ہو گئی۔

اس واقعے سے جہاں حافظ ملت کی ہمدردی اور بے لوث سخاوت کا علم ہوتا ہے وہیں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ  
 ان کی نظر میں تعلیم کی کس قدر اہمیت تھی اور اپنے طلبہ پر کسی درجہ شفیق و مہربان تھے کہ خود کو بڑی محنت قائل  
 اور خوش دلی سے صعوبت و مشقت اٹھانے کے لیے آمادہ کر لیتے لیکن کسی عزیز کی دینی تعلیم کا جو سلسلہ جاری ہے اس کا  
 منقطع ہونا کتنا دردناک ہے۔

قاری صاحب موصوف ہی بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں میں حافظ ملت کے گھر (پرانے در سدر گھر) میں  
 ایک بار مبارک پور میں کاروبار پر سخت غلطی آئی۔ یوں تو کساد بازاری ہوتی رہتی تھی لیکن اس وقت منہ ان تازیہ  
 تھا کہ بہت سے گھروں میں فاقہ کی نوبت آگئی تھی، لوگ طرح طرح کی پریشانیوں سے دوچار تھے۔ کچھ لوگ حضرت  
 کے گھر تنہائی کے وقت آتے۔ حضرت ان کی سقیم حالت دیکھ کر کچھ جاتے اور کچھ کہے بغیر اندر سے دال چلا دیں اور  
 اور کچھ نقد لاکر چپکے سے دے دیتے۔ یہ معاملہ میں نے بہت سے لوگوں کے ساتھ دیکھا اور بار بار دیکھا۔ وہ فرماتے ہیں  
 کہ حافظ ملت کا یہ سلوک ایسا تھا جس سے پاس پڑوں کے لوگ اور لینے والوں کے قریبی آشنائیتہ داری وقف  
 نہیں ہو سکتے تھے اس لیے کہ حافظ ملت تو اسے کبھی زبان پر لا دیتے نہ سکتے تھے ہر طرح اخفا کی کو کوشش کرتے اور اپنے  
 دالے بھی اپنی عزت کے خیال سے اس کا ذکر نہیں کر سکتے تھے۔ خود میں اگر گھر کے ایک فرد کی طرح وہاں قیام نہ نہ  
 ہوتا تو مجھے بھی اس کی کوئی خبر نہ ہوتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دروغ حافظ ملت کے رگ و پے میں کس طرح

ت کت کر بھرا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ معیشت کی خرابی کا اثر اشرفیہ اور مدر سین پر بھی ضرور پڑا ہو گا۔ بلکہ خود اشرفیہ  
 نہ ہونے کی بنا پر ہے کہ ایسے ایام میں مدر سین کو سخت پریشانیوں اور صبر آزما مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان حالات  
 میں خود اپنی ضروریات اور اپنے متعلقین کی کفالت کا انتظام ہی بڑا دشوار گزار مرحد ہے۔ دوسرے حاجت مندوں کی  
 طرف انکسار کا سامان کرنا، تو اور بھی مشکل ہے۔ لیکن حافظ ملت کے اخلاص و تقویٰ اور دردمندانہ کردار و عمل کو دیکھ  
 طرف انکسار کا سامان کرنا، تو اور بھی مشکل ہے۔ لیکن حافظ ملت کے اخلاص و تقویٰ اور دردمندانہ کردار و عمل کو دیکھ  
 طرف انکسار کا سامان کرنا، تو اور بھی مشکل ہے۔ لیکن حافظ ملت کے اخلاص و تقویٰ اور دردمندانہ کردار و عمل کو دیکھ

تران آیات کریمہ کی تفسیر محسوس شکل میں نگاہوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔  
 وَنَحْنُ نَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ يَجْعَلُ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقُهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (۱)  
 وَنَحْنُ نَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ يَجْعَلُ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقُهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (۲)

اور جو خدا کا تقویٰ رکھتا ہو اللہ اس کے لیے کشادگی کی راہ پیدا کر دے گا اور اسے وہاں سے رزق دے گا جہاں  
 اس کا گمان نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

ان کا گمان نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔  
 اور اگر کہیں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے  
 کھول دیتے۔

### سخاوت و فیاضی:

ظاہر ہے الگ سے بیان کرنے کی ضرورت نہ رہی، گزشتہ واقعات و شواہد سے ان کی کشادہ دلی اور بذل و سخا  
 کے ماحول خود ہی عیاں ہیں۔ البتہ اس کا اعلان و اظہار کم ہی ہوا تھا۔ بہت سے ضرورت مند طلبہ کو وہ ان کے خرچ  
 کے لیے اکثر پیشتر خفیہ طور پر دے دیا کرتے تھے، یہ اس لیے کہ قرآن و حدیث میں اسے زیادہ اہم  
 فرمایا گیا ہے۔ ساتھ ہی لینے والے کی خود داری اور عزت نفس کا پاس و لحاظ بھی ملحوظ خاطر ہوتا۔ مدارس و مساجد کے  
 چوں میں بھی وہ مالی اعانت سے حصہ لیتے اور کبھی کبھی اس کا اعلان بھی ہو جاتا۔ قرآن میں اسے بھی دوسروں کی  
 زینب کے پیش نظر اچھا قرار دیا گیا ہے۔ جامعہ اشرفیہ کی تعلیمی کانفرنس پھر جشن افتتاح کے مواقع پر حافظ ملت، ان  
 کے اہل خانہ اور متفرد افراد خانہ کے تعاون کا اعلان بھی ہوا۔

### اعزہ و متعلقین سے حسن سلوک:

کشادہ دلی کا اس میں بھی دخل ہوتا ہے۔ حافظ ملت کے چھوٹے بھائی حافظ عبدالرشید صاحب مرحوم ایک  
 بہ حضرت کے حسن سلوک کا ذکر فرمانے لگے کہ حافظ ملت کی عادت ہے کہ گھر پر ہم لوگوں کو کوئی سامان یا کھانے

چنے کی چیز لا کر دیا کرتے ہیں۔ اور انکار کرنے پر اصرار کر کے فرماتے ہیں کہ "مٹنے کو انکار نہیں کر سکتے۔" مزید فرمایا کہ "انھوں نے ہم لوگوں کو کبھی کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دی۔ خدا ان کا سایہ و راز فرمائے۔ ہمیں ان کا صدمہ نہ دکھائے۔ ہمارے بہت بعد تک انھیں باقی رکھے۔" مگر مشیت ایزدی میں کسے چارہ ہے؟ حافظ ملت کا وصال ۱۳۶۱ھ ہوا۔ لیکن حافظ عبدالرشید صاحب فریق کا صدمہ زیادہ دنوں تک برداشت نہ کر سکے، یکم جمادی الاخرہ ۱۳۶۱ھ مطابق ۳۱/ مئی ۱۹۷۶ء شنبہ گزار کر رات کو حافظ ملت کا وصال ہوا اور حضرت کے برادر عزیز مرحوم محمد جون ۱۳۷۹ھ میں تین سال بعد ہی ان سے جا ملے۔ رحمہما اللہ رحمۃ واسعة۔

جشنید پور تشریف لاتے تو علامہ ارشد القادری کے بچوں کو اس دور کے لحاظ سے کم و بیش ایک ایک دو درجہ کا ایک کو ضرور دیتے، اس معمول میں بھی کبھی فرق نہ آیا، کئی سال علامہ موجود نہ تھے مگر حضرت کا سلوک اپنی فکر برقرار رہا۔ ایک بچی جو زرا ہوشیار ہو گئی تھی ڈر کی وجہ سے نہ آئی تو حضرت اسے بھولے نہیں۔ چلے چلتے اسے بلایا اور دیا۔ وہ اپنی پر اس نے قدم پر ہاتھ لگا کر جو مانجا ہاتھ حضرت نے سخت ناگواری ظاہر کی اور اس کے بڑے والد کا ہر لے کر فرمایا کہ وہیں سے یہ تم لوگوں نے سیکھا۔ انھوں نے تمھاری عادت بگاڑ دی۔

عموماً بڑے لوگوں کو چھوٹے اور بہت چھوٹے لوگوں کی دلجوئی کا خیال کم ہی آتا ہے مگر اس خصوص میں بھی حافظ ملت کا کردار عام بڑے لوگوں سے مختلف تھا۔ کوئی سفر میں ساتھ ہے تو اس کی ضرورت اور کھانے پینے کا کچھ خیال رکھتے۔ دعوت میں کوئی ساتھ گیا اور کھانے کے وقت دسترخوان پر حاضر نہیں یا لوگوں نے ناواقفی میں اسے پیچھے کر دیا تو خود یاد فرماتے اور: ب تک بلانہ لیتے کھانا شروع نہ فرماتے۔ اس طرح کے واقعات میرے ساتھ بھی گزر چکے ہیں۔ صرف ایک واقعہ ذکر کرتا ہوں۔

جشنید پور محلہ آزاد نگر کے ایک اجلاس میں شرکت کے لیے حضرت تشریف لے گئے تھے۔ قیام و محلی ذی مدرسہ فیض العلوم میں تھا۔ دونوں محلوں میں قریباً آٹھ کلو میٹر فاصلہ ہوگا، جلسہ میں شرکت کے لیے ایک سامع کی طرح میں بھی پہنچ گیا۔ اختتام کے بعد روڈ کی طرف آیا کہ کوئی سواری ملے تو دھمکی دینے جاؤں، رات کے ایک بجے کا وقت تھا۔ سواری مٹنے میں پریشانی نازی امر تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک ٹیکسی جانے والی ہے اس کی طرف بڑھ کر قریب پہنچی تو یہ دیکھا کہ اس سے حافظ ملت اور دوسرے بزرگ علما تشریف لے جا رہے ہیں۔ اس وقت میں فیض العلوم میں سیر مدرسہ تھا مگر عمر کی وجہ سے میری حیثیت ایک طالب علم سے زیادہ نہ تھی، اس لیے معزز مہمانوں نے پیچھے ہٹنے کے باوجود التفات کی کوئی ضرورت نہ سمجھی، میں بھی مطمئن تھا کہ اور بھی سامعین آئے ہیں کسی ٹیکسی والے کو تیار کر ہی لیا جائے گا۔ اتنے میں حافظ ملت نے مجھے دیکھ لیا اور فرمایا مجھ جاؤ۔ میں نے عرض کیا اس میں تو جگہ نہیں

جنگ تودل میں ہوتی ہے۔" فرمایا: "حضرت کی زبان سے یہ سننا تھا کہ بزرگ ہم نشینوں کو خیال ہوا اور آسانی سے میرے لیے جگہ اکل آئی۔ یہ معمولی واقعہ ہے۔ مگر ایسے ہی واقعات سے معاشرہ میں رواداری، کشادہ قلبی اور خرد نوازی کا احسان ہوتا ہے۔ ایک حافظ ملت کے اخلاق و محاسن کے عنوانات اور ان سے متعلق شواہد و واقعات بہت ہیں سب کو سلیساً سب کی زبان میں بیان نہیں کیا۔ میں چند واقعات و حالات اور پیش کرتا ہوں ان کے مناسب عنوانات ناظرین خود قلم کر لیں۔

(۱) حافظ ملت نے مجھ سے ایک بار بیان فرمایا کہ حضرت شاہ علی حسین صاحب اشرفی میاں علیہ الرحمہ ہمارے زمانہ طالب علمی میں اجیر شریف پختون ان کے پاس سلسلہ معریہ تھا جس میں غوث اعظم تک صرف چار واسطے ہیں۔ ہم چالیس دفعاتے درس ایک ساتھ اس سلسلہ میں داخل ہو گئے۔ اور سلسلہ چشتیہ اشرفیہ میں طالب ہوئے۔ بعد میں جب میں مبارک پور آیا اور یہاں حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ کی تشریف آوری ہوئی تو مجھے خلافت بھی دے دی، میں نے عرض کیا: حضور میں تو اس کا اہل نہیں، فرمایا:

"وادی حق را قابلیت شرط نیست"

حافظ ملت کو حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب اعظمی قدس سرہ سے بھی سلسلہ قادریہ پر کاتبہ میں خلافت حاصل ہے۔ مگر قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ حافظ ملت ان لوگوں میں نہیں جو خود مطالبہ کر کے خلافت حاصل کریں بلکہ انھیں خلافت دی گئی تو یہ عرض کیا کہ میں تو اس کا اہل نہیں اور جواب دہ ملا جو ایک تمنہ امتیازی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اب تو ہم تن نااہلی کے باوجود کسی کے سر ہو کر خلافت لینے دینے کا سلسلہ چل پڑا ہے جو بد درجہ انہوں تک ہے۔

(۲) کتاباً ۱۹۷۲ء کا واقعہ ہے کہ مولانا عبدالستار صاحب پرولیادی اور مولانا ناصر صاحب وغیرہ نے اپنے کچھ حلقہ میں خواہش پر مشعل راہی میں کو نام نامی ایک مقام پر حافظ ملت کو ایک جلسہ میں مدعو کیا۔ حضرت نے خرخر فرمایا اور اسٹیج سے اتر کر قیام گاہ کے لیے روانہ ہوئے، اناؤنسر صاحب نے اب حضرت کے محاسن و مراتب بیان کرتے ہوئے لوگوں کو داخل سلسلہ ہونے کی دعوت دی۔ حضرت نے واپس جاتے ہوئے راستے میں یہ باتیں سن لیں اور میان راہ سے واپس آئے۔ اناؤنسر کو سخت ناگواری کے ساتھ اس اعلان سے روکا اور خود مانک پر آ کر فرمایا کہ میں انھیں اس طرح کی تحریک پسند نہیں کرتا اور جو کچھ ہوا میری مرضی اور اطلاع کے بغیر ہوا۔

افترض حافظ ملت کا کردار ان لوگوں سے بہت مختلف ہے، جو خود اس طرح کی تحریک کر کے لوگوں کو اپنا میرے بناتے ہیں اور اس کام کے لیے لوگوں کو خاص طور سے استعمال کرتے ہیں۔ یوں بھی حافظ ملت نے اپنے کو کبھی بزرگ



کے روپ میں نہیں پیش کیا۔ جو لوگ حضرت سے بیعت ہوتے وہ حضرت کے علم و فضل، کردار و عمل، تقویٰ اور اتباع سنت سے متاثر ہو کر اپنی خواہش و مرضی سے بیعت ہوتے۔ حافظ ملت نے جیری مریدی کو کبھی بھی کاہل اور کے طور پر استعمال نہیں کیا۔

(۳) یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے مشائخ سے بیعت ہوتا تو حافظ ملت کو اس سے ذرا بھی کبیرائی نہ ہوتی بلکہ خوشی کا اظہار فرماتے اور بعض اوقات مبارکباد بھی دیتے۔ راز الہ آبادی نے مفتی اعظم سے بیعت ہونے کی خبر دی تو حضرت نے بے ساختہ فرمایا مبارک ہو۔ بہت بڑے شیخ کا دامن تھاما ہے۔ اور تھوڑی ہی عرصہ کے بعد میرا صاحب کو ایک جلسہ میں دیکھا کہ داڑھی رکھ لی ہے تو شیخ پر سرعام فرمایا کہ یہ مفتی اعظم کی مکلی ہوئی کراست ہے۔ راز صاحب کی زندگی عموماً غزل و مشاعرہ میں آزادانہ گزری۔ نعت کی راہ سے مذہبی جلسوں اور دینی عالموں کے قریب آئے تو حضرت مفتی اعظم قدس سرہ سے غایت عقیدت و محبت پیدا ہوئی اور داخل سلسلہ ہو گئے۔

(۴) ۱۹/۲۰ شوال ۱۳۹۲ھ کو اجامہ الاشرافیہ درگاہ بلندنگ کا جشن افتتاح تھا جس کے لیے مفتی اعظم قدس سرہ خاص طور پر مدعو تھے۔ ۲۰ شوال کی شب میں بعد نماز مغرب درس بخاری شریف کے آغاز سے حضرت مفتی اعظم افتتاح کرنے والے تھے۔ درجہ فضیلت کے طلبہ، اشرافیہ کے شیخ الحدیث حضرت شمس العلماء مفتی شمس الدین احمد جعفری عید الرحمہ، دیگر علماء و مشائخ اور عوام حاضر تھے۔ حافظ ملت نے افتتاح سے قبل حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کا تعارف کراتے ہوئے ایک مختصر تقریر کی جس میں ان کی عظمت، علم و فضل بیان کرتے ہوئے فرمایا: مفتی اعظم بلاشبہ دلی کامل ہیں۔ آج جو ان سے ایک سبق پڑھے گا وہ آئندہ اس پر فخر کرے گا۔ جو داخل سلسلہ ہو گا آئندہ اس پر فخر کرے گا کہ میں ان سے بیعت ہوں۔ جو دست بوسی کرے گا اسے فخر یہ بیان کرے گا۔ جو زیارت کرے گا آئندہ فخر سے کہے گا کہ میں نے مفتی اعظم کو دیکھا ہے۔

حافظ ملت بیان فرماتے جا رہے تھے اور حضرت شمس العلماء اس کی تصدیق فرماتے جا رہے تھے۔ حافظ ملت اپنے تمام اکابر سے عقیدت، اپنے تمام معاصرین سے الفت اور کبھی علمائے اہل سنت سے محبت رکھتے اور موقع بموقع ان کے واقعی کمالات اور دینی خدمات کو سنی مجلسوں اور عام محفلوں میں بیان کرتے اور سراہتے۔

حضرت شاہ یار علی صاحب عید الرحمہ (براؤں شریف) کے چیلے عرس کا دعوت نامہ حضرت کو موصول ہوا تو ہم لوگ درس گاہ میں اپنی کتاب پڑھنے کے لیے حاضر تھے۔ حضرت نے خط پڑھا اور آواز بلند فرمانے لگے: ان شا، اللہ شرکت کروں گا، ضرور حاضر ہوں گا۔ ہم لوگ کچھ نہ سمجھے مگر حضرت کو سمجھانا اور بتانا ہی مقصود تھا۔ شاہ صاحب کا نام لیا اور ان کے محسن بتانے لگے۔ اسی وقت مجھے چلی بار حضرت شاہ صاحب کے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ چالیس سال تک ان کی جماعت تو جماعت تکبیرہ اولیٰ بھی فوت نہ ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعة۔

(۵) مشائخ اور بزرگوں کی دست بوسی کوئی نئی بات نہیں لوگوں میں ہمیشہ یہ معمول رہا ہے۔ حافظ ملت کے (۵) مشائخ اور بزرگوں کی دست بوسی کوئی نئی بات نہیں لوگوں میں ہمیشہ یہ معمول رہا ہے۔ حافظ ملت کے علم و عمل سے صرف ان کے حاتمہ اور مریدین ہی متاثر نہ تھے بلکہ ان کے مذہبی حریفوں اور دشمنوں کو رہا تقویٰ اور علم کا اعتراف تھا۔ اور واقف کار اہل سنت تو سب کے سب نہ صرف یہ کہ متاثر تھے بلکہ مقتد تھے بھی اس کا اعتراف تھا۔ اور اس عقیدت کی بنا پر لوگ حضرت کی دست بوسی بھی کرتے مگر ملنے والوں میں ایسے لوگ بھی (اللہ اعلم) اور اس عقیدت کی بنا پر لوگ حضرت کی دست بوسی بھی کرتے مگر ملنے والوں میں ایسے لوگ بھی آتے جو دست بوسی کی رسم سے آشنائی نہ ہوتے یا تکلف کچھ کر قصد انحراف کر دیتے۔ ایسے موقع پر عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ اپنی دست بوسی کرانے کے عادی ہوتے ہیں اگر کوئی شخص ان سے ملا اور دست بوسی ترک کر دی تو چہرہ متغیر ہوتا ہے اور غیظ و غضب کے آثار نمایاں ہوجاتے ہیں اور چہرہ کی حالت سے باطن کی کیفیت طلعت ازہام ہوجاتی ہے۔ مگر حافظ ملت کے چہرے پر دست بوسی سے سرمت و خوشی اور ترک سے تغیر و کبیرگی کبھی دیکھنے میں نہ آئی۔ ہاں اہل تعلق خصوصاً دین دار و دین پرور لوگوں کی آمد ہی کے ساتھ حضرت کے چہرے پر انبساط و مسرت کی عورت آسانی سے پڑتی جاسکتی تھی۔ اور ان کے نزدیک مسرت کا اصل سبب دین سے تعلق اور خدمت دین سے تعلق تھا۔ محض اپنی خدمت و عقیدت کی بنا پر وہ کسی ترجیح کے قائل نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جس کسی کی دینی خدمت سے انھیں اطلاع ہوتی اس پر خوشی کا اظہار فرماتے، خواہ حضرت سے اس کی کوئی راہ و رسم ہونا نہ ہو۔

خیر دست بوسی تک تو حضرت گوارا کر لیتے تھے مگر قدم بوسی سے نفرت تھی اور اپنے لیے اسے بالکل پسند نہ فرماتے۔ اس سے تعلق ایک واقعہ بھی ضرورتاً تحریر کر چکا ہوں۔

(۶) حافظ ملت بار بار یہ تعلیم دیتے کہ قرآن فرماتا ہے: "وہو معکم اینما کنتم" جب خدا تمہارے ساتھ ہے وہیں کسی سے ذر نہیں ہوتا چاہیے۔ اور یہ وعظ صرف گرمی محفل کے لیے نہ تھا بلکہ خود ان کا اس پر یقین تھا۔ انھوں نے ہر طرح کے ماحول میں زندگی گزار دی، بے شمار سفر تباہ کیے اور نصرت الہی و حفظہ خداوندی پر اعتماد توکل ہمیشہ ساتھ رہا۔

ایک بار محلہ حیدر آباد میں محفل میلاد سے فارغ ہوئے تو کافی رات گزر چکی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب قصبہ میں بجلی کی لان نہ آئی تھی۔ اور رات کو چوڑی وغیرہ کی واردات معمول میں داخل تھیں۔ حضرت پرانے مدرسے کے لیے تہاواہیں ہوئے تھے تو صاحب خانہ کو تشویش ہوئی چونکہ خاصاً فاصلہ ہے اس لیے عرض کیا میں حضرت کو پہنچا دتا ہوں، حضرت نے فرمایا میں تم کو پہنچاؤں، اور اسی طرح سلسلہ چلتا رہا؟ جاؤ اگر ام کرو، میں نہیں ذرا تہا چلا جاؤں گا۔

(۷) حضرت کی زندگی سے غیر مسلم بھی متاثر تھے۔ جب حضرت کو بلا تصویر پاسپورٹ کے سفر حج کی اجازت ملنی تو قصبہ میں لوگ اس کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ پرانے مدرسے سے نئے مدرسے آتے ہوئے ایک حلوئی کی دکان پر مکان ہے، کچھ لوگ بغیر تصویر پاسپورٹ کا حلوئی کی دکان پر ذکر کر رہے تھے اس نے درمیان کلام سے سنا تو بے فکر سے کہا کون ہے جو بین الاقوامی قانون کے برخلاف بلا تصویر پاسپورٹ سے دوسرے ملک کا سفر



کر سکے؟ لوگوں نے حافظ ملت کا نام لیا۔ یہ سننے کے بعد وہ بالکل ششدا ہو گیا اور نرمی و سنجیدگی کے ساتھ کہہ دیا جاسکتے ہیں۔ میں تیس سال سے ان کو اس راستہ سے آتے دیکھ رہا ہوں مگر ہمیشہ یہی دیکھا کہ نظر نیچے کیے آتے ہیں اور جاتے ہیں، تیس سال میں کبھی بھی انہیں سر اٹھا کر مچھتے ہوئے یاد آئیں بائیں نظر کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ نظیر نور کے چار بے ہیں تو جاسکتے ہیں۔

ایک بار کا واقعہ خود حضرت نے بتایا کہ بولی کا دن تھا، دوپہر کو دوسرے کے لیے آ رہا تھا۔ بولی کا جلوس راستہ ہی میں مل گیا۔ مجھے معلوم ہوا تو دوسرے راستے سے جاتا۔ اعلیٰ میں حسب معمول اسی راستے سے آیا۔ اس دن عموماً جھانڈا اور رنگ میں مست رہتے ہیں مگر مجھے دیکھتے ہی ان میں سے کچھ لوگ چلا کر دوسروں کو روکنے لگے کہ ٹھہر دو ٹھہرو، مولانا آ رہے ہیں، رک جاؤ، راستہ دے دو، خیر میں آسانی سے نکل آیا اور رنگ کی ایک چیٹھت بھی میرے اوپر نہ پڑ سکی۔

حافظ ملت کے کردار و عمل اور اخلاق و عہد کو کہاں تک یاد کیا جائے اور جزئی واقعات کو کہاں تک بیان کیا جائے۔ وہ کردار کی پختگی، اتباع سنت اور اخلاص و تقویٰ کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ انہیں دیکھ کر اسلاف کی پاکیزہ زندگی اور بلند کردار و عمل کا نقش آنکھوں میں پھر جاتا تھا۔ ان کی حیات سے تاریخ صالحین کے حیرت انگیز واقعات و حالات کی تصدیق ہوتی تھی اور اسلام کے مرد مومن اور مثالی انسان کو دیکھنے کی اگر کوئی آرزو کرے تو انہیں جوش کا جاسکتا تھا۔ افسوس اب ایسے کسی پیکر علم و عمل اور مجسمہ عزیمت و استقامت کے دیدار کے لیے آنکھیں کھلی ہیں۔

ترچے ہیں، آرزوئیں پھلتی ہیں، تمنائیں بے قرار ہیں مگر صبح آرزو کا اجالا کہاں؟

مجھے مولانا شاہ غلام آسی صاحب مدظلہ کی ایک بات یاد آتی ہے اور بار بار یاد آتی ہے۔ انھوں نے آج سے بہت پہلے اس وقت کہا تھا جب حافظ ملت، مجاہد ملت، اور مفتی اعظم عظیم الرحمن پاجات تھے کہ "ان تینوں بزرگوں سے تقویٰ کا بھرم ہٹاؤ۔ اگر کوئی تقویٰ اور اصحاب تقویٰ کو دیکھتا ہے تو ان حضرات کو خوش کیا جاسکتا ہے۔"

اب اگر میں یہ کہوں تو شاہد بیجان ہو کر افسوس! ان حضرات کی روحوں کے ساتھ ہمارا یہ افتخار و اعزاز بھی جاتا رہا، اب کون ہے جس کے قدموزوں پر نیابت رسول کی قیادت کی جائے؟ جمال تقویٰ کا طالب اپنے دیدار کی نقلی کہاں دور کرے، علم و عمل کا مل کس گلی میں تلاش کیا جائے؟ عزیمت و استقامت اور ورع و تقویٰ کا نازک پیر، عین عین حسرت و امید کے عالم میں کسی قامت زیبا کا منتظر ہے۔ اتناح الله رجلاً۔ محققون آمالہ۔

۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ / ۱۷ دسمبر ۱۹۹۰ء



## حافظ ملت تعلیمی ماحول میں

حافظ ملت کی حیات و خدمات پر متفرد جہات سے نظر جاتی ہے، اور ہر اعتبار سے وہ بلند پایہ قابلِ اتباع اور موزوں کے لیے مشعل راہ نظر آتے ہیں، اور ہر ماہلو کا تقاضا ہوتا ہے کہ اسے اجالے میں لایا جائے اور اس سے انتساب فیض و نور کا سامان کیا جائے، گویا:

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می گھرم  
کرشم دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

لیکن تمام گوشوں اور شعبوں سے بآسانی و بااختصار عہدہ برآ ہونے کی بروقت کوئی صورت ذہن میں نہیں آتی اس لیے میں نے درج ذیل ماحول میں ان کے کردار و عمل پر نظر ڈالنے کی کوشش کی ہے، اگرچہ وہ صرف اسی ماحول کے پابند نہ تھے۔ ان کی خانگی زندگی، شہری زندگی، عابدانہ زندگی، دعوتی و تبلیغی زندگی، سیاسی زندگی وغیرہ ہر ایک پر تسلط و تسلیم سے لکھنے کی ضرورت ہے۔

تعلیمی ماحول میں انہیں تین طرح سے دیکھا جاسکتا ہے:

- (۱) بحیثیت استاد مدرس
  - (۲) بحیثیت صدر المد رستین
  - (۳) بحیثیت صدر مجلس عاملہ و سربراہ اعلیٰ (بحیثیت طالب علم کہیں منتہیان کروں گا اسی کو مستقل سمجھیں)
- بحیثیت مدرس:

ایک مدرس کا فریضہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے وقت کا پابند ہو، متعلقہ اسباق پوری ذمہ داری سے پڑھائے، نصاب کی مکمل کرے، کتاب کے مضمون کو دلنشین اور موثر طور پر طلبہ کے ذہن میں اتارے، طلبہ کی علمی ترقی، اخلاقی بنی، عملی میدان میں کامیابی اور دینی و عملی خدمات میں فعالیت کے لیے کوشاں رہے۔ اور ان کے ذہن و فکر و قلب و مزاج و اخلاق و کردار ہر ایک کی اصلاح کے ساتھ انہیں مردانِ کار کی صف میں نمایاں مقام پر لاکھڑا کر دے۔

## پابندی اوقات:

حافظ ملت کو ہم نے ہمیشہ دیکھا ہے کہ جب وہ مبارک پور تشریف فرما ہوتے، ٹھیک وقت پر مدرسہ تشریف لاتے اور آتے ہی کام میں لگ جاتے، تفتیح اوقات اور خوش گپیوں کے لیے ان کی عام زندگی میں بھی کوئی غلغلہ تھا، تعلیمی اوقات میں اسے کب روار کھتے۔ طلبہ بھی وقت پر مدرسہ میں حاضر ہو جاتے اور تین چار منٹ تاخیر بھی حضرت پر سخت گراں گزرتی۔ ایک بار دارک شریف کے سبق میں ہم لوگ تین چار منٹ کی تاخیر سے پہنچے تو حضرت براہم ہوئے اور ہانپ رہے فرمایا کہ، دیکھو کیوں؟ جواب کسی کے پاس نہ تھا اس لیے کہ کسی ضروری کام میں مصروف تھا یا کوئی معقول عذر تو تھا نہیں جسے پیش کر سکتے، چار منٹ کا وقفہ ان کی درسگاہ کے سامنے نیا بیکاری میں گذرنا محسوس نہ تو سمجھتا نہ کوئی اس سوال کا جواب دے گا نہ اس کے بغیر حضرت سبق پڑھائیں گے، اور آج یوں ہی دلائل مل جاتا ہوگا۔ خیر ہمارے ایک رفیق درس (مولانا نعیم الدین صاحب) کو آخر بات سمجھ میں آگئی۔ عرض کیا "مختلف فراموشی آئندہ ایسا نہ ہوگا۔" اتنا سننے کے بعد حضرت کا چہرہ بدل گیا، "ہاں" کہا اور سبق شروع کر دیا، ایسے ہی ایک بار ملاحقین کے درس میں مولانا حافظ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ کے یہاں تاخیر ہو گئی تھی، انھوں نے بھی اس کا جواز نہ تو نس لیا۔ بس یہی دو اتفاق ایسا ہوا اور سخت تنبیہ سے دو چار ہونا پڑا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان ذمہ دارانہ کو نہ اپنے وقت کا ضیاع گوارا تھا نہ طلبہ کے وقت کی بربادی وہ دیکھ سکتے تھے۔ ان حضرات کا بڑا زبردست مجاہد یہ تھا کہ ان کے غیر تعلیمی کاموں کو ہمیشہ غیر درسی اوقات میں ہی نہانے کی کوشش کرتے تھے۔ خواہ اس کے لیے جو بھی صعوبت جھیلی پڑے، مگر اسباق کا نفاذ گوارا نہ تھا۔

## طریقہ تعلیم:

حافظ ملت کا طریقہ درس یہ تھا کہ کسی طالب علم سے پہلے عبارت پڑھاوتے، عبارت خوانی میں کوئی غلطی ہوتی تو اس پر تنبیہ فرماتے۔ کوئی بڑی غلطی ہوتی تو بہت غصا ہوتے، عبارت خوانی کے بعد پورے سبق کی ایک مختصر اور جامع تقریر کرتے، اسی تقریر سے بہت سے اعتراضات اور شکوک و شبہات کا جواب بھی ہو جاتا۔ اس کے بعد عبارت کا سلیس ترجمہ حسب موقع توضیح و تنبیہ کے ساتھ مکمل کر دیتے۔ اگر کوئی طالب علم کوئی سوال کرتا تو بہت مختصر الفاظ میں تشفی بخش جواب دے دیتے، جو کتاب پڑھاتے پوری مہارت اور ذمہ داری سے اس کا حق ادا کرتے۔ اور جو سوال ہوتا تو فوراً اس کا جواب بھی دیتے، ایک بار خود فرمایا: "بہنشی اور حار نہ رہا" بعد میں اس کی وضاحت فرمائی کہ ایسا ہوتا ہے کہ طالب علم نے کوئی ایسا سوال کر دیا جس کا معقول اور تشفی بخش جواب مدرس کے ذہن میں نہیں تو کہہ دیتا ہے کل

حضرت نے فرمایا کہ میرے یہاں "نکل بناؤں گا" والا معاذ بھی نہ ہوا۔

جاس کا۔ اس استحضار اور مہارت کے پس منظر میں وہ بتاتے کہ دور طالب علمی میں میرا طریقہ یہ تھا کہ جتنے اسباق پڑھنے ہوتے سب مطالعہ میں حل کرتا، اس کے متعلق اعتراضات و جوابات پر غور کرتا، پھر درسگاہ میں حاضری ہوتی اور وہاں جو بتایا جاتا بغور سنتا، جو سوال ذہن میں ہوتا اگر درس سے اس کا جواب مل نہ ہوتا تو پوچھ کر جواب حاصل کرتا، پھر روزانہ ہر سبق کا اعادہ اور اس کی تکرار رفتاے درس کو کرتا، پھر آئندہ سال وہ اسباق نیچے والی جماعت کے طلبہ کو بطور اعادہ دیکر اور پڑھاتا، اس طرح ہر کتاب اور ہر سبق پڑھنے ہی کے زمانے میں متعدد بار نظر سے گزر چکا ہے۔ دوبار مطالعہ و درس کے طور پر، اور وہ بار تکرار اور پڑھانے کے طور پر۔

ان کے درس میں اصلاح و تربیت کا عنصر بھی کار فرما ہوتا، اور علمی نکات کے ساتھ عمل کے جذبات بھی طلبہ میں مثیل کرتے، فکری اور اعتقادی رسوخ اور پختگی بھی ان کا ملح نظر ہوتا، اسلامی صداقت، اہل سنت کی حقانیت، مکرر بتا دیا کہ بے ثباتی اور تکرار فقرات کا بطلان وہ بڑے موثر مدلل اور واضح گف طور پر بیان فرماتے۔

## تعمیل نصاب کی فکر:

دری تقریر کے ایجاز اور جامعیت کے باعث تقریری جلسوں سے متعلق ناخوں کے باوجود ان کے یہاں مقدار نیم زیادہ ہوتی، خصوصاً بخاری شریف کی دونوں جلدیں ہمیشہ ختم کرتے اور یہ ختم بھی اس طرح نہ ہوتا جیسا کہ بعض درس گاہوں کا رویہ ہے کہ محض عبارات احادیث کی قراءت ہو جاتی اور کسی نے پوچھ لیا تو بتا دیا گیا، ورنہ عبارت خوانی ہی پورے مکمل ہو گیا۔ بلکہ حافظ ملت ہر سبق کی مناسب اور جامع تقریر کرتے، بخاری کے آخری پاروں میں جہاں حدیث مومن سابقہ پاروں میں بار بار گزری ہوئی ملتی ہیں کم از کم ترجمہ الباب سے حدیث کی مناسبت اور تطبیق چند نکتوں میں ضرور بتا دیتے۔

## حاضری پر نظر:

طلبہ، خصوصاً پڑھنے والے طلبہ کی حاضری پر بھی نظر رکھتے۔ ایک بار جمعرات کے بجائے جمعہ کی صبح کو گھر پہنچا، جوں ہی گیٹ کے قریب ہوا حافظ ملت سے ملاقات ہو گئی، معلوم کس ضرورت سے اس دن جمعہ کو مدرسہ تشریف لانا ہوا، فرمایا، آج چار ہے ہو تو پھر کل؟ میں نے عرض کیا رات کو شوقی بزم میں شرکت کے پیش نظر کل نہ جانا اس وقت میں چند رفتاے درس عنوانات کے تحت تقریر و تحریر کی مشق بزم چلا تے تھے اور ذمہ داری کی وجہ سے نہایت لمبے دن سبچہ کو میں گھر سے بہت سویرے چلا، سواری تو دن میں بھی کبھی ملتی نہ تھی، اتنی صبح سویرے

ملنے کا تصور بھی نہ تھا، اس لیے ابراہیم پور چھوڑ کر ایک دوسرے شہر راستے سے چلا، پہلی ٹھکن حضرت علی کے یہاں تھی، عبارت خوانی کے دوران پہنچ گیا، سبق کے بعد حضرت نے سرفا کر دیکھا تو مجھے موجود پایا اور بہت خوش ہوئے۔ یوں بھی مانے کی عادت نہ تھی۔ مبارک پور کے پورے تین سالہ ایام تعلیم میں کل غیر حاضری تیس دن سے زیادہ نہ ہوئی جس میں دو تین دن کی ضرورت کے تحت اور باقی سخت علالت کے تحت ہے۔

صلاحتوں سے آگاہی کا شوق:

حافظ ملت کو اس کی بھی فکر ہوئی کہ طلبہ میں اچھی صلاحیت پیدا ہو اور صلاحیت کا جائزہ لینے کے واسطے ہوتے تھے امتحان ششماہی جو دارالعلوم کے مدرسین لیتے اور امتحان سالانہ جس کے لیے ہمیشہ ماہر و تجربہ علماء کا اجتماع کیا جاتا۔ حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی تشریف آوری ضروری تھی، بعض اساتذہ یہ چاہتے کہ ان کے زیرِ مدرسہ کتابیں صدرالشریعہ کے یہاں امتحان کے لیے نہ جائیں اس لیے کہ دورانِ امتحان اگر طلبہ نے اچھے جوابات دیئے تو وہ پوچھتے کس کے یہاں پڑھا ہے اور پھر وہیں مدرس کو طلب کر کے فرماتے کیا پڑھایا ہے؟ کوئی ٹھکانے کا جواب دینے والا نہیں۔

مگر حافظ ملت کی کتابیں صدر الشریعہ کے یہاں جاتیں اور خود انھیں طلبہ کے جوابات سننے کا شوق ہوتا، تاکہ طلبہ کی صلاحیت کا بھی اندازہ ہو اور اس کی روشنی میں آئندہ تدریس و تربیت کی ارتقائی راہ بھی متعین ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں صرف ڈیوٹی نبھانے اور کسی طرح وقت گزارنے سے مطلب نہ تھا، بلکہ وہ ایک بلند مقصد، اس میدانِ عمل اور عظیم تعلیمی و تربیتی نظریے کے تحت اس شعبے کے ایک بیدار مغز اور متحرک و فعال رکن کی حیثیت سے جا رہے تھے۔

طلبہ کی ہمدردی و غم گساری:

انفرادی طور سے بھی طلبہ کو تحصیل کمال کی راہیں بتاتے اور اجتماعی طور سے بھی ان میں تعلیم و عمل کا شوق بیدار رکھتے۔ طلبہ کے شہری و دیہاتی حالات، ثروت و غربت، ضرورت و حاجت کا بھی اندازہ کرکے اور ایک شفیق باپ کی طرح ان کی ہمدردی و غم کھساری بھی فرماتے، بعض طلبہ کی پوری کفالت بھی اپنے ذمہ لے لیتے، جس کی کچھ تفصیل ایک دوسرے مضمون میں ملے گی۔

رجحانات سے آگاہی اور مناسب رہ نمائی:

طلب مختلف ذوق ورجحان کے حامل ہوتے ہیں، بعض کو شعر و سخن سے ذوق ہوتا ہے، بعض تقریر و خطابت

بعض تجویز و قراءت کی مہارت چاہتے ہیں۔ بعض تعریف و تحریر کا شوق رکھتے ہیں۔ عام  
 کے علاوہ ہوتے ہیں، خواہشات کا اندازہ نہیں ہوتا مگر حافظ ملت کی نگاہ اسکی باریکہ ہیں اور ذہن اتنا دور رس تھا کہ  
 وہ دین کو ان رجحانات و خواہشات کو بھانپ لیے اور زرات طالب علمی میں توش عری سے منع کرتے لیکن باقی شعبوں  
 کی کوشش سے ان رجحانات کو بھانپ لیے اور زرات طالب علمی میں توش عری سے منع کرتے لیکن باقی شعبوں  
 کے لیے حوصلہ افزائی اور مناسب رہنمائی سے نوازتے، مقصد یہ تھا کہ طلبہ کی صلاحیتوں کو صحیح رخ پر لگایا جائے  
 کہ قومی جدائے جانی۔

**۴۔ صلہ افزائی:**

آج تمام باہر بن تعلیم و تربیت کا اس پر اتفاق ہے کہ ماہریت کی بڑھانے اور زود کو ب کے ذریعہ سدھانے کا طریقہ فرسودہ ہی نہیں، معزور غلط بھی ہے۔ بچوں کی نفسیات کا جائزہ لیا جائے، تعلیم و درستی سے ان کے انحراف کے ماحول معلوم کیے جائیں۔ اور ان اسباب کا علاج کیا جائے جن سے فاسد صورت رونما ہو رہی ہے۔ طلبہ کے فکر و عمل کو صحیح ماحول میں ڈھالا جائے اور اجتماعی و انفرادی طور پر ہر ایک کے لیے مناسب تدابیر عمل میں لائی جائیں۔ وہ تدابیر بھی روش پر آجائیں گے اور میدان عمل کے فعال رکن بن سکیں گے۔ ان تدابیر میں طلبہ کو مایوسی و پست ہمتی سے دور رکھنا اور ان کے حوصلے بڑھانے کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔

ماظ ملت کی زندگی میں حوصلہ افزائی کے شواہد بڑی کثرت سے ملیں گے، بعض لم فہم لوگوں کو ان کے ہمت افزا ہوتے ہیں۔ اپنے ہارے میں غلط فہمی پید ا ہو جاتی اور بعض جان بوجھ کر بھی مناسب فائدہ اٹھانے کی راہ نکالتے۔ مگر بانظر اور بلند حوصلہ افراد ہمیشہ اس کا مطلب یہی سمجھتے کہ حضرت یہ اس لیے فرما رہے ہیں کہ ہم کچھ کہتے رہیں اور کسی لائق نہیں۔ تاہم اس کا عام فائدہ یہ ہوتا کہ کوئی ایسی کاشکار نہ ہوتا اور محنت و عمل کے جذبات کو بڑھاتا۔ لائق، اور یہ خیال تلقین نہ ہوتا کہ میں کسی لائق ہوں نہ ہو سکتا ہوں۔ دراصل یہ تصور ہر ترقی کی راہ میں بہت زیادہ کام آتا ہے جب کہ ہمت و حوصلہ ترقی کا بہت مضبوط ذریعہ ہے۔

جوہر آشنائی:

دوسری چیز یہ ہے کہ ہر انسان میں کوئی خوبی اور کوئی کمال بھی ہوتا ہے، ہر شخص کی کوئی انفرادی خصوصیت اور اس کا کوئی خاص درجہ بھی ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میری خوبی سے لوگ آشنا ہوں، میرے درجہ اور کمال کا اعتراف تمام میرے قلم سے دھریاں افروزی زبان سے ادا ہو۔ مگر انسان کی انفرادی خوبی کا پتہ لگانا اس کے خاص درجہ سے قطعاً ممکن نہیں ہے۔ زبان میں اتنی وسعت و زبان میں اتنی طاقت کہ مناسب انداز و الفاظ میں اس خوبی و درجہ کا اظہار

بھی ہو، بری وقت نظر اور - حسرت ظرف والوں ہی کا حصہ ہے، اور اس خصوص میں حافظ ملت کا مقام بہت بلند ہے۔  
میں بڑی چٹائی کے ساتھ یہ عرض کرتا ہوں کہ حافظ ملت کا کمال یہ تھا کہ وہ راکھ کے ڈھیر سے بھی سوسہ  
کنوے چن لیتے تھے اور ہمارا کمال یہ ہے کہ سونے کے ڈھیر میں بھی راکھ کے ذرے دیکھ لیتے ہیں اور ان کی  
کڑیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کا یہ عجیب کمال تھا کہ ہر شخص کا خاص جوہر وہ پہچان لیتے، اس کی خوبیوں سے انگو  
ہو جاتے، اور داد و تحسین سے بھی نوازتے، طلبہ کے حسن و فحش سے بھی وہ آشنا ہوتے اور غلطیوں کی اصلاح خوب حال  
تحسین دونوں ہی میں ان کا انداز کچھ ایسا راز تھا کہ اس سے فائدہ ہی ہوتا، نقصان نہ ہوتا۔ کیوں کہ تحسین اگر مناسب  
بر عمل نہ ہو تو بے سلیقہ زجر و توبیخ کی طرح وہ بھی مضرب بن جاتی ہے، حکمت و اعتدال ہر عمل کا جزو اعظم ہے۔ اگر  
دیکھتے ہیں کہ اپنے بچوں اور اپنے طلبہ کے معاملے میں عموماً لوگ افراط و تفریط کے شکار ہیں کچھ لوگ انہیں  
زور و دس کی طرح "بے نیگم" "بے رحم" کے لیے بالکل ہی آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔ اور کچھ لوگ اس قدر قید و بند، خوف  
و تہدید اور ضرب و کرب سے گزارتے ہیں کہ ان کی صلاحیت، ان کے طبی رجحانات اور مناسب رعایت کا کوئی  
بھی پاس و لحاظ نہیں رکھتے، حافظ ملت کے یہاں اس باب میں بھی حکیمانہ اعتدال نظر آتا ہے۔

### شخصیت کی دل آویزی:

طالب علم کی اصلاح و تربیت میں معلم کی شخصیت کو بڑا دخل ہوتا ہے، معلم کے افکار و اطوار اور اخلاق و کردار سے طالب علم کا متاثر ہونا فطری بات ہے، حافظ طہت کی شخصیت علم و تقویٰ کی جامع، اخلاص و دیہ نفسی کی حامل تھیں۔ خود داری سے مرصع، دین و علم کی ترویج و اشاعت کے بے کراں جذبات سے لبریز تھی، جس کا اثر ان کے علافہ بھی پڑا، خواہ کوئی ان کے کمال کو نہ پہنچے، اور ان کے محاسن کا جامع نہ ہو سکے، لیکن ہر ایک کے سامنے ایک ایسا نمونہ اور مثالی شخصیت کا نقش ضرور رہتا، اور اسے بہر حال یہ سوچنا پڑتا کہ علم دین کی راہ میں قدم رکھا ہے اور نیت رسول کا منصب حاصل کرنے کی توجہ ہے تو شخصیت ایسی ہی دل آویز اور علمی و عملی کمالات و محاسن کی جامع بننا ہوگی۔ جمیہ بجا طور سے عالم دین اور نائب رسول شمار ہو سکتے ہیں، ورنہ درخت بے برگ یا شجر بے ثمر سے زیادہ کوئی حیثیت نہ ہوگی۔ آج نئی نسل میں جو بے راہ روی در آئی ہے، اس میں مناسب تعلیم و تربیت کے فقدان کے ساتھ علمائے سنی گزروں، کوتاہیوں بلکہ اس سے بھی آگے بے یابیوں اور بے حیائیوں کا بھی بہت بڑا دخل ہے۔ بعض اہل

والمسلمین من ضرور ہم۔

(۲) بحیثیت صدر المدرسین:

صدر المذہب سین کا عہدہ بڑا نام لگ اور اس کی ذمہ داریاں بڑی پیچیدہ ہوتی ہیں۔ لیکن حافظ ملت کی عملی زندگی بڑی نفعی سات سال کو چھوڑ کر سارا عرصہ حیات اسی عہدہ کے ساتھ گزر رہا ہے۔ صدر المذہب سین کو ایک طرف مجلس تعلیمی کی ہدایت اور احکام کے تحت مدرسین و طلبہ کو کاربندیتا پڑتا ہے دوسری طرف مدرسین و طلبہ کے مطالبات و ضروریات کی طرف انتظامیہ کو متوجہ کرنا ہوتا ہے، تیسری طرف مدرسین و طلبہ کی نگرانی اور ان کے کاموں میں نگرانی کرنا، علمی و عملی فضا قائم کرنا اور تعلیمی ماحول کو موثر و فعال بنانا بھی اس کا اہم فریضہ ہوتا ہے، اور کسی مدرسہ کی ترقی لانا، علمی و عملی فضا قائم کرنا اور تعلیمی ماحول کو موثر و فعال بنانا بھی اس کا اہم فریضہ ہوتا ہے، اور کسی مدرسہ کی ترقی لانا، طلب علم کی خامیوں سے متعلق سب سے پہلے اسے نوٹس لینا اور جواب دہ ہونا بھی پڑتا ہے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حافظ ملت نے ان پر بیچ ذمہ داریوں کو بڑی خوش اسلوبی اور کامیابی سے نبھایا ہے، بلکہ اپنے فرض سے زیادہ انھوں نے کام کیا ہے۔ دارالعلوم کے تعلق سے عمومی ارتباط میں انتظامیہ سے زیادہ حافظ ملت کا کردار رہا ہے۔ اور اشرفیہ کی ملکیت و شہرت، نیک نامی اور مسلمانوں کے اندر اشرفیہ کے لیے جذبہ انبساط و تعاون کی فراوانی میں حافظ ملت کی مساعی جلیلہ کا بڑا اثر و شخصیت کا بہت بڑا دخل ہے۔

دارالعلوم اشرفیہ کی تعمیر کے موقع پر مسلمانان مبارک پور کا جوش و حوصلہ، حفاظت کی مخلصانہ جدوجہد کا بیج روئے۔ اسلحا کا انتخاب بھی لیاقت و صلاحیت کی بنیاد پر ہوتا۔ اور حفاظت کے خصوص و محنت کا اثر شب پر چڑتا۔ جو مجھے فرائض ذمہ داری سے انعام دینے کی کوشش کرتے۔

ہدایہ اندر علمی و عملی اسپرٹ تیز کرنے کے لیے وہ ہر دو تین ماہ بعد ایک آدھ گھنٹے کے لیے انہیں جمع کر کے خطاب کرتے۔ یہ خطاب بڑا سوشل ہوتا، اور ”ازدول خیر، ازدول ریح“ کا ٹکس صاف دکھائی دیتا، اس میں عموماً جو کچھ وہ بیان فرماتے اس کا مفہوم اور حاصل حسب ذیل ہوتا۔

اثرینہ میں قابل اساتذہ کا ایک متحرک و فعال کارواں جمع ہے جن کی یہ یہ خصوصیات اور خوبیاں ہیں۔  
 دہریں کے ماموں کے ساتھ ان کے کمالات بتاتے اور یہ حافظ ملت کا خاص فن تھا کہ وہ ہر شخص کے قریب واقعی  
 مل، کمال سے خود بھی آشنا رہتے اور دوسروں کو بھی آشنا کراتے (اس کے بعد فرماتے کہ ان سے اکتساب فیض اور  
 حاصل کمال تھا) ہر فریضہ ہے، غم نے طلب علم کی راہ میں قدم رکھا ہے تو ای میں منہمک رہنا چاہیے، اور اپنا وقت برباد  
 نہ کرنا چاہیے، ایک تاجر اپنی تجارت کے فروغ اور دولت کے حصول کے لیے دن رات ایک کر دیتا ہے۔ کبھی سریر  
 بزمی اور چلتا ہے اور کبھی سخت ست بھی سنتا ہے۔ ذلت بھی اٹھاتا ہے مگر اپنے مقصد اور اپنے کام سے دست



بردار نہیں ہوتا، ایک درزی اپنے کام کی تکمیل کے لیے ہر وقت لگا رہتا ہے۔ دکان دار صبح چھ جاتا ہے تو شام  
اختیارے کھانے سے اور رات و آرام سے بھی بے پروا ہوجاتا ہے، بنگراہی بٹائی کے کام میں لگا رہتا ہے اور ہر صبح  
کی زحمت و مصیبت برداشت کرتا ہے۔ جب سب کام والے اپنے کام میں بھرا ہوا ہوتا ہے اور محنت سے لگے رہتے ہیں  
تو پھر کیا وجہ ہے کہ طالب علم اپنے کام سے غافل رہے، اور اپنا وقت برباد کرے۔ دینی طلبہ پر مجھے افسوس ہے کہ  
تحفظ وقت کا خیال نہیں رکھتے۔ ایک بار میں کلکتہ کی ایک بلڈنگ میں ٹھہرا ہوا تھا، قریب کے کمرے میں ایک لکڑی  
طالب علم کا قیام تھا۔ وہ کچھ دیر سوتا اور پھر اٹھ کر پڑھنے لگتا، رات بھر زیادہ تر اس نے پڑھنے ہوسے ہی وقت  
گزارا، اسے اپنی تعلیم سے اس قدر لگن اور اس کے لیے اتنی محنت تھی تو ہمارے طلبہ میں ایسی لگن اور محنت کیل کیل نہ  
آتی۔ انھیں بھی اپنی تعلیم سے شغف، اپنے مقصد کے ساتھ اخلاص، اپنے وقت کی قدر شناسی، اپنے کام سے دلچسپی  
ہونا چاہیے (اس مضمون کو کبھی متعدد شواہد و واقعات کے ذریعہ مزید مؤثر انداز میں بیان کرتے۔)

علم کے بعد عمل کی ترغیب پر آتے تو فرماتے: عالم کتنا ہی قابل کیوں نہ ہو اگر اس میں عمل نہیں تو وہ نہ صرف  
مقبول ہو سکتا ہے اور نہ عند الناس۔ ایک مقرر رد دہا یہ میں تقریر کر رہے تھے اور ٹھوس دلائل مضبوط شواہد اور  
نقص انداز بیان کے ساتھ بولتے جا رہے تھے، تقریر بڑی کامیاب ہوئی۔ تقریر ختم ہوتے ہی ایک شخص مجمع سے اٹھ  
کہا مولانا ذرا اپنے سر کے بال تو دیکھیے دیکھیں تو سر پر انگریزی بال تھا، دوسرا کھڑا ہوا اور اس نے کہا مولانا ذرا اپنے ہاتھ  
دیکھیے، پاجامہ نٹنے سے نیچے تھا۔ ان کے اعتراضات سے مولانا کی تقریر کا جواب ہوا، جو مخالف انھوں نے بیان  
کیے وہ غلط تو نہ ہو گئے۔ مگر ان کی ذاتی اور عملی خامیوں کی وجہ سے ان کی تقریر بے اثر ہو گئی۔

ہم نے صدر الشریعہ سے علم سیکھا اور عمل بھی سیکھا، ہر بات وہ بتاتے نہ تھے۔ ہم نے تو انھیں دیکھ دیکھ کر سیکھا  
ہے، انھیں عمامہ باندھتے دیکھا تو عمامہ باندھنا سیکھ لیا، انھیں سر جھکا کر وقار سے چلنے ہوئے دیکھا تو چلنا سیکھ لیا، انھیں  
کھاتے ہوئے دیکھا تو کھانے کا طریقہ سیکھ لیا (ظاہر ہے کہ یہ وہی کہہ سکتا ہے جو خود علم و تقویٰ کا جامع اور سنت نبوی کا  
پابند ہو، ان کا مقصد یہ تھا کہ تلمذ اور شاگردی کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے علم کے ساتھ ہمارا کردار و عمل بھی مائل  
کرو، اور علم و عمل کے جامع بنو، جب ہی تم خدا اور رسول کی خوشنودی اور اپنی دینی خدمات کے میدان میں کامیابی  
و کامرانی سے ہم کنار ہو سکتے ہو) اس طرح کی تقریروں کا اثر یہ ہوتا کہ طلبہ میں ایک علمی و عملی لہر پیدا ہوجاتی۔ اور کئی  
دلوں میں بھی کچھ سیکھنے کچھ کرنے کا جذبہ پیدا ہوجاتا۔

وہ طلبہ کو خارج بھی کرتے تھے مگر حتی الامکان ان کی اصلاح کی کوشش کرتے، اور اس طرح نہیں کہ صرف  
کے علی حالہ چھوڑ دیا بلکہ طلبہ ہم کے لیے ایسا ماحول اور ایسے اسباب فراہم کرتے کہ وہ صحیح رخ پر آجائے اور یہ

مجلات مصفا

ہونے کے بجائے کام کا آدمی بن جائے۔  
دو ادارہ کی کامیابی کے لیے درمیان میں اتحاد و اتفاق اور ہر ایک کے اعزاز و اکرام کو ضروری سمجھتے تھے، اور ان  
کے زمانے میں یک جہتی یا کم از کم رواداری اور انس و الفت کی فضا برپا رکھنے میں آتی۔

طلبہ کی ضروریات کے معاملہ میں بھی بہت حساس تھے۔ اور ایہ نہیں کہ جب طالب علم ان کے پاس  
طلبہ لے کر آئے اور بار بار تقاضا کرے جیسی اس کی ضرورت پر غور و خوض ہو بلکہ کسی طرح بھی حافظ ملت کو  
برخواست لے کر آئے اور بار بار تقاضا کیا تھا۔ اس کے بعد وہ از خود اس کی تکمیل کی طرف فوراً توجہ کرتے، فیصلہ میں دیر اور کام میں  
ضرورت کا علم ہونا کافی نہیں تھے، جو کرنا ہوتا فوراً کرتے اور باسلیقہ و صائب اور مکمل طور پر کرتے۔ یوں ہی جوان کی  
ہل مٹل تو وہ جانتے ہی نہیں تھے، جو کرنا ہوتا فوراً کرتے اور باسلیقہ و صائب اور مکمل طور پر کرتے۔ یوں ہی جوان کی  
دلے ہوتی اس کے دو ٹوک اظہار سے بھی ان کے لیے کوئی نافع نہ تھا اس میں ان کے فہم و تدبیر کا بھی دخل تھا اور  
ذرات انتظامت کا بھی، حیرانہ بیان کی ندرت و بلاغت کا بھی اور عدل پسندی اور صاف گوئی کا بھی۔

اگر مبالغہ سے متعلق کسی خرابی کا علم ہوا تو فوراً دم داروں کو اس کے تدارک کی طرف متوجہ کرتے، دوسری کسی  
پریشانی کا جب چلا تو فوراً اس کے ازالے کی کوشش کرتے، ایک بار قحط کی وجہ سے کنوؤں کا پانی بہت کم ہو گیا۔ طلبہ کی  
ضروریات کے لیے ادارہ علوم میں ایک ہی کنواں تھا، جو ج دو گھنٹوں میں خالی ہوجاتا، اور پھر کچھ آنا شروع  
ہوجاتا، طلبہ مسجد میں جاتے تو وہاں بھی لوگوں کی ترش روئی اور سخت کلامی کا سامنا کرنا پڑتا، اس صورت حال کا  
یک بار یوں ہی مولانا شمس الحق صاحب مرحوم نے حافظ ملت سے ذکر کر دیا۔ حضرت نے سن لیا اور مولانا کے جانے  
کے بعد باہم اعلیٰ کو لایا۔ اور ان سے ضرورت و پریشانی بتانے کے ساتھ ہی فرمایا کہ آپ بیوب دلیل لگوائیے۔ باہم  
بھی نے قبول کر لیا، اگرچہ بعد میں مولانا شمس الحق صاحب سے خاصی افسردگی سے ساتھ فرمایا کہ آپ کی وجہ سے  
مدرسے کا نئے نذرانہ پر یہ خرچ ہو رہا ہے۔ خیر بیوب دلیل لگا اور بہت سی صعوبتوں کا خاتمہ ہوا۔ اسی طرح طلبہ کی  
شرہوں کا کھنکھانہ علم ہوجانا کافی تھا، پھر وہ خود ہی ان کی سزا و اصلاح کی فکر کرتے، اور فضا کو علمی و عملی رخ سے  
پاک و بہتر بنانے میں ذرا بھی تغافل دے پر دانی روانہ نہ رکھتے۔ اور اگر شکایات پیدا و مبالغہ آمیز ہوتیں تو ان کا جواب بھی  
حادثہ شنیدگی کے ساتھ خود ہی دے کر معاملہ رفع و دفع کر دیتے۔

### (۳) حیثیت سربراہ اعلیٰ:

۱۹۴۰ء میں وہ مجلس انتظامیہ کے صدر اور ادارہ کے سربراہ اعلیٰ کی حیثیت سے منتخب ہوئے، مگر ان کے اوپر  
ان منصب کا کوئی جادہ و جلال نظر نہ آیا، انھوں نے بار بار فرمایا کہ ”میں کل بھی ادارہ کا خادم تھا اور آج بھی ادارہ کا خادم ہی





## مفتی اعظم عوام و خواص کا مرکز عقیدت (۱)

مفتی اعظم مولانا شاہ معین رضا قادری بریلوی قدس سرہ کو ایک علامہ اجل اور ایک ولی ہاکمال کی حیثیت سے آج دنیا جانتی اور پہچانتی ہے۔ میں نے جب سے شعور کی آنکھیں کھولیں ان کی عظمت و بزرگی کے ذکر سے مستند ہونے میں نے ان کی سب سے حیرت انگیز اور امتیازی خصوصیت جو کبھی وہ یہ ہے کہ ان کے معاصر علماء و اکابر بھی ان کی جلالت شان اور عظمت و برتری کا اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ شرف اسی کو حاصل ہوتا ہے جو خود کی بارگاہ میں قبول خاص سے سرفراز ہو چکا ہو۔ اور جس کا سینہ عداوت و حسد، بغض و عناد، دوسروں کی حقیر اور اپنی حق سے پاک ہونے کے ساتھ علم و اخلاص کا مخزن ہو، جس کی زبان غیبت و بد گوئی سے دور اور شریعت و طریقت کی پابندی سے آراستہ و مزین ہو، جس کا قلم نفسانی آویز شوں کے بجائے معارف و حقائق کی جگہ عقدہ کشائی سے پرور ہو، جس کا عقدہ و تدبیر اس پایے کا ہو کہ اس کے کردار و گفتار اور زبان و قلم سے بجائے اس کے کہ امت میں کچھ اختلاف و افتراق یا افتاق و شقاق کی راہ کھلے، اتفاق و اتحاد کے سوتے پھوٹیں، کبھریں ہوئے شیرازے جتن ہو جائیں اور لوگوں کے دل وحدت ملی کے درود غم سے رستہ قرار و مضطرب نظر آئیں۔

میں بلا خوف تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ مفتی اعظم اپنی حیات مبارکہ میں ایسے ہی تابناک نقوش کے حامل رہے جن کے نتیجے میں وہ نہ صرف یہ کہ "مجاہد اہل سنت" کہلائے بلکہ ان کی حیات تک امت میں بڑی حد تک اتفاق و اتحاد کا قائل صدر رشک جلوہ کار فرما رہا۔ میں اس اجمال کی تفصیل میں چند شاہد بھی پیش کر دوں گا۔ سب سے پہلے ان کے بارے میں چند شہادتیں ملاحظہ کیجیے۔

(۱) محدث اعظم مولانا سید محمد کچھوچھو علیہ الرحمہ بلاشبہ مفتی اعظم کے معاصر، مولانا وحی احمد مدظلہ سہنی اور امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے شاگرد جلیل تھے مگر مفتی اعظم سے متعلق ان کے خیالات و عظمت و برتری کا ایک منظر آج بھی ایک فتوے کے ذیل میں محفوظ ہے جس پر محدث اعظم نے ان الفاظ میں تصدیق کی ہے:

"هذا قول العالم المصطاع، وما علينا إلا الاتباع"

ان جاندار الفاظ میں جو اعتراف عظمت کا فرمایا ہے وہ اہل علم پر عیاں ہے۔

(۲) خود مفتی اعظم، مرتبہ ملا۔ محمد احمد مصباحی، رضائے نبوی میں مکتوبہ ۱۹۹۳ء

(۲) حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز مراد آبادی علیہ الرحمہ سابق سربراہ اعلیٰ الجامعہ الاشرفیہ مبارک پور نے جامعہ اشرفیہ کی نئی درس گاہی بلڈنگ کے جشن افتتاح کے موقع پر ۱۶/۱۷ نومبر ۱۹۷۳ء کے لیے مفتی اعظم قدس سرہ کو دعوت دی تھی۔ حضرت تشریف لائے، افتتاح کا کام حضرت ہی کے ہاتھوں انجام پایا۔ دلا تھا جس کے لیے جیلے دن بعد مغرب نئی عمارت میں ایک تقریب منعقد ہوئی۔ یہ ابتدائی سال تھا اور شوال کی ۱۹/۲۰ تاریخوں کی درمیانی شب تھی۔ اس وقت شیخ الحدیث حضرت مولانا قاضی شمس الدین احمد جعفری رضوی علیہ الرحمہ تھے۔ درجہ فضیلت کے طلبہ کو درس بخاری شریف شروع کر کے افتتاح کی رسم ادا ہونے والی تھی۔ اس موقع پر افتتاح سے قبل حافظ ملت نے ایک مختصر تقریر کی تھی جس کا حاصل کچھ اس طرح ہے:

"حضرت مفتی اعظم مدظلہ سے اس عمارت کا افتتاح اور ان سے بخاری شریف کا ایک سبق پڑھ لینا بہت بڑی سعادت ہے۔ وہ بلاشبہ ولی ہیں۔ آج جو ان سے سبق پڑھ رہا ہے کل اسے اس پر فخر ہو گا کہ میں نے مفتی اعظم سے سبق پڑھا ہے۔ جو ان سے بیعت ہو گا اسے اس پر فخر ہو گا کہ میں مفتی اعظم سے بیعت ہوا ہوں۔ جو ان سے مصافحہ کرے گا وہ فخر کرے گا کہ میں نے ان سے مصافحہ کیا ہے۔ جو ان کی زیارت کرے گا وہ اس پر فخر کرے گا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے۔ وہ علم و فن کا سمندر ہیں، خود ایک بار فرمانے لگے کہ جب کوئی مسئلہ لکھنے کے لیے قلم ہاتھ میں لیتا ہوں تو نوک قلم پر غمی مضامین کی اس قدر بارش ہونے لگتی ہے کہ سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان کی ذات ہمارے لیے بہت غنیمت ہے۔ ان سے سبق پڑھنا آپ کی بہت بڑی سعادت ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ان کا سایہ ہمارے سروں پر دراز فرمائے۔"

حضرت قاضی شمس الدین احمد علیہ الرحمہ نے فرمایا:

"جہاں تک مجھے علم ہے حضرت نے کسی کو بخاری شریف شروع نہ کرائی۔ یہ سعادت ان طلبہ کا مخصوص حصہ ہے۔" اس کے ساتھ وہ حافظ ملت کے بیان کی تصدیق بھی کرتے جا رہے تھے۔

(۳) میں رمضان ۱۳۹۰ھ میں رابنہ پیچھا۔ اس وقت مدرسہ غریب نواز رابنہ کے بانی مولانا شاہ عبدالحق چشتی اجمعی و حجتی تشریف فرما تھے۔ دو دن ان کے مدرسہ میں میرا قیام رہا۔ اس دوران ان سے بہت سے موضوعات پر گفتگو رہی، انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم کسی سے مرید ہو یا نہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا: "مرید ہوتا ہے تو مفتی اعظم سے مرید ہوتا۔ سیادت اپنی جگہ ہے مگر تقویٰ میں ان کا کوئی ہم پلہ نہیں۔"

شاہ صاحب علیہ الرحمہ خود بہت بڑے پیر اور سید تھے مگر مفتی اعظم سے ان کی عقیدت اور ان کی طرف اپنے لیک ہم وطن کی مخلصانہ رہنمائی اس سلطنت و شوکت کا پتہ دیتی ہے جو ان بزرگ جیروں کے دلوں پر بھی حکمرانی کر رہی تھی۔ وہ محفل سماع کے عادی تھے مگر جب کبھی مفتی اعظم اجمیر شریف پہنچ جاتے شاہ صاحب بہت محتاط ہو جاتے

اور کہتے کہ انھوں نے اگر دیکھ لیا تو پھر خیر نہیں۔

(۴) حضرت مولانا غلام آسی بیلوی جو ایک سلسلے کے معروف پیر اور درس نظامی کے جید فاضل ہیں، ان سے جشید پور وغیرہ میں اکثر میری ملاقات اور گفتگو رہتی۔ ایک بار فرمانے لگے کہ اس وقت تین اکابر ہیں۔ مفتی اعظم، مفتی ملت، مجاہد ملت (مولانا شبیب الرحمن قادری ایڈیٹوری علیہ الرحمہ) ان کے دم سے تقویٰ کا بھرم ہاتی ہے۔ یہاں کا سایہ دراز کرے۔ ان کے بعد پھر کوئی ایسا نظر نہیں آتا۔

مجھے موصوف کی یہ بات یاد آتی ہے اور اس وقت سے آج تک برابر میرے کانوں میں گونجتی رہتی ہے۔ "ان کے دم سے تقویٰ کا بھرم ہاتی ہے" انھوں نے بڑی تنقیدی نگاہ سے جائزہ لیتے ہوئے یہ کہا تھا اور خود میں بھی جب غور کرتا ہوں تو ان کا قول حرف بحرف صحیح نظر آتا ہے۔ یہ تو اکثر حضرات کو علم ہے کہ مفتی اعظم قدس سرہی حیات تک جب کسی مسئلہ میں کوئی عیبان ہوتا یا کوئی اختلاف نظر آتا تو مفتی اعظم کا فیصلہ حرف آخر سمجھا جاتا اور تمام علما ان کی تقبی و کلامی باریک بینی کے قائل نظر آتے۔ صرف لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھانے کے مسئلے میں بعض علما نے ان سے اختلاف کیا اور اپنے اختلاف پر قائم رہ گئے مگر مفتی اعظم نے جو دلائل پیش کیے ان کا جواب ان تک نہ ہو سکا۔ اور جمہور علما نے حضرت ہی کی تائید کی۔

اس اختلاف کا خاص پہلو یہ ہے کہ اس خصوص میں مفتی اعظم نے اپنی تحریروں میں صرف مسئلے کا اثبات کیا اور کسی کی ذات یا علم و فن کو طعنہ تعریف یا نشانہ ہرگز نہ بنایا، نہ ہی اس اختلاف کو علمی اختلاف کی سرحدوں سے کسی طرح تجاوز ہونے دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اختلاف کرنے والے بھی حضرت کے ادب و احترام سے دور اور ان کی عظمت و عبقریت کے اعتراف سے مخرف نہ ہو سکے اور قلم کی متانت و شرافت بھی آلودہ نہ ہو سکی۔ اس صورت حال سے مفتی اعظم کا اخلاص عمل، ان کی سنجیدگی، ان کی بالغ فطرتی اور حکمت و تدبیر کی عیاں ہے۔ یقیناً اس میں ہمارے لیے بہت عظیم درسِ عبرت ہے۔

ان کی حیات کا بہت روشن پہلو یہ بھی ہے کہ وہ کسی خلاف شرع قول و فعل کو دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتے تھے بلکہ اس پر نکیر ضروری تھی۔ اس کردار کے خلوص میں ان کا التزام، ان کی جسارت، ان کا قلبی اضطراب اور ان کا حسن اخلاص دیکھ کر دل بے اختیار گواہی دیتا کہ بلاشبہ یہ سچے نائب رسول اور واقعی دہرے علوم انبیاء ہیں۔ رسول کے سامنے اگر کسی نے کوئی کام کیا یا کوئی بات کہی اور رسول نے اس پر سکوت اختیار کیا، انکار نہ فرمایا تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ یہ فعل یا قول درست اور صحیح ہے اگرچہ غیر رسول کی یہ شان نہیں مگر سچے نائب رسول کی یہ ذمہ داری ضرور ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو منکر (برائی) سے روکے اور معروف (نیک) کا حکم دے لیکن انکار منکر سے عالم کو اگر قتلے کا

ایڈیٹ یا جان و عزت کا خطرہ ہو یا اس منکر کی برائی سے مرکب اور دوسرے سبھی آگاہ ہوں ساتھ ہی منع کرنے سے باز آنے کی توقع بھی نہ ہو تو بعض حالات میں عالم کے لیے سکوت کی رخصت مل جاتی ہے۔

مگر مفتی اعظم بجائے رخصت کے عزیمت پر عامل تھے اور ان کی جلالت و سطوت یہ تھی کہ کوئی کیسا ہی صاحب ثروت یا صاحب اقتدار کیوں نہ ہو مگر حضرت کی زبان شریعت ترجمان کے آگے مجال دم زدن نہ تھی۔

انھوں نے بڑے بڑے قدر آور اور نامور خطباء کو بھی برسرِ عام نوک دیا۔ اور بعض صورتوں میں توبہ بھی کرائی ہے مگر عموماً ان کی یہ اصلاح بڑی آسانی سے اور خندہ پیشانی سے قبول کر لی جاتی اور تقریر کرنے والے اپنی منونیت کا اعتراف و اعلان کرتے۔ آج کسی کے لیے یہ کام بڑا مشکل ہے۔

ایک طرف تقریروں کی سہولیت اور بازاری پن کا یہ حال ہے کہ تاریخی واقعات و حکایات میں بے سرو پا ملاوٹ اور تہ تیہ غلطیاں تو الگ رہیں احادیث کے متن میں اس قدر آمیزش کی جاتی ہے کہ قول رسول کی اصل صورت ہی سن کر ہو کر رہ جاتی ہے۔ فقہ و عقائد اور علم و فن کے لحاظ سے غلط، نامزد اور تکلیف دہ جملوں اور عبارتوں کا استعمال عام ہوتا جا رہا ہے اسی پر بس نہیں بلکہ اس قسم کی تقریروں کو بھجپ کر فروخت بھی کیا جا رہا ہے اور جہالت کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ نئی نسل ان غلط طرز تقریروں کو رٹ کر عوام سے داد و تحسین اور زور و مال کے انبار لوٹ رہی ہے اور کسی کو ہمت نہیں کہ ان جرب زبانوں پر کوئی قدغن لگا دے۔ اگر کسی نے جرأت کی تو انجام اور زیادہ خطرناک ہے۔ مقرر صاحب جہاں اس کے کہ ممنون ہوں اور توبہ و اعتراف کر کے دنیا میں اپنی غلطیوں سے باز آئیں اور آخرت میں اپنی نجات کا سامان کر لیں، اگلے اپنے بزرگ محسن ہی کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیں گے اور اعترافِ قصور میں اپنی ذلت محسوس کرتے ہوئے اس بزرگ کی تذلیل و تحقیر کے روپے ہوجائیں گے۔ اور اسی میں اپنے وقار، اپنے شرف اور اپنی مقبولیت کا سارا ہماز منہمک کر دیں گے۔

یہ وہ الیہ ہے جس سے ہم مفتی اعظم کی حیات کے بعد دو چار ہیں۔ صد افسوس کہ آج کی دنیا علم، عمل، انصاف اور اعترافِ حقائق سے کس قدر دور رہتی جا رہی ہے۔ اور کوئی ایک شخصیت کو کیا علم کی کوئی ایک مجلس یا یونین بھی ایسی نہیں جو ہمارے اس غلا کو اس طرح نہ کر دے کہ نہ کوئی اختلاف ہونے کوئی فتنہ برپا ہو یا کوئی ایسی تدبیر بروے کار لائی جائے جس سے عوام اس قاتل ہو جائیں کہ غلط بولنے والے مقررین کو گوارا نہ کر سکیں یا مقررین اسے ذمہ دار بن جائیں کہ بغیر تادیب اور کافی علم و آگہی کے لب کشائی کی زحمت نہ کر سکیں یا کم از کم اپنے دل میں ایمان و انصاف اور انصاف و امانت کا اتنا جوہر ضرور رکھتے ہوں کہ اعترافِ خطا کو اپنی ذلت کے بجائے اپنی عزت، اپنی عافیت اور اپنی نجات تصور کر لیں۔ بہر حال آج دو متدان ملت اور دانشوران قوم کا یہ فریضہ ہے کہ اس طرح کے امراض کا علاج

تلاش کریں، منبر دین سے مصالحت و بیابان کا طائفہ ہرگز فراموش نہ کیا جاسکتا۔

منفی اظہار علی ایک عظیم امتیازی خصوصیت ہے۔ یہ بھی ہے کہ ان کے حلقہ ارادت میں ملا اس لٹ سے دافس ہوئے کہ بہت سے چیزوں سے مریدین کی مجموعی تعداد بھی ان کے برابر نہ ہوئی۔ ان ملا کو بھی دیکھیے تو ان میں ایک قابل ذرا تعداد ایسے علما کی جو اپنے علم و فضل اور تہذیب و تقویٰ کے لحاظ سے نہ معلوم کتنے سچے دل پروردگار ہوں گے۔ ایسے ملاؤں کے ہاتھ پر بیعت ہوں وہ اپنے علم و فضل اور اخلاص و تقویٰ میں یقیناً یکساں روزگار ہوگا۔ منفی اظہار کے مریدین میں عوام کی بھی بڑی تعداد ہے ان میں اہل ثروت بھی بکثرت ہوں گے مگر حضرت کی زندگی کا لمحہ لمحہ شاہد ہے کہ انہوں نے اپنے مریدین کو کبھی بھی اپنی منفعت بخش "جاندا" تصور نہ کیا، نہ کبھی اس کی کوشش ہوئی کہ کوئی دولت مند حلقہ ارادت میں داخل ہو جائے۔ ان کا فیضان عام تھا، غریب و امیر یکساں ان کی پارکھ میں جاد ہوتے اور سب کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا خصوصاً اپنے والد گرامی بلکہ اپنے رسول عظمت مآب علیہ التحیات و الصلوٰت کی سنت کریمہ پر عمل کرتے ہوئے غریب کی دلہاری کا ہمیشہ پاس و لحاظ رکھتے۔ اور کسی امیر کی رعایت میں کسی غریب کی دل شکنی ہرگز وارد نہ تھی۔

ظاہر ہے کہ جس کا دل حب دین سے پاک ہو، جو مریدوں کی دولت کے بجائے اپنے مولیٰ کی رحمت پر بھروسہ رکھتا ہو، جو کسی نار و اقول و فعل کو دیکھ کر خاموش نہ رہ سکتا ہو، جو عوام، تو عوام ملا کو بھی علمی و عملی خطاؤں پر نظر انداز کر دینا مصلحت اندیشی کی تاریخ کا جرم عظیم تصور کرتا ہو، جس کے اخلاص و عزیمت کے آگے علماء اکابر کی گردنیں کم ہوں، جس کے فقہ و فتویٰ اور ورع و تقویٰ کی ستائش میں آج کے زمانہ رطب اللسان ہوں، جس کی جلو توں کے ساتھ اس کی ظلو تیں بھی سنت رسول کی آئینہ دار اور یاد خدا و رسول سے آہاد و سرشار ہوں وہی علمائے زمانہ کا امام، ملت اسلام کا بے پاک رہنما اور ترودہ ادلیہ کا سرخیل کہا جاسکتا ہے۔ عوام و خواص کی مرجعیت کا تان اسی کے مرزیب دیتا ہے۔ امت کی فیاضی و رہنمائی کا فریضہ اسی کی زبان و قلم کا ہے دارع کو ہر آبدار ہے۔ بلاشبہ وہ تمام اہل حق اور تمام اہل باب علم و فن کا بے بدل تاجدار ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ و رحمنا بہ و رحمۃ واسعۃ۔



## باب چہارم

تاثراتی مضامین

## صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا عالمانہ مقام

صدر الشریعہ، شریعت و طریقت دونوں کے جامع تھے۔ حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز مراد آبادی علیہ الرحمہ نے بابر فرمایا "صدر الشریعہ مجمع البحرین ہیں۔" شیخ العلماء حضرت مولانا غلام جیلانی اعظمی گھوسوی علیہ الرحمہ اپنے مضمون "صدر الشریعہ" میں لکھتے ہیں:

"آپ شریعت و طریقت دونوں علموں کے جید عالم اور عامل تھے۔ اتباع سنت میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ دوس کا ادب، چھوٹوں پر شفقت، معاملات کی صفائی، لوگوں کے خطا و قصور کو معاف کر دینا آپ کا طریقہ کار تھا۔ ظاہر و باطن، قول و فعل، خلوت و جلوت میں آپ یکساں تھے۔ آپ کے مواظب و نصائح حکیمانہ ہوتے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر مؤثر طور پر فرماتے۔ اہل حلال و حلالہ مقال آپ کا شیوہ تھا۔ سادگی و تواضع کے ساتھ صاحب رعب و جلال بھی تھے، کسی جبری و بے باک کو بھی آپ کے روبرو بے باکی کے ساتھ کلام کرنے کی ہمت نہ ہوتی۔ حسن اخلاق، صبر و شکر، توکل و قناعت، خود داری و استغناء آپ کے امتیازات و خصوصیات میں سے تھے۔ آپ زہدِ حق کے بلند مدارج پر فائز تھے۔ بلاشبہ آپ ولی کامل تھے۔" (ماہنامہ فیض الرسول، مارچ ۱۹۶۶ء)

بعد وصال صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی یہ کرامت گھوسی اور قریب کے بے شمار لوگوں نے دیکھی کہ برسات کے جب قہر مہلک کا ایک حصہ کھل گیا تو جس باغ میں وہ فون ہیں وہ پورا باغ خوشبو سے معمور ہو گیا۔ مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب بیان کرتے ہیں جو خوشبو یہاں سونگھنے میں آئی وہ دنیا کے کسی عطر و گلاب میں نہ ملی۔ باغ کی یہ خوشبو موافق، خلف سب نے محسوس کی، بلکہ ایک مخالف عالم نے یہ یر ملا کہا۔

"مولوی احمد علی مرنے کے بعد بھی اپنی کرامت ظاہر کرنے سے باز نہ آئے۔"

اگرچہ خرق عادت کا صدور معیار ولایت نہیں، لیکن مومن متقی سے خارق عادت کا ظہور نشان ولایت ضرور ہے۔ اور کچھ نہ بھی ہو تو قرآن مقدس ولی کی تعریف میں جو فرماتا ہے: "الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ" یعنی جو ایمان کامل اور تقویٰ کے حامل ہوں، یہ امر حضرت صدر الشریعہ میں پورے طور پر نمایاں رہا۔ یہ ایمان و تقویٰ جیسے خود بخود بنیادی معیار ولایت ہے جس سے کسی منکر قرآن ہی کو انکار ہو سکتا ہے۔



طرطیت میں بھی صدر الشریعہ کو کمال حاصل تھا۔ اسی لیے حضرت ابنی کتاب "بہار شریعت" کے آغاز میں تحریر فرماتے ہیں:

"بلکہ ہزاروں تو یہ تھا کہ اس کتاب کی تکمیل کے بعد ایسی کچھ پر ایک دوسری اور کتاب بھی لکھی جائے گی جو قصود اور سلوک کے مسائل پر مشتمل ہوگی۔ جس کا اظہار اس سے پیشتر نہیں کیا گیا تھا۔ ہوتا ہی ہے جو خدا کا ہوتا ہے۔ چہ سال کے اندر متعدد حوادث عظیم ایسے درویش ہوئے جنہوں نے اسے قابل بھی سمجھے نہ رکھا کہ بہار شریعت کی تصنیف کو حد تکمیل تک پہنچاتا۔" (بہار شریعت، حصہ ۱، ص: ۱۰۱)

علم شریعت اعمال ظاہر کی صفائی و صحت کے قوانین کا مجموعہ ہوتا ہے۔ (اگرچہ یہ قوانین بھی باطن کی بنیاد پر ہوتے ہیں) اور علم طریقت باطن کی تزکیہ کے اصول بتاتا ہے۔ زیادہ مشکل اور اہم باطن کی طہارت ہے۔ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ دونوں کے جامع تھے اس لیے ان کی درس گاہ فیض سے جو بھی کوہر آب دار نکلا، علم ظاہر کے ساتھ علم باطن کا بھی حامل نظر آیا۔ خوف خدا اور اخلاص و تقویٰ ائمہ مومن کی حیات میں پورے طور پر جگہ بنائے کوئی صاحب باطن ہو جاتا ہے اور اس کی شریعت بھی طریقت کی جلوہ گاہ ہوتی ہے، اور طریقت، شریعت کی کائنات دار۔ اگرچہ ظاہر میں کوئی نظر آئے گا کہ اس کی عبادت اور محاملت ویسی ہی ہے جیسی میری۔ مگر کہاں وہ نماز جو صرف جسموں کے پیچ و خم پر مبنی ہو اور کہاں وہ نماز جو مشاہدہ ذات، اخلاص کامل اور خشوع تام کا مخزن ہو۔ کہاں وہ محاملت جس کا منظر دینا کے آرام اور دولت کی ذخیرہ اندوزی سے زیادہ نہ ہو اور کہاں وہ محاملت جو کامل خوف خدا کے ساتھ اس طرح ہو کہ اہم عظیم ابوحنیفہ کے شاگرد حضرت امام محمد بن حسن شیبانی کے بقول مومن کو دینی بنادے۔

حضرت صدر الشریعہ کی زندگی نگاہ ظاہر میں درس و تدریس، تصنیف و اشاعت، کتابوں کی ترسیل و تجارت میں کھری ہوئی تھی لیکن یہ سب کام ایسے پاک جذبہ، اور بلند نصب العین کے تحت ہو رہے تھے جہاں حرص مال، ہوس شہرت اور کبر و نخوت چال ہو کر رہ گئے اور جہاں دنیا داری کا گزری نہیں۔ جو سر اسرار دین، آخرت اور مذہب مومن کے لیے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قدرت نے ان کے فیض کو دوام بخشا ہے اور ان کے دبستان علم کا جلوہ اب بھی عام ہے۔

عالم ہے۔ ذلک فضل اللہ یؤتہ من یشاء۔ واللہ ذو الفضل العظیم



## صدر الافاضل ایک جہان کمالات و محاسن<sup>(۱)</sup>

حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ (ولادت ۲۱ مفر ۱۳۰۰ھ بم جنوری ۱۸۸۰ء۔ وصال ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۸ء) کی شخصیت بڑے عظیم کمالات و صفات اور متعدد جہات کی حامل تھی، ہر پہلو ایک مستقل مضمون بلکہ کتاب کا مستقاضی ہے، برادر گرامی مولانا یحییٰ اختر مصباحی نے ان پر کام فرمایا تو حقوڑے ہی عرصے میں تقریباً ساڑھے چھ سو صفحات تیار ہو گئے۔ اب ان کی کمپوزنگ بھی ہو چکی ہے۔ امید ہے کہ شائقین کو جلد ہی اس کتاب کے مطالعہ کا موقع بھی نصیب ہوگا۔

میں نے حضرت کی حیات پر یا ضابطہ کوئی تحقیق تو نہیں کی ہے لیکن جہاں تک پڑھا اور سنا ہے اس کی روشنی میں کچھ حاصل برکت اور صف و اوصاف میں شرکت کی خاطر چند اشارات پر اکتفا کرتا ہوں۔

① وہ ایک بلند پایہ مدرس تھے۔ ان کی درس گاہ فیض سے متعدد نامور اساتذہ اٹھے۔ اسی لیے انہیں اس دور میں "استاذ العلماء" کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا، جیسے ان سے پہلے مولانا تالپ علی گڑھی علیہ الرحمہ (۱۳۴۳ھ - ۱۳۴۴ھ) کو "استاذ العلماء" کہا گیا۔ صدر الافاضل کے علاوہ کے علاوہ کا سلسلہ آج بھی برصغیر کے اطراف و برف میں جاری ہے۔

② وہ ایک زبان آور خطیب بھی تھے۔ خطابت میں شہرت و مقبولیت کے باعث غیر منقسم ہندوستان کے نقی فلوں اور دور دراز علاقوں میں ان کے تقریری دورے بھی ہوتے تھے۔ ان کی تقریروں سے نہ صرف عوام مستفید ہوتے بلکہ حکمرانوں اور وقتہ رخ علماء بھی مستفید ہوتے۔

③ دوزیر دست مناظر بھی تھے۔ اپنے علمی تبحر اور معقول گرفت کی وجہ سے حریف کو بہت جلد ہر انداز اور جواب کر دیتے۔

④ وہ ایک پرجوش مبلغ بھی تھے جس کا مظاہرہ اس وقت بخوبی ہوا جب شدھی تحریک سے متاثر ہو کر

(۱) اب مضمون مولانا نور الحسن مصباحی ازہی کی فرمائش پر لکھا گیا، وہ صدر الافاضل کی حیات و خدمات پر ایک مجموعہ مقالات کی اشاعت کا منصوبہ ہے۔

متخرف ہونے والوں کو حلقۂ اسلام میں واپس لانے کی کوششیں ہوئیں۔ سرکار مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مسطوف قادری (۱۳۱۰ھ - ۱۴۰۲ھ) شیریش اہل سنت مولانا شمس علی خاں کنکونی پہلی بھکتی (۱۳۲۰ھ - ۱۳۸۰ھ) اور دیگر مقتدر علما عظیم ارحمہ کے ساتھ صدر الافاضل نے بھی جماعت رضائے مصطفیٰ کے پلیٹ فارم سے تبلیغی دورے کیے اور لوگوں کو دامن اسلام سے وابستہ کیا۔ اس کے علاوہ آریوں سے ان کے مناظروں میں بھی حلقہ شہادت کے بادل صاف کیے۔

⑤ صحافت سے بھی ان کی طویل وابستگی رہی۔ ایک دور تھا جب ”الہلال“ اور ”المباغ“ میں ان کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ پھر خود انھوں نے مراد آبادی سر زمین سے ماہنامہ ”السواد الاعظم“ جاری کیا جس سے تقریباً سو شمارے حاصل کر کے پروفیسر مسعود احمد صاحب نے ایک قبیح اور تاریخی کتاب ”تحریک آزادی ہند اور ماہنامہ السواد الاعظم“ مرتب کی۔ اس میں ”السواد الاعظم“ کی اثر انگیزی آج بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

⑥ وہ ایک عظیم سیاسی مدبر اور قوی رہنما بھی تھے۔ ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء میں غیر منقسم ہندوستان کے ہائیڈرو علماء و مشائخ کو جمع کر کے بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا انعقاد ہی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

دین و علم کے فروغ کے لیے وہ ایک بہترین منتظم اور بالکل مہتمم بھی تھے۔ اسی لیے انھوں نے مراد آبادی میں درہ اہل سنت و جماعت قائم کیا، جو بعد میں ”جامعہ نعیمیہ“ کے نام سے معروف و مشہور ہوا۔ درہ اہل سنت و جماعت میں استاذنا الجلیل حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مراد آبادی (۱۳۱۲ھ - ۱۳۹۶ھ) صدر العلماء مولانا غلام جیلانی میرٹھی (۱۳۱۷ھ - ۱۳۹۸ھ) شمس العلماء مولانا قاضی شمس الدین احمد جعفری جون پوری (۱۳۲۳ھ - ۱۴۰۲ھ) اور ان کے متعدد و رفقاء نے بھی تعلیم حاصل کی ہے۔ بعد میں ان حضرات نے دارالعلوم عثمانیہ عینیہ دہلی شریف کا رخ کیا۔ صدر العلماء نے شیر القاری کے مقدمے میں ان حضرات کا ذکر کیا ہے رحمہم اللہ تعالیٰ۔

⑦ اس قدیم دور میں جامعہ نعیمیہ کی کشادہ اور باسلیقہ علمیت حضرت صدر الافاضل کے تعمیری ذوق اور فنی نفاست و نزاکت سے بھی روشناس کرتی ہے۔ ہر باب میں ان کی ایک امتیازی شان نظر آتی ہے۔

کسی بڑے ادارے کے قیام کے لیے قلب شہر میں وسیع و عریض زمین حاصل کرنا، اس پر شاندار عمارت بنانا، تدریسی و غیر تدریسی عمل کا انتظام کرنا، پھر ادارے کو مضبوط بنیادوں پر کامیابی سے چلانا اور خیر معاہد کی فراہمی کرنا، صرف اسی ایک میدان کو دیکھا جائے تو بڑے دل گردے کا کام ہے۔ مگر صدر الافاضل نے اسے بھی بڑی ہنرمندی سے سر کیا، اور صرف اسی کے ہو کر نہ رہے بلکہ دوسرے قومی ملی جماعتی محاذوں پر بھی سرگرم عمل رہے۔

⑧ اہل سنت کی اشتاعی سرگرمیوں کو تیز کرنے کے لیے انھوں نے اپنے شہر میں پریس بھی قائم کیا جس

سے اہل سنت کی گراں بہا کتابیں شائع ہوئیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ (۱۲۷۲ھ - ۱۳۴۰ھ) کے ترجمہ قرآن ”تکثر الامیان فی ترجمۃ القرآن“ (۱۳۳۰ھ) کی پہلی اشاعت (بلا تفسیر) صدر الافاضل ہی نے انجام میں ہوئی۔

پھر اس ترجمے پر ان کی تفسیر خزان العرفان بھی انھیں کے یہاں سے شائع ہوئی۔ اس تفسیر کی خوبیاں ایک محل مقالے کی طالب ہیں۔ امید ہے کہ کسی صاحب قلم نے اس پر سر حاصل منگوا لی ہوگی۔

کتابت و طباعت کے سلسلے میں بھی صدر الافاضل کا ذوق بہت نفیس اور اعلیٰ تھا۔ ان کے زمانے کی اعلیٰ بیان اور انکسار اعلیٰ وغیرہ دیکھیے۔ عربی عبار توں اور ان کے اردو ترجموں اور حوالوں کا انداز کتابت ایک ترائی میں رکھتا ہے۔

⑨ تصنیف (معیاری تصنیف) بڑی وسعت نظر، جودت قلم اور ذوق قارئین سے مناسبت کی طالب ہوتی ہے۔ ملی تاجر کے ساتھ صحافت اور مناظرہ و خطابت سے وابستگی نے صدر الافاضل کے ذوق تصنیف میں بڑی نقیض اور بندی پیدا کر دی تھی۔ جو لکھ دیتے وہ ہر جہت سے دیدنی ہوتا۔ ان کی تصانیف کو ان کے دور کی روشنی میں یکجا ہے توجہ و جودت کے دل کش مناظر جابجا نظر آئیں گے۔

⑩ ان متنوع کمالات کے ساتھ وہ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ ان کا دیوان ”ریاض نعیم“ شائع ہو چکا ہے جو اپنے محاسن کے اظہار کے لیے کسی صاحب فن کی توجہ کا منتظر ہے۔ امید ہے کہ کسی کار ہوار قلم اس گلشن دل کی تکمیل تک بھی منقطع ہوا ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ صدر الافاضل کی شخصیت ایک جامع کمالات اور کثیر الجہات شخصیت تھی جس پر مضابطہ برہنہ اور تحقیق کی ضرورت ہے۔ آج بھی مجلس اہل قلم کی محنتوں سے بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ مولانا تعالیٰ مردان کار کو نفعی جیل اور جائید نہیں سے با مراد کامیاب فرمائے۔ و ما ذلک علیہ بعزیز۔

محمد احمد مصباحی

ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ بم ۲۰۱۵ء یک شنبہ



## علامہ شمس الدین احمد جعفری

شمس العلماء حضرت علامہ شمس الدین احمد جعفری جون پوری رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۲۲ھ - ۱۴۰۲ھ / ۱۹۰۵ء - ۱۹۸۱ء) اپنی درسی جماعت میں نمایاں حیثیت کے حامل تھے، یہی وہ جماعت تھی جس سے صدر الشریعہ علامہ اہل اعظمی رضوی رحمۃ اللہ علیہ کا دینی و علمی فیضان اندرون ملک و بیرون ملک زیادہ عام و عام ہوا، اور دبستانِ احمدی سے نسبت رکھنے والے عموماً اسی جماعت کے کسی عظیم فرد سے بلا واسطہ یا بواسطہ مشکلف نظر آتے ہیں۔

بقول استاذنا انور اکرم حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۱۲ھ - ۱۳۹۱ھ) : "ان حضرت نے درسیات میں جو کتابیں پڑھی تھیں اب سننے دور کے علامہ عموماً ان کتابوں کے نام سے بھی نا آشنا ہیں۔" ان حضرات کی مجلسوں خصوصاً درس گاہوں میں بیٹھنے والے ان کی علمی حالات اور فنی سطوت و عقلیت کا اندازہ خوب کرتے تھے۔ ایک زمانے میں میرے والد صاحب بنارس میں زیر علاج تھے اس دور میں شمس العلماء کی مجلس میں راقم کبھی کبھی جامعہ حمیدیہ رضویہ، بنارس میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا، حالات زمانہ سے آگاہ، تجربات سے لبریز اور علمی حالت و فائز سے آشنا نظر آتے۔ معلومات کا سمندر تھے، جب کسی موضوع پر گفتگو شروع کر دیتے تو وہ بولتے رہتے اور سننے والا استہشی رہتے۔

ان کا ایک امتیازی کمال یہ ہے کہ اس زمانے میں جب کہ خطوط پر بہت صرف اردو میں کافی ہوتا، تحصیل اور کچھ یوں کے کاغذات بھی اردو میں لکھے جاتے، وہ انگریزی سے بھی بخوبی واقف تھے، پہلے انھوں نے جون پور کے ایک کالج میں تعلیم پائی تھی، اس لیے انگریزی بولتے تو خوب بولتے۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں جب وہ صدر المدرسین اور شیخ الحدیث تھے، جامعہ کے انگریزی کے استاد ناصر آفتاب احمد خاں مبارک پوری سے جب ہوا میں ہوتے تو انگریزی میں باتیں کرتے۔

مولانا محمد احمد شاہدی غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ غازی پوری کسی کورٹ میں ایک شرعی مسئلہ کی وضاحت کے لیے قاضی صاحب کا جانا ہوا، سنا انھیں دیکھ کر خائف ہوا اور اپنے ہم نشین سے انگریزی میں کچھ کہہ جس

کا منہ آہٹ تھا کہ "یہ آدمی بڑا ہی سیکلک معلوم ہوتا ہے" قاضی صاحب نے سن لیا اور انگریزی میں جواب دیا، جس پر وہ بڑا شرمندہ ہوا، کیوں کہ یہ کورٹ کے آداب کے بھی خلاف تھا کہ کوئی معاملہ سامنے آنے بغیر جج کسی کے بارے میں کوئی اس طرح کی رائے ظاہر کرے۔

دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں اپنے زمانہ تدریس سے پہلے وہ ہمیشہ فقہی کتابوں کے امتحان کے لیے تشریف لاتے، کتابوں کے مباحث گویا تشریح نظر ہوتے، پیچیدہ سوالات کرتے اور نمبر صلاحیت کے لحاظ ہی سے دیتے۔ میں ان کے سامنے بیضاوی شریف کا امتحان دیتے بیٹھا تو کتاب کھولنے سے پہلے ہی "اسماء اللہ تعالیٰ نوحہ باعتبار الغایات" کی بحث چھیڑ دی، میں نے جواب دینے کی کوشش کی، خیر انھوں نے نوے (۹۰) نمبر دیے، جس میں ان کی عنایت کا بھی دخل ہوگا۔

تدریس ان کی زندگی بھر کا مشغلہ رہا، تصنیف کی طرف زیادہ توجہ نہ دی، پھر بھی قانون شریعت، قواعد النظر فی جالی فکر، قواعد الاعراب وغیرہ ان کی قلمی یاد گاریں ہیں، ان میں سے قانون شریعت کی اشاعت تو ان کے زمانہ حیات سے اب تک جاری ہے، باقی شاید ایک دو بار سے زیادہ شائع نہ ہوئیں۔

ایک زمانے میں وہ دارالعلوم اشرفیہ کی "مجلس علما" کے بھی رکن رہتے تھے، ان میں اور حافظ ملت میں بڑی باہمت اور مودت تھی، مشکل حالات میں بھی وہ حافظ ملت کے حامی و دمساز رہے۔

اپنی جماعت میں یہ امتیاز بھی میرے علم کی حد تک صرف انہی کو حاصل ہے کہ وہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ رضہ قادری برکاتی قدس سرہ سے براہ راست شرفِ ابرادیت رکھتے تھے، دیگر رفقاء نے زمانہ تو پایا مگر داخل بیت نہ ہو سکے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ رحمة واسعة (۱)

### محمد احمد مصباحی

۱۳ صفر ۱۴۳۳ھ / ۲۴ اکتوبر ۲۰۱۸ء



۱ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے حالات پر کوئی کتاب مرتب کر رہے تھے، اسی زمانے میں قادری نور الدینی گورکھ پوری نے مذکورہ سبب سے متعلق ایک بار جامعہ کاغذات کاغذ ہوا، تو مختصر اور جگہ بالاسطور لکھ کر رسالہ کی گئیں۔

## آہ! مولانا قاری محمد عثمان اعظمی

قاریین کو بہت حزن و غم کے ساتھ یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ جماعت کے نامور عالم، مشہور خطیب اور امیر القراء حضرت مولانا قاری محمد عثمان اعظمی طویل علالت کے بعد اپنے وطن مالوف محلہ حسین پور گھوسی میں صبح کا کون گزر کر سنبھری رات کو ساڑھے بارہ بجے انتقال فرما گئے۔ دوسرے دن بتاریخ ۱۳/ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۲/ اگست ۱۹۹۵ء سنبھری کو بعد ظہر تین بجے نماز جنازہ اور تجہیز و تکفین عمل میں آئی اور اپنے مکان سے قریب ہی محلہ حسین پور کا قبرستان میں ہر دو خاک ہوئے۔ موسم کی ناخوش گواری اور بارش کے باوجود ہزاروں افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی جن میں علامہ مشن بھی بڑی تعداد تھی۔ حضرت مولانا قاری محمد عیسیٰ صاحب نے امامت فرمائی۔ عمر پچاسی سال سے زیادہ تھی۔

حضرت مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے، ان کی دینی خدمات کا دائرہ ساڑھے سال سے زیادہ عرصے کو محیط ہے۔ ابتدائی تعلیم گھوسی ہی میں پائی پھر کئی سال دارالعلوم منو میں پڑھا پھر دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور میں داخلہ لیا اور یہیں سے فراغت پائی۔ اشرفیہ میں ابتداً کئی سال تک تدریس خدمات بھی انجام دیں۔ یہیں اہل سنت و اشرفی دارالطالعہ کا قیام اور ۱۲/ ربیع الاول کو جلوس عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدا ان ہی کے علمی و دینی جوش و دلولہ کا ثمرہ ہے۔

فنون قراءت میں مولانا قاری محمد عیسیٰ مبارک پوری، علامہ ارشد القادری، علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دامت برکاتہم جیسے سن رسیدہ اور بزرگ علما کو ان سے تلمذ حاصل ہے۔ وہ درس نظامی کی بھی اچھی مہارت رکھتے تھے اور مختلف درس کا ہوں میں مختلف ابتدائی و انتہائی کتابوں کا درس دے چکے تھے۔ خطابت میں بھی بے غلطی مائل تھے اور مشکل علمی باتوں کو بھی آسانی سے حوام کے ذہن میں اتار دینے کا خاص ملکہ رکھتے تھے۔ لوگ دل چسپی سے ان کا وعظ سننے اور مشتاق رہتے۔ بہت اچھے شاعر بھی تھے۔ اور ہر قسم کے موضوعات پر طبع آزمائی کرتے۔ میں نے ان کی نظموں پر مشتمل ایک دو کتابچے بھی دیکھے جو خاص عنوانات و تقریبات کے تحت تھے۔ صحافت ان کی فطری غذا تھی۔ میں نے دیکھا کہ جب موقع ملتا کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے۔ بلند علمی مضامین بھی لکھتے۔ عام اصلاحی موضوعات پر بھی اظہار خیال کرتے۔ مگر ان کا کہنا یہ تھا کہ لکھنے کے بعد تپتیج کرنا، نقل رکھنا، کسی رسالہ کو بھیجنا یا کتابی شکل میں شائع کرنا

برے لیے بہت دشوار ہوتا ہے۔ اس لیے سیکڑوں مضامین لکھے اور رکھے رہ گئے۔ اپنے صحافتی ذوق کے تحت بدلتے سے چند سال تک ”ماہنامہ اسلام“ نکالتے تھے اس کے متقد و شمارے میں نے اپنے بچپن میں پڑھے تھے۔ سورۃ فاتحہ کی ایک تفسیر بھی انھوں نے لکھ کر شائع کی تھی اور ارادہ تھا کہ اسی طرح قسط وار دو تین جزیں پورے تھیں۔ سورۃ فاتحہ کے تحت اور شائع کرتے رہیں گے۔ مگر غالباً یہ سلسلہ آج نہ بڑھ سکا۔ میں جب فیض العلوم جیشہ پور میں قرآن کی تفسیر لکھتے اور شائع کرتے رہیں گے۔ دو تین ماہ قیام رہا اسی عرصے میں ایک کتاب ”چند حدیث وقت موصوف وہاں تقریروں کے سلسلے میں پہنچے، دو تین ماہ قیام رہا اسی عرصے میں ایک کتاب ”چند اختلافات کا جائزہ“ لکھی اور میرے حوالے کی، وہ آغاز بکڑ پور ملک سے شائع ہوئی، ابتداء جب وہ خود فیض العلوم جیشہ پور میں مدرس تھے تو میلاد و قیام کے موضوع پر ایک کتاب شائع کی تھی مگر اس کی پہلی طباعت غالباً اس سے قبل محارف پور میں اعظم گڑھ سے ہوئی تھی۔ دونوں ایڈیشن میری نظر سے گزرے ہیں۔

عمدہ خطاط اور خوش نویس بھی تھے، کانپور قیام کے دوران ان کی کتابت کردہ بعض کتابیں شائع بھی ہوئیں۔ اس سے قبل بعد بھی بعض وقت فوقتاً یہ مشغلہ لہا لیا کرتے تھے۔ خوش آوازی کے باعث جلسوں میں تقریروں کے درمیان ترنم سے ترنیں بھی پڑھتے۔ مزاج میں سادگی اور بے تکلفی تھی۔ ہر طرح گزر بسر کر لیتے۔ ظرفیت اور خوش طبی بھی اچھی خاصی تھی۔ حاملہ فنی، اصابت رائے اور اچھے تدریس کے بھی مالک تھے۔ عرصے تک دارالعلوم اشرفیہ کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے اور رکنیت سے قبل بھی دارالعلوم سے خلوص و ہمدردی کے باعث مختلف مواقع پر مشاورت کے لیے ملاقات علیہ الرحمہ نے ان کو دعوت دی۔ جامعہ اشرفیہ کی تعلیمی کانفرنس پھر افتتاحی کانفرنس دونوں میں نمایاں طور پر حصہ لیا۔ درس شمس العلوم گھوسی سے متعلق بھی ان کی خدمات بہت ہیں۔ اخیر زندگی میں قریباً ۱۰ سال تک اس کی انتظامیہ کے حصہ بھی رہے۔

یکثرت مدارس و مساجد کو ان سے فیض پہنچا۔ طبیعت میں آزادی تھی۔ آکر کوئی جگہ ناپسند ہوئی تو چھوڑنے میں دیر نہ لگتی۔ کسی جگہ کے لوگوں نے اصرار کیا اور ان کو جگہ پسند آگئی تو جانے میں بھی دیر نہ ہوتی۔ جہاں سے چھے آتے وہاں کے لوگ برابر مشتاق اور دوبارہ آمد کے متعلق رہتے۔ بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ کا یہ حال کیوں ہے؟ استقلال کے ساتھ ایک جگہ کیوں نہیں رہتے؟ انھوں نے جواب دیا کہ قدرت نے ہمارا رزق رومے زمین کے مختلف خطوں میں چھیٹ دیا ہے اسے چن رہے ہیں۔

نچ و زیارت سے بھی محروم ہوئے اور مدینہ منورہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے خلیفہ حضرت مولانا ضیاء الدین احمد مدنی علیہ الرحمہ کے دست پاک پر بیعت سے سرفراز ہوئے۔ ان کے حالات، حدت اور کارنامے مختلف دیار میں پھیلے ہوئے ہیں۔ قلمی کاوشیں بھی منتشر اور زیادہ تر مسودات کی شکل میں رہیں،

جن میں سے اکثر ضائع بھی ہو چکی ہوں گی۔ اس لیے ان کے سوانح و حالات کی تفصیلی نگارش بہت دشوار گزرا۔ جس سے سخت مجاہدہ کیش بہت مردانہ کے بعد بھی کما حقہ عہدہ برآ ہونے کی صورت نظر نہیں آتی۔ ان کے کتابخانہ کی فہرست بھی طویل ہے۔ خدا کی کو توفیق بخشے تو کچھ مبسوط حالات منظر عام پر آ سکتے ہیں۔

پس ماندگان میں اہلیہ، صاحبزادے مولوی رضوان احمد صاحب (جو زمانہ طالب علمی سے ہی تجارت سے وابستہ ہو گئے) اور دو لڑکیاں ہیں۔ رب تعالیٰ سب کو صبر جمیل، اجر جہنم اور توفیق خیر سے نوازے۔ اور حضرت کے ساتھ رحمت و غفران اور رفع درجات کا معاملہ فرمائے۔ آمین۔



## حضرت احسن العلماء: کچھ یادیں کچھ باتیں<sup>(۱)</sup>

سید العلماء حضرت مولانا سید شاہ آمل مصطفیٰ برکاتی ماہر ولی، پٹنہ سے آگاہی تو بچپن ہی میں ہو گئی تھی مگر ان کے برادر عزیز حضرت احسن العلماء والمشاہد سید مصطفیٰ حیدر حسن میاں پٹنہ سے اس وقت واقفیت ہوئی جب حضرت سید العلماء کے وصال کو کئی سال گزر چکے تھے۔ ان کی مجلسوں میں حاضری اور گفت و شنید کا موقع بھی کم ہی نصیب ہوا، چلی بار خندوم گرامی حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دام ظلہ کی معیت میں عرس قاسمی کے موقع پر ۱۳۰۶ھ/۱۹۸۷ء مارہرہ شریف حاضری کے وقت شرف نیاز حاصل ہوا۔ آخری بار رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ میں مبینہ کھڑک مسجد کے اندر ملاقات و زیارت نصیب ہوئی۔ درمیان میں ایک بار اور عرس قاسمی کے موقع پر دیدار ہوا۔ اس لحاظ سے حضرت کے حالات و عادات پر روشنی ڈالنا میرے لیے بہت دشوار ہے لیکن جہاں تک دیکھا، سنا اور جانا ہے محض خراج عقیدت کے طور پر چند سطروں میں رقم کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

احسن العلماء والمشاہد اپنے اکابر کی روایت کے امین اور ان کے جادہ مستقیم پر شدت کے ساتھ گامزن تھے۔ بزرگوں کے حالات بہت دل چسپی اور بسط و تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے۔ ان کی روایت سے وہ سارے حالات قلم بند ہو جاتے تو معلومات کا ایک بڑا ذخیرہ ہوتا۔ بے دنیوں اور بد مذہبوں سے نفرت و بیزاری مشائخ ماہرہ کا وہ امتیازی نشان تھا جس نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کو خاتہ برکاتیہ کی طرف اہل کیا اور سیدنا شاہ آمل رسول پٹنہ کی ذات میں انھیں وہ مرشد برحق ملا جو علم کا ہر دامن کے حامل ہونے کے ساتھ دین میں کسی مذہب کو روانہ نہ رکھتا۔ یہ امتیاز بعد کے مشائخ میں بھی قائم رہا اور حضرت احسن العلماء نے بھی پورے طور سے اس کو برقرار رکھا۔ دین میں علایق، عقائد میں اخلاص، الحسب لله والبیغض فی الله میں صداقت ہی کا یہ اثر تھا کہ اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم قدس سرہ کا ذکر بڑی محبت و عقیدت کے ساتھ کرتے، ان کے فتویٰ کو حرز جان بناتے، ان کی عظمتوں کا تذکرہ ہوتا تو بس سنتے جائیے، کوئی مرید یا صفا یا محب بے ریا جو بیان کرتا اس سے زیادہ اس جانشین پیران بزرگ کی زبان حق تر تھا۔ چرچا ہوتا۔ چکی بزرگی کی نشانی یہی ہے کہ اہل فضل کے کمالات کا اعتراف کیا جائے اور مذہب میں صلابت و صداقت کی پہچان یہ ہے کہ اس مذہب کے فروغ و اشاعت کے لیے زندگی وقف کرنے والے کی مدح



و ثنائی جائے اور اس حقیقت کو تسلیم کیا جائے کہ اس کی عظیم خدمات جہاں دین کے لیے نفع بخش اور ملت کے لیے راہِ نجاتیں ہیں ہمارے لیے بھی فیضِ رساں اور باعثِ امتنان و تشکر تھیں مگر جہاں صداقت و اخلاص کا فقدان ہوتا ہے وہاں اپنی ذات اور اپنے نفس کے سوا کوئی صاحبِ کمال نظر ہی نہیں آتا۔

مارہرہ شریف کے اندر تقویٰ خلائف کے معاملے میں بڑی سخت احتیاط ہوتی، اس روش کو حضرت احسن المشائخ نے بھی برقرار رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے خلفائے بعد از یادہ نہیں اور جو خلفائے ان میں اکثر حضرات وہابی جو آج جماعتِ علما میں امتیازی شان کے حامل ہیں۔ دوسرے جو حضرات ہوں گے وہ بھی کسی بڑی خصوصیت کے حامل ہوں گے۔ میں نے عرسِ قاسمی میں حضرت احسن المشائخ سے مفتی جلال الدین احمد امجدیؒ سے پہلے مطلقاً تقویٰ خلائف کا اعلان سنا مگر ان کے ساتھ دو اور حضرات کے لیے اعلان کیا تو بڑی صراحت کے ساتھ "بشرائط معلومہ" کی قید بھی ذکر فرمائی۔ یہ اسی احتیاط پسندی کے سبب ہوا جو یہاں کا خاص امتیاز رہی ہے۔

جو دو سخاورد مہمان نوازی میں اپنے بزرگوں کے صحیح وارث تھے، عرس کا ازدحام کتنا عظیم ہوتا ہے مگر یہ گولڈن تھا کہ ہمارے زائرین قصبے میں کہیں دور جائیں یا کسی ہوٹل کا سہارا لیں۔ سب کے قیام و طعام کا انتظام اپنی ہاتھ سے کرتے۔ کوئی دینی و علمی کام سن لیتے تو اس کے لیے مالی تعاون میں حصہ لینے کی کوشش فرماتے، ۱۳۱۲ھ میں بمبئی میں میری حاضری کی غرض یہ تھی کہ امام احمد رضا قدس سرہ کا حاشیہ شامی جلد ثانی جس کی تحقیق و تفتیش وغیرہ کا کام ایک سال قبل مکمل ہو چکا تھا، اب رضا اکیڈمی کے تعاون سے اس کی طباعت کا کام مکمل ہو۔ جناب محمد سعید نووی سے میری گفتگو پہلے ہو چکی تھی اس لیے جانے کے بعد ہی کمیونٹروالے سے رابطہ ہوا اور کام کا آغاز ہو گیا۔ حضرت احسن المشائخ کے یہاں کھڑک مسجد میں شرفِ نیاز کے لیے جب حاضر ہوا اور انھیں علم ہوا کہ جلد المستار کے سلسلے میں بمبئی آنا ہوا ہے تو اس کے لیے از خود ایک ہزار روپے عنایت کیے۔ میں نے عرض کیا حضرت کی بارگاہ میں اس لیے حاضر نہیں ہوا، نہ ہی بمبئی میں چندہ کرنا مقصود ہے۔ کام تو رضا اکیڈمی کے توسط سے جاری ہے مگر حضرت واپس اپنے پردامنی نہ ہوئے، فرمایا پھر بھی اسے رکھو، اس طرح کے نہ معلوم کتنے کام ہیں جن میں از خود بخش قدی کر کے حصہ لیا۔ یہ مزاج کسی کاروباری پیر میں ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اس وقت دنیائے سنت میں ان کی ذات تمام علمائے اکابر و اصافہ کے لیے مرجع و مقتدا کی حیثیت رکھتی تھی۔ مفتی اعظم قدس سرہ کے زمانے میں جب کوئی سنگین اختلاف رونما ہوتا تو فیصلہ کے لیے نگاہیں مفتی اعظم کی طرف اٹھتیں۔ ان کے بعد یہ اعزاز صرف حضرت احسن المشائخ کے حصے میں آیا۔ اس وقت ہماری صفوں میں جو اشتدادِ افتراق رونما ہوا ہے اس کے سبب اس کے لیے متفق علیہ فیصلہ کی حیثیت سے اگر کوئی ذات شمار ہوتی تھی تو وہ حضرت علی

کی ذات تھی، نفوس کہ ان کے دم کے ساتھ ہمارا یہ نقطہ التقادیر مرکز اجتماع بھی جاتا رہا۔

اب کون ہے جو اس انتشارِ کیف ملت کی زلفِ برہم سنوارے؟ اب کون ہے جو اس بکھرے ہوئے گلے کو یکجا کرے، اب کون ہے جس کے اندر سب کو راہِ راست پر لانے کی کچی ترپ، بچھڑے ہوؤں کو ملانے کا جذبہ، بدکنے والوں کو ملانے کا فن اور نیکنے والوں کو تھامنے کا یار ہو؟ وہ کیا گئے یہ سب جاتا رہا۔

فما کان فیس ہلکہ ہلک واحد

و لکنہ بیان قوم تہدما



## شراح بخاری ایک گلدستہ محاسن<sup>(۱)</sup>

حضرت شراح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی (ولادت ۱۱ شعبان ۱۳۳۹ھ / ۲۰ اپریل ۱۹۲۱ء) وفات ۲۱ صفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۱ مئی ۲۰۰۰ء) ایک عہد کے امین اور ایک تاریخ کے محقق شہید تھے۔ انھوں نے جب کہ شعور میں قدم رکھا تو یہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے خلفاء اور علامہ کی قیادت کا دور تھا۔ انھوں نے صدر الشریعہ مولانا امجد علی عظمیٰ، صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی، مجتہد الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی علیہم الرحمہ کو قریب سے دیکھ کر اور صدر الشریعہ سے فوٹی نوٹس کی مشق بھی کی، حافظ ملت مولانا عبد العزیز مراد آبادی سے دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں منتہی کتابوں کا درس لیا۔ صدر العلماء مولانا سید غلام جیلانی علی گڑھی ثم میرٹھی سے بھی میرٹھ میں بعض کتابیں پڑھیں اور محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سرदार احمد لاکھ پوری علی گڑھ سے دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں ایک سال کتب حدیث کا درس حاصل کر کے شعبان ۱۳۹۲ھ میں سند فضیلت پائی۔

مفتی دارالعلوم میں انھوں نے ایک کامیاب استاذ کی حیثیت سے تدریس خدمات انجام دیں لیکن ان کا زیادہ تابناک زمانہ تدریس وہ ہے جو ۱۳۷۵ھ سے ۱۳۸۶ھ تک مظہر اسلام بریلی شریف میں گزرا۔ وہاں ان سے علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی، مولانا مفتی حبیب اشرف اعظمی، ہانی و مجتہم دارالعلوم امجدیہ تاک پور، مفتی عبدالرحمن رشیدی، سجاد نعیم خانقاہ رشیدیہ جون پور جیسے ارشد علامہ نے درس لیا اور وہیں ۱۳۷۸ھ میں حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے انھیں رضوی دارالافتاح کا مضابطہ مفتی مقرر کیا۔ جہاں تقریباً پچیس ہزار فتاویٰ ان کے قلم سے صادر ہوئے پھر جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ سے آخری حیات (پچیس سال) تک وہ تدریس و تبحر کے بجائے صرف افتاء، اصلاح فتاویٰ اور حریت فتاویٰ کی خدمات سے وابستہ رہے۔ ان کی علمی وجاہت اور مستند شخصیت کے باعث اطراف ہند کی طرح، اکثاف عالم سے بھی ان کے پاس سوالات آتے اور ان کی پوری کوشش یہ ہوتی کہ سائلین کو جوابات جلد سے جلد بھیج دیے جائیں۔ اندازہ ہے کہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں انھوں نے پچاس ہزار سے زیادہ فتاویٰ صادر فرمائے اس لحاظ سے وہ بلاشبہ سب سے عظیم مرجع فتاویٰ تھے۔

قرطاس و قلم سے ان کا شغف عہد طالب علمی ہی سے تھا۔ وجد بہ سکندری وغیرہ میں ان کے مضامین منظر عام پر آتے رہتے تھے۔ لیکن جہاں تک مجھے علم ہے کتابی شکل میں ان کی پہلی کاوش "اشک رواں" کے نام سے رہا

اول ۱۳۴۳ھ میں شائع ہوئی۔ جو ان کی تحریری صلاحیت کے ساتھ علمی، دینی اور سیاسی بصیرت و ذرف نگاہی کی بھی تائید دہ ہے۔ یہ ان کی فراغت کے صرف دو سال بعد کی تصنیف ہے جسے ان کے اساتذہ اور اساتذہ کے اساتذہ نے بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ اگرچہ اکثر حضرات کو اس کے سیاسی موقف سے اتفاق نہ تھا مگر مصنف نے اس خطرناک اور پیچیدہ موضوع کو جوش شباب کے باوجود اکابر کے ادب و احترام کے ساتھ جس خوش اسلوبی کے ساتھ نبھایا ہے وہ بہر حال قابل تحسین اور آج ہمارے لیے قابل تقلید ہے۔

مفتی دینی و علمی موضوعات کو انھوں نے عنوان قلم بنایا اور جس موضوع پر لکھا اس کا حق ادا کر دیا۔ پہلی بار جب غلام آزاد کے چاند پر چنچے کی خبر نشر ہوئی تو مذہبی حلقوں میں ایک شور برپا ہو گیا۔ مفتی صاحب نے اس موضوع پر ایک مختصر مضمون نوری کرن بریلی میں شائع کر دیا جس میں یہ ثابت کیا کہ چاند، سورج اور تمام ستارے آسمان کے نیچے ہیں اور انسان کے لیے چاند تک پہنچنا ممکن ہے۔ اس مضمون کی تردید بھی کی گئی جس کے بعد انھوں نے ایک مبسوط کتاب کی ضرورت محسوس کی اور "اسلام اور چاند کا سفر" لکھ کر شائع کیا۔

خداوند تبارک و تعالیٰ اور نسبندی کا مسئلہ سامنے آیا تو اس کی حرمت پر انھوں نے ایک قرآنی آیت سے استدلال کرتے ہوئے اپنا مضمون شائع کیا۔ ارض مقدس میں یہودی حکومت کے قیام سے لوگوں میں شکوک و شبہات پھیلے تو ایک تحقیقی مضمون "ارض مقدس اور یہودی انقلاب" لکھ کر انھوں نے ان الزامات و شبہات کی جانب توجہ فرمائی۔ خلافت معاویہ و یزید نامی کتب منظر عام پر آئی جس میں یزید کو خلیفہ برحق دکھانے کی نداد و جہالت کی گئی تو اس موضوع پر بھی حضرت مفتی صاحب کا جواب مضمون پاسان الہ آباد میں شائع ہوا جسے پڑھ کر میں پہلی بار حضرت کی علمی جلالت سے روشناس ہوا۔ برت نبوی کا سلسلہ بھی انھوں نے شروع کیا تھا مگر صرف مقدمہ اور ابتدائی حصہ ہی رقم ہو سکا اور مبارک پور چنچے کے بعد شرح بخاری کا کام شروع ہو گیا جو بیحد تعزلی مکمل ہوا اور حضرت کی قلمی خدمات کا شاہکار قرار دیا۔

دعوت و اصلاح اور تقریر و خطابت سے بھی ان کا رشتہ دور طالب علمی سے ہی قائم رہا اور ملک کے طول و عرض میں ان کی تقریروں نے اپنا اثر دکھایا۔ وہ جو بیان فرماتے دیکھ کے ساتھ بیان فرماتے اور انداز ایسا عام فہم اور دل نشیں ہوتا کہ سامع متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ تقسیم و تاحیر کا عنصر ان کی تقریروں میں بھی بخوبی نمایاں ہے۔ مختصر الفاظ میں مدلل طور پر اپنے موقف کو دل و دماغ میں اسرار دینا ان کا خاص کمال ہے جو ان کی تقریر و تحریر کے ساتھ ذہن اور مجلسی باتوں میں بھی عیاں تھا۔ فن مناظرہ، حاضر جوابی اور مخالف کو جلد سے جلد سرنگوں کرنے میں بھی وہ یکساں روزگار تھے۔ اس کا نمونہ ان کی تقریروں میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

حضرت صدر الشریعہ اعظمی علیہ السلام سے بیعت و خلافت اور کتب حدیث کی اجازت حاصل تھی۔ حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے جملہ سلاسل طریقت کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ احسن العلماء مولانا سید مصطفیٰ حیدر حسن میاں

دار بروی جیلے نے بھی خلافت سے نوازا تھا۔ جس کے بعد بہت سے افراد حضرت مفتی صاحب سے بیعت ہوئے۔ بہت سے جید اور جلیل القدر علما نے ان سے احادیث کی اجازت لی اور بہت سے علما خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ دو تعلیمی اور انتظامی امور میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے اسی لیے جامعہ اشرفیہ کے ارباب حل و عقد ان کے مشوروں سے ہمیشہ استفادہ کرتے رہے، خصوصاً اخیر دور میں جب کہ وہ جامعہ کی انتظامیہ کے رکن اور ناظم تعلیمات ہو چکے تھے تعلیمی و انتظامی امور میں ان کا مشورہ ضروری تھا۔ انھوں نے ایک حساس اور دردمند دل پایا تھا اس لیے ہر پہلو پر سنجیدگی، دور بینی اور اخلاص کے ساتھ غور کرتے اور مشورہ طلب کیے بغیر بھی ایک معمر اور شفیق مرہبی کی طرف ہدایت و نصیحت فرماتے رہتے۔

قوی و ملی ضروریات پر بھی ان کی نظر تھی اور اس سلسلے میں وہ برابر ہدایت دیتے رہتے۔ "مجلس شرعی" کے مذاکرات میں بھی وہ سرگرم حصہ لیتے۔ فقہی مباحث تو ان کی خاص جولان گاہ تھے اس لیے وہ مجلس کے سرگرم بھی نامزد ہوئے لیکن اس سے ان کی دل چسپی اس لیے بھی تھی کہ اس کا قیام نئے مسائل کے حل اور نئی صورت حال میں مسلمانوں کی دینی و ملی رہنمائی کے لیے عمل میں آیا اس کی کارکردگی جس قدر بھتر ہوگی مسلمانوں کے مسائل کا حل بھی آسانی جلد ہوگا۔

بہت سے اداروں کے وہ مستند اور سرپرست بھی تھے جہاں ان کے اثر و رسوخ اور اخلاص و دردمندی کے باعث پیچیدہ مسائل اور دشواریوں کے حل میں بڑی آسانیاں تھیں، افسوس کہ حضرت کی رحلت سے ان کے علاوہ اور وابستہ علما و طلبہ کی طرح یہ ادارے بھی یتیم ہو گئے۔ مولیٰ تعالیٰ موصوف کو کہی ہے کہ اراں رحمتوں کے سایہ میں جگہ دے اور ان کے متعلقین کو صبر و حکیب اور ثبات و استقامت سے نوازے۔ آمین



## مولانا تحسین رضا بریلوی سے چند ملاقاتیں<sup>(۱)</sup>

روز جمعہ مبارک ۱۸/رجب ۱۴۲۸ھ/۳۱ اگست ۲۰۰۶ء کو بے شان و ملکان ان کی حاد ثانی رحلت کی خبر سن کر دل اوصدم پہنچا جس اب بھی ان کی ضرورت تھی۔ ان سے علمی و دینی فیض حاصل کرنے والوں کی ایک اچھی تعداد تھی جو ان کی آمد کے لیے کراچی فرم کر رہے تھے مگر جو مقدر ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔

ان کی تاریخ ولادت غالباً ۱۳۲۲ھ/۱۵ جنوری ۱۹۳۰ء ہے۔ اس لحاظ سے تاریخ ہجری ان کی عمر اسی سال اور تاریخ عیسوی ساڑھے ستتر سال ہوتی ہے، مولیٰ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتوں کا سایہ دراز سے دراز تر فرمائے۔ یہ یاد نہیں کہ میں کب ان سے واقف ہوا۔ غالباً ۱۹۷۳ء سے بریلی شریف عرس رضوی میں حاضری ہو رہی ہے۔ ان کے والد ماجد کی زیارت انھیں ایام میں ہوئی۔ اگرچہ کتابوں کے ذریعہ مولانا تحسین رضا خاں جیلانی سے میری آشنائی بہت پہلے سے تھی۔ قدر ہے کہ حضرت مولانا تحسین رضا خاں سے بھی ۱۹۷۴ء تک میں واقف ہو چکا تھا۔ اس کے کئی سال بعد ملاقات میں ان سے میرا تعارف ہوا، میں نے اپنا نام "محمد احمد مصباحی" بتایا تو وہ بولے "ابن مفتی عبداللہ صاحب" میں نے عرض کیا نہیں، نہیں میں مفتی صاحب کا شاگرد ہوں۔ ان کے فرزند میرے ہم نام ہیں۔ نام و نسبت اور ضلع وغیرہ کی مشارکت کی وجہ سے یہ اشتباہ آج بھی مجھ کو لوگوں کو ہو چکا ہے۔۔۔

صدر اعلیٰ سے ملاقاتیں تو بار بار ہوئیں مگر اطمینان سے چہرہ کر باہم گفت و شنید کا موقع دو تین بار سے زیادہ میسر نہ آیا۔ شعبان ۱۴۲۸ھ/ادھر مئی ۲۰۰۷ء کو ان جن ۱۹۳۸ء میں جد امجد ارسلان جیلانی کی نقل کا اصل سے مقابلہ کرنے کے لیے غالباً دو ہفتے بریلی شریف میں مقیم رہا۔ مولانا انصر اللہ رضوی بھی تھے۔ ان دنوں ایک بار بعد ممبر کانگریس حضرت کے مکان پر میری دعوت پر ہوئی، حاضری دو مقصد سے تھی ایک تو یہ کہ حضرت کا مکتبہ، مکتبہ مشرق تھہ دنوں قبل قائم ہو گیا تھا اور الجمعۃ الاسلامیہ سے ملاقات رہتے تھے، اس سلسلے میں مولانا عرفان الحق فیض مکتبہ سے کچھ حساب کرنا تھا۔ دوسرے مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے رسالہ "فوز مبین در رد حرکت زمین" کی اصل حضرت کے یہاں ہے، یہ رسالہ جبکہ ناماد "الرضا" میں تیار شدہ تھا اس کے مدیر حضرت کے والد گرامی مولانا تحسین رضا خاں جیلانی تھے، اعلیٰ حضرت کی حیات میں فوز مبین کے صرف ۳۹ صفحات "الرضا" میں شائع ہو سکے پھر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے وصال کے کچھ قبل یا بعد میں امام بزد ہو گیا اور رسالہ فوز مبین حضرت مولانا تحسین رضا خاں جیلانی کے یہاں رہ گیا۔ وہ بعد میں بھی تجزیہ صفحات کی الگ

(۱) ملکہ تجلیات رضا بریلی، صدر اعلیٰ حضرت بریلی شریف ۲۰۰۰ء

پورے رسالے کی ایک جاہلیت نہ کر سکے، حضرت صدر العہدائے گفتگو کے بعد یہ تحقیق ہوئی کہ یہ رسالہ مکمل موجود ہے۔ بروت تلاش کر کے نکالنا شروع ہے۔ اس دن ہم لوگ بعد مغرب تک رہے اور مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ پھر کئی سال بعد ایک موقع سے علامہ اذہری صاحب کے یہاں ”مرآۃ التجدیۃ“ دیکھنے کے لیے میرا قہار خانہ انیس دنوں کی وقت اتفاقاً صدر العلماء کی شریف لائے اور باتیں ہونے لگیں، شعر و سخن کا بھی تذکرہ کیا انھوں نے اپنی ایک نعت سنائی جس کا مطلع ہے:

جس کو کہتے ہیں قیامت حشر جس کا نام ہے

در حقیقت تیرے دیوانوں کا دین عام ہے

اس نعت کے اشعار میں اظہارِ دہان کا بکچن اور طرزِ انداز کا حسن جملکتِ نظر آتا ہے یہ شعر بڑا نکھار اور زوردار معلوم ہوا

آ رہے ہیں وہ سرِ عشرِ شفاعت کے لیے

اب مجھے معلوم ہے جو کچھ میرا انجام ہے

انھوں نے بتایا کہ یہ نعت حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی خدمت میں اصلاح کے لیے پیش کی تھی۔ حضرت نے ہر شعر پر صحیح کا ایک نشان لگایا ہے لیکن اس پر دو نشان لگائے اور فرمایا سچا میاں (استاذِ زمن مولانا حسن رضا بریلوی) کا انداز ہے۔

گزشتہ سال مارچ الاول ۱۳۷۷ء میں جہاں مدرسہ جہاں علوم حضرت کی سرپرستی میں چل رہا ہے اور ہر سال حضرت وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ان کی قدر کسی خدمت کا بار نہ صرف صدی سے زیادہ عرصے کو محیط ہے۔ نہ معلوم کتنے تشککان علوم ان کی بارگاہِ فیض سے سیراب ہوئے اور آج مختلف دینی و علمی خدمات میں مصروف ہیں۔

سادگی، کم گوئی، تقویٰ پر بیزہماری، علمی پختگی، فیضِ رسانی، خوش اخلاقی و انکساری وغیرہ ان کی وہ صفات ہیں جو ہمیشہ ہلک جاتیں گی۔ ان کی دینی تقریروں، علمی کلمات، مجلس افادات کو بھی قیدِ تحریر میں لانے اور شائع کرنے کی ضرورت ہے تاکہ دینیان کے کلمات سے کما حقہ آشنا ہو سکے۔ واللہ الموفق لکل خیر۔

عمر احمد مصباحی

۳۰ شعبان ۱۴۲۸ھ



## بحر العلوم..... بحرِ محاسن و مفاخر (۱)

بحر العلوم مفتی عبدالنسان اعظمی مبارک پوری مدظلہ سے میں کب روشناس ہوا، اس کی تمہین مشکل ہے۔ اتنا اڑتی ہے کہ سکتا ہوں کہ آٹھ سال کی عمر (۱۹۶۰ھ/۱۹۶۰ء) تک میں ان سے ضرور متعارف ہو چکا تھا۔ وجہ یہ ہے کہ پراہٹال مبارک پور میں ہے اس لیے والد گرامی (جناب محمد صابر اشرفی) کے ساتھ بھیرہ سے مبارک پور آہ و رفت بچپن ہی سے جاری تھی۔ والد صاحب مبارک پور آتے علماے اشرفیہ خصوصاً حافظ ملت، مفتی عبدالنسان صاحب، قاری محمد یحییٰ صاحب اور مولانا مفتی علی احمد صاحب سے ملاقات اور کچھ گفت و شنید ضروری تھی۔ میں والد صاحب کے ساتھ آتا تو میری بھی حاضری ہوتی۔ اسی طرح بھیرہ میں جب انجمن اہل سنت کا اجلاس ہوتا تو والد الذاکر تین بزرگوں کی تشریف آوری لازمی تھی۔ جب یہ حضرات بھیرہ آتے تو والد صاحب کی گزارش پر ہمارے گھر بھی آتے۔ اس طرح مجھے انیس قریب سے دیکھنے، سننے اور جاننے، پہچاننے کا موقع میسر آتا۔

☆ بحر العلوم کے جن اوصاف سے میں متاثر ہوں ان میں ان کی سادگی، بے تکلفی اور بذلہ سخی بھی ہے جس کے بہترین نقوش میرے ذہن میں عہدِ طفلی سے ہی محرم ہیں۔

☆ عقل و عمر اور فہم و شعور میں کچھ اضافہ ہوا تو ان کی تقریروں سے اثر پذیر ہو کر آیا، جب باقاعدہ علمی میدان میں قدم رکھا تو اندازہ ہوا کہ یہ سادہ دے تکلف تقریریں بہت سے علمی و فنی محاکم پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ان میں موضوع کے لحاظ سے دلائل کی سلطنت بھی ہوتی ہے، ترتیب کا حسن بھی، تفہیم و تاثیر کی رعنائی بھی، حسب موقع اشعار کی دل کشی بھی ان سب کے ساتھ زبان و بیان کی شوکت اور اردو کے محلی کی نزاکت بھی۔ اگر ان کے کچھ خطبات نیپ ریکارڈ سے متحمل ہو کر زینتِ قرطاس بن چکے ہوں تو کسی ژرف نگاہ ادیب و خطیب کے اشہبِ قلم کی عمدہ جولان گاہ بن سکتے ہیں۔ ان کی سنجیدہ مدلل اور اثر انگیز تقریریں عقائدِ حقہ کی تفہیم، اعمالِ صالحہ کی ترویج اور اخلاقِ عالیہ کے فروغ میں ضرور کارگر اور معاون ثابت ہوئیں۔ اور ان کے ذریعہ عظیم دینی خدمات انجام پذیر ہوئیں۔

☆ فتاویٰ کے ذریعہ جو دینی، علمی، شرعی کام ملک گیر پیمانے پر نفع رساں ہوا اس کی تفصیلات سے آگاہی کے لیے مکتبہ بحر العلوم نئی چھ ضخیم جلدوں کا مطالعہ کافی ہے۔

☆ ان کی برکتی، بے تکلفی اور شائستگی کا اثر ان کی تدریس میں بھی نمایاں تھا۔ طلبہ بعد شوق ان کے درس میں پبندی سے حاضر ہوتے اور اپنی علمی ترقی کا مدد ادا کر سرور ہوتے۔

☆ خدائی رضویہ کا ڈھنگ آج پوری میں دنیا میں بچ رہا ہے اور خواصان علم و فن ان سے مختلف علوم و فنون کے بزار بازار موتی نکالتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں، لیکن یہ بکرم سیدی مفتی اعظم و تقویت حافظت قدس سرہما صدقہ ہے استاذنا العلام مولانا عبد الرؤف بلیاوی کی ہمت مردانہ و سعی پیہم کا اور حضرت بحر العلوم کی شبانہ روز کاوشوں کا، جن کے ذریعے جلد سوم تا ہشتم گوشہ نارسا سے میدان افتادہ و افاضہ میں جلوہ نما ہوئیں۔

☆ بحر العلوم ایک صاحب طرز ادیب بھی تھے جس پر ان کی تحریریں شاہد عدل ہیں۔ ان کی قلمی عمر طریقی کا ایک دور وہ تھا جب وہ قرآن کریم کی کوئی سورہ یا کوئی رکوع لے کر اس کا توضیح و تفسیر آمیز ترجمہ اردو سے معنی کے دشمن ادبی قالب میں ڈھالتے۔ زبان و بیان کی دل کشی، معانی قرآن کی اثر آفرینی اور سلاست و روانی کا حسن دل و دلچسپ و دل زنجیروں کا اسیر بنالیتا۔

☆ ان کی حیات اور کارناموں کے بہت سے ایوان ہیں جو اہل علم و قلم کی توجہات کا مرکز بن سکے ہیں اور مجھے امید ہے کہ حسب ذوق و بساط بہت سے حضرات طبع آزمائی کر چکے ہوں گے اور آئندہ بھی مختلف جہوں سے کوششیں ہوتی رہیں گی۔ واللہ خیر موفق و معین

محمد احمد مصباحی

صدر المدرسین الجامعۃ الاثریہ مبارک پور اعظم گڑھ

۱۳ صفر المظفر ۱۴۳۳ھ / ۲۷ دسمبر ۲۰۱۲ء



## مفتی اعظم راجستھان (۱)

باسمہ و حمدہ تعالیٰ و تقدس

حضرت علامہ مفتی محمد اشفاق حسین نسیمی سنبھلی سرپرست و شیخ الحدیث دارالعلوم اسحاقیہ جودھ پور راجستھان کی ذات میں کئی ایسی خصوصیات اور نمایاں صفات ہیں جن سے میں بہت متاثر ہوں بلکہ ان کے عقیدت مندوں کی صف میں شامل ہو گیا ہوں، ان صفات کو یہاں چند سطروں میں بیان کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

(۱) تقریباً پچاس سال یا زیادہ عرصے سے دارالعلوم اسحاقیہ کی آبیاری اور اسے ملک کے باوقار اداروں کی صف میں لانادہ بھی اپنے صوبے سے بہت دور ایک ایسے صوبے میں جہاں ہمیشہ غیر مسلموں کی اکثریت رہی اور مسلمانوں میں جہالت و ناخواندگی یا کم خواندگی کا دور دورہ رہا۔ لیکن موصوف کی مسائی جیلہ سے کثیر ملّا اس ادارے سے فارغ ہوئے، صوبے کے بے شمار مقامات پر ان کے ذریعہ مدارس و مکاتب اور دینی و علمی تنظیموں کا قیام عمل میں آیا۔ خصوصاً دارالعلوم کے فارغین نے ”بائی“ کی سرزمین سے سنی تبلیغی جماعت کے تحت جو علمی و عملی بیداری پیدا کی ہے وہ ایک مستقل باب کی حیثیت رکھتی ہے اور تمام خطوں کے لیے نمونہ عمل اور نمونہ عبرت ہے۔

(۲) دیگر صوبوں کے مدارس کے درمیان باہمی ربط و تعاون بہت کم نظر آتا ہے مگر راجستھان میں حضرت مفتی صاحب کی قیادت میں تمام علما اور مدارس دارالعلوم اسحاقیہ سے مربوط نظر آتے ہیں اور مرکز سے برابر ان کی رہنمائی، ہمت افزائی اور مناسب تعاون کا کام بھی جاری رہتا ہے۔ دارالعلوم کے جلد سالانہ ۱۴۲۲ھ میں انعقاد ہاضی کے موقع پر نمائندگان مدارس کے اجتماع اور مشاورتی نشست میں اس امر کو خصوصی طور پر دیکھنے کا شرف حاصل ہوا اور ایک صالح قیادت کے دور رس اثرات کے چشم سر سے مشاہدے کا موقع ملا۔

(۳) صوبے کے علما و عوام پر حضرت مفتی صاحب کا ایک دوسرا اثر یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ وہاں اشرفی، رضوی، گھٹش نہیں۔ جب کہ دوسرے سبھی صوبے کم و بیش اس اختلاف کی لپیٹ میں گزشتہ پندرہ برسوں سے نمایاں طور پر چکے ہیں۔ حضرت نے ابتدا ہی میں رفع نزاع کی کوشش کی جس میں ان کو کامیابی حاصل نہ ہوئی لیکن میں کہہ سکتا ہوں کہ کم از کم راجستھان کی حد تک وہ اپنی چھاپ ڈالنے میں پوری طرح کامیاب ہیں وہاں کے مدارس اور دانشوں میں اشرفی، رضوی دونوں مشرب کے افراد سرگرمی کے ساتھ مل جل کر کام کرتے ہیں۔ موق تعالیٰ ان کے



اتفاق و اتحاد کو ہر نظر پر سے بچائے اور ہر طرح کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین

(۴) معاصرانہ چشمک سے دوری کے ایک مشاہدے نے ان کی اعلیٰ ظرفی کا ایک گہرا نقش میرے دل پر ثبت کیا جس کا قصہ یہ ہے کہ نزہت القاری شرح بخاری کی تکمیل پر رضا اکیڈمی ممبئی نے شوال ۱۴۲۰ھ میں ایک جشنِ تہنیت کا اہتمام کیا جس میں شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کے حالات و سوانح پر مشتمل ایک ضخیم دستاویز "معارف شارح بخاری" کا اجرا عمل میں آیا۔ ایک خصوصی اجلاس سچ ہلاکس میں منعقد ہوا، ایک عام اجلاس کھلے میدان میں ہوا۔ خانوادہ برکاتیہ ماہرہ شریف سے امین ملت و انگریز سید محمد امین میاں، ان کے برادر صغیر حضرت سید محمد اشرف میاں اور ان حضرات کے برادر اکبر حضرت سید حسنین میاں تنکی شہزادہ سید العلماء سے بہت جوش و خروش اور محبت و مسرت کے ساتھ جشن میں شرکت کی، دوسرے بہت سے عالی مرتبت خطباء بھی پوری فرحت و بہجت کے ساتھ شریک ہوئے مگر معاصرین یا معاصر شمار ہونے والوں میں سے صرف حضرت مفتی محمد اشفاق حسین صاحب دام غلہ کی ذات تھی جب کہ ان کے پاس بس دعوت نامہ ارسال ہوا تھا۔ کوئی امر نامہ یا بلادہ شرکت کی پیش کش نہ تھی۔ محرمہ شریف لائے مبارکبادی دی اور اپنے خطاب میں شارح بخاری کی عظمت اور نمایاں خدمات کا بڑی مسرت کے ساتھ اعلان و اعتراف کیا، ان کی اس شرکت اور خطاب کے باعث حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی جواہریت میرے دل میں تھی اس میں تو کوئی اضافہ نہ ہوا لیکن حضرت مفتی اعظم راجستھان کی قدر و منزلت اور ان کی عالی ظرفی کا نقش ضرور گہرا ہو گیا۔

اس موقع پر شارح بخاری کو چاندی سے تولا گیا، دینی و علمی خدمت کی پذیرائی اور بہت افزائی کا یہ منظر قابل دید تھا مگر موصوف نے اس چاندی سے ایک حب بھی اپنے لیے نہ رکھا، دو تہائی گہوارہ علمی و مادر علمی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے لیے، ایک تہائی بمقام اشاعتِ رضویات رضا اکیڈمی ممبئی کے لیے وقف کر دیا۔ اس ایثار نے ان کی عظمت و اہمیت کو اور زیادہ نمایاں کر دیا۔ اور ہر شخص نے محسوس کر لیا کہ یہ جشن کسی معمولی شخصیت کا نہ تھا، نہ ہی مفتی اعظم راجستھان اور دیگر علم و مشائخ کی شرکت بے معنی تھی۔

(۵) بعض ملاقاتوں میں حضرت مفتی اعظم راجستھان سے جو گفتگو ہوئی اس سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ جو لوگ بھی دینی و علمی خدمت کر رہے ہیں موصوف انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، ان سے محبت رکھتے ہیں، ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں خواہ وہ ان کے تلامذہ اور محبین و متعلقین سے ہوں یا نہ ہوں۔ سادگی، تواضع، اصغر فرائی و غیرہ صفات میں بھی وہ نمایاں اور ممتاز ہیں۔

رب تعالیٰ موصوف کا سایہ عاطفت دراز فرمائے اور ان کے بہتر اخلاق و امثال پیدا کرے۔ و ما ذلک علیہ بعریز۔

## اکبر المشانخ چشتی (۱)

مولانا سید محمد اکبر چشتی (۱۳۳۶ھ - ۱۴۲۹ھ) خانوادہِ صمدیہ کے چشم و چراغ، جامعہ صمدیہ پھووند شریف کے بانی، اتباع سنت و شریعت کے پیکر اور دورِ آخر میں اسلاف کے کردار و عمل کا نمونہ تھے۔ میں ان کے اوصافِ جلیلہ میں سب سے زیادہ جس چیز سے متاثر ہوا وہ ہاں شانِ سیادت و جلالت ان کی سادگی و خاکساری ہے۔

دگردن فرزان توابع نکوست  
گدرا گر تواضع کند خوبے اوست

(۱) ۱۳۳۳ھ میں حافظ بخاری مولانا سید عبدالصمد چشتی مودودی رضی اللہ عنہ کے عہدِ سالہ عرس کے موقع پر پھووند شریف میں کثیر علمائے کرام کا اجتماع تھا، حضرت ممدوح (سید محمد اکبر میاں) نے اپنے مکان پر علمائے کرام سے عصرانہ کی دعوت رکھی، راقم بھی حاضر تھا، دیکھا کہ حضرت بنفس نفیس صحن مکان میں کھڑے، اشیائے خوردنی کے محلِ دُخل میں لگے ہوئے ہیں، جب کہ فرزند ان گرامی اور خدام ہی کا اہتمام و اشتغال کافی زیادہ تھا مگر طبیعتِ خاکساری اور عجزِ مہمانان کے جذبہ دلی نے انہیں ایک منٹ بھی بیٹھنے نہ دیا۔

آج دیکھتا ہوں تو ان کے ذی شان فرزندوں میں بھی اس کا عکس بڑی حد تک موجود ہے۔ الولدِ سیر لا یتبعہ۔  
(۲) اب تو اب دور ہو گیا ہے کہ بضابطہ کتبہ پروری کے ارادے سے مدِ راس کا قیام عمل میں آتا ہے مگر حضرت ممدوح نے جامعہ صمدیہ قائم کیا تو شرط کر دی کہ میرے گھر کا کوئی فرد اگر ادارے کی تدریس، یا انتظام، یا اور کسی خدمت میں شریک ہوگا تو اسے کوئی مالی عوض نہ دیا جائے گا۔ اگر خالقِ احوال اللہ خدمت کر سکتا ہے تو کرے، ورنہ الگ ہے۔ جامعہ صمدیہ میں ان کے اس ارشاد کی پابندی اب بھی جاری ہے۔

(۳) ان کے زمانے میں یہ دستور تھا کہ جامعہ صمدیہ سے حفظ کی دستار پانے والے طلبہ سے جلسہ عام میں بضابطہ یہ عہد لیا جاتا کہ میں تراویح میں قرآن سنائے ہر کوئی اجرت ہرگز نہ لوں گا۔ میرے سامنے حضرت کے پوتے گداستانِ بزدلی ہوئی تو انھوں نے بھی یہی عہد کیا۔

(۱) حیاتِ گہر و روشن از مفتی انصاف الحسن چشتی، جامعہ صمدیہ پھووند شریف مارچ ۲۰۱۵ء

(۴) مزارات پر عورتوں کی حاضری اور اعراض میں ان کی شرکت ایسا طوفانِ بلا ہے جو تھکنے کی بجائے جوشی جارہا ہے۔ بعض اعراض جو چھپے اس دباے خالی تھے، اب اس گردابِ بلا کی زد میں نظر آتے ہیں۔ تاہم ان عورتوں کی طرف سے کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آتی۔ اور جن کی نظر میں عورتوں کی حاضری، مرد و زن کا اختلاط و مایوسی امر نہیں، انہیں تو اس بارے میں کچھ سوچنے سمجھنے کی ضرورت ہی نہیں۔

سنا ہے کہ حافظ بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عرس میں بھی تقریباً ۷۵ سال تک عورتوں کی آمد و شرکت ہوا کرتی تھی اور اسے یک لخت روک دینا کی جہاد اکبر سے کم نہ تھا۔ مگر حضرت ممدوح کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ یہ رسم بے فہم ہوئی چاہیے۔ اس کے لیے انھوں نے باضابطہ منصوبہ بنایا، جہلے جسے میں اس کا اعلان کیا پھر خصوصی خطوط لکھ کر احبابِ سلسلہ کو خبردار کیا، پھر سزاور خطوط کے ذریعہ متنبہ کیا کہ اب عرس میں عورتوں کی شرکت پر پابندی عائد کر دی گئی ہے، اس لیے کوئی مرید سلسلہ، عورتوں کو عرس میں نہ لائے اور دوسروں کو بھی آگاہ و خبردار کر دے کہ اب کوئی شخص ایسی جرأت و ہمت نہ کرے ورنہ ناکام و اہلکی اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ پھر ایامِ عرس میں پچھونہ شریف میں داخلے کے سارے راستوں پر رضا کار جوان متعین کیے کہ عرس میں آنے والی عورتوں کو قہبے میں نہ آنے دیں۔ ان کے عزمِ محکم، ہمتِ مردانہ، تدبیرِ فرزاند اور جذبہِ مخلصانہ کا اثر یہ ہوا کہ پچھتر سالہ ریکارڈ ٹوٹ گیا اور عرس میں عورتوں کی آمد کا سلسلہ محض ایک سال یا چند ہونے کی کوشش سے بند ہو گیا۔ اس مہم میں ان کے فرزند انِ عالی وقار بھی پوری طرفِ ان کے دست و بازو رہے۔ یہ ایسا عزیز الوجود کارنامہ ہے جس کی مثال مجھے دور دور تک نظر نہیں آتی۔ رسمِ کینت جنگ اور اس پر جیسی مرد آہن کی تیغِ عرم کے بغیر ممکن نہیں۔

مرید ایسا ہونا چاہیے جو اپنے شوقِ بے جا کو ہر کی مرضی پر قربان کر دے اور پھر ایسا ہونا چاہیے جسے حکمِ شریعت ہمارے کرنے کی راہ میں نہ مریدوں کی نافرمانی کی فکر ہو، نہ ہجومِ عاشقان کی قلت کا اندیشہ، نہ خطا و غلطی سے تنبیہ کی فکر ہو۔

(۵) حضرت ممدوح میں دینی خدمات کی قدر دانی اور حوصلہ افزائی کا جذبہ بھی موج زن تھا، اسی لیے انھوں نے یہ پروگرام بنایا کہ ہر تین سال پر کسی علمی و دینی شخصیت کو اس کی خدمات کے اعتراف میں "حافظ بخاری ایوارڈ" پیش کیا جائے۔ مجھے یاد آتا ہے کہ اس منصوبے کی تعمیل میں غالباً ۱۳۱۷ھ میں فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ کو پہلا ایوارڈ اور استادِ گرامی بھرا العلوم مفتی عبداللہ النان عظمیٰ کو ۱۳۲۰ھ میں دوسرا ایوارڈ دیا گیا اور ممدوح عرس کے موقع پر ۱۳۲۳ھ میں تیسرا ایوارڈ راقمِ سطور کو عطا ہوا۔ میں نے اسی وقت جلسہ عام میں عرض کر دیا کہ

مذہب کا دل نہ تھا مگر صفا

شاہانِ چہ عجب گر بنوا زنگہ مارا

سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر شعبہ افتاء و تدریس جامعہ اشرفیہ مبارکپور کو بھی ماضی قریب میں یہ ایوارڈ موجودہ صاحبِ سجادہ حضرت شاہ محمد اختر میاں چشتی کے ہاتھوں تفویض ہو چکا ہے۔ یعنی موصوف اور ان کے دربار میں عزت بھی والد ماجد کے نقشِ قدم پر گام زن ہیں۔

(۶) حضرت ممدوح کی سادگی، خاکساری اور بے تکلفی دیکھ کر مجھے بار بار وہ واقعہ یاد آیا جو ملفوظِ مصابیح القلوب میں (۶) حضرت ممدوح علیہ الرحمہ سے متعلق پڑھا تھا کہ حضرت محبوب الہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایامِ عرس میں دہلی پہنچ گئے۔ اس وقت کے دہلی آئین پر آج کی طرح روشنی اور چہل پہل نہ تھی، نہ قلیوں، رکشوں اور دیگر سواروں کی بہتات۔ موصوف کو خیال آیا کہ رات کی ٹرین سے کوئی زائر عرس آیا تو قلی نہ ملنے کی وجہ سے مہمانوں کے ساتھ دو گاہ تک پہنچنے میں اسے سخت پریشانی کا سامنا ہوگا۔ آئین پہنچ گئے۔ کسی آنے والے زائر نے اندر سے ممدوح کو گائی: کوئی قلی ہے؟ فوراً پہنچ گئے، سامانِ سر پہ اٹھایا، درگاہ پہنچایا، اجرت لینے دینے کی باری آئی تو کہہ دینے کو تیار نہ ہوئے پھر کسی طرح عقدہ کھلا کہ زائر نے کیسے مخدوم کو خادم بنایا تو پھر ہر گز، محافلِ عظمیٰ کی نوبت آئی، مگر اس مردِ قلندر کی شان یہ تھی کہ حضرت محبوب الہی کے مہمان کی خدمت یا اپنے نفس کی تذلیل سے لذت کی خاطر ایسے مولف کی تلاش میں رہتا۔ صفا

عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

حضرت ممدوح کے بھی سادہ لباس اور بے تکلف وضعِ قلع کو دیکھ کر نادانف کے لیے یہ اندازہ کرنا نہایت مشکل تھا کہ کوئی شیخ اکبر ہے یا مریدِ اصغر؟

(۷) اوائلِ محرم ۱۳۳۰ھ میں حضرت ممدوح علیہ الرحمہ کے عرسِ چہلم میں جب راقمِ سطور شریک ہوا تو اپنی قمر میں تمام متوسلین سے، اور بعد میں حضرت کے فرزندِ گرامی مولانا سید محمد انور میاں چشتی زید مجدہ سے عرض کیا کہ بڑی بڑی قدر آدمی شخصیتوں کے ساتھ ہمارا سلوک یہ رہا ہے کہ زندگی میں تو ان سے خوب فائدہ حاصل کیا اور بڑی قیمت و جانِ ثکاری کا اظہار کیا مگر بعد وصال کوئی منہم سوانحِ حیات تو دور کنار، چند صفحہ بھی لکھنے اور شائع کرنے کی بات نہ نکلی، جس کے باعث عوام تو عوام بہت سے خواص بھی ان کی خدمات اور حالات سے نااہل ہیں۔ حضرت

ممدوح علیہ الرحمہ کے ساتھ یہ سلوک نہ ہونا چاہیے۔ اپنی زندگی میں تو وہ اس کے روادار نہ ہوتے، نہ کسی کو لکھی کی اشاعت کی اجازت دیتے۔ مگر بعد وصال ہمارا یہ فرض ہوتا ہے کہ انہیں مرنے نہ دیں اور ان کے حالات پر کارناموں سے آنے والی نسل کو سبق حاصل کرنے کا موقع فراہم کریں۔

خدا کا شکر ہے کہ حضرت کے مرید باصفا، عالم معقول و منقول مفتی انصاف الحسن چشتی نے اس راہ میں کوشش اور ایک قابل قدر کتاب پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اگر دیگر اہل علم و اہل عقیدت مزید حالات و واقعات کی فراہمی میں مخلصانہ تعاون کریں تو مجھے امید ہے کہ اس کتاب میں گراں بہا اضافہ ہو سکتا ہے۔ واللہ الموفق لكل شیء، وهو المیتیر لكل صعب۔

محمد احمد مصباحی

ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ / ۷ مارچ ۲۰۱۶ء، دوشنبہ



## تاج الشریعہ علامہ اختر رضا ازہری<sup>(۱)</sup>

مدحیف امیر کارواں جاتا رہا

تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں ازہری کی رحلت کا غم صرف ایک خاندان، ایک شہر ایک ملک کا نہیں، بلکہ ان کی جدائی پہ پوری ملت سو گوار ہے۔

دنیا کے مختلف ممالک اور بے شمار خطوں میں ان کے وصال کے بعد ہی سے تقریبی جلسوں اور فاتحہ و ایصالِ ثواب کا سلسلہ جاری ہے۔ آج ۷ ذی قعدہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۱ جولائی ۲۰۱۸ء سنیچر کی صبح کو الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں بھی تلاوت قرآن، ایصالِ ثواب اور تعزیت کی محفل دیر تک منعقد ہوئی پھر علماء و طلبہ کی کثیر تعداد نمازِ جنازہ میں شرکت کے لیے بریلی شریف روانہ ہوئی، اور جامعہ میں آج اور کل کی تعطیل کر دی گئی۔

میں اپنے متعلقہ تمام اداروں کی طرف سے حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کے اہل خاندان کو خصوصاً اور پوری ملت کو عموماً تعزیت پیش کرتا ہوں۔ مولا تعالیٰ سب کو مہرِ جمیل و اجرِ جزیل سے نوازے اور حضرت کے روحانی و ملی فیضان سے سب کو مستفیض و مستنیر فرمائے۔

شریک غم: محمد احمد مصباحی

(۱) ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور (۲) صدر مجلس شرعی، مبارکپور (۳) نگرانِ مجلس برکات، مبارکپور (۴) نگرانِ الجمع الاسلامی، مبارکپور (۵) صدر انجمن امجدیہ و بدر سر عزیزیہ خیر العلوم، بمبیرہ ولیدپور، منو (۶) سرمد ست مرکزی داما اقرعات، ڈاکر نگر، جھشیدپور۔

## بحر العرفان مفتی آفاق احمد مجددی

باسمہ و حمد تعالیٰ و تقدس

بحر العرفان اس دور فطرا الجہل میں ایک نادر روزگار ہستی تھے۔ جسے بحسن و کمالات کے حامل اور عوام و خواص کے لیے قابل تقلید نمونہ تھے۔ ان کی متعدد خصوصیات اور خوبیوں سے میں بہت زیادہ متاثر ہوں:

(۱) لوگوں کا درد اور حوام کی فلاح کو بہبود کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

(۲) اخلاق حسنہ کے پیکر، متواضع، منکسر المزاج اور بہت بلند تھے۔

(۳) لوگوں کے دکھ درد اور خوشی و غمی میں شرکت ان کی فطرت تھی۔

(۴) تقویٰ میں انھوں نے قدم رکھا تو دینی تعلیمی چیل چیل سے وہ بڑی حد تک خالی تھا، انھوں نے اپنی ثابت قدمی اور جہد مسلسل سے اسے علم و عمل کا جواور بنادیا۔

(۵) شہر میں اعلیٰ مقام احمدیہ قائم کیا جس میں ابتدا سے فضیلت تک تعلیم ہونے لگی اور وہ دورہ و فضیلت کے کشیدہ طلب کا مرجع و پوائنٹ بن گیا۔

(۶) بہتات کے لیے بھی انارہض بنائے جہاں وہ زور علم سے اہانت ہونے لگیں۔

(۷) اپنی اسکول قائم کی جس میں دینی ماحول میں عصری تعلیم کے شائقین کی تعلیم و تربیت جاری ہوئی۔

وہ دینی و عصری دونوں طرح کی تعلیم کے لیے ہمیشہ فکر مند رہتے اور مسلم نسل کی ہر میدان میں ترقی کے لیے کوشاں رہتے۔

(۸) عوام و خواص عموماً علم تو حاصل کر لیتے ہیں مگر باطنی تربیت، ذکر و فکر اور مراقبہ وغیرہ سے غافل رہتے ہیں۔ مفتی صاحب نے خائفانہ کھد دیے قائم کر کے تزکیہ قلب اور معاملات صوفی کی عملی تربیت کے لیے اپنی مساعی ہمیلہ صرف کیں۔

(۹) قرب و جوار نے علماء اور عوامت رابطہ رکھتے ہوئے مشکلات میں ان کی رہ نمائی و دست گیری کے لیے سرگرم رہے۔

(۱۰) "کاف" اور "کاف" کے سربراہ اور مافرا سے بھی کسی قدر رابطہ رکھ کر لوگوں کے مسائل اور پیچیدہ معاملات میں مناسب امداد و کھینچ پھینچ دینی جہیل فرمائی۔

(۱۱) اتنے سارے مشاغل کے ساتھ تعلیم و تدریس سے بھی رابطہ استوار رکھا اور طلبہ کی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لیے توجہ صرف کرتے رہے۔

مجددی شریف کا درس پابندی سے دیتے اور اس شان سے کہ دونوں جہدیں مکمل ختم کراتے۔ اسفار اور تبلیغی دوروں کے باعث مکمل بخاری کے لیے اوقات نکالنے میں بڑی مشقت بھی پیش آئی مگر کتاب کا درس ناقص نہ چھوڑتے۔ ان کی یہ خصوصیت انہیں اس زمانے کے شیوخ حدیث سے ممتاز کرتی ہے۔

انہیں اس زمانے کے علاوہ شاہ عبدالعزیز مراد آبادی علیہ الرحمہ جب تک دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں شیخ الحدیث و استاذ کرامی حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز مراد آبادی علیہ الرحمہ جب تک دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں شیخ الحدیث و صدر المدینہ رہے، ہر سال حرقہ حاضر فائیکل بخاری کا اہتمام نہ کیا۔ اب تو دارالاس میں اس اہم کتاب کی تدریس بھی دوسری بہت سی جہوں کی طرح صرف بطور تھریک یا بطور نمونہ رہ گئی ہے۔

(۱۲) حیرت یہ ہے کہ مذکورہ جملہ مصروفیات کے باوجود مفتی صاحب نے قرطاس و قلم سے بھی رشتہ مضبوط رکھا۔ تقریباً پچاس کتابیں لکھیں، جو تصوف و طریقت سے تعلق رکھتی ہیں۔ انھوں نے دیکھا کہ دیگر موضوعات و علوم پر توجہ سے لوگ لکھ رہے ہیں لیکن آداب و ذکر و مراقبہ اور اسرار تصوف کی طرف توجہ کم ہے، اس لیے اپنے قلم کا محور اسی کو بنایا۔

(۱۳) ہر سال وہ شہر تقویٰ میں ایک عظیم الشان کانفرنس بھی منعقد کرتے جس میں علماء خطباء کے ذریعہ عوام کے لیے ہدایت و موعظت کا سامان فراہم کیا جاتا۔ آخری دور اس میں بیرونی ممالک کے بھی متعدد مندوبین کی شرکت رہی۔

(۱۴) چند سالوں سے انھوں نے دن میں سیمینار منعقد کرنے کا بھی سلسلہ جاری کیا جس میں منتخب اہل قلم اور دانشوروں کے ذریعہ مسلمانوں کے دینی قومی تعلیمی سلسلی مسائل و مشکلات پر تبادلہ خیالات ہوتا، قیمتی مقالات پیش ہوتے اور ان کی فلاح و ترقی کے لیے مناسب مائیں سامنے آتیں تاکہ لوگوں کی زندگی صحیح سمت میں سرگرم سفر ہو۔

(۱۵) وہ مسلمانوں کے معاملات و مسائل کے لیے ہمیشہ فکر مند رہتے اور بغیر کانفرنس اور سیمینار کے بھی ارباب علم و دانش سے تبادلہ خیالات اور مناسب تجاویز جانتے اور عمل میں لانے کی کوشش کرتے۔

میری نظر میں ایسا دور مند، ایسا مخلص، ایسا منکسر، ایسا متواضع اور آتی خوبیوں کا جامع انسان ملنا بہت مشکل ہے۔ خدا کا فضل و کرم حاصل ہو تو کچھ افراد مل کر ان کے کاموں کا تسلسل باقی رکھ سکتے ہیں۔ رب کریم توفیق خیر سے نوازے۔

مولانا تعلق موصوف کی لغزشوں سے درگزر فرماتے، ان کے درجہات بلند کرے، پس ماندگان کو صبر جمیل و اجر جزیل سے نوازے، ان کے نقوش قدم پر کام لے کر ان کے قائم کردہ تمام اداروں بلکہ ان کے سارے مشن کو قوت و توانائی کے ساتھ جلائے کئے کی توفیق جمیل مرحمت فرمائے۔ وہو المستعان، وعلیہ التکلیل۔

شریف غم

محمد احمد مصباحی

۳۳ رجبی القعدہ ۱۴۳۴ھ / ۱۷ جولائی ۲۰۱۳ء چاند شہر



## مفتی حبیب یار خاں

مبسلاً و حامداً و مصلیاً

مفتی حبیب یار خاں صوبہ ایم پی، شہر اندور کی مشہور و معروف علمی و دینی شخصیت کا نام ہے۔ انھوں نے اپنے شہر اور صوبہ کے مختلف علاقوں میں دین و ملت کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔ حضرت مفتی رضوان الرحمن مدظلہ الرحمہ کے بعد دارالعلوم نوری اندور کی ذمہ داریاں سنبھالیں، دارالعلوم کو بڑھایا، پھیلا یا، ترقی دی اور اس کا دائرہ کار وسیع کیا۔

انھوں نے ۲۰۱۰ء میں مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ یوپی کا ۷۱ واں فقہی سیمینار بہت بڑی اشتیاق اور حسن انتظام کے ساتھ اپنے دارالعلوم نوری میں منعقد کیا۔ اس وقت یہ دیکھنے میں آیا کہ اہل شہر موصوفہ سے اور دارالعلوم سے گہری محبت رکھتے ہیں اور بڑے خلوص اور دل چسپی کے ساتھ ہر طرح کے انتظام میں سرگرم ہیں۔

موصوفہ نے دینی، علمی، سماجی مختلف قسم کی خدمات کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں، ان کی رحلت سے بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ رب کریم ان کے اخلاف اور متعلقین کو توفیق دے اور توانائی بخشے کہ ان کی خدمات کا سلسلہ جاری رکھیں بلکہ مزید قوت و وسعت پیدا کریں۔ وما ذلک علیہ بعرور

محمد احمد مصباحی

ناظم تعلیمات الجامعہ الاشرفیہ

مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی

۲۲ ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ

۲۶ جولائی ۲۰۱۹ء

## مفتی محمد ظہیر حسن قادری

بسم الله الرحمن الرحيم حامداً و مصلیاً و مسلماً

مفتی محمد ظہیر حسن قادری اردو دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ یوپی کے قدیم قارئین سے تھے۔ ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۹۵۹ء میں انھوں نے دارالعلوم اشرفیہ سے فضیلت اور تجویہ و قراءت کی تعلیم مکمل کر کے ۱۳۷۸ھ اور ۱۹۶۰ء سے ۲۰۱۸ء تقریباً ۶۰ سال تک ملک کے مختلف اداروں میں تدریس سے وابستہ رہے۔ اس نہ جامل کی اور ان سے تعلیم یافتہ افراد کی تفصیل ملنا بہت مشکل ہے۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ وہ جہاں بھی رہے طویل عرصے میں ان سے تعلیم یافتہ افراد کی تفصیل ملنا بہت مشکل ہے۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ وہ جہاں بھی رہے وقت، خلوص اور لگن سے اپنے فرائض بخوبی انجام دے۔

مدظلہ فیض العلوم محمد آباد گوٹ (حالیہ ضلع منو) میں وہ ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۶ء تک مدرس رہے۔ میں وہاں ستمبر ۱۹۷۸ء میں صدر المدرسین کی حیثیت سے پہنچا، اس وقت لوگ مفتی ظہیر حسن صاحب کے دور تدریس کا ذکر کرتے تھے کہ موصوفہ پابندی کے ساتھ مسجد میں آتے اور طلبہ کو بھی نماز و جماعت کا پابند رکھنے کے لیے کوشش کرتے تھے۔ ان کے زمانے میں اس کا بڑا اہتمام تھا اور اب آپ کے دور میں ہے۔

ادری کے لوگ بتاتے ہیں کہ علامات اور کمزوری کی حالت میں بھی موصوفہ مسجد پہنچ کر جماعت نماز ادا کرتے۔ سخت مجبوری و معذوری کے وقت ہی ان سے مسجد کی حاضری ترک ہوتی، ورنہ وہ حتی الامکان مشقت اٹھا کر جماعت کے وقت مسجد پہنچ جاتے۔ یہ وہ عزیمت ہے جو انھیں صفِ علما میں ممتاز کرتی ہے۔

میں ان کے اخلاق و کردار، تواضع و انکسار سے بہت متاثر ہوں، ان کے فرزند مولانا خالد کا فطرتاً حادسے میں انتقال ہوا تو ۲۵ نومبر ۲۰۱۹ء کو ان کی تدفین ہی کے دن میں موصوفہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بیونہ تعالیٰ اس کبریٰ میں بھی انھوں نے جو ان بیٹے کا غم بڑے صبر و استقامت سے برداشت کیا۔ وقت ملاقات میں نے ان پر اطمینان اور جزم فزع کا کوئی اثر نہ دیکھا۔

موصوفہ یادگار سلف تھے ۲۲ ذوالحجہ ۱۴۳۱ھ کو ہم سے جدا ہو گئے۔ مولا تعالیٰ ان کے ساتھ رحمت و مہربانی کا معاملہ فرمائے، ان کی نیکیوں کا ترش بالا کر کے انہیں اعلیٰ درجات سے نوازے اور ان کے تلامذہ اور پس ندگان کو ان کی نیک روش پر کام زن فرمائے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وجمعین۔

۲۰ اگست ۲۰۲۰ء

شب یکم محرم الحرام ۱۴۴۲ھ



## مفتی مجیب اشرف رضوی - کچھ یادیں

مفتی مجیب اشرف رضوی عظمیٰ اپنے دور کے علماء، فقہاء، خطباء اور مشائخ میں نمایاں شان کے حامل تھے۔ تعلیم و تدریس سے تا عمر ان کا رشتہ استوار رہا۔ جتنی مجال میں شرکت کرتے تو بحثوں کو بہت غور سے سنتے اور اپنی مناسب رائے پیش کرتے۔ خطابت، علمی اور عام فہم ہوتی، زبان کی شیرینی اور حسن تفہیم کی چاشنی دلوں پر ہم اثر چھوڑتی۔ ان کا حلقہ بیعت و ارشاد بھی بڑا وسیع تھا، ہمارا شہر، گجرات، کراٹک و غیرہ صوبوں کے دور دراز محلوں تک ان کے مرید بن بھیجے ہوئے ہیں، یہ مقامات ان کی خطابت اور اور ارشاد و دونوں سے معمور ہیں۔ تقریباً نصف حیات کے بعد ہر سال حج و زیارت کو اپنا معمول بناتا رکھا تھا۔ اپنی زندگی میں انھوں نے چالیس سے زیادہ حج کیے۔

ان کی انتظامی ہمت اور مہارت یہ ہے کہ انھوں نے ناگپور شہر کے قلب میں دارالعلوم امجدیہ یہ قائم کیا، ہندوؤں پر حاکم اور عروج تک پہنچایا۔ جامعہ عربیہ ناگ پور کے زوال کے بعد یہی ادارہ ناگ پور اور کئی صوبوں کی دینی، علمی، ملی ضروریات کا قیام ہوا، اس کا دینی و علمی فیضان آج بھی جاری ہے۔

اس کی توسیع کرتے ہوئے شہر سے باہر ایک عظیم ادارہ "الجامعۃ الرضویہ" کا منصوبہ تیار ہوا تو مفتی مجیب اشرف صاحب اس میں بھی پیش پیش تھے۔ ۱۹۹۶ء میں الجامعۃ الرضویہ کے افتتاح کے موقع پر ناظم ادارہ مفتی غلام محمد رضوی ناگ پور کی اور مفتی مجیب اشرف عظمیٰ نے مجھے دعوت دی تو میں بڑی خوشی سے حاضر ہوا، جشن افتتاح میں مختصر خطاب بھی کیا۔ اس وقت تقریباً دو دن میرا قیام مفتی مجیب اشرف صاحب کے مکان ہی پر رہا، انہی کی توسط سے اپنے کچھ پرانے رشتہ داروں سے ملاقات کی، جو علو جہت سیٹھی گھر کے باشندے تھے۔ اور اب بھی وہی رہتے ہیں۔

مفتی صاحب اگرچہ ناگ پور کے بضابطہ شہری ہو گئے تھے مگر وطن اور اہل وطن سے تعلق ہمیشہ برقرار رہا، سال میں کم و بیش چار پانچ بار دعوتی ضرور آتے۔ اور ہمارے دیار میں ناگ پور کی بجائے گھوٹی کی نسبت سے مشہور تھے۔ یہاں ان کی خدمات بھی ہیں۔

شارع بخاری مفتی شریف الحق امجدی سے انھیں ابتدا تا فراغت خصوصی تلمذ حاصل تھا، اس لیے جب آنے ان سے ملاقات ضرور کرتے، اگر گھوٹی میں ملاقات نہ ہوتی تو جامعہ اشرفیہ مبارک پور آکر ملتے، اس طرح میری بھی

ان سے ملاقات ہو جاتی۔

میں نے جشن تکمیل شارع بخاری سے قبل، مبارک پور میں ایک مختصر "جشن شارع بخاری" حافظ ملت صاحبی کے عرس سے پہلے منعقد ہوا تھا، اس میں بھی مفتی مجیب اشرف صاحب نے شرکت کی اور شارع بخاری قدس سرہ کے عرس سے پہلے منعقد ہوا تھا، اس میں بھی مفتی مجیب اشرف صاحب نے شرکت کی اور شارع بخاری سے متعلق اپنے عمر ان قدر خیالات کا اظہار فرمایا، شارع بخاری کے وصال کے بعد ایک تعزیتی اجلاس غوثیہ مسجد کے باغ مبارک پور میں منعقد ہوا تو اس میں بھی شرکت کی اور ایک آیت قرآنیہ کی روشنی میں مختصر تقریر بھی کی۔

عرس حافظ ملت کے ایام میں اگر اس دیار میں ہوتے تو عرس اور جلسہ ہوتا رہندی میں ضرور شرکت کرتے۔ مہاجر، بیہودہ میں مجلس شرعی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا سیمینار ہوا تو اس میں بھی شرکت فرمائی۔ ایک نشست کی صدارت بھی ان کے سپرد تھی، اس وقت بضابطہ لینا تحریری خطبہ صدارت پیش کیا جماد الثانیہ اشرفیہ میں شائع ہوا۔ جامعہ البرکات علی گڑھ میں مجلس شرعی کا سیمینار ہوا تو اس میں بھی شرکت کی، جامعہ البرکات اور جامعہ اشرفیہ سے متعلق اپنے جرأت مندانہ تاثرات بھی پیش کیے۔

اس سیمینار میں جب یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ موجودہ دور میں چلتی فرین پر فرض و واجب نمازوں کی ادائیگی کے بعد عداد ضروری ہے یا نہیں؟ تو طویل بحثوں کے بعد طے ہوا کہ اعادہ کی حاجت نہیں۔ مفتی مجیب اشرف صاحب نے بحثوں کو بہت غور سے سنا اور فیصلے سے اتفاق کیا اور اپنے تائیدیہ دست خط بھی ثبت کیے۔

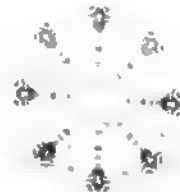
ہم وطن ہونے کی وجہ سے ان سے میری ملاقاتیں ہر سال ہوتی رہیں، اپنے بچے کے دونوں سفر (اپریل ۱۹۹۶ء، ستمبر ۲۰۱۳ء) میں بھی ان سے ملاقات رہی، پہلے سفر میں کئی دن طویل ملاقاتیں رہیں، انہی کی معیت میں مئی ۱۹۹۶ء کے راستے سے پیادہ جانا ہوا۔ دوسرے سفر میں ان کے تلمیذ خاص مولانا غلام مصطفیٰ رضوی سورتی کے توسط سے ایک بار ملاقات ہوئی، دوسری بار مدینہ منورہ میں مولانا افتخار احمد قادری کے گھر دعوت میں ہوئی، آخری بار مارچ ۲۰۱۹ء میں عرس قاضی ۲۰۱۹ء میں مولانا غلام مصطفیٰ رضوی کے ساتھ ہوئی۔

ان ساری یادوں، ملاقاتوں اور موصوف کے پیش ہمارا کانوں اور کلمات و محاسن کو سمیٹنا مجھ جیسے کم زور اور کم فرصت شخص کے لیے بہت مشکل ہے۔ کچھ اشارات پر اکتفا کیا ہے۔ مولانا تعالیٰ ان کی یادیں ہاتی رکھے اور مریدین، محققین و متعلقین کو ان کے فیوض و برکات سے ہمیشہ بہرہ ور فرمائے۔ آمین

محمد احمد مصباحی

ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، عظیم گڑھ، یوپی

شب یکم محرم الحرام ۱۴۴۲ھ / ۲۰/ اگست ۲۰۲۰ء



## مفتی شبیر حسن رضوی

مبسلآ و حامداً و مصلیاً و مسلماً

حضرت مولانا مفتی شبیر حسن بستوی مصباحی دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور ضلع اعظم گڑھ یوپی سے ۱۹۶۸ء میں فارغ ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حافظ ملت قدس سرہ ادارے میں شیخ الحدیث اور صدر المذہبین تھے۔ مفتی شبیر حسن صاحب نے فراغت کے بعد تقریباً ۹ سال مدرسہ عزیز العلوم نان پارہ میں مدرس و تدریس و اخذ خدمات انجام دیں لیکن ان کی علمی شہرت اس وقت زیادہ ہوئی جب وہ الجامعۃ الاسلامیہ روٹائی ضلع فیض آباد میں تشریف لائے۔

مستقلات کی فہمی کتابوں کی تدریس سے انہیں خاصا شغف تھا۔ طلبہ ان کی تدریس سے بہت متاثر ہوتے۔ جو طلبہ ذوق و شوق سے مشکل کتابیں ان سے پڑھنا چاہتے ان کے لیے وہ تیار رہتے اور ادارے کی جانب سے اجازت ہوتی اس طرح کثیر طلبہ ان سے کسب علم کر کے لائق و فائق ہوتے اور مختلف دیار میں عظیم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ الجامعۃ الاسلامیہ کے صدر المذہبین مولانا محمد نعمان خاں قادری مصباحی مفتی صاحب کے اس وصف کی ستائش کرتے اور ان کی خدمات سے بہت سرور رہتے۔

انتظامیہ ادارہ کی بھی یہ قدر شناسی ہے کہ مفتی صاحب کے ریٹائر ہونے کے بعد بھی انہیں شیخ الحدیث کی حیثیت سے برقرار رکھا اور تا دم آخر وہ تعلیم و تدریس سے وابستہ رہے۔

مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں جب درسیات پر کام شروع ہوا تو مفتی صاحب کے ذمہ ہدایہ الفکر خبر آبادی پر تحشیہ کا کام سپرد کیا گیا، یہ کتاب بے حاشیہ تھی اور اس پر حاشیہ کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی، موصوف نے اس پر حواشی مکمل کیے جو مجلس برکات سے شائع ہو کر مقبول ہوئے۔

موصوف نے اور بھی کئی کتابیں لکھیں جن سے ان کے علمی و تحریری ذوق کا اندازہ ہوتا ہے۔

مقاتل مصباحی آج وہ ہم میں نہیں لیکن ان کے فیض یافتہ بے شمار تلامذہ اور ان کی علمی و تعلیمی خدمات کے ذریعے ان کی یادیں زندہ و تابندہ ہیں۔ رب تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے تمام تلامذہ اور متعلقین کو خدمات جلیلہ سے نوازے، آمین۔

محمد احمد مصباحی

ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ

مبارک پور اعظم گڑھ یوپی

۲۹ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

۱۶ نومبر ۲۰۲۰ء دو شنبہ

## امین ملت ایک انجمن

باسمہ و حمدہ تعالیٰ و تقدس

واہندگان خانقاہ برکات کا یہ اقدام قابل تحسین ہے کہ انھوں نے امین ملت کی سجادگی کے ۲۵ سال ہونے اور یونیورسٹی سے ان کی سبک دوشی پر ایک یادگار کتاب شائع کرنے کا منصوبہ بنایا۔

امین ملت کے ۲۵ سالہ دور سجادگی میں بہت سی ترقیاں ہوئیں اور بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیے ہوئے۔ سب کی تفصیل وہی لوگ کر سکتے ہیں جو قریب رہ کر کاموں کا مشاہدہ کر سکتے ہیں اور انھیں محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ میں یہاں چند اشارات پر اکتفا کروں گا۔

۱۔ احسن العلماء علیہ الرحمہ کے دور میں عرس قاضی کا اجلاس درگاہ شریف کے اندر سامنے کے محن میں مکمل ہو جاتا تھا۔ ان کے وصال کے بعد اچانک تنگی ہوئی تو اجلاس درگاہ شریف کے باہر کشادہ محن میں لایا گیا۔ چند سال بعد یہ جگہ بھی تنگ ہو گئی تو ایک وسیع و عریض زمین خرید کر اسے اجلاس کے لیے مخصوص کیا گیا۔ اب یہ میدان بھی عین تیسرے روز، ٹل کے وقت ایسا ٹل ہو جاتا ہے کہ مزید آنے والوں کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس ۲۵ سال میں خانقاہ برکات کی کشش اور عوام و خواص میں اس کی شہرت کہاں سے کہاں پہنچی۔ یقیناً اس میں جہاں بزرگوں کی روحانیت کار فرما ہے وہیں امین ملت کی مقبولیت اور ان کے حسن انتظام کو بھی دخل ہے۔

۲۔ زائرین کی کثرت کے ساتھ قیام گاہوں کی قلت کا مسئلہ بھی سامنے آیا۔ پہلے قرب و جوار کے اکثر لوگ آخری دن ٹل سے پہلے آتے اور شام تک واپس ہو جاتے، دور و نزدیک کے قلیل افراد ایک دو رات قیام کرتے تو ان کے لیے اہل خانقاہ کے خام مکانات اور کمرے کافی ہوتے۔

بعد میں دورے آنے والے اور ایک دن سے تین دن تک قیام کرنے والے زائرین کی کثرت ہوئی تو قیام گاہوں کی تعمیر ناگزیر ہوئی۔ بہت سی ہمدتیں بنیں اور اب بھی سلسلہ جاری ہے۔ زائرین کو بہت سی سہولتیں حاصل ہوئیں اور مزید کی کوشش جاری ہے۔ عمارتوں کی تفصیل شاید ایک مستقل مضمون کی طالب ہے۔

۳۔ اب عرس کی تقریبات پر نظر ڈالیں تو ان میں مقصدیت اور افادیت صاف دکھائی دے گی، کوشش یہ ہونے لگی کہ نفعی اور مناقب معیاری ہوں، تقریروں سے عوام کے عقائد و اعمال کی اصلاح ہو، وہ جائیں تو کوئی درس اور کوئی نظام لے کر جائیں، جمعہ کی شام سے اتوار کی دوپہر تک برابر مختلف نشستیں ہوتی رہتی ہیں جن سے سامعین کو سنبھلنے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے۔

مشرقیہ جوم کے باوجود نماز و جماعت کی پابندی کا اہتمام ہوتا ہے۔ خانقاہ کے قریب کی مسجدیں نمازیوں سے بھر جاتی ہیں اس لیے جلسہ گاہ میں بھی پنج وقتہ جماعت کا انتظام ہوتا ہے۔

انہی مصروفیات کے جوم میں اب باب علم و دانش کی کوئی مشاورتی نشست بھی ہوتی ہے جس میں ملکی، قومی اور بین الاقوامی مسائل پر تبادلہ خیالات ہوتا ہے اور طے شدہ تجاویز کو حسب وسعت عمل میں لانے کی کوشش ہوتی ہے۔ کئی سال تک ”فکر و تدبیر کافرنس“ کا انعقاد اسی سلسلے کی ایک یادگار کڑی ہے۔

ان سرگرمیوں سے یہ درس ملتا ہے کہ روایتی مراسم سے آگے بڑھ کر عرس کو قوم و ملت کے لیے زیادہ مفید اور کارآمد بنایا جاسکتا ہے اور یہ سالانہ تقریب بہت نتیجہ خیز ہو سکتی ہے۔

۴۔ اسی ۲۵ سالہ دور میں خانقاہ برکات سے یہ نعرہ بلند ہوا ”آدمی روٹی کھائے، بچوں کو پڑھائیے“۔ تعلیم سائنس کی دینی تعلیمی سماجی ملکی پس ماندگی کا مؤثر علاج ہے، اس لیے اس طرف پوری توجہ دی گئی۔

بارہا عقین کی گئی۔ اور اب بھی جاری ہے۔ کہ جو لوگ تعلیم یافتہ ہیں وہ کچھ غریبوں ناداروں کے بچوں کو پروف تعلیم دینے کے لیے خود وقت نکالیں، جو لوگ خوش حال اور مالدار ہیں وہ کچھ یتیموں محتاجوں کے تعلیمی افرات فرات اٹھا کر انھیں جہالت اور پس ماندگی سے بچائیں۔

جہاں تک مجھے ہم ہے بہت سے بے سہارا بچوں کی کفالت خود خانقاہ کے ذریعہ ہوتی ہے اور کچھ اہل خبر کو بھی اس کا خیرے سے ادب کیا گیا ہے۔ کچھ بونہار طلبہ کو ان کی نمایاں کامیابی پر انجمنیت دے کر ان کی حوصلہ افزائی بھی کی جاتی ہے۔

فروع تعلیم کا باب پوری قوم سے توجہ کا طالب ہے، اس راہ میں جتنی ہی کوشش ہو ان شاء اللہ العزیز، بہتر نوات مرتب ہوں گے۔ واللہ الموفق۔

۵۔ فروع تعلیم ہی کا ایک اہم اور مثالی نشان جامعہ البرکات علی گڑھ ہے، جس میں ٹھوس عصری تعلیم کے ساتھ مذہبی تربیت کا انتظام ہے۔ یہ جہاں اسکولوں اور کالجوں کی قطار میں اپنا ایک امتیازی مقام رکھتا ہے وہیں دارالحدیث کو بھی بہت کچھ درس دیتا ہے۔

چند سال سے اس کے تحت ایک ایسا شعبہ بھی قائم کیا گیا ہے جس میں مدارس دینیہ کے فارغین کو دو سالہ

نصاب کے تحت تعلیم دی جاتی ہے اور یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ زیادہ میدانوں میں کام کے لائق بن جائیں۔  
اس ادارے کے تصور اور اس کی تائیس و تفسیر سے لے کر اب تک اس پر اس میں ملت کی خاص توجہ اور محنت کا فرما ہے۔

۶۔ ضلع لہندہ اور اس سے شمل گئی اضلاع میں دینی عربی تعلیم کا کوئی قابل ذکر ادارہ نہ تھا، اس لیے اس ضلع میں جو بچے دینی تعلیم کے شائق ہوتے وہ مختلف دشواریوں کے باعث محروم رہ جاتے، جب کہ علم دینی مسلمانوں کی زندگی کا لازمی عنصر ہے جس کے بغیر ان کی عبادات اور معاملات کسی کی صحت کی ضمانت نہیں۔

اس ضرورت کا احساس کرتے ہوئے چند سال پہلے ائین ملت کی سرپرستی میں خود مارہرہ شریف کی سرپرستی میں جامعہ احسن البرکات کا قیام عمل میں آیا۔ حسین منزل میں کچھ تعمیر و انتظام کے اضافے کے بعد فوری طور پر دینی تعلیم شروع کر دی گئی پھر ایک دوسری دو منزلہ ذرا وسیع عمارت تیار ہوئی تو تعلیم اور قیام کا یہیں وہاں منتقل ہو گئیں، مستقل تعلیم کی چار منزلہ عمارت جلد گاہکی شبلی جانب قریب تکمیل ہے۔ اسی سے قریب قیام گاہوں کی بھی تعمیر کا منصوبہ ہے۔  
جہاں تک مجھے یاد آتا ہے اندوازیہ، اوٹی، ثانیہ کے درجہات سے تعلیم کا آغاز ہوا تھا اور صرف تین مدرسے تھے، اب سال رواں سے درجہ سابعہ کا آغاز ہو چکا ہے اور سال آئندہ درجہ تکمیل یعنی فضیلت کی پوری ہے، اس حساب سے مدرسین کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا ہے۔

یہاں عمدہ اور پختہ تعلیم کے ساتھ بہتر تربیت پر خاص توجہ دی جاتی ہے اور طعام و قیام کا مفت انتظام بھی مدارس سے بہت عمدہ والا ہے۔ یہ ادارہ مارہرہ شریف میں ہے اس لیے مارہرہ پبلک اسکول کی طرح اس کی شبلی گمرانی کا سہارا مفت ملت حضرت نجیب حیدر میاں کے سر ہے۔ اندازہ ہے کہ مستقل قریب میں جامعہ احسن البرکات معاصرہ اس کی صف اول میں شمار ہوگا۔

۷۔ ائین ملت کا ایک اہم کارنامہ "جلس برکات" کا قیام بھی ہے، جس سے واقف تو ہمیں اہل علم ہیں مگر اس کا تذکرہ دیکھنے میں کم آتا ہے، میں نے ہی اپنے کئی مضامین میں اس کا ذکر کیا ہے۔ شاید لوگ اسے ایک چھڑا کام سمجھ کر نظر انداز کر جاتے ہیں۔

ذرا اس دور کا تصور کیجیے جب ہمارے پاس اپنے مدارس کی درسی کتابوں کی اشاعت کا کوئی انتظام نہ تھا، اعلیٰ ایسی کتابوں پر غیروں کی جماعت کی ہر گلی ہوتی، ہمارے بہت سے مضنفین، شارحین اور محققین کے نام مقاب کے لوگ اپنی کتابیں بنا کر شائع کرتے اور ہمیں طبع دینے کہ ہم اگر کتابیں چھاپ کر تحفہ نہیں دیتے تو تمہارے پاس ہٹے پڑھانے کو کچھ نہیں (یہ دور کوئی دس تیس سال نہیں بلکہ ستر (۷۰) سے زیادہ سالوں پر محیط ہے۔)

اس علم کا عملی جواب صرف اور صرف یہ تھا کہ ہم خود کفیل ہوں اور اپنی درسی کتابیں خود شائع کریں، لیکن یہ کوئی آسان کام نہ تھا، اس کے لیے نہ تھا "علم کافی تھا، نہ تھا "دولت" کافی تھی، دونوں کا اجتماع اس کے بعد تھا اور محنت و سرگرمی کی ضرورت تھی۔

اس "ہفت خوان" کو ائین ملت اور ان کے عزیز رفقاء نے سر کیا۔ آج مجلس برکات اپنے مستقل وجود کے ساتھ قائم ہے اور ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ درسیات کے میدان میں اہل سنت اپنے حریفوں کے دست بگر نہ رہے۔ تفصیل کسی اور مقام پر ملاحظہ کر لیں گے۔ مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ جماعت کے لیے یہ ایک عظیم احسان ہے جسے نظر انداز کرنا تو درکنار، کبھی فراموش بھی نہ کرنا چاہیے۔

۸۔ عرس قاضی میں یہ منظر بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ جو لوگ نمایاں دینی و علمی خدمات انجام دے رہے ہیں ان کی پادریائی اور بہت افزائی ہوتی ہے۔ بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی علیہ الرحمہ کو کچھ جلدوں میں فتاویٰ بحر العلوم کی اشاعت کے بعد چاندی سے تولا گیا۔ بہت لوگوں کو ایوارڈ دیے گئے، بعض حضرات کو اعتراف خدمات اور اعزاز و تکریم کی سندیں دی گئیں، قراءت کے مقابلوں میں اول آنے والے طلبہ کو عمرہ کے اخراجات دیے گئے۔

یہ اقدام اسی وقت ہو سکتا ہے جب یہ احساس ہو کہ افرادی خدمات سے جماعت کو سر بلندی اور سرخ روئی حاصل ہوتی ہے اور جماعت کی سر بلندی خود ہماری سر بلندی ہے۔ بے حسی، ناقداری، نفرت، بغض و کینہ اور حسد کے ہول میں ایسی خوش قدمی کبھی نہیں ہو سکتی۔

۹۔ اپنے زیر انتظام اداروں کے لیے تنگ و دو کے ساتھ دوسرے اداروں کی سرپرستی اور حسب موقع ان کی معاونت کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ مریدین کو بھی ہدایت کی جاتی ہے کہ اپنے فعال اداروں کا خیال رکھیں اور حسب مقدور ان کا تعاون کرتے رہیں۔ جب کہ عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ اگر خود کوئی ادارہ چلا رہے ہیں تو دوسروں سے صاف کہہ دیتے ہیں کہ بھائی! ہمارے لیے اپنے ادارہ ہی کا انتظام مشکل ہے، دوسری طرف ہم کیسے توجہ دے سکتے ہیں؟

۱۰۔ بہت سے پیروں کے یہاں یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی صاحب ثروت شخص داخل سلسلہ ہو گیا اور داد و بخش شروع کرے تو اس کی تسکین تاز برداری ہوتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرید نہیں، مراد ہے، تابع نہیں متبوع ہے، محکوم نہیں حاکم ہے۔ الحمد للہ اس دور انحطاط میں بھی خانقاہ برکات نے لہذا قار محفوظ رکھا ہے۔ یہاں مرید، مرید ہی رہتا ہے مراد نہیں جتا۔

۱۱۔ خانقاہ برکات کا ہمیشہ سے یہ شیوہ رہا ہے کہ یہاں سے مذہب اہل سنت کی ترویج اور اہل باطل کی تردید ہو رہی ہے۔ اپنے رشتے ناطے والوں سے قطع تعلق گوارا ہے مگر مذہب و مسلک سے انحراف کبھی گوارا نہ ہوا۔ اس باب کی پوری تاریخ کتابوں میں مذکور ہے۔ الحمد للہ آج بھی اس روش میں کوئی فرق نہ آیا۔

۱۲۔ علیؑ درجہ مسلم یونیورسٹی میں ایمین ملت کی سرگرمیاں اور ان کے اثرات و نشان کیا تھے یہ کسی دیگر صاحبِ قلم کے مضمون میں ملاحظہ فرمیں۔

۱۳۔ یہ تذکرہ بے محل نہ ہوگا کہ ایمین ملت کے برادرانِ مرامی (شرفِ ملت سید محمد اشرف میاں، سید محمد افضل میاں، رفیقِ ملت سید نجیب حیدر میاں) پوری طرح ان کی موافقت اور معاونت کے لیے کمر بستہ رہے۔ انہیں کام کے لیے فکری و دماغی محنت، پھر اس کی تکمیل کے لیے مناسب تنگ و دو یہ حضرات خود کرتے تھے۔ اس لیے سارے کام بہت حسن و خوبی سے انجام پذیر ہوتے ہیں اور کسی کو حرفِ گہری کا موقع شاید ہی کہیں ملتا ہو۔

ایسے عظیم تعلیم یافتہ اور مقتدر حضرات کی مشاورت اور معاونت بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کے لیے جس بھائی کی طرف سے شفقت، محبت، قدر وانی، دل جوئی اور چھوٹے بھائیوں کی جانب سے مرتبہ شناسی، ہم دردی اور اطاعت و محبت کا اجتماع ضروری ہے۔ ربِ تقدیر اس الفت و محبت کو آسیبِ روزگار سے بچائے اور ملت کو ان کے فرائض و درجات سے ہمیشہ مستفید بنائے۔ آمین۔

میرے ان اشارات سے کم از کم اتنا واضح ہو جاتا ہے کہ ایمین ملت ایک فرد فریضہ ہونے کے ساتھ ایک مجلس، ایک ادارہ اور ایک جامعہ ہیں جس سے بہت سی انجمنیں آباد اور بہت سے افراد اور ادارے کو پروان چڑھیں۔ مولانا قلی ان کا سایہِ عاطفت سلامت رکھے۔

مجھے احساس ہے کہ کچھ باتیں رہ گئیں اور بہت سی باتیں بڑے اختصار سے درج ہوئیں مگر امید ہے کہ دیگر مضامین سے میری خامیوں کی طرف توجہ ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۲۳ ذوالحجہ ۱۳۴۰ھ / ۲۶ اگست ۲۰۱۹ء



## مولانا قمر الزماں اعظمیؒ

مبسلًا و حامدًا و محبتًا

جہاں تک مجھے یاد آتا ہے مولانا قمر الزماں اعظمیؒ کے نام اور شکل و صورت سے میں اس وقت آشنا ہوا جب حافظِ ملت قدس سرہ نے دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم سے انجمنِ دستارِ فضیلت دی۔ غالباً یہ ۱۰ شعبان ۱۳۸۳ھ کی تاریخ تھی اور میں اس وقت مدرسہ ضیاء العلوم خیر آباد ضلعِ اعظم ٹنڈو میں ابتدائی عربی کا طالب علم تھا۔

پھر جب میں نے اشرفیہ میں داخلہ لیا تو مبارک پور اور قرب و جوار میں ان کی تقریریں سننے کا پارہا اتفاق ہوا۔ پھر وہیں میں ان کے نام کے ساتھ الجامعۃ الاسلامیہ روضاتی ضلع فیض آباد، درج ہوتا۔ اسی ذریعہ سے روضاتی اور الجامعۃ الاسلامیہ سے آشنائی ہوئی، ورنہ ہمارے دیار میں نہ قصبہ روضاتی معروف و مشہور تھا نہ الجامعۃ الاسلامیہ۔ البتہ مولانا قمریوں کا شبہہ ان کی فراغت کے بعد دس سال کے اندر اندر ملک کے دور دراز اطراف و اکناف میں پھیل چکا تھا۔ ان کی تقریریں ہر اس کے طلبہ و علمائے ساتھ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلبہ و اساتذہ میں بھی مقبول تھیں۔

اس دور کے اکابر مثلاً سرکار مفتی اعظم قدس سرہ، برہانِ ملت مولانا سید شاہ بہان الحق جبل پوری، سید العلماء مولانا سید شاہ آل مصطفیٰ مبارک پور، مجاہدِ ملت مولانا شاہ حبیب الرحمن قادری رئیسِ اعظم ازیہ عظیم الرحمن و الرحمتہ والرضوان اور واسطہ شرف شارحِ بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی، بلیل ہند مفتی رجب علی تانپڑوی، طورِ طریقت مولانا سید شاہ عبدالحق اعظمی مصباحی، فیض العارفین مولانا نظام آسی بلپادی، رئیسِ اعظم علامہ ارشد القادری مصباحی، حکیمان الہند مولانا ابوالوفا نصیری غازی پوری، مولانا سید مظفر حسین کچھوچھو، خطیبِ مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی، عظیم الرحمن۔ پھر ان کے بعد کے بے شمار علما اور اصاغر سبھی مولانا قمر الزماں اعظمیؒ کی علمی و ایمان افروز تقریروں کے قدردان اور ان کی نیک طبیعت، سلامت روی، حمیت دینی، بصیرت علمی اور قومی و جماعتی دردمندی وغیرہ کمالات و محاسن سے متاثر تھے۔

مجھے ان بزرگوں سے سند قبول حاصل ہو چکی ہو اس کے لیے میرے سائنسی کلمات کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی،



حالات کہ میں غور، ان کے متعدد اوصاف و خدمات سے بہت متاثر ہوں۔ خالص پور، مبارک پور، جھنڈ پور، محمد آباد، گوہنہ وغیرہ مقامات پر بہت سی تفصیلی ملاقاتیں اور باتیں بھی رہی ہیں۔ بہت قریب سے میں نے انھیں دیکھا، جہاں پر کھڑا اور سمجھا ہے۔ ورنہ اسلاک مشن برطانیہ کے لیے جوائنٹ سکرٹری پھر جنرل سکرٹری کی حیثیت سے ان کا انتخاب بھی یاد ہے۔ اپنے مخلصانہ جذبات و خدمات، مذہبی و قومی سر بلندی کے جوش و ولولہ، کردار و اخلاق کی بلندی و پائیزی، علمی گہرائی اور وسعت نظر وغیرہ متعدد فضائل و محاسن کے اعتبار سے وہ نہ صرف اپنے ہم معرہوں بلکہ بہت سے پیش روؤں سے بھی مجھے فائق اور ممتاز نظر آتے ہیں۔ مگر ان سب کی تفصیل کے لیے فرصت درکار ہے۔ اور وہی میرے لیے مختار ہے۔ مولیٰ تعالیٰ مجھے غفور و کریم سے نوازے۔

میں اس فکر میں ہوں کہ کچھ مختصر اور بالغ نظر اہل قلم پوری احتیاط کے ساتھ مولانا کے حالات و خدمات قید قحر میں لائیں اور سلیقے سے مرتب کر کے پیش کریں تاکہ مناسب اور باوقار تعارف بھی ہو سکے اور نئی نسل اس سے اثر پذیر بھی ہو۔ و ما تو فیقی الا باللہ۔

یہ خبر باعث مسرت ہے کہ رضا اکیڈمی ممبئی علامہ قمر انصاری عظمیٰ مصباحی کی خدمات کے اعتراف میں اچھی اجلاس اور ایوارڈ کا اہتمام کر رہی ہے، اور ان کی خدمات سے متعلق تاثرات اور مضامین کا ایک مجموعہ بھی شائع کر چا رہی ہے۔ اس باب میں رضا اکیڈمی کا سابقہ رکارڈ بھی بہت شاندار اور ممتاز ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ جماعت میں ایسے افراد بھی موجود ہیں جو اسلام و سنت کی مخلصانہ خدمات انجام دینے والوں کے قدرواں اور معتقد و معترف بھی ہیں اور ان کی ہمت افزائی کے لیے آمادہ و تیار بھی، ساتھ ہی ان کے امتیازی مقام سے دوسروں کو متعارف کرنے کے لیے سرگرم بھی، تاکہ ان کے تابندہ نقوش کی ضیاعام سے عام تر ہو سکے۔ زادہم اللہ خیرا و احسانا و کفر افعالہم فیما۔

محمد احمد مصباحی

صدر المدرسین الجامعہ الاشرفیہ  
مبارک پور، عظیم گڑھ، یوپی

۵ ربیع الآخر ۱۴۳۲ھ / ۱۰ مارچ ۲۰۱۱ء



## ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی

باسمہ وحدہ تعالیٰ وتقدس

مولانا محمد عاصم اعظمی اپنی عمر کی ستر (۷۰) بہاریں دیکھ چکے ہیں اور علمی دنیا میں اپنے رشحات قلم سے پہچانے جاتے ہیں۔ اول اول جب انھوں نے مدر سے کی تعلیم سے فراغت حاصل کی تو دیکھا کہ لوگ کیا ہے، ایم اے، اے، پی ایچ ڈی وغیرہ کی ڈگریوں سے اہل علم کا قد نہ پڑے تھا۔ مولانا نے کوشش کی اور کسی کالج میں داخلہ لیے بغیر اپنی محنت اور مطالعہ سے امتحانات دیے، تحقیقی مقالہ لکھا اور یہ سب ڈگریاں حاصل کر لیں۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے جب کچھ بڑھ کر ڈگری حاصل کی تو محض گائیڈوں کے ذریعہ پرانے پرچے حل کر کے امتحانات پاس کرنے والوں سے بدرجہا بلند اور فائق ثابت ہوئے۔ مطالعہ نے ان کا علمی افق بھی وسیع کیا اور محنت نے انھیں نئے افاق سر کرنے کا حوصلہ بھی بخشا۔

اہل نظر ہمیشہ کسی کے علمی و تحقیقی کام سے اس کا درجہ و مقام متعین کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی مولانا کا قد بہت اونچا نظر آتا ہے۔ محنت و مطالعہ اور تحریر و نگارش کا انھوں نے فطری ذوق دیا تھا، اسے جلا بخشی اور ہمیشہ قریاس و ہم کی آب یاری سے شغف رکھا۔ معتقد و قاری کتابوں کے اردو ترجمے لکھے، علم میراث میں ایک رسالہ لکھ کر اس فن میں اپنی جدید و قدیم آگاہی اور درسی مہارت کا ثبوت فراہم کیا۔ تذکرہ نگاری اور تاریخ نویسی سے خاص شغف رکھا اور اس میدان میں میں بھی کچھ نئے گوشوں کی تلاش اور بہت سے علمی فوائد و نکات کو ملحوظ رکھا جس کے باعث ان کی نگارشات نے اہل علم کی نظر میں اپنی طرف مبذول کر لیں۔

جو باذن طلبہ ان سے قریب ہوئے ان کے ذوق تحریر کو روشنی ملی اور موصوف کی توجہ اور درہ نمائی سے وہ اپنے انتہا پر داز بن گئے۔ دراصل انسان کا فطری ذوق اور اس کا عملی جذبہ ہی اصل محرک ہوتا ہے مگر کسی استاذ کی تربیت اس ذوق کو جذبہ کو بہت جلد عمومی عیوب و نقائص سے پاک و صاف نگارش کے ذائقے بنا دیتی ہے۔ درنت صرف ذاتی مشق و ممارست ہو تو عرصہ دراز تک زبان و انشائی غلطیاں آدمی کا ساتھ نہیں چھوڑتیں۔ اس کا تجربہ

شاعری کی دنیا میں بھی ہوتا ہے۔

مولانا اپنے معاصرین میں اپنی علمی و تحریری خدمات کے باعث ایک امتیازی مقام کے حامل ہیں، وہ محنت، مطالعہ، وسعت نظر، استفسار اور تربیت لوح و قلم کی وجہ سے طلبہ و علمائے سب کے لیے ایک عمدہ اور قابل تقلید نمونہ ہیں۔ ربّ کریم ان کے امثال زیادہ کرے۔

محمد امجد مصباحی

۱۳/ شوال ۱۴۳۰ھ / ۱۷ جون ۲۰۱۹ء



## باب پنجم

تبصرہ اور مکالمہ

## تذکرہ محدث اعظم پاکستان<sup>(۱)</sup>

ہمارے دیرینہ کرم فرما علامہ عبدالحکیم شرف قادری اور مولانا محمد شفیع شاہ قسوری کے ذریعہ زیر تبصرہ تذکرہ موصول ہوا۔ یہ تذکرہ اسی اہمیت کا حامل ہے کہ اس سے عوام و خواص کو روشناس کرایا جائے تاکہ وہ اس کا مطالعہ بھی کر سکیں اور اسے اپنے لیے نمونہ عمل بھی بنا سکیں۔ اسی جذبے کے تحت یہ چند صفحات تذکرہ قارئین میں۔  
محمد احمد مصباحی غفرلہ، رکن الجمع الاسلامی و استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔ ۲۸/۱/۱۳۱۰ھ / ۸/۳/۱۹۸۹ء

کتاب: محدث اعظم پاکستان مولانا ابوالفضل محمد سرور احمد چشتی، قادری  
مؤلف: مولانا محمد جلال الدین قادری  
صفحات: جلد اول ۶۶۶، جلد ثانی ۵۱۲، مکمل ۱۱۳۸  
قیمت: ایک سو پچاس روپے  
ناشر: مکتبہ قادریہ، لاہور ۸ (پاکستان)

مدرسہ الشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی (۱۲۹۶ھ - ۱۳۶۷ھ) کا علمی و دعوتی فیضان ان کے چند تلمذ اور فعال تلامذہ کے ذریعہ پورے برصغیر کو محیط ہو کر دنیائے مختلف گوشوں تک پہنچ چکا ہے۔ ان مقتدر شخصیتوں میں سب سے زیادہ نمایاں اور بافضیل حضرت محدث اعظم پاکستان اور حافظ ملت حضرت شاہ عبدالعزیز محدث مراد آبادی (۱۳۱۲ھ - ۱۳۹۶ھ) بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی قد آور اور دل آویز شخصیتیں ہیں۔ دونوں حضرات کے تلامذہ سے ہندو پاک کی علمی، تنظیمی، تبلیغی اور تدریسی انجمنیں ہر طرف آباد اور جلوہ بار ہیں۔

ان کے حالات و سوانح کی تدوین ملت اسلامیہ پر عموماً اور ان کے اخلاف و تلامذہ پر خصوصاً ایک عظیم قرض تھا۔ یہ دیکھ کر بے پناہ مسرت ہوئی کہ مولانا محمد جلال الدین قادری نے ایک شخصیت کا قرض بڑی حد تک ادا دیا ہے۔ اور تمام والہستان ابوالفضل کے تشکر و امتنان کا داغ بھی حق حاصل کر لیا ہے۔ لیکن اس مشقت خیز اور طویل عمل میں جن بلند ہمت، بے ریا اور بے غرض ہستیوں کی یادوری کار فرما ہے، ان سے یک لخت صرف نظر بڑی ناپسندی ہوگی

اور ان کے غلامانہ تعاون کے قابل تقلید پہلو سے بے انتقادی اور محرومی بھی۔ کام کی تفصیل مولانا محمد شفیع صاحب

”حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی مدظلہ ہائے جامعہ نظامیہ لاہور نے حضرت محدث اعظم پاکستان کے مسموٹہ تذکرہ کی جمع و تدوین کا بیڑا اٹھایا۔ بارہ سال قبل جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں آپ نے شعبہ تصنیف و تالیف قائم فرمایا۔ (جس کے اغراض و مقاصد میں تذکرہ محدث اعظم پاکستان کی ترتیب بھی شامل تھی) لہذا انھوں اس کام کو شروع کر دیا گیا۔ حضرت محدث اعظم علیہ السلام سے متعلق مضامین کے حصول کے لیے نگاہوں کی جانے لگی۔ حضرت شیخ الحدیث علیہ السلام سے جس طرح بھی کسی سے کسی کی نسبت دیکھی، سنی مفتی صاحب اس سے مدد دل چاہی لیجئے۔ انتہائی دل چسپی سے حالات و واقعات معلوم کرتے۔ ان کے خاندانی افراد و شخصیات سے احوال دریافت کرتے۔ قدیم علامہ دے گفتگو کا محور بھی موضوع ہوتا۔ علاوہ باشندگان بریلی شریف سے جہاں تک ممکن ہو جا، حضرت شیخ الحدیث علیہ السلام کی زندگی سے متعلق باتیں پوچھتے۔ نیز حضرت کے قدیم خدام اور فقہاء سے جو کچھ بن آتا حاصل کرتے یا نہیں اس عظیم شخصیت کے سوانح قلم بند کرانے کی طرف توجہ دلاتے۔ اور حاصل شدہ مواد محفوظ کرتے چلے جاتے۔

اراکین شعبہ تصنیف و تالیف نے اس سلسلہ میں مفتی صاحب سے قرض جاری رکھا۔ خصوصاً حضرت مولانا عبد الحکیم شرف قادری مدظلہ اور راقم السطور محمد فضا بنائش قصوری نے ایسے جرأت و رساں و کتب جن میں حضرت محدث اعظم علیہ السلام سے متعلق کوئی بھی مضمون دیکھا، مفتی صاحب کی خدمت میں پیش کر دیے۔ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں عمارے کرام، مشائخ عظام اہل سنت و جماعت کے افرادی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ لہذا مفتی صاحب نے ان سے بھی پورا پورا استفادہ فرمایا۔ اور اتنا مواد جمع فرمایا، جس سے ضخیم تذکرہ تیار کیا جاسکتا تھا۔

اسی اثنا میں مورخ لاہور جناب محمد دین کلیم سے رابطہ قائم کیا جنھوں نے فیصل آباد پہنچ کر (اپنے چار سالہ دوران قیام میں) حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے متعلقین سے اشتراک و لیے تحفے اور نہایت مفید معلومات حاصل کی تھیں۔ انھوں نے جملہ مستندات مفتی صاحب کی خدمت میں پیش کر دیے۔<sup>(۱)</sup>

”اب یہ فکر ہوئی کہ ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے اس مواد کو کون ترتیب دے۔ اس کام کے لیے مفتی صاحب مدظلہ نے حضرت محدث اعظم کے شاگرد اور متفرد کتابوں کے مصنف حضرت مولانا محمد جلال الدین قادری مدظلہ کو منتخب فرمایا۔ اور واقعی یہ صحیح ترین انتخاب تھا۔ انھوں نے نامزداری طبیعت اور کثرت مشاغل کے باوجود تقریباً چار سال کے عرصے میں یہ کام مکمل کر لیا۔ ترتیب میں جہاں کمال محنت سے کام لیا۔ دور دراز کے کئی سفر کیے۔ علاوہ سیکڑوں خطوط لکھے اور نہ جانے کتنی راتیں بیدار رہ کر اس عظیم کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ حضرت محدث اعظم

تذکرہ فرزند اکبر اور جانشین حضرت صاحب زادہ قاضی محمد فضل رسول حیدر رضوی مدظلہ نے نہ صرف خاندانی ذراجم کیے اور حضرت کی ذاتی یادداشتوں کے مطالعہ کی اجازت عطا فرمائی بلکہ ازراہ کمال مہربانی تمام کتاب و تنویں کی زبانی سماعت بھی فرمائی۔<sup>(۲)</sup>

اس طویل اقتباس کو نقل کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ عوام و خواص کی علمی کام کی اہمیت، طریقہ کار، اور اس سلسلے میں مہربانیاں و اخلاص کا صحیح اندازہ کر سکیں۔ کسی عظیم کام کے لیے اپنی شخصیت نمائی سے بالاتر ہو کر کام کی وحدہ افزائی اور بے غرض تعاون کا سبق سیکھیں پھر کہیں اپنی حسین آرزوؤں کی تکمیل کا دن دیکھنا نصیب ہو سکتا ہے۔ افسوس کہ بعض حضرات شکایات کے انبار لگانے میں لہذا جواب نہیں رکھتے۔ لیکن ایسے مرد میدان شاید پایہ فرائض تہا، جو کاموں کی اہمیت کا ادراک کر کے معقول تدابیر، مہربانیاں و جدوجہد و عمل یا کم از کم بے غرض تعاون اور وحدہ افزائی ہی کا مظاہرہ کر سکیں۔ رب کریم ہمیں تفقہ خیر سے نوازے۔

### کتاب کے مشتملات:

یہ کتاب سوانح کے ترقی یافتہ معیار اور عصری تقاضوں سے ہر طرح عمدہ برآ ہوئی نظر آرہی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ اتنی محنت و جامعیت کے ساتھ ایسی کسی شخصیت کا کوئی تذکرہ اب تک مرتب نہ ہوا۔ جہاں یہ کتاب محدث اعظم قدس سرہ کا دلکش اور ہمہ گیر تعارف کراتی ہے، وہیں دوسرے تذکروں کے لیے پھر پور رہنمائی کرتی ہے۔ اور یہاں نہ ہو جب کہ یہ ممتاز باب علم و قلم اور بلند حوصلہ قلمین کی بارہ سالہ محنتوں اور کاوشوں کا عطر جاں نواز ہے۔

ابواب کی اجمالی فہرست کچھ اس طرح ہے:

باب-۱:	ابتدائی حالات، ج: ۱، ص: ۵۳۲-۵۳۳
باب-۲:	اساتذہ کرام، ج: ۱، ص: ۱۳۶-۱۳۷
باب-۳:	سلاسل و اسناد، تحدیدت اساتذہ و مشائخ، ج: ۱، ص: ۱۹۹-۲۰۰
باب-۴:	علامہ، اخلاف، معاصرین، مکتوبات، ج: ۱، ص: ۲۹۸-۳۰۰
باب-۵:	تعلیمی خدمات، علمی خصوصیات، ج: ۱، ص: ۳۸۰-۳۹۹
باب-۶:	دینی اور تبلیغی خدمات، ج: ۱، ص: ۵۹۲-۵۹۳
باب-۷:	نکس و نوادرات، ج: ۱، ص: ۶۱۵-۶۱۶
باب-۸:	ملی و سیاسی خدمات، جلد دوم، ص: ۱-۲
باب-۹:	بیعت و خلافت، جلد دوم، ص: ۳-۴





آج زیادہ فعال اور متحرک جتنے فرق باطلہ ہیں سب سو، ڈیڑھ سو سال کے اندر کی پیداوار ہیں۔ اہل سنت کے مقابلے میں ان کی افرادی تعداد بھی کم ہے۔ مگر جوشِ عمل اور فروغِ مذہب کے لیے ان کی کاوشیں بہت بڑی ہیں۔ سب سے جمہوری جماعت قادیانی ہے اس کے یہاں تنظیم سب سے زیادہ طے کی۔ بیشتر ممالک اور شہروں میں ان کے فعال دفاتر قائم ہیں۔ سرمایہ کاری اور مالی توانائی کا زبردست انتظام ہے، لڑچرکی بہت ہے، ہر مذہب کے مابین ان کے مراکز میں تیار رکھے گئے ہیں۔ اسلام کا نام سب زیادہ دہ لیتے ہیں، غیر مسلموں کے خلاف سب سے زیادہ دہ لکھتے اور چھاپتے ہیں، دیگر فرقوں میں بھی کسی قدر عقلم اور حرکت طے کی، اپنی جماعت کو بڑھانے پھیلانے کا جذبہ اور دوسروں کو جلد سے جدا لہانے کا حربہ ان میں ہر وقت سرگرم عمل نظر آئے گا۔ مثلاً وہ:

(۱) ادارے کثرت سے کھولتے ہیں۔ اس کے لیے بجٹ کی فراہمی بھی بڑی مہارت سے کرتے ہیں، معلم بھی عموماً اچھے جتنے ہیں۔

(۲) اہل سنت کے اداروں، مسجدوں اور انجمنوں کو بھی اپنانے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے لیے ہر محنت اور فریب روا رکھتے ہیں۔

(۳) اپنے افراد کو عصری اور دینی دونوں طرح کی تعلیموں میں لگاتے ہیں۔

(۴) ان کے عوام بھی ایک فعال مبلغ کا کام انجام دیتے ہیں، سنی، غیر سنی، جس کو پا جائیں تبلیغی اجتماع میں شرکت پر زور دیتے ہیں۔ اپنی مسجد میں پہنچنے کی دعوت دیتے ہیں، غریب سنیوں کو تلاش کرتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ اپنے بچوں کو ہمارے حوالے کر دیں، ہم ان کی بہترین تعلیم کا انتظام کریں گے اور سارے اخراجات بھی ہم برداشت کریں گے اس طرح بے شمار افراد اور گھرانے ان کی گود میں پہنچ گئے۔

(۵) تقیر، حدیث، سیرت، تاریخ وغیرہ کی کتابیں لکھتے ہیں اور ان میں اپنی بد مذہبی کا زبردستی جا بکارتی سے شامل کر دیتے ہیں۔ پھر ایک منسٹر، محدث، مؤرخ کی حیثیت سے اپنی تفسیر کرتے ہیں، اپنی کتابوں کی تفسیر کرتے ہیں، غیر جانبدار آدمی ان کی کتابیں پڑھے یا نہ پڑھے لیکن اتنی بات مان لیتا ہے کہ انھوں نے اسلام کی زبردست خدمت انجام دی ہے۔ اس طرح وہ ان پر اعتماد کرنے لگتا ہے اور ان کا زبردستی آسانی سے لیا جاتا ہے۔

(۶) اہل سنت سے ملنے ہیں تو اتحاد کی بات کرتے ہیں اور طرح طرح سے یہ بتاتے ہیں کہ اس وقت عالم اسلام اور مسلمانوں کو بیرونی چیلنجوں کا سخت مقابلہ ہے اس لیے اندرونی اختلافات ختم کر کے ہم سب کو متحدہ کوشش کی ضرورت ہے۔ اس طرح وہ عوام کو عقائد میں مذہب بنا دیتے ہیں اور خواص کا رخ بھی پھیرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسری طرف عملی میدان میں ان کا کردار یہ ہے کہ کسی سنی کو کسی ادارے میں دیکھنا نہیں چاہیے مثلاً کسی گزہ میں

جس سنی ہمارے کی اسناد کی منظوری کے لیے کاغذات پہنچنے تو انھوں نے پہلی کوشش یہ کی کہ وہ معاملہ بورڈ کی میٹنگ میں پہنچے ہی نہ پائیں۔ پہنچ گئے تو بڑی باریک بینی سے کاغذات میں نقص بتا کر روک دیا۔ منظوری کا مرحلہ قریب ایک ماہ لے گیا چنانچہ کا زور لگا دیا کہ منظور نہ ہوں۔ منظور ہو گئیں تو یہ کوشش کی کہ طلبہ کو نا اہل بتا کر وادعہ سے محروم کر دیا جائے کسی پکچر یا ریڈیو فیسر کی جگہ نقلی تو اودا یہ کوشش کہ کوئی سنی امیدوار پہنچنے نہ پائے، پہنچ گیا تو کسی طرف ہٹا دیا میں کام ہو جائے، اس میں بھی کامیاب ہو گیا تو با اختیارہ افراد پر زور ڈال کر اسے روک دیا۔

تقیر، حدیث، فقہ کسی بھی فن میں اہل سنت کی جو خدمات ہیں ان کا تذکرہ کسی طرح نہ آنے دیں گے۔ کوئی امر ان کی کتابیں دیکھنا چاہے تو پوری کوشش یہ کریں گے کہ وہ دیکھنے نہ پائے۔ الغرض مسلکی تعصب کے معاملے میں وہ انتہائی ہندی کے حامل ہیں اور ہر طرح کی ردائت بہت اتر آتے ہیں۔ ساتھ ہی اتحاد کا لغو بھی بند کرتے ہیں۔ اور اہل سنت کی تحقیر فساد کی جھڑواؤ کی حیثیت سے کرتے ہیں۔

(۷) ان کے پاس مکائد اور شیطانی فکر کی کمی نہیں، دوزخ بانی ان کا مذہب ہے۔ خدا کے لیے کذب ممکن ملتا ہے۔ تقیر شیعوں کا مذہب ہے مگر تقیر پر عمل کے میدان میں شیعوں کو ان سے بہت پیچھے چھوڑے گا۔ بہت سے انھوں نے عصری دور لگا ہوں پر قبضہ جمالیا اور ہمارے پرانے لوگ جو وہاں تھے انھوں نے آئندہ کے لیے اپنے ہی جانشین کی فکر کی، انھوں نے یہ سمجھا ہو گا کہ اصول و ضوابط کی روشنی میں جو اہل ہو گا وہ جگہ پائے گا۔ انھیں کیا خبر کہ یہ نفس چنہ والی قوم جب سامنے آئے گی تو اصول و ضوابط کی مٹی پیدا ہو جائے گی۔

اس کے برخلاف اہل سنت کا حال یہ ہے کہ گمنے پہنچنے خاص میں کو چھوڑ کر آخر و بشر شیطانی مکائد کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً کوئی تنظیم بنی تو قطع نظر اس کے کہ تنظیم کے مقاصد کیا ہیں اور ہم اس کے یہ وقت دے پیش گئے یا نہیں اس کا مبالغہ کے لیے کسی قدر جدوجہد اور معاونت کی ضرورت ہے؟ ہمارا نام اُن نمایاں طور پر اس میں شامل نہیں تو اس کی مخالفت ضروری ہے، بہت رعایت سے کام لیا تو یہ کہ ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں، اس کے لیے کوئی آخر کھینچنے کو تیار نہیں، البتہ اس سے متعلق تشکیک اور اندیشوں کا اظہار ضروری ہے۔

کئی گروپ، کئی ادارہ، کئی شخص سے اپنی انا کو ذرا انھیں پہنچنے و معافی ملانی، صلح و مصالحت کی کیا بات، اس سے ختم سے سخت انتقام لینا اور اس راہ میں ہر پست سے پست سطح سے گزر جانا فرض نہیں میں داخل ہوں۔

ضرورت کی جگہوں پر دعوت و تبلیغ کے لیے وقت نہیں، سرمایہ نہیں، وسائل نہیں، مگر انتقام کے لیے وقت بھی ہے، سرمایہ بھی ہے، وسائل بھی ہیں، توانائی بھی ہے۔ گویا یہ کام کے لیے پیدا ہوئے ہیں اور ای، اویں جینا اور مرنا ہے یہ کوئی دھارہ افراد کا حال نہیں بلکہ یہ صورت حال ہمارے درمیان برابر رہنا ہوتی رہتی ہے۔ اب آپ سمجھ لیجیے

اس تناظر میں جماعت اور ملت کا کام ایسے ہوگا۔

جماعت کو بڑھانے، پھیلانے، اتحاد اور تنظیم کے لیے سوچنے کی بھی فرصت نہیں، اگر کبھی سوچا تو خطرات کا تصور کر کے سپر انداز ہو گئے۔ یہ بھی نظر آنے لگا کہ خود کو ذمہ داری سے متنبی غمراہیں گے اور کہیں کے کہ یہ کھڑے فلاں فلاں کو کرنا چاہئے۔ ان کے پاس قوت ہے، وقت ہے، وسائل ہیں، ہم تو بالکل جی دامن ہیں۔ قلع اور قلعہ کی اس کیفیت نے ملت کو بہت پیچھے ڈال دیا ہے۔

اور یا فرض کوئی آگے بڑھا اور اس نے کچھ کام شروع کر دیا تو اس کی معاونت، حمایت یا کم از کم زبانی سہولت اور قلبی ہمدردی کی بجائے اس کا انتظار ہو گا کہ وہ ٹھوکر کھا کر گے اور ہمیں ایک فرصت بخش منتظر دیکھنے کو ملے یہ بھی تم ہے، چھ تو اس کوشش میں ہوں گے کہ وہ کام ہی نہ کر سکے ورنہ وہ نیک نام ہو جائے گا، پھر ہماری حیثیت گنہ جانے گی، اہل حق کے اندر تباہی و تباہی اور اختلاف و نزاع کی ان لاعلاج بیماریوں کا تذکرہ احادیث میں بھی موجود ہے، متنبی وہی تخلصیں ہیں جن کے بارے میں انہیں بھی اعتراف کرتا ہے۔

لَا تُغْوِيَهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصُونَ (سورہ حجرات - آیت: ۳۹-۴۰)

”ضرور ضرور میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا مگر تیرے تخلص و منتخب بندوں پر میرا بس نہیں چلے گا۔“ (یہاں قراءت متواترہ میں تخلصیں بکرا لام و فتح لام دونوں ہے۔ اس لیے دونوں جت ہے)

ان ہی تخلصین کے ہم قدم سے حق کی بقا اور سرفرازی وابستہ ہے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا۔ یہ حدیث بھی برحق ہے۔ اِنْ اَللّٰهُ لَيُوْذِیْ هٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ۔ (بخاری و مسلم)

بے شک اللہ فاجر شخص سے بھی اس دین کو قوت پہنچاتا ہے۔

فاجر کا لفظ اپنے معنی عام کے خلاف سے فاسق، بد مذہب، کافر سب کو شامل ہے۔ اس لیے ان کے ذریعہ اگر دین کا کوئی کام ہو رہا ہے تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔ اہم الحاکمین غیروں سے بھی کام لیتا ہے، حقانیت کا معیار عمل نہیں عقائد صحیح ہیں۔ اور رب تعالیٰ کے نزدیک مقبولیت کا معیار عقائد صحیحہ رسوخ اور اعمال حسنہ خالصہ دونوں کا حسین اجتماع ہے۔ اِنَّ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ۔

سوال نمبر: ہماری جماعت میں اچھے تذکاروں کی کمی کے کیا اسباب ہیں؟

جواب: اس کے ساتھ یہ بھی پوچھنا چاہیے کہ اچھے مقرر ہماری ہی جماعت میں زیادہ کیوں ہوتے ہیں؟ مقرر اور تحریر دونوں چیزیں مشق اور کثرت عمل سے جلا پاتی ہیں۔ اور کثرت عمل کے محرکات کیا ہیں؟ اظہار کے قاضی یا اظہار کے سہل اور عمدہ مواقع! پھر اس پر ہمست افزائی کے مظاہر! مثلاً آپ ایک چھوٹی سی جہتی میں رہتے ہیں اور وہاں

جتنے کم از کم ایک بار کسی نہ کسی کے یہاں محفل میاں ضرور منعقد ہوتی ہے۔ اور تقریر کے لیے آپ سے علاوہ وہاں دوسرے کو بلا کر آپ کو دعوت دیں گے اور آپ کے لیے بھی منظوری کے سوا چارہ کار نہیں۔ اگر شہر ہے تو ایک دن میں متعدد مجالس ہوں گی اور متعدد مقررین کی ضرورت ہوگی۔ اسی طرح جمعہ کے دن بھی لوگوں کی ہدایت و موعظت کے لیے پابندی سے کچھ نہ کچھ بیان کرنے کا اتفاق ضرور ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس سے تنہیم و تقریر کی صلاحیت میں اضافہ ہوگا، ہو سکتا ہے کہ آپ کی تقریر زیادہ کامیاب ہونے لگے تو دوسرے شہروں کے لوگ بھی مدعو کرنے میں آمادہ ہوگا، ہو سکتا ہے کہ اس کے ساتھ عزت افزائی اور نقد و داد و ہش کا جو سلسلہ خشک ہو جاتا ہے وہ باعموم قلبی اور آپ انکار نہ کر سکیں پھر اس کے ساتھ عزت افزائی اور نقد و داد و ہش کا جو سلسلہ خشک ہو جاتا ہے وہ باعموم انسان کا غلط بھی سبب کر لیتا ہے اور منفعت جوئی کا میلان اور حرص دنیا کا مزاج پیدا کر دیتا ہے۔ جب کہ آپ کافی وقت کر کے کوئی مضمون نکلیں یا کتاب نکلیں تو خود اس کی اشاعت کی راہ پیدا کرنی ہوگی۔ نکلنے کے لیے کتابوں کی ضرورت ہے تو اپنے پاس سے خریدیں یا لائبریریوں کا پتھر لگائیں۔ جو کچھ خرچ ہو گا خود برداشت کریں۔ اس کے بعد ہی مضمون اُترے سارے کے معیار یا مزاج سے ہم آہنگ نہیں تو اشاعت پذیر بھی نہ ہوگا، شائع بھی ہو گیا تو اس پر کوئی پزیرائی نہ ہوگی۔ ہاں! کافی مشق و مشقت اور عرصہ دارماز تک مبرم مسلسل کے بعد آپ ایک بالکل اور مشہور قلم کار بن جائیں گے۔ پھر پزیرائی اور بہت افزائی ہوگی مگر وہ نہیں جو تقریر کے میدان میں ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سہل، عزت بخش اور منفعت بخش کام کو چھوڑ کر اس مشکل، مبرآزما اور حرف گیری و رسوائی کے خطرناک سے لبریز مجاہدہ کے لیے توجہ دیکر کتنے لوگوں کے پاس ہو گا؟ ہزار میں دس بیس بھی ایسے مل جائیں تو بہت سمجھیں۔

الغرض تقریر کے لیے محرکات و اسباب ہمارے یہاں زیادہ فراہم ہیں اور تحریر کے لیے کم۔ اس لیے دونوں کے تعلق میں کچھ ایسے ہیں۔ دوسروں کے یہاں تقریر کے مواقع اور تقاضے کم سے کم تھیں اس لیے وہ اپنے مقاصد کے لیے باعموم تحریر کا سہارا لینے پر مجبور ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس کام سے شغف زیادہ ہو گا اور جس کا عمل و اظہار زیادہ ہو گا اس میں محنت اور مہارت بھی زیادہ ہوگی۔

تاہم میں اس سے متنبی نہیں کہ اچھے قلم کار صرف دوسروں میں ہیں ہم میں نہیں ہیں۔ البتہ اس طرح کا پیمانہ زیادہ ہے۔

سوال نمبر: اچھے قلم کار اور ادبا کیسے پیدا ہوں گے؟

جواب: آپ کا یہ سوال زیادہ اہم ہے۔ نکلنے کا کام پر انگریز رجحان سے ہی شروع ہو جاتا ہے اور معلم اگر خود قلم و اصلاحیت اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری کا اس میں احساس ہو تو درجہ سوم کے آخر میں طالب علم اس لائق ہو سکتا ہے کہ اعلیٰ سطح لکھے اور چھوٹے چھوٹے جملوں میں اپنے گھر، اپنے ماں باپ، اپنے بڑوں کے بچوں، نوجوانوں اور

بوز صحت سے متعلق آسان اور سنجیدہ اردو زبان میں کچھ بولنے اور لکھنے گئے۔ پھر استاد کی توجہ رہی تو درجہ چہارم میں اردو نوٹس پر اچھا قابو پا سکتا ہے اور درجہ پنجم میں آسان مضمون نویسی بھی آسکتی ہے، اس کے بعد سلسلہ برقرار رہنا رہنمائی و اصلاح کا مکمل جاری رہا تو عالمیت یا درجہ سادہ تک وہ قابل ذکر مضمون نگار بن سکتا ہے۔

لیکن وہی عمل جو پرائمری درجہ سوم میں ہوتا تھا درجہ عالمیت میں شروع ہوا اور محنت و مشقت کا رشتہ بن گیا امید ہے کہ فضیلت کے اختتام پر اس کا اردو اطمینان ہو جائے گا اور کچھ اچھے نسل بھی لکھنے گئے گا۔ اس کے بعد کسی سے اصلاح لینے کی ضرورت محسوس ہوگی اور اس کے کسی ہمسایہ ذرا سنبھلنے سے ان خود اصلاح دے دی تو ہو سکتا ہے کہ اس سے آمادہ احوال بھی ہو جائے۔ ہاں اس میں فطری صلاحیت اخذ و تفہیم ہے تو پورا لکھنے پڑھنے کی لاف ہو سکتا ہے بشرطیکہ میرا دور امت سے کام لے۔ سستی شہرت اور زیادہ مالی منفعت کے چکر میں نہ پڑے۔ پھر اس کے بعد اگر اس کے سینے میں قوی و بی خدمت کا جذبہ اور جماعتی منفعت کے لیے کام کا حوصلہ ہے تو وہ بہت سے میدانوں میں اچھے کارنامے انجام دے سکتا ہے۔

**سوال نمبر ۳:** دینی رسائل و جرائد بہت کم تعداد میں نکلتے ہیں اور جو نکلتے ہیں ان میں بیشتر بزد ہو جاتے ہیں یا غیر معیاری اور فرسودہ مضامین اور مقالات کی اشاعت کے شکار اور عصر جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتے اور عصری تعلیم یافتہ حضرات کو ممتاثر بھی نہیں کر پاتے۔ اس سلسلے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

**جواب:** اس کے بہت سے اسباب ہیں:

**اولاً:** رسائل و جرائد کا معاملہ کتابوں سے مختلف ہے۔ کتاب چھپنے کے بعد دس پانچ سال تک اصل قیمت پر بلکہ غرض بڑھنے کی صورت میں زیادہ قیمت پر نکلتی رہتی ہے۔ اور اس لیے مترادف نہیں ہوتی کہ یہ سال دو سال چھپنے کی جیجی ہے مگر اخبار جس دن کا ہے اس دن نہ نکل سکا تو دوسرے دن اسے کوئی پوچھنے یا خریدنے والا نہ ہوگا، ورنہ جس دن وہ کاٹے اس دن نہ نکل سکا تو اگلے ماہ وہ اصل قیمت پر ہرگز نہ نکل سکے گا خواہ کتنے ہی مفید یا قیمتی مضامین مشتمل ہوں۔ کبھی کبھی بعض لائبریریوں یا بعض اشخاص کسی اہم رسالے کی پوری فائل جمع کرنا چاہتے ہیں اور زیادہ قیمت پر لینے کو تیار ہو جاتے ہیں ایسی صورت کم آتی ہے اور ایسے افراد بھی کم سے کم تر ہوتے ہیں، اس لیے رسالہ لکھنے کے معاملہ میں یہ استثنائی صورت قابل ذکر نہیں۔

**ثانیاً:** کتاب کی ایک بار عمدہ ترتیب و کتابت ہوگئی۔ اسی کا تاہم بار بار چھپنا ہوتا ہے، رسالے میں یہ بات نہیں ہوتی۔ **ثالثاً:** ہر دور سے کے ہر وقت اور حالات کے لحاظ سے مناسب مضامین شامل کرنا ضروری ہوتا ہے ان لیے مدبر خود لکھنے یا دوسرے قلم کاروں سے لکھائے یا کہیں سے اخذ و انتخاب کرے۔ بہر حال نئی کاوش اور نئی فکرت

ضرورت ہوتی ہے۔

**رابعاً:** رسالے کا انحصار اس کے مضامین میں دلچسپی اور قارئین کی کثرت پر ہوتا ہے۔ اس لیے اسے ذوق عوام کا نگار رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ اب عوامی ذوق کا جائزہ لیجئے تو افسانے، ناول، دلچسپ کہانیاں اور عریاں تصویریں کی رغبت زیادہ ملے گی۔ اسی لیے آزاد رسائل بڑی تعداد میں ریلوے بک اسٹالوں اور کتب فروشوں کے میلے میں نکل جاتے ہیں۔ اور اردو کے مقابلہ میں ہندی یا انگریزی کے رسائل زیادہ نکلتے ہیں، اردو پڑھنے والوں کی تعداد اس ملک میں کم ہے۔ اور مذہبی و شرعی دلچسپی رکھنے والے کم سے کم تر ہیں۔ اس لیے دینی خصوصاً اہم تحقیقی و علمی رسائل کے خریداروں کی فراہمی ایک سنگین مسئلہ ہے۔ ایسے جو رسائل عرصہ دراز سے نکل رہے ہیں وہ اپنا خرچ خود نہیں پورا کر سکتے بلکہ کسی ادارہ سے ان کی کفالت ہوتی ہے اور تعداد اشاعت بھی بہت کم ہے مگر یہ طے کر رکھا ہے کہ اشاعت کم سے کم تر سبھی اہم ای معیار کے ساتھ اسے جاری رکھیں گے۔ وہ چند اہل علم و اہل تحقیق کے استفادہ کو انھوں عوامی خریداری پر ترجیح دیتے ہیں۔

**خامساً:** صحافت ایک فن ہے، اس میں زبان و بیان پر قدرت اور علمی نوع کے ساتھ حالات سے باخبری بہت ضروری ہوتی ہے۔ خصوصاً یہ لحاظ رکھنا کہ بات کس پیرایے میں بیان کی جائے کہ لوگ دلچسپی سے پڑھیں، سرخیوں کیسی ہوں کہ قارئین فوراً متوجہ ہوں، مضمون کی ابتدا کیسی ہو کہ آگے دیکھنے کا اشتیاق برپا ہو، انتہائی کسی ہو کہ قاری کے ذہن پر اس کی یاد اور اس کا تاثر آئندہ بھی باقی رہے۔ جن رسائل میں ان امور کا لحاظ نہ ہو گا وہ زیادہ دن نہ چل سکیں گے۔

دوہم عصری تعلیم یافتہ افراد کو ممتاثر کرنا تو میرے خیال سے ان کو مطلع نظر بنا کر کوئی رسالہ جاری ہی نہیں ہوا، بالعموم نئی عوام و خواص کی ابتدا مطبع کے لحاظ سے رسائل جاری ہوتے، ایک ہی رسالہ سب کے مزاج و معیار کے مطابق نہیں ہو سکتا۔ تعلیم یافتہ افراد کی جستجو اور مزاج کو سامنے رکھ کر کوئی رسالہ جاری ہو اور اس کے لیے اخراجات کا کوئی مسئلہ سامنے نہ ہو کہ ہزار پانچ سو افراد پر قرائت کے ساتھ بھی وہ چل سکتا ہو تو ناکام نہ ہوگا۔ فہم عوام سے قریب کرنے کے لیے زبان سبب آسان اور طرز تنہیم دلچسپ رکھا جائے تو بہت سے عوام بھی اس سے مستفید ہو سکیں گے اور اس کی تعداد اشاعت گنت ہو رہی ہو جائے گی، مگر جہاں تک میرا اندازہ ہے علمی و تحقیقی رسائل میں یہ بات شاید دیا ہی نہ ملے گی۔

مختص یہ کہ بیشتر رسائل وقتی جو شش و جذبہ کے تحت جاری ہو گئے، صحافت کے شرابی غلط نہ رکھے گئے تنجب ناکامی کا سامنا ہوا۔

یہ امر سنی رسائل ہی کے ساتھ خاص نہیں دوسرے شخصی رسائل کا بھی انجام ایسا ہی ہوا البتہ جو کسی ادارہ سے منسلک ہیں اور ان کے لیے مناسب افراد رکھنے کا لحاظ رکھا گیا ہے وہ جاری ہیں۔

**سوال نمبر ۳:** اہل سنت و جماعت کے مخالفین کی ایک بڑی تعداد اس دنیا میں موجود ہے، مگر کیا بات ہے کہ ہمارے مدارس سے جہد ہوں کے علاوہ تشدد و ہندوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے اعتراضات اور بدچلنے چلنے کے جوابات دینے والے نہیں نکلتے۔ ہماری پوری طاقت داخلی اختلافات میں صرف ہو جاتی ہے اور اسلام اور مسلمان کے خلاف خارجی فرقوں سے مقابلہ کے لیے چند افراد بھی مشکل سے ملتے ہیں۔ اس تعلق سے آپ کا کیا نظریہ ہے؟

**جواب:** اسے ایک مثال سے آپ سمجھیں۔ ایک آگ وہ ہے جو گھر کے اندر بجھ چکی ہے اور نہ بجھائی گئی تو پھر گھر اور مال و متاع کی بربادی یقینی ہے۔ ساتھ ہی ایک آگ باہر فاصلے پر لگی ہوئی ہے جو گھر کی طرف آہستہ آہستہ چا رہی ہے مگر بجھ چکی نہیں پاتی۔ بارہا کسی آگ کی یا بارش کی وجہ سے مجھ بھی جاتی ہے پھر بڑی محنت و مشقت سے بجھائی جاتی ہے۔ آپ کے سامنے اسی صورت حال پیدا ہو تو آپ گھر کے اندر کی آگ بجھانے پر توجہ دے دیں گے یا باہر کی آگ بجھانے پر اپنی توانائی صرف کریں گے؟

فرق باطلہ کی آگ ہر مسلمان کے گھر میں یا اس کے دروازہ تک پہنچ چکی اس لیے ہر شخص اس کو بجھانے میں لگ گیا۔ بجھانے والے اور بجھانے کی طاقت رکھنے والے افراد بھی کم ہیں، اتنی بڑی تعداد نہیں کہ اندرونی و بیرونی دونوں محاذ پر لگ سکے اس لیے زیادہ خطرناک اور زیادہ مضری توجہ مرکوز ہونا ایک فطری امر ہے۔

البتہ آگ لگانے والوں کے پاس تعداد بھی زیادہ ہے، وسائل اور توانائیاں بھی زیادہ ہیں، مکاندار و مالک نیز منصوبہ بندی کی بھی صلاحیت ہے۔ اس لیے انھوں نے کچھ لوگوں کو گھروں کے اندر آگ لگانے پر مامور کر رکھا ہے، کچھ کو دور فاصلہ پر لگا رکھا ہے کہ آگ کا اثر اس طرف کوئی آجائے تو وہی نشانہ بن جائے۔

اغرض قصداً بیرونی آگ سے اغماض نہیں ہوا ہے بلکہ اندرونی آگ نے بیرونی آگ کی طرف توجہ کی نہ مہلت دی، نہ ہی اس کی قوت فراہم ہو پائی۔

ہاں! اب اگر وسائل ساتھ دیں اور کچھ لوگ بیرونی محاذ کے لیے مختص ہو جائیں تو بہت اچھا ہے۔ اس کے لیے صحیح منصوبہ بندی، لائق افرادی تیاری، ان کی مالی کفالت، کام کو فروغ دینے اور عالمی پیمانے پر کام کرنے کے لیے سرمایہ کی فراہمی سبھی امور پر نظر رکھنی ہوگی۔ سوچنے سے لے کر کرنے تک بہت مراحل ہیں سب کا حل اگر جلد سے تیار نہ ہو تو قدم قدم پر کاؤٹ یا ناکامی کا سامنا ہو سکتا ہے۔

**سوال نمبر ۴:** سیاست میں علماء کی شرکت مفید ہے یا نہیں؟

**جواب:** میں سیاست میں علماء اہل سنت کی شرکت کی سخت ضرورت محسوس کر رہا ہوں مگر ہر کام کے لیے کچھ لوازم اور شرائط ہوتے ہیں ان کی پابندی ضروری ہے۔

ایک سیاسی تنظیم ایسی ضرور ہونی چاہئے جس کے ارکان بیدار مغز، روشن خیال، جماعت کے لیے مختص اور متحرک و فعال ہوں۔ اس تنظیم کا ایک منشور ہو، دفتر ہو، محل ہو، بجٹ ہو اور صوبائی و ضلعی شاخیں ہوں تاکہ عوام تک اپنی آواز جلد سے جلد پہنچا سکیں اور ہر موقع پر ان کی مناسب رہنمائی کر سکیں۔

اپنی آواز جلد سے جلد پہنچا سکیں اور ہر موقع پر ان کی مناسب رہنمائی کر سکیں۔

شرائط میں اہم شرائط یہ ہے کہ اپنا قیام اور تشخص برقرار رکھیں، کوئی غیر اسلامی یا غیر شرعی تجویز سامنے آئے تو حتی الامکان سے روکنے یا اس کی اصلاح کے لیے کوشش کریں۔ مخالفین کی دسیہ کاریوں اور ریشہ دوانیوں پر نظر رکھیں۔

خزونی شرکت کے وہ فوائد نہیں جو تنظیم کے ہیں اور تنظیم کوئی امر محال نہیں۔ ہمت، اخلاص، اور محنت کی ضرورت ہے۔

**سوال نمبر ۵:** مدارس کے قارئین معاشی طور سے پریشان رہتے ہیں۔ اس کا کیا علاج ہے؟

**جواب:** معاشی پریشانی قارئین مدارس ہی کا خاصہ نہیں، آپ نے شاید ملازمتوں کے لیے انٹرویو کے مواقع پر لی، ایم۔ اے کی ڈگریاں رکھنے والوں کی تعداد میں نہیں دیکھیں۔ گورنمنٹ ملازمتوں کو تو چھوڑیے پرائیویٹ ملازمتوں کے پندرہ امریکی درجہ کی تعلیم کے امیدواروں میں آپ عصری درس گاہوں کے قارئین کی تعداد زیادہ پائیں گے۔ جب کہ بے شمار علما کو آپ خوش حال، فارغ البال یا کم از کم اپنی ضروریات کا کفیل دیکھیں گے۔

معاشی خوش حالی یا بد حالی کا انحصار تعلیم پر نہیں، ملک کی اکثریت عصری و دینی دونوں تعلیموں سے خالی ہے پھر بھی اس میں بڑے بڑے اہل ثروت موجود ہیں، متوسط الحال بھی ہیں، بد حال بھی، ہاں بڑی بڑی ڈگریوں والے عموماً کسی اچھی ملازمت سے وابستہ ہو جاتے ہیں اور اچھی صلاحیتوں کے لیے جگہیں بالعموم فراہم ہو ہی جاتی ہیں البتہ لی، ایم۔ اے کی اب کوئی اہمیت نہیں رہی اور صلاحیت کمزور ہے تو کسی بھی ڈگری ہو معیاری جگہوں کے لیے ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔

خیانت کار افراد کے یہاں خصوصی تعلقات اور رشوت کے ذریعہ نااہلوں کو ضرور کامیابی مل جاتی ہے مگر کچھ کم بھی جگہیں ہوتی ہیں جن کے لیے صلاحیت ہی کارگر ہو پاتی ہے۔

قارئین مدارس میں بھی جو اچھی صلاحیت رکھتے ہیں ان کو خوش آمدید کہنے والے بہت ہوتے ہیں اور وہ بڑی عزت کے ساتھ اپنی خدمات انجام دیتے ہیں مگر جس نے تحصیل علم کا قیمتی زمانہ بڑی بے دردی کے ساتھ بہو و لعب میں برباد کیا ہو وہ اگر فراغت کے بعد پریشان حال نظر آیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ علاج یہ ہے کہ طالب علم اپنے مستقبل پر نظر رکھے اور جس میدان کو اپناتا چاہتا ہے اس میں امتیاز و اختصاص پیدا کرنے کے لیے دور طالب علمی سے ہی جدوجہد شروع کر دے، وقت کبھی برباد نہ کرے نہ ہی محنت سے جی چرائے۔ اگر اس طرح کی پابندی کر لی تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ مستقبل میں پریشان حال نظر آئے یا اس کی کوششیں رائیگاں چلی جائیں۔



سوال نمبر ۷: ہمارے فارغ ہونے والے طلبہ جب یونیورسٹیوں کا رخ کرتے ہیں تو کیا بات ہے کہ ہمارے نظام تعلیم اور انصاف تعلیم کی مذمت کرتے ہیں اور یہ خیال کرتے گئے ہیں کہ ہم نے اتنا وقت بیکار گزارا، منطوق و فلسفہ کے تودہ ہے حد مخالف نظر آتے ہیں۔

جواب: یہ تو انہیں سے پوچھنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ نئے ماحول سے ان کی مرغوبیت کا نتیجہ ہو یا اس سبب اس دوسرے کاری کا حصہ جس نے ساری ملازمتوں کی بنیاد عصری تعلیم کو قرار دے کر مادی تعلیم پر ایک ضرب کھائی لگائی۔ ورنہ اسی تعلیم کی بنیاد پر بہت سے اعلیٰ عہدے انگریز دور حکومت کے شروع میں ملتے تھے اب عصری تعلیم کی کوشش یہ ہے کہ ہمارے تعلیم کو کھلی کر دی جائے، وہاں کے فارغین نہ مکمل عالم بن سکیں نہ اچھے کرکچر بنیں۔ اس لیے کہ بے شمار مضامین اور مذاکرات ہمارے کوروزی روٹی سے جوڑنے کے لیے ہو رہے ہیں۔ اور یہ امر قطعاً یقیناً کہ مسلمات سے ہو گیا ہے کہ جس نے مادی تعلیم حاصل کی وہ بھوکوں مر اور جس نے عصری تعلیم حاصل کی وہ دنیا کی جنت ہی جنت میں رہا۔ حقیقت سے اس کا واسطہ ہو یا نہ ہو لیکن پروجیکٹڈ اتنا زور دار ہے کہ اس کی بازگشت خود ہمارے فارغین سے سنی جا رہی ہے۔ لیکن یہ کوئی کلیہ نہیں، بہت سے وہ ہیں جو یونیورسٹی میں پہنچ کر بھی مادی تعلیم پر فخر کرتے ہیں اور اسی تعلیم کی بنیاد پر ہاں نمایاں مقام حاصل کرتے ہیں۔ بہت سے وہ بھی ہوں گے جو دور میں رہ کر بھی یہ سوچتے ہوں گے کہ افسوس مجھے ذرائع میسر نہ ہوئے ورنہ میں مولوی بننے کے بجائے کرکچر بن کر جہاں کرتے چاہا ہوں کی جگہ پینٹ شرٹ سے آراستہ ہوتا، داڑھی بڑھانے کے بجائے روزانہ اس کا صفایا کرتا، بوسیدہ دھڑکے کے فرش و مسند کی جگہ کسی چمکے میں بیچ یا فلکسٹری کر سی پر رونق افروز ہوتا۔

اس میں مغربی تعلیم سے زیادہ مغربی تہذیب سے محبت کا فرما ہے۔ جس کا یقین اپنی تعلیم اور اپنی تہذیب پر کمزور ہو، جس کے دل میں مغربی تہذیب سے مرغوبیت جاگزیں ہو اس کے خیالات اس طرح کے ہو جائیں تو عیب نہیں۔ ایک مسلمان کا یقین اس بات پر راسخ ہونا چاہیے کہ اس کے لیے دین، دینی تعلیم، دینی تہذیب بہر حال ضروری اور دنیا و آخرت میں نفع بخش ہے۔ وہ کیا معاش کا مسئلہ تو رزاق رب تعالیٰ ہے، وہ بے علم کو دولت کی فراہمی دیتا ہے تو پھر عالم دین اس کی رحمت سے ناامید کیوں ہو؟ بالفرض اسے چند روزہ دنیا کی آسائش نہ ملی تو آخرت کی دائمی آسائش تو اس کا مقدر رہے۔ جس کے مقابلے میں ہفت اقلیم کی بادشاہت بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

سوال نمبر ۸: حکومت ہند ایک خطرناک اردو زبان و ادب کے فروغ پر مصروف کرتی ہے، تقریباً سبھی ریاستوں میں فروغ اردو کے لیے سرکاری تنظیمیں قائم ہیں جہاں سے اردو رسائل و جرائد نکلتے ہیں، کیا وجہ ہے کہ اپنے لوگ اصرار تو نہیں دیتے؟

جواب: یہاں وجہ پوچھنے کی ضرورت نہیں، کوئی شخص اگر اثر اور صلاحیت رکھتا ہے تو اسے آئے بڑھ کر حصہ لینے کی ضرورت ہے۔

سوال نمبر ۹: مسلم پرسنل لا بورڈ میں اپنے لوگ برابر کے شریک رہے پھر نامزد ممبران کی وفات کے بعد کوئی دوران کی جگہ نہ آیا۔ آخر ایسا کیوں؟

جواب: مسلم پرسنل لا بورڈ قادری طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور ان کے چند رفقاء نے قائم کیا۔ صرف ایک سنی عالم کو نائب صدر کی جگہ نامزد کیا، جس کا وہ مقصد تھا ایک حکومت کو یہ بتانا کہ اس میں تمام مسلم جماعتوں کی شرکت ہے، دوسرے اس نام کے ذریعہ سنی عوام کو اپنے قریب کرنا۔ ایسے ہی دورے فوائد ملحوظ رکھ کر وہ اپنی بہت سی مجلسوں اور جلسوں میں سنی علماء کے نام لکھاتے ہیں۔

اہل سنت کو خود سیاسی و مذہبی تنظیمیں قائم کر کے عوام کی فرائدگی و رہنمائی کرنے کی ضرورت ہے۔ دوسروں سے یہ شکوہ فضولی ہے کہ انھوں نے اپنی تنظیم میں ہمیں کماحقہ جگہ نہ دی۔

سوال نمبر ۱۰: ہمارے فارغین جو تحقیق و تہقیق کے لیے یونیورسٹیوں کا رخ کرنا چاہتے ہیں مگر معاشی حالات سے مجبور ہوتے ہیں ایسے طلبہ کے وظیفہ وغیرہ کا انتظام ہو جائے تو ان طلبہ کی بڑی تعداد یونیورسٹیوں میں جا سکتی ہے۔ آپ اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

جواب: وظائف کے حاجت مند تو ہر معیار کے طبقے میں گئے بعض وہ ہیں جو دینی تعلیم کے لیے بھی وظائف کے محتاج ہیں۔ بعض حضرات ان کی کفالت بھی کرتے ہیں۔ عصری تعلیم کے لیے بھی کچھ ایسا معاملہ ہے۔ مگر کوئی مضابطہ اور منظم طور پر انتظام نہیں۔ لوگ متوجہ ہوں تو بڑی اچھی بات ہے۔

سوال نمبر ۱۱: مصنفین کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ کتاب کی اشاعت کا ہوتا ہے جو لوگ صاحب اثر ہوتے ہیں وہ خود اکیڑی قائم کر لیتے ہیں یا کسی صاحب ثروت کے ذریعہ اپنی کتاب شائع کر لیتے ہیں۔ لیکن دوسرے لوگ جو ان میں سے کچھ بھی نہیں کر سکتے وہ اپنی صلاحیتوں کو اجاگر نہیں کر پاتے۔ اس کے لیے کوئی صورت آپ کے پاس ہے؟

جواب: یہ دشواری ہمیشہ پیش آتی رہی ہے مگر اہل قلم نے اس کا حل بھی تلاش کیا ہے، مثلاً پمپل انھوں نے معروف رسائل و جرائد کو دیکھا، ان کا مزاج اور معیار پچھانا اور ایسے مضامین لکھے جو ان کے لیے باعث کشش ہوں۔ چنانچہ اعزاز کے ساتھ وہ شریک اشاعت ہوئے۔ اس طرح مضمون نگار اپنے خاص اسلوب تحریر اور انداز فکر کے ساتھ متعارف بھی ہو گیا اور جب اس نے کوئی کتاب لکھی تو ناشرین اس کی اشاعت کے لیے تیار بھی ہو گئے۔ اپنی قلمی لادلائل کش، مفید اور موثر بنانا ضروری ہے۔ پھر اشاعت کی دشواری نہ ہوگی۔ غلطی یہ ہے کہ ابتدا میں بن آدمی



بچے کو کامل سمجھنے لئے اور جو کچھ مدد چاہے کہ خواہ مخواہ لوگ اسے قبول بھی کریں۔

سوال نمبر ۱۲: تحریک دعوت اسلامی کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب: میں اسے مفید اور ضروری سمجھتا ہوں۔ اگر اس میں کچھ خامیاں ہوں تو اصلاح کی جائے۔ تحریکِ اہمیت ہی کو مسترد نہ کیا جائے۔ جو لوگ انتہا پسندی کے ساتھ اس کی مخالفت کر رہے ہیں ان سے سوال یہ ہے کہ تحریکِ جماعت کا سیلاب جو ہماری اچھی اچھی آبادیوں کو نشتا جا رہا ہے اس پر بند باندھنے کا آپ نے کیا انتظام کیا؟ اس پر بند لگانے اور بھولے بھالے سنیوں کو بچنے کے آپ کے پاس کیا فارمولا ہے اور کیا عمل ہے؟ مگر وہ اس کا کہی کہی جواب نہ دے گا اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا فرض صرف اپنی مخالفت ہے، غیروں کے سیلاب سے قوم کا تحفظ نہ اور کی ذمہ داری ہے۔ جو شاید آسمان سے نازل ہو گا یا قیامت گزرتے کے بعد پیدا ہوگا۔

سوال نمبر ۳۴: کوئی بھی اچھی تحریک اٹھتی ہے تو اس کے مخالفین پیدا ہو جاتے ہیں اس کا اصل سبب کیا ہے؟  
جواب: اس کا سبب میری تمہید میں گنہگار۔

سوال نمبر ۳۴: اہل سنت و جماعت کے تصنیف و اشاعتی قفل کو ختم کرنے اور کتابوں کی تصنیف و اشاعت کی فروغ سے آج سے ۳۶ سال قبل آپ حضرات نے ”الجمع الاسلامی“ قائم فرمایا تھا مگر اس کی ترقی میں اتنی تاخیر کیوں ہو رہی ہے؟ جواب: ترقی اور کامیابی کس چیز کا نام ہے، ایک اشاعتی و تصنیفی ادارہ سے آپ کیا توقع رکھتے ہیں؟ کیا ”اپنی“ الاسلامی“ کے زیراہتمام جو کتابیں لکھی گئیں اور کتابیں شائع ہوئیں وہ کسی خانے میں رکھنے کے لائق نہیں؟ خود مولانا قرآن، فضائل قرآن، اسلام اور اس عالم جیسی جامع کتابیں دوسروں کے پاس بھی نہیں۔ امام احمد رضا اور دہلویات و مفکرات، حدوث الفتن اور تحقیق حدیث المستار وغیرہ کو اس دور کے اہم معیاری کاموں میں جگہ دینی چاہئے مگر دوسروں سے کیا لگے؟ جب ایجنوں ہی کو اپنے کام کی حیثیت کا علم نہیں۔ اس کا اپنا کام تو اپنی جگہ ہے اس کے ذریعہ ایک فکر و غریب انقلاب بھی برپا ہوا ہے اور اس ایک چراغ سے بہت سے چراغ جلتے ہیں۔ یہ سب بھی نظر میں رکھنا چاہئے۔ شاید آپ الجمع الاسلامی کی کارکردگی سے پورے طور پر واقف نہیں اس لیے آپ نے یہ سوال کر دیا۔ وسائل کی کمی ضرور ہے اور اس کے مشق و اسباب ہیں۔ اسے کوئی ملکہ بھوکھل یا یریاں و ڈالر میسر نہیں نہ اس کے ادارہ میں کوئی پیر یا خطیب ہے جس کی ایک آواز پر بہت سے اہل ثروت کی تجویریاں نکلیں۔ ادارہ بھی وہ نہیں جسے عام طور سے فقیہ سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً مسعود احمد مدد رس کو تو عوام جانتے ہیں مگر تصنیفی و اشاعتی ادارہ کیا ہے؟ تصنیف و اشاعت کیا ہے؟ اور اس راہ کی ضروریات کیا ہیں؟ اس سے وہ نااہل ہیں، عوام ہی نہیں بیشتر خواص کو بھی اس کا نہ کوئی تجربہ ہے نہ شنائی۔ جیسا کہ عموماً بات چیت سے اندازہ ہو جاتا ہے۔ مگر ہمیں ان سب کا شکوہ نہیں، شکوہ اپنی عدم اطمینان کا ہے۔

معاذ اللہ  
 اسی جانے کے لیے ہمارے پاس کیا حق نہ وقت ہے نہ ذرائع۔ واللہ ولی التوفیق۔

سال نمبر ۵۵: پندارس کے نصاب تعلیم میں ترمیم سے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

**جواب:** نصاب تعلیم میں ترمیم کی محتاج ہے اور کافی ترمیم ہو چکی ہے، لیکن اب بھی کالج، یونیورسٹی کے بعض فضاہی شور چارے ہیں کہ ہدارس میں دس سو سال پرانا نصاب جاری ہے اس میں عصری علوم کی شمولیت بالکل نہیں۔ مطلق و فلسفی کتابوں کا انبار ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اس کام کے لیے مقرر کر دیا گیا ہے کہ ہدارس اور ان کے نصاب کو ہمیشہ لپٹی تردید کا نشانہ بناتے رہو۔ اس میں جو صالح مواد ہیں یا جو اصلاحات ہوں ان کا ذکر نہ کرو۔ ہمیشہ کوئی نکتہ بات زیادہ سے زیادہ مؤثر انداز میں سامنے لاؤ جس کی باعث ہدارس سے دوری اور نفرت میں اضافہ ہو۔ وہ یہ کہتے ہوئے نہیں سمجھتے کہ ہدارس میں عصری علوم داخل کیے جائیں مگر یہ بولنے کی ضرورت کبھی نہیں سمجھتے کہ کم از کم مسلم اسکولوں اور کالجز میں دینیات کو داخل کیا جائے۔ یا ایسے ادارے قائم کر کے نہیں دکھاتے جن کے تعلیمی یافتہ افراد تعمیر،

ہمارے نصاب کی بنیاد اس پر ہے کہ طالب علم کو قرآن و حدیث، فقہ و اصول فقہ اور عقائد و کلام میں مہارت حاصل ہو۔ یہ عربی زبان میں مہارت کے بغیر ممکن نہیں۔ اور عربی زبان میں مہارت کے لیے نحو، صرف، ادب اور بلاغت کی تعلیم ناگزیر ہے۔ عقائد و کلام کے لیے منطق لازمی یا مفید ضرور ہے۔ فلسفہ کی کتابیں اکثر خارج ہو چکی ہیں۔ دینی کتابیں بعض فوائد و مصالح کے پیش نظر پڑاتی ہیں۔

فارسی زبان کی تعلیم اس خصوص میں ضروری نہیں مگر اب تک وہ اکثر مدارس میں درج ذیل فوائد کے تحت ترویج ہی کی گئی ہے۔

(۱) آج بھی اردو زبان میں بیش تر الفاظ اور ترکیبیں فارسی کی موجود ہیں۔ فارسی کی چند کتابیں پڑھ لینے کے بعد ان الفاظ و ترکیب کے سمجھنے میں دقت نہیں رہ جاتی۔ جب کہ اس سے بالکل نااہل رہنے میں بہت سی غلطیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں۔

(۲) اسلامیات اور ادبیات کا ایک بڑا ذخیرہ فارسی زبان میں ہے۔ اس سے استفادے کے لیے اس زبان سے آشنائی ضروری ہے۔

(۳) عربی قواعد، طب، حیئت، تاریخ وغیرہ کی بعض اہم اور عمدہ کتابیں فارسی میں ہیں۔ فارسی پڑھ لینے کے بعد ان سے استفادہ کی راہ کھل جاتی ہے۔

اب آپ سارے نصاب کا جائزہ میں تو ان خطوط سے باہر نظر نہ آئے گا۔ رہ گئے عصری علوم و ابتدائی نصاب سائنس، جغرافیہ، ہندی وغیرہ کی تعلیم پر، عمری درجات میں جو جاتی ہے۔ مزید برآں کچھ حساب کی تعلیم ابتدائی نصاب میں موجود ہے۔ تاریخ ہند، تاریخ اسلام، سیرت نبوی، سیرت خلفاء، مبادی سیاسیات، دستور ہند، دنیا کی حکومتیں، جدید طر سائنس وغیرہ بھی شامل نصاب ہیں۔ درجہ ہشتم تک کی انگریزی لازم ہے۔ ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کی انگریزی بطور اختیاری مضمون داخل ہے۔ اور ان سب کی باقاعدہ تعلیم ہوتی ہے، امتحانات ہوتے ہیں، انشاء اور مضمون نگاری کی خاصی مشق کرائی جاتی ہے۔ ان سب کے باوجود پریگنڈا یہی ہے کہ مدارس میں عصری علوم کی شمولیت بالکل نہیں اور کتب عقیدہ کا ایک انبار لگا ہوا ہے۔ مدارس اپنی افادیت کو چھوٹے ہیں۔ اتنے سے بھی تسکین نہیں ہوتی تو اس کے ساتھ دہشتہ روٹی کا مسئلہ بھی جوڑ دیتے ہیں اور یہ زبان پر نہیں لاتے کہ لاکھوں گریجویٹ وہ ہیں جن کو کوئی باغرائی ملازمت حاصل نہیں کسی طرح معمولی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہزاروں وہ ہیں جو انخوا، پاکٹ ماری، چوری، رہزنی، پتیاں کی کارروائی کے ذریعہ اپنا پیٹ پال رہے ہیں۔ ان کو اپنے شاگردوں کی فکر نہیں۔ بس فارغین مدارس کے غم میں گھلے جا رہے ہیں۔ خیر اتریم و اصلاح بڑی حد تک ہو چکی ہے۔ رہ گئی مزید اصلاح و تنقیح اور ترمیم کی بات تو یہ بہت غور طلب مسئلہ ہے۔ اولاً بہت سی کتابیں وہ ہیں جن کا بدل موجود نہیں۔ اور ان کو باقی رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً ترجمہ ترقی و صحاح ستہ، ہدایہ وغیرہ۔ ثانیاً بعض قابل تبدل کتب کا بدل داخل ہو چکا ہے۔ ثالثاً بعض کتابوں میں کئی یا چھ ترمیم کی ضرورت ہے۔

مگر ہندوستانی مدارس کا معاملہ غیر ہندوستانی مدارس اور عصری جامعات سے مختلف ہے۔ بیشتر ممالک میں وزارت تعلیم کے تحت نصابی کتب تیار ہوتی ہیں اور ان کے لیے بھاری تنخواہوں پر ایک اجماعاً خاصا عملہ بارہ مہینے موجود رہتا ہے۔ ترمیم کی ضرورت نہ ہو پھر بھی اسے کچھ نہ کچھ ترمیم کر کے اپنی تنخواہ کا استحقاق ظاہر کرتا ہے، جب کہ مدارس ہند کو کسی حکومت کی جانب سے ایسی کوئی سرپرستی حاصل نہیں۔ نصابی کتب تیار کرنا کوئی ایسا آسان کام بھی نہیں کہ کسی نوفا رہ یا کم سود کو چار پانچ ہزار روپے ماہانہ دے کر اطمینان کر لیا جائے کہ وہ مطلوبہ معیار پر کام کر کے دکھائے گا۔ بڑے بڑے ماہر مدرس بھی جن کو لکھنے اور نصاب سازی کی خاصی مہارت نہ ہو اس میدان میں ناکام ہو جائیں گے۔ کچھ لوگ ہر طرح لائق اور اہل ثابت ہو گئے تو مدارس کے ذمہ داران نے ان کے سرانے کام نگار کے ہوں گے کہ اس کام کے لیے خالی کرنے میں یہ محسوس کریں گے کہ ہمارا ادارہ ہی تباہ ہو جائے گا۔

پھر نصاب تیار ہو جانے کے بعد اس کی صحیح کتابت، طباعت اور اشاعت کا مسئلہ اپنی جگہ ہے۔ ناشرین جانتے ہیں کہ عربی درسیات کی رفتار اشاعت کیا ہے؟ بہر حال یہ کام اتنا آسان نہیں جتنا عموماً وہ لوگ سمجھتے ہیں جن کو اس

لن کا کوئی تجربہ نہیں۔  
جامہ افرادی طور پر بہت کچھ ہو رہا ہے اور اس سلسلے میں من سب صورتوں کی تلاش بھی جاری ہے۔ واللہ  
المصنوع و علیہ التکلیل۔  
سوال نمبر ۲۹: طلبہ اسلام کے لیے آپ کے کچھ ارشادات؟

جواب: طلبہ سے متعلق بہت سی باتیں گذر چکیں، ان سے وہ بہت کچھ اخذ کر سکتے ہیں، تاہم آپ کے سوال پر مزید کچھ بیان کر رہا ہوں۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ طلبہ اپنے اوقات اور اپنی تعلیم کے ساتھ انصاف نہیں کرتے۔ ابتدائی تیاریاں بد عبور حاصل نہیں کرتے جس کے باعث امتحان تک کمزور رہتے ہیں یا بار بار ناکام ہوتے ہیں اور تعلیم ہی سے باخبر نہ رہتے اور تنہا ہو جاتے ہیں۔ کچھ امتحان میں ۳۳ فیصد حاصل ہوتے اور اگلے درجہ میں ترقی پانے کی حد تک پیش کرتے ہیں مگر بنیادی کتابوں سے متعلق جن کی معلومات کا ۲/۳ حصہ غائب ہو اور امتحان پاس کر لینے کے بعد پھر ابھی غائب ہو جائے۔ آئندہ کے لیے ان کی دشواری، انتہائی کمزوری بلکہ ناکامی محتاج بیان نہیں۔ مگر ایسا یہ ہے کہ وہ اس عقل بابت ہوتی ہے۔ محنت سے نفرت، کھیل سے رغبت، فضولیات سے الفت ہوتی ہے۔ اور جب شور مچا رہا ہوتا ہے وقت ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے۔ طلبہ کی اکثریت اسی ایک سبب کے باعث کمزور یا بیکار ہو رہی ہے۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ ابتدائی تعلیم چھوٹے مدارس میں اساتذہ کی سخت نگرانی کے ماحول میں ہو کہ طلبہ نہ ہانپتے ہوئے بھی پڑھنے اور لیاقت پیدا کرنے پر مجبور ہوں تو یہ زیادہ کار آمد اور مفید ہوگا۔ بنیاد محسوس اور مضبوط ہوئی تو آگے کے ہر فعل کی کنجی ہاتھ آگئی۔

باشور اور ہوش مند طلبہ سے متعلق عرض یہ ہے کہ ان کو اپنی نصابی کتب پر عبور کے ساتھ کچھ اور ہمت کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱) اساتذہ ہمارے یہاں درجہ خامسہ سے فضیلت تک ادب عربی یا انگریزی میں سے ایک ہی لازم ہے۔ دونوں ادب تک اس خیال سے لازم نہ کیا جاسکے کہ طلبہ پر بار زیادہ ہو جائے گا اور وہ سنبھال نہ سکیں گے۔ مگر دونوں کی ضرورت اپنی جگہ مسلم ہے۔ جو طلبہ عربی ادب کا نصاب مکمل نہیں پڑھتے وہ حدیث، سیرت و تاریخ اور دوسرے فنون بہت سی کتابوں کے بہت سے مقامات حل نہیں کر پاتے یا بہت مشکل سے سمجھ پاتے ہیں جب کہ مکمل ادب پڑھے ہوئے طلبہ اول نظر میں انھیں سمجھ لیتے ہیں۔

دوسری طرف جو انگریزی نصاب مکمل نہیں کرتے انگریزی کتب و رسائل سے استفادہ سے قاصر رہتے ہیں۔ تیسرا وہ بھی رہتے ہیں جو نصاب ہی کی حد تک محدود رہتے ہیں اور مطالعہ کے ذریعہ علم زبان کے فروغ کی طرف

متوجہ نہیں ہوتے۔ بین ظاہر ہے کہ جنسوں نے انگلش بک III کے آگے کچھ دیکھا ہی نہیں وہ زیادہ عاجز ہوں گے۔ اس لیے باہمت طلب کو میرا مشورہ یہ ہے کہ درس میں اگرچہ کسی ایک زبان کو رکھیں مگر خارجی کسی بھی قدیم سے دوسری زبان کی بھی تکمیل کریں اور دونوں زبانوں سے متعلق غیر نصابی کتب و رسائل کثرت سے دیکھیں اور لکھیں۔ بولنے کی بھی خوب مشق کریں اس طرح وہ بہت کار آمد انسان بن سکتے ہیں۔

(۲) علم دین سے لوگ اپنے روزمرہ کے مسائل ضرور پوچھتے ہیں اور اسے خود اپنے عمل کے لیے بھی مسائل سے آگاہی ضرور ہے اس لیے ہر طالب علم کا فرض ہے کہ مکمل "بہار شریعت" کا مطالعہ ضرور کرے اور ہمارا رجحان یہ ہے کہ ضروری مسائل اذہر ہیں۔

اسی طرح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے کلامی و فقہی رسائل ضرور دیکھے۔ اس میں دو علمی خزانے ہوں گے کہیں اور شاید ہی دستیاب ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ جن لوگوں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی کتابیں فروخت نہیں پہچی ہیں ساری درسیات پڑھنے پڑھانے کے بعد بھی بہت سے مسائل میں ان کی سلطنت بالکل عیاں ہوتی ہے۔ (۳) تجوید و قرأت بقدر ضرورت، کم از کم صحت بخارج کے ساتھ قرآن کی قراءت ہر ایک پر فرض ہے اس سے کوئی طالب علم ہرگز عاری نہ ہو۔

(۴) حالات زمانہ سے آگاہی، مخالفین کی حرکتوں سے واقفیت کے لیے مختلف کتب و رسائل کا مطالعہ کر رہے۔ سیرت، تاریخ، حسب، جغرافیہ وغیرہ کی بنیادی تعلیم جو ابتدائی درجات میں شامل ہے مطالعہ کے ذریعہ میں اور وسعت پیدا کرے۔

(۵) کتب حدیث کی ایک محد و مقدار داخل نصاب ہے مطالعہ میں کم از کم پوری "مشکوٰۃ المصابیح" ضرور دیکھے۔ (۶) تدریس، تقریر، مناظرہ ہر ایک کا ملکہ پیدا کرے تاکہ وقت ضرورت عاجز نہ رہے اور اس کا ناز کا کاغذی وسیع ہو۔ بعد میں اگر سارے کام بخوبی نبھالیتا ہے تو بہت خوب ورنہ جیسی ضرورت ہوگی ویسا کر سکے گا۔

(۷) تقریر و تحریر کے ذریعہ جو بھی بیان ہو اس کی اچھی طرح جانچ کر لی جائے کہ وہ صحیح و مستند ہے اس کا مل اور قوی ماخذ ذکر میں نہ آئے تو بھی معلوم و محفوظ ضرور ہو۔ ورنہ نقل در نقل میں بہت سی ایسی باتیں بھی در آتی ہیں جو منطقی و عقلی اور شرعی اعتبار سے غلط ہیں یا غیر معتبر اور ناقابل بیان ہیں۔ تنقیدی و تحقیقی نظر پیدا کرنا بہت ضروری ہے۔

(۸) زبان و بیان کی غنطیوں سے بھی اپنی تحریر و تقریر کو ہر طرح محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔ میں نے بہت باتیں پڑھا، تم نے حدیث سنا، خدا کے احکامات، اس امر کی وجوہات، رسومات وغیرہ جیسی ترائیبات و الفاظ سے بھی بچنا چاہئے۔ معطوف معطوف حید، دونوں عربی یا فارسی یا ایک عربی اور ایک فارسی ہو تو حرف عطف "و" درست ہے مگر

کوئی ایک ہندی یا انگریزی ہو تو وہاں "و" کی بجائے اور ہونا چاہیے۔ اس طرح کی اور بھی چیزیں ہیں جو اس دور کے معروف علماء کا دل کے پیالے میں در آتی ہیں۔ شاید کوئی بروقت ان کی اصلاح کرنے والا کوئی نہ ہو۔ مبتدیوں کی غنطیاں تو بہت ہیں۔ انہیں استاد سے معلوم کرنا چاہئے۔

بولنے اور لکھنے سے پہلے اپنے سامع و قاری کو متعین کریں اور وہ جس سطح کے ہوں اسی سطح کی گفتگو کریں اور زبان میں بھی اس کی رعایت کریں۔ مخلوط ہوں تو دونوں کی رعایت کریں۔ اخبار اور عوامی رسائل کے لیے زبان بہت آسان اور عام فہم ہونی چاہئے۔ ادنیٰ رسائل کے لیے ادبی اور تحقیقی کے لیے تحقیقی۔ مگر مشکل الفاظ، پیچیدہ ترائیبات اور بہت کثیف استعارات و کنایات سے احتراز ہر جگہ ضروری ہے۔

(۹) ابھی نزاعات سے دور رہیں اور کسی جگہ کوئی اختلاف رونما ہو تو اصلاح و مصالحت کی تدبیر کریں۔ اور مدنی اور اخلاص سے کوشش ہوئی تو کامیاب ہو یا ناکام، اس کا اجر ان شاء اللہ ضرور ملے گا۔

(۱۰) دوسروں کی تنقیص، جماعت میں کام نہ ہونے کا نام، اپنی برامت کا اثبات اور دوسروں پر الزام آج کل ایک عجوبہ مشغہ بن گیا ہے۔ حالاں کہ اس کا حاصل اپنوں سے بدگمانی اور تفسیح اوقات کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ہوئے تو خود کچھ کریں یا جو لوگ کچھ کر رہے ہیں ان کی حوصلہ افزائی کریں۔

(۱۱) خطاب علم اپنے افکار و خیالات، کردار و اخلاق، ہمیشہ پاکیزہ و بلند رکھے۔ بہت حرکتوں کا خیال آنے پر بھی ہرجا ب کرے، دین و سنت کی پابندی اور خدا و رسول کی اطاعت ہی میں دنیا و آخرت کا بھلا جانے، آزادوں کی آزمائش اور رعینوں سے کبھی متاثر و مرعوب نہ ہو، نہ ہی ان کے حصول کی خاطر اپنے افکار و اخلاق کی دنیا تاراج کرنے کا خیال دل میں لائے، شریعت کی خلاف ورزی کو زہر قاتل یا آتش بھلک جانے، فرائض و واجبات کی پابندی میں عوام سے کمتر ثابت نہ بلکہ آداب و فواضل میں بھی ان کے لیے نمونہ اور مقتدا بنے۔

(۱۲) عمر انسانی چند روزہ ہے اور کام بے شمار لیکن رب تعالیٰ نے انسان میں قوت و استعداد بے پناہ رکھی ہے، ذات کو فضل کی منزل میں لانے کے لیے جدوجہد و کار ہے، آدمی کو چاہیے کہ خود کو زیادہ سے زیادہ کارآمد بنائے اور جس کی بڑے سے بڑے کام کو انجام دینے کی لیاقت اور حوصلہ پیدا کرے، رب تعالیٰ کی نعمت و حمایت کا سہارا ہوگی اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی کسی خدمت پر نہ مغرور ہو نہ احساس کمتری کا شکار ہو کہ دست کش ہو۔ (۱۳) کوئی اہم اقدام کرنا ہو، کوئی خطیم یا ادارہ یا انجمن بنانی ہو تو لوگوں سے مشاورت ضرور کریں تاکہ بے خبری

میں اقدام کے بعد رسوائی یا ناکامی کا سامنا نہ ہو۔ رائے دینے والوں میں کئی طرح کے لوگ ہوں گے:

(۱) زیادہ ہوں گے جو آپ کا منصوبہ اور اس کی افادیت سننے کے بعد فوراً داد و تحسین سے نواز دیں گے اور اپنی حمایت

کا یقین دلایں گے، یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے سامنے صرف ایک رخ ہوگا، مضرت یا مشقت سے وہ نا آشنا نہیں۔  
(۲) کچھ وہ تجربہ کار اور سن رسیدہ لوگ ہوں گے جو کام کی اہمیت، راہ کی دشواری، اور آپ کی کم سنی و ناتجربہ کاری دیکھ کر آپ سے بات کرنا بھی مناسب نہ سمجھیں گے اور کسی طرح اپنے سر سے آپ کو ٹٹالنے کی کوشش کر لیں گے۔  
(۳) کچھ وہ ہوں گے جو راہ کی مشکلات اور دشواریاں بتا کر آپ کو اس قدر سراسیمہ کر دیں گے کہ آپ اپنے منصوبہ سے دست بردار ہونے ہی میں ہر طرح کی عافیت محسوس کر لیں گے۔

(۴) کچھ وہ ہوں گے جو کام کی اہمیت اور افادیت تسلیم کرنے کے ساتھ راہ کی مشکلات اور ان کا مناسب حل بھی بتائیں گے۔ یہی حضرات آپ کے لیے کارآمد ہوں گے جو بڑی مشکل سے طے لیں گے۔

سب کی باتیں سننے اور نوٹ کرنے کے بعد آپ اپنے حالات اور اپنے امکانات کا بے لاگ جائزہ لیں، اگر مشکلات کو سر کرنے کے ساتھ کامیابی کی توقع راجح اور غالب نظر آئے تو اقدام کریں ورنہ وسائل اور امکانات پر قابو پالیں، عمل متحرک کریں یا کسی دوسرے رخ، دوسری صورت یا دوسرے کام پر غور کریں جسے آسانی یا دشواری کے ساتھ حل کر سکیں۔

اس پر یقین رکھیں کہ انسان حرکت و عمل ہی سے بقا و دوام پاتا ہے، اس لیے خود کچھ کرنے کی صورت سوجھیں اور عمل میں لائیں۔ دوسروں کا محاسبہ، ان پر نقد و تبصرہ اور ان کی تنقید کا کوئی خاص حاصل نہیں۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی شخص تنہا بھی دینی کام کر رہا ہے تو اس کی قدر کی جائے، صرف اپنے کام کی قدر اور دوسروں کے کام کی تحقیر ایک مذموم رویہ ہے جس سے بہت سی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ اس بارے میں حافظ ملت حضرت مولانا عبدالحزیز محدث مہار کیوری بانی انجمن الاشراف مبارک پور کی ذات مشعل راہ ہے۔ وہ ہر عامی و عالم کی، جو کوئی اور چاہے رہا ہو یا کوئی بھی چھوٹی مولیٰ دینی سعی خدمت انجام دے رہا ہو، حوصلہ افزائی کرتے، کلمات خیر سے یاد کرتے و تائید بھی اس کا اچھا تذکرہ کرتے جس کے باعث وہ اپنی خدمت میں اور مستعد ہو جاتا، اسے اور ترقی دیتا اور ملت کا فائدہ بہر حال ہوتا۔ وقلنا اللہ وایتاکم لمثلہ واللہ ذو الفضل العظیم۔

## مسئلہ اجتہاد و تقلید پر تحریری مکالمہ (۱)

### سوال (۱):

قیاس و اجتہاد کی حقیقت کیا ہے؟ اور کتاب و سنت کے ہوتے ہوئے اس کی ضرورت کیوں پڑی؟

### جواب:

قیاس کے لغوی معنی اندازہ کرنا اور برابری دکھانا اور فقہی اصطلاح میں قیاس یہ ہے کہ جو حکم کسی امر کے لیے کسی علت کی بنیاد پر نص سے ثابت ہے وہی حکم اسی علت کی بنیاد پر دوسرے ایسے امر کے لیے ثابت کرنا جس کے بارے میں نص وارد نہیں۔ اجتہاد کے لغوی معنی کوشش و محنت صرف کرنا اور فقہی اصطلاح میں فقہ کا کسی حکم شرعی نظری کے استخراج کے لیے پوری طاقت صرف کرنا۔

کتاب و سنت سے بے واسطہ قیاس استخراج احکام پر بھی اجتہاد کا اطلاق ہوتا ہے اور منصوبہ کی روشنی میں حد کی بنیاد پر قیاس کے ذریعہ غیر منصوص کا حکم نکالنے کو بھی قیاس کہا جاتا ہے۔

قیاس کے ارکان و شرائط کی تفصیل اصول فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے، یہاں خاص طور سے بتانے کی بات یہ ہے کہ قیاس کسی ایسے ہی معاملہ میں ہو سکتا ہے، جس کا حکم کتاب و سنت میں صراحتاً بیان نہ ہوا ہو، اگر کرام نے قیاس سے اجتہاد کیا ہے تو یہاں کتاب و سنت، اجماع و امت یا فقہائے صحابہ کے اقوال سے مسئلہ کا حل دست یاب نہ ہوا ہو۔

کتاب و سنت کے ہوتے ہوئے قیاس و اجتہاد کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں صرف اصول و کلیات اور بعض جزئیات صراحتاً بیان ہوئے ہیں، اصول کی روشنی میں فروع کا بیان اور جزئیات کی تفصیل قرآن نے بیان رسول اور فکر مجتہدین کے سپرد کر دی ہے، ارشاد ہے: **وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ الَّذِي فِيهِ تَبَيَّنَتْ لِقَائِمْ مَا يُجْرَى عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ مَا بَيَّنَّ وَ تَحْكُمُ بِهِ ذِكْرُ نَاظِلٍ فَرِيقًا** (سورہ نحل - آیت ۴۴) اور اے رسول ہم نے تم پر یہ ذکر نازل فرمایا تاکہ لوگوں کے سامنے تم اسے واضح کرو جو ان کی طرف اتارا گیا اور کہیں خود وہ بھی فکر کریں۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ احادیث کریمہ میں اگرچہ بے شمار احکام اور اصول و فروع کا ذکر ہوا، پھر بھی عہد صحابہ کی روز بروز ایسے مسائل پیش آتے رہے جن کا جواب صحابہ کرام کو بھی حدیث نبوی میں نہ ملا اور قیاس و اجتہاد کا



سلسلہ جاری ہوا، یعنی منصوص کی روشنی میں غیر منصوص امور کے احکام کا استخراج ہونے لگا۔

### سوال (۲):

مجتہدین کے مختلف طبقات کے کیا معنی ہیں؟ اور کیا آج بھی مجتہدین کا کوئی طبقہ موجود ہے؟

### جواب:

برفقیہ کی علمی وسعت اور اجتہادی قوت یکساں نہیں، علمی صلاحیت اور احکام کے استخراج و بیان کے لحاظ سے فقہاء میں فرق مراتب ہے، فقہاء کے طبقات اور ان کی مثال میں فقہاء کے نام ذکر کرتے ہوئے اسی فرق مراتب واضح کیا گیا ہے۔ یہ ہمارے فقہاء کے کرام کی دیانت و امانت ہے کہ جو فقیہ جس درجے کا تھا، اسی حد تک اس نے فقہاء کا کام کیا اور بعد کے فقہاء نے اس فقیہ کے کام کی نوعیت اور اس کا دائرہ عمل دیکھ کر اس کے مرتبے کا تعین کیا، لیکن اگر کوئی شخص اپنا مرتبہ اپنی حیثیت سے ہزار گنا اونچا یا اور کچھ کم ہو تو ممکن ہے اسے یہ تعین مراتب اور تعریف و حد جلت نہ آتی ہو اور اپنے کو امام اعظم کا ہم پلہ جانتے اور بالکل مساوی و ہم قامت بتانے کی راہ میں اسے بہت بڑی رکاوٹ سمجھتا ہو۔ مگر حق یہی ہے کہ سب فقہاء و مجتہدین ہم پلہ اور ہم مرتبہ نہیں۔

علامہ محمد امین بن عابدین شامی نے شرح مفہوم الفقہاء میں فقہاء کے سات طبقات بیان کمال پائے کے حوالے سے بیان کیے ہیں:

اول: مجتہدین فی الشرع، جیسے احمد اربوعہ اور ان کے امثال جنہوں نے اصولی قواعد وضع کیے اور نواد اربوعہ (کتاب، سنت، اجماع، قیاس) سے احکام نکالنے کے اصول مقرر کیے اور اصول و فروع میں کسی مجتہد کی تقلید نہ کی۔  
دوم: مجتہدین فی المذہب جیسے امام ابو یوسف، امام محمد اور دیگر علما و امام اعظم، یہ اپنے استاذ کے مقرر قواعد کے مطابق اول اربوعہ سے استخراج احکام پر قادر ہوتے ہیں، یہ اصولی قواعد میں اپنے استاذ کے مقلد ہوتے ہیں اگرچہ بعض فروع میں استاذ سے اختلاف کرتے ہیں۔

سوم: مجتہدین فی المسائل، یہ اصول و فروع کسی میں امام کی مخالفت کی صلاحیت نہیں رکھتے لیکن جن مسائل میں امام سے کوئی روایت نہ آتی ہو، ان کے احکام اپنے امام کے مقررہ اصول و قواعد کے مطابق استنباط کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔ جیسے امام ابو جعفر طحاوی، امام کرنی، فخر الاسلام بزدوی وغیرہم۔

چہارم: اصحاب تخریج، جیسے ابوبکر جصاص رازی وغیرہ، یہ اجتہادی صلاحیت نہیں رکھتے، لیکن اصول سے پوری آگاہی اور ناخذا سے کمال آشنائی رکھتے ہیں، اس لیے امام یا ان کے اصحاب سے منقول کسی مجمل قول کی تفصیل کسی محفل حکم کی توضیح اپنی رائے اور وسعت نظری بنیاد پر کر سکتے ہیں۔

پنجم: اصحاب ترجیح جیسے ابوالحسن قدوری اور صاحب ہدایہ، ان کا کام بعض روایات کو بعض دیگر روایات پر ترجیح دینا ہوتا ہے۔ اس کے لیے وہ اس طرح کے الفاظ لاتے ہیں: هذا أولى، هذا اصح رواية، هذا زجح وناہوۃ ہے۔ اس کے لیے وہ اس طرح کے الفاظ لاتے ہیں: هذا ارق للناس۔

وضع، هذا اوفق للقياس، هذا ارق للناس۔  
نوضح: اصحاب تہیز، یہ آتی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اقوی، قوی، ضعیف، ظاہر الروایہ، ظاہر المذہب اور روایت نامہ میں امتیاز کر لیں۔ جیسے صاحب کنز الدقائق، صاحب مختار، صاحب وقایہ وغیرہم مصنفین متون معتبرہ، روایت نامہ میں امتیاز کر لیں۔ جیسے صاحب کنز الدقائق، صاحب مختار، صاحب وقایہ وغیرہم مصنفین متون معتبرہ،

ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ اپنی کتابوں میں نامقبول اقوال اور ضعیف روایات نقل نہ کریں۔  
ہفتم: مقلدین، جو تہیز کی بھی قدرت نہیں رکھتے اور جو ہل گئے حطاب اللیل کی طرح کتاب میں جمع کر دیتے ہیں، فالوای لن قلہ ہم کل الویل۔ انتہی۔  
ہو سکتا ہے کہ انہیں توجہی اصحاب تہیز آج بھی موجود ہوں، اور انکدہ بھی ہوتے رہیں۔

### سوال (۳):

امام اعظم ابو حنیفہ اور دوسرے تینوں ائمہ کا اصل علمی کار نامہ کیا ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ پوری امت انہی ہدایہ کی تقلید پر متفق ہو گئی؟

### جواب:

عہد رسالت اور عہد صحابہ میں لوگ قرآن و سنت کی عام ہدایت اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طرز عمل کو سامنے رکھتے ہوئے کار بند تھے۔ خلوت و جموت میں خوف خدا، عدل، امانت، عام نصیحت و خیر خواہی، دعوت خیر، منع شر، یار خیر میں تعاون، کار شریعہ کنارہ کشی وغیرہ عام اصول تھے جس پر ہدایت قرآنی مشتمل تھی، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی فضائل و محاسن پر صحابہ گرام کی تربیت فرمائی، جزئی امور میں صحابہ گرام کو کوئی اشکال پیش نہ آتا اور ہر کار کا گام میں رجوع کرتے یا کار صحابہ سے معلوم کرتے۔ تمدن کی وسعت اور اسلامی رقبہ کے پھیلاؤ کے بعد امت و معاملات کی بے پناہ کثرت ہوئی تھی اور افراد بھی اچھے برے، حق کو ش، ناحق کو ش، عدل پر در، ظلم شیوہ ہر طرت سے پیدا ہونے لگے، ایسے ماحول میں اقامت خیر اور دفع شر کے لیے ہسوط اصول و قوانین اور مفصل جزئیات مرتب کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ ان قوانین کی روشنی میں افراد اپنے معاملات کی صحت و سقم کو سمجھ سکیں اور جہاں حکومت و معاملات کی ضرورت ہو وہاں حکومت ان قوانین کے تحت رعایا کے معاملات حل کر سکے۔

اس طرف باضابطہ اور ہمہ گیر توجہ سب سے پہلے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مبذول فرمائی اور یہی تہیہ جس کی شکل میں اپنے علانہ کو جمع کر کے مسلسل جدوجہد کی، اسی روش پر دیگر ائمہ بھی چلے اور اصول فقہ اور



فقدن شکل میں دو مستقل فن وجود میں آئے، ان سب پر منسلک گفتگو اور مستقل تبصرہ کا موقع نہیں، مگر چند باتوں کا جانب اشارہ ہو سکتا ہے مثلاً

- (۱) ان حضرات نے کتاب وسنت اور آثار صحابہ میں نظر کر کے یہ واضح فرمایا کہ احکام کی مشروعیت کا ہدف پانچ چیزوں (نفس، دین، عقل، مال، نسب) کا تحفظ ہے۔ اور سارے احکام اسی محور پر گردش کرتے ہیں۔
- (۲) طلب اور ممانعت کے مدارج و مقاصد اور دلالت کے احوال و مراتب پر غور کیا، یعنی کس چیز کا مطالبہ لازمی طور پر شدت کے ساتھ ہے، پھر اس مطالبہ سے کون سا اہم امر مقصود ہے، جس آیت سے یہ مطالبہ مفہوم ہو رہا ہے، اس کی دلالت، اس پر بہت واضح اور نمایاں ہے یا دقیق اور مبہم یا محتمل ہے، لہذا دیگر نقل و جزئی ہے یا نقلی و احتمالی؟ اگر حدیث سے کسی فعل کا مطالبہ سمجھ میں آ رہا ہے تو خود اس حدیث کا ثبوت کس درجہ کا ہے۔ وہ حدیث متواتر ہے یا مشہور یا آحاد ہے؟ صحیح ہے یا حسن یا ضعیف وغیرہ؟ پھر طلب و مانع مبہم؟ ان امور پر نظر کے نتیجے میں احکام کے بھی درجات و اقسام طے ہوئے۔ مثلاً فرض واجب، مند، مکروہ، مند، غیہ مؤکدہ، مستحب، حرام، مکروہ تحریمی، اسماء، مکروہ، تزہی، خلاف اولیٰ، مہلج۔
- (۳) اصول و قواعد کی تائیس کے بعد جزئیات کی تفریع و تدوین کا مرحلہ آتا ہے، اس سلسلے میں فقہائے امت کی جانکاری و عرق ریزی جاننے کے لیے فقہ کی کوئی کتاب انھیں اس کی فہرست پر نظر ڈالنے آپ کو معلوم ہوگا کہ طہارت اور عبادت سے لے کر نکاح و معاملات، وقف، میراث، حدود و تعزیرات وغیرہ تمام احکام سے متعلق احکام کا ذخیرہ نہایت خوش اسلوبی سے مرتب کر دیا گیا ہے و دنیا کے بڑے بڑے ماہرین کا فہم بھی ایسے جامع اور مستند مجموعے پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

انہی اربعہ کے مذاہب پر اتفاق امت کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے ہر باب کے احکام مدون کر دیے اور ہر باب کے اہل نظر متبعین حالات کے مطابق ان کی تفسیر اور ان میں اضافہ کرتے رہے۔ عام آدمی جو خود اجتہاد و استدلال کی صلاحیت نہیں رکھتا، شرعی زندگی گزارنے کے لیے کوئی ایسا مذہب اپنا سکتا ہے، جس میں ضرورت کے تمام مسائل مدون اور مرتب شکل میں موجود ہوں، امام اورتائی، امام لیث بن سعد، امام ابن جریر طبری وغیرہ نے مذاہب مدون اور محفوظ و منقول نہ ہوئے، اس لیے امت انھیں اپنا نہ بلکہ جاننے سے بھی قاصر رہی۔

### سوال (۴):

کیا حضرات محدثین و مفسرین بھی مقلد تھے؟ اگر ہاں تو کیوں؟

### جواب:

محدثین و مفسرین سے مراد صحاح ستہ وغیرہ کے مصنفین اور مشہور کتب تفسیر کے مرتبین ہیں تو بلاشبہ وہ مقلد

نہیں کی وجہ یہ ہے کہ استخراج احکام کے لیے صرف حفظ حدیث کافی نہیں اور بھی بہت سے لوازم ہیں جن کے بغیر حق کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ ان لوازم کا فقدان ان خدا ترس حضرات کے لیے اجتہاد سے مانع اور تقلید کا باعث ہوا۔

### سوال (۵):

اس الزام کی کیا حقیقت ہے کہ تقلید نے علم و تحقیق کے دروازے بند کر دیے؟ اگر یہ سچ ہے تو پھر ان عبرتی علماء مقلدین کی علمی خدمات کو کیا نام دےں گے جن پر آج بجا طور پر امت کو فخر کرنے کا حق ہے؟

### جواب:

اولاً ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ تقلید نے علم و تحقیق کے دروازے بند کر دیے۔ تحقیق کا عمل برابر جاری ہے اور دینا کہ آپ نے اشارہ کیا فقہائے مقلدین کی حیرت انگیز علمی و تحقیقی خدمات اس پر شاہد عدل ہیں اور اگر یہ کہیں کہ تقلید نے اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا تو یہ بھی ہمیں تسلیم نہیں۔ جو شخص اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہے، اس کے لیے تقلید جائز نہیں، اسی لیے ائمہ کرام نے اجتہادی صلاحیت رکھنے والے اپنے حلفاء سے یہ فرمایا کہ "ہم نے جس ماخذ سے احکام اخذ کیے ہیں، اسی سے تم بھی اخذ کرو۔" یا یہ فرمایا کہ "ہمارے بیان کردہ احکام پر تمہارے لیے عمل جائز نہیں، جب تک یہ نہ جان لو کہ ہم نے یہ احکام کہاں سے اخذ کیے۔"

ظاہر ہے کہ اس طرح کے ارشادات کے مخاطب کو فہم و اجتہاد اور مدینہ و مصر کے وہ دکاندار اور کاشت کار یا صنعت کار نہیں جو کتاب وسنت اور اخبار و آثار کی تصریحات، اشارات، دلالات اور اقتضادات سے نااہل اور اپنے گہوارے میں معروف ہیں، وہ فوجی اور ملازمت پیشہ بھی نہیں جو حالات و قراءات سے زیادہ کی صلاحیت نہیں رکھتے، بلکہ اجتہاد کے لیے اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے اور نااہل کے لیے شروع ہی سے بند ہے۔

ثانیاً اگر کوئی طبقہ یہ چاہتا ہے کہ اہلیت اجتہاد ہو یا نہ ہو اجتہاد کا دروازہ ہر شخص کے لیے چھوٹ کھلا رہنا چاہیے تو بہت صفائی کے ساتھ عرض ہے کہ جو دروازہ صرف اہل حضرات کے داخلے کے لیے کھلا اگر اس سے صرف چھوٹ کی آمد و رفت ہونے لگے تو اسے سختی کے ساتھ بند کر دینا ہی عقل و دانش اور ایمان و حکمت ہر ایک کا تقاضا ہے، اس میں متاع کراں مایہ کی حفاظت ہے اور خلاف ورزی میں کھلی ہوئی بربادی۔

تجربہ شاہد ہے کہ آج اہلیت اجتہاد تو درکنار ارشادات ائمہ کے مصادر و ماخذ سے کامل آشنائی بھی مفقود ہے، اہلیت کے بغیر منصب اجتہاد پر جنکں کا شوق اور اس کی جسارت نارا دایسے ہی دلوں میں ہوتی ہے جو خوف الہی سے غاری ہوں۔

## سوال (۶):

امام اعظم ابو حنیفہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شرعی احکام کی تخریج واستنباط کے لیے اصول وضع کیے دوسرے ائمہ مجتہدین بھی کسی نہ کسی طور سے ان کے فیض یافتہ ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ غیر مقلدین حضرت امام سے زیادہ انہیں کے خلاف صف آرا رہے ہیں؟

## جواب:

امام اعظم سے عداوت کوئی نئی چیز نہیں، خود ان کے زمانے کا واقعہ ہے، جسے خلیفہ نے بھی بیان کیا ہے کہ امام اوزاعی سے بیروت میں حضرت عبداللہ بن مبارک شاکر و امام ابو حنیفہ کی ملاقات ہوئی، انہوں نے یکساں کوفہ میں ابو حنیفہ کنیت رکھنے والا کون مبدع پیدا ہوا ہے؟ حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: میں اپنے گھر والوں کی فاقہ بلیت علی کتب ابی حنیفہ امام ابو حنیفہ کی کتابیں دیکھنی شروع کیں (اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی لکھی ہوئی کتابیں ان کے پاس موجود تھیں) ان کے کچھ مسائل منتخب کر کے لکھے اور سرخی یہ دلی افعال النعمان بن ثابت، پھر امام اوزاعی کے پاس گیا، مجھ سے وہ اوراق انہوں نے لے لیے اور مطالعہ کے بعد یہ کہہ کر نعمان بن ثابت کوں ہیں؟ ابن مبارک نے کہا ایک شیخ ہیں، جن سے عراق میں میری ملاقات ہوئی، فرمایا خدا نبیل من المشائخ، ابن مبارک نے بتایا: یہ وہی ابو حنیفہ ہیں، جن کا آپ نے ذکر کیا تھا۔ بعد میں امام اوزاعی کی ملاقات امام ابو حنیفہ سے مکہ میں ہوئی اور عبداللہ بن مبارک کے پیش کردہ مسائل اور دیگر مسائل پر گفتگو کے بعد انہوں نے امام اعظم کے تجرعلی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے قول سے استغفار کیا اور عبداللہ بن مبارک سے فرمایا: ابو حنیفہ کے بارے میں جو کہہ بتایا گیا تھا، میں نے انہیں اس کے برخلاف پایا، تم ان کی بارگاہ فیض سے دور رہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے عصر میں وہ حاسدین کی عداوتوں اور غلط پردہ پیگندوں کا نشانہ تھے۔

مگر اس تاریخی حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں کہ ابو حنیفہ وہ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے استنباط کے اصول قواعد وضع کیے اور فقہی احکام کی تدوین کی۔ دیگر ائمہ نے بھی ان سے استفادہ کیا، امام ابن حجر جزی شافعی نے الخیرات الحسنان میں جزیہ بن ہرون کی روایت لکھی ہے کہ امام سفیان ثوری نے کسی حیلے سے امام ابو حنیفہ کی کتاب البرہن کی نقل حاصل کی اور اس سے استفادہ کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم کی ایک تصنیف کتاب البرہن بھی تھی۔

بالفرض امام اعظم نے خود کوئی کتاب نہ لکھی، یا لکھی اور تائید ہو گئی، ان کا مذہب ان کے خلاف نہ قائم کیا گیا ثقافت نے زبانی طور پر اس کی روایت کی تو اس سے امام اعظم کی فقہی عظمت اور علمی جلالت پر حرف نہیں آتا۔ اہل مکہ میں سے حضرت علی، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کوئی کتاب نہ تھی

وخطاب ہے نہ پہلے کسی زمانے میں تھی لیکن تفسیر و حدیث اور فقہ میں ان حضرات کی عظمت شان سے کسی باخبر منصف و متحاب نہ کانٹا کر نہیں۔ آخر امام شافعی نے سارے لوگوں کو امام ابو حنیفہ کی عیال کیوں بتایا؟ خود اپنی اپنے استاذ امام محمد یا امام مالک رحمہم اللہ کی عیال نہیں بتایا؟ کیا امام شافعی بھی امام ابو حنیفہ کی تقلید جادہ یا اندھی عقیدت میں مبتلا تھے؟

بلکہ امام اللہ کی عیال نہیں بتایا؟ کیا امام شافعی بھی امام ابو حنیفہ کی تقلید جادہ یا اندھی عقیدت میں مبتلا تھے؟ میں سمجھتا ہوں کہ اہل انصاف جس امر کو امام اعظم کی اولیت اور عظمت شان کی دلیل سمجھتے ہیں، وہی اہل عناد کی عداوت و مخالفت کی بنیاد ہے، امام اعظم نے آزادانہ اجتہاد سے کام نہ لیا۔ بلکہ پہلے اجتہاد کے اصول و ضوابط مقرر کیے، دلائل کے مراتب اور ان کی حیثیتوں کا تعین کیا، پھر دلائل اور قواعد کی روشنی میں فروع و احکام کی تخریج فرمائی، دیگر ائمہ عادلین رحمہم اللہ نے بھی اس عادلانہ روش کی پیروی کی۔ مگر ان جب کسی کے سر میں آزادانہ اجتہاد یا ہوا سے قس کے مطابق انتخاب احکام کا سودا سامتا ہے تو یہ اصول و ضوابط اس کی آزادی طبع اور غلط روی کی راہ میں سنگ گراں ثابت ہوتے ہیں۔ اس لیے دل کا بخار اسی پر اترتا ہے، جس نے اس طریقے کی بنیاد لی۔

امام اعظم کے خلاف علم حدیث میں کم مائی کا پردہ پیکند بھی کوئی نہیں بنایا مگر امام ابو یوسف جو امام اعظم کے شاگرد اور ان کی مجلس فقہ کے رکن تھے، علم حدیث میں ان کے تہر اور مہارت کا اعتراف بڑے بڑے ائمہ نے کیا ہے، جس کے باعث اعدائے زمانہ کے لیے بھی مجال انکار نہیں، یہ امام ابو یوسف بیان کرتے ہیں کہ بعض اوقات امام ابو حنیفہ سے میرا اختلاف ہوتا اور کوئی فیصلہ نہ ہو پتا پھر میں محدثین کو فہم کے یہاں جاتا کہ میرے یا میرے شیخ کے قول کی تائید میں کوئی حدیث مل جائے، جس کے ذریعہ اختلاف کا تغیر ہو۔

مجھے امام کے قول کی تائید میں ایک دو حدیثیں مل جاتیں، میں اگر امام کو سنا تا، وہ قبول نہ کرتے، میں عرض کرتا یہ تو آپ کے قول کے موافق ہے، اسے آپ کیوں نہیں لیتے؟ وہ فرماتے اس میں فلاں فلاں علت قاذحہ ہے۔ اہل کوفہ کا علم حدیث مجھ سے مخفی نہیں، غور کیجئے جس شخص کی نظر اتنے جلیل القدر ائمہ حدیث سے فزوں تر ہو، خود اس کی حدیث دانی کا پابند کتنا بلند ہوگا؟ مگر تعصب و عناد کی بیماری کا کوئی علاج نہیں۔

محدث کا کام سونا چھن کرنا ہے اور ناقد کا کام پرکھ کر بتانا کہ کون سونا کتنا کھرا ہے کتنا کھوتا؟ اسی طرح محدث کا کام شناسش رواؤں کا ذخیرہ کرنا ہے اور فقیہ کا کام امراض اور مریضوں کی تشفی کے ساتھ ان دواؤں کا استعمال کرانا ہے، امام اعظم کے استاذ امام اعظم سے کچھ مسائل دریافت کیے گئے وہ بتا سکے۔ امام ابو حنیفہ سے پوچھا انہوں نے بتایا۔ استاذ نے پوچھا تم نے یہ جوابات کہاں سے اخذ کیے؟ عرض کیا فلاں فلاں حدیثوں سے، جو آپ نے اس اس سند سے مجھ سے بیان فرمائیں۔ فرمایا اے فقہا! تم لوگ طبیب ہو اور ہم محدثین عطار ہیں، اور ابو حنیفہ تم تو دونوں ہو۔ میں نے سونوں میں جو حدیثیں تم سے بیان کیں وہ ایک ساعت میں تم مجھے سنائے دے رہے ہو۔

دونوں واقعے الخیرات احسان لابن جریر استثنائی میں ہیں۔ پھر فقہ و اجتہاد کا کمال، علم حدیث میں مہارت کے بغیر تصور بھی نہیں، حدیث کے تمام مراحل اور شعبوں کو عبور کیے بغیر پایہ اجتہاد تک رسائی ناممکن ہے۔

سوال (۷):

تقلید شخصی کا مفہوم کیا ہے اور امت کو اس کی ضرورت کیوں ہے؟

جواب:

جو شخص اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتا مگر مجتہدین کے اقوال تک اس کی رسائی ہے اور سب شہر محقق مسائل کے علاوہ بڑی تعداد میں ایسے مسائل بھی ہیں جن میں مجتہدین کے نتائج فکر مختلف ہیں، ایسی حالت میں وہ کسی ایک ہی مجتہد کی پیروی کر سکتا ہے، اس کا نام تقلید شخصی ہے، اس کے لیے بھی اس مجتہد کے اصول و فروع کو جاننا، سمجھنا، پوچھنا، سمجھنا ضروری ہے اگر وہ ایک وقت دو مجتہد کے قول مثلاً جواز عدم جواز دونوں پر عمل کرنا چاہے تو یہ جمع نہیں کی آرزو ہوگی جس کا وقوع محال ہے اور اگر یہ چاہے کہ جس وقت جو آسان معلوم ہو اسے اپنالیا کرے تو یہ شریعت کی نہیں ہوا اسے نفس کی پیروی ہوگی اور اگر اسے یہ تکلیف دی جائے کہ تمام مذاہب کی تحقیق کرو، ہر قول کو کتاب و سنت اور قیاس و اجتہاد کی روشنی میں پرکھو، جو زیادہ درست اور مطابق دلائل نظر آئے اسے لے لو، دوسرے کو چھوڑ دو۔ تو یہ ایک عامی کی قوت و صلاحیت سے باہر ہے، جس کا وہ مکلف نہیں، وہ ساری عمر کھپا کر بھی اتنی اہلیت پیدا کرنے سے عاجز ہے پھر عمل کب کسے گا؟ قبر میں جانے کے بعد یا میدان قیامت میں؟ اور اگر کوئی عالم بے قید تیار ہو جائے کہ شخص زہمت کرنے کی ضرورت نہیں، میں نے تمام ائمہ کے اقوال و دلائل کی تحقیق تام فرمانے کے بعد ایک بے نظیر معجون مذاہب تیار کیا ہے، تم اسے لے لو اور حسب ضرورت استعمال کرتے رہو، اس میں ساری مشکلات سے نجات ہے اور ساری آسائشوں کا انتخاب لا جواب ہے۔ اب وہ شخص وہ نسخہ کیا یا چھ میں لے اور آنکھ بند کر کے اس پر عمل کرے تو یہ بارہ سو سال قبل کے کسی امام کو چھوڑ کر پندرہویں صدی کے ایک عالم بے قید کی تقلید شخصی ہوگی اور اگر اس کی پیروی دنیا کے غیر مقلدین سختی سے کار بند ہیں۔

مگر بقول شاد ولی اللہ محدث دہلوی ابتدائی دو صدیوں کے بعد سے ہی پوری دنیاے اسلام ایک امام مجتہد کی پابندی پر کار بند ہے، پھر فرق کیا رہا؟ صرف یہ کہ قدیم امام جو علم و تقویٰ، فقاہت و اجتہاد، عہد رسالت سے قرب وغیرہ ہر لحاظ سے اعلیٰ و اعظم تھا اسے چھوڑ کر آج کے ہر لحاظ سے ادنیٰ و پست شخص کی پیروی ہو۔

ایک امام معین کی پیروی بھی اسی لیے ہوتی ہے کہ وہ خدا اور رسول کے احکام سے ہمیں باخبر کرتا ہے اور جہاں جہاں اس نے خود اجتہاد کیا ہے تو اپنی طرف سے اس نے کوئی چیز حلال یا حرام نہیں ٹھہرائی ہے بلکہ نصوص

تحت دست میں نظر غائر کے نتیجے میں جس چیز کو اس نے خدا اور رسول کے یہاں حلال جانا ہے، اسے حلال بتایا ہے، تب حرام جانا ہے، اسے حرام بتایا ہے اور ہم نے اس کی دیانت و تقویٰ کا مشاہدہ اور اس کے رسوخ طلم کا تجربہ پاوا وسط بنے بعد اس پر اعتماد کیا ہے اور اس کے اقوال کو قبول کیا ہے۔

سوال (۸):

تقلید کی مخالفت کے پیچھے کیا واقعی "دعوة الی الکتاب والسنۃ" کا جذبہ کار فرما ہے؟

جواب:

غیر مقلدین نے پہلے تو بہت شد و مد کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ کتاب و سنت کی پیروی کرو، ائمہ کی پیروی شرک جلی ہے اور تمام مقلدین مشرک صراحۃً ہیں، وہ "إِنَّمَا تِلْكَ آيَاتُ الْكُفْرِ الَّتِي تَدْعُو إِلَى الْكُفْرِ وَالْجَاهِلِيَّةِ" کے مصداق ہیں، وہ ائمہ کی تحلیل و تحریم کو ان کے پیچاری ٹھہرے اس لیے چھ سو سال کی چوری امت شرک ناص پر گذری۔

اس دعوے کا تقاضا یہ تھا کہ غیر مقلدین ایسا مجموعہ احکام منظر عام پر لاتے جو صرف کتاب و سنت کی تصریحات پر مشتمل ہو اور کسی امام کے قیاس و اجتہاد اور تحلیل و تحریم سے بیکر خالی ہو، مگر یہ کام غیر مقلدین سے آج تک نہ ہوسکا۔ جیسے چکر الہوی فرقہ نے صرف کتاب اللہ کے اتباع کا نعرہ بلند کیا مگر کوئی ایسا نظام عمل پیش کرنے سے عاجز رہا جو صرف قرآن مجید کی تصریحات پر مشتمل اور تمام شعبہ ہائے زندگی پر حاوی ہو۔

غیر مقلدین کوئی ایک مسئلہ بھی ایسا نہ پیش کر سکے جو کتاب و سنت میں ان کے اجتہاد کا شرہ ہو۔ ان کا کارنامہ بس یہ رہا کہ بڑے بڑے خویش "تقلید جامعہ" سے ہٹ کر "تقلید سیال" پر آگئے۔ یعنی کسی ایک امام کا پورا مذاہب اختیار کرنے کے بجائے اپنی راحت بدن اور ہوائے نفس کے مطابق مختلف ائمہ کے مذاہب سے کچھ کچھ مسائل چننا کہ ایک معجون مرکب تیار کر لیا۔ اب وہ خود ہی بتائیں کہ ایک امام کی تحلیل و تحریم کو ماننے والا "إِنَّمَا تِلْكَ آيَاتُ الْكُفْرِ الَّتِي تَدْعُو إِلَى الْكُفْرِ وَالْجَاهِلِيَّةِ" کا مصداق ہو تو چند اماموں کی تحلیل و تحریم کو ماننے والا اس کا مصداق کیوں نہیں ہوا؟ تو کسی ایک جہر و راہب نہیں بلکہ بقول آپ کے واقعہ چند اجہار و رہبان کو بار بایں دون اللہ بتانے والا ہے، وہی تو اس کا سچا اور پورا پورا مصداق ہے۔

اگر یہ کہیں کہ ہم نے چند اجہار کو اپنی تحقیق اور اتباع کتاب و سنت کے تحت مانا ہے تو ایک امام کا مقلد بھی کہیں کہیں کہ ہم نے اپنے امام کو خدا یا رسول نہیں مانا ہے، بلکہ خدا کا بندہ، رسول کا امتی، ان کے ارشادات کا غواص اور ان کے احکام کا مبلغ ہی مانتا ہے اور ہمیں بھی تحقیق سے معلوم ہے کہ انھوں نے نہایت اخلاص و دیانت،

کمال علم و ادراک اور ذوق و آلات اجتہاد کے ساتھ کتاب و سنت کے سمندر میں غواصی کر کے احکام شریعت کے تابناک گہر نکالے ہیں اور ہم نے ہاتھوں ہاتھ لیے ہیں تاکہ خدا و رسول کی اطاعت اور زندگی کے ہر شعبے میں شریعتِ حق کی پیروی ہو سکے۔

الحاصل تقلید کی مخالفت کے پیچھے اتباعِ کتاب و سنت کا جذبہ کار فرما نہیں، بلکہ اتباعِ نفس کا جذبہ کار فرما ہے۔ یا ان ہی کے الفاظ میں "تقلید جامہ" سے ہٹ کر "تقلید سیال" کا راحت بخش داعیہ کار فرما ہے۔

### سوال (۹):

غیر مقلدیت کا وجود کب سے اور کیوں ہوا؟

جواب:

ہندوستان میں شاہ اسماعیل دہلوی نے اس کی تخم ریزی کی اور میاں جی نذیر حسین دہلوی نے اس کی کاشت چروائی، یعنی یہ پودا تیرہویں صدی کے ربیع دوم میں لگا دیا اور ربیع سوم چہارم میں پھل لگا دیا اور ایکٹ میں فروخت ہونے لگی۔

### سوال (۱۰):

غیر مقلدیت نے امت کو ائمہ اربعہ کی تقلید سے آزاد کرایا ہے یا کسی دوسری تقلید میں الجھا دیا ہے؟

جواب:

ایک نئی تقلید میں الجھا دیا ہے، آزادی تو جب ہوئی کہ ہر غیر مقلد مجتہد ہوتا اور الگ الگ اجتہاد سامنے آتا۔ کم از کم یہی ہوتا کہ مشائخ فہدین یا آئین باخبر، قراءت خلف الامام اور دوسرے صداہا مسائل میں کسی کو امام ابوحنیفہ کی دلیل و ذہنی معلوم ہوتی، کسی کو امام مالک کی، کسی کو امام شافعی یا امام احمد بن حنبل کی، اور ہر ایک اپنی تحقیق کے مطابق آزادی کے ساتھ بے روک ٹوک عمل کرتا۔

مگر صورت حال یہ ہے کہ ہزاروں غیر مقلد جنگلی اور گنوار ہیں جن کے لیے صحیح طور سے سورۃ کاغذ بڑھایا اور دکھا ہوا ترجمہ قرآن سمجھنا بھی دشوار ہے، وہ اجتہاد یا تحقیق کیا کر سکیں گے۔ کچھ غیر مقلد اگر عالم ہیں تو سب کا مذہب وہی ہے جو میاں جی اور ان کے محاصرہ و موافق رہنے سے شیت فرط اس کوئی شخص اس سے سرمو انحراف کرنا چاہا نظر نہیں آتا۔ نتیجہ سامنے ہے کہ نہ آزادانہ اجتہاد رہا، نہ آزاد تحقیق اور فکر و جستجو، ایک طے شدہ مقررہ اور اجہاد و رہبان کے ہاتھوں نئی کتابوں میں درج شدہ مذہب کی "تقلید جامہ" رہ گئی۔ اجتہاد تو ان کے یہاں کچھ تھا نہیں "تقلید سیال" بھی رخصت ہو گئی۔

### سوال (۱۱):

جماعت سلفیہ اور جماعت اہل حدیث میں کچھ فرق بھی ہے یا اختلاف صرف ناموں کا ہے؟

جواب:

اہل میں غیر مقلدین کا جب وجود ہوا اور ابن عبد الوہاب کا اعتقاد مذہب انھوں نے اپنا یا اور عمل میں مذہب ائمہ سے آزادی کا نعرہ بلند کیا تو مقلدین نے انھیں وہابی یا لاہ مذہب یا غیر مقلد کا نام دیا۔ کوئی نام انھیں پسند نہ آیا۔ انھوں نے باضی کی صدیوں کا مطالعہ کیا، باضی میں سلفی اور محدث یا اہل حدیث نام کے گروہ انھیں نظر آئے، یہ ہم انھیں انھیں لگے اور انھی سے اپنی تشبیہ گوارا کر لی، کبھی اپنے کو محمدی یا اثری بھی کہتے ہیں، شاید اور زیادہ اچھے نام کی تلاش بھی جاری ہے۔

### سوال (۱۲):

جماعت اہل حدیث کا اختلاف صرف فقہی ہے یا نظری و اعتقادی بھی ہے؟

جواب:

غیر مقلدین اعتقاد کتاب التوحید اور تقویۃ الایمان کے پابند ہیں اور عملاً ایک نئی تشکیل اور جدید تدوین کے، ان کی کچھ تفصیل جامع الشواہد میں محدث سورتی مولانا وحی احمد علیہ الرحمہ نے دی ہے۔

### سوال (۱۳):

غیر مقلدیت نے "دعوة الی الکتاب والسنة" کے نام پر امت کو متحد کیا یا اس کے انتشار کے نزدیک مسلمان ہم بچھا دیے؟

جواب:

امت ائمہ اربعہ کو برحق مانتے ہوئے اپنے اپنے امام کی تقلید پر مطمئن تھے غیر مقلدیت کے وجود میں آنے ہی انتشار اور جنگ و جدال کا ماحول برپا ہو گیا۔ فوجداری، مقدمہ کوٹ، کچہری سب کی نوبت آئی اور سلسلہ ب بھی جاری ہے۔

### سوال (۱۴):

عالمی تناظر میں مسلمانوں کے حوالے سے سعودی عرب کے منہی کردہ میں اس کی غیر مقلدیت کا کیا کردار ہے؟

جواب:

سعودی عرب میں رہنے والے شیوخ نجد کو غیر مقلدیت سے زیادہ عقیدہ دہائیت سے دلچسپی ہے اور ان کی وہ طاقت، دولت، افراد و خیرہ کے ذریعہ پھیلانے میں منہمک ہیں، وہ ضلیت کے مدعی ہیں مگر اقتدار پر قابض ہونے کے بعد دیگر مذاہب کے معاملے مسجد حرام سے ختم کر دیے۔ تعظیم واحترام کو عبادت اور شرک کہتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے آثار و مقابر کو احسان کا درجہ دیتے اور ان کی شکست و ریخت کو بت شکنی سمجھتے ہیں۔

سوال (۱۵):

کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے؟ اگر ہاں! تو کیوں؟ اور اگر نہیں تو عصر حاضر میں تحقیق و اجتہاد کی کون سی صورت ممکن یا واجب ہے؟

جواب:

اجتہاد کی اجازت اہلیت سے مشروط ہے اور وہ صدیوں سے مفقود ہے مگر ائمہ نے جامع اصولوں کی روشنی میں فروع کا جو ذخیرہ ہمیں دیا ہے، اس میں پیدا ہونے والے اکثر مسائل کا حل یعنی حل جاتا ہے اور کچھ کے لیے نظر و فکر و الحاق کی ضرورت پیش آتی ہے، یہ کام انفرادی و اجتماعی طور پر ہر دور میں ہوتا آیا ہے اور آج بھی جاری ہے۔ اسی لیے مقلدین کے یہاں ہر نئے مسئلے کا حل مل جاتا ہے اور غیر مقلدین کے یہاں بے شمار پرانے مسائل بھی ملتے ہیں۔



## باب ششم

مقدمے اور تقاریظ



## تعارف مصنف (۱)

امام احمد رضا، بریلی کا وہ فرزند نجیب، جس کا پورا خاندان شمیم علم و فن سے معطر ہے۔ جس کے والد امام  
 انصافین (۲) جو امجد ولی باکرامت اور صاحب علم و فتویٰ (۳) ظہیر اکبر حجۃ الاسلام۔ (۴) خلف اصغر مفتی  
 عظم (۵) تیسرے گرامی مفسر عظیم۔ (۶)

ایہ خاندان ہمہ اکتساب است۔

جس نے ۱۰ شوال ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۳ جون ۱۸۵۶ء بروز شنبہ فرس گیتی کو رونق بخشی، جس کا عہد طفلی  
 بہد شباب کا آئینہ دار۔ اور

بالائے سرش زہوش مندی

می یافت ستارۂ بلندی

کام صدیق۔ جس کا زمانہ طالب علمی اور طرز تعلیم ممتاز و منفرد کہ آٹھ برس کی عمر میں ہدایۃ الخو پڑھی اور عربی  
 میں اس کا حاشیہ لکھ ڈالا، اور حاشیہ بھی ایسا کہ بڑوں کو حیرت ہو۔ دس برس کی عمر میں عُسَلَمُ الثبوت پر اپنے والد و  
 بیٹے گرامی کے تحریر کردہ اعتراض و جواب پر مقام اعتراض کی ایسی تشریح لکھ دی کہ اعتراض واقع ہی نہیں ہو سکتا تھا، اور  
 بہت کم وقت کا عظیم و جلیل استاذ اسے دیکھ کر پکار اٹھا ”احمد رضام مجھ سے پڑھتے نہیں ہو، پڑھاتے ہو۔“

جو ۳۳ برس ۱۰ ماہ کی عمر میں دستارِ فضیلت سے سرفراز ہو کر ایشیائی ذمہ داریاں سنبھالتا ہے تو اکابر کی عقلیں  
 دیکھ رہ جاتی ہیں۔ جو مفتی ارشاد حسین صاحب رام پوری (۷) علیہ الرحمہ جیسے عظیم و کہنہ مشوق مفتی کا فتویٰ خلاف

(۱) مولانا محمد علی احمد رضا قادری، رئیس دارالاسلامی، مبارک پور ۱۹۷۹ء

(۲) حضرت مولانا قاضی علی خاں علیہ الرحمہ ۱۳۳۶ھ - ۱۳۹۷ھ

(۳) حضرت مولانا محمد خاں علیہ الرحمہ ۱۳۲۳ھ - ۱۳۸۲ھ

(۴) حضرت مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمہ ۱۳۶۳ھ - ۱۳۷۳ھ

(۵) آیتھی عظم حضرت مولانا مفتی رضا خاں ۱۳۶۰ھ - ۱۳۷۰ھ

(۶) حضرت مولانا محمد رفیع برضا خاں جیلانی میاں لندن حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ ۱۳۲۵ھ - ۱۳۸۵ھ

(۷) مولانا ۱۳۳۸ھ وفات ۱۳۶۱ھ

حقیقت ہونے پر "لینس بصواب" کا فیصلہ صادر کرتا ہے اور ایسا تحقیقی جواب پر قلم فرماتا ہے کہ موصوف اور دہلی ریاست پر امیر کے ساتھ وہاں کے تمام محاسن کے قلم کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ اسی بدلتی مناسبت جس کا شہسب قلم بندہ بیوں کی شراغیں یوں کے خلاف یوں رجز خوانی کرتے ہوئے یلغار کرتا ہے۔ ع

کلیک رہتا ہے غنجر خوں خود برق بار

اعدا سے کہہ دو خیر متائیں نہ شر کریں

جنے ۱۲۹۳ھ میں سید شاہ آں رسول، ہرودی علیہ الرحمہ (۱) کی طرف سے بیعت و خلافت کے ساتھ یہ تمغہ امتیاز بھی عطا ہوتا ہے کہ "اگر خدا مجھ سے پوچھے گا کہ آبل رسول تو میرے لیے کیا لایا؟ تو میں احمد رضا کو پیش کر دوں گا۔" ۱۲۹۵ھ میں بمقام مکرمہ بعد نماز مغرب، جس کی تقدس آثار پیشانی پر امام شافعیہ حضرت حسین بن صالح کی آنکھیں جم جاتی ہیں اور پکارا جھٹتے ہیں "اِنِّیْ لَا اَجِدُ نُوْرًا لِّلّٰہِ فِیْ ہٰذَا الْجَنِّیْنِ" میں اس پیشانی سے اللہ کا نور جھلکتا پارہا ہوں۔ علامہ موصوف ہی نہیں بلکہ حرمین کے اعظم و اکابر اس ۳۳ سالہ فاضل کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ جس کی زندگی ہم محرم الحرام ۱۳۰۱ھ ہجرات کو پتھر ہونے صدی کا ہلال طلوع ہوتے ہی شان مجددیت اختیار کرتی ہے، اور اس کا حقیقت نگار قلم جملہ علوم اہلحد و فریبہ رواں ہوتا ہے۔ جس سے تحقیق و تدقیق کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ اہل باطل کی بھرپور سرکوبی ہوتی ہے۔ اور اولاد بیضا کی حفاظت و صیانت کا ایسا عظیم کارنامہ انجام دیتا ہے کہ دنیا سے حقیقت شناس پکارا جھٹتے ہیں "اِنَّہٗ وَحِیْدُ الْعَصْرِ ہٰذَا مَنَازِعُ وَیَجِدُ ہٰذَا الْقَرْوِ ہٰذَا اَوْتِیَابُ" (۲)۔

جو ۱۳۲۳ھ میں جہازِ مقدس کی حاضری سے شرف یاب ہو کر "الدولة المکیة بالمادفة الغنیبة" اور "کِفْلُ الْفَقِیْہِ الْفَہِیْمِ فِیْ اَحْکَامِ قُرْطَاسِ الدَّرَہِمِ" جیسی کتابیں تصنیف کر کے ایوانِ شانی اور اکابرِ علم و فن سے خراج تحسین وصول کرتا ہے۔

جس کی زندگی عشقِ رسول سے سرشار۔ جس کے اشعار حبیبِ رسول کے آمینہ دار۔ جس کی تصانیف سلاطینِ علوم و فنون کا مرجع۔ جس کی تحقیق مخالف کے لیے مسکیت اور موافق کے لیے سکون بخش۔ جس کا فیضان علم پوری صدی کو محیط۔ اور ان شاء اللہ اگلی صدیوں تک جاری۔ جو بلاشبہ امامِ اہل حق اور مجددِ حق ہے۔ (۳)

(۱) یہ فتویٰ صحیح ہیں۔

(۲) (۲) زکات ۱۴۰۹ھ و زکات ۱۴۰۹ھ۔

(۳) یہ فیضانِ علم و فن و فنون کا مرکز و مدار ہے جس کا شمار اس صدی کے مجددوں میں ہے۔

۱۹۲۱ء کو اپنے معبودِ حقیقی سے جاملہ گرجا بھی اُس سے تائب رسول کے لختِ زندگی اور نورِ مفرحہ ۱۳۳۱ھ کے لیے مشعلِ راہ اور سامانِ ہدایت و بصیرت ہیں۔

حق کے بعد بھی زندہ ہے شانِ ہرہری تیری

خدا کی رحمتیں ہوں اے امیرِ کارواں تجھ پر

## تلخیص عید ثانی

رسالہ "وَسَاخُ الْجَبِیْدِ فِی تَحْلِیْلِ مُعَانَقَةِ الْعَیْدِ ۱۳۱۲ھ

اہلِ حضرت نے جب عید کا دعوتی دیا جو حصہ اول (عید اول) میں مرقوم ہے۔ اس میں اہلِ حضرت نے کتبِ فقہ کے حوالوں اور سولہ احادیثِ کریمہ سے معانقہ عید کا جواز ثابت کیا، اور مولوی اسماعیل دہلوی کی بھی ایک عبارت معانقہ عید کے جائز و مستحسن ہونے کے متعلق پیش کی۔ اس کے بعد بریلی کے ایک مولانا صاحب نے اُس فتوے اہلِ حضرت کے مقابلہ میں مولانا عبدالحی صاحب فرنگی علی کا ایک فتویٰ پیش کیا اور اپنی طرف سے کچھ عبارتیں حایہ مجموعہ الفتاویٰ عبدالحی پر لکھ بھیجیں۔ مولانا فرنگی علی کے فتویٰ میں یہ ہے کہ "معانقہ و معانقہ عید میں اختلافِ علم ہے، ترک بہتر ہے۔" حاشیہ بریلی کے مولوی صاحب کی درج کردہ عبارتوں میں یہ نیا دلیل مذکور ہیں، جن سے موصوف نے معانقہ عید کا عدم جواز ثابت کرنا چاہا ہے:

(۱) "معانقہ" کا موقع ابتدائے ملاقات ہے، نمازوں کے بعد نہیں۔

(۲) "خاص" خاص "معانقہ" روافض کا طریقہ ہے۔

(۳) صحابہ کرام نے یہ خاص "معانقہ" نہ کیا۔

کا رہے ان دلیلوں میں صرف معانقہ کا ذکر ہے، ان سے معانقہ کا ناجائز ہونا مرگز ثابت نہ ہوتا تھا۔ مگر اہلِ حضرت نے اثباتِ حق اور ابطالِ باطل کی خاطر ان باتوں کا دس التماسوں میں جواب لکھ بیجا، جو تصنیفِ کتاب میں مذکور ہیں۔ یہاں آسانی کے لیے ان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

اول: نبیون تا فریق علی کا مجموعہ فتاویٰ میں نے مستدکب نامک آپ اسے میرے مدلل فتوے کے جواب میں ذکر ہے ہیں اور خود آپ اسے سب کے لیے مستدکب بھیجے ہیں تو اس کا مستند ہونا دلیل سے ثابت کرنا تھا۔

دوم: جو، نبین معانقہ فتوے لکھتے سے استدلال کرتے ہیں وہ اسی مجموعہ فتاویٰ کی ان بہت ساری ہدات کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو ان کے مذہب کے خلاف ہیں بلکہ ان کے مذہب کی جڑیں اکھاڑ پھینکنے

دہلی ہیں۔ جیسے: اس مجموعہ فتاویٰ میں بہت سی بدعتوں اور نو ایجاد چیزوں کو جائز و مستحسن لکھا ہے۔ مثل نماز کو جائز بتایا ہے جب کہ یہ مذہب بائعین میں شرک ہے۔

سوم: فتوای فرنگی محل میں معانفہ عید سے متعلق صرف اتنا ہے کہ "اس کا نہ کرنا بہتر ہے۔" اس علم سے معانفہ عید کا ناجائز ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ فقہا کی عبارتوں سے ثابت ہے کہ ترک بہتر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کرنا جائز ہے، ممنوع نہیں۔

چہارم: حاشیہ پر رد المحتار اور مرقات کی نقل کردہ عبارتوں میں معانفہ عید کا دوسرے سے ذکر ہی نہیں پھر انھیں معانفہ عید کی ممانعت کے ثبوت میں پیش کرنا ہی درست نہیں۔ ان عبارتوں میں محض مصافحہ کا ذکر ہے۔ اور آپ مجتہد نہیں کہ ایک مسئلہ کو دوسرے پر قیاس کریں۔

اگر یہ کہیں کہ جو دلیلیں ممانعت مصافحہ میں ہیں وہی ممانعت معانفہ میں بھی جاری ہوں گی۔ تو یہاں بھی نہیں۔ (۱) پہلی دلیل: "مصافحہ کا موقع ابتداء ملاقات ہے۔" اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ "معانفہ کا موقع بھی ابتداء ملاقات ہے۔" معانفہ مثل مصافحہ نہیں۔ مثل تفصیل ہے۔ بصورت جائزہ بوسہ دینے کا وقت جس طرح خاص نہیں ہوتا ہی معانفہ کا بھی وقت خاص نہیں۔ ہماری پیش کردہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ ہر عالم رحمۃ اللہ علیہ نے ابتداء ملاقات کے علاوہ حالات میں بھی معانفہ کیا۔

(۲) دوسری دلیل (مصافحہ بعد خیر و عصر سنت روافض ہے) کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ "مصافحہ" کسی وقت کے رافضیوں نے ایجاد کیا اور ان کا شعائر خاص رہا۔ اس وجہ سے اس وقت کے علما نے سنوں کے لیے اسے ناپسند رکھا تو اس سے معانفہ کا ناجائز ہونا یوں لکھیے ثابت ہوا۔

پہلے تو مصافحہ بعد خیر و عصر ہی کے بارے میں ثابت کیجیے کہ یہ رافضیوں کی ایجاد اور ان کا شعائر خاص ہے ورنہ کوئی جائز کام کسی مذہب کے کرنے سے ناجائز یا مکروہ نہیں ہو سکتا۔ لاکھوں باتیں ہیں جن کے کرنے میں سنی، رافضی، بلکہ مسلم و کافر سب شریک ہیں، کیا وہ صرف بدعت ہوں اور کافروں کی شرکت کی بنا پر ناجائز ہو جائیں گی۔ کتب متبرہ سے ثابت ہے کہ بدعت ہوں سے مشابہت صرف تین صورتوں میں ممنوع ہے: (۱) وہ امر خود شرعاً برا ہو۔ (۲) اس قوم کا شعائر خاص ہو۔ (۳) کرنے والے کو ان سے مشابہت پیدا کرنی مقصود ہو۔ اگر یہ تین صورتیں نہیں ہیں تو ممانعت بھی نہیں ہے۔

(۳) تیسری دلیل یہ کہ "یہ خاص مصافحہ صحابہ کرام نے نہیں کیا" یہ بات معانفہ عید میں بھی جاری ہو سکتی ہے مگر صحابہ کرام کا محض نہ کرنا کسی امر کے ناجائز ہونے کی دلیل ہرگز نہیں، آپ ہی کی مستند کتب مجموعہ فتاویٰ

فتاویٰ، رد المحتار، مرقات اور سیکڑوں مستبر کتابوں سے آپ کی اس دلیل کا باطل ہونا ثابت ہے۔ فقہائے کرام فقہی سے امور کے متعلق صراحت کرتے ہیں کہ یہ بدعت ہیں زمانہ صحابہ و تابعین میں نہ تھیں، مگر انھیں جائز و بہت سے امور کے متعلق صراحت بھی بتاتے ہیں اور بدعت صرف حرام ہی نہیں ہوتی بلکہ بہ تصریح فقہائے کرام حرام، منہج بلکہ بعض کو واجب بھی بتاتے ہیں اور بدعت صرف حرام ہی نہیں ہوتی بلکہ بہ تصریح فقہائے کرام حرام، منہج بلکہ بعض کو واجب، مندوب، مباح، یا حرج طرح کی ہوتی ہے۔

کردہ واجب، مندوب، مباح، یا حرج طرح کی ہوتی ہے۔ چہم: اگر جناب نے ممانعت مصافحہ سے متعلق رد المحتار اور مرقات کی یہ عبارت دیکھیں تو سیکڑوں وہ جہدیں بھی دیکھنی چاہیے تھیں جن میں اسی مصافحہ بعد خیر و عصر بلکہ مصافحہ بعد نماز پنجگانہ کو جائز و مباح لکھا ہے۔ اور اختلاف عبارت کی صورت میں ترجیح تلاش کرنی تھی، اگر ترجیح آپ کی نظر سے نہ گزری تو ہم بخوانے کتب بتاتے ہیں کہ اس مصافحہ کا جائز ہونا ہی رائج ہے۔ افسوس کہ آپ نے محض دو عبارتیں دیکھ لیں اور سیکڑوں عبارتیں نظر عالی سے رہ گئیں۔

حشم: اس سبب کی تفصیل بحث میں مصافحہ بعد نماز کا مسئلہ بھی صاف ہو گیا۔ اور آپ کی تینوں دلیلوں کا کزور و غلیل ہونا بھی منکشف ہو گیا۔ تیسری دلیل (عصر فعل صحابہ) پر صراحت کلام کزور۔ پہلی دلیل (مصافحہ ابتداء ملاقات سے خاص ہے) اس کا جواب کھلم کھلا شرح ابن عیینہ و نسیم الریاض سے واضح ہوا کہ بعد خیر نماز ملنا بھی ابتداء ملاقات ہے کہ مصلی نماز کی حالت میں اپنے رب کے حضور حاضر اور مخلوق سے غائب تھا بعد سلام حقوق کی طرف متوجہ ہوا اب ملاقات ابتداء ملاقات ہے۔ لہذا یہ مصافحہ ابتداء ملاقات کا مصافحہ ہے۔

دوسری دلیل (مصافحہ سنت روافض ہے) اس کے متعلق گزرا کہ بدعت ہوں کی مشابہت صرف تین صورتوں میں بری ہے ورنہ نہیں۔ اتنا اور سن لیجیے کہ کسی باطل فرقہ کی سنت اسی وقت تک پرہیز کے قابل رہتی ہے جب تک ان کی سنت رہے۔ اگر ان سے رواج اٹھ گیا تو اب وہ قابل پرہیز نہ رہی۔ مصافحہ بعد نماز بھی سنت روافض رہا اب وہ نہیں۔ لہذا ممانعت مصافحہ کی اس علت کا اب سرے سے وجود ہی نہ رہا۔

نہم: آپ نے عبارت مرقات بہت کم نقل کی ورنہ اسی عبارت کے بعد یہ حکم تھا کہ اگر قبل نماز ملاقات نہ ہو تو بعد نماز مصافحہ کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ مصافحہ سے پہلے سلام بھی کرے۔ اس عبارت کے پیش نظر معانفہ عید میں بھی تو کہا جاسکتا ہے کہ اگر قبل نماز ملاقات نہ ہو تو بعد نماز مصافحہ کر سکتا ہے۔ لہذا اسی مرقات کے طور پر ثابت ہو جائے کہ مصافحہ و معانفہ ان لوگوں کے لیے بالکل ممنوع نہیں۔ جنھوں نے قبل نماز باہم ملاقات نہ کی ہو۔

حشم: اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اسی عبارت کے متحمل، اسی مرقات میں بائعین کے مخالف ایک حدیث طویل و مفید تھی، جناب نے وہ بھی نقل نہ فرمائی کہ "اگر قبل نماز باہم ملاقات ہو چکی ہے تو بعد نماز مصافحہ

کر دہ ہونے کے باوجود اگر کوئی مسلمان مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے تو یہ اس سے ہاتھ نہ کھینچے بلکہ مصافحہ کرے۔ کیوں کہ ترک مصافحہ میں صرف ایک ادب و ادلی کی رعایت ہے اور ہاتھ کھینچ لینے میں دل مسلم کی ایذا جس سے اعتدال رعایت ادب سے بڑھ کر ہے۔ لہذا اس صورت میں کراہت نہیں۔ "جوازیت ترک مصافحہ سے ہوگی ترک مصافحہ سے بھی ہوگی، تو مصافحہ میں بھی حرقات کا وہی حکم جاری ہوگا۔ اب اگر آپ کو حرقات پر عمل ہے تو صاف صاف کہہ دیجیے کہ بعد عید جو شخص مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے، اس سے انکار ہرگز نہ کیا جائے، بلکہ فوراً مصافحہ کر لیں۔

ہم انہی ان تحقیقات سے روشن و واضح ہو گیا کہ مصافحہ عید کو بدعت مذمومہ سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ مصافحہ عید کو اپنی اصلیت کے لحاظ سے سنت، اور خصوصاً بعد عید کے لحاظ سے مباح ہے اور مباح کام نیک انسان سے ہو تو حسن ہے۔ رد التحار کی عبارت آپ نے پیش کی تھی کہ جب کوئی حکم سنت و بدعت کے درمیان دائر ہو تو ترک سنت اور کتاب بدعت پر ترجیح ہوگی۔ اس کا جواب ہماری تحقیق سے ظاہر ہو گیا کہ اس عبارت کو مصافحہ عید سے کوئی تعلق نہیں کہ وہاں بدعت سے مراد بدعت مذمومہ ہے۔ جب تو اس سے بچنے کے لیے سنت کا چھوڑنا تک گوارا کیا۔ ورنہ بدعت مباحہ سے بچنا خود ہی مطلوب نہیں، اس کے باعث بھلائی سنت کو چھوڑنے کا حکم کیوں ہوگا۔

الغرض جب مصافحہ عید کو بدعت سیر سے کوئی تعلق نہیں تو اس سے ممانعت کی بھی کوئی وجہ نہیں۔ و ہم میرے فتویٰ میں میاں اسماعیل دہلوی کی بھی عبارت تھی جس میں مصافحہ عید کو صراحتاً حسن بتایا ہے آپ نے اس عبارت کو ہاتھ نہ لگایا، اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) ایک تو یہ کہ حسب طرزِ ماضی صرف اس کی باطل و بے کار باتیں قابل قبول ہیں۔ یعنی جو باتیں اسی کے بنیادی اصول کے خلاف ہیں وہ بالکل باطل التفات ہیں۔ (۲) دوسری وہ جس کی جناب سے امید ہے کہ اس کی عبارت سے آپ کو کچھ کام نہیں، اس کی جو بات حرقات، رد التحار وغیرہ بالکل فتوے مولوی لکھنوی کے خلاف ہو قابل قبول نہیں۔ اگر یہ مؤخر الذکر صورت ہے تو اس کی صراحت فرمادیجیے۔ اس طرح بہت سے اختلافی مسائل کا نہایت خوبصورت طریقہ یہ فیصلہ ہو جائے گا، اور شخص مذکور کی مخالفت و گمراہی کے فیصلے میں ہم اور آپ حقیق ہو کر حق صریح کے اعلان میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہو جائیں گے۔ و باقہ التوفیق والوصول الی سواء الطریق۔

محمد احمد اعظمی مصباحی

بھیرہ، ولید پور، اعظم گڑھ

۱۴ شعبان ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۰ جولائی ۱۹۷۹ء



## تقریب

بسم الله الرحمن الرحيم  
حامداً و مُصلِياً و مُسْلِماً

زیر نظر کتاب "امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات" کا خاکہ پانچ برس پہلے تیار ہوا۔ مؤلف محترم نے "رد بدعات و منکرات" کا مسودہ بھی ان ہی دنوں تیار کر لیا۔ پھر خیال ہوا کہ امام احمد رضا کی خدمات اور علوم و معارف کا بھی اجمالی تذکرہ شامل ہو۔ یہ کام وقتاً فوقتاً ہوتا رہا اور جہاں تک مجھے یاد آتا ہے تین سال پہلے اس کی تکمیل بھی ہو گئی۔ احباب اور شائقین کے لیے صبراً زما مرحلہ پوری کتاب کی تیئیس کا تھا۔ وہ بھی کسی طرح اہتمام کو پہنچا۔ اس طویل عرصے میں اصل مسودہ پر بار بار محترم مولانا یحیٰ بن اختر مصباحی صاحب جابجا اضافہ اور تخریج کام بھی کرتے رہے۔ اور اب ہم بے سرو سامانوں کے لیے مقام مسرت ہے کہ کتابت و طباعت کے حق و شہرہ مراحل سے گزرتے ہوئے یہ گراں قدر اور محبوب کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

امام احمد رضائے علمی تحقیقات اور فنی تحقیقات کے جو انمول مولوی اپنی تصانیف میں جلوہ آفرمائے ہیں ان کا اعتراف غیردوں کو بھی ہے۔ اسی طرح دین حنیف اور فقہ حنفی کی جول زوال خدمات امام موصوف قدس سرہ نے انجام دیں ان کے اعتراف پر بھی سبھی مجبور ہیں۔ حق

جس ست آگئے ہوئے تھے بھلا دیے ہیں

لیکن ان کے تمام مناقب و فضائل کے خزانے میں ایک "عیب" بھی ہے۔ زبردست عیب، وہی عیب ہے شمشہر نے فرمایا: حق

بہر چشمِ عداوت بزرگ تریبے ست

ان کا عیب یہی ہے کہ وہ حق

بامسلمان اللہ اللہ بابر ہمن نام نام

والے مذہب صلح کل کے قائل نہ تھے۔ ان کے یہاں دوستی اور دشمنی دونوں کا ایک پختہ نظر یہ موجود تھا۔





میں حکم شرعی خلاف درزی، دھوکے کی بدعت، قبیحہ اور وہ کون سا منکر و منہج ہے جس کی اس نے ہموالی کی ہو؟  
 ذرا اس کے آفتابِ فکر کی نیلیا میں اس کا رخ روشن پچانو۔ دیکھو یہ کس کی تاشیں ہیں؟

①

ایک شخص ہمیشہ قبول اس طرح کرتا ہے کہ اس کی ظہر کی جماعت اولیٰ ترک ہو جاتی ہے اور غرض اس خوف فوت تہجد سے۔ جائز ہے یا نہ؟

فرماتے ہیں: اس مسئلہ میں جواب حق و حق جواب یہ ہے کہ عذر مذکور کی سوال میرے سے ہے اللہ  
سراپا اہمال ہے۔ وہ زعم کرتا ہے کہ سنتِ تہجد کا حفظ وہ اس سے تقویت جماعت پر باعث ہوتا ہے۔ اگر تہجد راجح  
سنت اور اگر تاوہ خود رفعت واجب ہے اس کی محافظت کرتا۔ کہ التافوت کا سبب ہوتا۔ قال اللہ عزوجل  
إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ۔ بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔  
سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علیکم بقیام اللیل فیہ داب الصالحین قبلکم و قربۃ الی اللہ تعالیٰ ومنہاء عن الإثم  
وتکفیر للسیئات ومطرۃ للداء عن الجسد (رواہ الترمذی فی جامعہ، وابن أبی الدنیا  
التہجد، وابن خزیمہ فی صحیحہ، والحاکم فی المستدرک وصحیحہ، والبیہقی فی سنن  
عن أبی امامۃ الباہلی (۲) وأحمد، والترمذی وحسنہ، والحاکم، والبیہقی عن ہلال (۳)  
والطبرانی فی الکبیر، عن سلمان الفارسی (۴) وابن السنی عن جابر بن عبد اللہ (۵) وابن  
عساکر عن أبی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم أجمعین (ص: ۲۳۰، فتاویٰ رضویہ، ج ۳)  
تجسّس ملازمت کر کہ وہ اگلوں کی عادت ہے اور اللہ عزوجل سے نزدیک کرنے والا اور گناہوں سے دور کرنے  
والا اور برائیوں کا گتہ رواہ اور بدین سے بچاؤی دور کرنے والا۔

توفیق جماعت کا الزام تجھ کے سر رکھن قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ اگر میزان شرع مطمئن کر، اپنے احوال و افعال تولے، تو مکمل جائے گی کہ یہ الزام خود اسی کے سر تھا۔

یا لھذا: سنت ادا کیا جاتا ہے تو رواج سنت ادا کر۔ یہ کیا کہ سنت لیجے اور واجب فوت کیجے۔ نفاقوں بوش کن اگرچہ حق تلخ نزرے۔ دوسرے والے والے نے تجھے یہ جھوٹا بہانہ سکھایا کہ اسے مقتدیان زمانہ پر قدس کرے۔ جس کا خیال ازغیبات تہجد کی طرف جائے، تجھے تقویٰ جماعت کی اجازت دے۔ جس کی نظر بکلیات جماعت پر جائے، تجھے ترک تہجد کی مشورت دے کہ مگر اِطاعت بیلینین اختیار اھو نہما بہر مال مفید

تاکید نہ لیکے کے ترک کی دستاویز نقد ہے۔  
مگر حاشا! خدامِ فقہ و حدیث، نہ جتنے تقویت واجب کا فتویٰ دس گے نہ عادی تہجد و ترک تہجد کی ہدایت  
حضور سید الاسماء علیہ السلام:

”یا عبد اللہ! لا تکن مثل فلان کان یقوم اللیل فترک قیام اللیل“ (رواہ الترمذی عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کا خلاف کریں گے۔ ان میں کوئی دوسرے کی تقویت کا داعی نہیں۔ بلکہ یہ ہوائے نفس شریر و سوائے خود فحاشی (پیدا) ہوا۔

(۱) ملاحظہ: اگر تو وقت جماعت جاگتا ہوگا، اور بطلب آرام بڈار ہوتا ہے۔ جب تو صراحتہ آثم و تارکب ہوگا اور اس غدر باطل میں مبتلا و کاذب ہے۔ سید عالم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

الحقّاء ثلّ الخفاء، والكفر والنفاق من سميع مُنَادِي اللّٰهِ يَنَادِي إِلَى الصَّلَاةِ فَلَا يُجِيبُهُ.

(۲) اور اگر ایسا نہیں تو کہنی حالت جانچ کر یہ نقشہ خواب کیوں کر جاگا؟ (۱) اس مجھے پریشان جائے۔ ۱۲

(الف) کیا تو قبول ایسے تنگ وقت کرتا ہے کہ وقت جماعت نزدیک ہوتا ہے۔ ناچار ہوشیار نہیں ہوتے۔  
 پہانیں سے تاویل وقت خواب کر۔ اولیائے کرام قَدْ سَمِعُوا اللہ تعالیٰ بِأَسْرَارِہِمُ نے قبولہ کے لیے غلیظ  
 وقت رکھا ہے، جس میں نماز و تلاوت نہیں۔ یعنی صُحُور کبھی سے نصف انہار تک۔ وہ فرماتے ہیں کہ چاشت  
 وغیرہ فارغ ہو کر خواب خوب ہے کہ اس سے جہد میں مدد ملتی ہے۔ اور ٹھیک دو پہر ہونے سے صبح و عصر  
 پہانہ چاہیے کہ پیش از زوال و صُحُور وغیرہ سے فارغ ہو کر وقت زوال کہ ابتدائے ظہر ہے، ذکر و تلاوت میں مشغول  
 ہو جائے کہ جو پیش از زوال، بعد از غما اس سے فوت جماعت کے کوئی معنی ہی نہیں۔

(ب) کیا اس وقت سونے میں تجھے کچھ عذر ہے؟ اچھا! ٹھیک دوپہر کو سو مگر نہ اتنا کہ وقت جماعت آجئے۔ ایک ساعت قلیلہ قبول نہ بس۔

اگر طول خواب سے خوف کرتا ہے:

(۱) تکیہ نہ رکھ۔ پچھو تانہ بچھا۔ کہ بے تکیہ وہ بستر سونا بھی مسنون ہے۔

(۲) سوتے وقت دل کو خیال جماعت سے خوب مشغول رکھ کر فکر کی خینہ خالی نہیں ہونی۔

(۳) کھانا حتی الامکان علی الصبح کھا، کہ وقتِ نوم تک بحسناتِ طعام فرو ہو لیں اور طولِ صبح باعث نہ ہوں۔

(۴) سب سے بہتر علاج تغذیلِ غذا ہے۔ سید المرسلین علیہم السلام فرماتے ہیں:

فاملا اس ادم وعاء شراً من بطنه بحسب ابن آدم اكلات يغفن ضلته فان كان لا محالة فثلث لطعامه وثلث لشره وثلث لنفسه۔ رواه الترمذی وحسنه وابن ماجہ وابن حبان عن المقدم بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

آدمی نے کوئی برتن پیٹ سے بدتر نہ بھرا۔ آدمی کو بہت ہیں چند لقمے جو اس کی پیٹھ سیدھی رکھیں۔ اور اگر یوں نہ کرے تو تہائی پیٹ کھانے کے لیے، تہائی پانی، تہائی سانس کے لیے۔

پیٹ بھر کر قیام لیل کا شوق رکھنا ہاتھ سے بچنا چاہئے۔ جو بہت کھائے گا، بہت پیے گا۔ جو بہت پیے گا، بہت سوئے گا۔ جو بہت سوئے گا، آپ ہی خیراتِ دہر کاٹ کھوئے گا۔

(۵) یوں بھی نہ کرے تو قیام لیل میں تخفیف کر۔ دو رکتیں خفیف و تام۔ بعدِ عشاء اڑا سونے کے بعد شب میں کسی وقت چڑھی۔ رچ آدمی رات سے پہلے۔ اداے تہجد کو بس ہیں۔ مثلاً نو بجے عشاء پڑھ کر سہ پہلے دس بجے اٹھ کر دو رکتیں پڑھ لیں۔ تہجد ہو گیا۔

(۶) سوتے وقت اللہ عزوجل سے توفیقِ جماعت کی دعا اور اس پر سچا توکل۔ مولیٰ تبارک و تعالیٰ جب عز و حسن نیت و صدق عزیمت دیکھے گا ضرور تیری مدد فرمائے گا۔ من یتوکل علی اللہ فہو حسنہ۔

(۷) اپنے اہل خانہ و غیر ہم سے کسی مستند کو متعین کر کہ وقتِ جماعت سے پہلے جگادے کھانا و کُل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلا لا رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیلۃ النحر میں۔

ان ساتوں تدبیروں کے بعد کسی وقت سوئے، ان شاء اللہ تعالیٰ فوتِ جماعت سے محفوظ رہی ہوگی۔ اور اگر شاید اتفاق سے کسی دن آنکھ نہ بھی کھلی اور جگانے والا بھی بھول گیا۔ یا سو رہا۔ کما وقع لسلیمان بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو یہ اتفاقِ عذرِ مسموع ہوگا۔ اور امید ہے کہ صدق نیت و حسن تدبیر پر ثوابِ جماعت پائے گا۔ وباللہ التوفیق۔

(ج) کیا تیری مسجد میں بہت اول وقتِ جماعت کرتے ہیں کہ دو پہر سے اس تک سونے کا وقت نہیں؟

جب تو ساری راتوں سے چھوٹ گیا۔ سو کر پڑھی۔ یا پڑھ کر سوئے۔ بات تو ایک ہی ہے جماعت پڑھ ہی کر نہ ۲۰ نئے کہ خوفِ فوتِ اصناف رہے جیسے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم روزِ جمعہ کیا کرتے تھے۔

غرض یہ تین صورتیں ہیں۔ (۱) پیش از زوال سواٹھن (۲) بعدِ جماعت سونا۔ ان میں ولی خدشہ ہی نہیں۔

(۳) اور تیسری صورت میں وہ سات تدبیریں ہیں۔

(۴) رب عزوجل سے ڈرے۔ اور بصدق عزیمت ان پر عمل کرے۔ پھر دیکھیں یوں کر تہجدِ تعزیرت جماعت کا موجب ہوتا ہے۔

باجملہ نہ ماہِ نیم ماہ۔ کہ مہرِ نیم روز کی طرح روشن ہوا کہ عذر مذکور بکسر مد فوج و محض نامسوم۔ جماعت و تہجد میں اصنافِ تعارض نہیں کہ ایک کا حفظ دوسرے کے ترک کی دستاویز بنیگی۔ اور یوں یہ تعذر منع، راہِ ترجیح بنیگی۔ ہذا

هو حق الجواب۔ واللہ الہادی الی سبیل الصواب۔

اس میں ہمہ اگر بالکل خلاف واقعہ و بیکار طور پر یہی مان لینا ضروری کہ جماعت و تہجد میں تعارض ہے لہذا ایک کی ادائی ہوئی دوسرے کو ترک کرنا ہوگا۔ اب ترجیحِ جماعت کو دینا تہجد کو؟ تو تہجد کی ترجیح محض باطل و مجبور۔

(۱) اگر حسب تصریح عامر کتب، تہجد مستحب و حسب اختیار جمہور مشائخِ جماعت واجب مانے، جب تو ظاہر کہ واجب و مستحب کی کیا برتری؟ نہ کہ اس کو اس پر تغذیل و برتری!

(۲) اور اگر تہجد میں اعلیٰ الاقوال کی طرف ترقی اور جماعت میں ادنیٰ الاحوال کی جانب تنزل کر کے دونوں کوست ہی مانے۔ تاہم تہجد کو جماعت سے کچھ نسبت نہیں۔

جماعت پر تقدیرِ سنت بھی تمام سنن حتیٰ کہ سنتِ فجر سے بھی اہم و اگلد و اعظم ہے۔ لہذا اگر امام کو نمازِ فجر میں پائے اور کچھ کے سنتیں پڑھے گا تو تشہد نہ ملے گا۔ تو بالا جماع سنتیں ترک کر کے جماعت میں مل جائے۔

اور سنتِ فجر بالا اتفاق بقیہ تمام سنن سے افضل۔ پھر مذہبِ اصح پر سنتِ قبلیہ ظہر بقیہ سنن سے اگلد ہیں اور یہ شمس الاممۃ حلوانی کے نزدیک سنتِ فجر کے بعد افضل و اگلد رکتیں مغرب ہیں۔ پھر رکتیں ظہر۔ پھر رکتیں عشاء۔ پھر قبلیہ ظہر۔ پھر شک نہیں کہ ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک سب سنن رواتب، تہجد سے اہم و اگلد ہیں۔ ولہذا ہمارے عمامن رواتب کی نسبت فرماتے ہیں: إنها لیتاخذھا اشدہت الفریضة۔

(یہ نوکد ہونے کے باعث فرض کے مشابہ ہیں) اور کسی مذہبِ جمہور و مشربِ منصور ہے۔ تو تہجد جماعت کے کمتر از کمتر سے کمتر۔ پانچویں درجہ میں واقع ہے۔ سب سے اگلد جماعت۔ پھر سنتِ فجر۔ پھر قبلیہ ظہر۔ پھر باقی رواتب۔ پھر تہجد وغیرہ سنن و نوافل۔

اور دوسرے قول پر تو کہیں ساتویں درجے میں جا کر پڑے گا۔ سب سے اونیٰ جماعت۔ پھر سنتِ فجر۔ پھر سنتِ مغرب۔ پھر بعدِ ظہر۔ پھر بعدِ عشاء۔ پھر قبلیہ ظہر۔ پھر تہجد وغیرہ۔

پس تہجد و سنت خبر آرہی جماعت سے افضل کیا، برابر کہنے کی بھی اصلاً کوئی راہ نہیں۔ نہ کہ مستحب مان کر  
اگر کیسے یہاں کلام جماعت اولیٰ میں ہے کہ سوال میں اس کی تصریح موجود۔ اور واجب یا اس اعلیٰ درجہ کی  
موکہ "مطلق جماعت" ہے۔ نہ خاص جماعت اولیٰ۔ بلکہ وہ صرف افضل و اولیٰ اور فضل تہجد اس سے اعلیٰ  
اعلیٰ۔ تو حفظ تہجد کے لیے ترک اولیٰ جائز و روا۔ اگرچہ افضل، امتیاز و آداب۔

اقول: یہ تاویل و تفریع، سراسر بے اصل و احادیث شنیعہ۔ زہار زہار! ہرگز جائز نہیں کہ بے عذر مقبول  
شرعی۔ جماعت ثانیہ کے بھروسے پر جماعت اولیٰ قصد اچھوڑ دیجیے۔ اور دوائی الہی کی اجابت نہ کیجیے۔ جماعت  
ثانیہ کی تشریع اس غرض سے ہے کہ احیاناً بعض مسلمین کسی عذر صحیح منکر مدافعت اخیشین۔ یا حاجت طام و فحشا  
کے باعث جماعت اولیٰ سے رو جائیں، وہ برکت جماعت سے مطلقاً محرومی نہ پائیں۔ بے اعلان و تعالیٰ (یعنی بے  
اذان) محراب سے جدا ایک گوشے میں جماعت کر لیں۔ نہ کہ اذان ہوتی رہے۔ دوائی الہی پکار کرے۔ جماعت  
اولیٰ ہو کرے۔ مزے سے گھر میں بیٹھے باتیں یا پاؤں پھیرا کر آرام فرمائیں کہ جگلت کیا ہے؟ ہم اور کر لیں  
گئے۔ یہ قطعاً بیخدا بدعت سیئہ شنیعہ ہے۔ (۱)

اس فرقے میں ایک خاص قابل توجہ امر ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کی حیثیت  
صرف ایک مفتی کی نہ تھی بلکہ ایک مصلح و مجدد کی شان ان کے فتاویٰ سے بھی عیاں ہے۔ بحیثیت مفتی سوال مذکور  
کا اتنا جواب کافی تھا کہ تہجد و جماعت میں تعارض نہیں۔ دونوں کی ادائیگی کی تدبیر کیا جائے۔ اور اگر بالفرض یہ ممکن  
نہ ہو تو جماعت ترک کرے اداسے تہجد کی راہ نہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تہجد چھوڑے مگر جماعت سے مفر نہیں۔ اور  
یہ حکم خاص جماعت اولیٰ کا ہے۔ ثانیہ تو محض ضرورت اور صحیح عذر کے لیے مشروع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

لیکن اس طرح کے جواب سے سائل کو صرف حکم مسئلہ معلوم ہو سکتا ہے۔ بدعت و منکر کا قلع و قمع نہ ہو  
سکے گا۔ کہ تمام وساوس شیطانی اور شہوات نفسانی کا رد ہو، آدمی میں نیکی کی ادائیگی اور برائی کے چھوڑنے کا جذبہ  
بیکراں فروغ پائے۔ اور سبیل مستقیم پر گامزن ہو جائے اس لیے جواب میں سیدنا الشیخ عبد القادر اجمالی کے  
خطبات کا انداز و اعظانہ و زاجرانہ اختیار فرمایا۔ اور ساتھ ہی طرز عالمانہ و اسلوب محققانہ و مفتیانہ بھی لپٹائے  
رکھا۔ جس کے بعد سائل اگر دل میں ذرا بھی زندگی رکھتا ہو تو یہ فتویٰ اس کے لیے بہترین مرشد و شیخ کا کام دے  
سکتا ہے۔ بیماری دل کا خوب تر علاج ہو سکتا ہے۔ اور چون کہ یہ بیماری صرف ایک شخص کی نہیں بلکہ بلائے عام  
ہے اس لیے یہ فتویٰ نافع خاص و عام ہے۔ وھو الھادی و الموفق۔

خلاصہ بریلوی کے فتاویٰ کے لیے یہ ایک خاص موضوع ہے جس پر تحقیق چاہتی ہے۔ متوان اس طرف  
دیکھنا: "رضوی فتاویٰ میں اصلاط و معظمت کا عنصر"

(۲)

ایک سوال ہے کہ حافظ کو اداسے تراویح کے لیے دورہ قرآن کرنا پڑتا ہے۔ اس سخت محنت کے خوش نظر  
روزہ فرض اس سے معاف ہے یا نہیں؟

سوال فارسی میں ہے اس لیے جواب بھی فارسی ہے۔ اس کا خلاصہ اردو میں یہاں لکھا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:  
چونکہ یہاں سمجھ میں نہیں آتا کہ قراءت قرآن روزہ سے مانع ہے۔ اطراف عالم اور اکثاف زمین میں بڑھے،  
بچے کھاتے، بڑے بار بار حفظ قرآن دن میں روزہ بھی رکھتے ہیں اور امت قرآن بھی پڑھتے ہیں۔ اس سے ان کو  
دن ضرر نہیں لاحق ہوتا اور بھوکے کیسے؟ جب کہ روزہ صحت ہے اور قرآن شفا۔ ہاں اعتقاد صحیح چاہئے تاکہ ان  
عبادت کا قاعدہ رد نہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَتَذَكَّرُ مِنْ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ  
وَلَا يَجِدُ يَتْلِيهِ فُحْشًا وَلَا خِسَارًا۔ اور ہم قرآن میں اتار دیتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت  
ہے اور اس سے عالموں کو نقصان بھی بڑھتا ہے۔

ارشاد نبوی ہے:

أَخْزَوْا أَنْتُمْ وَأَوْصُوا تَصُومُوا وَصَافِرُوا وَاسْتَغْفِرُوا۔

خزہ کرو غیبت یاب ہو گئے۔ روزہ رکھو صحت پاؤ گے۔ صفر کرو والدہار ہو گئے۔

زرا بھی باور نہیں ہوتا کہ اس شخص کو قراءت قرآن روزہ سے روکتی ہے۔ لہذا اور حقیقت یہ صرف عذر باطل  
ہے اور بہت بقی و نفس پروری ہے۔ والعیاذ باللہ۔

اگر بالفرض ایسا ہی ہے کہ قرآن پڑھنے سے اس کو اس قدر کمزوری لاحق ہو جاتی ہے کہ روزہ کی طاقت نہیں رہ  
جتی تو اس صورت میں یہ قرآن پڑھنا اس کے حق میں نہ سنت ہو گونا باعث ثواب۔ بلکہ حرام و موجب عذاب۔

عائے مطلقاً فرمایا ہے کہ ہر وہ عمل جو باعث ضعف اور مانع روزہ ہو۔ جائز نہیں۔ اور اگر کسی شخص کی ایسی  
حالت ہو کہ روزہ رکھنے کو نماز میں قیام نہ کر سکے، اس کے لیے روزہ رمضان چھوڑنا جائز نہیں۔ بلکہ روزہ رکھے اور  
نزدیک کرے۔

بحان اللہ اعلیٰ کے نزدیک قیام نماز جو خود فرض ہے روزہ کی رعایت سے ساقط ہو جاتا ہے۔ یہاں روزہ  
صرف ایک سنت کی خاطر، بلکہ حصول امامت سے ملنے والے "فقاہر" کی خاطر، بلکہ ایک ایسے فعل ناجائز و گناہ و

حرام (یعنی تخریجی) خاطر معاف ہو جائے۔ یہ تو نہیں مگر صریح جہالت۔ یا بیخ مخالفت۔

اس عزیز سے کہیں کہ "حق سبحانہ و تعالیٰ نے روزہ رمضان تجھ پر اور تجھ جیسے سب پر فرض میں فرمایا ہے۔ اور قرآن تراویح میں ختم کرنا نہ فرض ہے نہ سنت ہیں۔ اگر وقت دور، کثرت تلاوت کے باعث جو اکثر ماضیوں کے لیے ناگزیر ہے۔ تجھے اتنی کمزوری آجاتی ہے تو یہ تیرے ذمہ لازم نہیں فرمایا گیا۔ کسی دوسرے حافظ کی انتہا کر تراویح ادا کر۔ روزہ رکھ۔ فرض بھی حاصل کر۔ سنت بھی تمام۔ اور اگر اتنا نہیں ہو سکتا تو تراویح میں پورا قرآن نہ پڑھ نہ سن۔ یہی تیس رکعات تجھ سے جس طرح ادا ہو سکیں ادا کر۔ اور روزہ چھوڑ کر نارجمیم و عذاب الیم کا ساقط نہ بن۔ اسے بھائی! روزہ فرض میں ہے۔ اور فرض میں فرض کفایہ پر مقدم۔ تراویح میں ختم قرآن تو مست کفایہ ہے اور یہ سنت کفایہ سنت میں سے مؤخر۔ یہ کیا ہے و قوفی ہے کہ سنت کفایہ کو فرض میں پر مقدم کریں۔

اس کلام کے بعد سیدنا غوث الاعظمین، پیر و بھیکری المدین ابو محمد، عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب مبارک "فتوح الغیب" شریف سے کچھ عبارت تحریر فرمائی ہے جو ایسے تمام لوگوں کے لیے درج بہ رحمت ہے جو نوافل و مستحبات میں تو کوشش ہیں اور فرض و واجبات سے غافل۔ فرماتے ہیں:

يَتَّبِعُونَ لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَشْتَغَلَ أَوْ لَا بِالْفَرَائِضِ. فَإِذَا فَرَغَ مِنْهَا اشْتَغَلَ بِالسَّنَنِ ثُمَّ يَشْتَغَلَ بِالتَّوَائِلِ وَالْفَصَائِلِ. فَمَا لَمْ يَفْرُغْ مِنَ الْفَرَائِضِ قَاشَتْغَلَ بِالسَّنَنِ حُطُّوا وَزَعُفَتْ فَإِنْ اشْتَغَلَ بِالسَّنَنِ وَالتَّوَائِلِ قَبْلَ الْفَرَائِضِ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ وَأُهِنَ. فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ زَجَلٍ يَدْعُوهُ الْمَلِكُ إِلَى حِذْمَتِهِ فَلَا بَأْسَ بِالْأَيِّ وَبَقِيَتْ بِحِذْمَةِ الْأَمِيرِ الَّذِي هُوَ غُلَامُ الْغَلَبِ وَخَادِمُهُ وَتَحْتَ وَلَا يَتَبَوَّعُ.

عن علي أبي طالب كرم الله تعالى وجهه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إِنَّ مَثَلَ مُصَلِّي التَّوَائِلِ وَعَلَيْهِ فَرِيضَةٌ كَمَثَلِ حَبْلِ خَمَلَتْ فَلَمَّادِي نَقَاشَهَا اشْتَغَلَتْ، فَلَا هِيَ ذَاتُ حَمَلٍ وَلَا هِيَ ذَاتُ وَلاَءٍ. وَكَذَلِكَ الْمُصَلِّي لَا يَقْبَلُ اللَّهُ لَهُ نَافِلَةٌ حَتَّى يُؤَدِّيَ الْقِرْبَةَ وَتَمْلُ الْمُصَلِّي كَمَثَلِ التَّاجِرِ، لَا يَحْصِلُ لَهُ رِبْحُهُ حَتَّى يَأْخُذَ بِرَأْسِ مَالِهِ فَكَذَلِكَ الْمُصَلِّي بِالتَّوَائِلِ لَا يَقْبَلُ لَهُ نَافِلَةٌ حَتَّى يُؤَدِّيَ الْقِرْبَةَ.

اس کا فارسی شرحی ترجمہ بھی شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شرح فتوح الغیب سے مختصر نقل فرمایا ہے۔ یہاں اس کا اردو خلاصہ تحریر کیا جاتا ہے۔

مسند کو یہ بھی کہ سبیل ان چیزوں پر کار بند ہو جو فرض و واجب ہیں۔ جب ان سے عہدہ برآ ہو جائے تو

مذکورہ سنتوں میں مشغول ہو۔ پھر نوافل و فضائل میں مشغول ہو۔ فرائض چھوڑتے ہوئے سنتوں میں مشغولی جہالت و ابلہ و قبیحی نشانی ہے۔ اگر فرائض ترک کرتے ہوئے سن و نوافل میں مشغول ہو تو یہ نوافل و سن قبول نہ ہوں گے۔ بلکہ وہ ذلیل و خوار کر دیا جائے گا۔ اس کا حال اس کی طرح ہے جسے بادشاہ اپنے خدمت میں یاد فرمائے تو وہ اس کے پاس چہر نہ ہو۔ اور کسی امیر کی خدمت میں کھڑا ہو جو بادشاہ کا خادم و غلام اور اس کے زیر قدرت و تصرف ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی مثال جس کے ذمہ فرض ہے اور وہ نوافل پڑھ رہا ہے اس حاملہ عورت کی ہے جس کا زمانہ حمل پورا گیا ہو، جب وقت ولادت قریب آیا تو ناتمام بچہ جنا۔ (جیسے اس نے مشتاقین جمیلیں اور شرہ کچھ نہ ملا۔ یوں ہی فرض چھوڑ کر نوافل پڑھنے والا خستہ اعضاء ہے اور نتیجہ کچھ حاصل ہونے والا نہیں) تو وہ عورت نہ تو حمل والی ہوئی کیوں کہ مقصود و حمل پچھل گیا۔ نہ ہی بچہ والی ہے کہ حمل ہی ساقط ہو گیا۔ اسی طرح نمازی کا نفل اللہ تعالیٰ قبول نہ کرے گا جب تک کہ فرض ادا نہ کرے۔ ایسے نمازی کی مثال تاجر کی ہے۔ جسے نفع حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اپنی پونجی نہ رکھے اسی طرح (فرض نمازی کی پونجی ہے) اس کا نفل قبول نہ ہو گا جب تک فرض ادا نہ کرے۔<sup>(۱)</sup>

پھر چند احادیث و عبارات مزید لکھ کر حق اصلاح و ارشاد ادا کر دیا ہے۔ واللہ الہادی۔

یہ فتویٰ نہ صرف ایک شخص کے لیے بلکہ بے شمار ایسے افراد کے لیے باعث ہدایت ہے جو طاعات و عبادت میں تو منہمک ہیں مگر ترتیب طاعات سے بے پروا اور رعایت واجبات و فرائض سے غافل ہیں۔

(۳)

بعض حاضرین نے عرض کیا۔ حضور! دنیوی کمزریاں نے ایسے گھیرا ہے کہ روز ارادہ کرتا ہوں کہ آج قضا نمازیں ادا کرنا شروع کروں گا مگر نہیں ہوتا۔ کیا یوں ادا کروں کہ پہلے تمام نمازیں فجر کی ادا کروں پھر ظہر کی۔ پھر عصر کی۔ تو کوئی حرج ہے؟ مجھے یہ بھی یاد نہیں کتنی نمازیں قضا ہوئی ہیں۔ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے؟

ارشاد: قضا نمازیں جلد سے جلد ادا کرنا لازم ہیں۔ نہ معلوم کس وقت موت آجائے۔ کیا مشکل ہے کہ ایک دن کی تیس رکعت ہوتی ہے (یعنی فجر کے فرض کی اور رکعت، ظہر کی چار، عصر کی چار، مغرب کی تین، عشاء کی سات (چار فرض سن و قرآن نمازوں کو سوائے طلوع و غروب و زوال کے ہر وقت ادا کر سکتا ہے۔ اور اختیار ہے کہ پہلے فجر کی سب نمازیں ادا کرے پھر ظہر پھر عصر پھر مغرب پھر عشاء (دو تکی)۔ یا سب نمازیں ساتھ ساتھ ادا کرنا چاہے اور ان کا حساب لگائے کہ تخمینہ میں باقی نہ رہ جائیں۔ زیادہ ہو جائیں تو حرج نہیں۔ اور وہ سب بقدر طاقت رفتہ رفتہ ادا کرے۔ کاہل نہ کرے۔ جب تک فرض ذمہ میں باقی رہتا ہے کوئی نفل قبول نہیں کیا جاتا۔ نیت ان نمازوں کی



اس طرح ہوشیار سو بار کی نذر قضا ہے تو ہر بار یوں کہے کہ سب سے پہلی جو فجر مجھ سے قضا ہوئی۔ ہر دفعہ یہی کہے۔ جس جب ایک اور سو بار تو ہاتھوں میں جو سب سے پہلے ہے۔ اسی طرح ظہر وغیرہ ہر نماز میں نیت کرے۔

اسی سلسلے میں ارشاد فرمایا: اگر کسی شخص کے ذمے تیس یا چالیس سال کی نمازیں واجب الایمان ہیں۔ اس نے اپنے ان ضروری کاموں کے علاوہ جن کے بغیر گزر نہیں۔ کاروبار ترک کر کے پڑھنا شروع کیا اور پکا کر لیا کہ کل نمازیں ادا کر کے آرام لوں گا اور فرض کیجئے اسی حالت میں ایک مہینہ یا ایک دن ہی کے بعد اس کا انتقال ہو جائے تو اللہ اپنی رحمت کاملہ سے اس کی سب نمازیں ادا کرے گا۔

قال الله تعالى: وَمَنْ يَخُزْجُ مِنْ بَيْتِهِ مَهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْوُفُؤُ فَلَا وَفَّقَ أَجْرَهُ عَلَى اللَّهِ. جو اپنے گھر سے اللہ و رسول کی طرف ہجرت کرتا ہوا نکلے پھر اسے راستے میں موت آ جائے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ کریم پر ثابت ہو چکا۔

یہاں مطلق فرمایا۔ اگر ایک ہی قدم نکالا اور موت نے لیا تو پورا کام اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔ کامل ثواب پائے گا۔ وہاں نیت دیکھتے ہیں۔ سارا دار و مدار حسن نیت پر ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۴)

اندرون نماز (یا دوران خطبہ) رسول پاک ﷺ کا نام سننے پر زبان سے درود بھیجنے سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل کا نام پاک سن کر حکم ہے کہ عزوجل یا محل جلال یا اس کے مثل کلمات تقطعی کہے۔ حضور اللہ ﷺ کا نام پاک سن کر واجب ہے کہ ﷺ یا علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام۔ یا اس کے مثل کلمات درود کہے۔

مگر یہ دونوں وجوب بیرون نمازیں۔ نماز میں سو امان کلمات کے جو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقرر فرما دیے ہیں اور کی اجازت نہیں۔ خصوصاً جہر یہ نماز میں وقت قراءت امام، مقتدی کا سننا اور خاموش رہنا واجب ہے۔ امام کے خطبہ پڑھنے میں جب اللہ عزوجل اور سید عالم ﷺ کے اسماء طیبہ آئیں۔ سامعین دل میں کلمات تقدیس درود کہیں۔ زبان سے کہنے کی وہاں بھی اجازت نہیں۔ نماز میں نام اعلیٰ سن کر محل و طایعات مبرا کہ سن کر ﷺ کہہ۔ اگر قصد جواب ہے نماز جاتی رہے گی۔ سہوا ہو یا قصداً۔ اور اگر بلا قصد جواب ہے تو قصد آمنوع اور سہوا پر مواخذہ نہیں۔<sup>(۲)</sup>

(۱) المخطوطات۔ حصہ اول، شائع کردہ کتب خانہ سنائی میرٹھ۔ ۳۳۸۳

(۲) ۴/۳۳۸۳، رجسٹر قذافی رضویہ طبع اول سنائی دارالاشاعت مہدک پور۔ ۳۳۸۸/۳۳۸۸

(۵)

اسی طرح بہت سے منکرات و بدعات کے بارے میں بے شمار عجیبات ہیں ان سب کا استنباط میرا مطلب ہے نہ برادر مولف زید فیض کا مقصود ہے۔ لہذا اصل کتاب میں اس کے نمونوں کا کافی اضافہ موجود ہے۔ ذرا رہنمائی کر دیکھیے پھر فیصلہ کیجئے کہ یہ کس کا قلم ہے جس نے بدعات و عبادت کی نئی نئی پوری خجرات و بہت کا مظاہرہ کیا ہے۔ نہ تو اسے لومۃ الائم کا خوف ہے نہ دنیا والوں کی نادرستی کا اندیشہ۔ اسے اپنے مولیٰ رضا کافی ہے، اس کی آنکھوں میں شریعت مصطفیٰ ﷺ کا نور اور فقہ اسلامی کا کیف و سرور ہے۔ اس لیے وہ فیصلے کرتا ہے تو حق اور اٹل فیصلے کرتا ہے۔ نہ تو اس میں اغراض ہے کہ بدعت کو شرک۔ گناہ کو کفر۔ مکروہ تنزیہی کو حرام۔ یا تم از مکرم وغیرہ بلا اصرار کو کبیرہ۔ غلطی کو جلی کہ دے۔ نہ اس میں تفریط ہے کہ مکروہ یا خلاف اولیٰ کو غیر مکروہ و مستحب، بدعت کو سنت، منکر کو معروف یا ناجائز کہ دے۔ اعتدال ہے اور صرف اعتدال یہی وہ اصلاح ہے جو خدا و انبیاء سے پاک ہوتی ہے۔ واللہ اس نے بدعات فحش کی ہے اور اپنے آبدار قلم کی وہ صولت و امت دکھائی ہے جس کی نظیر اس کے حرائض میں مع قیامت تک نہیں مل سکتی۔ ثبوت کے لیے ایک بار پھر اس کتاب کا حصہ دوم کھولے اور خود سے پڑھیے۔ شوق دل مزید وار نہ کرے تو خود اس کی تصانیف کا لیے اور اس فکر و تدبیر تمام کر بنظر عمیق مطالعہ فرمائیے۔ دیکھیے کہ میرے بیان سے زیادہ اس میں ہے یا نہیں؟ واللہ الموفق والمہادی الی سواہ السبیل۔

اللہ اکبر! ایسا کسی صاحب ہوش و خرد کے دماغ میں یہ آنے والی بدعت ہے کہ جس نے بدعات و منکرات کی اتنی زبردست حوصلہ شکنی کی ہے وہی بدعات کا فروغ دینے والا ہو؟

دیکھو تو یہی کہیں بدعت فحش کو بدعت افزائی تو نہیں کہ دیا؟ فروغ سنت کا نام فروغ بدعت تو نہ رکھ دیا؟ تنظیم خدا و رسول، تحکیم صحابہ و اولیاء اور حفاظت دین و سنت کا نام تھمادی اصطلاح جس بدعت تو نہیں؟ ذرا اچھی طرح غور کرو۔ اور صحت ہوش و خرد کے عالم میں بولو! اغدا تم سے بچ کھلو! آمین۔

(۶)

پھر یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ مجدد و عظیم اور صریح اکبر کردار و محل میں اس سے کہیں زیادہ بدعت ہے چنانکہ گفتار و قلم میں ہے۔ وہ اگر گفتار کا غازی ہے تو کردار کا قانع۔ قلم کا غنی ہے تو کمال کا تاجدار۔ ملاحظہ فرمائیے چند شواہد۔

(۱) جس فقیر کے پاس فتوے اتنی کثرت سے آتے ہوں کہ اس کے اوقات جواب مسائل میں مصروف ہوں اس سے جماعت جو واجب ہے اور سنن مؤکدہ جو قریب بواجب ہیں معاف ہو جاتی ہیں۔ دیکھیے کتب فقہ۔  
فراہم احمد رضا کی شان تقویٰ قابل دید ہے۔ سوالات اتنی کثرت سے آتے تھے کہ ایک موقع پر کسی نے کچھ اس



طرح لکھ دیا تھا کہ جواب کی جو تکفیریں ہوگی ادا کی جائے گی (اصل مسئلہ کے جواب کے بعد رقم طراز ہیں:  
 ”یہاں بحمد اللہ تعالیٰ فتویٰ پر کوئی فیض نہیں لی جاتی۔ بفضلہ تعالیٰ تمام ہندوستان دو دیگر ممالک مشرق وسطیٰ  
 افریقہ، امریکہ و خود عرب شریف و عراق سے استثنیٰ آتے ہیں۔ اور ایک وقت میں چار چار سو نفوس جمع ہو  
 جاتے ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ حضرت جہاد محمد قدس سرہ العزیز کے وقت سے اس ۱۳۳۷ تک اس دروازے سے  
 نفوس جاری ہوئے اکانوے برس اور خود اس فقیر غفرلہ کے قلم سے فوسے لکھے ہوئے لیونہ تعالیٰ کا ان برس  
 ہونے آئے۔ یعنی اس صفر کی ۱۴ تاریخ کو پچاس برس چھ مہینے گزرے، اس نوکم سو برس میں کتنے ہزار نفوس  
 لکھے گئے، بارہ جلد تو صرف اس فقیر کے فتاویٰ کے ہیں، بحمد اللہ تعالیٰ یہاں بھی ایک پیر نہ لیا گیا، نہ لیا جاسکے  
 گا۔ بعونہ تعالیٰ ولہ الحمد۔

معلوم نہیں کون لوگ ایسے پست فطرت آدمی ہست ہیں جنہوں نے یہ میضہ کب کا اختیار کر رکھا ہے، جس  
 کے باعث دور دور کے ناواقف مسلمان کی بار بار چھپکے ہیں کہ فیض کیا ہوگی؟  
 بھائی! مَا كُنْتُمْ لَكُمْ عَلَيَّ مِنْ شَيْءٍ إِنَّ آخِرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ ”میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا جزا  
 تو سارے جہاں کے پروردگار پر ہے، اگر وہ چاہے۔“ (۱)  
 لیکن اس کثرت فتویٰ کے باوجود ہمیشہ جماعت کی پابندی فرمائی اور سنسن موکہ بھی نہ چھوڑی۔  
 فتویٰ وہ ہے، تقویٰ یہ ہے۔

(۲) جو شخص بیماری میں اتنا غریب ہے کہ مسجد نہیں پہنچ سکتا یا جاسکتا ہے لیکن مرض بڑھ جائے گا، اس کے  
 لیے جماعت چھوڑنا پڑے۔ مگر امام احمد رضا کی آخری بیماری جس میں وصال فرمایا، حال یہ تھا کہ مسجد تک ازخو  
 جا نہیں سکتے پھر بھی فتویٰ جماعت گوارا نہیں۔

”جمل النور فی نہی النساء عن زیارة القبور“ میں مولانا حکیم عبدالرحیم صاحب مدر  
 اول مدرسہ قادریہ محلہ جہاں پور شہر احمد آباد (گجرات) کے مکرر سوال کے جواب میں مفصل فتویٰ دیتے ہوئے  
 شروع میں فرماتے ہیں:

”آپ کی رجسٹری ۱۵ ربیع الآخر کو آئی، میں ۱۲ ربیع الاول شریف کی مجلس پڑھ کر ایسا غلیل ہوا کہ کبھی نہ  
 تھا، میں نے وصیت نامہ بھی لکھوا دیا تھا، آج تک یہ حالت ہے کہ دروازہ سے متصل مسجد ہے چار آدمی کرایہ  
 بیضا کر مسجد لے جاتے ہیں۔“

کوئی ناواقف سوچ سکتا تھا کہ شاید خود استعمال فرماتے ہیں اس لیے اتنی کوشش فرمائی ہے، مگر حاشا کو کا وہ عمل نہ خدا کبھی اپنی خواہش کے لیے فتنے نہ دیتا، وہ وہی حکم سنا جو شریعت مطہرہ کا تقاضا ہو، خود فرماتے ہیں:

”فقیر غفرانہ تعالیٰ نے“ آج تک اس شکر کی صورت نہ دیکھی، نہ کبھی اپنے یہاں مکان کی آندہ کے مکان کا قصد، مگر باتیں ہمہ روز ممانعت نہیں مانتا، نہ جو مسلمان استعمال کریں انھیں آثم (گنہگار) خواہ سب کے ہاتھ تو زور و احتیاط کا نام بدنام کر کے عوام مومنین پر طعن کرے، نہ اپنے نفس ذلیل مبین روڈیل کے لیے ان پر زہر تعلی روا رکھے۔ و لا تله التوفیق والعبادہ من المداہنۃ والتضییق۔<sup>(۱)</sup>

اور جو احتیاط کرے اسے یوں ہدایت فرماتے ہیں (چوں کہ یہ موضوع ہمارے موضوع رد منکرات سے متعلق ہے اس لیے پوری عبارت لکھی جاتی ہے)

”جو بچنا چاہے اور ان امور کا کہ ہم مقدمہ دہم میں ذکر کر آئے لحاظ رکھے بہتر و افضل اور نہایت کرم عمل، مگر اس کے درج کا حکم صرف اسی کے نفس پر ہے نہ کہ اس کے سبب اصلی نے کو ممنوع کہنے لگے، ہاتھ مسلمان اسے استعمال کرتے ہوں ان پر طعن و اعتراض کرے، اپنی نظر میں حقیر سمجھے، اس سے تو اس امر ترک ہزار درجہ بہتر تھا کہ شرع پر افترا اور مسلمانوں کی تشنیع و تحقیر سے تو محفوظ رہتا، (تائید میں آیات و احادیث پیش فرمانے کے بعد) جب اس سے کہ درج (پرہیز و تقویٰ) کا قصد کرے اور محرکات قطعہ میں ہلکے بہ صرف تشدد و تنقیق کا نتیجہ ہے اور واقعی دین و سنت صراط مستقیم ہیں، ان میں جس طرح تفریط سے کوئی دکان ہو جاتا ہے، یوں ہیں افراد سے اس قسم کے آفات میں مبتلا ہوتا ہے۔ لم يجعل له عوجاً۔ دونوں مذکور ہو بلا عوام بے چاروں کی کیا شکایت؟ آج کل بہت جہاں منشعب بنام علم و کمال ہیں روش چلے ہیں، اگر بہت بلکہ مباحات، بلکہ مستحبات جنہیں بزم خود ممنوع سمجھ لیں ان سے تحذیر و تنبیہ کو کیا کہہ نہیں لکھ دیتے، چلی کہ نوبت تا بہ اطلاق شرک و کفر پہنچانے میں باک نہیں کرتے۔

پھر یہ نہیں کہ شاید ایک آدھ جگہ قلم سے نکل جائے تو دس جگہ اس کا تذکرہ عمل میں آئے، نہیں نہیں بلکہ اسے طرح طرح سے ہماری، الٹی سیدھی دلیلیں لائیں، پھر جب مواخذہ کیجے تو ہوا خواہ، بغلوے ”غذہ گزہ از گناہ“ تاویل کریں کہ بنظر خوف و ترسب تشدد مقصود ہے، سبحان اللہ! اچھا تشدد ہے کہ ان سے زیادہ تر گناہوں کا خود ار تکاب کر بیٹھے (دوسرے بعد پھر تائید میں احادیث)<sup>(۲)</sup>

(۱) تقویٰ رضویہ جلد ۱۰ ص ۱۱-۱۲، ص ۱۳۸-۱۳۹، سنائی کتب خانہ میرٹھ، محبوب المطابع دہلی

(۲) تقویٰ رضویہ جلد ۱۰ ص ۱۱-۱۲، ص ۱۳۸-۱۳۹، سنائی کتب خانہ میرٹھ، محبوب المطابع دہلی

(۶) مسجد میں مٹی کا تیل یا کوئی بدبودار تیل جلانا جائز نہیں ہاں ایسا تیل جھایا جائے جس میں بدبو نہ ہو مثلاً کڑوا تیل۔ اعلیٰ حضرت کی قرینی مسجد میں ان کے عزیز مرید حاجی کفایت اللہ صاحب نے لائین کے اندر کڑوا تیل جھایا، اب اپنے لیے اعلیٰ حضرت کا کمال احتیاط دیکھیے، حاجی صاحب سے فرمایا: یہ لائین آپ نے یہاں کیسے جھایا؟ عرض کیا، حضور! اس میں مٹی کا تیل نہیں، کڑوا تیل ہے، فرمایا تو پھر بیٹھے رہے اور ہر شخص کو بتاتے رہے کہ اس میں وہ تیل نہیں جس کی ممانعت ہے ورنہ لائین دیکھ کر لوگ کہیں گے: ”مولوی صاحب بھی اپنی یہاں مسجد میں مٹی کا تیل جلاتے ہیں۔“ پھر حضرت نے لائین باہر کرا دی۔ اسی لیے فتاویٰ رضویہ میں ایک موقع پر عوام کو احرام علما اور ان کے عمل کی حیثیت سمجھنے پر تنبیہ کرنے کے بعد علما کے لیے تحریر فرماتے ہیں:

”علما کو چاہیے کہ اگر خود نیت سمجھ رکھتے ہوں، عوام کے سامنے ایسے افعال جن سے ان کا خیال پریشان ہو نہ کریں کہ اس میں دو فتنے ہیں، جو محقق نہیں ان کا معرض ہونا، قیمت کی ہلاشیں پڑنا، عالم کے فیض سے محروم رہنا۔ عالم فرقہ ملائیہ سے نہیں کہ عوام کو نفرت دلانے میں اس کا فائدہ ہو، مسند ہدایت پر ہے، عوام کو اپنی طرف رغبت دلانے میں ”ان کا“ نفع ہے، احیاناً ایسے افعال کی حاجت ہو تو واعلان کے ساتھ اپنی نیت اور مسئلہ شریعت عوام کو بتا دے۔“<sup>(۱)</sup>

ایسی مثالیں اگر تصنیف جمع کی جائیں تو ایک اور کتاب تیار ہو جائے۔ مقصود کلام بس یہ ہے کہ امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرانے رد بدعات و منکرات کا بے مثال کارنامہ انجام دیا۔ اور منکرات و بدعات سے خود پرہیز کرنے میں بھی اپنی مثال آپ ہیں۔

ایسے عالم حاذق۔ عال کمال۔ متقی متواضع۔ مجدد ملت۔ مصلح امت کے خلاف جو لوگ اپنی ہوائے نفس کی خاطر زہر افشائی کر رہے ہیں وہ خود اپنا حشر دیکھیں گے۔ اہل علم و تحقیق اور اصحاب دین و عقل کو چاہیے کہ حقائق کو سمجھنے کی کوشش کریں، عالم برحق کی اتباع کریں اور مخالفانہ پروپیگنڈے پر کان نہ دھریں۔

ایک وضاحت ضروری ہے کہ بدعت کے معنی کیا ہیں؟ اور بدعات و منکرات سے یہاں کیا مراد ہے؟ علامہ نووی فرماتے ہیں:

البدعة كل شيء على غير مثال سبق۔ وفي الشرع إحداث ما لم يكن في عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم۔

نکتہ میں بدعت ہر اس چیز کا نام ہے جو بغیر کسی سابقہ نمونے کے عمل میں آئے اور شرع میں بدعت کے

(۱) تقویٰ رضویہ جلد ۱۰ ص ۱۱-۱۲، ص ۱۳۸-۱۳۹، سنائی کتب خانہ میرٹھ، محبوب المطابع دہلی

معنی ہیں اسکی چیز کی ایجاد جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ رہی ہو۔

یہ ہیں بدعت کے معنی۔ ظاہر ہے کہ اس معنی میں ہر بدعت بڑی نہیں۔ صد ہا چیزیں ہیں جو مہر و رسل کے بعد ایجاد ہوئیں اور علامت نے اسے پسند کیا جیسے قرآن پر اعراب، حدیث کی تدوین، اصول حدیث، اصول تفسیر، اور فقہ و کلام وغیرہ علوم و فنون کی ایجاد۔

اسی لیے علامہ صاف فرماتے ہیں کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں، چنانچہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاة المصابیح" میں عزالدین بن عبد السلام علیہ الرحمہ کی "کتاب القواعد" سے بدعت کی پانچ قسمیں نقل کی ہیں۔

(۱) واجب (۲) حرام (۳) مستحب و مندوب (۴) مکروہ (۵) مباح

علامہ ابن عابدین شامی رد المحتار میں صاحب در مختار کے قول "صاحب بدعة" (بدعت والا) کے تحت فرماتے ہیں:

أي محرمة ولا افتقد تكون واجبة كنصب الأدلة للرد على أهل الفرق الضالة وتعلم الفهم للمفهم للكتاب والسنة. ومنذوبة كإحداث غور باط و مدرسة و كل إحسان لم يكن في الصدور الأول. ومكره كخرقة المساجد ومباحة كالنوسع بلنجد الماكل والمشارب. واليائيد  
یہاں بدعت سے مراد حرام بدعت ہے۔ اور نہ بدعت تو واجب بھی ہوتی ہے جیسے گمراہ فرقوں کا رد کرنے کے لیے دلیل قائم کرنا۔ علم غویکنا جس سے قرآن و حدیث کو سمجھ سکیں۔ مستحب بھی جیسے سرائے اور دروس جیسی چیزیں قائم کرنا۔ اور ہر وہ نیک کام جو زمانہ اول میں نہ رہا ہو۔ مکروہ بھی جیسے مسجدوں کو آداب و محفل کرنا مباح بھی جیسے کھانے پینے کی لذتیں چیزیں اور کپڑوں میں وسعت و فراخی کی راہ اختیار کرنا۔

خود سرکار رسالت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: من سن في الإسلام سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أجرهم شيء. من سن في الإسلام سنة سيئة فله وزرها ووزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أوزارهم شيء.<sup>(۱)</sup>  
جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اس کے لیے اس ایجاد کا ثواب اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کا ثواب بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے ثواب سے کچھ کم کیا جائے اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ نکالا تو اس کے لیے اس نئی تراش کا گناہ اور اس پر عمل کرنے والوں کا گناہ بغیر اس کے کہ عمل کرنے

(۱) صحیح مسلم، ج ۳، ص ۳۳۳، مع المفاتیح، ص ۱۰۱

والوں کے گناہ سے کچھ کم ہو۔

اس لیے سرکار کی حدیث کل بدعة ضلالة (ہر بدعت گمراہی ہے) کی شرح میں امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاحب ازہار سے نقل فرماتے ہیں: أي كل بدعة سيئة ضلالة یعنی ہر بڑی بدعت گمراہی ہے۔ دلیل میں وہی سابقہ حدیث پیش کرتے ہیں، یعنی خود سرکار نے جب ایجاد ہونے والی اچھی چیز کی تعریف کی ہے اور ایجاد کرنے والے کے لیے اجر کی بشارت دی ہے تو ہر نئی چیز گمراہی نہیں ہو سکتی، بلکہ خود حدیث پاک سے بدعت کی تقسیم اچھی اور بڑی میں ہو چکی ہے۔

اب یہ سمجھ لیں کہ بدعت جب مطلق بولی جائے تو وضاحت یا قرینے کی ضرورت ہوگی، جیسے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کجائی تراویح کے بارے میں فرمایا: يَغْنَمُ الْبِدْعَةُ هَذِهِ. کیا ہی خوب ہے یہ بدعت۔ یہاں بدعت حسنہ کی صراحت ہو گئی۔

اسی طرح منکرات کے ساتھ لفظ بدعات کا ذکر کتاب سے رہا ہے کہ بدعت سے مراد بڑی بدعت ہے، کیوں کہ منکر کے معنی ہیں شرع میں نامعروف اور بری چیز، البتہ بدعتی یا مبتدع کا لفظ استعمال بدعت ہب کے لیے خاص ہو گیا ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے بری بدعات کا ہی قلع قمع کیا ہے، ان نئی چیزوں کا نہیں جن کی ایجاد کرنے والے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اجر و ثواب کی خوش خبری دی ہے۔

ذکر میلاد، اور قیام تقیسی وغیرہ کی اصل تو خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے صحابہ کرام نے یہ عمل کیے ہیں، البتہ موجودہ وسیع طریقہ پر محفلوں کا انعقاد یہ ذرا نیا ہے، مگر منکرات سے خالی ہے تو یہاں اچھا ہے، جیسے دن، تاریخ کی تعیین اور اشتہارات، لاؤڈ آؤتیکر وغیرہ کے ذریعہ اعلان کے ساتھ جلسہ پیمانے پر دینی جلسوں کا انعقاد یقیناً مکمل ہوئی بدعت ہے مگر بری نہیں اچھی ہے۔

اسی لیے امام احمد رضا قدس سرہ نے ان امور کی تائید فرمائی ہے، تردید نہیں کی ہے اور کوئی عالم ربانی بھلا لکھ چیزوں کی تردید بھی کیسے کر سکتا ہے جس کی اجازت، جس پر بشارت خود رسول اللہ ﷺ نے دی ہو، البتہ طاع سواس کی پر وہ نہیں کرتے اور ہوائے نفس کے پیچھے چلے ہیں۔ والله الهادی الى سواء السبيل.

☆☆☆

زیر نظر کتاب برادر گرامی مولانا تیسین اختر مصباحی کی گرامر قدر کاوشوں کا نمونہ ہے، زبان و بیان کی شگفتگی، دلائل کی چٹکی، رد و اثبات میں متانت و سنجیدگی آپ کو ہر جگہ عیاں نظر آئے گی، موصوف نے وضوئیات کے ایک نئے موضوع پر تحقیق کی ہے جو قاریین کے لیے خاصی دلچسپی کا باعث ہو گا۔

حصہ اول ذکر خدمات میں بھی انھوں نے وہ باتیں بیان کرنے کی کوشش کی ہے جو امام احمد رضا قدس سرہ کی حیات و خدمات پر لکھی ہوئی کتابوں میں کم ملتی ہیں، یا نہیں ملتی ہیں، مقصد یہ ہے کہ نئے گوشے سامنے لائے جائیں اور جو کچھ پہلے لکھا جا چکا ہے اس کے لیے قارئین کی توجہ پہلی کتابوں کی طرف مبذول کرا دی جائے۔

ہندو پاک کے اہل تحقیق کوشش کریں تو رضوی خدمات کے بہت سے اہم گوشے جو اب تک تشنہ توجہ ہیں وہ بھی عمدہ طریقے پر منظر عام پر آسکتے ہیں۔ اس سلسلے میں پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب مجددی، حکیم محمد منشی صاحب صدر مرکزی مجلس رضالہ نور، مولانا عبدالحکیم صاحب شرق قادری وغیرہم کی خدمات قابل تحسین وائقہ تھیں۔ کثیر اللہ تعالیٰ امثالہم۔

محمد احمد الاعظمی المصباحی



## تعارف مصنف<sup>(۱)</sup>

پروفیسر مسعود احمد نقشبندی مجددی، حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ صاحب خطیب جامع مسجد فتح پوری دہلی کے فرزند اور ایک علمی و دینی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ان کے نام کے ساتھ پروفیسر کا لقب دیکھ کر کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ یہ بھی ہمارے عام پروفیسروں کی طرح کوئی مغربیت زدہ شخص ہوں گے، جنھیں دین و دنیست سے لگاؤ نہیں برائے نام ہو۔ موصوف نے دین و مذہب کی آغوش میں پرورش پائی اور علم و ادب کے ماحول میں پروان چڑھے۔ انگریزی تعلیم اور کالج کے ماحول سے شب و روز ان کا سابقہ ہے مگر اپنے بزرگوں کے جادہ و تنہیم پر مبنی چنگی سے قائم ہیں کہ جدید و قدیم کا حسن امتزاج کوئی ان سے سیکھے۔ انھیں بارگاہ قدرت اور آستانہ رحمت سے ایک حالات آستانہ مومن کا دل سوز مند، ایک دور رس مفکر کا ذہن، ایک پر غلوں و افی کی فکر، ایک جفاکش متقی کا ذوق جستجو، ایک حقیقت نگار مورخ کا قلم، ایک جاہلہ بیان ادیب کا اسلوب تحریر، ایک مردِ طریقت کا حسن کردار اور ایک عاقبت اندیش عالم کی جہدِ نیک و نہار نصیب ہوئی ہے۔

۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء سے انھوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا، کئی علمی اداروں کے فعال رکن اور کئی کالجوں کے پروفیسر اور پرنسپل رہ چکے ہیں۔ اس وقت بھی کئی اداروں کے رکن ہونے کے ساتھ گورنمنٹ کالج ٹیچر میں پرنسپل ہیں۔ یہ کالج ایک عظیم شہر غوث شاہ<sup>(۲)</sup> کے قریب ہے۔ عجب اتفاق ہے کہ اس مردِ عمل کو اکثر ایسی ہی جہیں ملیں جہاں وسائل کی کمی اور محنت و مشقت کی زیادتی اجڑا فروں میں اضافے کا سبب ہو۔ افضل العباداتِ آجْمَرُ حَقًّا۔ (افضل عبادت وہ ہے جس میں مشقت زیادہ ہو۔ مشکوٰۃ شریف)

ہماری نظر میں ان کی زریں خدمات وہ ہیں جو اصلاح معاشرہ اور تعارفِ امام احمد رضا کے محور پر گردش کر رہی ہیں، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا تعارف اور ان کی سوانح نگاری کوئی نئی چیز نہیں، لیکن جس انداز نگارش اور طرز تحقیق کے ساتھ پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب نے لکھا ہے، اس میں وہ منفرد ہیں۔

(۱) کامل ریلوی سلسلے قادری کی نظر میں، پروفیسر مسعود احمد، مجمع اسلامی، مہلک پور، فروری ۱۹۸۸ء۔

(۲) گاہگاہ ہے کہ اس قبرستان میں بعض مصائب بھی قبریں ہیں۔ مکتوب مؤلف۔



میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ امام احمد رضا کا نہ کرنے والوں میں نمایاں اگر کوئی امام ہے تو وہ مرکزی مجلس رضائے لاہور ہے۔ جس کے روح رواں حکیم محمد سبکی امرت سہری ہیں۔ (۱) اور اگر کوئی فرد ہے تو وہ پروفیسر محمد مسعود احمد ہے۔

(۱) پروفیسر صاحب جب سے وہ شخص ہیں جنہوں نے انگریزی میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا تحقیقات اور جان دار تعارف لکھا، جس نے صرف یہی نہیں کہ انگریزی میں اعلیٰ حضرت کو امام احمد رضا سے روشناس کرایا بلکہ پورے ممالک کے کئی محققین کو اعلیٰ حضرت پر تحقیق کے لیے متحرک بنادیا۔ مقالہ تو بہت مختصر ہے مگر اس میں ایک عجیب تاثیر پہنچا ہے جو غیر متعصب قاری کو امام احمد رضا سے قریب کیے بغیر نہیں چھوڑتی۔ (۲) یہ ہے: "NEGLECTED GENIUS OF THE EAST"

(۲) اس سے پہلے یہ عنوان "رضا بریلوی" ایک مقالہ سپر قلم کیا جو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، جلد نمبر ۱۰، جرنمبر ۵ میں پنجاب یونیورسٹی سے شائع ہو چکا ہے۔

(۳) ایک انگریزی مقالہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں اشاعت کے لیے فرانس بھیجا۔

(۴) اسی طرح ایک اور انگریزی مقالہ لکھا جو لاہور پاکستان میں شائع ہونے والا تھا۔ (۵)

(۵) امام احمد رضا بریلوی دو سنی کے الزام کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے ۱۹۷۰ء میں ایک شاندار تحقیقی مقالہ بعنوان "فاضل بریلوی اور تحریک مواصلات" تحریر فرمایا، جس سے صرف ایک ہی الزام کا دفاع نہ ہوا بلکہ امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف پھیلانے ہوئے بہت سے پروپیگنڈوں کا صفایا ہو گیا۔ (۶) ۱۹۷۱ء میں اپنے موضوع پر واحد تحقیقی مقالہ لکھا "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں" یہ مقالہ اور اس پر اہل علم کے تاثرات آپ کے پیش نظر ہیں۔ لہذا اس کے بارے میں مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس مقالے کی نمایاں خصوصیات:

☆ حتی الامکان اصل مآخذ سے استفادہ۔ ☆ افکار و واقعات کے درمیان ربط و تسلسل۔ ☆ انتہائی حوالوں کی دیانت دارانہ پابندی۔ ☆ متعصب و تنگ نظری چھوڑ کر ہر مسئلہ کا تحقیقات جائزہ۔ ☆ امام احمد رضا پر شائستہ تحریروں تک کا سنجیدہ و متین رد۔ ☆ مسائل و واقعات کی چھان بین میں بھرپور محنت و کوشش۔ ☆ مسنین عیسوی کی بنیاد پر مرتبہ تاریخوں سے مطابقت کی آسانی کے پیش نظر ساری جبری کے ساتھ ساری عیسوی لکھنے کا

(۱) ۸ شعبان ۱۴۲۰ھ مطابق ۷ نومبر ۱۹۹۹ء کو ان کی رحلت ہو گئی۔ عاملہ لہولوی بالخضرۃ والرحمة

(۲) یہ مقالہ مرکزی مجلس رضائے لاہور سے شائع ہو کر مفت تقسیم ہوا۔

(۳) مکتوب مکتبہ امام مولانا شبین احمد مصباحی، علی رکن الجمع اسلامی، عمر ۸۸، رات ۶، ۱۹۷۹ء

مقالات مصباحی

(۷) فی الحال کئی سال کی محنت و کاوش کے بعد "حیات امام احمد رضا" مبسوط لکھ کر اس کی تلخیص تقریباً ستر سے تین سو صفحات پر مشتمل شائع کر رہے ہیں۔

(۸) اس سے پہلے، خلیفہ امام احمد رضا حضرت مولانا بہان الحق صاحب جبل پوری اداہم اللہ ظلہ علیہ کے تاثرات پر مشتمل ایک کتاب "اکرام امام احمد رضا" جلد ہی منظر عام پر آنے والی ہے۔ پروفیسر صاحب نے امام احمد رضا پر اپنی تین بہا خدمات کا ایک تسلسل قائم کر دیا ہے۔

(۹) یہاں ان کی حالیہ تصنیف "تحریک آزادی ہند اور امام احمد رضا السواد الاعظم" کا تذکرہ ہے اختیار قلم پر آ رہا ہے۔ اس کتاب سے انہوں نے حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی اور مولانا محمد عمر صاحب نعیمی علیہما رحمہ کی زریں خدمات اور فکر انگریز علمی و ادبی تحریروں کو زندہ کر کے بلاشبہ قلمی مسیحائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔ ع

اللہ کرے جو شی عمل اور شی زیادہ

یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ فاضل مصنف خود پابند شرع ہونے کے ساتھ دوسروں کو بھی پابند شرع بنانے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ اس خصوص میں ان کی دو کتابیں قابل ذکر ہیں۔ (۱) "حجت کی نشانی" یہ داڑھی کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔ (۲) "موج خیال" یہ ان کے مختلف انشائیوں کا مجموعہ ہے جو ایک طرف زبان و ادب کا شاندار رتبہ ہے تو دوسری طرف ادعٰی الی سبیل و ہدٰی لِحِکْمَۃٍ وَ التَّوَعُّظِ الْحَسَنَةِ کی بھی تصویر۔

بڑے بڑے ماہر ادیبوں کی رنگین تحریریں دیکھیں، لیکن ان کا موضوع "اصلاح معاشرہ" نہیں۔ اور کتنے نصیحتیں کے رشحات قلم دیکھیں، مگر زبان و ادب کی چاشنی ان کا حصہ نہیں اور "موج خیال" کو پڑھیے تو یہی! اس میں پروفیسر صاحب کا سوز و رونا، ان کی فکر بالیدہ، ان کا جذبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر، ان کے مسلک و عقائد علمی کی دل کشی، ان کے خیالات کی چنگی، ان کے اسلوب تحریر کا اوج کمال، ان کے الفاظ و ادب کی رعنائیں، سبھی بجا نظر آئیں گی۔ کاش یہاں بھی کوئی اسے شائع کرے کہ دین و علم اور زبان و ادب کی خدمت میں لکھی مقام حاصل کرے۔ واللہ المستعان و بیدہ آؤ قۃ الامور۔

موصوف نے مذکورہ تحسیر یوں کے علاوہ اور بھی بیسیوں کتابیں لکھی ہیں، جن کی فہرست اگلے صفحے

(۱) ۱۳۳۵ھ مطابق ۵ جولائی ۱۹۸۳ء شہید جبہ کو صلی ہو گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ



پر درج ہے۔<sup>(۱)</sup>

پروفیسر صاحب کو ہم نے ان کی خدمات کے آئینے میں دیکھا، جانا اور پہچانا ہے۔ یہی آئینہ ہم نے آپ کے سامنے بھی رکھ دیا ہے جس میں ان کی دلکش تصویر اور جاذبِ قلب و نظر ظاہر و باطن عیاں ہے۔

محمد احمد اعظمی المصباحی

بیمبر، ولید پور، اعظم گڑھ

رکن الصبح الاسلامی، مہارک پور

صدر المد رستین فیض العلوم، محمد آباد، اعظم گڑھ

۲۳ ربیع الثور ۱۴۰۱ھ / ۳۰ جنوری ۱۹۸۱ء، جمعہ

## تصانیف رضا کی تقسیم<sup>(۱)</sup>

چودھویں صدی کے مجدد امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ (۱۲۷۲ھ - ۱۳۴۰ھ) کی تصنیفات تین اہم حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہیں جس کی روشنی میں ان کی تجدیدی، اصلاحی اور علمی خدمات کا اجمالی نقشہ سامنے آجاتا ہے۔

- (۱)..... اصلاح عقائد اور صحیح نظریات
- (۲)..... اصلاح اعمال اور صحیح عادات
- (۳)..... علمی افادات اور فنی تحقیقات

### قسم اول:

ظاہر ہے کہ ان میں اول الذکر زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ اسی لیے جب اہل باطل کی طرف سے خلاف اسلام نظریات (مثلاً آریوں، عیسائیوں کے اعتراضات اور قادیانی خیالات) اور گستاخانہ تصورات (مثلاً علمائے دیوبند کی طرف سے خداوند قدس، سید الانبیاء و انبیاء علیہ وعلیہم السلام و آلہ و سلم اور اولیائے کرام کی بارگاہوں میں حقیقتیں و توحین پر مشتمل مواد) سامنے آئے تو مجدد و مکن و ملت علیہ الرحمہ نے انہیں دعوتِ حق پیش کی۔ باطل کو باطل اور حق کو حق ثابت کیا۔ مدعیان اسلام کو توبہ و رجوع کی ترغیب دی اور جب صورتِ رجوع نہ دیکھی تو ان پر اسلامی فتویٰ جاری کیا۔ جس نے کفر کیا اور توبہ نہ کی اس پر کفر کا فتویٰ لگایا، جو بدعتی بھی و مگر اہل تک رہا اسے بدعتِ سب و مگر اہل کہا۔ ان مخالف اسلام خیالات و نظریات کے رد اور اسلامی عقائد و افکار کے اثبات میں مفصل و مدلل کتابیں تصنیف کیں۔

اس طرح کی پیشتر کتابیں مجدد اعظم قدس سرہ نے اپنے اہتمام سے اپنی زندگی ہی میں شائع کرائیں تاکہ عام مسلمانوں کا دامن و ایمان محفوظ رہے۔ اور بلاشبہ امام احمد رضا کی برکتِ عظیمہ و ہدایت اور کوشش و محنت بار آور ہوئی۔ اور اہل اسلام مستند ہوئے اور اپنے عقائد و ایمان کی حفاظت کر کے رو نہ بے دینی و بدعتی کا تیز و تند جلاب نہیں معلوم کہاں تک پہنچ جاتا اور کون کون ان کی زد میں نہ لگتا۔

(۱) مقدمہ سہ ماہی، اشاعت المصباحی، لاہور، ۱۳۰۲ھ، ۱۳۰۴ھ، ۱۳۰۶ھ، ۱۳۰۸ھ، ۱۳۱۰ھ، ۱۳۱۲ھ، ۱۳۱۴ھ، ۱۳۱۶ھ، ۱۳۱۸ھ، ۱۳۲۰ھ، ۱۳۲۲ھ، ۱۳۲۴ھ، ۱۳۲۶ھ، ۱۳۲۸ھ، ۱۳۳۰ھ، ۱۳۳۲ھ، ۱۳۳۴ھ، ۱۳۳۶ھ، ۱۳۳۸ھ، ۱۳۴۰ھ، ۱۳۴۲ھ، ۱۳۴۴ھ، ۱۳۴۶ھ، ۱۳۴۸ھ، ۱۳۵۰ھ، ۱۳۵۲ھ، ۱۳۵۴ھ، ۱۳۵۶ھ، ۱۳۵۸ھ، ۱۳۶۰ھ، ۱۳۶۲ھ، ۱۳۶۴ھ، ۱۳۶۶ھ، ۱۳۶۸ھ، ۱۳۷۰ھ، ۱۳۷۲ھ، ۱۳۷۴ھ، ۱۳۷۶ھ، ۱۳۷۸ھ، ۱۳۸۰ھ، ۱۳۸۲ھ، ۱۳۸۴ھ، ۱۳۸۶ھ، ۱۳۸۸ھ، ۱۳۹۰ھ، ۱۳۹۲ھ، ۱۳۹۴ھ، ۱۳۹۶ھ، ۱۳۹۸ھ، ۱۴۰۰ھ، ۱۴۰۲ھ، ۱۴۰۴ھ، ۱۴۰۶ھ، ۱۴۰۸ھ، ۱۴۱۰ھ، ۱۴۱۲ھ، ۱۴۱۴ھ، ۱۴۱۶ھ، ۱۴۱۸ھ، ۱۴۲۰ھ، ۱۴۲۲ھ، ۱۴۲۴ھ، ۱۴۲۶ھ، ۱۴۲۸ھ، ۱۴۳۰ھ، ۱۴۳۲ھ، ۱۴۳۴ھ، ۱۴۳۶ھ، ۱۴۳۸ھ، ۱۴۴۰ھ، ۱۴۴۲ھ، ۱۴۴۴ھ، ۱۴۴۶ھ، ۱۴۴۸ھ، ۱۴۵۰ھ، ۱۴۵۲ھ، ۱۴۵۴ھ، ۱۴۵۶ھ، ۱۴۵۸ھ، ۱۴۶۰ھ، ۱۴۶۲ھ، ۱۴۶۴ھ، ۱۴۶۶ھ، ۱۴۶۸ھ، ۱۴۷۰ھ، ۱۴۷۲ھ، ۱۴۷۴ھ، ۱۴۷۶ھ، ۱۴۷۸ھ، ۱۴۸۰ھ، ۱۴۸۲ھ، ۱۴۸۴ھ، ۱۴۸۶ھ، ۱۴۸۸ھ، ۱۴۹۰ھ، ۱۴۹۲ھ، ۱۴۹۴ھ، ۱۴۹۶ھ، ۱۴۹۸ھ، ۱۵۰۰ھ، ۱۵۰۲ھ، ۱۵۰۴ھ، ۱۵۰۶ھ، ۱۵۰۸ھ، ۱۵۱۰ھ، ۱۵۱۲ھ، ۱۵۱۴ھ، ۱۵۱۶ھ، ۱۵۱۸ھ، ۱۵۲۰ھ، ۱۵۲۲ھ، ۱۵۲۴ھ، ۱۵۲۶ھ، ۱۵۲۸ھ، ۱۵۳۰ھ، ۱۵۳۲ھ، ۱۵۳۴ھ، ۱۵۳۶ھ، ۱۵۳۸ھ، ۱۵۴۰ھ، ۱۵۴۲ھ، ۱۵۴۴ھ، ۱۵۴۶ھ، ۱۵۴۸ھ، ۱۵۵۰ھ، ۱۵۵۲ھ، ۱۵۵۴ھ، ۱۵۵۶ھ، ۱۵۵۸ھ، ۱۵۶۰ھ، ۱۵۶۲ھ، ۱۵۶۴ھ، ۱۵۶۶ھ، ۱۵۶۸ھ، ۱۵۷۰ھ، ۱۵۷۲ھ، ۱۵۷۴ھ، ۱۵۷۶ھ، ۱۵۷۸ھ، ۱۵۸۰ھ، ۱۵۸۲ھ، ۱۵۸۴ھ، ۱۵۸۶ھ، ۱۵۸۸ھ، ۱۵۹۰ھ، ۱۵۹۲ھ، ۱۵۹۴ھ، ۱۵۹۶ھ، ۱۵۹۸ھ، ۱۶۰۰ھ، ۱۶۰۲ھ، ۱۶۰۴ھ، ۱۶۰۶ھ، ۱۶۰۸ھ، ۱۶۱۰ھ، ۱۶۱۲ھ، ۱۶۱۴ھ، ۱۶۱۶ھ، ۱۶۱۸ھ، ۱۶۲۰ھ، ۱۶۲۲ھ، ۱۶۲۴ھ، ۱۶۲۶ھ، ۱۶۲۸ھ، ۱۶۳۰ھ، ۱۶۳۲ھ، ۱۶۳۴ھ، ۱۶۳۶ھ، ۱۶۳۸ھ، ۱۶۴۰ھ، ۱۶۴۲ھ، ۱۶۴۴ھ، ۱۶۴۶ھ، ۱۶۴۸ھ، ۱۶۵۰ھ، ۱۶۵۲ھ، ۱۶۵۴ھ، ۱۶۵۶ھ، ۱۶۵۸ھ، ۱۶۶۰ھ، ۱۶۶۲ھ، ۱۶۶۴ھ، ۱۶۶۶ھ، ۱۶۶۸ھ، ۱۶۷۰ھ، ۱۶۷۲ھ، ۱۶۷۴ھ، ۱۶۷۶ھ، ۱۶۷۸ھ، ۱۶۸۰ھ، ۱۶۸۲ھ، ۱۶۸۴ھ، ۱۶۸۶ھ، ۱۶۸۸ھ، ۱۶۹۰ھ، ۱۶۹۲ھ، ۱۶۹۴ھ، ۱۶۹۶ھ، ۱۶۹۸ھ، ۱۷۰۰ھ، ۱۷۰۲ھ، ۱۷۰۴ھ، ۱۷۰۶ھ، ۱۷۰۸ھ، ۱۷۱۰ھ، ۱۷۱۲ھ، ۱۷۱۴ھ، ۱۷۱۶ھ، ۱۷۱۸ھ، ۱۷۲۰ھ، ۱۷۲۲ھ، ۱۷۲۴ھ، ۱۷۲۶ھ، ۱۷۲۸ھ، ۱۷۳۰ھ، ۱۷۳۲ھ، ۱۷۳۴ھ، ۱۷۳۶ھ، ۱۷۳۸ھ، ۱۷۴۰ھ، ۱۷۴۲ھ، ۱۷۴۴ھ، ۱۷۴۶ھ، ۱۷۴۸ھ، ۱۷۵۰ھ، ۱۷۵۲ھ، ۱۷۵۴ھ، ۱۷۵۶ھ، ۱۷۵۸ھ، ۱۷۶۰ھ، ۱۷۶۲ھ، ۱۷۶۴ھ، ۱۷۶۶ھ، ۱۷۶۸ھ، ۱۷۷۰ھ، ۱۷۷۲ھ، ۱۷۷۴ھ، ۱۷۷۶ھ، ۱۷۷۸ھ، ۱۷۸۰ھ، ۱۷۸۲ھ، ۱۷۸۴ھ، ۱۷۸۶ھ، ۱۷۸۸ھ، ۱۷۹۰ھ، ۱۷۹۲ھ، ۱۷۹۴ھ، ۱۷۹۶ھ، ۱۷۹۸ھ، ۱۸۰۰ھ، ۱۸۰۲ھ، ۱۸۰۴ھ، ۱۸۰۶ھ، ۱۸۰۸ھ، ۱۸۱۰ھ، ۱۸۱۲ھ، ۱۸۱۴ھ، ۱۸۱۶ھ، ۱۸۱۸ھ، ۱۸۲۰ھ، ۱۸۲۲ھ، ۱۸۲۴ھ، ۱۸۲۶ھ، ۱۸۲۸ھ، ۱۸۳۰ھ، ۱۸۳۲ھ، ۱۸۳۴ھ، ۱۸۳۶ھ، ۱۸۳۸ھ، ۱۸۴۰ھ، ۱۸۴۲ھ، ۱۸۴۴ھ، ۱۸۴۶ھ، ۱۸۴۸ھ، ۱۸۵۰ھ، ۱۸۵۲ھ، ۱۸۵۴ھ، ۱۸۵۶ھ، ۱۸۵۸ھ، ۱۸۶۰ھ، ۱۸۶۲ھ، ۱۸۶۴ھ، ۱۸۶۶ھ، ۱۸۶۸ھ، ۱۸۷۰ھ، ۱۸۷۲ھ، ۱۸۷۴ھ، ۱۸۷۶ھ، ۱۸۷۸ھ، ۱۸۸۰ھ، ۱۸۸۲ھ، ۱۸۸۴ھ، ۱۸۸۶ھ، ۱۸۸۸ھ، ۱۸۹۰ھ، ۱۸۹۲ھ، ۱۸۹۴ھ، ۱۸۹۶ھ، ۱۸۹۸ھ، ۱۹۰۰ھ، ۱۹۰۲ھ، ۱۹۰۴ھ، ۱۹۰۶ھ، ۱۹۰۸ھ، ۱۹۱۰ھ، ۱۹۱۲ھ، ۱۹۱۴ھ، ۱۹۱۶ھ، ۱۹۱۸ھ، ۱۹۲۰ھ، ۱۹۲۲ھ، ۱۹۲۴ھ، ۱۹۲۶ھ، ۱۹۲۸ھ، ۱۹۳۰ھ، ۱۹۳۲ھ، ۱۹۳۴ھ، ۱۹۳۶ھ، ۱۹۳۸ھ، ۱۹۴۰ھ، ۱۹۴۲ھ، ۱۹۴۴ھ، ۱۹۴۶ھ، ۱۹۴۸ھ، ۱۹۵۰ھ، ۱۹۵۲ھ، ۱۹۵۴ھ، ۱۹۵۶ھ، ۱۹۵۸ھ، ۱۹۶۰ھ، ۱۹۶۲ھ، ۱۹۶۴ھ، ۱۹۶۶ھ، ۱۹۶۸ھ، ۱۹۷۰ھ، ۱۹۷۲ھ، ۱۹۷۴ھ، ۱۹۷۶ھ، ۱۹۷۸ھ، ۱۹۸۰ھ، ۱۹۸۲ھ، ۱۹۸۴ھ، ۱۹۸۶ھ، ۱۹۸۸ھ، ۱۹۹۰ھ، ۱۹۹۲ھ، ۱۹۹۴ھ، ۱۹۹۶ھ، ۱۹۹۸ھ، ۲۰۰۰ھ، ۲۰۰۲ھ، ۲۰۰۴ھ، ۲۰۰۶ھ، ۲۰۰۸ھ، ۲۰۱۰ھ، ۲۰۱۲ھ، ۲۰۱۴ھ، ۲۰۱۶ھ، ۲۰۱۸ھ، ۲۰۲۰ھ، ۲۰۲۲ھ، ۲۰۲۴ھ، ۲۰۲۶ھ، ۲۰۲۸ھ، ۲۰۳۰ھ، ۲۰۳۲ھ، ۲۰۳۴ھ، ۲۰۳۶ھ، ۲۰۳۸ھ، ۲۰۴۰ھ، ۲۰۴۲ھ، ۲۰۴۴ھ، ۲۰۴۶ھ، ۲۰۴۸ھ، ۲۰۵۰ھ، ۲۰۵۲ھ، ۲۰۵۴ھ، ۲۰۵۶ھ، ۲۰۵۸ھ، ۲۰۶۰ھ، ۲۰۶۲ھ، ۲۰۶۴ھ، ۲۰۶۶ھ، ۲۰۶۸ھ، ۲۰۷۰ھ، ۲۰۷۲ھ، ۲۰۷۴ھ، ۲۰۷۶ھ، ۲۰۷۸ھ، ۲۰۸۰ھ، ۲۰۸۲ھ، ۲۰۸۴ھ، ۲۰۸۶ھ، ۲۰۸۸ھ، ۲۰۹۰ھ، ۲۰۹۲ھ، ۲۰۹۴ھ، ۲۰۹۶ھ، ۲۰۹۸ھ، ۲۱۰۰ھ، ۲۱۰۲ھ، ۲۱۰۴ھ، ۲۱۰۶ھ، ۲۱۰۸ھ، ۲۱۱۰ھ، ۲۱۱۲ھ، ۲۱۱۴ھ، ۲۱۱۶ھ، ۲۱۱۸ھ، ۲۱۲۰ھ، ۲۱۲۲ھ، ۲۱۲۴ھ، ۲۱۲۶ھ، ۲۱۲۸ھ، ۲۱۳۰ھ، ۲۱۳۲ھ، ۲۱۳۴ھ، ۲۱۳۶ھ، ۲۱۳۸ھ، ۲۱۴۰ھ، ۲۱۴۲ھ، ۲۱۴۴ھ، ۲۱۴۶ھ، ۲۱۴۸ھ، ۲۱۵۰ھ، ۲۱۵۲ھ، ۲۱۵۴ھ، ۲۱۵۶ھ، ۲۱۵۸ھ، ۲۱۶۰ھ، ۲۱۶۲ھ، ۲۱۶۴ھ، ۲۱۶۶ھ، ۲۱۶۸ھ، ۲۱۷۰ھ، ۲۱۷۲ھ، ۲۱۷۴ھ، ۲۱۷۶ھ، ۲۱۷۸ھ، ۲۱۸۰ھ، ۲۱۸۲ھ، ۲۱۸۴ھ، ۲۱۸۶ھ، ۲۱۸۸ھ، ۲۱۹۰ھ، ۲۱۹۲ھ، ۲۱۹۴ھ، ۲۱۹۶ھ، ۲۱۹۸ھ، ۲۲۰۰ھ، ۲۲۰۲ھ، ۲۲۰۴ھ، ۲۲۰۶ھ، ۲۲۰۸ھ، ۲۲۱۰ھ، ۲۲۱۲ھ، ۲۲۱۴ھ، ۲۲۱۶ھ، ۲۲۱۸ھ، ۲۲۲۰ھ، ۲۲۲۲ھ، ۲۲۲۴ھ، ۲۲۲۶ھ، ۲۲۲۸ھ، ۲۲۳۰ھ، ۲۲۳۲ھ، ۲۲۳۴ھ، ۲۲۳۶ھ، ۲۲۳۸ھ، ۲۲۴۰ھ، ۲۲۴۲ھ، ۲۲۴۴ھ، ۲۲۴۶ھ، ۲۲۴۸ھ، ۲۲۵۰ھ، ۲۲۵۲ھ، ۲۲۵۴ھ، ۲۲۵۶ھ، ۲۲۵۸ھ، ۲۲۶۰ھ، ۲۲۶۲ھ، ۲۲۶۴ھ، ۲۲۶۶ھ، ۲۲۶۸ھ، ۲۲۷۰ھ، ۲۲۷۲ھ، ۲۲۷۴ھ، ۲۲۷۶ھ، ۲۲۷۸ھ، ۲۲۸۰ھ، ۲۲۸۲ھ، ۲۲۸۴ھ، ۲۲۸۶ھ، ۲۲۸۸ھ، ۲۲۹۰ھ، ۲۲۹۲ھ، ۲۲۹۴ھ، ۲۲۹۶ھ، ۲۲۹۸ھ، ۲۳۰۰ھ، ۲۳۰۲ھ، ۲۳۰۴ھ، ۲۳۰۶ھ، ۲۳۰۸ھ، ۲۳۱۰ھ، ۲۳۱۲ھ، ۲۳۱۴ھ، ۲۳۱۶ھ، ۲۳۱۸ھ، ۲۳۲۰ھ، ۲۳۲۲ھ، ۲۳۲۴ھ، ۲۳۲۶ھ، ۲۳۲۸ھ، ۲۳۳۰ھ، ۲۳۳۲ھ، ۲۳۳۴ھ، ۲۳۳۶ھ، ۲۳۳۸ھ، ۲۳۴۰ھ، ۲۳۴۲ھ، ۲۳۴۴ھ، ۲۳۴۶ھ، ۲۳۴۸ھ، ۲۳۵۰ھ، ۲۳۵۲ھ، ۲۳۵۴ھ، ۲۳۵۶ھ، ۲۳۵۸ھ، ۲۳۶۰ھ، ۲۳۶۲ھ، ۲۳۶۴ھ، ۲۳۶۶ھ، ۲۳۶۸ھ، ۲۳۷۰ھ، ۲۳۷۲ھ، ۲۳۷۴ھ، ۲۳۷۶ھ، ۲۳۷۸ھ، ۲۳۸۰ھ، ۲۳۸۲ھ، ۲۳۸۴ھ، ۲۳۸۶ھ، ۲۳۸۸ھ، ۲۳۹۰ھ، ۲۳۹۲ھ، ۲۳۹۴ھ، ۲۳۹۶ھ، ۲۳۹۸ھ، ۲۴۰۰ھ، ۲۴۰۲ھ، ۲۴۰۴ھ، ۲۴۰۶ھ، ۲۴۰۸ھ، ۲۴۱۰ھ، ۲۴۱۲ھ، ۲۴۱۴ھ، ۲۴۱۶ھ، ۲۴۱۸ھ، ۲۴۲۰ھ، ۲۴۲۲ھ، ۲۴۲۴ھ، ۲۴۲۶ھ، ۲۴۲۸ھ، ۲۴۳۰ھ، ۲۴۳۲ھ، ۲۴۳۴ھ، ۲۴۳۶ھ، ۲۴۳۸ھ، ۲۴۴۰ھ، ۲۴۴۲ھ، ۲۴۴۴ھ، ۲۴۴۶ھ، ۲۴۴۸ھ، ۲۴۵۰ھ، ۲۴۵۲ھ، ۲۴۵۴ھ، ۲۴۵۶ھ، ۲۴۵۸ھ، ۲۴۶۰ھ، ۲۴۶۲ھ، ۲۴۶۴ھ، ۲۴۶۶ھ، ۲۴۶۸ھ، ۲۴۷۰ھ، ۲۴۷۲ھ، ۲۴۷۴ھ، ۲۴۷۶ھ، ۲۴۷۸ھ، ۲۴۸۰ھ، ۲۴۸۲ھ، ۲۴۸۴ھ، ۲۴۸۶ھ، ۲۴۸۸ھ، ۲۴۹۰ھ، ۲۴۹۲ھ، ۲۴۹۴ھ، ۲۴۹۶ھ، ۲۴۹۸ھ، ۲۵۰۰ھ، ۲۵۰۲ھ، ۲۵۰۴ھ، ۲۵۰۶ھ، ۲۵۰۸ھ، ۲۵۱۰ھ، ۲۵۱۲ھ، ۲۵۱۴ھ، ۲۵۱۶ھ، ۲۵۱۸ھ، ۲۵۲۰ھ، ۲۵۲۲ھ، ۲۵۲۴ھ، ۲۵۲۶ھ، ۲۵۲۸ھ، ۲۵۳۰ھ، ۲۵۳۲ھ، ۲۵۳۴ھ، ۲۵۳۶ھ، ۲۵۳۸ھ، ۲۵۴۰ھ، ۲۵۴۲ھ، ۲۵۴۴ھ، ۲۵۴۶ھ، ۲۵۴۸ھ، ۲۵۵۰ھ، ۲۵۵۲ھ، ۲۵۵۴ھ، ۲۵۵۶ھ، ۲۵۵۸ھ، ۲۵۶۰ھ، ۲۵۶۲ھ، ۲۵۶۴ھ، ۲۵۶۶ھ، ۲۵۶۸ھ، ۲۵۷۰ھ، ۲۵۷۲ھ، ۲۵۷۴ھ، ۲۵۷۶ھ، ۲۵۷۸ھ، ۲۵۸۰ھ، ۲۵۸۲ھ، ۲۵۸۴ھ، ۲۵۸۶ھ، ۲۵۸۸ھ، ۲۵۹۰ھ، ۲۵۹۲ھ، ۲۵۹۴ھ، ۲۵۹۶ھ، ۲۵۹۸ھ، ۲۶۰۰ھ، ۲۶۰۲ھ، ۲۶۰۴ھ، ۲۶۰۶ھ، ۲۶۰۸ھ، ۲۶۱۰ھ، ۲۶۱۲ھ، ۲۶۱۴ھ، ۲۶۱۶ھ، ۲۶۱۸ھ، ۲۶۲۰ھ، ۲۶۲۲ھ، ۲۶۲۴ھ، ۲۶۲۶ھ، ۲۶۲۸ھ، ۲۶۳۰ھ، ۲۶۳۲ھ، ۲۶۳۴ھ، ۲۶۳۶ھ، ۲۶۳۸ھ، ۲۶۴۰ھ، ۲۶۴۲ھ، ۲۶۴۴ھ، ۲۶۴۶ھ، ۲۶۴۸ھ، ۲۶۵۰ھ، ۲۶۵۲ھ، ۲۶۵۴ھ، ۲۶۵۶ھ، ۲۶۵۸ھ، ۲۶۶۰ھ، ۲۶۶۲ھ، ۲۶۶۴ھ، ۲۶۶۶ھ، ۲۶۶۸ھ، ۲۶۷۰ھ، ۲۶۷۲ھ، ۲۶۷۴ھ، ۲۶۷۶ھ، ۲۶۷۸ھ، ۲۶۸۰ھ، ۲۶۸۲ھ، ۲۶۸۴ھ، ۲۶۸۶ھ، ۲۶۸۸ھ، ۲۶۹۰ھ، ۲۶۹۲ھ، ۲۶۹۴ھ، ۲۶۹۶ھ، ۲۶۹۸ھ، ۲۷۰۰ھ، ۲۷۰۲ھ، ۲۷۰۴ھ، ۲۷۰۶ھ، ۲۷۰۸ھ، ۲۷۱۰ھ، ۲۷۱۲ھ، ۲۷۱۴ھ، ۲۷۱۶ھ، ۲۷۱۸ھ، ۲۷۲۰ھ، ۲۷۲۲ھ، ۲۷۲۴ھ، ۲۷۲۶ھ، ۲۷۲۸ھ، ۲۷۳۰ھ، ۲۷۳۲ھ، ۲۷۳۴ھ، ۲۷۳۶ھ، ۲۷۳۸ھ، ۲۷۴۰ھ، ۲۷۴۲ھ، ۲۷۴۴ھ، ۲۷۴۶ھ، ۲۷۴۸ھ، ۲۷۵۰ھ، ۲۷۵۲ھ، ۲۷۵۴ھ، ۲۷۵۶ھ، ۲۷۵۸ھ، ۲۷۶۰ھ، ۲۷۶۲ھ، ۲۷۶۴ھ، ۲۷۶۶ھ، ۲۷۶۸ھ، ۲۷۷۰ھ، ۲۷۷۲ھ، ۲۷۷۴ھ، ۲۷۷۶ھ، ۲۷۷۸ھ، ۲۷۸۰ھ، ۲۷۸۲ھ، ۲۷۸۴ھ، ۲۷۸۶ھ، ۲۷۸۸ھ، ۲۷۹۰ھ، ۲۷۹۲ھ، ۲۷۹۴ھ، ۲۷۹۶ھ، ۲۷۹۸ھ، ۲۸۰۰ھ، ۲۸۰۲ھ، ۲۸۰۴ھ، ۲۸۰۶ھ، ۲۸۰۸ھ، ۲۸۱۰ھ، ۲۸۱۲ھ، ۲۸۱۴ھ، ۲۸۱۶ھ، ۲۸۱۸ھ، ۲۸۲۰ھ، ۲۸۲۲ھ، ۲۸۲۴ھ، ۲۸۲۶ھ، ۲۸۲۸ھ، ۲۸۳۰ھ، ۲۸۳۲ھ، ۲۸۳۴ھ، ۲۸۳۶ھ، ۲۸۳۸ھ، ۲۸۴۰ھ، ۲۸۴۲ھ، ۲۸۴۴ھ، ۲۸۴۶ھ، ۲۸۴۸ھ، ۲۸۵۰ھ، ۲۸۵۲ھ، ۲۸۵۴ھ، ۲۸۵۶ھ، ۲۸۵۸ھ، ۲۸۶۰ھ، ۲۸۶۲ھ، ۲۸۶۴ھ، ۲۸۶۶ھ، ۲۸۶۸ھ، ۲۸۷۰ھ، ۲۸۷۲ھ، ۲۸۷۴ھ، ۲۸۷۶ھ، ۲۸۷۸ھ، ۲۸۸۰ھ، ۲۸۸۲ھ، ۲۸۸۴ھ، ۲۸۸۶ھ، ۲۸۸۸ھ، ۲۸۹۰ھ، ۲۸۹۲ھ، ۲۸۹۴ھ، ۲۸۹۶ھ، ۲۸۹۸ھ، ۲۹۰۰ھ، ۲۹۰۲ھ، ۲۹۰۴ھ، ۲۹۰۶ھ، ۲۹۰۸ھ، ۲۹۱۰ھ، ۲۹۱۲ھ، ۲۹۱۴ھ، ۲۹۱۶ھ، ۲۹۱۸ھ، ۲۹۲۰ھ، ۲۹۲۲ھ، ۲۹۲۴ھ، ۲۹۲۶ھ، ۲۹۲۸ھ، ۲۹۳۰ھ، ۲۹۳۲ھ، ۲۹۳۴ھ، ۲۹۳۶ھ، ۲۹۳۸ھ، ۲۹۴۰ھ، ۲۹۴۲ھ، ۲۹۴۴ھ، ۲۹۴۶ھ، ۲۹۴۸ھ، ۲۹۵۰ھ، ۲۹۵۲ھ، ۲۹۵۴ھ، ۲۹۵۶ھ، ۲۹۵۸ھ، ۲۹۶۰ھ، ۲۹۶۲ھ، ۲۹۶۴ھ، ۲۹۶۶ھ، ۲۹۶۸ھ، ۲۹۷۰ھ، ۲۹۷۲ھ، ۲۹۷۴ھ، ۲۹۷۶ھ، ۲۹۷۸ھ، ۲۹۸۰ھ، ۲۹۸۲ھ، ۲۹۸۴ھ، ۲۹۸۶ھ، ۲۹۸۸ھ، ۲۹۹۰ھ، ۲۹۹۲ھ، ۲۹۹۴ھ، ۲۹۹۶ھ، ۲۹۹۸ھ، ۳۰۰۰ھ، ۳۰۰۲ھ، ۳۰۰۴ھ، ۳۰۰۶ھ، ۳۰۰۸ھ، ۳۰۱۰ھ، ۳۰۱۲ھ، ۳۰۱۴ھ، ۳۰۱۶ھ، ۳۰۱۸ھ، ۳۰۲۰ھ، ۳۰۲۲ھ، ۳۰۲۴ھ، ۳۰۲۶ھ، ۳۰۲۸ھ، ۳۰۳۰ھ، ۳۰۳۲ھ، ۳۰۳۴ھ، ۳۰۳۶ھ، ۳۰۳۸ھ، ۳۰۴۰ھ، ۳۰۴۲ھ، ۳۰۴۴ھ، ۳۰۴۶ھ، ۳۰۴۸ھ، ۳۰۵۰ھ، ۳۰۵۲ھ، ۳۰۵۴ھ، ۳۰۵۶ھ، ۳۰۵۸ھ، ۳۰۶۰ھ، ۳۰۶۲ھ، ۳۰۶۴ھ، ۳۰۶۶ھ، ۳۰۶۸ھ، ۳۰۷۰ھ، ۳۰۷۲ھ، ۳۰۷۴ھ، ۳۰۷۶ھ، ۳۰۷۸ھ، ۳۰۸۰ھ، ۳۰۸۲ھ، ۳۰۸۴ھ، ۳۰۸۶ھ، ۳۰۸۸ھ، ۳۰۹۰ھ، ۳۰۹۲ھ، ۳۰۹۴ھ، ۳۰۹۶ھ، ۳۰۹۸ھ، ۳۱۰۰ھ، ۳۱۰۲ھ، ۳۱۰۴ھ، ۳۱۰۶ھ، ۳۱۰۸ھ، ۳۱۱۰ھ، ۳۱۱۲ھ، ۳۱۱۴ھ، ۳۱۱۶ھ، ۳۱۱۸ھ، ۳۱۲۰ھ، ۳۱۲۲ھ، ۳۱۲۴ھ، ۳۱۲۶ھ، ۳۱۲۸ھ، ۳۱۳۰ھ، ۳۱۳۲ھ، ۳۱۳۴ھ، ۳۱۳۶ھ، ۳۱۳۸ھ، ۳۱۴۰ھ، ۳۱۴۲ھ، ۳۱۴۴ھ، ۳۱۴۶ھ، ۳۱۴۸ھ، ۳۱۵۰ھ، ۳۱۵۲ھ، ۳۱۵۴ھ، ۳۱۵۶ھ، ۳۱۵۸ھ، ۳۱۶۰ھ، ۳۱۶۲ھ، ۳۱۶۴ھ، ۳۱۶۶ھ، ۳۱۶۸ھ، ۳۱۷۰ھ، ۳۱۷۲ھ، ۳۱۷۴ھ، ۳۱۷۶ھ، ۳۱۷۸ھ، ۳۱۸۰ھ، ۳۱۸۲ھ، ۳۱۸۴ھ، ۳۱۸۶ھ، ۳۱۸۸ھ، ۳۱۹۰ھ، ۳۱۹۲ھ، ۳۱۹۴ھ، ۳۱۹۶ھ، ۳۱۹۸ھ، ۳۲۰۰ھ، ۳۲۰۲ھ، ۳۲۰۴ھ، ۳۲۰۶ھ، ۳۲۰۸ھ، ۳۲۱۰ھ، ۳۲۱۲ھ، ۳۲۱۴ھ، ۳۲۱۶ھ، ۳۲۱۸ھ، ۳۲۲۰ھ، ۳۲۲۲ھ، ۳۲۲۴ھ، ۳۲۲۶ھ، ۳۲۲۸ھ، ۳۲۳۰ھ، ۳۲۳۲ھ، ۳۲۳۴ھ، ۳۲۳۶ھ، ۳۲۳۸ھ، ۳۲۴۰ھ، ۳۲۴۲ھ، ۳۲۴۴ھ، ۳۲۴۶ھ، ۳۲۴۸ھ، ۳۲۵۰ھ، ۳۲۵۲ھ، ۳۲۵۴ھ، ۳۲۵۶ھ، ۳۲۵۸ھ، ۳۲۶۰ھ، ۳۲۶۲ھ، ۳۲۶۴ھ، ۳۲۶۶ھ، ۳۲۶۸ھ، ۳۲۷۰ھ، ۳۲۷۲ھ، ۳

اس موضوع کی کتابیں بعد میں بھی جمع ہوئی ہیں اور بہت سی اب بھی دستیاب ہیں۔ جنہوں نے نہ دیکھا اور انہیں چاہیے کہ حاصل کر کے مطالعہ کریں اور اہل باطل کے شر و فساد سے ہوشیار رہیں۔ چند کتابوں کے نام یہاں لکھے جاتے ہیں۔

- (۱) اعتقاد الاحزاب فی الجہل والمصطفیٰ والآل والاصحاب ۱۲۹۸ھ (۲) کفر کردار آریہ ۱۳۱۶ھ (۳) معنی مژدہ قرآن کو کفر نصاریٰ ۱۳۲۰ھ (۴) المصمم علی مشکک فی آیہ علوم الارحام (۵) السوء والعتاب علی السع الکذاب ۱۳۳۰ھ (۶) قبر الدیانی علی مرتد نقادیان ۱۳۲۳ھ (۷) توارع القہار علی الجہمہ الفجار ۱۳۱۸ھ (۸) جزاء اللہ علیہ (۹) ختم النبوة (۱۰) سل السیوف البندیہ علی کفریات بابا النہدیہ (۱۱) تمہید ایمان بآیات قرآن (۱۲) فتاویٰ الحرمین برجہ ندوۃ الیمین (۱۳) رد الرافضہ (۱۴) مقام الخدی علی خدا منطبق الجہد۔

### قسم دوم:

اس سے متعلق وہ کتابیں ہیں جو مسلمانوں میں پھیلی ہوئی بدعات، ناجائز رسوم، احکام شریعت کی خلاف ورزی اور دین و ملت کی طرف سے بے توجہی پر گرفت اور مسلمانوں کی اصلاح و ہدایت پر مشتمل ہیں۔ اس طرح کی تحریروں کے چند نمونے یہ ہیں:

- (۱) اعلیٰ الإعادة فی تعریہ الهند و بیان الشهادة .... تعزیر دہلی کی خرافات و جہالت کا رد بطرف
- (۲) الربدۃ الزکیۃ فی تحریم سجود التبحۃ ..... سجدہ تقیسی کی حرمت پر مدلل رسالہ۔
- (۳) عطا یا القدر فی حکم التصویر ..... فوٹو کھانچنے کی حرمت، یوں ہی بزرگوں کی تصویر میں بنانے اور گھروں میں لٹکانے کی ممانعت اور اس کی خرابیوں کا مدلل و مفصل بیان۔

- (۴) ہادی الساس فی رسوم الأعراس ..... شادیوں کی رسوم بدکاروں اور اہل اسلام کی اصلاح۔
- (۵) مروج النجا لخر و ح النساء ..... عورتوں کی بے پردگی اور مردوں کی بے توجہی پر تعمیر۔ عورتوں کے لیے باہر نکلنے کے جائز مواقع کی تفصیل اور خلاف شرع نکلنے پر ہدایت و موعظت۔

- (۶) جمل النور فی نہی النساء عن زیارة القبور ..... مزارت پر عورتوں کی حاضری سے ممانعت اور دیگر افادات۔

- (۷) لمعة الضحیٰ فی اعفاء المخی ..... داغی رکھنے کے وجوب اور منڈانے یا حد شرعاً کم کرانے کی حرمت پر عبرت انگیز رسالہ۔

- (۸) جلی الصوت لنہی الدعوة أمام موت ..... سوم، جہلم وغیرہ میں فاتحہ کے قرا

مکرم عام دعوت اور انہی کی شرکت ممنوع۔

- (۹) مشعلة الإرشاد إلی حقوق الأولاد ..... اولاد کے حقوق جن سے لوگ عمیق ناخلف ہیں۔

- (۱۰) شرح الحقوق لطرح العقوق ..... والدین اور استاذ کے حقوق جن کی خلاف ورزی بے اساس عام ہے۔

- (۱۱) المحجة المؤتمنه فی آیة الممتحنہ ... مسلمانوں کی سیاسی کج روی پر تعمیر اور اسلامی ہدایت کی روشنی۔

- (۱۲) تدبیر فلاح و نجات و اصلاح ..... مسلمانوں کی معاشی و اقتصادی خوش حالی کی تدابیر۔

- (۱۳) اعز الاکتفاء فی رد صدقة مانع الزکوة ..... زکوٰۃ روک کر نفل صدقات و خیرات

- کرنے والوں کو سخت عیب۔

- (۱۴) یوں ہی فتاویٰ رضویہ جلد چہارم کتاب الصوم کا وہ فتویٰ جو تراویح کے لیے حفظ قرآن کی تیاری میں مشغول رہ کر روزہ رمضان چھوڑنے سے متعلق سوال پر لکھا گیا۔

- اس میں مجدد اعظم قدس سرانے فرمایا: ”قرآن شفا ہے اور روزہ حکم حدیث باعث صحت۔ نہ تلاوت قرآن روزہ مانع ہو سکتی ہے نہ روزہ تلاوت قرآن سے ..... پھر بھی اگر کوئی نہ مانے تو تراویح سنت مؤکدہ ہے اور

- میں اس شخص کے لیے ختم قرآن صرف مستحب۔ ایک مستحب کے لیے فرض قطعی چھوڑنا کیوں کر روا ہوگا؟“

- یہ فتویٰ منسل ہے اور فرائض و واجبات چھوڑ کر، نفل خیرات یا نفل روزوں اور وظائف و اوراد میں مشغول رہنے والوں کے لیے تازیانہ عبرت اور خیرت ہدایت و نصیحت۔

- (۱۵) فتاویٰ رضویہ جلد سوم ”القلادة المرصعة فی نحر الأجوۃ الأربعة“ کا مسئلہ دوم و سوم۔

- کسی نے نماز ظہر کی جماعت چھوڑنے کی ترکیب یہ نکالی تھی کہ مجھے رات کو تہجد کے لیے بیدار ہونا پڑتا ہے

- اس لیے دوپہر میں قبولہ ضروری ہے اور قبولہ چھوڑ کر جماعت ظہر میں شرکت سے فوت تہجد کا خطرہ ..... مجدد

- نہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دونوں میں کوئی تناقض نہیں۔ جماعت و تہجد دونوں کی بجا آوری ہو سکتی ہے جس کی رات تہجد میں بتائیں۔ پھر فرمایا: اگر کوئی نہ مانے تو تہجد کے لیے جو صرف مستحب یا صرف سنت غیر مؤکدہ ہے تلاوت چھوڑنے کی اجازت کیوں کر ہوگی؟ جو بقول اجماع واجب اور بقول دیگر سنت مؤکدہ اہم السنن۔ حتیٰ کہ

- نہ نرسے بھی اہم اور قریب تر ہو واجب ہے۔

- اس رسالے میں ہدایت و موعظت کا عجیب انداز ہے جسے دیکھ کر سیدنا نوح علیہ السلام عبد القادر جیلانی رضی

اللہ تعالیٰ عنہ فی فلاح الغیب اور ان کی خطابت کا زور دار، پچ شکوہ اور دلنشیں اسلوب یاد آتا ہے۔ تاکہ کین جملہ کے لیے یہ رسالہ سامان ہدایت و بصیرت اور درس عبرت و نصیحت ہے۔

(۱۶) موسیقی کی حرمت اور تواریخ مع مزامیر کی آفت پر کنی فتوے۔ (جو بنام مسائل صلح مطبوع ہیں)

یہ چند تحریریں میں نے بطور نمونہ اور اس موضوع پر تحقیق کرنے والوں کے لیے بطور اشارہ ذکر کر رہی ہیں۔ سب کا تفصیلی ذکر ہو تو ایک کتاب ہو جائے اور تذکرہ نامکمل ہی رہے۔ چوں کہ اصلاح عقائد کے بعد نام کام اصلاح اعمال ہی ہے اس لیے مجدد اسلام امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس موضوع کی بھی بہت سی کتابیں اپنی زندگی ہی میں طبع کرائیں جو مسلمانوں کی اصلاح میں بڑی حد تک کارگر ثابت ہوئیں۔ بہت سے لوگ اس سلسلے کے بعض مواخذوں پر ناراض بھی ہوئے ہوں مگر جو صرف خدا اور رسول کی خوشنودی کے لیے لکھتا اور بولتا ہو اسے اپنوں اور غیروں کی ناراضی کی کیا فکر؟ وہ تو بلا خوف و لوم لا یم کلہ حق یا داور بلند اور پائدار حسن کہہ سکتا ہے۔ کوئی ہدایت پذیر نہ ہو تو یہ اس کی کجھ کا قصور، اس کے نفس کا فتور اور اس کی عاقبت کا نقصان ہے رہنمائے برحق کا دامن اس کے راسخ گناہ سے بری ہے۔ وَاللّٰهُ الْهَادِیُّ اِلٰی سَوَاءِ السَّبِيلِ۔

### قسم سوم:

امام احمد رضا قدس سرہ کی فنی تحقیقات ابداع و ایجاد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ آج کے تحقیقی مقالات پر ان کی تمام تحقیقات کو قیاس نہ کر لینا چاہیے۔ انھوں نے پچاس سے زیادہ علوم و فنون میں نادر علمی تحقیقات کے معنی لائے ہیں۔ علاوہ ازیں تمام کتب متداولہ مثلاً بخاری شریف، مسلم شریف اور دیگر کتب حدیث و تفسیر، کتب فقہ، کتب تاریخ و سیر پر حواشی لکھے ہیں، ان کے حواشی بھی ذاتی تحقیقات اور بے مثال شرح کار جو رکھے ہیں جیسا کہ ان کے مطالعہ کرنے والوں کا تجرباتی بیان ہے۔

معنی تحقیقات سے اگر صرف نظر کر لیا جائے تو میرے خیال میں اس نوع کی صرف ایک کتبستان تھوڑی ضروری جلد اول "اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی زندگی میں طبع ہوئی ہے۔ اسے صرف فتویٰ کا مجموعہ نہ سمجھنا چاہیے۔ اس میں بے علمی افادات، مسائل کا حل، حسن ترتیب پھر ذیلی مسائل کی جو شاندار فہرست ہے ان سب کو دیکھ کر نگاہوں میں مل کرے پر مجبور ہیں۔ آج کے محققین و معنفین کتاب کے آخر میں ایک فہرست ان شخصیات، بلاد، کتب و رسائل وغیرہ کے ناموں کی دیتے ہیں جو کتاب میں کہیں آئے ہیں۔ ان کی خوبی سے مجھے انکار نہیں لیکن یہ کوئی ضرورت علمی و فنی کام نہیں۔ معمولی صلاحیت کا شخص بھی کتاب کے آخر میں ایسی فہرست شامل کر سکتا ہے۔ لیکن علمی مسائل

نہ تین ایک ایک جملے میں جو جو مسائل ضمناً آجاتے ہیں ان کا انتخاب پھر ابواب و فصول پر ان کی تقسیم ہر ایک کا فہرست میں الگ الگ بیان بلاشبہ ایک نادر علمی خدمت ہے۔ میں نے مختلف فنون کی سیکڑوں کتابیں دیکھیں، اعلیٰ معنفین و اصحاب کمال کے کمالات نظر سے گزرتے مگر یہ دقیق و عین و جلیل کمال پوری وسعت و ہمہ گیری کے ساتھ صرف "فتاویٰ رضویہ جلد اول" میں نظر آتا ہے۔ یہ صرف فہرست کا کمال ہے جو بے مثال ہے۔ پوری کتاب کے کمالات کا اگر بہت مختصر تذکرہ ہو تو بھی ایک ضخیم کتاب میں بیان ہو سکے گا جس کا یہاں موقع نہیں۔ اہل سنت کا فریضہ ہے کہ تینوں قسم کی تصنیفات کو تحقیق و توثیق کے ساتھ منظر عام پر لائیں اور عقائد و اہل کی اصلاحی خدمت کے ساتھ اہل تحقیق کے دیدہ و دل کی ضیافت کا بھی سامان فراہم کریں۔

اس سلسلے میں پیش رفت ہو چکی ہے مگر کام ابھی بہت باقی ہے۔ اخلاص و محنت اور ایثار و قربانی کے بغیر کسی مقصد کی تکمیل آسان نہیں۔ اہل علم اور اہل ثروت دونوں کی مشترکہ توجہ اور جدوجہد سے یہ مسئلہ کسی حد تک حل ہو سکتا ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ بہت سے طلبہ علوم دینیہ خصوصاً طلبہ اشرفیہ مبارک پور اور دوسرے حوصلہ مندوں نے لکھنؤ کے مطابق خدمات سرانجام دی ہیں۔ انھیں اگر اہل ثروت کا حوصلہ افزا تعاون حاصل رہے تو انفرادی طور پر بھی بہت سا کام ہو سکتا ہے۔ اگرچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک وسیع و مضبوط علمی ادارہ قائم ہو جو اپنے زیرِ فہرہ کے ذریعہ اس مقصد کی بخوبی تکمیل کر سکے۔ جذبات، بیدار ہوں اور انسان عمل کے لیے تیار ہو تو ہمیں خود بخود اپنی جاتی جاتی ہیں۔ وہ حضرات جو قوم میں اعتماد حاصل کر چکے ہیں اور معمولی تحریک سے بھی ہلنے سے بڑا کام کر سکتے ہیں وہ اگر اس کارِ انام کی طرف توجہ دیں تو بہت جلد یہ غلا پورا ہو سکتا ہے۔ البتہ اخلاص و ایثار اور نفع باطل پر نفی اصل کی ترجیح کا جذبہ ضروری ہے۔ اور وَاِنْ اَخْبَرْتِیْ اِلَّا عَلٰی اللّٰهِ بِرَاقِبِیْنَ کَامِلِ شَرَطِہٖ۔ ساری بشرِ خرم میں سینما مشکل ہے۔ وَاللّٰهُ الْمُؤْتِیُّ لِلْخَيْرِ وَهُوَ الْمُسْتَعِنُّ وَ عَلَیْہِ التَّکْلَان۔

محمد احمد مصباحی، رکن الجمع الاسلامی، مبارک پور، اعظم گڑھ  
صدر المندرسین مدد رسہ عربیہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، منو  
۱۳/۸/۱۳۰۲ء / ۱۹/۶/۱۹۸۲ء، ایک شنبہ



تقریب و تفہیم<sup>(۱)</sup>

باسمہ و حمدہ والصلوة علی حبیبہ و جنودہ

امام احمد رضا قدس سرہ کے رسائل و فتاویٰ کا کمال یہ ہے کہ موضوع کی اصل روح پورے رسالہ میں کار فرما رکھے ہوئے اس کے مشققات پر بھی مختصر اور جامع لفظوں میں گفتگو کرتے چلے جاتے ہیں اور بہت سے علمی مسائل کو بھی دوران تحریر عربی میں بیان کر دیتے ہیں۔ جن کے نہ رہنے میں مصنف کو تحقیق کا احساس ہوتا تھا اور اردو میں لانے سے عوام کو اس سے دلچسپی نہ ہوتی، بلکہ وقت و پریشانی کا خیال کرتے۔ اس لیے علمائے فقہ تفہیم اور مشققات کی تکمیل کے پیش نظر سلاست و معنویت سے بھرپور عربی میں فوائد کا ایک ذخیرہ جمع کر دیتے ہیں۔ اس طرح بالعموم ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ جب وہ کسی ایک مسئلہ کی تحقیق فرماتے ہیں تو اس کے حق و دوسرے بہت سے اہم مسائل کا بھی تفہیم و تذکرہ ہو جاتا ہے۔

اگر دور حاضر کے ترقی یافتہ اور ولغریب قسم کے طول طویل انداز نگارش میں امام موصوف کے کسی ردہ کے تمام مشتملات کو سامنے رکھ کر شرح و بسط کے ساتھ لکھا جائے تو ان کا تیس صفحہ کا رسالہ دو سو صفحات تک جا سکتا ہے اور بعض رسائل میں اس سے زیادہ صفحات صرف ہوں گے۔ اس لحاظ سے بلاشبہ ان کا ہر رسالہ ایک ضخیم کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔

زیر نظر رسالہ:

اسی رسالہ ”تذریعہ المکانة الخیدریة“ میں اصل موضوع صرف یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ، حضور سید عالم ﷺ کی بعثت اور اعلان نبوت سے پہلے بھی شرک و کفر سے محفوظ تھے۔ لیکن اس مسئلہ کی تحقیق و تحقیق میں درج ذیل مسائل بھی حل ہو گئے۔

(۱) زمانہ قدرت والوں کے کفر و ایمان اور عذاب و نجات کا مسئلہ (ص: ۲۷۱۵)

(۲) اس سلسلہ میں اہل سنت کے علماء و شاعر و ماترین کا موقف۔ (ص: ۲۷۱۶)

(۳) اصول فقہ اور علم کلام کا معرکہ آرا مسئلہ کہ اشیا کا سن و فتح شرعی ہے یا عقلی؟ (ص: ۲۷۲۸)

(۱) بدلت علی ذلک جلیل امام احمد رضا قادری، مجمع اسلامی ۱۳۵۵ھ/۱۹۸۵ء

(۴) بچہ پر اس کے والدین کی جیت میں کفر کا حکم کب اور کس طرح نافذ ہو سکتا ہے؟ (ص: ۲۷۱۳)

(۵) روافض کے اس خیال کا رد کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابتداء حالت کفر میں تھے۔ لہذا ان کی طاعت سمجھ نہ ہوئی۔ (ص: ۲۷۲۳)

(۶) تفضیلیہ کے اس وہم کا ازالہ کہ ابتداء حیات سے آخر عمر تک ثبوت اسلام صرف جناب مرتضیٰ کا خاصہ ہے۔ لہذا وہ خلفائے ثلاثہ سے افضل ہیں۔ (ص: ۳۸۴۷)

(۷) اہل مرتضیٰ آئمہ دس برس کی عمر میں اسلام لائے اس پر کچھ لوگوں نے شبہ ظاہر کیا کہ گویا پہلے مسلمان نہ تھے جب تو مسلمان ہوئے اس شبہ کا نفی ازالہ۔ (ص: ۳۹۳۶)

ان مسائل کے ساتھ عربی میں بھی بعض نکات و افادات تحریر فرمائے ہیں جن سے علما کو خاص طور سے دلچسپی ہونی چاہیے۔ موجودہ انڈیشن میں ان عبارتوں اور دوسری حوالہ کی عبارتوں کا بھی ترجمہ کر دیا گیا ہے (کیوں کہ اب ہمارے بعض اردو داں قارئین بھی علمی مسائل شوق سے پڑھتے اور سمجھنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ ان کے ذاتی طلب کا لحاظ ضروری ہے۔) یوں ہی کتبہ حوالہ کے صفحات و جملہ وغیرہ کی نشان دہی بھی کر دی گئی ہے۔

## حاصل رسالہ:

میں چاہتا ہوں کہ چند صفحات میں یہ بیان کر دوں کہ ان سارے مسائل کو اصل موضوع سے کس طرح تعلق ہوا اور وہ کیسے زیر بحث آ گئے۔ ساتھ ہی پورے رسالہ کا ایک مختصر خاکہ بھی پیش کرنے کی کوشش ہوگی۔

سوال اول کے تحت یہ ذکر تھا کہ علی مرتضیٰ کے والدین حالت کفر پر تھے۔ اور سچے والدین کے تابع ہوتے ہیں لہذا کہا جاسکتا ہے کہ علی مرتضیٰ پہلے کافر تھے پھر مسلمان ہوئے۔

اس کے جواب میں مصنف قدس سرہ حضرت علی مرتضیٰ کی حیات ظاہری کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے اختلافی حصے پر بھرپور گفتگو فرماتے ہیں۔

(۱) ان کی زندگی کا ایک حصہ تو سرکار دو عالم ﷺ کے اعلان نبوت سے روز شہادت تک کا ہے۔ بعد بعثت حضرت علی مرتضیٰ فوراً تصدیق و ایمان سے مشرف ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر آٹھ دس سال تھی۔ اور یہ امر یقینی ہے کہ جو بچہ دو بچہ اسلام لائے وہ مسلمان ہو کر اپنی مستقل حیثیت حاصل کر رہے اور والدین کے تابع شمار نہیں ہوتے۔ لہذا بعد بعثت تو یہ سوچنے کی گنجائش ہی نہیں کہ وہ والدین کے تابع شہد ہو کر حکم کفر کے تحت آسکیں۔

(۲) اس سے قبل ان کی زندگی کا وہ حصہ ہے جب ابو طالب کی پرورش سے نکل کر بنو ہاشم و عالم علیہ السلام کی نکات و تربیت میں آئے۔ یہ بعثت سے چند برس پہلے کی بات ہے جب قریش قطع عام میں مبتلا ہوئے۔ ابو طالب

کی پریشانی و زیر باری دیکھ کر حضور اقدس ﷺ جناب علی کو اپنے یہاں لائے اور جعفر کو حضرت عباس کی کنافت میں دیا۔ (زندگی کا یہ حصہ تین چار برس کی عمر سے آٹھ دس برس کی عمر تک کا ہو گا۔) سرکار کی پرورش میں آنے کا اثر یہ ہوا کہ یہ خوش نصیب بچہ ہوش سنبھالنے ہی کو حیدر آشتا اور حق پسند و حق پرست بن گیا۔ اور ایک لمحہ کے لیے بھی جنوں کی نجاست سے اس کا دامن آلودہ نہ ہوا۔

(۳) زندگی کا تیسرا حصہ روز پیدائش سے چند برس تک کا ہے۔ جب بچہ کو نفع و ضرر کی تمیز ہوتی ہے نہ کفر و ایمان کی شناخت نہ دوست و دشمن کی پہچان۔

کون کہہ سکتا ہے کہ کوئی بچہ حقیقتہً اس حصہ زندگی میں ارتکاب کفر سے آلودہ ہوا؟ کفر تکذیب اور جھوٹے کا نام ہے۔ تکذیب کے لیے سمجھ ہونی ضروری ہے، جب بچہ بالکل نا سمجھ ہے تو تکذیب و کفر سے اس کے آلودہ متصف ہونے کا سوال ہی نہیں اور جو کفر سے موصوف نہیں اسے حقیقتہً کافر قرار دینے کی کوئی صورت نہیں۔ ایسے بچہ کو بعض صورتوں میں حکما اور بتکا کافر کہا جاسکتا ہے۔ محرک اور کیسے؟ یہی اصل بحث ہے کہ بچہ کے لیے اس حصہ زندگی میں علی مرتضیٰ کو حقیقتہً نہ کسی حکما اور بتکا کافر کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس بحث کی تحقیق کے لیے حضرت مصنف قدس سرہ نے فرمایا:

”جس کے ماں باپ دونوں کافر ہوں اسے ان دونوں کے تابع شمار کر کے حکما کافر کہا جاسکتا ہے جب کہ تابع ہونا منظور بھی ہو ورنہ نہیں۔ جیسے وہ بچے جسے دارالحرب<sup>(۱)</sup> سے گرفتار کر کے دارالاسلام<sup>(۲)</sup> لائیں اور اس کے ماں باپ دارالحرب میں رہ جائیں۔ یہاں بچے کے ماں باپ دونوں زندہ و موجود اور حالت کفر میں ہیں مگر دارالحرب میں ہیں۔ یہ دارالاسلام میں آیا۔ جب دار بدل گیا تو کوئی وجہ نہیں کہ دارالاسلام کے بچہ کو دارالحرب کے کسی کافر کے تابع قرار دیا جائے۔ اس صورت میں بچے کے ماں باپ تو ضرور کافر ہیں مگر بچے کے لیے ان کی جمیت منظور نہیں۔ اس لیے وہ حکما بھی کافر نہ قرار دیا جاسکے گا بلکہ قید کر کے لانے والے مسلمان یا دارالاسلام کے تابع ہو کر مسلمان شمار ہو گا۔ (در مختار، ج ۱، ص ۶۷)

(۱) کفار کی اور مملکت جہاں اسلامی شعائر تکلف نہ ہو گئے ہوں۔

(۲) دارالاسلام مملکت اسلامی کو کہتے ہیں یا کسی مملکت کو جہاں پہلے اسلامی حکومت رہی ہو پھر کفر کا شعلہ ہو گیا ہو مگر حملہ اسلامی شعائر نہ ہو گئے ہوں۔ یہ ہندوستان پر حکومت اسلامی کے بعد جب انگریزوں کا شعلہ ہوا تو حملہ اسلامی شعائر نہ ہوئے جب انہوں نے بعد جمہوری حکومت قائم کی تو خود مسلمان بھی شریک حکومت قرار پائے اس لیے ہندوستان انگریزوں کے دور میں بھی دارالاسلام باہر اس کے بعد کس سے ملے طریقہ دارالاسلام ہے۔ ۱۳

اس تہذیب سے معلوم ہوا کہ چند سالہ ابتدائی زندگی میں علی مرتضیٰ پر بتکا اور حکما کفر ثابت ہوتے ہے دو باتیں کا نسبی بخش ثبوت فراہم ہونا ضروری ہے۔

امراول: یہ کہ علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی والدہ فاطمہ بنت اسد اور ان کے والد ابو طالب دونوں اس وقت کافر تھے۔

امردوم: اس زمانہ میں بھی بچہ کو کافراں باپ کے تابع قرار دے کر کافر شمار کرنے کا حکم صادق و ثابت تھا۔ اگر امراول مفقود ہے اور علی مرتضیٰ کے ماں باپ میں سے کسی ایک کا بھی اس وقت مسلمان ہونا ثابت ہو گیا تو علی مرتضیٰ پر حکم کفر کی کوئی تمحیض نہیں رہ جاتی۔ بلکہ مسلمان ماں یا باپ کے تابع قرار دے کر خود انہیں بھی مسلمان شمار کیا جائے گا۔ اس پر علماء اسلام کی واضح تصریحات موجود ہیں کہ دین کے لحاظ سے ماں باپ میں جو افضل ہو، بچہ اسی کے تابع ہوتا ہے لہذا کسی بچہ کو حکما کافر ثابت کرنے کے لیے اس کے ماں باپ دونوں ہی کو کافر ثابت کرنا ضروری ہے۔

اگر امراول صادق ہو گیا: یعنی بالفرض کسی طرح علی مرتضیٰ کے ماں باپ دونوں ہی کا اس وقت کافر ہونا ثابت ہو گیا۔ لیکن امر دوم مفقود ہے۔ یعنی اس وقت علی مرتضیٰ پر حکم جمیت لگانے کا جواز و ثبوت نہیں۔ تو بھی حکم کفر سے قیاساً ثابت ہو جائے گی۔ اسی صورت میں بھی قیاس آتی ہیں کہ ماں باپ دونوں کے کافر ہونے کے باوجود بچہ کو کافر بتا دینا اور کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس کی ایک مثال در مختار کے حوالے سے اوپر بیان ہوئی۔

اولاد: اس کے تحت امراول پر گفتگو کرتے ہوئے امام احمد رضا قدس سرہ نے یہ بیان کیا ہے کہ اس زمانہ میں حضرت علی کے باپ اور ماں دونوں ہی کا کافر ہونا کسی قول پر کسی دلیل سے کسی طرح ثابت نہیں ہوتا تو علی مرتضیٰ پر ان کی جمیت میں حکم کفر کی تمحیض ہی نہیں۔

پھر چنانچہ کے تحت امر دوم پر کام فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اس وقت ماں باپ دونوں ہی کافر تھے تو بھی علی مرتضیٰ کو بحکم جمیت کافر کرانے کی صورت نہیں پائی جاتی۔

امراول کی تنقیح:

اولاد دیکھا جائے کہ علی مرتضیٰ کی زندگی و طفلی کا ابتدائی چند سالہ زمانہ کون سا زمانہ تھا اور اس کا حکم کیا ہے؟ یہاں علی مرتضیٰ کی بعثت سے قبل کئی سو برس کا زمانہ وہ ہے جسے ”عہد فطرت“ کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس طویل زمانہ میں انبیاء و رسل عظیم السلام کی آمد کا سلسلہ منقطع تھا اور مذہب غیبا کے کرام کی دعوت و تبلیغ کے آثار تقریباً ناکھ ہو چکے تھے۔ حضرت علی کی پیدائش سے لے کر چند برس بعد والا زمانہ بھی حضور کی بعثت سے پہلے کا ہے۔ اور عہد



فترت ہی میں شامل ہے۔ لہذا اس وقت علی مرتضیٰ کے والدین زمانہ فترت والوں کے حکم میں آئیں گے۔ ان کا جو حکم ہو گا ان کا بھی ہو گا۔ اب یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ زمانہ فترت والے کیسے کیسے تھے اور ان کے فکرو ایمان، نجات و عقاب سے متعلق علمائے اسلام نے کیا فرمایا ہے یہ خود ایک معرکہ الآراء مسئلہ ہے۔ لیکن اس کا تفصیلی تذکرہ کیے بغیر زیر بحث مسئلہ سے نہیں ہو سکتا۔ اس لیے حضرت مصنف قدس سرہ نے فرمایا:

اہل فترت جنہیں انبیاء کرام کی دعوت نہ پہنچی۔ تین قسم کے ہیں۔

(۱) موحّد: جنہیں اس عالم گیرانہ دھرمے میں بھی نہ ہدایت نے روشنی دکھائی اور وہ کم از کم توحید کے قائل رہے۔  
(۲) مشرک: جو اپنی جہالت و گمراہی سے غیر خدا کو پوجتے گئے۔

(۳) غافل: جنہوں نے اعتقادات میں غور و فکر ہی نہ کیا، یا اس کی مہلت ہی نہ پائی اور غفلت میں رہ کر جانوروں کی طرح صرف کھانے پینے سے کام رکھا۔

آخرت میں یہ تینوں قسم کے اہل فترت نجات پائیں گے یا عذاب میں رہیں گے؟ اس سلسلہ میں ایک قول جمہور ائمہ اشاعرہ و ماتریدہ میں سے ائمہ بخارا کا ہے۔ دوسرا قول امام نووی و امام رازی کا ہے۔ تیسرا قول جمہور ائمہ ماتریدہ کا ہے۔<sup>(۱)</sup> ہر قول کو سامنے رکھ کر یہ دیکھنا ہے کہ علی مرتضیٰ کے والدین پر جو اہل فترت ہی میں ہیں، ان کا حکم کتنا ہے یا نہیں؟ اگر ان پر حکم کفر ثابت نہیں تو علی مرتضیٰ پر بھی نہیں۔

(۱) حضرات اشاعرہ اور ائمہ ماتریدہ میں سے اہل بخارا اس زمانہ کے موحّد، مشرک، غافل تینوں قسم کے لوگوں کو نجات والا مانتے ہیں۔ اس قول کی بنیاد پر فترت والوں کو زمانہ فترت کافر نہ کہا جائے گا کیوں کہ اہل فترت ناجی ہیں۔ اور کوئی کافر ناجی نہیں (جس کا عکس مستوی یہ ہے: کوئی ناجی کافر نہیں)۔ تو اہل فترت کافر نہیں۔ اسی لیے ائمہ اشاعرہ و ماتریدہ میں سے کوئی انہیں مسلم کہتا ہے اور کوئی مسیحی مسلم میں کہتا ہے۔

اب والدین علی مرتضیٰ کو دیکھیے وہ بھی اس وقت اہل فترت میں شامل تھے اور اہل فترت کافر نہیں توہ بھی اس وقت کافر نہیں۔ ہاں ابوطالب حضور اقدس پر ایمان نہ لائے تو ان پر حکم کفر ضرور ہو گا مگر اس وقت ہو گا جب بعد بعثت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ و التحیات انھوں نے تسلیم و اسلام سے انکار کر دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا

(۱) اہل سنت میں ایک گروہ امام ابن کثیر شہری کے عقیدے کا ہے جو اشاعرہ و ماتریدہ کے عقائد سے متفق ہے۔ دوسرا گروہ امام ابو حنیفہ کے عقائد میں ہے جو معتزلہ کے عقائد سے متفق ہے۔ تیسرا گروہ امام احمد بن حنبل کے عقائد میں ہے جو معتزلہ کے عقائد سے متفق ہے۔ چوتھا گروہ امام شافعی کے عقائد میں ہے جو معتزلہ کے عقائد سے متفق ہے۔ پانچواں گروہ امام مالک کے عقائد میں ہے جو معتزلہ کے عقائد سے متفق ہے۔ چھواں گروہ امام ربیع کے عقائد میں ہے جو معتزلہ کے عقائد سے متفق ہے۔ ساتواں گروہ امام یحییٰ کے عقائد میں ہے جو معتزلہ کے عقائد سے متفق ہے۔

جب علی مرتضیٰ خود اسلام لا کر اپنی مستقل حیثیت اختیار کر چکے اور ماں باپ میں سے کسی کے تابع بنانے کا سوال ہی نہ رہ گیا تھا۔ جیسا کہ ابتداً ذکر ہوا کہ جو عاقل بچہ اسلام قبول کر لے وہ مسلمان ہو گا اور ماں باپ کی بیعت سے نکلی کر مستقل بالذات ہو جائے گا۔

(۲) دوسرا مذہب اشاعرہ میں سے امام نووی و امام رازی کا ہے، یہ تینوں قسم کے لوگوں کو نجات والا نہیں مانتے بلکہ ان میں سے مشرکوں کو عذاب والا کہتے ہیں۔ البتہ موحّدوں اور تمام غافلوں کو دیگر ائمہ اشاعرہ کی طرح حضرت بھی نجات والا ہی مانتے ہیں۔

(۳) تیسرا مذہب جمہور ائمہ ماتریدہ یہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم کا ہے۔ ان کے نزدیک مشرکوں کا حکم عقاب ہے اور موحّدوں کا حکم نجات ہے۔ جیسا کہ امام نووی و رازی نے فرمایا۔ لیکن ائمہ ماتریدہ یہ غافلوں کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان میں جسے فکر و تامل کا موقع نہ ملا وہ تو نجات والا ہے اور جسے فکر و تامل کا موقع ملا پھر بھی غفلت ہی میں پڑا اور ہوا وہ عقاب والا ہے۔

بہر حال موحّدین اور وہ غافلین جنہیں مہلت فکر و تامل نہ ملی، متفقہ طور پر ناجی ہیں۔ عذاب والے ہوں گے تو صرف مشرکین یا وہ غافلین بھی جنہیں فکر و تامل کا موقع ملا اور توحید ترک کی۔

اب ان دونوں مذہبوں کا خلاصہ سامنے رکھتے ہوئے اسلام علی مرتضیٰ کو دیکھیے والدین میں سے جو باضابطہ دین افضل ہو چکے اسی کے تابع قرار پائے گا۔ لہذا اگر صرف والدہ کا بھی موحّدہ یا غافلہ ہونا مانا جائے تو یقیناً وہ ناجی اور غیر کافر ہیں اور جناب مرتضیٰ ان کے تابع ہو کر قطعاً غیر کافر ہوں گے۔ مخالف اگر حکم کفر کا چاہتا ہے تو اسے ثابت کرنا ہو گا کہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس زمانہ میں موحّدہ یا غافلہ تھیں بلکہ ان لوگوں میں جنہیں جنوں نے شرک اختیار کیا یا فکر و تامل کا موقع پا کر بھی توحید سے اعتقاد کیا۔ حالانکہ کہ عورتیں عموماً غافلہ ہوتی ہیں اور اس زمانہ کی عورتوں کا کیا کہنا؟ جیسا کہ علامہ زر قانی و سیوطی کے حوالہ سے گذرا کہ وہ ایسا سخت تارکب دور تھا کہ عورتیں در کنارہ مردوں کو بھی مراد نہ دکھائی دیتی تھیں، بالعموم غفلت والے ہوتے تھے۔

مخالف جو دلیل رکھتا ہو پیش کرے اور نہ پیش کرے تو اسے محض اپنے تراشیدہ ادہام کی بنیاد پر کہنے کا حق ہرگز نہیں کہ علی مرتضیٰ کے والد اور والدہ دونوں ہی کافر تھے جن کی بیعت میں جناب مرتضیٰ بھی پر حکم کفر فائدہ ہوتا ہے۔

مسلم و نصرانیہ کے زمانہ پیدا شدہ بچے کے اسلام و کفر سے متعلق علامہ شامی کی ایک عبارت یہاں پیش فرمائی ہے جس کے آخر میں ہے کہ ”وہاں کے معاملہ میں احتیاطی مناسب ہے۔ اور کفر سب سے بدتر امر ہے“

مسلم و نصرانیہ کے زمانے پیدا شدہ بچے کے متعلق عداکِ ہدایت یہ ہے۔ اور اسد اللہ الغالب جناب علی مرتضیٰ کے بارے میں مخالف کی بلا دلیل جسات وہ ہے۔ اس جرات کی بھی کوئی حد ہے؟

ثانیاً:

اب تک اہل فترت کے اشخاص کی بنیاد پر کلام تھا۔ یہاں ثبوت احکام کی بنیاد پر گفتگو کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ اس وقت علی مرتضیٰ کو بحکم جیت کا فریاد کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

یہ اصول فقہ اور علم کلام کا ایک اہم مسئلہ ہے کہ اشیا کا حسن و جہت عقلی ہے یا شرعی؟ یہ تو مسلم ہے کہ خداوند حکیم نے جس چیز کا حکم زیادہ ضرور اچھی ہے اور جس سے رو کا وہ قطعاً بڑی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ شریعت ہمارے ہونے سے جبے بجائے خود ان چیزوں میں کوئی اچھائی یا برائی تھی یا نہیں؟ اگر خدا شاعر کا اس پر اجماع ہے کہ قبل شریعت اچھائی، برائی، ایمان، کفر، کچھ بھی نہیں۔ اشیا کا حسن و جہت محض شرعی ہے اور حکم بھی صرف شرعی<sup>(۱)</sup>۔

دوسرا مذہب بعض ائمہ ماترید یہ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اشیا کا حسن و جہت عقلی ہے۔ یعنی شرع پر موقوف نہیں۔ اور بجائے خود اشیا میں اچھائی یا برائی موجود ہوتی ہے۔ لیکن اتنے سے بندہ کے ذمہ نہ کچھ واجب ہوتا ہے نہ کچھ حرام ہوتا ہے۔ یہ حضرات بھی قبل شرع کسی حکم کا ثبوت نہیں مانتے۔

تیسرا مذہب جمہور ائمہ ماترید یہ کا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ افعال کا حسن و جہت عقلی ہے یعنی اشیا میں خود اچھائی یا برائی ہوتی ہے جس کی بنیاد پر خدا کی طرف سے اچھی چیزوں کے کرنے کا، اور بری چیزوں سے بچنے کا حکم ہوتا ہے۔ لیکن عقل ساری چیزوں کی اچھائی یا برائی کے ادراک سے قاصر ہے۔ البتہ بعض واضح چیزیں وہ ہیں جن کی اچھائی، برائی کا عقل ادراک کر لیتی ہے تو ان چیزوں میں خدا کی طرف سے بندہ کے ذمہ حکم متعلق ہو جائے گا۔ یہ خلاف درزی پر آخرت میں عقاب کو یہ حضرات واجب نہیں کہتے کیوں کہ عفو ممکن ہے۔

اس بنیاد کی روشنی میں وہ فرماتے ہیں کہ ایمان و توحید اور شکر منعم کی اچھائی، کفر و انکار اور ناشکری کی برائی عقل خود جان لیتی ہے تو شریعت آنے سے پہلے بھی توحید و شکر کی بجا آوری اور کفر و ناشکری سے اعتنا ضروری

(۱) اہل کے ائمہ برے ہونے کا ایک سنی کا صفت مکمل یا صفت صحت ہونا جیسے علم کا اور جہل کا یا ہونا۔ (۲) جو مرتضیٰ علی کا دعویٰ غرض کے موافق ہوتا۔ (۳) تیسرا سنی، اس کے کرنے والے کا آخرت میں سنی ثواب ہونا، یا اس کے قائل کا آخرت میں قہر عذاب ہونا۔ وہ سنی بہ تو افعال کا حسن و جہت عقلی ہے یعنی شریعت پر موقوف نہیں۔ اگر شریعت نہ ہوتی تو بھی بعض افعال صحت مکمل ہوتے اور بعض صحت صحت۔ یوں ہی بعض غرض دینی کے موافق ہوتے بعض ناموافق۔ لیکن تیسرا سنی یہ بتلاتی ہے جس کی تفصیل اوپر مذکور ہے۔

ہے۔ ہاں دنیا و آخرت کے تمام تفصیلی احکام کا عقل ادراک نہیں کر پاتی اس لیے قبل شریعت ان کا لزوم نہیں۔ اب زیر بحث مسئلہ کو دیکھیے، پہلے دونوں قول پر قبل شرع جب کوئی حکم نہیں تو کفر بھی نہیں کیوں کہ کفر

سب سے بدرجہ معصیت ہے۔ معصیت حکم کی مخالفت کا نام ہے۔ حکم ہی نہیں تو مخالفت حکم کیسے ہوگی۔ اور جب اس وقت سرے سے کوئی معصیت نہیں تو سب سے بڑی معصیت کفر بدرجہ اولیٰ نہیں۔ جب کفر نہیں تو اس وقت کوئی کافر بھی نہیں۔ لہذا قبل بعثت کے اس زمانہ میں ابوطالب پر بھی حکم کفر نہیں۔ جب ان پر نہیں تو جناب مرتضیٰ پر ان کی بیعت میں کیوں کر ہوگا؟ اور بعد بعثت جب ابوطالب پر حکم کفر ہوا تو اس وقت علی مرتضیٰ خود اسلام لائے اسلئے بالذات اور حکم بیعت سے بڑی ہو چکے تھے۔

جمہور ائمہ ماترید یہ کے مذہب، یعنی تیسرے قول کی بنا پر قبل شریعت بھی بندہ کو اختیار توحید اور اعتنا برک شریک لازم ہے۔ تو اس کی کیا دلیل ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کی والدہ فاطمہ بنت اسد نے اس زمانہ میں توحید ترک کی اور شرک سے اعتنا نہ کیا؟ پہلے مخالف اسے ثابت کرے پھر علی مرتضیٰ پر کوئی حکم لگانے کی جرات کرے۔

ثانیاً:

اگر بطور حتم مان لیا جائے کہ اُس زمانہ فترت میں زن و شوفاطہ و ابوطالب دونوں ہی کے لیے کفر ثابت تھا تو بھی علی مرتضیٰ پر ان کی بیعت میں حکم کفر لگانے سے پہلے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اس وقت حکم بیعت صادق و ثابت تھا۔ لہذا انصاف کی ضرورت ہے۔ بچہ کو والدین یا دارالحرب کی بیعت میں کافر کہنے کا یہ مطلب ہے؟ اگر یہ کہیں کہ وہ حقیقتہً کافر ہے تو بد اہت غلط اور باطل ہے۔ کیوں کہ گذر چکا کہ کفر تکذیب ہے۔ تکذیب کے لیے تمیز و ادراک ضروری ہے۔ تمیز و ادراک ہی نہیں تو حقیقت تکذیب و انکار بھی ہرگز نہیں۔

لہذا ایسی معلوم ہوا کہ بچہ کو کافر کہنا حقیقتہً نہیں حکماً ہے۔ حکماً کا یہ مطلب ہے کہ بچہ کے لیے اذرعے شرع وہ احکام ہوں گے جو اس کے ماں باپ یا اہل ملک کے لیے ہوں گے۔ اور یہ احکام بھی احوال آخرت سے متعلق نہیں بلکہ صرف احوال دنیا سے متعلق ہیں۔ مثلاً وہ مرجائے تو اس کے جنازے کی نماز نہ پڑھیں گے، مسلمانوں کی طرح غسل و کفن نہ دیں گے، مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کریں گے۔

جب یہ بیعت صرف احکام دنیا میں ہے تو بیعت ثابت ہونے سے پہلے احکام دنیوی کا وجود ضروری ہے اگر دنیا میں کوئی حکم ہی نہ ہو تو بیعت کس چیز میں ہوگی؟ یہ ثابت ہو چکا کہ حضرات ائمہ ماترید یہ کے مذکورہ تینوں اقوال کی روشنی میں اس طرح کے احکام دنیوی شریعت سے پہلے ہرگز نہ تھے تو اس وقت کسی نابینا بچے کا اپنے

والدین کی بیعت میں کافر قرار پانے کا حکم بھی ہرگز نہ تھا کہ اس وقت نہ حکم نازل تھا نہ حکم میں بیعت ماحل۔  
اس تحقیق سے روشن ہو گیا کہ بیجا علما و اہم کسی طرح یہ لفظ (کافر) حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ  
وجہ پر کسی وقت صادق نہ ہوا۔ روزِ است سے اب الابد تک ان کا دامن اس آلودگی سے پاک و صاف رہا۔  
والحمد للہ رب العلمین۔

براہت حیدری کے بعد براہت صدیقی کو تکمیل میں بیان فرمایا ہے۔ اور سوال دوم کے جواب میں مزید  
تفصیل و وضاحت کرتے ہوئے ردائے نفی و تفسیلیہ کے خیالات و ادہام کا رد کیا۔ اور دوسرے تیسرے دونوں  
سوالوں کے جواب میں کئی طرح یہ دکھایا ہے کہ اسلام لانا، سابقہ اسلام فطری کے منافی نہیں۔ تفصیلات اور  
حوالے مع ترجمہ اصل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

[پنج شعبہ ۲۳۳ ردو الحجہ ۱۴۰۲ھ، ۲۰ ستمبر ۱۹۸۳ء]



## تقریب<sup>(۱)</sup>

باسمہ و حمدہ و الصلاۃ علی رسولہ و جنودہ

آج مسلم معاشرہ میں اصلاح کی کسی قدر ضرورت ہے بحث بیان نہیں مگر افسوس یہ ہے کہ معاشرہ خود  
روشنی کے لیے تیار نہیں ہوتا، بے شمار تقریریں کی گئی جاتی ہیں اور سیکڑوں کتابیں لکھی جاتی ہیں، لیکن  
بہتر میں انقلاب پانہیں ہوتا، ہر شخص بجائے خود اپنے کو مقدس سمجھ بیٹھا ہے اور سوچتا ہے کہ یہ کتاب و  
خطاب کسی اور سے توجہ کا طالب ہے، ہر انسان خود اپنا محاسبہ کرے، اپنے نبوی، پچھلے اور ماتحتوں کے کردار و عمل  
کا جائزہ لے، دوسروں پر تنقید کے بجائے خود اپنے اوپر تنقید کرے، تلاش کرے اپنی خامیاں نکالے اور ان کی  
اصلاح پر کمر بستہ ہو تو معاشرہ کی اصلاح آسان ہو سکتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ جو خود علم کے ساتھ بے پناہ حسن عمل، زہد و تقویٰ اور اخلاص و تقیہ سے آراستہ  
ہوں گے کلام میں جو تاثیر ہوگی وہ کسی ناقص العمل کے کلام میں نہ ہوگی، احیاء العلوم، غنیۃ الطالبین، و التعرف  
و غیرہ بہت سے زندگیوں میں انقلاب آئے، حیات کا رخ پھر اور دل کی دنیا بدل گئی۔ اس کا ایک بڑا سبب ان  
محققین کے مصنفین کا اخلاص و تقویٰ ہے۔

اسی خیال کے تحت ہم نے کسی معاصر صاحب علم و قلم کی خدمات حاصل کرنے کے بجائے صدر الشریعہ  
مولانا محمد علی اعظمی قدس سرہ (۱۲۹۶ھ - ۱۳۶۷ھ) کے رشحات قلم کو ذریعہ اصلاح بنایا، ان کی باخدا زندگی، ان کا  
زہد و تقویٰ، ان کی عظیم علمی سطوت اور حیرت انگیز عملی قوت بلکہ ولایت و کرامت کا اعتراف صرف ان کے حلقہ  
خاندانی کو نہیں بلکہ ان کے واقف کار اور باانصاف مخالفین کو بھی ہے۔

ان کی مشہور زمانہ کتاب "بہار شریعت" جہاں بے شمار علوم و معارف کا خزانہ ہے وہی عظیم درس عمل  
اور رہنمائی زندگی کو اسلامی شریعت کے سانچے میں ڈھالنے کی مشقت خیر کو شش بھی ہے۔

یہ کتاب ۱۷ حصوں پر مشتمل ہے اور اس لائق ہے کہ صرف مفتیان کرام ہی نہیں بلکہ تمام علماء، طلباء،  
خطبہ تجار، کاشکار، صنعت کار اور سارے مسلمانوں کے مطالعہ میں رہے، انھیں اس کی زیادہ ضرورت ہے،  
خاص صاحب کد عربی کتابیں ان کی دسترس سے باہر ہیں یا ان سے خاطر خواہ استفادہ پر قدرت نہیں، اردو زبان کا

(۱) اسلامی عقائد و احکام، صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی، جامع اسلامی، مبارک پور

فقہی سرمایہ بہار شریعت کے قبول سے خالی ہے، جس سے کسی صاحبِ نظر اور منصف مزاج شخص کو اختلاف کی گنجائش نہیں اور اسی دلِ نقیسِ نقیب، ہریاب میں پیدا شدہ مسائل کی توجیح، قدیم مسائل کی تحریر، ترجیحِ مانع و مفسر کے ساتھ نفسِ مسائل کی جامع و پرمغز تقریر سے عربی یا فہمی خالی ہیں، ان کا مطلعِ نظر اور اندازِ بیان اس سے مختلف ہے۔ چونکہ زیادہ تر وہ خاص اہل علم کے خوش نظر زیادہ تفصیل یا بہت اختصار کے ساتھ لکھنے کی عادت کاوری یک ذوق، نو محلہ مسجد، بریلی شریف یونی نے بہار شریعت کا ایک اچھا صحیح (محرر اس کا حصہ ۱۶ جو ہلے زیر مطالعہ آیا غالباً اشاعت مکتبہ عیسیٰ کانپور کا عکس ہے، یہ کافی صحیح اور مستقل صحت نامہ کا طالب ہے) لکھنے شائع کیا ہے، لیکن اس کی اشاعت بہت کم نظر آ رہی ہے، ہندوستان میں کئی کروڑ مسلمان رہتے ہیں اور اس نام سب کے لیے کارآمد کتاب صرف چند ہزار کی تعداد میں طبع ہو کر بھی شائقین کی شہرہ پڑی رہتی ہے، یہ صورت حال ناشرین اور قارئین سب کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

ہمارے موضوع مقصود "اصلاح معاشرہ اور تہذیبِ اخلاق" پر اردو میں بھی بہت سی کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں، بہار شریعت حصہ شانزدہم میں اس عنوان پر ہمیں بڑی جامعیت نظر آئی، دوسرے حصوں کی طرح اس میں بھی احادیثِ کریمہ کا ایک بڑا ذخیرہ ہے، احادیثِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اسلامی احکام کا مستند ماخذ ہیں۔ اصلاح معاشرہ اور تہذیبِ اخلاق کے باب میں حصہ شانزدہم کی قدر و منزلت اس بات کی متقاضی تھی کہ اسے ایک امتیازی شان کے ساتھ پیش کیا جائے، تاکہ حضرت منصفِ قدس سرہ کا اس حصہ کی تالیف سے جو عظیم مقصد تھا اس کی طرف عمومی توجہ ہو اور وہ جلد تر حاصل ہو سکے۔ اسی نظریہ کے تحت وہ "اسلامی اخلاقِ آداب" کے نام سے آپ کے سامنے ہے، اسے مفید تراور مقبول قلب و نظر بنانے میں ادارہ اشاعت کا جو کردار ہے اس کے متعلق قارئین ہی جگہ فرمائیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔

میں سمجھتا ہوں مجمع اسلامی کا یہ اقدام ہر حلقے میں یہ نظر استحسان دیکھا جائے گا اور کتاب لکھنا خاطر خود حق پذیری کی ضرورت حاصل کرے گی۔

محمد احمد معصیاتی

نگرں مجمع اسلامی

صدرالمدیرین فیض العلوم محمد آباد گوہنہ عظیم گڑھ

مجمع ۲۰ شنبہ ۲۴/۱۳۰۶ھ / ۷/۷ اکتوبر ۱۹۸۵ء



## کَلِمَةُ الْمَجْمَعِ

بِاسْمِهِ وَحُفْلَتِهِ تَعَالَى وَتَقَدَّسَ

امام احمد رضا قدس سرہ تمام علوم عقلیہ و نقلیہ پر تائید و ماہرانہ نگاہ رکھتے تھے۔ اور اپنی اس بے پناہ بصیرت کو اپنا اور تجدیدِ دین و احیاءِ سنت میں استعمال کرتے۔ وقت کا کیسا ہی اہم اور مشکل مسئلہ درپوش ہو اس کا محققانہ اور تحقیقی بخش جواب اعلیٰ حضرت کی بارگاہ سے مل جاتا۔

سائنس اور فلسفہ سے متعلق سوالات بھی مجدد اسلام قدس سرہ کی خدمت میں پیش ہوئے۔ ان دونوں کے تمام افکار و نظریات، اسلام سے متصادم نہیں لیکن قدیم فلسفہ کے بیشتر نظریات اور موجودہ سائنس کے بعض مداخلتِ اسلامی افکار و مسائل سے ضرور متصادم ہیں۔ اور مادہ پرستی کو دونوں کا جزو لا ینفک ہے، جسے اسلام بالکل ہیبت و بیہودیت سے بھی قلعق نہیں۔

اسی لیے امام احمد رضا قدس سرہ نے جہاں دوسرے غیر اسلامی افکار و عقائد کی خرابیاں واضح کیں اور دنیا کو رہنمائی دکھائی وہیں جدید و قدیم فلسفہ کے غلط افکار و نظریات کو بھی عقل و استدلال کی روشنی میں باطل ثابت کیا۔ یہ سوچنے کی گنجائش نہیں کہ اعلیٰ حضرت نے صرف قرآن و حدیث اور علمائے دین کے اقوال پیش کر کے فلسفہ اور سائنس دانوں کا رد کر دیا ہوگا، جو ان مادہ پرستوں کے لیے قابلِ التفات اور ان پر حجت نہیں۔ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ امام احمد رضا نے خود فلسفہ اور سائنس کے اصول و مبادی اور مسلمات کا تجزیہ کرتے ہوئے ان ہی کی روشنی میں اور مضبوط عقلی دلائل و براہین سے ان غلط افکار و نظریات کا تعاقب کیا ہے جو ہر فلسفی اور سائنس دان کے لیے اسلام کی جانب سے ایک زبردست چیلنج ہے۔ ہاں اہل اسلام کی مزید تسکین خاطر کے لیے دلائلِ نقلیہ بھی علیحدہ صورت میں پیش کیے ہیں۔ مناسب ہوگا کہ یہاں مجدد اسلام امام احمد رضا قدس سرہ کے ان زحماتِ قلم کا مختصر تذکرہ کر دیا جائے جو سائنس اور فلسفہ کے افکارِ باطل کی تردید میں ظہور پذیر ہوئے۔

(۱) معینِ مبین بہر دور شمس و سکون زمین (۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء) امریکہ کے ایک مہندس پر دھنسیا امیرت ایف پورٹانے دعویٰ کیا تھا کہ ۷ مارچ ۱۹۱۹ء کو اجتماعِ سیارات کے سبب عجب انقلاب برپا ہوگا، زلزلے اور



طوفان آئیں گے، کئی ممالک صفحہ ہستی سے مٹ جائیں گے۔ اس کی یہ پیش گوئی ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۹ء کو پائی گئی۔  
 کے انگریزی اخبار ”اسپیرس“ میں شائع ہوئی۔ جس کا تراش ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ نے  
 ۱۸ صفر ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۱۹ء کو بریلی شریف اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی خدمت میں بھیجا۔ مطالعہ کے  
 بعد اعلیٰ حضرت نے مولانا بہاری رحمۃ اللہ علیہ کو ۲۴ صفر ۱۳۳۸ھ کو خط لکھا کہ ”کسی عجب ہے اور اک کی تحریک  
 جسے ہیئت کا ایک حرف نہیں آتا۔ سراپا غلطی سے ملبوس ہے۔“ پھر ہیأت و ہندو کی رو سے ۱۷ نکات پر مشتمل  
 اس کی تردید الرضا بریلی کے شمارہ صفحہ اول ۱۳۳۸ھ مطابق نومبر ۱۹۱۹ء میں شائع کی۔ جنہیں چھ شمارہ دسمبر  
 ۱۹۱۹ء کو کوئی انقلاب برپا نہ ہوا۔ یہ تنقید بعد میں الگ کتابی شکل میں بھی کئی بار شائع ہوئی۔

(۲) فوز مبین در رد حرکت زمین: (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) مذکورہ تردید میں زمین کی گردش و کشش و فیروز  
 نظریات پر بھی کلام کیا تھا لیکن ان نظریات کو سائنسی اور عقلی اصولوں کی روشنی میں مکمل اور مستقل طور پر  
 باطل ثابت کرنے کی ضرورت تھی۔ اس لیے ان مزعمات کے تعاقب میں ایک سو پانچ دلائل پر مشتمل کتاب فوز  
 مبین تصنیف ہوئی، جو ہامد الرضا بریلی ۱۳۳۸ھ و ۱۳۳۹ھ کے مختلف شماروں میں ۹۶ صفحات پر شائع ہوئی۔  
 کچھ حصہ رہ گیا جو اب تک کہیں شائع نہ ہوا، ہمارے دیمتہ کرم فرما، رضویات کے ماہر اور مشہور صاحب قلم  
 پروفیسر مسعود احمد صاحب (پی ایچ ڈی) کی عنایت سے فوز مبین کے بقیہ حصہ کی ایک فوٹو اسٹینٹ کاپی بطور  
 اسلامی کو موصول ہو گئی ہے۔

(۳) الکلمۃ الملہمۃ فی الحکمۃ المتخکمۃ لہواء فلسفۃ المشتمکۃ: (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء)  
 گردش زمین کے رد میں فلسفہ قدیم نے بھی دس دہلیں پیش کی تھیں جو خود ہی غلط تھیں۔ فوز مبین کی فصل سوم  
 میں ان دہلیوں کو پیش کر کے ان کی تردید کی گئی۔ لیکن اس تردید کے لیے ضروری تھا کہ فلاسفہ کی وہ دہلیں، فلسفہ  
 کے جن اصول و مسلمات پر مبنی ہیں انہیں بھی باطل ثابت کیا جائے۔

اب فصل سوم کی تفصیل میں ان نظریات کا تعاقب شروع ہوا تو تیس مقامات تک جا پہنچا اور فلسفہ قدیم  
 کے رد میں الکلمۃ الملہمۃ کے نام سے مستقل کتاب کی صورت اختیار کر گیا۔ صفر ۱۳۹۴ھ مطابق مارچ ۱۹۷۴ء میں  
 صدر العلماء مولانا سید غلام جیلانی اشرفی علیہ الرحمہ نے اسے اپنے سنائی کتب خانہ میرٹھ سے شائع کیا۔

جزیۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۵۴۰ھ - ۵۵۰ھ) نے ”تہافت الفلاسفہ“ کہہ کر  
 ایوان فلسفہ منہدم کیا تھا جو تقریباً سو برس بعد ابن رشد کی ”تہافت التہافت“ سے پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ امام  
 معارف اعظم گڑھ شاردہ فروری ۱۹۸۱ء میں مشہور محقق اور ماہر فنون علامہ شبیر احمد خاں غوری سابق انسپکٹر مدرس

تہافت الملہمۃ“ کا اجمالی تعارف کراتے ہوئے اسے عصر حاضر کا ”تہافت  
 جدید“ قرار دیا۔

”میرے نزدیک الکلمۃ الملہمۃ کی امتیازی شان یہ ہے کہ اس میں فلاسفہ کے ان دلائل کا بھی ناقابل تردید  
 برائے بھر پور ابطال کیا گیا ہے جن کے جواب سے ہمارے متکلمین ہمیشہ خاموش رہے اور کسی نے پورے  
 دوران کا بطلان واضح کرنے کی ہمت ہی نہ کی یا لفظ و لفظ اس طرف توجہ نہ فرمائی۔“

(۴) نزول آیات فرکان یسکون زمین و آسمان: (۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء) اس میں قرآنی آیات سے زمین و  
 آسمان کا ساکن ہونا ثابت کیا گیا ہے تاکہ اہل اسلام کی مزید تسکین و تقویت کا سبب ہو۔

یہ رسالہ پروفیسر مولوی حاکم علی اسلامیہ کالج لاہور کے سوال اور مراسلہ کے جواب میں لکھا گیا ہے۔  
 اس کے آخر میں پروفیسر صاحب کے خیالات کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”عجب فقیر! اس شخص یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات و نصوص میں تاویلات دور از کار کر  
 کے سائنس کے مطابق کر لیا جائے۔ یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی، نہ کہ سائنس نے اسلام۔“

وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ: جتنے اسلامی مسائل سے اسے خلاف ہے سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا  
 جائے۔ دلائل سائنس کو مردود و پامال کر دیا جائے۔ جابجا سائنس کے اقوال سے اسلامی مسئلے کا اثبات ہو۔  
 سائنس کا بطلان و اسکاٹ ہو۔ الخ“

(۵) مقام الخدیہ علی خذ المنطق الجدید: مذکورہ بالا رسائل سے بہت قبل (تقریباً ۱۳۳۴ھ  
 ربیع الثانی) اکبر رجب ۱۳۰۴ھ کو نواب مولانا سلطان احمد خاں بریلی نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے ایک استفتاء  
 کیا تھا جس کا سبب یہ ہوا کہ ایک معقول عالم مولوی محمد حسن صاحب سنبھلی نے ”المنطق الجدید للناطق  
 لسانہ الخدیہ“ کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں غیر اسلامی اور خالص فلسفی نظریات بڑے زوردار  
 طریقہ پر پیش کیے، حتیٰ کہ پرانے فلسفیوں سے بھی کچھ زیادہ ہی بولنے کی کوشش کی۔ اور دینا چاہے میں اپنی اس منطق  
 جدید کی مدح و ستائش بھی فرمائی۔

نواب صاحب نے اس میں سے چند اقوال و افکار نوٹ کر کے امام احمد رضا علیہ الرحمہ سے ان کے شرعی  
 حکم دریافت کیے۔ اس استفتاء کا جواب ۱۳۰۴ھ کو مقام الخدیہ علی خذ المنطق الجدید کی  
 صورت میں مکمل ہوا جس میں ان اقوال مسئول کا باطل اور کفری ہونا ثابت کیا گیا۔

(۶) البارۃ اللعما، فی شؤہ من نطق بکفر طوعا: (۱۳۰۴ھ) قول اگر کفری ہے تو قاتل کی



کفر بھی ہوئی۔ یہ فقہائے رام کا مسلک ہے، متکلمین تکفیر کے لیے اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں کہ وہ قول اہل  
مسلمین اور ضروریات دین کے برخلاف ہو اور صراحتاً اس کا قول ہو یعنی قائل نے التزام اسے کہا ہونہ اس سے  
قول سے لزوم ثابت ہوا ہو۔ ایک حد تک صراحت کی قید تو فقہاء کے نزدیک بھی ہے اس لیے خاص فرق یہ زبان  
نہیں رکھنے کا ہے کہ کوئی صریح کفری قول اگر ضروریات دین کے خلاف ہو جسے متکلمین تکفیر کریں گے اور نہ کسی  
جب کہ فقہاء کے نزدیک اس کا قطعاً اس کا قطعاً اس کے مخالف ہونا ہی تکفیر کے لیے کافی ہے۔ لزوم التزام اور صراحت  
بیان وغیرہ میں متکلمین و فقہاء کے مسلکوں کے درمیان حد فاصل اور نقطہ امتیاز سمجھنے کے لیے، "الموت الاخر  
" وغیرہ دیکھنا چاہیے۔

المختصر مقدمہ اللہ میں المنطق الہدیہ کے اقوال کا کفری ہونا، ثابت کرنے کے بعد آخری مرحلہ قائل  
معتقد حکم شرعی واضح کرنے کا تھا۔ اس ذیل میں یہ بحث سامنے آئی کہ جو شخص بحالت عدم اکرہ و بلا اکرہ نظر  
انکار ایسا صریح کفر استعمال کرے جو اجماع مسلمین اور ضروریات دین کے برخلاف ہو۔ اس قائل کی تکفیر ہوگی  
یا نہیں؟ جواب اثبات میں تھا اور اس کے دلائل کثیر و وسیع، جس کے لیے امام احمد رضا قدس سرہ نے ایک مستقل  
رسالہ "البارقة اللمعا" مقدمہ اللہ کی تصنیف کے دوران ہی تحریر فرمایا۔ اور اس کا حاصل مختصر امثابت  
ایک آیت کریمہ حجت قاطعہ کے ساتھ مقام اللہ میں درج کیا۔

یہ ان خدمات کا بہت اجمالی تعارف ہے جو اسلام کے اس بطل جلیل نے رد فلسفہ کے سلسلے میں انجام  
دیں۔ تفصیل کے لیے کتب سوانح اور خود ان رسائل کی طرف رجوع کیا جائے۔

رسالہ "مقام اللہ" نواب مولانا سلطان احمد خاں بریلوی کے پاس تھا، انھوں نے اس کی تصنیف کی  
شروع میں تمہید لکھی اور چند مقدمہ پر حواشی تحریر فرمائے پھر کسی خوش نویس جناب محمد حسین صاحب نے اپنے  
مبعض کی نقل کرا کے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے کتب خانہ میں داخل کی۔ یہی نقل مولانا اختر رضا خاں ازہری  
مدظلہ کے برادر خرد جناب منن رضا خاں زید علیہ کے ذریعہ سینہ مقبول احمد انصاری لاری ساکن ملتان کو ملی  
ان کے پاس نومبر ۱۹۸۳ء میں یا اس سے ذرا قبل مولانا عبدالمجید نعمانی رکن المصحح الاسلامی کی نظر سے گزری۔  
برادر موصوف نے اسے حاصل کر کے دو فتوے ایٹھ کاپی کرائی۔ ایک کاپی اصل کے ساتھ انصاری صاحب کو  
واپس کی۔ دوسری المصحح الاسلامی کی مکتبہ میں رکھی۔ اور راقم سطور سے اس کی اشاعت کی فرمائش کی، میں  
دوسری کتابوں کے انتظام اور خانگی و مدرسی مصروفیات کے سبب اس طرف متوجہ نہ ہو سکا۔

توجہ اور اشاعت کی تقریب یہ ہوئی کہ ۱۹۸۲ء میں پروفیسر محمد جلال الدین قادری نے حکیم محمد موسیٰ

مرکز الہی مرکزی مجلس رضا لاہور کی فرمائش پر یہ عنوان "امام احمد رضا کا نظریہ تقیم" ایک بسیط مقالہ لکھا تھا۔  
وین سال بعد رحیم و اضافہ مجلس رضا سے شائع ہوا اور ہمارے دیرینہ محسن مولانا عبد الغفور شرف قادری  
مدظلہ صاحب نے لاہور کی عنایت سے نومبر ۱۹۸۵ء میں راقم سطور کو دستیاب ہوا۔ پروفیسر صاحب نے اس مقالہ  
میں ایک جگہ تقیم فلسفہ سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے رسالہ اعلیٰ حضرت "مقام اللہ" کا بھی نام لیا تھا۔ جن  
میں ہمارے بھی طبع نے ہوا اور نہ ہی اس کی نقلیں ہو سکیں اس لیے اس کا کوئی اقتباس دینا، موصوف کے لیے ممکن بھی  
نہ تھا۔ میں اس مقام پر پہنچا تو دوسرے سارے کام چھوڑ کر مقام اللہ کا مطالعہ شروع کر دیا، بعد مطالعہ خود ہی  
میں کی تہیض کی اور یہ ملحوظ رکھا کہ تہیض پھر اس کے مطابق کتابت کچھ اس حد تک سے ہو کہ بہت حد تک توضیح و  
تہیل کام اسی سے نپٹ جائے اور عوام و خواص سب کے لیے باعث کشش، قابل مطالعہ اور مفید و کارآمد بن  
جائے۔ کیوں کہ وقت کی قلت، کام کی کثرت اور اشاعت کی بجلت میں اس سے زیادہ کی گنجائش بھی نہ تھی۔  
دلوں کی تخریب، اہم اور مشکل مقامات کی تشریح، ضروری عبارات کا ترجمہ کتاب و جھپٹے کے بعد کبھی بھی ہو سکتا  
ہے۔ اور کوئی بھی صاحب ذوق اسے کر سکتے ہیں۔ البتہ عربی عبارتوں پر اعراب لگا دیا گیا ہے تاکہ طلبہ اور بعض  
فہم کے لیے ذرا آسانی ہو ورنہ علماء اور عوام کے لیے اس کی بھی کوئی ضرورت نہ تھی۔

ہر حال اس بے بضاعت سے بجلت میں جو کچھ ہو سکا آپ کے سامنے ہے۔ نیک دعاؤں میں یاد رکھیں تو  
زہد اور رب کریم کے یہاں یہ ادنیٰ اور حقیر کی کاوش بابر قبول پا جائے تو فضل عظیم۔

والضلوۃ والسلام علی حبیبہ خاتم النبیین، سید المرسلین رحمۃ اللغلمین  
وعلیٰ آلہ وصحبہ واہلہ وحرہ اجمعین۔

محمد احمد مصباحی

رکن المصحح الاسلامی، مہارک پور

صدر المدینہ فیض العلوم، محمد آباد

۱۲ ربیع الآخر ۱۴۰۶ھ / ۵ دسمبر ۱۹۸۵ء، چہار شنبہ



## حرف آغاز

بسم الله الرحمن الرحيم حامداً و مصلياً و مسلماً

میں ۲۰ صفر المظفر ۱۳۰۸ھ پنجشنبہ کی شام کو رام پور حضرت حافظ شاہ جمال اللہ قادری طبرہ الرحمہ آستانہ پر فائزہ خوانی کے لیے حاضر ہوا تو آستانے کے سجادہ نشین میرے دیرینہ کرم فرما محترم حافظ لائق احمد خاں جہانی نے مولانا شاہ سلامت اللہ نقشبندی عیدہ الرحمہ کی کتاب ”گیارہویں شریف“ دکھائی، جو ۱۳۳۵ھ میں مطبع جدیدہ سکندری رام پور سے شائع ہوئی۔

موصوف نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ نئے انداز میں ضروری تفہیم و تحشیہ کے ساتھ جلد اس کتاب کی اشاعت عمل میں لائی جائے، اس کتاب میں جہاں گیارہویں شریف کے جواز و استحسان کے دلائل، اس کے فائدہ و منفع اور فائدہ و اذیاء کے ذبیحہ کی حلت پیش کی گئی ہے وہیں مصنف علیہ الرحمہ نے ان لوگوں کو کافر بھی لکھا ہے جو گیارہویں شریف کرنے والے مسلمانوں کی تکفیر اور فائدہ و اذیاء کے ذبیحہ کی حرمت کے قائل اور اسے مردود و ضعیف کا گوشت بتاتے ہیں، جب کہ رام پور کے خلیفہ اعظم مولوی وجیہ الدین احمد خاں اور ان کے بعض شاگردوں کا عرصہ دراز سے یہ پروپیگنڈہ ہے کہ علمائے رام پور نے کسی کی تکفیر نہیں کی ہے، اس پروپیگنڈہ سے کاملی خلیفہ الصواری المہندی کی اشاعت سے دیا گیا، جس میں علمائے رام پور نے حسام الحرمین کی تصدیق فرمائی ہے، صرف یہ کتاب ”گیارہویں شریف“ بھی اس غلط دعوے کا کھلا ہوا رد ہے، ساتھ میں اس پر بہت سے علمائے رام پور کی تصدیقات بھی ہیں جن میں کسی کی حضرات ”خلیفہ اعظم“ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ اس لیے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علمائے رام پور کا مسلک حق یہی تھا کہ اگر کوئی کلمہ گو ہوئے کے بعد کفر کیے، خدا اور رسول کی شان میں ہتک مارتکب ہو یا ضروریات دین میں سے کسی ایک کا منکر ہو تو ضرور اس کی تکفیر کی جائے گی اور ہرگز ایسا نہیں کہ کلمہ پڑھنے لینے کے بعد جتنا چاہے کفر کرتا، لکھتا ہے پھر بھی مسلمان کا مسلمان رہ جائے اور اس کی تکفیر سے زبان و قلم روکنا ضروری ہو، کفر اور اسلام دو متضاد چیزیں ہیں، جب کفر جاگزیں ہو تو ایمان رخصت ہو جائے گا۔

اس کتاب کی اشاعت سے بھی یہ ثابت ہو جائے گا کہ خلیفہ اعظم جس طرح اکابر اسلام کے خلاف ہیں اسی طرح علمائے رام پور حتیٰ کہ خود اپنے بزرگ اساتذہ کے بھی مخالف ہیں اور انھوں نے سب سے الگ اپنا ایک نیا مسلک قائم کیا ہے۔

اس گفتگو کے بعد میں نے کتاب کی ورق گردانی کی تو دیکھا کہ گیارہویں شریف اور اس کے معلقات پر یہ ایک جامع اور انفیس کتاب ہے جس سے صرف رام پوری نہیں بلکہ ہندوستان و غیرہ کے تمام مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہے، اس لیے میں نے محترم لائق میاں سے کہا کہ آپ اس کی ایک فوٹو اسٹینٹ کاپی مجھے عنایت کریں، میں ان شاء اللہ اسے جدید انداز میں اشاعت کے قابل بنانے کی کوشش کروں گا۔

دوسرے دن مولانا سید شاہد علی رضوی نے اپنی وہ بیاض دکھائی جس پر وہ سال گیارہویں شریف نقل کرے لے ترجمہ، حوالہ جات کی تخریج وغیرہ سے آراستہ کر چکے تھے، کچھ کام باقی تھا، ان کا حکم ہوا کہ میں اس پر نظر چلی کر لوں، اس طرح وہ بیاض اور اصل کتاب میں اپنے ساتھ مبارک پورا دیا اور اپنے طور پر اس کا ایک نام بیض تیار کیا، بیض کے ساتھ بہت سے مقالات پر ترجمہ بھی خود ہی کر ڈالا، البتہ اصل کتاب کی عبارتیں بعینہ بانی رکھی گئی ہیں، اس کی زبان چل کے علمی و فقہی اور وہ بھی قدیم تھی اس لیے جہاں ضرورت محسوس ہوئی حاشیہ میں یا بین السطور کچھ وضاحت کر دی گئی ہے، خاص طور سے ذبیحہ، کلام وغیرہ نشانہات سے میں نے تفہیم کا کام زیادہ لیا ہے تاکہ جہاں تک ہو سکے قاری کو خود مصنف ہی کے الفاظ و عبارات کے ذریعے ان کے مقصود سے روشناس کرایا جائے۔

خوالہ کی عربی عبارتوں کا ترجمہ اصل کتاب میں ہی لکھ دیا گیا ہے، لیکن اسے کچھ علامات و نشانہات کے ذریعے ایسا متاثر دیا گیا ہے کہ ہر قاری پر یہ خوبی واضح ہو جائے کہ یہ مصنف کے الفاظ نہیں ہیں، اکثر آیات کا ترجمہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے ترجمہ قرآن ”کنز الایمان“ سے نقل کر دیا گیا ہے، بعض عربی عبارتیں سلسلہ کلام کے درمیان تھیں، جن کتاب کے ساتھ ان کا ترجمہ لکھنے سے عبارت کا تسلسل ٹوٹ جاتا اور ربط ماننے میں ذرا محنت ہوتی اس لیے ان کا ترجمہ نیچے حاشیہ میں لکھ دیا گیا ہے، اس طرح کتاب میں ایک طویل عبارت مولانا شاہ احمد سعید ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے کتاب ”تحقیق الحق الامین“ سے منقول تھی، اس کا ترجمہ بھی حاشیہ میں لکھا گیا ہے۔

اب یہ قدیم کتاب جدید زیوریت سے آراستہ ہو کر ارباب ذوق کی فیاض فکر و نظر کے لیے حاضر ہے، میں کہ اس کی تجدید میں بنیادی کاوش، حوالہ جات کی تخریج، ترجمہ وغیرہ زیادہ تر کام مولانا سید شاہد علی رضوی کا ہے اس لیے جدید ترتیب اور ترجمہ و تحشیہ کے تحت ان ہی کا کام گرامی مناسب و موزون ہے۔ رب کریم ان کا فضل عام و تام کرے اور محترم حافظ لائق احمد خاں جہانی بھی خاص طور سے ناظرین کے شکر و تہنیت کے مستحق ہیں کہ ان کی تحریک اور سعی جمیل سے یہ علمی تحفہ قارئین کی نذر ہو رہا ہے۔

ھجواہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء و ضاعف حسنا و کثر جمل أعمالہ و جلیل أشغالہ.

محمد احمد اعظمی مصباحی

تقديم<sup>(١)</sup>أضواء على حياة العلامة أحمد رضا القادري البريلوي  
وخدماته العلمية والدينية

هو شيخ الإسلام والمسلمين (ت ١٣٤٠هـ) مجدد الأمة الإمام أحمد رضا بن الشيخ مولانا تقي علي خان القادري الحنفي البريلوي. كان من أكابر علماء الهند ونوابغ القرن الرابع عشر الهجري، يندر نظيره في عصره بل في عدة قرون ماضية، فإنه رئيس المفسرين وإمام المحدثين، وأفقه العلماء، وأجود المتكلمين في المعاصرين. له طول الباع في نحو خمسين علما وصنف في جميعها فهذا مما تفرّد به الشيخ فإن أحدا من المتكلمين لم يصنف في أكثر من خمسة وثلاثين فنا.

ولد في مدينة بانس بريلي بالهند الشمالية في العاشر من شهر شوال ١٢٧٢هـ الموافق ١٤ يونيو ١٨٥٦م. وتوفي في ٢٥ صفر عام ١٣٤٠هـ الموافق ٢٨ أكتوبر ١٩٢١م وكان اليوم يوم الجمعة.

تشرف بزيارة الحرمين مرتين. مرة سنة ٩٦ - ١٢٩٥هـ وأخرى سنة ٢٤ - ١٣٢٣هـ فقام في مدة إقامته في الحجاز بالبحوث العلمية والمناقشات مع أكابر العلماء، وصنف عدة تصنيفات، واعترف علماء الحرمين الشريفين برئاسته في العلوم الإسلامية، ونوهوا بشأه وأجلوه إجلالا كبيرا.

وجدير بالذكر في هذا المقام واقعتان، تشهدان بفقاهته الراسخة، وهنه الوفاق وفكره البالغ. واعتراف علماء الحجاز بعلو كعبه في العلوم.

(١) سافر إلى الحرمين الشريفين في السادس والعشرين من شوال سنة ١٢٩٥هـ مع أبويه الكريكين وهو اذ ذاك ابن ثلاث وعشرين سنة. فوقع له في هذه الزيارة الكريمة أنه كان يوما يصلي في مقام إبراهيم فلما انصرف عن صلواته استقبله الشيخ حسين بن صالح كمال

(١) قصيدتان والعمتان علام أحمد رضا قادري رحمه الله تعالى، بمطبع دار العلوم، جون ١٨٩٩هـ.

إمام الشافعية (المتوفى ١٣٠٢هـ، ١٨٨٤م) مع أن التعارف بينهما لم يكن قط فاني وأخذ بيد الشيخ أحمد رضا ومشي به إلى بيته، وقال مرارا واضعا يده على جبهته المشرقة والله إني لأجد نور الله في هذا الجبين ثم رقم بيده إجازة الحديث وإجازة الطريقة القادرية ومنحها للإمام أحمد رضا وقال اسلمك "ضياء الدين أحمد". واقترح عليه الإمام الشافعية أن يصنف شرحا لكتابه "الجوهر المضيئة" فشرحها شرحا وافيا في يومين فقط سماه "النيرة الوضیة في شرح الجوهر المضيئة" ثم علق عليها تعليقا سماه "الطرة الوضیة على النيرة الوضیة".

(٢) ومما وقع في رحلته الثانية إلى الحجاز المقدسة ما بينه في بعض تصانيفه. استفتاني الشيخ عبد الله مراد، والشيخ حامد أحمد محمد الجداوي في ورقة النقد (النوط) وكان الاستفتاء يحتوى على اثني عشر سوالا فصنفت مجيبا عنها رسالتي "كفل الفقيه الفاهم في أحكام قوطاس الدراهم" (١٣٢٤هـ) في نحو يومين بكمال الاستعجال.

كانت الرسالة عند الشيخ السيد مصطفى. الأخ الصغير للشيخ السيد اسمعيل. في مكتبة الحرم ليبيضة. فإن خطه في غاية الرشاقة والحسن. وفي سابق الزمان سئل أستاذنا تقي فضيلة الشيخ جمال بن عبد الله بن عمر المكي مفتي الحنفية عن ورق النقد فأجاب: العلم أمانة في أعناق العلماء، المسئلة حديثة ولم أطلع على جزية فيها. والله أعلم. ذهبت يوما إلى مكتبة الحرم فإذا أنا بشيخ جليل يطالع رسالتي "كفل الفقيه" فلما بلغ مقام الذي أوردت فيه العبارة التالية من فتح القدير: "لو باع كاغذه بألف يجوز ولا يكره". نهل بشرا وصر على فخذة قائلا: "أين كان جمال بن عبد الله من هذا النص الصريح".

ثم استخرج كتبا لتحقيق مسئلة، وأراد أن ينقل شيئا من عبارات الكتب. وكنت مشغلا بتصحيح نقل الرسالة. فلا عرفني ولا عرفته إلى ذلك الحين. وإذا هو قد وضع الدواة على كتاب لم يكن يطالعه ولا ينقل منه. فما أنكرت عليه بل وضعت الدواة عن الكتاب تعظيما له. فوضع ثانيا على الكتاب وقال. في كتاب الكراهية من البحر الرائق تصريح بجوازه. فلم أقل له. لم يصل البحر الرائق إلى كتاب الكراهية بل انقضى قبله.

نعم قلت له: ليس كذلك. بل صرح البحر بالمنع إلا أن يحتاج إليه حين النقل والكتابة مثل أن يطير الورق بالريح. وأرأيت ذلك التصريح في البحر الرائق. فقال: إنما أريد النقل والكتابة.

قلت: لكن لست الآن كاتباً وناقلاً منه.

فسكت وسأل عنى السيد اسمعيل فقال له "هذا هو مصنف هذه الرسالة" فقال بلى لكن خجلنا ثم رجع عجلًا. "وذلك في الرابع من صفر المظفر ١٣٢٤ هـ".

وذلك الشيخ خليل كان مفتي الحنفية عبد الله بن صديق بن عباس ومنصب مفتي الحنفية كان بالمنزلة الثانية من السلطان. وهذا هو المنصب الذى منعه من لقاء الشيخ أحمد رضا قبل ذلك اليوم. فلم يات إلى مكان اقامته بل دعاه إلى بيته فأراد الشيخ أن يجيب الدعوة ويقابله. لكن قال السيد اسمعيل بحفاظ مكتبة الحرم: والله لن يكون هذا. أكاثر العلماء يأتونك للقاءك فلم لا يأتى هو. فامتنع الشيخ أحمد رضا ليمين السيد المحترم رحمهم الله جميعا.

وجعل انطباعات علماء المدينة المنورة ما أبداه الشيخ الصالح محمد كريم الله الفنجاني مجاور الحرم المدني تلميذ الشيخ عبد الحق الاله آبادي المهاجر المكي. (الخوف ١٣٣٣ هـ) وقال للإمام أحمد رضا:

إني مقيم بالمدينة الأمانة منذ سنين. وياتيها ألوف من العالمين. فيهم علماء وصلحاء وأتقياء. ورأيهم يدورون في سكك البلد. لا يلتفت إليهم من أهله أحد. وأرى العلماء والكبار العظماء إليك مهرعين، وبإجلال لك مسرعين. ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم (٣).

ومن أراد الإطلاع على تفصيل ما أعرب علماء الحرمين المكرمين من انطباعاتهم الجميلة في الإمام أحمد رضا فليراجع إلى الكتب التالية. فكلها مطبوعة توجد في المكتبات والنوادي العلمية:

- (١) فتاوى الحرمين برحمت نذوة المين (٤) (١٣١٧ هـ)
- (٢) حسام الحرمين على منحرك الكفر والمين (٥) (١٣٢٤ هـ)
- (٣) الاجازات المثينة لعلماء بكة والمدينة. (١٣٢٤ هـ)
- (٤) كفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدرهم. (١٣٢٤ هـ)
- (٥) الفصل الريلوى كما يراه علماء الحجاز. بالأردية. للبروفيسور محمد مسعود

أحمد المجددى.

ومن أحسن الدلائل على مقدرة الهائلة على خمسين فما مؤلفاته فيها (٦) فان تصانيفه ليست جمعا وتلفيقا واجتاءا من الكتب السابقة فحسب. مثل مؤلفات بعض المصنفين من معاصريه. بل هي تزخر وتندفق بأبحاث وتحقيقات وإفادات وإفاضات لم يسبق إليها ولم يسمح بها قلم ولا كتاب.

منها مجموعة كبرى لفتاواه في اثني عشر مجلدا، كل مجلد يحتوى على نحو ألف صفحة تسمى "بالعطايا النبوية في الفتاوى الرضوية" تدل على سعة اقتداره في الفقه والحديث وغيرهما من العلوم الشرعية والعقلية كما لا يخفى على من تشرف بمطالعتها.

كاست له ملكة استنباط الأحكام في المسائل الحديثة التي لا يوجد فيها نص من القدماء، وإذا وجد النص تورع عن الاستنباط من القرآن والحديث. إلا الحاجة تدعو إليه. يقول: ليس للمقلد أن يجتهد ويستنبط من الأصول. بل عليه أن يقتنع بما بينه أئمة للذهب وبما صححه ورجحه الفقهاء. ومن أراد شيئا من تفصيل عبقرته في الفقه والأصول فليراجع إلى مقدمة الاستاذ افتخار أحمد القادري على جد الممتاز (٧) للإمام أحمد رضا ومقدمتى عليه.

وقصارى القول أنه لا يوجد في تاريخ الفتاوى أى مجموعة أجل وأعظم من العطايا النبوية في الفتاوى الرضوية. ولا يعدها أرباب العلم والفتوى في درجة الفتاوى بل هي معدودة في درجة الشروح المعتمدة الجليلة. ورأى العلامة السيد اسمعيل خليل حافظ مكتبة الحرم المكي بعض فتاوى الإمام فكتب إليه: "والله أقول والحق أقول إنه لوراءها أبو حيفة النعمان لأقرت عيه، ولجعل مؤلفها من جملة الأصحاب". (٨)

وأكثر فتاوى الإمام أحمد رضا في الأردية، وبعضها في الفارسية والعربية، فكان دأبه الإجابة باللغة التي سئل فيها. أما مصنفاتها الأخرى فهي أيضا في هذه اللغات الثلاث. لكن كثيرا ما يكون تحقيقاتها العلمية الهامة في العربية ليله الطيبي إليها. كأنها لغته الوطنية. فبنا برى وتصانيفه الأردية والفارسية أيضا أن الأبحاث العلمية تتجلى في ذهنه الثاقب بالعربية أولا ثم يحولها إلى اللغة الأخرى. كما سيظهر على من تأمل في مصنفاته من الذين تكلموا من العربية والأردية أو الفارسية معا إلا أنه كثيرا ما يورد (و أحيانا يفتخر ويتكبر) الأمثال والمحاوالت الأردية والفارسية خاصة في تصانيفه الكلامية وغيرها حين

المخاطبات والإفادات. وليس ذلك الا لعظيم اقتداره على الأردية والعربية والفارسية جميعا. ولكن تجلي الأبحاث العلمية في ذهنه بالعربية يدل على ميله الطبيعي إليها.

والجدير بالذكر أنه على الرغم من تمكنه من العلوم الكثيرة كان شاعرا مجيدا. مع أن الإجابة في الشعر والشعر ما ندرت منذ قدم الزمان، أما الإجابة في النثر والنظم مع الإجابة في البحوث العلمية الدقيقة اليابسة فأقل وأندر.

يمتاز شعره بالطابع الإسلامي والفكر الديني، وتتجلى فيه الروعة الأدبية والبراعة الفنية، ويتفوق بالآيات القرآنية والأحاديث النبوية ونصوص الأئمة، وإلى جانب ذلك فكره القيم وذوقه السليم، وكل ذلك يعجب الأصماع، وينشط الأذهان وينير الأفكار ويهز المشاعر ويهف العواطف.

وأكثر شعره في المديح النبوي وليس ذلك إلا لعميق صلته بالنبي صلى الله عليه وسلم وتمكن حبه الكريم على سواد قلبه. فكان لا يكاد يمسك ما في ضميره من عواطف الحب ودواعي التعظيم والإجلال فتشكل صورة الشعر. ومع ذلك لا يوجد في أي بيت له غلو ولا تقصير، ولا أي لفظ مما لا يحسن استعماله في حضرة النبي الكريم عليه أفضل الصلوة وأكرم التسليم.

وشعره أيضا باللغات الثلاثة مع غاية الجمال والفصاحة والسلاسة واعترف بها أدباء اللغات الثلاث. ولولا غفلة الإملال لذكرت بعض انطباعاتهم.

وأما أفكاره العالية وتخيالاته الدقيقة ومعانيه النبيلة فمما لا يحول دونه فكر أحد من الشعراء الأجلة المعاصرين.

وقد طبعت مجموعة شعره "حذائق بخشش" (١٣٢٥هـ) وعني بها الشعراء العادلون والأخبار الناقدون في الهند وباكستان. أكثرها بالأردية وقليل منها بالفارسية لكنها تكن شهادة لبراعته في الشعر الفارسي. أما شعره العربي فلم يجمع. نعم يوجد منه قليل متفرق في بعض تصانيفه كالتفتاوى الرضوية والطارى الدارى وغيرهما.

وأحسن طريق لمن أراد البحث عن نبوغ الامام أحمد رضا في العلوم والفنون أن يطالع تصانيفه الجليلة مطالعة عميقة أنيقة. انه سيجد أكثر وأبلغ مما وصفناه ويستخرج كنوزا من الحقائق الثمينة والمعارف الغالية والأبحاث المثينة والأفكار الدقيقة مع قلة المبالى

والله الموفق للخير وبنيعمته تتم الصلوات.  
**المراجع**

(١) تذكرة علماء الهند. بالفارسية للمولوى رحمن على. ص: ١٦، وذاكرة المعارف الإسلامية ج: ١، كراسة: ٥، ص: ٢٨٠.

(٢) ملفوظاته المرتبة. جد ممتاز على رد المحتار. السبعة المخطوطة للمجمع الاسلامى مبارك كودج. ١، ص: ٢٢، كفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدراهم ص: ١٥٧-١٥٨.

(٣) الإجازات المثينة ص: ٢٥٤، من مجموعة الرسائل الرضوية ج: ٢.

(٤) في الرد على العلماء الذين أسسوا جمعية ندوة العلماء ودارالعلوم التابعة لها بلكنهو بالهند الغير المنقسمة في نهاية القرن الماضى الميلادى، وكان صاحب الترجمة الشيخ أحمد رضا من أشد المنتقذين والمعارضين لحركة ندوة العلماء لأسباب شرحها في مؤلفاته وكتابات، منها هذا الكتاب. (رئيس التحرير)

(٥) في الرد على العلماء المنتمنين إلى مدرسة ديوبند الشهيرة. وكان صاحب الترجمة من أشد منتقدي هذه الجماعة أيضا. (رئيس التحرير)

(٦) من أراد الوقوف على مصنفات الإمام فليراجع إلى: (١) المجلد المعدل لتأليفات المجدد (١٣٢٧هـ) و (ب) مرآة التصانيف. للأستاذ عبد الستار القادرى. يطلب من المكتبة القادرية بلامور (ج) وتصانيف رضا للأستاذ عبد المبين النعمانى. يطبع إن شاء الله تعالى. يطلب من المجمع الاسلامى بمبارك كودج الهند.

(٧) حاشية على رد المحتار للعلامة محمد أمين الشامى ويطبع مجلده الأول تحت إشراف المجمع الاسلامى بمبارك كودج و يطلب من العنوان التالى: الحاج محمد فاروق المحترم ٣١/ دى ١٨٣. متنبوره، وارانسى. الهند.

(٨) الإجازات المثينة ص: ٢٥٨، من مجموعة الرسائل الرضوية ج: ٢.

(المقالة نشرت أول مرة في مجلة الدراسات الاسلامية. (عدد: ٢، ح: ١٩، مارس، ابريل

١٩٨٤ م) يصدرها مجمع البحوث الإسلامية، الجامعة الإسلامية اسلام آباد، باكستان ورئيس

التحرير محمود أحمد غازى.)



## تقدیم

باسمہ و حمدہ والصلوة علی رسولہ و جنودہ

اب تک دنیا بے شمار سیاسی، اقتصادی اور سماجی نظاموں کا تجربہ کر چکی ہے اور آج بھی عالمی آبادی میں جمہوریت، سامراجیت، سرمایہ داری، کمیونزم، سوشلزم وغیرہ ناموں سے مختلف نظام فکر و عمل رائج ہے۔

لیکن ایک تو زندگی کے ان تمام نظاموں میں انسان کی اخلاقی قدروں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اور بعض اخلاق سے اعتنا بھی کیا گیا ہے تو صرف اس لیے کہ مالی اور سیاسی مفاد سے ان کا گہرا رشتہ ہے۔ اگر ان کو چھوڑ دیا جاتا تو بہت سے اقتصادی اور ملکی فوائد بری طرح مجروح ہوتے اور کسی دنیاوی مفاد پر حرف آنا ان نظاموں کی شریعت میں سب سے بڑا گناہ ہے۔

دوسرا نقص یہ ہے کہ روحانی اقدار اور مابعد الموت کے تصور سے یہ سارے نظام بیکسر خالی ہیں اور اس فضا سے محدود دوسرے مادی و مادی عالم بسط کا خیال محض ایک فریب سمجھتے ہیں۔ جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ جس بنیادی نصب العین کے خوش نما اور نشاط انگیز تصور پر ان نظاموں کی اس قائم ہے اس کی تکمیل سے بھی تجربات کی وسیع دنیا میں وہ ناکام ہی ثابت ہوئے۔

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ آج جب کہ سارے نظاموں کی خرابیاں طشت از پام ہو چکی ہیں، اور جن کے باعث دنیا ایک متعفن آتش کدہ بنتی جا رہی ہے تو کیا اسلام اس صورت حال میں مظلوم انسانیت کی دست گیری کر سکتا ہے اور تباہ حال دنیا کو فیروز مندی و سعادت سے ہم کنار کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں عرض ہے کہ اسلامی نظام حیات انسان کے اندر خوف خدا، آخرت کے تصور، پھر اپنی اور ساری مخلوق کی خیر خواہی اور برائی کے انکار و جذبات بروے کار ماننے کے اصولوں پر قائم ہے۔ اس لیے وہ عبادات اور معاملات و دلوں پر مشتمل ایک جامع اور باہم مربوط و مضبوط دستور پیش کرتا ہے، جو بندہ اور خدا، فرد اور خاندان، فرد اور معاشرہ، فرد اور حکومت کے درمیان پائے جانے والے تعلقات کی مکمل تشریح و تحدید کرتا ہے۔ وہ جہاں نوع انسان کے دنیاوی مفادات کا پس و لحاظ رکھتا ہے اور ان کی حد بندی کرتا ہے وہیں انسان کی اخلاقی قدروں اور روحانی

توانائیوں کے اصول و ضوابط بھی پیش کرتا ہے اور ان سب کو بروے کار لانے پر پورا زور صرف کرتا ہے۔ اور اس کی حکیمانہ جامعیت کا عالم یہ ہے کہ دوسرے نظاموں میں جہاں سے مقاصد کے سوتے پھوٹتے ہیں، اور ان سے ظلم و تعدی کے دروازے خود بخود کھلتے ہیں اور اپنی حدوں سے تجاوز و سرکشی کا بازار علانیہ اور خفیہ طور پر خوب گرم ہو جاتا ہے، ان سب کی پیش مندی یا علانیہ و عداوت اسلام میں جھپٹے ہی سے موجود ہے۔

اس لیے اسلام آج بھی انسانیت کی دست گیری اور عالمی امن و سلامتی کی وہی صلاحیت رکھتا ہے جس کا مدیون تک دنیا برابر مشاہدہ کرتی رہی ہے۔ اور آج بھی دنیا کے مختلف گوشوں میں جس شیعہ تک اسلام و عمل دخل حاصل ہے اس کی کار فرمائی کا حسن نمایاں ہے۔ تفصیلات میں مجھے جانے کی ضرورت نہیں کیوں کہ ایک بیسویں کتاب دعوے کی دلیل کے طور پر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اور نظام اسلام کے ہر پہلو پر تفصیلی مکتبہ اور دوسرے نظاموں سے تقابل پر اور بھی قابل قدر تحریریں موجود ہیں۔

لیکن یہ انسانیت کی درد انگیز مظلومیت ہے کہ اسے اس کے امراض کی شفا بخش دوا نہیں دی جاتی۔ جس کا جب یہ ہے کہ ایک طرف ہر نظام چلانے والوں کے اندر جہاں اور نظاموں سے نفرت و بیزاری پائی جاتی ہے وہاں اسلام سے بھی حسد و عداوت اور تعصب و تنگ دلی کا عنصر پوری طرح کار فرما نظر آتا ہے، جب کہ یہی ان کا سچا اور ان کی لاشعلی مشکلات کا حل ہے۔

دوسری طرف بیشتر مسلم ممالک کا بااقتدار طبقہ اسلام کی روحانی و ایمانی توانائیوں اور اس کی ہمہ گیر صلاحیتوں سے نااہل ہے۔ مزید برآں اس کا ذہن اس تعلیم و تخریر سے مسموم ہو چکا ہے، جسے اسلام دشمن قوتیں چاہی دنیا کو اس سرچشمہ حیات سے محروم رکھنے یا دور کرنے کی خاطر وسیع ترہیانے پر بڑی تیزی سے عام کر رہی ہیں۔ اس لیے یہ طبقہ جو اسلام کو اس کی ساری خوبیوں اور صلاحیتوں کے ساتھ عملی زندگی میں پیش کرنے کا اصل ذمہ دار ہے وہ خود دوسروں کا دست دباؤ اور اسلامی نظام حیات کا حریف بن چکا ہے۔

ظاہر ہے کہ اسلام کی قوت و صلاحیت، اس کا جلال و جمال اور اس کا حسن و کمال اسی وقت پورے طور پر جھوٹا ہو سکتا ہے جب اسے مکمل نفاذ حاصل ہو۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے خود اسلامیان عالم اسے زندگی میں اس کا وہ مقام عطا کریں جس کے بغیر اس کی جلوہ سمانیوں کا ظہور ممکن نہیں۔

دوسرے نظام زندگی دیکھنے اور پڑھنے سے پہلے خود اسلام کا گہرا اور وسیع مطالعہ اسلامی مفکرین کے رشحات قلم کی روشنی میں کرنا ہوگا۔ پھر دوسرے نظاموں کا جائزہ، ان کے اعتراضات کی جانچ اور اسلام کے ساتھ ان کا تقابلی مطالعہ بھی کرنا ہوگا۔ اس کے بغیر اسلام کی طرف سے بدولی نہ صرف یہ کہ بہت بڑی ناانصافی

ہے بلکہ اپنی خودکشی اور پوری انسانیت کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ بھی ہے۔

مبلغ اسلام برادر گرامی مولانا بدر القادری مدظلہ کو رب کریم جزائے خیر سے نوازے کہ انھوں نے اسلام سے ناآشنائی اور اس کی طرف سے بدگمانی کا مرض دیکھ کر اس کا علاج پیش کیا۔ اور زیر نظر کتاب میں اسلامی نظام حیات کے مختلف شعبوں پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے یہ بھی ثابت کیا کہ اسن عالم آج بھی اسلام کی تعظیم ہی سے قائم ہو سکتا ہے۔ اس کے دامن میں اب بھی وہ بھنبیاں پوشیدہ ہیں، جو دنیا کی بد حالی و اہتری کا قلع قمع کر سکتی ہیں۔

تعبص و تنگ نظری کی عینک اتار کر دانشوران عالم اگر صاف دلی اور نیک نیتی سے تباہ حال انسانیت کی نجات پر غور کریں تو اس کی فلاح و بہبود کی مکمل اور جامع تدبیر میں اسلام ہی کے دامن میں ملیں گی۔

کتاب کی تفصیلات سے کیف آشنا اور لطف اندوز ہونے کے لیے ورق لپیے اور اس خزانہ معارف کی حقائق نمائی سے اپنے دیدہ و دل کی دنیا ہادیکھیے۔

توفیق دے جس دل کو خداوند تعالیٰ

دامن میں وہ لے رحمت و انوار کی سوغات

محمد احمد مصباحی

الجمع الاسلامی، مبارک پور، ہند

دارالعلوم اشرفیہ، مبارک پور

۷ رزقہ ۱۴۰۹ھ، ۱۲ جون ۱۹۸۹ء، دوشنبہ

## حرف آغاز (۱)

باسمہ و حمدہ تعالیٰ وبالصلوة علی نبیہ و وجودہ

زیر نظر کتاب اس جلیل القدر شخصیت سے متعلق ہے جو تیرہویں صدی کی آخری دہائیوں اور چودھویں صدی کی پہلی دہائی میں رام پور کی دینی و علمی فضا پر پورے طور سے چھائی رہی۔ بزم شریعت و معرفت ہوا مجلس مدظلہ و خطابت، ملتے درس و تدریس ہو یا میدان تبلیغ و اشاعت ہر جگہ مولانا ارشاد حسین رام پوری علیہ الرحمہ کی تاب گراہی فیض بار نظر آتی ہے۔

دور ماضی کی یہ تباہک شخصیتیں امتداد زمانہ کی تہوں میں وقتی جاری ہیں اور اہل عصر کی تغافل کی شیاں الہیہ مستزاد ہیں۔ جب کہ عہد حاضر کی بڑھتی ہوئی ظلمتیں دور کرنے کے لیے ان ہی قد بلوں کی ضرورت ہے جن سے کل ان فضاؤں میں ہمہ گیر اجالا تھا۔ وہ نہیں مگر ان کی زندگیوں کے جہندہ نقوش، ان کے علم و فضل، ان کے اعتقاد و محاسن اور ان کی تعلیمات و ہدایات آج بھی جہادہ زُشد و ہدایت کا کام سرانجام دے سکتی ہیں لیکن انہیں پسند اور اہل منتشر صفحات، اور عصر پارینہ کی آغوش سے نکال کر نئی جلوہ گاہوں میں ضیا پاری کا موقع فراہم کرنا ہوگا اس کے لیے محنت و کاوش، تلاش و جستجو، بحث و تحقیق، تحریر و ترتیب اور نشر و اشاعت کے مہمراز مراحل کا رہنما ہوگا جس کے جذبات ایک زندہ قوم میں بیدار رہتا حیات ملی کی بقا کے لیے اڑھ ضروری ہے:

اپنی تاریخ کو جو قوم بھلا دیتی ہے

صفحہ دہر سے وہ خود کو مٹا دیتی ہے

میں اس اظہار میں بے پناہ مسرت محسوس کرتا ہوں کہ حضرت مولانا سید شاہد علی رضوی مجتہم و شیخ الحدیث الحاجۃ الاسلامیہ رام پور کو قدرت کی فیاضیوں نے ایسے پاکیزہ جذبات کا دوا فر حصہ عطا فرمایا ہے۔ وہ ایک علم اورہ کے اہتمام و انتظام، تدریس و تعلیم اور تقریر و تبلیغ کی مشقت خیز مصروفیات کے باوجود اسلاف کے احوال و سوانح سے گہرا شغف، اور تصنیف و اشاعت کا کافی شوق رکھتے ہیں خصوصاً علمائے رام پور کے حالات و انہر کی جستجو کا محبوب مشغلہ ہے۔ ان ہی جذبات کا ایک نمونہ پیش نظر کتاب بھی ہے۔ جس کی قدر شناسی،

(۱) مولانا ارشاد حسین رام پوری، از مفتی سید شاہد علی رضوی، کھڑکی انڈیا، رام پور، ستمبر ۱۹۸۹ء

عزت افزائی، اور مصنف کے لیے مزید خدمات کے مواقع کی فراہمی قوم کی ملی و اخلاقی ذمہ داری ہے۔ مجھے توئی امید ہے کہ یہ کتاب دینی و ملی حلقوں میں اپنا متوقع مقام اور خاطر خواہ پذیرائی بہت جلد حاصل کر سکے گی اور مصنف کے اگلے کاڑ میں قوت و توانائی اور حوصلہ افزائی کا سلمان فراہم کرے گی۔ واللہ المستعان و بنعمتہ تتم الصالحات۔

۲۰ محرم ۱۴۱۰ھ چہرہ شنبہ ۲۳ اگست ۱۹۸۹ء

## تقدیم (۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً و مصلیاً و مسلماً

سفر ناموں کا رواج زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ ابن بطوطہ اور ابن جبیر کے سفر نامے آج بھی شہرہ آفاق حیثیت کے حامل ہیں جن میں انھوں نے مختلف ملکوں اور شہروں میں اپنی قیام اور وہاں کی قومی، مذہبی، تمدنی اور جغرافیائی حالات کو بیان کیا اور انھیں اس کا موقع بھی ملا کیوں کہ ان کے سفر یک روزہ، دو روزہ تھے بلکہ مختلف مقامات پر ایک عرصے تک قیام کر کے وہاں کے ہر قسم کے حالات کا گہرا جائزہ لیا، وہاں کی عادات و رسوم اور آداب و انجمن سے برہنہ راست آشنائی حاصل کی، پھر اپنے عہد کے دور افتادہ باشندوں اور آنے والی نسلوں کے لیے ان سب کی کیفیت بہم پہنچائی۔ یوں تو تجارت و صنعت کے تعلق سے آج بھی دنیا کے مختلف گوشوں میں بے شمار سیاح ملیں جہ جہوں نے بہت سے ممالک کا دورہ کیا ہو گا اور یہ ہمارے ترقی یافتہ دور میں کوئی حیرت انگیز امر نہیں۔ اس لیے کہ برقی رفتار سوار یوں کی ایجاد نے آج پوری دنیا کو ایک شہر بنا دیا ہے اور تھوڑی دیر میں دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جانا کوئی ناممکن یا مشکل بات نہیں۔ بس دست دس چاہیے پھر سب کچھ آسان ہے۔

لیکن ایک عام تاجر اور ایک صاحب فکر عالم کی سیاحت میں بڑا فرق ہے، تاجر اپنی تجارت کے گوشوں، اس کے فروغ کے طریقوں اور اس سے تعلق رکھنے والے افراد اور اداروں پر ہی نظر رکھتا ہے۔ لیکن کوئی اسلامی مفکر جب کسی نئی سر زمین پر قدم رکھتا ہے تو اس سر زمین کی پوری تاریخ اس کی نظر میں محوم جاتی ہے اس کے انتکابات، ماضی و حال کے تغیرات، اس پر قوموں کے عروج و زوال کے سارے نقوش اس کی نگاہوں کے سامنے آ جاتے ہیں۔ کبھی حیرت سے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں، کبھی عبرت سے ہلک جاتی ہیں اور کبھی رنج و حسرت سے اشک بار ہو جاتی ہیں۔ اس کا دل لرز اٹھتا ہے، ذہن کے تار جھنجھنا جاتے ہیں، فرد خیال کی رمیں تیز سے تیز تر ہو جاتی ہیں اور ماضی میں وہ ایسا گم ہو جاتا جیسے حال سے اس کا رشتہ ٹوٹ چکا ہو۔

کہیں اس کے جذبات اسے مہمیز دیتے ہیں اور وہ مستقبل کے امکانات پر غور کرتا ہے، اسلام کے فروغ و رقبہ تبلیغ اسلام کے ذرائع پر نظر ڈالتا ہے اور اس کی راہیں تلاش کرتا ہے۔

وہ اس سرزمین کی تجارتی، صنعتی، ثقافتی، سماجی، تمدنی ہر طرح کی سرگرمیوں کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کرتا ہے۔ مختلف علاقوں کی عادات و تہذیب، افکار و رسوم اور حالات و خیالات کا جائزہ لیتا ہے۔ ان کے بارے میں ایک رائے قائم کرتا ہے، راہ اعتدال اور جاہد حق سے ان کے قرب و بعد کی نشان دہی کرتا ہے، نظر مستقیم کی روشنی میں ان کے انحطاط و ارتقاء کی تعین کرتا ہے اور حسن ظاہر کے ساتھ نور باطن سے بھی انہیں مستبصر کرنے کی قریب تر بین راہوں پر غور کرتا ہے۔ یہ وہ فرق ہے جو ایک عام تاجر اور ایک اسلامی مفکر کی سیاحت میں خط امتیاز سمجھنا ہے۔

برادر محترم مولانا نادر القدوری نے بھی ایک اسلامی مفکر اور حوصلہ مند مبلغ کی حیثیت سے بہت سے مشورہ اور ملکوں کا دورہ کیا ہے۔ سلسلہ تسامح جاری ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی جاری رہے گا اور انھوں نے جو کچھ کیا اور محسوس کیا اسے اب اپنی قوم کے سامنے رکھ دیا تاکہ وہ بھی ان کے مشاہدات و احساسات میں شریک ہو۔

اس سفر نامے میں آپ کو سفر کے حالات بھی ملیں گے، ہم سفروں کے اخلاق و عادات بھی، قوموں اور ملکوں کے جغرافیائی نشانات اور تاریخی انقلابات بھی، ایک مفکر کے جذبات و خیالات بھی، ایک مبلغ کے مشاہدات و معاملات بھی، ایک بالغ نظر دانشور کے مشورے اور ہدایات بھی۔

کبھی محسوس ہو گا کہ آپ بھی ان مقامات کی سیر و سیاحت سے گزر رہے ہیں اور ان کے مشاہدہ و زیارت کا لطف اٹھا رہے ہیں۔ کبھی خیال ہو گا کہ ہم کہاں ہیں اور برق رفتار دنیا کہاں پہنچی؟ کبھی تصور ہو گا کہ دنیا کو فکھ و اخلاق کی کس بلندی پر جانا تھا اور وہ کس انحطاط و پستی میں جا گری۔ کبھی عیاں ہو گا کہ ہماری ذمہ داریاں کیا تھیں اور ہم غفلت و تغافل کے کس سمندر میں غرق ہیں۔ کبھی ماضی کی یاد ابھرے گی، کبھی حال کا درد اٹھے گا، کبھی مستقبل کا غم چڑھائے گا۔ کبھی حسرت و حرج کا احساس ہو گا۔ کبھی امید کی کرن چمکے گی اور حوصلوں کا آفتاب گمے گا، بہتوں کو مجھیز ہوگی، عہدہ تئوں کے چراغ روشن ہوں گے اور آفاق میں حرکت و عمل کا اعلان نظر آئے گا۔

مولانا کا کرم ہے کہ انھوں نے اپنے مشاہدات سے سب کو نفع اندوزی کا موقع فراہم کیا اور ان کا مکمل ہے کہ اس سفر نامے کو مفید سے مفید ترین کارکش کیا۔ رب کریم ہم سب کی طرف سے انھیں جزائے خیر سے نوازے اور دنیا کو ان کے رشحات قلم سے زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہونے کی توفیق جمیل بخشے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین۔

۲۷/ ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ

محمد احمد مصباحی بھیروری

۱۱/ جون ۱۹۹۱ء سہ شنبہ

رکن الجمع الاسلامی مبارک پور

استاد جامعہ اشرفیہ مبارک پور

## تقدیم

بسم الله الرحمن الرحيم حامداً و مصلياً و مسلماً

دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور کے طلبہ ۲۵ صفر کو تقریباً پندرہ سال سے ”یوم رضا“ کا اہتمام کرتے ہیں۔ مگر اس کا طریقہ وہ نہیں جو ہمارے ملک میں عام طور سے رائج ہے کہ خرچ اور نمائش زیادہ سے زیادہ ہو۔ اور عبادت کم سے کم۔ سنا ہے کہ دسویں عزم کو بہت کم کے صرف ایک ایک جگہ ایک ایک گلی میں کئی کئی لاکھ روپے محض سبیل اور شربت پر صرف ہو جاتے ہیں، گیارہویں شریف کا موقع آیا تو لاکھوں روپے زردے پر خرچ ہو رہے ہیں۔ کسی بزرگ کی فاتحہ یا عرس کا اہتمام ہوا تو معمولی تقریبات میں کھانے پینے پر دس تیس ہزار یا لاکھ لاکھ خرچ کر دیا کوئی بڑی بات نہیں۔ خیال یہ ہے کہ اس طرح جو ایصال ثواب ہوتا ہے وہ بزرگ کی روح کو ہرگز پہنچ جاتا ہے۔ ان کی خاص عنایت و توجہ ہوتی ہے اور اس سے مسلک کا بھی بچر چا ہوتا ہے۔ مذکورہ طریقہ بے اصل ثواب کے جواز و استحباب میں کلام نہیں لیکن:

اگر ان حضرات سے کہا جائے کہ یہی رقم ایصال ثواب کی نیت سے کسی ادارے کی تعمیر میں دے دیں، یا کسی بے دارے کو دے دیں جو اسے نادار طلبہ کی تعلیم پر صرف کرے، یا تبلیغ دین کے لیے کتابوں کی تصنیف و طباعت میں لگائے یا اس سے کوئی ایسا ادارہ قائم ہو جو باطل کی ریشہ داناؤں کا تحریری و تقریری طور پر ہمیشہ مقابلہ کر رہے، یا اس سے دوسرے دینی و ملی امور انجام پذیر ہوں، تو یہ بات جلدی کسی کے حلق سے نیچے نہیں اترتی۔ شاید اس وجہ یہ ہے کہ اس طرح کے کاموں سے رقم دالوں کی کوئی زیادہ شہرت و نمائش نہیں ہوتی اور تحسین و شائستگی کا قدر بھی بہت کم ہاتھ آتی ہے، جب کہ اول الذکر کاموں سے خاص شہرت اور دلاویہاں ملتی ہے، ایک دم ہوجام اور چہل پہل بچ جاتی ہے جس سے تفریحی شوق و ذوق کو بھی تسکین ملتی ہے۔ تو حاصل یہ ہوا کہ کوئی جائز اور نفع کا کام نام و نمود کے جذبات سے ہم آہنگ ہے تو اس کے لیے سراپے پر سراپا ہے اور بے رنج لٹا نایک معمولی بات ہے۔ اور دین و ملت اور جماعت و قوم کا کوئی کام ہم سے اہم اور فرض سے بڑا فرض ہے، مگر اس میں اخلاص و بے کسی اور بلا نمود سے دوری، اور ایک عظیم مقصد کے لیے پامردی و ثابت قدمی کی ضرورت ہے تو شائستگی و نمائش پسند

طبیعتیں اس کے لیے آمادہ نہیں ہوتیں، جب کہ حسن نیت اور اخلاص و استقامت کے بغیر نقل ہو یا فرض و غماض نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا، بلکہ وہاں تو ریا کو شریک خفی قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے ایسا عمل رب تعالیٰ سے غضب و عتاب کا سبب بھی ہو سکتا ہے، صاحب ایمان کو ثواب آخرت اور رضاے مولیٰ کی طلب ہونی چاہیے اور عملی جذبات و خواہشات سے بالاتر ہو کر حکمت الہیائی کی روشنی میں غور کرنا چاہیے کہ اس وقت دین و ملت سے تقاضے کیا ہیں؟ ہمارے سرسایے کا عمدہ سے عمدہ اور افضل سے افضل مصرف کیا ہے؟ رب تبارک و تعالیٰ اس کے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشنودی کس عمل سے واجب ہے؟ دنیا کی پذیرائی اور قدر افزائی نہیں بلکہ آخرت کی سرخروئی اور سرفرازی کس طرح حاصل ہوتی ہے؟ ایمان کی روشنی اور روحانی ترقی و بلندی کیسے مل سکتی ہے؟ مومن کی نظر بھی اگر دنیا ہی تک محدود رہ گئی تو اس کی نظر اور غیر مومن کی نظر میں فرق کیا رہ جائے گا؟ یہ تمام ایام ہمارے معاشرے میں منائے جاتے ہیں اور ان پر جو سرمایہ صرف کیا جاتا ہے تو حوزی تبدیلی کے ساتھ ان کو بہت مفید اور کارآمد بنایا جاسکتا ہے اگر ایصالِ ثواب کو کھانے پینے تک محدود رکھنے کی بجائے دینی و علمی مصارف کی طرف پھیر دیا جائے تو ایصالِ ثواب بھی ہو جائے اور دین و ملت کے بڑے بڑے کام جو سرمایے کے بغیر انجام پڑے ہیں آسانی کے ساتھ ہوتے جائیں اور ملت کے مقدر کا ستارہ بلند اور روشن سے روشن تر نظر آئے۔

دارالعلوم اشرفیہ کے طلبہ نے یوم رضا کی تقریب کو زیادہ کارآمد اور مفید بنانے کے لیے یہ طریقہ اپنایا کہ اس موقع پر تقریری و تحریری مقابلے بھی رکھ دیے جس کے لیے امام احمد رضا قدس سرہ کی شخصیت سے متعلق مختلف عنوانات کا اعلان ہو جاتا ہے اور ہر عنوان پر طلبہ کو کافی مطالعہ کرنا پڑتا ہے جس سے ان کے علم میں اضافہ بھی ہوتا ہے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے فضل و کمال سے آشنائی بھی، محنت و مطالعہ کے بعد مقالے تیار کرتے ہیں۔ ان مقالوں پر نمبر دیے جاتے ہیں، اور انعامات بھی تقسیم ہوتے ہیں، جس سے دوسرے تمام طلبہ میں بھی علمی و تحریری شوق بیدار ہوتا ہے اور وہ بھی کچھ کرنے کے لیے سوچتے ہیں۔ یہی حال تقریروں کا بھی ہے۔

پانچ سال سے ان طلبہ نے ۱۳ محرم کی شب میں ”یوم مفتی اعظم“ کا اہتمام بھی شروع کیا اور مفتی اعظم کی شخصیت کے مطالعے، اور ان کی حیات و خدمات پر مقالہ و تقریر کی تیاری کا سلسلہ بھی چل پڑا۔

ان مقالات سے طلبہ کی مشق اور ان کی استعداد میں اضافہ مقصود ہوتا ہے مگر ان میں بہت سے مضامین ایسے بھی ہوتے ہیں جو متوسط قسم کے اہل قلم کے عمدہ مضامین کی صف میں رکھنے کے قابل ہوتے ہیں۔ اور ان سے دوسرے طلبہ اور عوام کو فائدہ بھی ہو سکتا ہے۔ مگر ان مضامین کی اشاعت طلبہ کے بس کی بات نہیں، اس لیے قیمتی ہونے کے باوجود وہ فائلوں کی زینت بن کر رہ جاتے ہیں، اور مختصم طلبہ کی بے توجہی سے ضائع بھی ہوتے ہیں۔

میرا خیال ہوا کہ اچھے مضامین کو کسی طرٹ منظر عام پر لایا جائے۔ اس کے لیے میں نے برادر گرامی مولانا بین اختر مصباحی سے کہا کہ اب تک جو حجاز کے نمبر شائع کیے گئے ان میں زیادہ تر مطبوعہ مضامین تھے۔ ان طلبہ کے مضامین پر مشتمل ایک امام احمد رضا نمبر آپ نکالیں تو سبھی مضامین غیر مطبوعہ ہوں گے، ان طلبہ کی حوصلہ افزائی بھی ہوگی، اور قارئین کے لیے نئی افادیت بھی۔ انھوں نے خوش اسے منظور کر لیا۔ اس سلسلے میں انھیں جامع نظامیہ لاہور سے بھی ایسے ہی بہت سے مضامین مولانا عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ کے ذریعہ دستیاب ہوئے اور انھوں نے نمبر کا اعلان بھی کر دیا۔ مگر حجاز کے معمول کے شمارے بھی پابندی سے نکل نہیں پاتے۔ ایسے حالات میں ضخیم نمبر کی اشاعت کی توقع بہت کم نظر آتی ہے۔

یوم مفتی اعظم میں پیش آمدہ اچھے مضامین پر مشتمل ایک مجموعے کی اشاعت کے لیے میں نے ”رضا اکبری“ کے محرک و فعال سکریٹری جناب محمد سعید نوری سے مراسلت کی، انھوں نے یہ تجویز فوراً منظور کر لی۔ مگر ان دنوں وہ جشن صد سالہ یوم ولادت مفتی اعظم کی تیاریوں میں کافی مصروف تھے۔ اس لیے عملی پیش قدمی میں دیر ہوئی، مگر جشن صد سالہ سے چند روز دن قبل انھوں نے مدیر ”ماہنامہ اشرفیہ“ مولانا مبارک حسین مصباحی کے ذریعہ چار ہزار روپے بھیج دیے کہ مضامین کی کتابت شروع کرادی جائے۔

اس کے بعد جشن صد سالہ کے موقع پر بھی میں خود حاضر ہوا، اس جشن کا ایک جز مفتی اعظم کی شخصیت پر سمینار بھی تھا جو ۱۲ رجب ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۸ جنوری ۱۹۹۲ء کو طبرہ سے عصر تک منعقد ہوا۔ اس کے لیے مولانا فرحان مصباحی استاذ دارالعلوم محبوب سبحانی کراچی نے اہل قلم سے مراسلت بہت قبل شروع کر رکھی تھی۔ اور تجویز یہ تھی کہ مضامین دو ماہ قبل دفتر رضا اکبری پہنچ جائیں تاکہ جشن سے قبل ان کی کتابت و طباعت کا کام مکمل ہو جائے۔ اس کے مطابق زیادہ تر مضامین قبل پہنچ گئے اور کتابت کے بعد وہ طباعت کے لیے پریس کے حوالے بھی ہو گئے۔ چند مضامین عذریہ سمینار کے وقت موصول ہوئے اس لیے وہ تشنہ اشاعت رہ گئے مگر مولانا بین اختر مصباحی نے وہ سب حجاز میں اشاعت کے لیے سمینار ہل ہی سے اپنے قبضے میں کر لیے اور دفتر تک ان کے پہنچنے کی نوبت بھی نہ آئی۔ بعض مضامین حجاز میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔

حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دام ظلہ، مولانا عبدالحق رضوی استاذ جامعہ اشرفیہ، اور راقم الحروف کے مضامین بھی تھے۔ ان کے لیے جناب محمد سعید نوری کی خواہش ہوئی کہ طلبہ اشرفیہ کے مضامین پر مشتمل جو مجموعہ شائع کرنا ہے اسی میں یہ بھی شامل ہو جائیں تو اہتمام ہو گا۔

بہن سے وابستگی کے بعد میں دارالعلوم اشرفیہ کے امتحان سالانہ کی تیاریوں میں منہمک ہو گیا۔ اور کوئی



مضمون دیکھنے کی نوبت نہ آئی۔ امتحان سے فارغ ہونے کے بعد میں نے مقالات یوم مفتی اعظم کی فائل دیکھی اور جو مضامین زیادہ مفید اور اچھے نظر آئے انھیں منتخب کر لیا۔ پھر تعطیل میں اپنے گھر بھیرہ، ولید پور پہنچ کر سب سے نظر ثانی کی، اس کے بعد جدا ممتاز جلد ثانی کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ اس دوران کی کاتب سے رابطہ نہ ہو سکا۔ ۱۹ شوال ۱۴۱۷ھ کو مولانا ظفر الاسلام اوردی سے ملاقات ہو گئی۔ فوراً میں نے کتابت کے لیے سادے خطوں ان کے حوالے کر دیے۔ کچھ دنوں بعد انھوں نے کتابت شروع کر دی اور مکمل کر کے پروف ریٹنگ کے لیے میرے پاس بھیج دیا۔

جشن صد سالہ میں ڈاکٹر شیخ جمال متاع کی ایک مختصر مقررہ جامع تقریر عربی میں ہوئی تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ اسے ترجمے کے ساتھ الگ کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ اس کے لیے رضا اکیڈمی سے حاصل کردہ کیسٹ میں نے مولانا عارف اللہ مصباحی استاذ فیض العلوم محمد آباد کو بت کے حوالے کیا کہ آپ اس تقریر کو قلم بند کر کے اس کا اردو ترجمہ کر دیں تو اسے شائع کر دیا جائے، انھوں نے بہت جلد یہ کام کر دیا۔ مگر میں اپنی مصروفیات کی وجہ سے نہ نظر ثانی کر سکا نہ الگ اشاعت عمل میں آئی۔ یہ مجموعہ کتابت کے آخری مرحلہ میں قاتوخیل ہوا کہ فی الحال وہ تقریر و ترجمہ بھی شریک اشاعت کر دیا جائے الگ اشاعت آئندہ بھی ہو جائے گی۔

اس طرح اس مجموعے میں آٹھ مضامین طلبہ اشرفیہ کے ہیں جو ۱۳۱۴ھ کے یوم مفتی اعظم کے موقع پر لکھے گئے ایک بہت ہی اہم، قبیح اور قدرے مبسوط مضمون محمد و مگرانی حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی مدظلہ کا ہے۔ دو مضمون راقم الحروف کے ہیں۔ ایک مضمون مولانا عبدالحق رضوی استاذ جامعہ اشرفیہ کا ہے۔ یہ چاروں مضامین جشن صد سالہ کے موقع پر ہونے والے سیمینار میں پیش ہوئے۔ آخر میں شیخ جمال متاع کی عربی تقریر اور پھر مولانا عارف اللہ کے قلم سے اس کا ترجمہ ہے جس کا بھی ذکر ہوا۔

مفتی اعظم قدس سرہ کا جامعہ اشرفیہ اور حافظ ملت شاہ عبدالعزیز مراد آبادی قدس سرہ سابق شیخ لطیف سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ سے کیا تعلق تھا؟ اور اشرفیہ پر حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی نگاہ کرم کس طرح چودہ تھی؟ اسے بتانے کے لیے جشن سے ایک سال قبل عربی گرامی مولانا مبارک حسین رام پوری نے ایک مضمون لکھا تھا جو اشرفیہ کے ایک شمارے میں ادارے کی جگہ شائع ہوا۔ اس مضمون کو اس مجموعے کے شروع میں خاص مناسبت کی وجہ سے شامل کر دیا ہے۔

اب یہ تین سو صفحات پر پھیلا ہوا تیرہ چودہ مضامین پر مشتمل ایک دلکش، قبیح، نظر افزہ، اور دل نواز گلدستہ ہے، جو ہمارے نوجوان بھائی جناب محمد سعید نوری کی سعی مشکور سے منظر عام پر آ رہا ہے۔

میں مضامین کی تعریف کروں یا ان کا تعارف کرواؤں اس سے بہتر یہ ہو گا کہ قارئین یہ خود ہی فیصلہ کریں کہ یہ کیسی قدر وقت کے حامل ہیں۔ تاہم اتنا اشارہ کر دیتا ہوں کہ مضامین طلبہ میں "مفتی اعظم اور مدینہ و سیرات" اپنے طرز کا پہلا مضمون ہے جس کے اقتباس و شاید خود تصانیف مفتی اعظم سے لیے گئے ہیں، اور عنوان کا حق ادا کرنے کی جان دار کوشش کی گئی ہے۔ اس عنوان کے تحت مفتی اعظم کی شخصیت پر اب تک میرے علم میں کوئی بھی مضمون منظر عام پر نہ آیا۔ اسی طرح کلام نوری میں کلام رضا کا انکشاف، اس عنوان پر دو مضمون ہیں دو دنوں ہی میں آپ ملاحظہ کریں گے کہ لکھنے والوں نے براہ راست حدائق بخشش اور سلمان بخشش کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ اور اپنے عنوان کو مختلف جہتوں سے حمایت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے، خاص اس عنوان پر بھی کوئی مضمون اب تک شائع نہیں ہوا۔ اور شاید کسی نے لکھا بھی نہ ہو، اسی طرح دیگر مضامین بھی قبیح اور مفید ہیں۔

جشن صد سالہ کے مضامین میں حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دام ظلہ کا مضمون ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت محمود کو حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی صحبت میں ایک طویل عرصہ گزارنے کا شرف حاصل ہے۔ اور خود ان کی جو علمی جلالت ہے وہ ان کی تصانیف اور فتاویٰ سے عیاں ہے۔ نہایت ہادی شرح بخاری، اشرف السیر، سنی، دیوبندی اختلافات کا مضافات جابرہ، اسلام اور چاند کا سفر، مقالات امجدی، انبیا الیصال، ثواب، تحقیقات، اشک رواں، وغیرہ تصانیف کا مطالعہ کرنے والا شاید ہی کوئی ایسا حق پوش اور حاسد و متعصب شخص ہو جو حضرت محمود کی علمی عظمت اور تحقیقی کمال کے اعتراف میں بخل و عنان سے کام لے، ایسی قدر آور، بلند و بالا ہستی کے رشتہات قلم کو اگر میں نے دستاویز کہا تو اس میں کوئی مبالغہ برگز نہیں ہو سکتا۔ ہاں اسے اس کی واقعی حیثیت کے اظہار میں کچھ کوتاہی کہنا چاہوں تو کہہ سکتے ہیں۔ اس دستاویز کو آپ خود پڑھیں، اس کے ایک ایک لفظ پر غور کریں اور مفتی اعظم کی جلالت و عظمت کا اندازہ کریں، بغور پڑھنے کی بات اس لیے ہے کہ یہ کسی لفاظی مقرر کی رنگین داستان نہیں بلکہ ایک عظیم فقیہ اور صاحب اتقا کے ارشادات ہیں جن کے الفاظ معانی سے لبریز ہیں۔ ان پر غور کرنے ہی سے ان کی صحیح پاشنی اور پوری حدوت حاصل ہو سکتی ہے۔

مولانا عبدالحق صاحب نے بھی ایک اہم موضوع لیا "رسالہ الموت الاخر" کا جائزہ۔ جب تذکرہ اہل اس، برافین قاطعہ اور حفظ الایمان کی عبادتوں پر گرفت کی گئی اور عاصیہ دیوبند کی باتوں سے بھی ان عبادتوں کا اور قائلین کا کفر واضح و متعین ہو گیا تو ان کی تکفیر کی گئی۔ اس کے بعد حلقہ دیوبند کی سر جو کوشش ہوئی کہ ان عبادتوں کی کوئی تاویل تو نہیں ہو سکتی، مگر عوام کی تلبیس ضرور ہو سکتی ہے، اور اس راہ سے ہمارے کفر پر بددہ پڑ سکتا ہے۔ دراصل انھیں نجات آخرت کی نہ کوئی امید تھی نہ کوئی فکر، ورنہ آسان کام یہ تھا کہ ان عبادتوں سے توبہ

کر کے ایمان لاتے اور دارین کی سرخروی حاصل کر لیتے۔ انہیں فکر تھی تو صرف یہ کہ دنیا کے اندر شکوہ عوام میں جیسے بھی ہو اپنا بھرم باقی رکھ جائے اور اپنی شہرت علمی برقرار رکھی جائے اس کے لیے انھوں نے تامل سے روپ میں تلبیس کا سہارا لیا۔ ان تلبیس کی پردہ داری کے لیے ”الموت الاحمر“ لکھی گئی، جس کا کوئی جواب آن تک حلقہ دیوبند سے نہ ہو۔ کیا، البتہ نئے نئے مغالطوں اور عوام کو سننے سے جھٹکنے کے ذریعہ شکار کرنے کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ والہ اعلیٰ اللہ۔

یہ تو بھی جانتے ہیں کہ ہندوستان کی مسلم آبادی میں شیعہ اور سنی دو ہی فرقے تھے، اور ہر سنی انبیاء اولیٰ کا معتقد، ان کے لیے خدا کی عطا سے علم غیب اور تصرفات و اختیارات کا قائل تھا، ان سے استغاثت و توسل عہد رسالت ہی سے تمام مسئلوں کا معمول تھا۔ بارگاہ رسالت اور انبیاء اولیٰ کی شان میں ناروا جسارت کا کوئی تصور نہ تھا، ان کی اہانت و کستافی سے ہر مسلمان دور و نفور تھا مگر جب سے ”تقویۃ الایمان“ نامی کتاب وجود میں آئی اس نے اس ناروا جسارت کا دروازہ کھول دیا۔ اور توحید کے نام پر توہین کا سلسلہ چل پڑا، جب یہ ہم دہلی سے دیوبند پہنچی تو اس میں مزید ترقی ہوئی اور ایسی گستاخیاں کی گئیں جن کو کوئی مسلمان برداشت نہ کر سکتا تھا مگر آج وہی تقویۃ الایمان ہندوستان کے غیر مقلد اور دیوبندی حلقوں کا عین دین و ایمان ہے۔ اور اسی کو نئے نئے حربوں سے نئی نسل میں منتقل کرنے کی تہریم جاری ہے اور عام مسلمانوں کی سادہ لوحی یہ ہے کہ اس سے فرقے کو بچانے میں دیر سے کام لیتے ہیں۔ نتیجہ ان کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کا سب کچھ لٹ جاتا ہے مگر بڑم خویش مست رہتے ہیں کہ اب ہمیں راہ مل گئی ہے۔ یہ محاذ آج بھی اہل سنت کے لیے اسی طرح محنت و توجہ کا محتاج ہے جس طرح مفتی اعظم اور امام احمد رضا قدس سرہا کے زمانے میں تھا، بلکہ آج صورت حال زیادہ سنگین ہو چکی ہے۔ ان ہی حالات کے پیش نظر حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی نے پندرہ سال پہلے تحقیقات لکھی تھی اور اب تین سال پہلے ”سنی دیوبندی اختلافات کا منصفانہ جائزہ“ تحریر کیا ہے۔ ان کتابوں کی زیادہ سے زیادہ اشاعت اور وسیع پیمانے پر مفت تقسیم کو عمل میں لانے کی ضرورت ہے تاکہ لوگوں کی غلط فہمیاں دور ہوں اور بد مذہبوں کے دام زدہ دیر میں پھنسنے والے سادہ لوح افراد راہ راست پر آسکیں اور جو لوگ محفوظ ہیں وہ آئندہ بھی محفوظ رہ سکیں۔ افسوس اگر ایصال ثواب کے لیے کھانے پینے پر لاکھوں لاکھ سرمایہ صرف کرتا ہوں نے سیکھ، مگر دس تیس ہزار کتابوں کی تقسیم کے ذریعہ ایصال ثواب پر کبھی غور نہ کیا جب کہ اس کی افادیت اور ضرورت اس سے زیادہ اور بہت زیادہ ہے۔ رب کریم توفیق عمل سے نوازے۔

شیخ جمال منان نے اپنی تقریر میں متفقہ و اہم نکات بیان کیے ہیں۔ اور حیرت انگیز انکشاف یہ کیا ہے کہ

میں تقریباً پانچ سال ہندوستان میں رہا لیکن امام احمد رضا سے مجھے کوئی واقفیت نہ ہو سکی۔ انھوں نے فرمایا ہے کہ غلط فہمیاں دور کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ امام احمد رضا کے رشحات قلم کو سامنے لیا جائے اور عالمی خصوصیات عربی زبان میں انھیں پیش کیا جائے۔ اس طرح سے وہ دہیز پردہ جو ان کی قد آور سعی شخصیت اور رائوں کی تعظیم خدمات پر ڈال دیا گیا ہے، دور ہو سکتا ہے اور عالم عرب ان سے آشنا ہو کر آج بھی ان کی وہی پذیرائی کر سکتا ہے جو کل ان کے دور حیات میں حجاز مقدس کے اکابر علماء مشائخ کے ذریعہ عمل میں آئی۔

ظاہر ہے کہ اس طرح کا کام چلتے پھرتے نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے ایک ایسا ادارہ چاہیے جو لائق علماء اور اصلاحت و انشوراء کی ایک ٹیم جمع کرے اور انھیں ہر طرح کی سہولتیں فراہم کر کے منظم اور باضابطہ طور پر ان کے مسلسل کام کرے۔

الجمع الاسلامی کا قیام سولہ سال پہلے اسی مقصد کے تحت عمل میں آیا۔ مگر جو وسائل درکار ہیں وہ آج بھی میسر نہیں، سرمایہ دار طبقہ ان ضروریات کو سمجھنے کے لیے تیار نہیں، اور ذی علم طبقہ جوان حالات و ضروریات سے آشنا ہے، اس کے پاس سرمایہ نہیں، دونوں میں اگر ربط و ہم آہنگی اور احساس ضرورت پر اتفاق ہو جائے اور باہم مل کر کام کریں تو یقیناً یہ خلا بہت جلد پُر ہو سکتا ہے۔ رب کریم ہم سب کو دین تین کی راہ میں درکت و عمل سے نوازے۔

الجمع الاسلامی نے تصنیفی و اشاعتی میدان میں اب تک جو کام کیا ہے وہ اگرچہ اس کے منصوبوں کے زیادہ کی حیثیت رکھتا ہے مگر اس سے ادارے کی سلامت روی اور قوت و صلاحیت کا اندازہ ضرور ہوتا ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہا کے تعارف سے متعلق اس نے اب تک درج ذیل کتابیں شائع کی ہیں:

(۱) امام احمد رضا اور باب علم و دانش کی نظر میں از: مولانا تین اختر مصباحی۔ صفحات: ۱۷۶

(۲) امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات از: مولانا تین اختر مصباحی۔ صفحات: ۵۸۳

(۳) فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں از: پروفیسر محمد مسعود احمد۔ صفحات: ۲۲۳

(۴) امام اہل سنت از: پروفیسر محمد مسعود احمد۔ صفحات: ۶۸

(۵) گناہ بے گناہی از: پروفیسر محمد مسعود احمد۔ صفحات: ۸۳

(۶) کلام رضا از: اصغر حسین خاں نظیر لدھیانوی۔ صفحات: ۹۶

(۷) عرفان رضا از: ڈاکٹر الٹی بخش اعوان۔ صفحات: ۷۶

(۸) کمال از: پروفیسر محمد مسعود احمد۔ صفحات: ۳۸

(۹) تعارف امام احمد رضا

(۱۰) امام احمد رضا اور تصوف

(۱۱) فیصلہ مقدمہ (بابت حدائق بخشش سوم) از: مولانا عبدالحکیم شرف قادری۔ صفحات: ۴۲

امام احمد رضا قدس سرہ کے رسائل بھی توضیح و تہلیل کے ساتھ نئے انداز میں شائع کیے۔ چند یہ ہیں:

(۱) حقوق اولاد (۲) حقوق والدین (۳) دعوت میت (۴) مزارات پر غورتوں کی حاضری (۵) شفاعت

(۶) ابرامات علی از شرک جاہلی (۷) فلسفہ اور اسلام (۸) تقدیر و تدبیر (۹) موسم شادی (۱۰) اہمیت زکوٰۃ (۱۱)

فوائد صدقات (۱۲) اذان قبر (۱۳) کوصایا شریف (۱۴) ندائے یار رسول اللہ (۱۵) ارشادات خلی حضرت۔

عربی زبان میں بھی کچھ کام کیا مثلاً:

(۱) "الفصل الموہب فی معنی اذا صح الحدیث فهو مذہبی" کا مولانا فقیر احمد قادری

نے عربی ترجمہ کیا اور اس کے ساتھ ایک مختصر تعارف بھی رقم کیا۔ یہ رسالہ مرکزی مجلس رضا اور سے مستفاد ہوا۔

شائع ہوا۔ اور ترکی کے مکتبہ اشیق سے بھی اس کی اشاعت عمل میں آئی۔

(۲) قصیدہ دستان و انعتان اس کے ساتھ ایک مختصر تعارف شامل کر کے اسے شائع کیا گیا۔

(۳) جہد المتار جلد اول: یہ علامہ شامی کی مشہور کتاب "رد المحتار" کا حکیم حاشیہ ہے جس کے ساتھ امام

احمد رضا قدس سرہ کی شخصیت اور حاشیہ کی اہمیت پر مشتمل، دو مقدمے بھی شامل ہیں۔ پہلی بار ۱۹۸۲ء میں یہ مجموعہ

الاسلامی سے شائع ہوا۔ پھر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی نے اس کا عکس شائع کر کے اسے مفت تقسیم کیا۔

تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔

(۴) حال ہی میں ہمارے رفیق مولانا عارف اللہ مصباحی نے پروفیسر مسعود احمد صاحب کے کلمے

ہوئے ایک نئے تعارف امام احمد رضا کا عربی ترجمہ کیا، جو کراچی سے شائع ہو کر مفت تقسیم ہوا۔

(۵) اس وقت جہد المتار جلد ثانی کا کام جاری ہے۔ اس کا اردو تعارف بھی لکھا جا چکا ہے، جن میں ان

مسائل کی کچھ تفصیل بھی ہے جو اس کتاب کے سلسلے میں زیر عمل آئیں، ۱۶۰ صفحات پر کتابت ہو چکی ہے۔

دوسری اہم علمی و دعوتی کتابیں حسب ذیل ہیں:

(۱) تدوین قرآن، ص: ۲۰۴ (۲) فضائل قرآن، ص: ۲۷۶ (۳) اسلام اور امن عالم، ص: ۳۰۴ (۴)

اسلام اور تربیت اولاد، ص: ۳۸ (۵) البین (عربی زبان کے حسان و کمالات) ص: ۳۲۳ (۶) نویں صدی ہجری

کے مصری مؤرخین (۷) مستشرقین کا انصاف و تعصب (۸) امتیاز حق (علامہ فضل حق خیر آبادی اور سبط

دہلی کے سیاسی کردار کا تقابلی جائزہ) ص: ۲۰۸ (۹) نور دہار (تقریبہ الامیان کا جائزہ) (۱۰) تحقیق الفتوی (رد تقویہ

ایمان) (۱۱) حقائق تحریک بالاکوٹ (۱۲) نور الامیان بزیارۃ آثار حبیب الرحمن، ص: ۱۷۶ (۱۳) صحابہ کا عشق

رسول، ص: ۱۷۶ (۱۴) جشن میلاد النبی (۱۵) تذکرہ میلاد رسول (۱۶) باغی ہندوستان (علامہ فضل حق خیر آبادی

کی کتاب الشیوۃ البندیہ، اور سوانح علامہ) ص: ۳۳۸ (۱۷) اسلامی اخلاق و آداب، ص: ۳۵۲ (۱۸) فیض الکلمۃ

ترجمہ ہدایۃ الحکمت (مع مقدمہ فلسفہ کی تاریخ اور اس کی شرعی حیثیت) ص: ۶۰۔

اس طرح کی اور بھی کتابیں ہیں، تفصیل الجمع الاسلامی کی شراہات اور فہرست کتب سے معلوم ہو سکتی

ہے۔ یہاں کافی اختصار سے کام لینا پڑا ہے جس کے لیے معذرت خواہ ہوں، "رضا اکیڈمی" بھی کی خصوصیت

یہ ہے کہ اس نے زیادہ تر کتابیں مفت شائع کی ہیں۔ ان کتابوں کی فہرست بھی طویل ہے۔ چند یہ ہیں:

(۱) الامن والعلی (۲) تہذیب ایمان (۳) سرور القلوب بذکر المحبوب (۴) کنز الایمان (۵) نزول آیات فرقان

بکون زمین و آسمان (۶) شریعت و طریقت (۷) اسلامی پردہ (۸) حقوق العباد (۹) گمراہی (۱۰) احادیث شفاعت۔

(۱۱) حال ہی میں تجلیات مفتی اعظم شائع کی ہے جو جشن صد سالہ کے نفع یا زائد مقالات کا مجموعہ

ہے۔ (۱۲) اس سے قبل بخاری شریف کی دو جلدیں مکمل شائع کر کے تقسیم کی ہیں۔ (۱۳) اور اب مسلم شریف کی

دو جلدیں طبع ہو کر تقسیم ہو رہی ہیں۔

اس طرح کے دوسرے کام بھی اکیڈمی سے ہو رہے ہیں۔ سب کی تفصیل ایک رسالے کی طالب ہے

اور سب مجھے مختصر بھی نہیں، اس لیے فی الحال معاف رکھیں۔

ان تذکروں کا مقصد دوسرے حضرات کی رہنمائی و آگاہی کے ساتھ اس بات کی دعوت و تحریک ہے کہ

ان اداروں کو فروغ دے کر ان کی خدمات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کیا جائے اور عصر حاضر کے دینی و ملی تقاضوں کی

تکلیف کی جائے۔ اہل سنت کے تمام اداروں، تنظیموں، انجمنوں، دانشوروں، سرمایہ داروں اور سبھی افراد کو ان کے

ذہنی، فنی، سیاسی تمام حالات و مطالبات پر بڑی سنجیدگی و ہمدردی سے غور کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ عمل کا

درجہ احساس عمل اور آگاہی حالات کے بعد ہی آتا ہے۔ رہت جلیل ذہنوں کے دروازے کھول دے، قلوب میں

درد مندی اور شعور و احساس پیدا کرے، اور افراد کو جاہدِ عمل پر گامزن فرمائے۔ و ما ذلک علیہ بعد ین

محمد احمد مصباحی

فیض العلوم محمد آباد رکن الجمع الاسلامی، استاد جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

۲۱ ربیع الثور ۱۴۳۳ھ، ۲۰ ستمبر ۱۹۹۲ء، پیر و یکشنبہ

## تقدیم و تعارف

[ترجمہ: "روض الیاسین" موسومہ "بزم بولیا" از مولانا بدر القادری]

اللهم لك الحمد جدا يوافي نعمك، ويكافى مزيل كرمك، والصلاة والسلام على  
حبيبك الأنور وعلى آله وصحبه السرح الغروب.

المجمع الاسلامی کے لیے یہ اس باعث فخر و سعادت ہے کہ مولانا بدر القادری رکن المجمع الاسلامی کے قلم سے طار  
جلیل عقیف الدین عبداللہ بن اسعد یافعی (۷۶۸ھ - ۸۶۸ھ) کی مستند اور مشہور آفاق کتاب "روض الیاسین" کی  
حکایہ الصالحین " کا دلکش ترجمہ اشاعت پذیر ہو رہا ہے۔

یقیناً صالحین کے واقعات و حالات میں اہل نظر کے لیے بڑی ہی عبرت و بصیرت کا سامان ہوتا ہے، ان سے  
دلوں کو روشنی و روشن کو سبزی اور فکر و نظر کو بالیدگی ملتی ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے جہاں اور اسرار و معجزات  
شرائع و قوانین و عقدہ شائنی ہے، وہیں انبیاء و سابقین اور اقوام ماضیہ کے حالات و واقعات بھی بڑی اثر انگیزی اور  
فیاض سے بیان کیے ہیں اور ہمارے لیے انھیں سامان عبرت و بصیرت قرار دیا ہے۔

ارشاد درج ذیل ہے:

(۱) لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ. (سورہ یوسف: ۱۱۱)

ہے حکم ان کے واقعات میں اہل عقل کے لیے عبرت ہے۔

آیات ربانیہ کی تکذیب کرنے والوں کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

(۲) ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصْ لَهُمْ قَصَصَهُمْ يَتَلَكَّؤْنَ. (صہ: ۸۷)

وہ ان لوگوں کا حال ہے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو واقعات سناؤ، تاکہ یہ غور کریں۔

فرعون کی سرکشی اور دعوے الوہیت بتانے کے بعد فرمان ہے:

(۳) فَاصْنَعِ اللَّهُكَ لِلْأَعْرَابِ وَالْأُولَى كُنْ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّعَيْنٍ يَّخْشَى (انعامات: ۲۵-۲۶)

تو خدا نے اسے دنیا و آخرت کی عبرت ناک سزائیں گرفتار کیا، یقیناً اس سے خوف والوں کی آنکھیں کھلتی ہیں۔

(۴) انبیاء کرام کے واقعات و کثبات قلب کا ذکر یہ بتایا گیا اور ان کی خبروں پر مشتمل آیات قرآنیہ کو نصیحت اور

موقت بتایا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ وَوَعْدُهُ وَذِكْرِي  
لِلْمُؤْمِنِينَ. (الحود: ۱۲۰)

اور سب کچھ ہم تمہیں رسولوں کی خبریں سناتے ہیں جس سے تمہارے دل کو ثبات بخشیں اور اس صورت میں  
تمہارے پاس حق آیا اور اہل ایمان کے لیے چند نصیحت۔

(۵) رب کریم نے اپنے خاص بندوں پر انعامات فرمائے ہیں، انھیں اہل اور آزمائش سے بھی گزارا ہے اور پھر اس  
سے ثمرات و فوائد بھی دیدہ و آخرت میں رکھے ہیں، اسی طرح سرکش اور نافرمان قوموں کو تباہی و بربادی سے بھی دوچار کیا ہے  
اور ان کی حالت زار کو بھی سامان عبرت و نصیحت قرار دیا ہے، ایسی قوموں کی ہدایت کے تذکرے کے بعد فرمان ہے:

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرٍ لِّمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ. (ق: ۳۶-۳۷)

یقیناً میں اس کے لیے نصیحت ہے جو دل رکھتا ہو یا سمجھتا ہو کہ کان لگائے۔

(۶) درج ذیل آیات کریمہ ملاحظہ ہوں، جن میں دعوت عبرت کے ساتھ اس مسلک ادیب کی پوری ہدایت بھی  
موجود ہے، جس کے دل کش مناظر اس کتاب کے ورق ورق پر جلوہ گر نظر آئیں گے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَى كَافِرَةٌ تَرِيدُ أَنْ يَمُوتَ بَيْنَ يَدَيْهِمْ  
وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ يُؤْتِي الْمَقْدِرَ حُبَّ الشَّهَادَةِ  
مِنَ الرِّسَالَةِ وَالْغَنَاءَ وَالْمُقَنِّطِينَ مِنَ الدَّهْيِ وَالْفَضَّةَ وَالْخَيْلَ الْمُسَوَّمَةَ وَالْأَنْعَامَ وَالْحَرْبَ  
وَاللَّحْمَ سَتَاجَ الْخَيْلِ الدُّنْيَا ۝ اللَّهُ عِنْدَ حُسْنِ النَّبَأِ ۝ قُلْ أَؤْتِيْتُمْ خَيْرًا مِّنْ ذَلِكَمُ يُلْزِمُونَ أَنْتُمْ عِنْدَ  
رَبِّكُمْ جَنَّتْ تَجْرِي مِنَ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۝ أَرْوَاحُ مُّقْطَعَةٌ وَرُتُونٌ مِّنَ اللَّهِ ۝ اللَّهُ يَهْدِي بِهَا الْعِبَادَ  
الَّذِينَ يَتَّقُونَ رَبَّنَا إِنَّا أَمَتًا قَالِغُورٌ لَّنَا دُؤْبَانَا ۝ فَمَا عَذَابَ النَّارِ ۝ الْأَشْيَافُ وَالْضُّبَابُ وَالْقَبَبَاتُ  
وَالْمُتَقَبِّبَاتُ وَالْمُسْتَقْبِرَاتُ ۝ (آل عمران: ۱۷-۱۸)

ان دو گروہوں میں جو سر یکا ہوئے تمہارے لیے مثال تھی، ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑنے والا ہے اور دوسرا  
کاڑک انھیں بچشم سراپے سے دیکھ رہا ہے، اور اللہ اپنی مدد سے جسے چاہتا ہے قوت دیتا ہے، یقیناً اس میں اہل  
بصیرت کے لیے عبرت ہے، لوگوں کے لیے خواہشات کی محبت آرامت کی گئی، غور میں اور بیٹے اور بیٹے اور لڑکے ہوئے  
سے چاندنی کے ذہیر، اور ان شان زدہ گھوڑے اور چوہاے اور کھٹی، یہ دنیاوی زندگی کا سرمایہ ہے اور اللہ ہے جس کے  
پس حمد و ثناء کا ہے، تم فرماؤ، کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتاؤں؟ پیر کا روں کے لیے ان کے رب کے پاس جنتیں



ہیں جن کے پیچہ سر میں رواں ہیں، ہمیشہ ان میں رہیں گے اور پاک بھیاں، اور اللہ کی خوش نودی۔ اور اللہ بندگان کو دیکھتا ہے۔ وہ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے تو ہمارے گنہ معاف کر اور ہمیں روزِ آخر کے عذاب سے بچا لے، مبرور والے اور سچے اور ادب والے اور راہِ خدا میں خرچ کرنے والے اور پچھلے بہر میں معافی مانگنے والے۔

آیات بالاسے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں ذکرِ شہد گزشتہ استوں کے واقعات ہمارے لیے درسِ عبرت اور پلٹ نصیحت ہیں اور یہ قرآن کا عظیم مقصد ہے ان واقعات کو ذکرِ فرمانے کا۔ جلا شہد امت محمدیہ (علی صاحبہا الفضل الصلاۃ والتحبۃ) اور بہترین امت ہے جو لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ظاہر ہوئی، ممکن نہیں کہ اس کا نامِ عبرت و موعظت کے ان آباد موتیوں سے خالی ہو، اس میں جہاں ظاہری علوم و فنون کے تاج و در، صنعت و حرفت کے گہر و عمق، سیاست و جہاں بانی کے شاندار پیدا ہوئے وہیں علم باطن کے رمز شاس، قلب و روح کے معالج، حکمت و معرفت کے امام ربانی اسرار و حقائق کے ائینِ خلق کا رشتہ خالق سے مربوط و مضبوط کرنے والے عارفین و مصلحین بھی پیدا ہوئے۔

ان کی حیات کا کلمہ لوح اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتا ہے، ان کی حکم رانی بحر و بر پر نظر آتی ہے، وہ سب سر و سامان ہوتے ہوئے بھی مشغول ہیں کسی کو تاج شای سے سرفراز کرتے ہیں، کسی کو تختہ دار پر پہنچاتے ہیں، اقلیم دل کی فریں روانی ان کے ہاتھوں میں ہوتی ہے، بڑے بڑے جبار و مغرور بھی ان کے آستانے پر لرزے کا پتے ہوئے حاضر ہوتے ہیں اور ناچار یہ اعتراف بھی کرتے ہیں کہ اصل حکومت آپ کی ہے۔

ان کی زندگی کا عجیب و بھلو یہ ہے کہ آخرت کی رہنمائی، جنت کی بہار میں، عجب کی سرسبز اور حسنِ حقیقی کے دیدار کی لذتیں ان کے قلب و نگاہ میں نہ صرف تصور و تخیل بلکہ مشاہدہ اور چشم دید مناظر و واقعات کے ناقابلِ شکست یقین حکم کی حد تک بسی ہوئی ہیں، ظاہری نگاہوں کو ظلمتِ شب کا پردہ چاک ہونے کے بعد خورشیدِ عالم تاب کے خیابان ہونے کا جو یقین ہو سکتا ہے اسی قدر یا اس سے زیادہ ان عمرانِ راز اور عارفانِ ذات کو اس دل فریب دنیا کے زوال اور اس عالمِ جاودوں کے قرار و ثبات کا یقین ہوتا ہے اور اس جہاں بانی کی آباد کاری کے لیے وہ اسی طرح متنبہ نظر آتے ہیں، جیسے ظاہر شاس انسان اس دنیا سے فانی کی آباد کاری کے لیے ہر لمحہ بے قرار نظر آتا ہے اور اس یقین سے برآں ہے تب بے نظر آتا ہے کہ اگر میں نے ذرا بھی غفلت کی تو اپنے ہم سرور سے بہت پیچھے ہو جاؤں گا، تھوڑی سی چوک ہوئی تو میرا توجہِ نفع خسارے میں تبدیل ہو جائے گا، ذرا لاپرواہی ہوئی تو آسائشِ حیات مکدر ہو جائے گی، فکر و نظر نے خطا کی تو حکومت و قیادت کی باگ و درہاتھ سے چھن جائے گی، سہی عیلم اور جہدِ شب و روز میں معمولی کوتاہی سے رمل پائی تو پیش کی پستی اور اپنے ہم پیشوں کے سامنے ذلت و خواری کا مزہ چکھنا پڑے گا، علم و فن کے اہمبہر برق رفتار کی لگام زراعتی ہوئی تو قوی توانائیوں کی چکا چوند ہم پڑ جائے گی اور بزمِ زمین کی آرائشوں میں بھرتوڑ آجائے گا۔

یہ دنیا سے ظاہر کے وہ یقینات ہیں جن کے مل پر اس کی ساری چمک چمک کا دھج ہے اور ان ہی سے اس کی ساری بہار قائم ہیں۔ ان یقینات سے سارے عقائد روزگار کا جوہر شاربہ اور وہ ان سے انحراف کو جنوں و ماری کو تلبیٰ و مناقبت اندیشی کے سوا اور سر کوئی نام دینے کو تیار ہی نہ ہوں۔

یہ ہر طرزِ فکر ہے جس سے آخرت کو ماننے والے اکثر افرادِ عالمِ عمل بھی غائب نہیں ہوتے، فرق یہ ہے کہ ان میں جن کو نورِ آخرت اور دانشِ یزدانی کا حصہ حاصل ہے، وہ اپنی دنیاوی تک و دو میں فکرِ آخرت کو بھی ساتھ رکھتے ہیں اور ان میں جن کو کم اور زیادہ حصہ ملا ہے وہ ان ساری کوششوں کو اس دین کی سر بندگی کے ارادے سے وقف کرتے ہیں جسے ہماری زمین میں عام کرنے اور اس کا کلمہ بلند رکھنے کی ذمہ داری ان کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے۔ سببِ الاسباب کو ہر سزا جانتے اور اس کی رضا کو اصل مقصد بناتے ہوئے اسباب کا سہارا لینا اور دسکل و ذرائع کو عمل میں لانا سببِ وہ دنیاوی دعوے جس پر اکثر اہل دین کا رہند ہوئے۔ اور عام حالات میں اکثر انبیائے کرام نے بھی محض عائدہ امت کی نہائی اور اس کے لیے اتباع و اقتداء کی سہولت کی خاطر اسی راہ کو اپنایا۔ اگرچہ وہ بھی حضراتِ کلیۃً ترک دنیا اور تجرد کی راہ پھرتے ہوئے شہدِ قادر تھے اور سیدنا یحییٰ علی نبینا علیہ السلام نے اسے علمِ انکار بھی دکھایا۔

مگر انبیائے کرام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے ہر لمحہ آکتابِ قوت و فیض کرنے والے قبیحین میں ہی ایسے لہر و صود اور عالی نظر افراد بھی پیدا ہوئے جنہوں نے صرف سببِ الاسباب سے کام رکھا اور صرف اس کی ذات کو اپنا ضروریہ بنانے کے سامنے صرف آخرت ہی آخرت ہے، انہیں یقین ہے کہ دنیاوی علاقہ و روابط اور لذت و آسائش میں منہک ہوئے تو ہماری ابدی زندگی ویران ہو جائے گی، وہ زندگی جس کا ایک دن یہاں کے بچہ بس ہزار سال کے برابر ہوگا، ہمارے زندگی کی رہنمائی، لذتوں اور آسائشوں میں پھنس کر اس حیاتِ دائمی کو بے رونق و بے کیف بنانا یقیناً بے عقلی اور جنون ہے، فکرِ آخرت نے انہیں ایسا بے تاب و سیما صفت بنا رکھا ہے کہ انہیں نہ یہاں کے فانی ایوان و قصور بھاتے ہیں نہ یہ روز کی کھٹک انہیں فریفتہ کرتی ہے اور نہ پیش و ختم کے یہ ہزار ہا ہزار میل میں پیچھے ہوئے مظاہر انہیں اپنی جانب بلکتے ہیں۔ دراصل وہ ان ایوانوں سے زیادہ پر شکوہ اور پر کیف ایوان و قصور دیکھ چکے ہیں، جن پر کبھی گردشِ ایام اثرِ ذہن نہیں ہو سکتی، جن کے کینوں میں کسی سرے کے کینوں کی طرح آئے دن تبدیلی نہیں ہوتی، جن کی آسائشوں میں کین و غم اور خوف و خطر کی آمیزش نہیں ہوتی، بلکہ ان میں عارفانِ حق اور عاشقانِ ذات کی ہمیں توشیقِ بہشت اور خوفِ ہرے بھی بالآخر ہیں، ان کے لیے جمالِ حقیقی اور حسنِ ازلی کے دیدار کے سوا کوئی لا محدود اور لا فانی کیف و سرور بھی ممکن نہیں، وہ اسے چھوڑ کر جنت لینے کو بھی تیار نہیں، اس فانی دنیا سے ان میں الجھنا کیا جانیں۔

جلا شہد ان کے واقعات و حالات میں ہمارے لیے درسِ عبرت ہے، ان کے اسرار و افکار میں ہمارے لیے



سامان، بصیرت ہے، ان کے حقائق و معارف میں ہمارے لیے تجزیہ و حکمت ہے، اگر ہم ان کے قدم پر قدم نہیں چلتے تو اپنی غیبتوں اور اپنے معاملات کی دنیا تو سنوار سکتے ہیں، مولا سے حقیقی کی ناراضی مولے کے اپنے نفس کی خوش نوازی سے تو باز رہ سکتے ہیں، آخرت کا شمار سب کر دینا کمال ناپسندیدہ ہے، حلال و حرام کی تیز آفرینت۔  
زیاں اور بد قدمی کے غضب و رخصت سے بے نیاز ہو کر محض دنیائے ولی کی خوش نالافت و آسائش، سرمایہ فانی کے غم و ضرر اور خواہش نفس کی رخصت و ناراضی میں سرگردانی کا ویرانہ تو ترک کر سکتے ہیں اور کم از کم اس دور میں اپنی تہذیب کے لئے جس میں فکر و دنیا کے ساتھ آخرت سے بے فکری نہ ہو، آبادی و دنیا کی دھن میں عقیقی کی ویرانی نہ ہو، لذت نفس کی فراہمی میں احکام مولے سے روگردانی نہ ہو۔ مومن اگر صرف آخرت کا نہیں جیتا تو صرف دنیا کا بھی جیت کر نہیں رہ سکتا۔  
ہاں اکافر کے لیے یہ راہ بہت کشادہ ہے، اس کی جنت یہی ہے، اس کا سب کچھ یہیں ہے، مومن اگر ان فرما کے قدم پر قدم نہیں چل سکتا تو ان سبھا کے قدم پر قدم چلنے کی بھی فکر نہ کرے اور کم از کم وہ رولڈ اپنا سے جو دونوں کے درمیان ہو وہ راہ اگرچہ ان خاصان خدا کے جادہ بلند سے کم تر ہو مگر ان نادانوں کی ڈگر سے برتر و بہتر ضرور ہوگی۔

کتاب:

روض الرماحین فی حکایات الصالحین (واقعات صالحین میں گلوں کے جنتان) کا تہذیب و تمدن  
العیون النواظر و نعمة القلوب الخواضر فی حکایات الصالحین والاولیاء والاکیابر ہے سب گلوں  
صالحین، اولیاء اور اکابر کے واقعات میں پڑا گھوس کا سامانِ فرحت، اور حضوری والے دلوں کا قہقہہ۔

اس کتاب کے شروع میں قرآن و حدیث اور آثارِ سلف سے فقر و فقر اور اولیاء کے فضائل اور کلماتِ اولیاء  
ثبوت فراہم کیا گیا ہے جس سے مصنف کے رسوخِ علم کا اندازہ ہوتا ہے، پھر اصل کتاب شروع ہوتی ہے جو عام صالحین  
درمیان درجے کے اولیاء اور بلند مرتبہ اکابر عرفا کی کے منتخب واقعات پر مشتمل ہے، مصنف نے اس میدان کی سحر  
کتابوں اور مستند رجال کو اپنا ماخذ بنایا ہے، تعبیرات اور بیانِ حالات میں ان کے قلم پر شروع سے آخر تک علم و عرفان کی  
گرفت مضبوط نظر آتی ہے، ان کا شعری ذوق بھی بڑا بلند ہے، کثرت سے اشعار بھی درج کتاب فرمائے ہیں اور خواص  
کے اشعار کی بھی دفرقہ دار شامل کتاب ہے۔

ان واقعات میں جو کیف و لذت مستور ہے ان کا لطف اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب حضورِ قلب اور  
اکتساب فیض کے ارادے سے ان کا مطالعہ کیا جائے، یقیناً ان میں روح کی بالیدگی، یقین کی چنگی اور ایمان کی حرارت  
مضبوطی کا کافی سامان موجود ہے، مصنف نے نمبر وار پہنچ سو حکایات تحریر فرمائی ہیں اور بعض نمبروں کے تحت کسی خاص  
مناسبت کی وجہ سے ضمیمہ متعذر واقعات ثبت فرمائے ہیں۔

آخر میں حضرت مصنف نے بعض واقعات پر بعض علمائے کبار کے اعتراضات کا شافی جواب رقم فرمایا ہے، پھر  
رات و منات سے متعلق عقائد اولیاء، امام ابو القاسم قشیری کے رسالے سے مختصر نقل کیے ہیں اور یہ دکھایا ہے کہ  
اولیائے کرام اس باب میں بھی جادہ تحقیق پر گامزن ہیں، اور ہر بدعت و خطالت سے دور و نفور ہیں۔  
اس کے بعد چار قصیدے درج فرمائے ہیں:

پہلا قصیدہ: مدح اولیاء میں، دوسرا قصیدہ: باطل اور قبیح سنتِ ملکی مدح میں۔ تیسرا قصیدہ: اقسام اولیاء کے ذکر  
میں۔ چوتھا قصیدہ: عام مومنین کے لحاظ سے جنت کی تشریح اور دوزخ سے تخفیف میں اس کی تزیین میں آیات کریمہ اور  
حدیث مبارکہ بھی ذکر فرمائی ہیں، تاکہ مزید شوق و طلب اور کمال یقین کا ذریعہ ہو سکیں۔

آخر میں پانچواں قصیدہ: سید المرسلین، رسولِ مختار، حبیبِ کردگار، علیہ وعلی آلہ و صحبہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح میں۔  
کتاب میں جو واقعات تحریر کیے گئے ہیں، ان میں سوانح نگاری کا طرز نہیں کہ کسی ایک بزرگ کا نام لکھ کر  
ان کے حالات و واقعات، پھر دوسرے کے حالات و واقعات یکجا کر دیے گئے ہوں، نہ ہی یہ طریقہ ہے کہ ایک  
دور کے اولیاء اور ہم عصر بزرگوں کے حالات الگ الگ بیان کرنے کا التزام ہو۔ نہ ہی یہ کہ ایک شہر یا ملک کے  
صالحین کے احوال جمع کیے گئے ہوں۔ بلکہ انداز نگارش میں عام موعظت اور عبرت انگیزی کا عنصر ملحوظ رکھا گیا  
ہے۔ اس لیے مختلف ادوار و بلاد کے اولیاء کے جدید و جدید واقعات کچھ تسلسل کے ساتھ درج کیے گئے ہیں تاہم ان  
میں کچھ ترتیب بھی کار فرما ہے۔ مثلاً یہ کہ:

- (۱) بہت سی صاحبِ خواتین اور مجاہدہ کیش عارفات کے احوال ایک جگہ زیادہ مقدار میں جمع ہیں۔
- (۲) بہت سے غلام عرقا کے واقعات ایک جگہ۔
- (۳) پادریوں کے حالات ایک جگہ۔
- (۴) ایسے ہی کسب اور خرومال عارفوں کی حکایات۔
- (۵) مجاہد کیش اور شوق و عرفان سے لبریز جوانوں کے مناظر۔
- (۶) مشائخِ حق و حور و قصور اور طالبانِ جنت کی حکایات۔
- (۷) عالم برزخ، اور منزلِ قبر کی حکایات۔
- (۸) بے ثباتی، دنیا، عشرت، ناپائیدار اور پیش کش دولت مندوں، بادشاہوں کے لقمہ و ذوقِ خلوص کی، ایرانی کے مناظر۔
- (۹) مجذوبوں کے حالات۔
- (۱۰) طالبانِ ذات، عاشقانِ جمال لایزال اور اکابرِ اہل عراق کے اخبار و افکار۔

مصنف کا مقصد یہ نہیں کہ کسی ایک دور یا چند ادوار، کسی شہر یا بلاد، کسی طبقہ یا طبقات کی زمانی تاریخ مرتب کی جائے۔ اور فن تاریخ کا کوئی بھی شاہکار تصنیف کیا جائے، بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کو وہ غلط فہم اور جھوٹ دکھائی جائیں جو فکر آخرت اور ذکر حبیب کی لذتوں سے سرشار ہیں، ان فرائضوں کی داستان سنائی جائے جن کے سامنے دنیا کے ثبات اور ناپائیدار سارے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ جن کی نگاہوں میں منزل جلاوطنی کے ہر کیف مناظر اسی طرح بے ہوتے ہیں جیسے اہل دنیا کی نگاہوں میں یہ فائدہ پر مناظر، بے ثبات و رعنائیاں اور دل فریب عشرتیں چھائی ہوئی ہیں کہ نگاہے نہیں نکلتیں۔ ساتھ ہی ان معرور اور فریب خوردہ نادانوں اور جھوٹوں کا انجام بھی دکھایا گیا ہے جنھوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ دنیا ہی دارالبقا ہے۔ اور چند روزہ زندگی کے لیے حج و حج کی اپنائی کہ گویا گھبراہٹ ہزار سال رہنے کا سودا میں پایا ہوا ہے، مخلوق پر محکم تیار ہو رہے ہیں۔ حکم و زور کا ڈھیر لگ رہا ہے۔ غم جو حشر کا کلمہ غفر ہے۔ عیش و تنعم کا خاتمیں ہارنا ہوا سمندر ہے سرور انگیز نعموں کی موجیں رواں ہیں، غم پر غم اور بیتابوں کا پھیلنا ہے جھلک رہے ہیں۔ مگر چند دنوں میں ایسا سنا کہ ”ہو“ کا عالم ہے۔ ویرانی ہی ویرانی، تاریکی ہی تاریکی۔

حضرت مصنف قدس سرہ العزیز نے ان سچے واقعات سے غفلت شعار و دل کی بیداری، مشتاق طبعیوں کی شوق افزائی اور ”عاقبت اندیش“ قلوب کے حوصلے بلند سے بلند تر کرنے کو اپنا رخ نظر بنایا ہے جس میں ان کا جذب دروں، اخلاص فزوں، اور جوہر علم و قلم بھی پوری طرح کار فرما ہے، یہی وجہ ہے کہ اہل دل اس کتاب کو صدیوں سے چراغ راہ اور حریز جاں بنائے ہوئے ہیں۔ ہم بھی اس کتاب کے ذریعے اولیاء کی محبت میں یکدہر جینے سکتے ہیں، اور ان مجلسوں اور ان خلوتوں کا کچھ نظارہ کر سکتے ہیں، جن کو دیکھنے کو اب نگاہیں ترستی ہیں، رو میں تڑپتیں ہیں اور دل بے قرار ہیں۔

### ترجمہ کتاب:

اسی عبرت انگیز کتاب کے ترجمے کے لیے ایک ایسے صاحب قلم کی ضرورت تھی جو خود دل دردمند رکھ  
 ہو، زبان و بیان کی باریکیوں اور پیچیدگیوں سے آشنا ہو، اور قراطیل و قلم کا طویل تجربہ بھی رکھتا ہو۔ اس لحاظ سے  
 برادر گرامی مولانا بدر القادری کی ذات اس کام کے لیے بہت موزوں ثابت ہوئی۔ میں نے ان کا ترجمہ اصل  
 کتاب کے ساتھ مکمل پڑھا۔ میں نے دیکھا کہ مترجم پر بھی وہی کیفیت طاری ہے جو ان واقعات کی روح میں جاری  
 و ساری نظر آتی ہے، طرزِ ادا کی شگفتگی بھی ہے، زبان کی سلاست و روانی بھی اور بیان کی دلکش و اثر انگیزی بھی، ان  
 سب پر مستزاد یہ کہ شاعرانہ طبیعت بھی پائی ہے، اور جب ایسے اشعار سے بھی اس کیف کو تقسیم کیا ہے جو واقعات

فی زمین میں کار فرما ہے۔ کتاب میں حضرت مصنف قدس سرہ کا بھی یہ طرز سے کہ بہت سے واقعات یا ان میں ذکر شدہ اشعار کی مناسبت سے اپنے اشعار بھی درج فرمائے ہیں، جس سے نثر و نظم دونوں میں مصنف کا کمال عیاں ہے۔ اردو زبان کے تعلق سے برادر ترجم زید فضلہ کے بارے میں قارئین کو طعم بھوکا کہ نثر و نظم دونوں پر یکساں قدرت رکھتے ہیں، اور غالباً نظم میں جیلے اور نثر میں اس کے بعد، کیوں کہ اوائل عمری سے ان کے اشعار مشاعروں اور محفلوں کی زینت بننا شروع ہو گئے، جب کہ نثر کو یہ مقام بہت بعد میں ملا، اس خصوص پر نظری کہے تو ہمیں ترجمہ "روض الیرامین" کے لیے مولانا موصوف سے موزوں شخصیت مناسبت دشوار تھا۔ ترجمہ کا انداز کیا ہے اس سلسلے میں قدرے تفصیلی تعارف کروا دینا چاہتا ہوں، تاکہ قارئین پر حقیقت واضح ہو اور وقت ضرورت طلبان تحقیق اصل کتاب کی طرف رجوع کر سکیں۔

ترجمہ کا مقصد یہ رکھا گیا ہے کہ قارئین تک وہ کیفیت منتقل کی جائے، جو ان واقعات میں جلوہ افروز ہے، اس لیے بعض واقعات میں چند تمثیری جملے بھی لکھ دیے گئے ہیں، کہیں کہیں ترتیب بھی بدل دی گئی ہے، اور بعض واقعات حذف بھی کر دیے گئے ہیں۔ حذف ہونے والے واقعات ایسے ہیں جن میں تباہی بہت مبہم نظر آتے ہیں، یا اس موضوع کے ساتھ شاندار واقعات جو گزر چکے ہیں "ان کے مقابلے میں" یہ زیادہ عبرت آموز نہیں رہ جاتے یا شعری مکالموں کی ایسی کثرت ہے جس کے لیے ان اشعار کو بنی سننا اور سمجھنا وہ کیفیت پیدا کر سکتا ہے جو ان واقعات سے مصنف کو مقصود ہے، اور اردو ان قارئین کو ان سے کما حقہ لطف اندوز ہونا بہت مشکل ہے، ان سب کے باوجود کسی ترجمانی نہیں کی گئی ہے جس سے واقعات کی صورت صُحیح ہو جائے، اور مصنف یا مہارت کا مقصود مفہوم ہی بدل جائے، مزید توضیح کے لیے چند مختصر واقعات کی اصل عبارتیں، پھر ان کے لفظی ترجمے، پھر مثال کتاب ترجمے پیش خدمت ہیں۔

(۱) عبارت کتاب:

الحكاية التاسعة عشرة عن عبد الله بن مهران رحمه الله تعالى - قال: حجج هارون الرشيد فوافى الكوفة، فاقام بها اياما، ثم ضرب بالرحيل، فخرج الناس، وخرج بهلول المجنون رضى الله تعالى عنه فيمن خرج، فجلس بالكناسة، والنصيان يوذونه، ويلعنون به، إذ قبلت هواج هارون، فكف الصبيان عن الولوع به فلما جاء هارون نادى بهلول ما على صوته، يا أمير المؤمنين! يا أمير المؤمنين! فكشف هارون

السجاف بیدہ، وقان لیک یا بھلول، لیک یا بھلول، فقال، یا امیر المؤمنین! حلفنا ایمن بن فافل عن قدامة بن عبد الله العامري، قال رأيت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بمنى على جمل وغتته رحل رث فلم يكن ضرب ولا طرد، ولا اليك اليك، وتواضعك في سرك هدا یا امیر المؤمنین! خير لك من تكبرك وتجبرك، فبكى هارون حتى سقطت الدموع على الأرض، ثم قال یا بھلول زدنا یرحمك الله تعالى، فقال:

هيب انك قد ملكت الأرض طراً  
واليس غداً مصورك جوف قير  
ودان لك العباد فكان ماذا  
ويحشو التراب هذا ثم هذا

فبكى هارون، ثم قال أحسنت، یا بھلول، هل غيره قال: نعم یا امیر المؤمنین رجل أتاه الله مالاً وجمالاً فأنفق من ماله وعف في جماله، كتب في خالص ديوان الله تعالى من الأبرار فقال أحسنت یا بھلول مع الجائزة فقال اردد الجائزة على من اخذتها منه، فلا حاجة لي فيها، قال یا بھلول إن يكن عليك دين قضيناه فقال یا امیر المؤمنین لا يقضى دين بدين، اردد الحق الى اهله، واقض دين نفسك من نفسك، فقال یا بھلول فنجری عليك مايكفيك، فرفع بھلول راسه الى السماء، ثم قال یا امیر المؤمنین انا وانت من عباد الله، لمحال أن يذكرك وينساني، فأقبل هارون السجاف ومضى.

لفظی ترجمہ:

ایموس حکایت، حضرت عبداللہ بن مہران رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ہارون رشیدؓ کو لکھے تو کوہ پہنچ کر وہاں چند دن قیام کیا، پھر کوس رحلت بجا تو لا جلوس شاہی کے نقادے لیے لوگ باہر نکل پڑے، نکلے والوں میں بھلول مجنون رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، یہ کوڑا کرکٹ کی جگہ آئیٹھے، پہنچے ان کو ستائے اور ان سے لپٹے رہتے، راستے میں ہارون رشیدؓ کے حمل اور اس کی سواریاں آنکھیں، تو بچوں نے بھلول سے گلتا چھوڑ دیا۔

جب ہارون رشیدؓ آئے تو بھلول نے زور سے چلا کر پکارا ”امیر المؤمنین! امیر المؤمنین!“ ہارون نے حمل کا پردہ ہٹایا اور کہا لیک بھلول! لیک بھلول! بھلول نے کہا اے امیر المؤمنین! ہم سے ایمن بن نائل نے قدامتین عبداللہ عامری سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مکہ میں ایک اونٹ پر اس حالت میں دیکھا کہ ان کے نیچے ایک بوسیدہ سا کچا وہ تھا، تو نہ مار پیٹتھی نہ ہونچے۔

تت المومنین اس سفر میں آپ کی غاساری تیر و تخت اور شان، شہوہ سے بیکر ہے، یہ سن کر ہارون رشیدؓ ایسا روئے کہ ان کے آنسو زمین پر گرنے لگے، پھر کہا بھلول خرید فرما، کیے، خدا آپ پر رحمت فرمائے، بھلول نے کہا: فرض کر لیجئے کہ آپ ساری روئے زمین کے مالک ہو گئے اور تمام بندے آپ کے تابع فرمان ہو گئے تو کیا جواب دیا کیا آپ کا شک کا قبر کا شکم نہ ہوگا، جب کہ آپ کے اوپر یہ، پھر یہ، ملی ڈالتا ہوگا؟

اس پر ہارون رشیدؓ روئے پھر کہا بہت خوب کہا بھلول! کچھ اور بھی ہے؟ فرمایا ہاں اسے امیر المؤمنین! ایک دفعہ کو اللہ نے دولت اور حسن سے نوازا، تو اس نے دولت راہ موٹی میں خرق کی اور حسن کے معاملے میں پار سائی، اسی کی تو اللہ تعالیٰ کے خاص، فتمیں ایسا شخص ابراہیمؑ فہرست میں درج کر لیا جاتا ہے، ہارون نے کہا بہت خوب، اس کے ساتھ انعام بھی لو، بھلول نے کہا انعام تو اسی کو واپس کر دیجیے جس سے لیا ہے مجھے اس کی ضرورت نہیں، کیا بھلول آپ پر قرض ہو تو ہم ادا کر دیں، جواب دیا امیر المؤمنین زمین سے زمین ادا نہیں کیا جاتا، حق، حق وار کو واپس کیجئے، اور خود اپنی ذات کا ذین اپنے سے ادا کرائیے۔ کہا اے بھلول، آپ کے لیے ہم اتنا وظیفہ جاری کر دیتے ہیں جو آپ کے لیے کافی ہو، اس پر بھلول نے آسمان کی طرف سر اٹھایا، پھر لیں کہا: امیر المؤمنین! میں اور آپ دونوں ہی خدا کے بندے ہیں، اور یہ محال ہے کہ آپ کو وہ یاد رکھے اور مجھے بھول جائے، اس پر ہارون نے حمل کا پتلا ڈال دیا اور آگے بڑھ گئے۔

شامل کتاب ترجمہ: ”بھلول دانا اور ہارون رشیدؓ“

خلیفہ ہارون رشیدؓ ایک بار حج کرنے گئے، ان کے ہمراہ بغداد کے جانچوں کا ایک بڑا قافلہ تھا، واپسی کے وقت کوفہ میں بہان رشیدؓ کا گزر ایک ایسی جگہ سے ہوا جہاں حضرت بھلول دانا (مجدوب) کو پہنچے پریشان کر رہے تھے خلیفہ کی سواری نزدیک پہنچی تو لڑکے دیکھ کر بھاگ گئے، اور گلیوں میں چھپ گئے، ہارون رشیدؓ ایک شاندار دینی پر ہون میں سوار تھے، شاہی کرد فرار و گرد و تھا اور ہودج پر پردہ پڑا ہوا تھا، حضرت بھلول نے دیکھا تو آواز نہ بھرا یا امیر المؤمنین! یا امیر المؤمنین! ہارون رشیدؓ نے ہودج کا پردہ ہٹایا، اور کہا لیک یا بھلول!

حضرت بھلول: اے امیر المؤمنین! ہم سے ایمن بن نائل نے قدامتین عبداللہ عامری سے روایت کیا قدامتین نے رسول اللہ ﷺ کو مقام مٹی میں ایک ایسے اونٹ پر سوار دیکھا جس پر بوسیدہ کچا وہ تھا، اور حضور کی سواری کے باعث نہ لوگوں میں ہونچو، نہ مار دھاڑ، لہذا اے امیر المؤمنین آپ کے لیے تواضع اور ٹھکانی، حکمران اور برتری جتانے سے بہتر ہے۔

خليفة ہارون رشید یہ سن کر رونے لگا، اس کے اشکوں کے قطرات زمین پر گرے اور عرض کیا کہ بھول مجھ کو نصیحت فرمائیے، انھوں نے دو شعر سنائے جن کا مفہوم یہ ہے:

نعت دہر پہ اے دوست نہ ہرگز اترا  
میر بھی ایک دیا ہے کہ جو بجھ جائے گا  
لے کے میت جو چلا گور غریباں تو آج  
بس اسی طرح تجھے کل کوئی پہچائے گا

یہ سن کر خلیفہ ہارون رونے لگا اور مزید کہنے کی درخواست کی۔

حضرت بھول: امیر المومنین! جسے اللہ تعالیٰ مال و دولت اور حسن و جمال سے نوازے، اور وہ اپنی دولت و مولا میں خرچ کرے، اور حسن و جمال کو حرام سے بچائے، دفتر مولا میں اس کا نام ابرار کی فہرست میں لکھا جائے گا۔ خلیفہ: آپ نے نہایت قیمتی بات فرمائی اور انعام کے لائق کلام کیا۔

حضرت بھول: انعامی مال اسی کو داپس کر دیں جس سے لیا ہے، مجھے ضرورت نہیں۔

خلیفہ: اگر آپ کے ذمے کوئی قرض ہو تو میں ادا کر دوں۔

حضرت بھول: ذہن سے ذہن کی ادائیگی کیا ہوگی؟ آپ حق داروں کا حق انھیں دیں اور اپنے غلام حق ادا کریں۔

خلیفہ: اگر قبول کیجیے تو کچھ وظیفہ مقرر کر دوں۔

حضرت بھول: (آسمان کی طرف سر اٹھاتے ہوئے) امیر المومنین! ہم اور آپ دونوں اللہ ہی کے بندے ہیں، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یاد رکھے اور مجھے فراموش کر جائے۔

ہارون رشید نے یہ سن کر حمل کا پردہ گرا دیا، اور سواری آگے روانہ ہوئی۔

(اس واقعے کو حضرت عبداللہ بن مہران رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا)

## (۲) عبارت کتاب:

الحکایۃ الثالثۃ عنہ ایضاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال بینما أسیر فی بعض جبال بیت المقدس إذ سمعت صوتاً وهو یقول: ذہبت الألام عن أبدان الحدام، ولہت بالطعام عن الشراب و الطعام، وألفت أبدانہم طول القیام، بین ایدی المملک العلام، قال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فنبعت الصوت، فإذا بشاب أمر د قد علا وجہہ اصفرار یمیل منظر

المعن إذا أمالته الريح، علیہ شملة قد انزربها، واخری قد انتشع بها، فلما رآنی نواری عنی بالشجر، فقلت له ایہا الغلام لیس الجفاء من اخلاق المؤمنین، فکلمنی و اوصنی، فخر ساجداً للہ تعالیٰ، وجعل یقول: هذا مقام من لا ذک و استعجار بوصفی، والف محبتک، فیا الہ القلوب، وما تحوہ من جلال عظمتک، احببنی عن المعاطعین لی عنک، ثم غاب عنی فلم أرہ، رضی اللہ تعالیٰ عنہ.

## لفظی ترجمہ:

تیسری حکایت، ان ہی حضرت ذوالنون رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے، فرماتے ہیں: میں بیت المقدس کے ایک پہاڑ پر چل رہا تھا، اچانک ایک آواز سنائی دی، کوئی یوں کہ رہا تھا:

”خدا مت گزاردوں کے جسم کی تکلیف دور ہوئی، وہ طاعت کی شینگی میں خورد و نوش سے بے پروا ہو گئے اور ان کے جسم کو بادشاہ عظام کے حضور طول قیام کا اس ثل کیا ہے۔“

حضرت ذوالنون فرماتے ہیں: میں آواز کی سمت چلا، دیکھا کہ ایک بے ریش جوان ہے، جس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی ہے، یوں لرزتا رہتا ہے جیسے تیز ہوا میں شاخ بٹے، جسم پر ایک کپل ہے، جسے جہنم بنا لیا ہے اور ہرے کو اونٹ نہ رکھا ہے، وہ مجھے دیکھ کر درخت کی آڑ میں چھپ گیا۔ میں نے کہا لا کے اجھاؤ بے ریشی مومن کی ہریت نہیں، مجھ سے ہم کام ہو اور مجھے کچھ نصیحت کر، اس بدو خدا کے حضور سجدہ ریز ہو گیا۔ اور یہ عرض کرنے لگا:

یہ اس کی جگہ ہے جس نے تیری پناہ لی، تیری معرفت کی امان میں آیا، اور تیری محبت سے انس رکھا، تو اے دلوں کے معبود! اور دلوں میں موجود جلال و عظمت والے معبود! جو میرے اور تیرے درمیان قطع تعلق کریں ان سے تو مجھے روپوش رکھ۔“

یہ کہہ کر وہ میری نگاہوں سے ایسا غائب ہوا کہ پھر میں اسے دیکھ ہی نہ سکا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

## شامل کتاب ترجمہ:

وہ جنس دامن محبوب چھپا لیتا ہے

بیت المقدس اور اس کی نواحی پہاڑیاں ہزاروں انبیاء کرام اور صاحبان باطن کے خروش روحانی سے معمور ہیں، آج بھی اس سنگلاخ خطہ ارض کی خاک میں خوف خدا سے جھکنے والے قلوب کی نزہت جاں فزا کا احساس ہوتا ہے، ایک بار حضرت ذوالنون مصری انھیں سنگ زاروں میں عشق و عرفان کے گل بوٹے چن رہے تھے کہ انھوں نے ایک آواز سنی جس کا مفہوم یہ تھا:



”بندوں کے اجسام سے مصائب کی کشتیں جل گئیں، وہ طاعت ربانی میں کمزور خورد و نوش سے بہہ نکلے ہوئے، اور ان کے پیکر جسمانی مالک حقیقی کے حضور قیام کی عادت سے آشنا ہو چکے۔“

حضرت ذوالنون نے اس آواز کا تعاقب کیا تو ایک نوجوان کو پایا جس کے رخسار پر ابھی جوانی کا نغمہ مٹا ہوا تھا۔ نحیف بدن، زردی مائل، شاخ نازک کی طرح چمکتا تھا، جسم پر دو چادروں کا لباس، آہٹ لگا کر بیٹھے لگا، حضرت ذوالنون نے آواز دی، اس درجہ اظہار تحضر اور بدخلقی شان مومن کے خلاف ہے، مجھ سے ہم کلام کرو اور مجھ کو کچھ نصیحت کر، یہ سن کر وہ جھجھکے میں گر کر مناجات کرنے لگا، جس کا مفہوم یہ ہے:

”اے اللہ! یہ مقام اس شخص کا ہے جس نے تیرے ساتھ قرار پکڑا، تیری بناؤ معرفت میں آیا، تیری عزت کا شیدا ہوا، تو اے مالک قلوب، اور دلوں میں بسنے والے جلال و عظمت کے مالک! جو مجھے تجھ سے الگ کرنے والے ہیں تو مجھے ان سے پوشیدہ رکھ۔“

شیخ ذوالنون فرماتے ہیں کہ اس کے بعد وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ رضی اللہ عنہ

### (۳) عبارت کتاب:

الحکایۃ الثلاثون عن ذی النون المصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال وصف لی رجل من اهل المعرفة فی جبل لکام، فقصده، فسمعتہ یقول بصوت حزین فی بکاء وأنین

یا ذا الذی أنس الفؤاد بذکرہ

أنت الذی ما ان سواک أرید

تغنی اللیلالی والزمان بأسرہ

وهو لک غصن فی الفؤاد جدید

قال ذوالنون فسمعت الصوت، فإذا بغنی حسن الوجه حسن الصوت، وقد ذهبت تلك المحاسن، وبقيت رسومها، نحیف قد اصفر واحترق وهو يشبه الولۃ الخیران، فسلمت علیہ، فرد علی السلام وبقي شاعصاً یقول:

أعمیت عینی عن الدنیا وزینتها

فأنت والروح منی غیر مفترق

إذا ذکرتک ولقی مقلی آرق

من أول اللیل حتی مطلع الفلق

وما تطابقت الأحداق عن سنة

إلارایتک بین الجفن والحدق

ثم قال یا ذالنون مالک و طلب المجانبین، قلت او مجبور است؟ قال قد سمعت به، قلت مسئلة، قال سل، قلت مال الذی حبب إليك الانفراد و قطعک عن الموانسین، وهیمک فی الأودیة والجبال؟ فقال حبی له هیمنی، وشوقی الیه هینجی، ووجدی به فردی، ثم قال یا ذالنون! أعجبک کلام المجانبین؟ قلت ای والله، وأشجانی، ثم غاب عنی، فلا ادری این ذهب. رضی اللہ تعالیٰ عنہ.

### لفظی ترجمہ:

تیسویں حکایت، حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں: مجھ سے جبل لکام میں رہنے والے ایک صاحب معرفت کا حال بیان کیا گیا۔ جس کے بعد میں نے اس سے ملنے کا قصد کیا۔ میں آیا تو وہ آہ و بکا اور درد بھری آواز میں یہ کہہ رہا تھا:

”اے وہ جس کی یاد سے دل کو الفت ہو چکی ہے، تو ہی وہ ہے جس کے سوا میرا کوئی مقصود نہیں، راتیں ختم ہوجاتیں گی، سارا زمانہ فنا ہو جائے گا، مگر تیری محبت دل میں تروتازہ رہے گی۔“

حضرت ذوالنون فرماتے ہیں: آواز کی سمت جا کر میں نے دیکھا تو ایک خور، خوش آواز نوجوان ہے جس کا حسن و جمال رخصت ہو چکا ہے اور نشانات باقی ہیں۔ وہ لڑکا، زرد و سوختہ صورت، جیسے کوئی سرگرداں عاشق ہے۔ میں نے سلام کیا، سلام کا جواب دیا، اور آنکھیں پھاڑے کہتا رہا:

”تو نے دنیا اور اس کی آرائش و زیبائش سے میری آنکھیں اندھی کر دیں، تو تیری ذات اور میری جان میں کبھی جدائی نہ ہوگی، جب تجھے یاد کرتا ہوں تو میری آنکھوں میں بے خوابی آجاتی ہے جو اول شب سے طلوع صبح تک قائم رہتی ہے۔ اور نیند سے جب بھی آنکھیں بند ہوئیں تجھے میں نے چمکیں اور پکوں میں دیکھ لیا ہے۔“

(اور آنکھیں بند ہوتے ہی تیرا دیدار نصیب ہوا)

پھر اس نے کہا اے ذوالنون! تجھیں مجھوں کو ڈھونڈنے سے کیا غرض؟ میں نے کہا آپ کیا بھنوں ہیں؟ کہا یہ تو سن ہی چکے ہو۔ عرض کیا ایک سوال ہے فرمایا پوچھو۔ بتائیے وہ کون سی چیز ہے جس نے تمہاری تہاں کو آپ کے لیے محبوب بنا دیا ہے اور اہل انس سے الگ تھلک کر کے وادیوں اور پہاڑوں میں سرگرداں کر رکھا ہے۔ فرمایا، اس سے مجھے جو شوق ہے اسی نے سرگرداں بنا دیا ہے، اسی کے شوق نے مجھے بھڑکا دیا ہے، اور اسی کی دارنشتی نے لوگوں سے الگ تھلک کر دیا ہے، پھر فرمایا: ذوالنون! تجھیں مجھوں کی بات پسند آئی؟ میں نے عرض کیا: ہاں! خدا کی قسم، پسند بھی آئی اور سوز و غم بھی پیدا کر دیا، اس کے بعد وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ معلوم نہیں کہاں چلا گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔



## کوہ کلام کا علم

شامل کتاب ترجمہ:

کوہ کلام کے نشیب و فراز میں حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ اس عارف کامل کو تلاش کر رہے تھے جس کے سوز و غم کا چرچا دور و نزدیک تھا۔ ایک بیک ان کے کانوں سے نالہ و شہین اور آہ و گریہ کے لفظاں گئی ایک آواز گونجی، کوئی دل جلا یہ اشعار پڑھ رہا تھا:

یا ذا الذي انس الفؤاد بذكره  
أنت الذي ما إن سواك أريد  
نقنى اللبائى و الزمان بأنسره  
و هو لك غصص فى الفؤاد جديده  
ہے تیرا ذکر ہی تسکین میری  
رضا ہی تری، مرا مستقر ہے  
نہ ہوتا ہے دن، شقی ہیں راتیں  
چن ہے عشق کا، جو تازہ تر ہے (بدر)

حضرت ذوالنون رحمہ اللہ نے آواز سن کر قدم آگے بڑھائے، قریب جا کر دیکھا تو ایک کھیل نوجوان بیٹا ہے۔ لاٹری اور کزوری سے اس کا جسم دبلا ہو رہا ہے۔ چہرے پر زردی چھائی ہوئی، آنکھیں حلقہ چشم میں چسبی گئی ہیں، ذوالنون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلام سن کر جواب دیا، اور اشعار پڑھے جن کا مفہوم کہہ اس طرح تھا:

ساری دنیا سے پھیر کر آنکھیں  
دل میں تجھ کو بسا لیا میں نے  
خند کیا، مات کیا، اندھیرا کیا،  
ذکر کا نور پالیا میں نے  
خند آئی تو لبتی آنکھوں میں  
تیرا جلوہ بجالایا میں نے (بدر)

اس کے بعد کہا: اے ذوالنون! آپ کو مجھ جیسے مجنون کی کیا حاجت، کیوں یہاں آنے کی زحمت کی؟  
ذوالنون: مجھے تم سے ایک بات دریافت کرنی ہے۔  
نوجوان: پوچھیے۔

ذوالنون: آخر وہ کون سی بات ہے جس نے تمہیں دیر سے کنارہ کشی، اور گوش نشینی پر آمادہ کی؟  
نوجوان: محبت نے مجھے دیر انوں، جنگلوں، اور پہاڑیوں میں سرگرداں کیا، شوق نے مجھے آمادہ کیا، اور عشق نے مجھے سب سے علیحدہ کر دیا۔

نوجوان: کیا آپ کو دیوانوں کی باتیں بھلی لگتی ہیں؟

ذوالنون: بخدا! ایسے تم جیسے لوگوں کی باتیں بہت پیاری معلوم ہوتی ہیں، اور ان باتوں سے مجھے رقت قلبی میسر آتی ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس کے بعد وہ نوجوان نگاہوں سے اوجھل ہو گیا، اور پھر اسے کہیں نہ پاسکا۔



یہ تین نمونے میں نے پیش کر دیے جن میں روض الیاسین کی اصل عربی عبارت ہے پھر اس کا مناسب ملقبی ترجمہ جو میں نے کیا ہے، پھر اس کا وہ ترجمہ جو مولانا بدر القادری کے قلم سے شامل کتاب ہے۔ ان نمونوں سے مولانا کی ترجمانی کا دل پذیر انداز بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ ملاحظہ کیے کہ:

(۱) واقعات میں جو مکالمے آئے ہیں، انہیں مکالمات کے جدید طرز پر دایں صاحب کلام پھر کلام کا ذکر کرتے ہوئے لکھا گیا ہے۔ جس سے بار بار "اس نے کہا" میں نے کہا کی تکرار نہیں ہوتی، اور ضمیروں کی ہر بار صحیح تعیین کے لیے ذہن پر کوئی بار نہیں پڑتا، عبارت میں روانی، بیان میں کھٹنگل، اور فہم مقصود میں سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔

(۲) بہت سی جگہوں میں اشعار کی ترجمانی شعروں ہی میں کی گئی ہے، یہ مترجم کے شاعرانہ کمال کی روشن دلیل ہے۔ عربی عبارتوں کو دلکش اردو میں ڈھانپنا ہی بڑا مشکل کام ہے اور انہیں شعری بیکر میں اتارنا اس سے بھی مشکل تر، مگر جو زور کو، کہنت مشق اور باکمال شاعر ہوتے ہیں وہ بڑی مہارت سے یہ مشکل سر کر لیا کرتے ہیں۔

(۳) واقعات کے آغاز و اختتام میں کہیں کہیں روایتی لطافت و دل چمک پیدا کرنے کے لیے مناسب جمہیدی جملے لکھ دیے ہیں، کہیں مزید وضاحت اور واقعے کی جانب شوق انگیزی کے لیے عربی کے ایک دو جملوں کے عوض زیادہ جملے لکھے گئے ہیں۔

(۴) چون کہ یہ ترجمانی و تفسیر ہے اس لیے حکایتوں پر کتاب کے مطابق نمبر نہیں ڈالے گئے ہیں، مگر ہر حکایت کے لیے ایک مناسب اور شوق انگیز سرفنی قائم کی گئی ہے جو پوری حکایت کا ماحصل کی جاسکتی

ہے، ان عنوانات کے انتخاب میں مترجم کی مہارت اور گفت طبعی کا جوہر عیاں ہے۔

(۵) ان سب کے باوجود واقعات کی اصل زمین بعینہ باقی رکھی گئی ہے، اور مکالمات خصوصاً اولیاء و عرفائے عبرت انگیزی اور نصیحت آموزانظ کو تقریباً اصلی حالت میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، بلکہ بہت سی حکایات ایسی ہیں جو مکمل طور پر یا محاورہ اور سلیس ترجمہ ہی پر مشتمل ہیں۔ اور اپنی طرف سے کسی عجیب اور توشیحی اضافہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ہے، اور یہ بات شروع سے آخر تک ملحوظ ہے کہ واقعات کی صورت ہرگز مستحکم نہ ہو، اور ان کی جو اصلیت ہے وہ کامل طور پر محفوظ رہے، اور اعتماد کے ساتھ کہا جائے کہ حکایت وہی ہے جو مصنف نے بیان کی۔

(۶) نقل و بیان میں لہجہ و دیانت، زبان میں روانی و گفتگی، طرز ادا میں لطافت و دل کشی، حذف و اضافہ، تقدیم و تاخیر، تنہیم و توضیح میں روایت یا بعضی کی ساری پابندیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے نصیحت و موعظت کی روح، عبرت انگیزی، شوق آفرینی اور اہل شوق کی بہت افزائی ان ساری خصوصیات کے ساتھ ترجمہ کی گئی ہے۔

جب کہ ایک زبان کا دوسری زبان میں صحیح لفظی ترجمہ کرنا بھی دونوں زبانوں سے پوری واقفیت، محاورات کی معرفت اور عبارتوں میں جاری و ساری روح سے مکمل آشنائی کا مقتضی ہے جو بجائے خود ایک مشکل کام ہے، پھر اتنی ضخیم کتاب کے ترجمہ یا ترجمانی میں جو محنت و مشاققہ ہے وہ ہر صاحب نظر پر عیاں ہے، اس لحاظ سے بھی برادر محترم دام ظلہ ہمارے اور قلم اردو وال قارئین کے شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے یہ محنت شاقہ جمیل کر ایک عظیم سرمایہ کو اردو میں منتقل کیا، اور ہمارے اردو ذخیرے میں اضافہ بھی فرمایا۔

رب کریم انھیں ان کی محنتوں کا بہترین صلہ عطا فرمائے، انھیں دین و علم اور قرطاس و قلم کی خدمات کے میدان میں نمایاں مقام بخشے، دارین کی سعادتوں سے ہم کنار فرمائے، اور ان کے ادارہ الجمع الاسلامیہ کو بھی فروغ و استحکام مرحمت فرمائے، آمین۔ یا اکریم الاکرمین بجاہ حبیبک سید المرسلین، خانم النبیین علیہ وعلی آلہ وصحبہ اکرم الصلوٰۃ و افضل التسلیم الی یوم الدین۔

(شب و شنبہ ۱۷ مارچ ۱۳۳۳ھ)



## تقریرات

استاذ گرامی حضرت مولانا محمد شفیع عظمیٰ رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات پر یہ دل کش مرقع عزیز کی تکمیل احمد بھیروی (سلمہ اللہ تعالیٰ و زادہ علما نافعاً و عملاً متقبلاً) کی کوششوں سے منظر عام پر آ رہا ہے۔

وہ چلتے پھرتے، ملتے ملاتے اچانک ہم سے جدا ہو گئے، اس نگاہ جدائی پر معمول سے زیادہ کرب و الم اور صدمہ ہونا فطری امر ہے۔ متحدہ و اہل تعلق نے قلم سے بھی اپنے جذبات کا اظہار کیا، ان کے کچھ حالات بھی لکھے، وہ رسالوں میں شائع بھی ہوئے، مگر رسائل کا حال یہ ہے کہ ایک بات کوئی چیز ان میں چھپی، ماہ و ماہ نظر کے سامنے رہی، پھر غائب ہوئی تو ایسی کہ حلاش کرنا مشکل۔ عزیز موصوف نے ان منتشر موتیوں کو یکجا کر کے انھیں نئی زندگی دے دی، اور کچھ نئے مضامین بھی حاصل کیے خصوصاً حضرت بحر العلوم کے رشحات قلم بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ محب گرامی مولانا تاجدار القادری نے بھی تازہ مضمون ارسال کیا اور جلالت کے باوجود ذرا ربط سے لکھا۔ پیشانی آپ ان سبھی مضامین سے مستفید و محفوظ ہوں گے۔

میری بیماری یہ ہے کہ یکسوئی اور سکون کے بغیر کچھ لکھنا بہت مشکل ہوتا ہے جس کا نقصان یہ ہے کہ یکسوئی کی تلاش میں کبھی عرصہ گزر جاتا ہے اور کام وقت نکل چکا ہوتا ہے تاہم یہاں جلالت میں چند سطور قلم بند کر رہا ہوں جو ان مضامین کی تائید اور تکمیل کی جاسکتی ہیں۔

حضرت مولانا محمد شفیع عظمیٰ رضی اللہ عنہ ایک بلند پایہ عالم تھے، اسے بلند کتبہ بہت سے قد آور علما ان کی درس گاہ فیض سے اٹھے۔ معقولات و مقولات سبھی پر وہ عبور رکھتے تھے۔ اور ادب میں خاص امتیاز کے حامل تھے۔ میں نے ان سے فقہ میں ہدایہ اولین، حدیث میں مشکاة شریف منطق میں میر تقی علی اور ادب میں دیوان متنی کا درس پایا اور عربی انشائی مشق خاص طور سے انھیں کے یہاں تقریباً ایک سال کا تار بیا، ہر فن کو وہ مہارت اور دلچسپی سے پڑھاتے، طلبہ بہت شفیق اور مہربان تھے، انھیں صاحب کمال بنانے کا خاص جذبہ رکھتے تھے۔

دینداری، پرہیزگاری اور اخلاص و ایثار میں اپنے بیشتر اقربان پر فائز تھے۔ قوی دلی مسائل سے دلچسپی رکھتے تھے اور حتی المقدور ان میں حصہ لینے بلکہ پیش قدمی کرنے کی کوشش فرماتے۔ تحریر میں خاص ملکہ حاصل

تھا۔ ان کے بہت سے مضامین اشاعت پذیر بھی ہوئے، شعر و سخن کا ذوق تھا۔

دارالعلوم اشرفیہ کے تدریسی کارروائی کے رکن رکن تو وہ عرصہ دراز سے ۱۹۷۱ء میں حافظ ملت علامہ عبد العزیز مراد آبادی قدس سرہ العزیز کی سربراہی میں جب مجلس منتظمہ کی تشکیل ہوئی تو ادارہ کے انتظام و تعمیری قافلہ کے بھی یہ خاص رکن اور عہدے دار ہوئے اور حافظ ملت کی معیت میں اپنی شخصی ذمہ داریاں ادا محنت و دل سوزی سے انجام دیتے رہے بلکہ قافلہ سالار کی رحلت کے بعد بھی تقریباً دس سال تک بڑی ذمہ داری سے نظامت کے فرائض انجام دیتے رہے، ادارے کو ان کا بدل اب تک نہ مل سکا۔

ان کے طویل عرصہ تدریس میں اشرفیہ میں ہزاروں طلبہ آئے ان میں سے اکثر ان کے تلمذ سے شرف یاب ہیں۔ اور بھی ان کے مداح و قدر واد ہیں۔

ترم مزاج، سادگی و خاکساری کا پیکر، خاموش طبع، کم گو، گفتمہ مزاج، کبھی کبھی بڑی خندہ پیشانی سے ملے اور خوش طبعی سے پیش آتے تھے۔ افکار سے گراں ہار بھی رہتے ان کا اثر بھی نظر آتا۔ مختصر یہ کہ علم و عمل، فکر و خیالات، اخلاق و کردار اور دینی و علمی، قومی و ملی خدمات ہر لحاظ سے وہ ایک بلند پایہ اور ممتاز انسان تھے۔ اس اجمال کی تفصیل اگلے اوراق میں ملاحظہ فرمائیں اور مزید تفصیل مزید مبسوط مضامین کی طلب ہے۔ رب کریم و استکان دامن کو توفیق خیر سے نوازے۔

محمد احمد مصباحی غفرلہ

بصیرہ ولید پور ضلع منو

شیخ الادب الحاج احمد الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

۳۳ رجب ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۶ دسمبر ۱۹۹۳ء شب شنبہ

## تقدیم (۱)

قرآن کریم خدا کا آخری پیغام اور لافانی سرچشمہ ہدایت ہے۔ وہ حق دنیا تک عالم انسانیت کی ہدایت و فلاح کا منہاں ہے۔ رب کریم نے اپنے رسول انور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اسے ہر چیز کے واضح بیان کی صورت میں اتارا اور مسلمانوں کے لیے ان کا دین کامل کر دیا۔ ارشاد باری ہے: وَ تَوَلَّوْنَا عَلَیْكَ الْكِتَابَ یٰ یٰنَا لَیْلٰی شَیْءٌ وَ فُذِّی وَ رَحْمَۃٌ وَ لِقَیْلٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ۔ (النحل، آیت: ۸۹)

”اور ہم نے تم پر قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے اور ہدایت اور رحمت اور بشارت مسلمانوں کے لیے۔“

اور فرماتا ہے: اَلِیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (مائدہ: آیت: ۳)

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔“

لیکن کیا ہر شخص قرآن کریم سے ہر طرح کے تمام معانی و مطالب نکال سکتا ہے؟ یا کم از کم دین و شریعت کے تمام احکام صرف قرآن کریم کے مطالعہ سے واضح اور قطعی طور پر جان سکتا ہے؟ یہ ایک ضروری اور اہم سوال ہے جس کا جواب ان کے ذمہ ہے جو حدیث رسول سے بے نیازی کا دعویٰ کرتے ہیں۔

ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ہر شخص تو دور کنار یہ کام ہر عالم کے بس کا بھی نہیں، بلکہ امت کا بڑے سے بڑا عالم بھی منہ رسول سے بے نیاز ہو کر اسے انجام نہیں دے سکتا۔ اجلہ صحابہ کرام بھی رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تفسیم کے حق رہے، جس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ اسی لیے رب کائنات ارشاد فرماتا ہے:

وَ اَنزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّکْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ (حل: آیت: ۳۳)

”اور اے محبوب! ہم نے تمہاری طرف یہ ذکر اتارا تاکہ تم لوگوں کے سامنے اسے بیان کرو جو ان کی طرف اترناظر رہیں وہ وہ جان سکیں۔“

رسول اللہ ﷺ کے اوپر تعلیم و توضیح کی ذمہ داری اسی لیے رکھی گئی کہ امت کے لیے معانی قرآن تک

پورے طور سے رسالہ ممکن نہیں، مثلاً قرآن میں نماز قائم کرنے کا حکم موجود ہے مگر نماز کے مقررہ اوقات کی تفصیل، رکعتوں کی تعداد، ارکان کی ترتیب، اذکار نمازی، تعین، اور اوستا کی مکمل طریقہ کوئی شے سے بلاوجہ محض قرآن سے واضح اور حتمی طور پر نہیں نکال سکتا، اس کے لیے بیان رسول اور عملی رسول کی ضرورت ہے جبکہ قرآن کی صفت تو یہ ہے کہ:

يُضِيهِ بِهٖ نُوْرٌ وَيَهْدِيْ بِهٖ لِنُجُوْمٍ (بقرة: ۲۶) بہت کو خدا اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہت کو ہدایت دیتا ہے۔ اسی لیے قرآن نے رسول کی جانب رجوع کی ہدایت فرمائی۔ رب العلمین کا فرمان ہے:

وَمَا تَشْكُرُ اِلَّا لِنُؤْمَانٍ فَخُدُّوْهُ وَاَتَاكُمْ سَخِرَ حَقُّهُ فَاتَّقُواْ (حشر: ۱۷)

اور جو تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو، اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

اور بارگاہ رسول سے سرتابی کرنے والوں کی یوں مذمت فرمائی:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنزَلَ اللهُ وَإِلَى الرَّسُوْلِ رَأَيْتُ الظَّالِمِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا (نمل: ۲۸)

”اور جب ان سے کہا جائے اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کی طرف اور رسول کی طرف آؤ تو تم دیکھو کہ منافق تم سے منہ موڑ کر پھر جاتے ہیں۔“

مگر احادیث رسول میں بھی قیامت تک پیدا ہونے والے ہر معاملہ سے متعلق احکام کا صریح بیان موجود نہیں خلفائے راشدین ہی کے زمانے میں ایسے مسائل و فرائض ہوئے جن کا جواب صراحۃً انھیں حدیث سے نہ مل سکا اور اجماع یا قیاس کے ذریعہ ان کا حل تلاش کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کے بعد بھی اہل علم یا قیاس سے اخذ احکام کی حاجت باقی رہتی ہے۔

لیکن یہ بھی واضح رہے کہ کتاب و سنت اور اجماع کی روشنی میں قیاس و اجتہاد کے ذریعہ استخراج احکام پر بھی سب کو قدرت نہیں ہوتی بلکہ جن کو علوم و فنون میں کافی مہارت اور خدا کی جانب سے قدرت کا ملکہ عطا ہوا ہو اس سے عہدہ دار ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے عام لوگوں کو اہل علم کی جانب رجوع کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

فَسْأَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ بِالْمُنْجِيْ وَالزُّكْرِ وَاَنزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (نحل: ۴۳، ۴۴)

”تو اسے لوگوں کو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔ روشن دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ بھیجا۔ اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف سے ذکر اتارا تاکہ تم لوگوں سے اسے بیان کرو جو ان کی طرف اتارا اور کہیں وہ جہتیں کر لیں۔“

امام احمد رضا قدس سرہ تفسیر معالم التنزیل کے حاشیے میں اس مقام پر فرماتے ہیں:

”اقول هذا من محاسن نظم القرآن العظيم، أمر الناس أن يسألوا أهل الذكر العلماء بالقرآن العظيم، وأرشد العلماء أن لا يعتمدوا على أذهانهم في فهم القرآن بل رجعوا إلى ما بين لهم النبي ﷺ، فرد الناس إلى العلماء، والعلماء إلى الحديث، ورجعوا إلى القرآن، وإن إلى ريبكم المنتهى فكما أن المجتهدين لو تركوا الحديث ورجعوا إلى القرآن لضلوا، كذلك العامة لو تركوا المجتهدين ورجعوا إلى الحديث لضلوا، ولهذا قال الإمام سفيان بن عيينة أحاديث الحديث قريب زمن الإمام الأعظم والامام مالك رضي الله تعالى عنهم: الحديث مضلة إلا للفقهاء نقله عنه الامام ابن الحاج المكي في المدخل۔

امام ابن کہتا ہوں یہ عبارت قرآنی کا حسن ہے کہ عام انسانوں کو یہ حکم دیا کہ اہل ذکر یعنی علمائے قرآن سے دریافت کریں، اور علمائے قرآن کو یہ ہدایت فرمائی کہ فہم قرآن کے معاملے میں اپنے ذہن پر بھروسہ نہ کریں بلکہ بیان رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب رجوع کریں۔ اس طرح عوام کا مرجع علماء کا مرجع حدیث، حدیث کا مرجع قرآن اور علماء اور بلاشبہ اجتہاد ہی کی جانب ہے۔

مجھے یہ ہے کہ مجتہدین اگر حدیث ترک کر دیں اور صرف قرآن کی طرف رجوع لائیں تو گمراہ ہو جائیں اسی طرح یہ بھی ہے کہ اگر عوام مجتہدین کو چھوڑ دیں اور خود حدیث کی جانب رجوع کرنے لگیں تو گمراہ ہو جائیں۔ اسی لیے امام اعظم و امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قریب زمانہ کے ایک جلیل القدر امام حدیث حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

”فیرفہما کے لیے حدیث گمراہی کی جگہ ہے۔“ (یعنی آدمی، اگر فقہات سے خالی ہے تو حدیث سے گمراہی میں پڑ سکتا ہے جیسے حدیث و فقہات کے بغیر خود قرآن سے گمراہی میں پڑ سکتا ہے۔) اے امام ابن الحاج کی نے امام موصوف سے ”مدخل“ میں نقل فرمایا۔“

عارف باللہ امام عبد الوہاب شمرانی میزبان الشریعہ الکبریٰ میں فرماتے ہیں:

قائل بما أحصى لولا أن رسول الله ﷺ فصل بشريعته ما أجمل في القرآن لبقي القرآن على إجماله كما أن المجتهدين لو لم يفضلوا ما أجمل في السنة لبقيت السنة على إجمالها، وهكذا إلى عصرنا هذا۔

”برادر! غور کرو، اگر رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی شریعت سے قرآن عظیم کے مجمل امور کی تفصیل نہ فرماتے تو قرآن کریم یوں ہی مجمل رہ جاتا۔ اسی طرح ائمہ مجتہدین اگر حدیث کی مجمل باتوں کی تفصیل نہ فرماتے تو حدیث

یوں ہی مجمل رہ جاتی۔ اسی طرح ہمارے زمانے تک۔“

یہی وجہ ہے کہ دین حق کی بنیاد اور احکام شرعیہ کی اساس چار چیزوں پر رکھی گئی:

(۱) قرآن (۲) سنت (۳) اجماع (۴) قیاس

اس کی نشان دہی خود قرآن میں موجود ہے۔ قرآن و سنت کے مرجع ہونے سے متعلق تو بہت آیات ہیں۔ بعض اوپر نقل بھی ہوئیں۔ اب سنت و اجماع دونوں کے حجت ہونے سے متعلق یہ آیت کریمہ ملاحظہ ہوں:

وَمَنْ يُضَاقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُسْلِمِينَ لُوَلِّهِ مَا يُولِیٰهُ وَيُضْلِهِ جَهَنَّمَ ۚ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (نساء: ۱۱۵)

”اور جو رسول کے بعد کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جھلک رہا ہو، اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور وہ کیا ہی بڑی پلٹنے کی جگہ ہے۔“

معلوم ہوا کہ رسول کریم کی مخالفت اور مسلمانوں کے اجتماعی طریقے سے سر تابی جنم دینے کا بہت بڑا عذاب الہی کا سبب ہے۔ اس سے جہاں اتباع رسول کا وجوب ثابت ہوتا ہے وہیں جمیل مومنین (مسلمانوں کے اجتماعی راستے) کی پیروی کا وجوب بھی ثابت ہوتا ہے۔

قیاس مجتہدین کی حجت، فقہائے دین کی جانب رجوع، ان کی تعلیم پر اعتماد اور ان کے ارشادات کے اتباع سے متعلق درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

(۱) اہل ذکر سے پوچھو اگر تحسین علم نہیں۔ (نحل، آیت: ۴۳) تحصیل گزر چکی ہے۔

(۲) وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ أَكَادُوا بِرَبِّهِمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِلَى الرَّسُولِ وَأَلَى الْأَقْرَبِ مِنْهُمْ لَعَلَّهُمْ أَتَّقُونَ لَاسْتَغْنَوْا فَإِنَّهُمْ أَكْثَرُ غَافِلِينَ (نساء: ۸۳)

”اور جب ان کے پاس کوئی بات اطمینان یا ڈر کی آتی ہے اس کا چرچا کر بیٹھتے ہیں، اور اگر اس میں رسول اللہ اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے۔ جو بعد میں استغناء کاوش کرتے۔“

معلوم ہوا کہ رب کریم نے امت کے کچھ افراد کو استنبلا کی قوت بخشی ہے، وقت حاجت عام مسلمانوں کی جانب رجوع کرنے ہی میں نجات ہے۔

(۳) وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (توبہ: ۱۲۲)

”اور مسلمانوں سے یہ تو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں، تو کون نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلتے تاکہ دین میں فقاہت حاصل کر سں، اور واپس آکر اپنی قوم کو ذرا سنائیں اس امید پر کہ وہ سچیں۔“

اس سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) اور جب فقاہت تک رسائی سب کے لیے میسر نہیں۔

(۲) ایسے افراد کا ہونا ضروری ہے جو دینی فقاہت کے کمال سے آراستہ ہوں۔

(۳) ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ فقہ کی تحصیل کے بعد اپنی قوم کے سامنے تبلیغ کریں۔

(۴) توہم کی ذمہ داری یہ ہے کہ ان پر اعتماد کرے، ان کا اتباع کرے، غلط سے ڈرے اور معاصی سے بچے۔

(۵) ان کا اتباع اسی لحاظ سے ہو گا کہ انھوں نے خدا کے دین اور اس کی شریعت کا وہ علم حاصل کر لیا جو ہمارے پاس نہیں۔ اور فقہ و اجتہاد کی صلاحیت سے کام لے کر احکام کے استخراج اور جزئیات کی معرفت تک پہنچ سکے ہیں، ان کے علم کا ہر چشمہ کتب و سنت اور اجماع مجتہدین ہے۔ ان کے دینی اخلاص و تقویٰ کا سنا کھرا ہوا ہے اس لیے ان پر اتنا اعتماد اور اصل کتاب و سنت کا ارشاد اور خدا و رسول کا فرمان ہے اور ان کی اطاعت خدا و رسول ہی کی اطاعت ہے۔

امت مسلمہ کا سوا دو عظیم ان چاروں اصول: کتاب، سنت، اجماع، قیاس کو حجت مانتا ہے، اور مجدد صحابہ سے لے کر دور حاضر تک مسلمانوں کا عمل در آمد اسی پر جاری ہے۔ لیکن جب کسی سر میں آزادی کا سوا سامنا ہے اور غم کی غلامی کا جذبہ ابھرتا ہے تو وہ ان چار اصول میں سے کسی ایک سے انکار کے چکر میں پڑتا ہے تاکہ پابندی میں کچھ کی ہو اور نفس کو ذرا آزادی و عیاشی نصیب ہو۔ اس لیے کوئی کہتا ہے کہ فقہ کی پیروی اور ائمہ کی تقلید ایک دوسرے سے متنی چیز ہے۔ یہ تو ایسے ہی ہوا جیسے مشرکوں نے ایک خدا کو چھوڑ کر بہت سے ”ارباب“ ٹھہرا لیے، نہ نئی کتاب اور رسول کی سنت کافی ہے۔ ائمہ کی تقلید شرک ہے۔ دوسرا اہمیت ہے اور کہتا ہے: رسول کی اطاعت ہی غیر خدا کی اطاعت ہے۔ سنت رسول بھی کوئی چیز نہیں بس اللہ کی کتاب کافی ہے۔ یہ منکرین کبھی تقلید کی نفی میں فقہاء ائمہ پر طعن و تشنیع کے تیر برساتے ہیں، کبھی سنت کی مخالفت میں محدثین اور کتب حدیث کو دفن کرتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو اجماع امت کا انکار کرتے ہیں۔ جس قدر انکار بڑھتا جاتا ہے آزادی کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے، عیاشی، نفس پروری اور ہوس پرستی کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں۔

کتب و سنت میں جو مسائل تفصیلاً مذکور ہیں وہ بہت کم ہیں، اصول و کلیات ضرور موجود ہیں۔ جن سے روز بروز جزئیات کے استخراج، استخراج کے لیے قانون سازی اور تفریع و تاویل کا بہت سا کام فقہاء ائمہ نے انجام دیا جماعت کے لیے ہمارے نور اور مشعل راہ ہے۔ اب اس کی روشنی میں یہ سہولت باہم ہو چکی ہے کہ ہر دور کے علما



اپنے زمانہ کے مسائل کا حل تلاش کر سکتے ہیں۔ مشکل کی ترویج، جمل کی تفصیل، عرسل کی تفسیر وغیرہ امور کی صلاحیت رکھنے والے علماء زمانے میں ہوتے رہیں گے اور دین کی خدمت سرانجام دیں گے۔ جیسا کہ علامہ مسلم شریف کی حدیث ”لا تزال طائفة من أمتی ظاہرین علی الحق حتی یاتی أمر اللہ“ سے یہ مضمون علمائے واضح کیا ہے۔

مگر جولوگ فقہاء و علمائے بے نیازی کے مدعی ہیں وہ ذرا ان سے خوش چینی کے بغیر صرف کتب و سنت سے عبادات، معاملات، معیشت، تمدن، حکومت، سیاست وغیرہ متنوع شعبہ زندگی کے جزئیات کی تفصیل پیش کریں۔ یقیناً وہ اس سے عاجز ہیں، بلکہ تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ ایسے لوگ دو راہ اختیار کرتے ہیں۔ پہلی یہ کہ کوفہ فقہاء و ائمہ کے اقوال تلاش کر کے دیکھتے ہیں کہ کون زیادہ آسان یا زیادہ منفعت بخش ہے۔ یا کون اہل حق و باطل، مزاج سے زیادہ قریب ہے، اسی کو لے لیتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے کتاب و سنت سے استفادہ کیا۔ حالانکہ انھوں نے فقہاء و علمائے مرقہ کیا۔ مزید یہ کہ فقہانے جو حکم بیان کیا تھا وہ ان کے اخلاص و اجتہاد پر مبنی تھا جس شخص نے وہی حکم لیا تو اخلاص و اجتہاد کے تحت نہیں بلکہ محض ہوائے نفس، راحت طلبی اور منفعت جوئی کے زیر اثر لیا۔ دوسری راہ یہ کہ اپنی بے نور عقل کا گھوڑا دوڑاتے ہیں، اور جو کچھ میں آیا بتا دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث میں تفصیل موجود نہیں، اور ان کے پاس علوم کی مہارت اور اجتہاد کی قوت بھی نہیں مگر ایک قوم کی پیشوائی کا سہرا باندھ کر نکل پڑے۔ اب یہ ہر شعبہ زندگی کے ہر باب کے ایک ایک مسئلہ کے بارے میں بتائیں تو کہاں سے بتائیں۔ اپنی عقل میں جو آیا کہہ دیا۔ اور اسی کی پیروی اپنی قوم پر لازم کر دی۔ دراصل یہ ائمہ کرام اور رسول اسلام علیہ وعلیہم السلام سے برگشتہ کر کے خود اپنے آگے جھکانے اور اپنی اطاعت کرانے کی تدبیر ہے۔

کہتے ہیں کہ کتاب کی اطاعت کرو۔ یا کتاب و سنت کی پیروی کرو۔ لیکن ظاہر ہے کہ جو قوم عربی زبان سے نااہل ہے وہ کتاب و سنت کی اطاعت کیسے کرے؟ ترجمہ دیکھ کر تو یہ دراصل معرجم کی پیروی ہے۔ نہ معلوم اس نے کہاں سے اور کیسے ترجمہ کیا۔ اس کی تقلید اور اس پر کامل اعتماد کے بغیر اس کے ترجمہ پر کار بند ہونا ممکن نہیں۔ پھر جس طرح اصل کتاب و سنت سے ان کے لیے تمام احکام کا استخراج ممکن نہیں صرف ترجمہ سے بھی ممکن نہ ہوگا۔ اسی طرح ان میں جو عربی زبان کے ماہر ہوں وہ بھی کتاب و سنت کی اصل زبان پڑھ کر اس سے جملہ احکام کے استخراج پر قدرت نہیں رکھتے۔ صحابہ کرام تو بیان رسول اور بیان مجتہدین کے محتاج تھے۔ آج کا کوئی ماہر ان سے بے نیاز کیسے ہو سکتا ہے؟ لامحالہ وہی ہو گا کہ جس کے بہکانے سے اس نے ائمہ کا دامن چھوڑا اسی کو نام نہا لے گا اور وہ جو کچھ بتا دے گا اسی کی تقلید کرے گا۔ اسی طرح جس نے رسول کی اطاعت سے بنایا اسی کو رسول کی

جس طرح بتائے گا اور وہ جو جوتا بتائے گا اسے ماننا چاہئے گا۔

یہ کہاں کی دانشمندی ہوئی کہ رسول کی اطاعت تو شرک سمجھی اور ایک عائی کی اطاعت کو ایمان بنالیا؟ یا ائمہ کی اطاعت کو تو شرک قرار دیا اور صدیوں بعد جنم لینے والے کسی نفس پرست کی غلامی کا قلاوڑ گردن میں ڈال لیا اور بزم خویش مست رہے کہ ہم تو صرف اللہ کے فرماں بردار ہیں، ہم محض خدا اور رسول کے مطیع ہیں، صرف کتاب و سنت پر مرجع و مآخذ ہے۔

جو شخص بھی ان چار اصول میں سے کسی ایک کا منکر ہو آپ اس کا پتہ لے لیں وہ اپنے نفس کا قلع ہو گیا اپنے سے بھی گھٹیا کسی دوسرے نفس پرست کا اطاعت شعار ہو گا۔ عام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے اور اگر یہ میسر نہ ہوتا تو ان صحابہ کرام کی تقلید کرتے جو علم و فضل، دانت و تقویٰ اور قوت اجتہاد و استنباط میں ان سے اعلیٰ و افضل ہوتے۔ اسی کی قرآن نے انھیں ہدایت دی۔ اسی طرح ہر زمانے میں غیر مجتہد افراد زیادہ رہے اور شریعت کے معاملے میں کسی مجتہد کی تقلید کرتے رہے۔ مگر جب آزادی کی ہوائی طوطی طرح طرح کے فرقتے پیدا ہوئے۔ نقد و قیاس اور تقلید ائمہ کے منکرین، اجراع امت کے منکرین، حدیث رسول اور سنت نبوی کے منکرین یہاں تک کہ قرآن کریم کے منکرین جو قرآن کو ”بیاض جلی“ اور ناقابل اعتبار بتاتے ہوئے ذرا بھی نہیں شرماتے۔

اور الیہ یہ ہے کہ یہ سب کلمہ گو ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے مستشرقین کا انکار اس سے مختلف ہے وہ تو سرے سے اسلام ہی کے منکر ہیں اس لیے وہ قرآن کو خدا کا کلام نہ مانتے، حدیث میں تنطیک کریں، ائمہ و فقہاء کو بے اعتبار ٹھہرائیں۔ علماء و صحفائے امت کو بیزار اور قتل کرکے، میرت رسول پر اعتراضات جزیں، اسلامی قوانین کو ہانڈا اور کنوڑ بتائیں۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کی عداوت میں کچھ بھی کریں حیرت انگیز نہیں۔ مگر کلمہ گو یوں کا قرآن کی تعلیمات اور رسول کے ارشادات سے انحراف حیرت انگیز بھی ہے اور اہم انگیز بھی۔ رب کریم مسلمانوں کی اخلاق و صیانت فرمائے۔

زیر نظر کتاب ”سنت کی انہنی حیثیت“ منکرین حدیث کے لیے دعوت حق اور سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے لیے سلامان بصیرت اور ذریعہ استقامت ہے۔ برادر محترم مولانا بدر القادری دام فضلہ نے بہت اختصار اور جامعیت کے ساتھ اس موضوع کے عہدہ برآ ہوئے کی کوشش کی ہے۔ یوں تو منکرین کے بے ہودہ خیالات، بے جا اعتراضات، غلط تاویلات، اور من مانی تفسیلات کی کی نہیں۔ سب سے قعرض ہو تو خیم و فتر بھی ناکافی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو طبقہ عہدہ صحابہ سے لے کر آج تک کی تمام موقر اسلامی شخصیات کو بے اعتبار سمجھتا ہو وہ خود کس

قدر امتنا کے قابل ہے؟ وہ علمائے اسلام کی ساری جدوجہد اور تمام دینی و ملی خدمات کو صفر کے درجہ میں شمار کر کے اور ہم اس کی ہر بات کو درخور اعتنا سمجھیں جب کہ وہ محض کافعی، مگر ایسی اور قصہ گوگری کی پیداوار ہیں۔  
ہاں اجمالاً اتنا جان لینا ضروری ہے کہ انھوں نے تمام اصول و آئندہ کو چھوڑ کر محض اپنی دماغی اور ذہنی اخراج کو کام بنایا ہے۔ جس سے دور رہنے میں ہی مسلمانوں کی سلامتی کا راز مضمر ہے۔ وَاللّٰهُ الْهَادِي لِلنَّسْوِ الْسَّيِّئِلِ۔

محمد احمد مصباحی

۲۲ صفر ۱۳۲۹ھ / ۲۲ جولائی ۱۹۹۵ء ایک شنبہ



## تقديم

۱۷ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۷ دسمبر ۱۹۲۰ء کو "جماعت رضائے مصطفیٰ" کا قیام عمل میں آیا، اور اس کا دینی، علمی اور عملی فیضان ایک عرصہ دراز تک سرزمین ہند پر اہل کرم بن کر رہتا رہا، اس کی تاریخ کا بڑا رقت انجیر اور عظیم الشان باب شدھی تحریک کا انسداد ہے، اگر اس کی خدمات کے خانے میں صرف یہی ایک کارنامہ برتاؤ ہی اسے بھانپنے کے لیے کافی تھا۔

بعض سرگرم مشرکین ہند نے یہ منصوبہ بنایا کہ مسلمانوں کو ہندو بنایا جائے، اس کے لیے انھوں نے سب سے پہلے ان علاقوں کا انتخاب کیا جہاں مسلمان دینی احکام سے بالعموم نابلد اور ہندو مذہم کے پابند تھے، ماضی قریب میں ان کے آباء اجداد نے اسلام قبول کیا مگر تعلیم کی کمی اور ماحول کی ہمساز گاری کی وجہ سے وہ نہ تو پورے طور پر شریعت اسلامیہ کے احکام و اعمال سے آشنا ہو سکے نہ ہی ہندو مذہم و عادت و اطوار کو مکمل طور پر ترک کر سکے، جن کی نسل کو یہ دعوت دی گئی کہ تمھارے باپ دادا کا پرانا مذہم ہندو تھا، تم اسلام میں داخل ہو کر پیچھے اور ناپاک ہو گئے اب پھر اپنے پرانے مذہم میں لوٹ کر شہاد اور پاک و صاف ہو جاؤ۔ بہت سی آبادیوں پر یہ جادو چل گیا اور وہ گمراہ و کاشکار ہو گئے، شدھی تحریک کو اپنی ابتدائی کامیابیوں پر بڑا حوصلہ ملا اور اس کے جوان ایک آبادی کے بعد دوسری، دوسری کے بعد تیسری کا رخ کرنے لگے اور بڑھتے گئے۔

اس بلاخیز طوفان کے مقابلے میں اترنے والے کوئی مسلم تنظیم نظر نہ آتی تھی، قومی لیڈر، دینی رہنما، علماء، خطباء اور اہل قلم سب کے پاؤں میں زنجیریں اور لہلوں پر مہر سکوت پڑی ہوئی تھی، عوام میں پیشتر کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے ماننے کے لیے تیار ہی نہ تھے کہ کوئی مسلمان بھی ہندو ہو سکتا ہے، جماعت رضائے مصطفیٰ کے معظم ائمہ رضی اللہ عنہم علامہ شاہ مصطفیٰ رضا قدس سرہ اس صورت حال پر تڑپ اٹھے، دل و دماغ کا سکون اٹھ گیا، مات و آرام غارت ہو گیا، مردانہ وار آگے بڑھے اور چند موثر علماء و علماء کو لے کر میدان کارزار میں کود پڑے، سب سے پہلے ان بستیوں کا رخ کیا جو رتہ در رتہ کے ہلاکت خیز جگہوں کی گرفت میں آچکی تھیں، لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دی تو یہ کرائی اور پھر اسلام میں داخل کیا۔ اس کے بعد ان آبادیوں کا رخ کیا جو شدھی تحریک کا نشانہ بننے

والی تھیں، جہاں ہندو راتوں، ہندو قوں، سپاہیوں اور ہر طرح کے ساز و سامان سے لیس ہو کر جاتے اور لوگوں کو دین سے برگشتہ کرتے، ایسے طاقتور جنگ کا بھی خطرہ ہوتا اور وہاں قدم رکھنا بڑا مشکل تھا، جماعت رضائے مصطفیٰ کے پاس حربی آلات اور جنگی ساز و سامان نہ تھے، مگر ایمان کی طاقت و قوت تھی اس لیے ایسے خطرناک مواقع پر بھی اس نے بڑھ کر مقابلہ کیا اور حق کا غلبہ ہوتا رہا۔

یہ جماعت مبارک کا ایک میدان عمل تھا، دوسری طرف آریوں کی جانب سے گمراہ کن انہلانات اور پھلت شائع ہوتے جن میں اسلام پر اعتراضات ہوتے ان کا جواب بھی جماعت نے اپنے ذمہ لیا اور قلمی مقابلہ بھی اہل باطل کو شکست دی۔

اس طرح کے بہت سے دینی و ملی امور جماعت سے وابستہ تھے جنہیں سرانجام دینے کے لیے جماعت نے ذیلی کمیٹیاں بھی تشکیل دے رکھی تھیں، وسائل اور سرمایہ کی ہمیشہ قلت رہی مگر کچھ جواں حوصلہ اور محیر مسلمانوں کے ذریعہ کام ہوتا رہا۔

جماعت کے کارنامے آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں اور موجودہ نسل میں حرکت و عمل کی گرمی اور ایمان و ایمان کی تازگی و توانائی بخشنے کے لیے ان کی اشاعت بہت ہی حوصلہ بخش، تہجد خیز اور مفید ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہماری ۵۰ سالہ نسل کی اکثریت جماعت کے کارناموں کی تفصیل سے ناواقف ہے، عزیز مراد مولانا شہاب الدین رضوی نے اس سلسلہ میں امام احمد رضا کا نفیس متفقہ لکھتے ہوئے ۱۳۳۳ھ کے سیمینار کے لیے ایک مختصر مقالہ لکھا جو میں نے بغور پڑھا، پھر عزیز موصوف کو خط لکھا کہ اس موضوع پر آپ تفصیل سے لکھیں، انھوں نے پرانے ذخیرے تلاش کیے، خاص طور سے جماعت کی رودادیں حاصل کیں اور ان کی روشنی میں یہ تاریخ مرتب کی، جس پر وہ ہم سب کی طرف سے خراج تحسین اور مبارک باد کے مستحق ہیں۔ ایک عربی شاعر علی بن جهم کے قول (و ذکر الفنی بالخیر عمر مجدد، جواں مرد کا ذکر خیر اس کے لیے ایک حیات نو کی حیثیت رکھتا ہے) کے تحت میں کہہ سکتا ہوں کہ انھوں نے اس تذکرہ سے جماعت کو ایک نئی زندگی اور حیات تازہ بخش دی ہے اور موجودہ نسل کے لیے عبرت و بصیرت اور حرکت و عمل کا نیا درس فراہم کر دیا ہے، ایک عبرت انگیز تاریخ جو داستان ہارینہ بن جحلی تھی آج پھر اپنی نئی تاب و توان کے ساتھ نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہے۔

میں بار بار یہ کہتا ہوں کہ ہمارے بزرگوں نے اپنے ادوار حیات میں بڑی بڑی خدمات انجام دی ہیں مگر ہماری غفلت شکاری اور حرام فحش بی بی رہی ہے کہ ہم نے بروقت ان کی تاریخ لکھنے کا اہتمام نہ کیا اور اگر کچھ تاریخ لکھیں مگر تو اس کی باضابطہ تدوین اور بار بار اشاعت و تجدید کی طرف توجہ نہ ہوئی، جس کے باعث بے شمار

کارنامے یا توفضائے بسیط کی امانت بن کر رہ گئے یا جنگی اخبارات و رسائل کی زینت بنے، پھر بوسیدہ اوراق اور منتقل الماریوں میں ان کا دم گھٹ کر رہ گیا، ابھی ہماری پرانی روش میں کوئی خاص تبدیلی نہیں اور موجودہ اکابر کے ساتھ بھی تقریباً وہی سلوک جاری ہے جماعتی کے بزرگوں کے ساتھ رہ چکا ہے۔

ہم میں سے ہر فرد کی یہ ذمہ داری ہے اپنی بساط بھر کوشش کرے اور جو کچھ مل سکتا ہے اسے منظر عام پر لائے، غفلتوں کا ماتم، کوتاہیوں پر حسرت، ایک دوسرے کی شکایت اور اپنے لیے اظہار براءت ہمارے درد کا دوا نہیں بن سکتا، ہر شخص ذمہ دار ہے اور برآدی میں بہت کچھ صلاحیت موجود ہے۔

ضرورت ہے کہ ہم میں بہت سے افراد "شہاب الدین" نہیں، اپنے وقت، محنت اور صلاحیت کا صحیح استعمال کریں، ایثار و اخلاص سے کام لیں اور اپنے ساتھ اپنے اسلاف، اپنی قوم اور اپنی نسل کے لیے بہت کچھ کرنے کا حوصلہ پیدا کریں، اس طرح ہر میدان کا خلا پُر ہو سکتا ہے اور کام بہت آگے بڑھ سکتا ہے، رب کریم ہمیں توفیق خیر سے نوازے۔ و هو المستعان و علیہ التکلیان، والصلاة والسلام علی حبیبہ مید الاکوان و علی آلہ وصحبہ ما تعاقب الملوان۔

محمد احمد مصباحی

رکن الجمع الاسلامی و استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور

۱۴ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ / مطابق ۱۳ جولائی ۱۹۹۵ء



## العلامة أحمد رضا خان القادري البريلوي<sup>(١)</sup>

أسرته: أسرته كانت من الأفغان، انتقل بعض أجداده إلى الهند في عصر المغول، ونال منصبا من الحكومة، وملك ضيعات وقرى، تبقى في أولاده إلى الآن. وبعض أجداده رغب عن وظيفة الحكومة إلى الرياضة والمجاهدة، والذكر وكثرة العبادة، وأصبح صنيعه سنة في أبناءه، وتحولت الأسرة من مسعى الأمراء والأثرىاء إلى مهج الزهاد والفقراء. وجدّه الشيخ رضا علي خان (ت ١٢٨٦هـ) كان من كبار العلماء والصلحاء، يقوم بالإفتاء، والإرشاد، والتصنيف، والتدريس. تلمذ عليه كثير من أهل بريلي، وأنشأ عليه كثيرا. وأبوه الشيخ نقي علي (١٢٤٦هـ - ١٢٩٧هـ) أيضا كان عالما شهيرا، صاحب فتاوى وتصانيف جلييلة. منها "الكلام الأوضح في تفسير سورة ألم نشرح" في نحو خمس مائة صفحة.

ولادته ونشأته: تولد الشيخ أحمد رضا ببلدة بريلي في العاشر من شوال سنة ١٢٧٢هـ المصادف ١٤ / يونيو سنة ١٨٥٦م، ونشأ في أسرة دينية، وبيئة صالحة، رباه جده وأبوه، ودرس بعض الكتب الابتدائية من المررا غلام قادر بك ثم أتم دراسته من أبيه ونُحِرَج عليه في ١٤ / من شعبان المعظم سنة ١٢٨٦هـ، وبعد ما فرج فوض إليه أموره الإفتاء، فكان يكتب ويعرض فتاواه على أبيه للتصويب والإصلاح حتى قال له الشيخ بعد سنوات لا تحتاج الآن إلى العرض، لكنه استمر في صيحه حتى توفي أبوه. وخلال قيامه بالإفتاء والتصنيف درس كتابا من الهيئة - وهو شرح ملخص اخغميني - على الشيخ عبد العلي الهياتي الرامغوري.

تبحره في العلوم: أخذ من أبيه العلوم المتداولة، وحصل كثيرا من الفنون

(١) كُتِبَ شأْنُهُمُ تَوْجِيزًا لِأَمْرِ رِضَا قَادِرِي رِضَا كَلِيدِي مَسْنِي، سَنَةِ ١٣٩٤هـ.

بدراسة ومطالعة بدون استاد، فحذق في الحساب، والهندسة، والجفر، والتكسير، والمناظر والمرايا، وعلم المثلث الكروي، والزيج، ونحوها مع نبوغه في العلوم الدينية، والأدبية. ومصنفاته في كل فن أقوى شاهد على تبحره بل إيماده كثيرا من القواعد والبادئ في مختلف الفنون. ابتكر عشر قواعد لمعرفة جهة القبلة من أي جزء من الأرض، وقال: قواعدنا في غاية الصحة حتى لو أزيلت الحجب لتجلى الكعبة من العيون بعد الاستخراج السديد من هذه الأصول. وقد نقل تلك القواعد تلميذه العلامة ظفر الدين أحمد البهاري في كتابه "توضيح التوقيت" وكتب قصة طريقة لعلماء عصره الذين كانوا يُعَذِّون من الفحول الأجلّة، لكن لما وجه إليهم بعض تلامذة الشيخ ظفر الدين سؤالا عن جهة القبلة أتوا بمصححات عجيبة، ولو اعتذروا واعترفوا بعدم معرفتهم ذلك الفن لسلّموا من تلك الأعاجيب، ولكن العجب يأتي بالعجائب. والعلامة ظفر الدين أحمد أخذ هذا الفن من العلامة أحمد رضا كما أخذ منه علوما كثيرة جعلته مرمزا على أقرانه.

ولا يخلو كتاب للشيخ أحمد رضا من إفادات بديعة، وابتكارات مدهشة، وإبرادات مشكلة، وحلول مستقيمة لم يسبق إليها. أما الفقه والكلام والعلوم الدينية فقد اشتهر نوعه فيها، وبلغ صيته الآفاق، واعترف به الأعداء والأصدقاء.

مذهبه وطريقه: كان من أهل السنة والجماعة، حنفي المذهب، قادري الطريقة، تابع على يد الشيخ آل رسول المارهوري سنة ١٢٩٤هـ ونال منه الإجازة والخلافة في السلاسل كلها وإجازة الحديث وغيره أيضا وكان شيخه من تلامذة الشيخ عبد العزيز المحدث الدهلوي صاحب تحفة الإثني عشرية، وغيرها من التصانيف العلية، كان شديد الاعتصام بالكتاب والسنة وسلف الأمة، راسخ الإتياع للرسول الكريم عليه أفضل الصلاة والتسليم وللصحابة والأئمة، قوي الحبّ بالغ الإجلال لهم، يثيره غضبا كل إساءة وإهانة تعرض لحضراتهم، فما كان يبيح المداينة في الدين، والمسالمة مع المبطلين، إلا أن يرتدعوا عن الأباطيل ويرجعوا إلى الحق المبين.

جهاده بالقلم: ردّ على النصاري، والهندك، والرافضة، والقاديانية،

والوهابية، والديوبندية، والندوية، والنياشرة وغيرها. وكلما ظهرت بدعة ردّ عليها حتى قال العلماء: إن كثيرا من المبطلين كان يمتنع من إعلان بدعته زمنًا طويلا مخافة من قلم الإمام أحمد رضا. وكذا كان شديد الإنكار على كل حرام ومنكر وسوء يظهر في المجتمع الإسلامي. وتصانيفه تزخر وتتدفق بالردّ على البدع والمنكرات التي راجت في عصره، أو ظهرت قبل زمانه.

والمبتدعة لما لم يتمكنوا من الرد عليه بحجة ودليل لجأوا إلى البهت والإفراء فقالوا: إنه يؤي الرسول بالرب الجليل، ويبيح السجود للصالحين أو لقبورهم، ويتصدى للرد على كل حركة إصلاحية، وأسما أهل السنة "بالبريلوية" لينخدع من لا يعرف حقيقة الأحوال والظروف، ويظن أن هذه فرقة جديدة. والحق أن الإمام أحمد رضا لم يعد عمامضى عليه الصحابة والتابعون، ومن بعدهم من أئمة الدين قدر شمر، ولم يخرج عن الدين الحنيف، والمذهب الحنفي قدر شعير. لكن المبطلين يلوذون بالإفك والإختلاق. ومصنفات الإمام أحمد رضا أكبر شاهد على كذب دعاياتهم. ومن راجعها وقف على نزاهته من جميع الافتراءات، وحظي بكثير من إفادات وإفاضات، وبحوث رائعات، وعلوم راقعات.

قد أتى عليه علماء عصره من الحرمين الشريفين، وأخذوا منه أسانيد الأحاديث، وقد جمع البروفيسور مسعود أحمد كثيرا من كلماتهم في كتابه "الفاضل البريلوي كما يراه علماء الحجاز".

**ذكر بعض مصنفاته:** قد كتب في نيف وخمسين فنا، وقال بعض الخيرة: "لم يكتب أحد ممن سبقه إلا في خمسة وثلاثين فنا" بلغت مؤلفاته ألفا، ما بين صغير وكبير. وله يدطولي في الإيجاز، وجمع المعاني الكثيرة في مباني قليلة، وقد بسطت ذلك في مقدمتي على كتابه جد الممتاز على رد المحتار (المجلد الثاني) مع إيوار الشواهد من نفس الكتاب. فرسانه القصيرة أيضا ذات مكانة عالية في البحث والكشف. كما سيرى القراء في ما بين أيديهم من رسالته. وهنا أعد بعض تصانيفه ليعرف الناظرون مناحي خدماته ومآثر حياته.

(١) العطايا النبوية في الفتاوى الرضوية. في اثني عشر مجلدا، كل مجلد يتجاوز خمس مائة صفحة كبيرة، ويقارب ألف صفحة. (٢) جد الممتاز على رد المحتار لابن عبدین الشامي. في خمسة أجزاء. وقد انتشر منها جزءان تحت إشراف المجمع الإسلامي بمبارك فور، أعظم جره، الهند. (٣) الصمصام على مشكك في آية علوم الأرحام - في الرد على النصارى. (٤) كيف كردار آریه - في الرد على الهنالك (٥) السوء والغاب على المسيح الكذاب - في الرد على القادياني (٦) وأصدر مجلة في الرد عليه باسم "قهر الديان على مرتد بقاديان" (٧) الجراز الدياني على المرتد القادياني (٨) ردّ برفضة (٩) الأدلة الطاعة في أذان الملاعة - في الرد على الشيعة (١٠) فتاوى الحرمين رخص ندوة المين (١١) الدولة المكيّة بالمادة الغيبة، في إثبات العلم بالغيب للأنبياء عليهم السلام (١٢) الفيوض الملكية لمحب الدولة المكية (١٣) إكمال الطاقة على ترك شؤي بالأمور العاقة (١٤) الزبدة الزكية في تحریم سجود التحية - قدم فيها وبعين حديقاً ومائة وخمسين نصاً من كتب الفقه على حرمة سجود التعظيم لأحد من الخلق (١٥) جمل النور في نهی النساء عن القصور (١٦) مروج النجا لخروج النساء جلي الصوت لتهي الدعوة أمام موت (١٨) اعتقاد الأحباب في الجميل والمصطفى والآل والأصحاب (١٩) منير العين في تعقيب الإبهامين - إضافة إلى نفس المسألة بشتمل على بحوث نادرة، وتحقيقات رائعة في علم الحديث (٢٠) حياة الموات في بيان سماع الأموات.

وله حواش جلييلة، وتعليقات أنيقة على كتب التفسير والحديث والفقه والسيرة وغيرها من العلوم والفنون، تمتاز حواشيه بأنها فيض خاطره، وما كان يفرغ لكتابتها كثير من المحشيين الذين إذا أرادوا كتابة حاشية على كتاب، جمعوا حولهم ذخائر من كتب وشروح وحواش، وأخذوا منها ونقلوا عنها ما أحبوا حتى تتكون حاشية ضخمة، وهذا أيضا عمل نافع، له قدره بل كان العلامة أحمد رضا إذا طالع كتابا ورأى بحثا عويضا، أوزللا من صاحب الكتاب، أو مسئلة تحتاج إلى زيادة الكشف والإيضاح. أو موضعا اختلفت فيه الأفكار والأقلام كتب هناك جملا يسيرة نتحل بها



العقد، ويدفع الرل، وتكشف العلل، ويتجلى الحق الأبلج، وهذا فضل لا يحضره كل من كتب الحواشي واشتهر بها.

وكان الشيخ يفرص الشعرايضاً بالعربية والفارسية والأردية، وله ديوان شعري مجلدين يسمى "حدائق بحثش" عني به أدباء الهند وباكستان وشعراءهما، وكثير حوله كثيرا من بحوث ومقالات، نقله بعض أفاضل الأزهر الشريف إلى العربية وسماه "بساتين العمران" يحتوي على حمد الله تعالى ومدح رسوله عليه الصلاة والسلام، ومناف أولياه ومثالب أعداءه، يزدان شعره بعواطف الحب والإجلال لله ولرسوله. ويملا قلوب المنشدين والمستمعين حنا وغراما، وإكراما وإعظاما.

وفاته: قد خدم الدين والعلوم والأمة طيلة حياته. عجز الباحثون عن الإحاطة بجوانب خدماته، ونوادير تحقيقاته وجلالات إفاداته. ولا يزال طبقة من المثقفين في الجامعات والكليات والمعاهد الكبيرة تكتب بحوثا ودراسات حول حياته وآثاره وصناعاته وخدماته. وانتقل الشيخ بعد قيامه بتلك الأعمال الباهرة إلى جوار ربه الأعلى في ٢٥ من صفر المظفر سنة ١٣٤٠ هـ المصادف ٢٨ / أكتوبر سنة ١٩٢١ م يوم الجمعة المبارك.

خلقه بحله الأكبر الشيخ حامد رضا خان القادري (ت ١٣٦٢ هـ) ثم بحله الأصغر الشيخ مصطفى رضا القادري المعروف بالمفتي الأعظم (ت ١٤٠٢ هـ) احتذا حذر أبيهما في خدمة الدين والعلم والقيام بالإفتاء والإرشاد، والذب عن الأمة المسلمة. رحمهما الله تعالى.

الكشف شافيا: كتب الشيخ سلامة الله الرامفوري رسالة باسم "اللولو المكنون في حكم كراموفون" وأرسلها إلى العلامة أحمد رضا البريلوي للتصديق. فكتب العلامة البريلوي رسالة مستقلة باسم "الكشف شافيا، حكم مونو جرافيا" (١٣٢٨ هـ) بالأردية، وطبعت مع رسالة الأستاذ الرامفوري أول مرة. ثم أناه ببريل من مكة المكرمة الشيخ السيد إسماعيل خليل حافظ كتب الحرم المكي في السابع والعشرين من شهر المحرم سنة ألف وثلاث مائة وثلاثين، فترجم له الرسالة بالعربية،

وكان مبحث الكلام الإلهي في المقدمة الثانية بالأردية إلى عبارة ميزان الشريعة الكبرى لكن المصنف أضاف إليها حين التعريب أبحاثا جلية فاستحسن السيد إسماعيل خليل أن يجعل هذه رسالة مستقلة، فزاد المصنف في صدرها حطبة موجزة، ليجعلها من شاء رسالة مفردة، وسماها بلحاظ التاريخ:

### أنوار المنان في توحيد القرآن (١٣٣٠ هـ)

كانت الرسالة في خزانة كتب المصنف رحمه الله تعالى ثم انتقلت إلى أحد أحفاده الأستاذ توصيف رضا القادري، فأخذ منه الحاج محمد سعيد الثوري، سكر بقر رضا أكاديمي، ممبائي، وحضلت منه صورة عكسية لها ثم راجعت إلى الأصل بعد النقل والنييض، وهي الآن بين أيديكم كاملة. وقد أفرزنا "أنوار المنان في توحيد القرآن" ولحقناها بالمعتمد المستند بناء نجاه الأبد (١٣٢٠ هـ) للإمام أحمد رضا القادري، شرح المعتمد المنتقد (١٢٧٠ هـ) للعلامة فضل الرسول البهلولي (ت ١٢٨٩ هـ) رحمهما الله تعالى. تعميما للنفع، وتنميما لمبحث الكلام المندرج في المتن والشرح المذكورين. والله الموفق لكل خير، والمانع عن كل ضير.

محمد أحمد المصباحي

عضو المجمع الإسلامي بمباركفور

والأستاذ بالجامعة الأشرفية - مباركفور

مديرية: أعظم جره. الولاية الشمالية. الهند

٢٨ محرم سنة ١٤١٨ هـ / ٥ يونيو سنة ١٩٩٧ م يوم الخميس



## تقديم

عام حالات یہ ہیں کہ "قدر نعمت بعد زوال" جب کسی شخصیت کی رحلت ہو جاتی ہے تو خیال ہوتا ہے کہ ان کا مقام بہت اہم اور خدمات بڑی وسیع تھیں، ان کے حالات و سوانح مرتب کرنا چاہیے۔ مگر زندگی میں کسی کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ ان کی خدمات، ان کے خطبات، حل اشکالات، اصلاح عبارات، علمی افادات، دعاوی و تعلقات، قیمتی نصاب و ملفوظات وغیرہ کا ریکارڈ رکھا جائے۔ اس کا شکوہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی اپنے سفر حج کے تذکرے میں کیا ہے۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ کبھی اکابر کے ساتھ ان کی زندگی میں ہمارا کسی سلوک رہا۔ اور اب بھی ہم اسی روش کے پابند ہیں۔

بعد وصال سوانح و حالات لکھنے میں یہاں تک دشواری ہوتی ہے کہ تاریخ پیدائش، ولادت اور خاندان، احباب و متعلقین، ابتدائی اساتذہ وغیرہم کا کبھی پوری طرح علم نہیں ہو پاتا۔ اور کبھی بہت سے گمشتے تاریک فخر آتے ہیں جن پر زندگی میں روشنی ڈالنا آسان تھا۔

میں نے اپنی اس غلط کا تذکرہ اپنے احباب و متعلقین سے بارہا کیا۔ پہلی بات کی طرف تو اب بھی ہمسایہ کوئی توجہ نہیں مگر دوسری بات سے متعلق یہ پیش رفت سامنے آئی کہ چند سال قبل عرس حافظات کے موقع پر "شارح بخاری" کی حیات و خدمات پر جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے طلبہ نے لائق تحسین مقالات لکھے اور علمائے کرام نے اپنے تاثرات بیان فرمائے۔

اب مولانا عبدالحق رضوی، الحاج محمد سعید نورانی اور دیگر احباب کو خیال آیا کہ نزہۃ القاری شرح بخاری کی تکمیل پر باضابطہ جشن کا انعقاد ہو اور شرح بخاری و شارح بخاری سے متعلق علماء دانشوروں اور دیگر اہل تعلق کو دعوت تحریر و سخن دی جائے تاکہ جو حالات آج محفوظ ہو سکے ہیں کم از کم وہ ضائع نہ ہونے پائیں۔ بحمدہ تعالیٰ اس منصوبے کے تحت کام کا آغاز ہو گیا ہے۔

مبارک پور میں اس موضوع کی پہلی نشست میں راقم نے یہ رائے پیش کی کہ ایک مختصر تعارف جشن سے پہلے مکمل ہو جانا چاہیے تاکہ جشن میں مدعو ہونے والے ناواقف حضرات بھی متعارف ہو کر شریک ہوں اور

نہ تاثرات بھی پیش کر سکیں۔ اس تعارف کو عربی، انگریزی، ہندی، گجراتی میں بھی منتقل کر دیا جائے تو اس کی حدیث اور زیادہ ہو سکتی ہے۔ شرکائے نشست نے یہ رائے قبول کی۔ اور اس کے لیے براہ گرامی مولانا حسین احمد مصباحی کی خدمات حاصل کرنے میں کامیابی مل گئی۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

دیگر زبانوں میں اسے منتقل کرنے کے لیے کوئی پیش رفت ابھی تک نہ ہو سکی جس کا ایک سبب یہ ہے کہ سوانح پڑھتے ہی کیپوٹر کے حوالہ ہو گیا۔ پھر پروف ریڈنگ اور نظر ثانی وغیرہ کے مرحلے سے اس کو رخصت ہی میں مل رہی ہے کہ کسی اور ہاتھ میں جا سکے۔ مگر جانا چاہیے اور بہت جلد تاکہ یہ تعارف عام سے عام تر ہو سکے۔

اس تعارف کا تعارف میں کیا کراؤں۔ شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دام ظلہ کی عظمت و اہمیت انہوں ہی نہیں غیروں کو بھی تسلیم ہے اور میں تو ان کے خوان علم کا ایک خوشہ چیں ٹھہرا۔ لیکن چند باتیں ذرا کر دینا چاہتا ہوں کہ ان کی ذات میں خاص طور سے محسوس کیں۔

(۱) دینی و ملی غیرت و احساس ان میں معاصرین سے زیادہ دیکھتا ہوں۔ جب بھی اسلام و سنت یا اکابر و اہل بیت پر کوئی حملہ آور ہوتا ہے تو وہ بے تاب ہو جاتے ہیں اور اس کے دفاع کے لیے اپنی ممکنہ تدبیریں بے باز نہیں آتے۔

(۲) علم میں وہ رسوخ حاصل ہے کہ جب کسی خاص موضوع پر لکھنے یا بولنے پر آتے ہیں تو بہت جلد اس نے تمام گوشوں کا احاطہ و استحضار کر کے پھر پوری روشنی ڈالتے ہیں۔

(۳) قیمتی جزئیات کا استحضار، حالات زمانہ پر نظر، سائنس کے فکر و مزاج سے آگاہی، بعض سائنسوں کی پہچان، عیاری سے باخبری اور دیگر لوازم سے آراستگی ایسی ہے کہ زمانہ دراز سے فتویٰ کا برجستہ املاکراتے ہیں۔ بچنے اور بڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ بہت ہی مناسب اور بر محل جواب دیا گیا ہے۔ جو کسی ماہر مفتی کا قیمتی قلم ہے بالکل غور و خوض اور محنت و تیاری کا ثمر ہے۔

(۴) جماعت اور اداروں کے احوال پر بھی نظر رکھتے ہیں اور اپنے طویل تجربات کی روشنی میں بڑی قیمتی رائے اور اصلاحیں دیتے ہیں۔

(۵) اصلاح و تربیت کا بھی خاص ملکہ رکھتے ہیں۔ اور اہل تعلق کو مناسب ہدایات و تنبیہ سے برابر نہاتے سناٹے دیتے ہیں۔

(۶) غرض دراز تک تدریس، اہل تبلیغ و تقریر کا جو وسیع تجربہ ہے اس میں انفرادیت کے ساتھ تحریر و تفسیر خصوصاً سرعت تحریر اور حسن تفہیم میں یکساں زمانہ ہیں۔ مولانا تعالیٰ ان کا سایہ دراز فرمائے۔

زیر نظر کتاب میں شارح بخاری کی زندگی کے مختلف گوشوں کو اجمالی طور پر سمیٹنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ عنوانات کی فہرست پر سرسری نظر ڈالنے سے بھی اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس اختصار، جامعیت اور بڑی آفرینی کے ساتھ ان موضوعات سے عہدہ برآ ہونا سب کے بس کی بات نہیں۔ پڑھنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ مولانا نے محض تقاضا نہیں اتارا ہے بلکہ عقیدت سے سرشار ہو کر بڑی امگ کے ساتھ لکھا ہے۔ اگاہ کے ساتھ اسی جذبہ عقیدت کی ضرورت ہے جو اس زمانے میں کم یاب ہوتا جا رہا ہے۔

نمونہ فتاویٰ اور نمونہ مضامین کا اضافہ بھی بہت خوب ہے۔ اس کا نقد فائدہ یہ ہے کہ قاری ان تحریروں کے ذریعہ شارح بخاری کی شخصیت سے براہ راست متعارف ہو سکتا ہے۔ ان کے علمی و فکری مقام، دینی جذبات اور قلمی اسلوب سے آشنا ہو کر غلی وجہ ابھیرے خود بھی ان کے بارے میں کوئی رائے قائم کر سکتا ہے۔ تصانیف پر تبصرہ بھی بہت جامع اور دل چسپ ہے۔

اب کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے زیادہ دیر تک حائل رہتا مناسب نہیں، ورق الٹیں اور خود دیکھیے: ملک آنت کہ خود ہوید نہ کہ عطار گوید

محمد احمد مصباحی

الجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور

۱۰ ربیع الآخر ۱۴۲۰ھ / ۲۳ جولائی ۱۹۹۹ء



## ہدایات برائے طلبہ

(۱) یاد رکھیے الفاظ پر ہی اتکا کر س بلکہ اس سے صرف انداز بیان سیکھیں اور شخصیت و موقع کی مناسبت سے اچھے القاب و کلمات خود بنالیں۔

(۲) اگر یاد کرنا ضروری ہو تو اپنی طبیعت کے مطابق اشعار اور جملوں کو منتخب فرمائیں مگر مناسب موقع پر ہی استعمال کریں۔

(۳) وقت کم ہو، افراد زیادہ ہوں تو جامع اور مختصر تعارف سے کام لیں خصوصاً بارہ، ایک سچے شب میں زیادہ اختصار ملحوظ رکھیں۔

(۴) تعریفات و القاب میں اس بات کا خصوصی خیال رکھیں کہ جیسی شخصیت ہو ویسی ہی تعریف و توصیف ہو۔

(۵) کتاب میں بعض القاب و تعارف بہت اہم اور بزرگ شخصیات ہی کو د نظر رکھ کر لکھے گئے ہیں، ایسا ہو کہ وہ ان لوگوں کے لیے آپ استعمال کر ڈالیں جن پر منطبق نہ ہوں اور تضحیک کا سبب بن جائیں۔

(۶) حتی الامکان ایسی کوئی بات نہ بولیں جو شخصیت یا تقریر سے میل نہ کھائے اور مدح کے بجائے ذم کے رہے میں قرار پائے۔ کہا گیا ہے: مَنْ مَدَّحَكَ مَخَالِيسُ فَنِيكَ فَقَدْ ذَمَّكَ۔

ترجمہ: جس نے تیری تعریف ایسی چیز سے کی جو تجھ میں نہیں ہے تو بلاشبہ اس نے تیری مذمت کی۔

(۷) جلسہ کی کاروائی دیے گئے وقت کے مطابق جلد سے جلد شروع کریں اور ”اے تعریف لائیے“ جیسے جملوں کی تکرار میں وقت برباد نہ کریں۔

سامعین اس کے منتظر رہتے ہیں کہ جلسہ شروع ہو جائے یا خصوصی نعت خواں یا مقرر کی باری آجائے تو میں۔ اس لیے آپ سامعین کا انتظار کرنے کے بجائے تلاوت قرآن پاک اور حمد و نعت سے فوراً آغاز کرادیں یا خصوصی مقرر و نعت خواں حضرات کو سامعین تک جلد سے جلد پہنچانے کی کوشش کریں۔ اسی میں وقت کا نقطہ ہے اور طے کی کامیابی بھی۔

(۸) اس بات کی بھرپور کوشش ہو کہ مناسب وقت پر جلسہ کا آغاز و اختتام ہو اور نماز جماعت کی ادائیگی

میں کوئی خلل ہرگز نہ ہو۔

زیر نظر کتاب کے بعض صفحات میں نے دیکھے۔ اس میں مولانا محمد شبیر عالم معصیاتی نے نکاحات مسلمانوں کے انداز اور طریق کار سے روشناس کرانے کی پوری کوشش کی ہے۔ خدا کرے ان کی یہ کاوش بار آور ہو اور وہ اس سے بخوبی استفادہ کر کے اس فن میں بھی کامیابی حاصل کریں۔ وهو المستعان و علیہ التکلیف۔

محمد امجد معصیاتی

۱۸ صفر ۱۴۳۱ھ / ۲۳ مئی ۲۰۱۰ء



## تاثر گرامی (۱)

باسمہ تعالیٰ و تقدس..... حامداً و مصلیاً

حضرت مولانا سید سعادت علی قادری مدظلہ سے میرا خاتمانہ تعارف ہے۔ قدرت نے انہیں ایک دردمند دل عطا فرمایا ہے جو امت مسلمہ کی خیر و فلاح کے لیے فکر مند رہتا ہے۔ اپنے دعوتی و اصلاحی مزاج کے خوش نظر موصوف نے متعدد کتابیں لکھی ہیں اور برابر لکھ رہے ہیں۔ زیر نظر کتاب بھی ان کے دعوتی مزاج کی آئینہ دار ہے، جن آیات کریمہ میں ”یا ایھا الذین امنوا“ فرما کر خطاب آیا ہے یہ ان کی توفیق و تشریح پر مشتمل ہے۔ یقیناً رب تعالیٰ نے اپنے ایمان دار بندوں کو جن ہدایات و تعلیمات سے نوازا ہے وہ بہت اہم ہیں اور صدق ایمان کا تقاضا ہے کہ ان پر پوری طرح عمل کیا جائے۔ عمل سے پہلے علم ضروری ہے، اس لیے ان ہدایات کی توفیق و تشریح کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے مولانا نے قلم اٹھایا اور معارف کا ایک موج زن سمندر یا احکام و اسرار کا ایک منہج گراں پایہ صفحات قرطاس پر رکھ دیا۔ میں نے جت جت کچھ اوراق دیکھے اور موصوف کے نامحانہ و اعطافانہ اور دل نشیں اسلوب اور تنقیدی جدوجہد سے متاثر ہوا۔ ایسی جلیل الشان علمی و فکری کاوش مجھ سے جیسے بے مایہ و گمنام انسان کی تعریف و تعارف کی محتاج نہیں۔ صرف تعمیل حکم کے تحت چند سطور لکھ دیں۔ خدا کرے یہ لوگوں کے لیے زیر پند ہدایت و نجات ثابت ہو اور مقبول خدا اور رسول و مقبول خواص و عوام ہو۔

محمد امجد معصیاتی

[استاذ جامعہ اشرفیہ، مہارک پور، رکن الجمع الاسلامی، مہارک پور]

۸ ربیع الثور ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۳ جون ۲۰۱۰ء، سہ شنبہ

تقریظ جلیل<sup>(۱)</sup>

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی استاذ ادب جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی کتاب ”اصول حدیث“ نظر سے گزری، اس کتاب میں انھوں نے اصول حدیث بہت عمدہ ویرایے میں بیان کیے ہیں، اس کی اصل زمین انھوں نے مقدمہ شرح حقیق مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) کو بنایا، بلکہ ابتدائی اس کے ترجمے پر آکٹا کا لہرہ کیا، مگر بعد میں دیگر کتب اصول سے استفادہ کرتے ہوئے کافی معلومات کا ذخیرہ جمع کر دیا۔

یہ کتاب درجہ مولوی و عالم کے علاوہ فاضل کے طلبہ کے لیے بھی کا نام ہے اور حدیث کا مطالعہ کرنے والے عام طلبہ و قارئین کے لیے بھی بہت نفع بخش ہے۔

اسے زیادہ جامع، نہایت مفید اور عام فہم بنانے کے لیے مولانا نے کافی تلاش و جستجو اور محنت و مشقت سے کام لیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی اس دینی و علمی خدمت کو قبول فرمائے اور اسے نافع خاص و عام اور مقبول نام بنائے۔

محمد احمد مصباحی

صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور  
۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ / ۲۱ جولائی ۲۰۰۲ء

شب روشنبہ

تقریظ جلیل<sup>(۱)</sup>

مبسملاً وحامداً ومصلياً

یہ پریکٹس کا دور ہے۔ جس کے بل پرچ کو چھپانے اور جھوٹ کو ہار کرانے کا کاروبار بنے منظم کرنے پر ہو رہا ہے۔ امریکہ سے لے کر انڈیا تک اس میدان میں باطل پرستوں کی ٹولیاں اپنے اپنے حلقہ المارغ کے لئے قش قش نظر آئیں گی۔ اور زیادہ تر جموں اور باطل حریفوں کی اسادی کا سپر اس کی ستم پیشہ یہودی یا فرنگی کے مرہوت ہے جس سے روحانی ولادت پر تعلق رکھنے والے سیکہ سیکہ کراسی ڈگر پر چھنی چیم کوشش میں مبتلا رہتے ہیں۔

ان ہی پریکٹسوں میں سے اہل باطل کا ایک پریکٹس یہ بھی ہے کہ مسلمانوں میں تفریق کا کام بریلی کی مرزبین سے مولانا احمد رضا بریلوی کے ہاتھوں شروع ہوا۔ اس جھوٹ کی اشاعت اس قدر کی گئی ہے کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے بہت سے سادہ لوح لوگوں نے اسے سچ مان لیا ہے۔ ان کے پاس نہ اپنی ذاتی تحقیق ہے نہ اس کی فرصت۔ مگر اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کو اور ہر انصاف پسند کو یہ معلوم ہو گا کہ حقیقت کیا ہے؟

اس میں ناقابل تردید دلائل و شواہد کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں شیعہ و سنی کا اختلاف زمانہ ہے اور سنیوں میں جو تفریق ہوئی ہے وہ بریلی سے نہیں بلکہ دہلی سے ہوئی ہے۔ یہاں کے اور دیگر ممالک کے اہل سنت ایک تھے۔ نجد میں کتاب التوحید اور ہند میں تقویۃ الایمان کے ذریعہ وہاں پھر اس کی شاخ دیوبندی کے نام سے ایک فرقہ جنم دیا گیا جو اپنے یوم پیدائش سے لے کر آج تک قدم مسلک اہل سنت کے کامیوں سے بریں پڑا ہے۔ جھوٹ اور فریب کا ایسا دلدادہ اور عادی ہے کہ خدا کو بھی بالادکان جھوٹا اور عیب دار بناتا ہے۔

عزیز شہزادی مولانا مبارک حسین مصباحی کو رب تعالیٰ جزائے خیر سے نوازے کہ انھوں نے اس طرح کے کر و فریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے مبسوط مقالات لکھے جن میں بعض جہت جہت میں نے بھی دیکھے۔ آج جہد بالسیف تو نا پید ہی ہے جہاد بالقلم بھی کم ہوتا جا رہا ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ إذا ظہرت الفتن.

أولیدع. ولم یظہر العالم علمہ فعلیہ لعنة الله والملائكة والناس أجمعین. أو کما قال ﷺ. جب فتنے اور گمراہیاں ظاہر ہوں اور عالم اپنا علم چھپائے رکھے تو اس پر اللہ اور فرشتوں اور انسانوں



سب کی لعنت ہے۔ اور فرمایا: لا ایل الا اللہ بک وجلا خیر مما طلعت علیہ الشمس۔ مجلس  
ذریعہ کسی ایک شخص کو ہدایت نصیب ہو جائے تو یہ تمہارے لیے روئے زمین کی حکومت سے بہتر ہے۔  
مولانا تعالیٰ اس کتاب کو واقع فتن اور ہادی راہ سن بنائے۔ مصنف کے علم و قلم اور ارشاد و عمل میں دیکھیں  
نصیب فرمائے اور صحت و قوت اور عافیت کے ساتھ خدمت دین متین سے ہمیشہ وابستہ و سر فراز رکھے۔  
اس کتاب پر برادر گرامی مولانا یحییٰ اخضر مصباحی نے ایک عالمانہ اور دقیق مقدمہ تحریر فرمایا ہے جس کے  
بعد میری خامہ فرسائی کی کوئی ضرورت نہ تھی مگر مولانا مبارک حسین کے مسلسل اصرار پر یہ چند سطور لکھنی  
پڑیں۔ مولیٰ تعالیٰ ہم سب کو توفیق خیر سے نوازے۔ اپنی اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ و محمد و سلم کی  
رضا و خوشنودی کے کاموں میں لگائے اور ہر طرح کے شرور و فتن سے محفوظ و مامون رکھے۔

محمد احمد مصباحی

۱۳/ رجب ۱۴۲۳ھ / ۲۱/ ستمبر ۲۰۰۲ء



### پیغام<sup>(۱)</sup>

بسملاً و حامداً و مصلیاً

حضرت احسن العلماء سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں قدس سرہ کے وصال کے چند ماہ بعد ہی ان کے خلیفہ  
شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رضی اللہ عنہ نے یہ پروگرام بنایا کہ ماہنامہ اشرفیہ کا "سیدین  
نمبر" شائع کیا جائے جس میں سید العلماء حضرت مولانا سید شاہ آل مصطفیٰ قدس سرہ اور ان کے برادر خرد حضرت  
احسن العلماء قدس سرہ کے حالات و سوانح خوش کیے جائیں۔

اس منصوبے کے مطابق کام کا آغاز ہو گیا۔ حضرت مفتی صاحب نے خود بھی مبسوط مضمون لکھا اور دیگر  
بزرگوں اور اہل قلم سے رابطے کے لیے مدیر اشرفیہ مولانا مبارک حسین مصباحی کو مامور کر دیا۔ بہت سے مضامین  
تکما ہو گئے۔ مگر حضرت مفتی صاحب کی رحلت کے بعد اس کام میں قفل آ گیا اور پہلے بھی کچھ خاص مضامین کے  
انتظار میں دیر ہوئی۔ شخصیات کی حیات میں ان کے سوانحی نقوش جمع کرنے میں بے توجہی ایک عام روش ہے جس  
کا غیازہ بعد میں بھگتنا پڑتا ہے کہ جو معلومات و حالات زندگی میں کاسافی فراہم ہو سکتے تھے بعد میں برسوں تلاش و  
جتنوں کے بعد بھی کما حقہ دستیاب نہیں ہوتے۔ اس صورت حال سے ہمارے "سیدین" علیہما الرحمہ کی شخصیتیں  
بھی مستثنیٰ نہیں۔ اس لیے جو کچھ جمع ہو سکا ہے اس میں بھی مدیر موصوف کو کیا کچھ زمیں اٹھانی پڑی ہوں گی ان کی  
تفصیل وہی بتا سکتے ہیں۔

رب کریم حضرت شارح بخاری کے درجات بلند فرمائے، مولانا مبارک حسین مصباحی کو جزائے خیر سے  
نوازے، خانوادہ برکات کے بزرگوں اور احباب و متوسلین کا سایہ کریم دراز فرمائے کہ بھی حضرات کی توجہات اور  
سائی جلیلہ سے یہ قبیح اور شاندار نمبر منظر عام پر آ رہا ہے۔ امید ہے کہ مدتوں اس سے استفادہ ہوتا رہے گا۔

میں پیشیان اور شرمندہ ہوں کہ اس نمبر کے لیے کئی جہت سے مجھے حصہ لینا چاہیے تھا مگر انکسار و مشاغل  
کے جھوم نے یہ حالت بنا دی ہے کہ مدیر گرامی کے اصرار پر بہت شرمندگی اور افسوس کے ساتھ چند بے ترتیب  
سطروں پر قناعت کی نوبت آگئی۔ جو لوگ قریب سے دیکھنے والے ہیں وہ میری مجبور یوں کو اچھی طرح جانتے

ہیں۔ رب تعالیٰ مجھے معاف فرمائے اور توفیق خیر سے نوازے۔

آخر میں مدیر اشرافیہ، جملہ اہل قلم اور تمام معاونین کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ ان کی کاوشوں کے محنت سے ہمیں اور بہت سے متوسلین و محبین کو کوئی دو عظیم شخصیتوں سے بڑی حد تک روشناس ہونے کا موقع فراہم ہو رہا ہے۔ یہ بھی عرض ہے کہ یہ نمبر کوئی حرف آخر نہیں ہے۔ اہل عقیدت اور اہل ہمت کے لیے عمل کی دنیا کشادہ ہے۔ مزید کاوشیں بہت سے تشنگوشوں کو سراپ کر سکتی ہیں۔ واللہ الموفق لكل خیر۔

محمد احمد مصباحی

خادم الحیاسۃ الاشرافیہ مبارک پور

۱۳ رجب ۱۳۲۳ھ مطابق ۲۱ مئی ۱۹۰۴ء



## تقریب<sup>(۱)</sup>

بسم الله الرحمن الرحيم  
حامداً ومصلياً

قرآن مقدس نے جہاں شرک سے دوری اور توحید پر اعتقادات کی دعوت دی وہیں رسالت کے قرار اور انبیاء و رسل کی تعظیم و توقیر کا بھی حکم دیا اور سید الانبیاء علیہ وعلیہم السلام سے متعلق تو قرآن کریم میں نہایت روشن اور شہادت موجود ہیں جن میں ان کی تعظیم کی تاکید کی گئی ہے اور توہین پر صاف کافر قرار دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو درج ذیل آیت کریمہ کی تفسیر:

قُلْ اَللّٰهُ وَاٰلِهٖٖ وَرَسُوْلُهٗ كُنْتُمْ تَسْتَفْهِمُوْنَ ۚ لَا تَقْتُلُوْا رُوْسًا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اٰلَمَانِكُمْ ۚ

تم فرماؤ، کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے جتنے ہو، پہلے نہ بتاؤ، تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر۔<sup>(۲)</sup> جملہ صحابہ کرام اور بعد کے ائمہ اسلام ہمیشہ خدا کی توحید کے ساتھ رسول کی تعظیم پر بھی کار بند رہے مگر بارہوی صدی ہجری کے اخیر میں نجد سے اور تیرہویں صدی کی چوتھی دہائی میں دہلی سے ایک نیا مذہب اٹھا جس میں توحید کی آڑ لیتے ہوئے تعظیم رسول کو شرک قرار دیا گیا اور یہ ذہن بنایا گیا کہ "صرف خدا کو مانو اور کسی کو نہ مانو" اس کے نتیجے میں ہر ایسا کام نگاہوں میں کھٹکتے نگاہوں میں رسول اکرم ﷺ یا انبیاء اولیاء کی تعظیم نظر آتی اسے روکنے اور اسے توحید کے منافی ٹھہرانے کی سرگرم کوشش شروع ہو گئی، اسی لیے محفل میلاد اور قیام عظمیٰ کو بھی جہاد قرار دیا گیا اور اسے کھنڈنا کا جنم منانے سے تشبیہ دی گئی، علم رسول کو جانوروں، پانگوں جیسا کہا گیا، علم شیطان کو زیادہ، علم رسول کو کم بتایا گیا، ختم نبوت میں سرکار کی انفرادیت ختم کرنے کے لیے خاتم النبیین کے نئے معنی گھڑے گئے اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی نئے نئے کاآنا ممکن کہا گیا۔ اس ماحول میں مرزاے قادیان نے آگے بڑھ کر اپنی نبوت کا دعویٰ بھی کر ڈالا اور اپنے قیامین کا ایک گروہ بھی بنالیا۔ علمائے حق نے ان فتنوں کا ان کے اٹھنے کے ساتھ ہی مقابلہ کیا۔ اور مسلمانوں کا دین و ایمان بچانے کی خاطر ہر طرح جدوجہد کی۔ اعلیٰ

(۱) اصول ہندو، ملاحہ شریعت، علی گھڑی، طلبہ درجہ دوم، جامعہ اشرفیہ، ۱۳۰۳ھ

(۲) پ: ۱۰، ع: ۱۴

(۳) سنن ترمذی

حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی ان فتوؤں کا ذکر کرتے ہوئے ان کے شرعی احکام واضح کیے جو ۲۰۰۰ھ میں المستند المعتمد کے اندر شائع ہوئے۔ وہ ۱۳۳۳ھ میں علماے حریم کے سامنے پیش ہوئے، انھوں نے بھی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے فتاویٰ کی تصدیق و تائید کی۔ ان کی تصدیقات کا مجموعہ حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین کے نام سے اسی دور میں منظر عام پر آیا۔ پھر شیر بیچہ اہل سنت مولانا حشمت علی قادری لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے حسام الحرمین پر برصغیر کے ڈھائی سو سے زیادہ علما کی تصدیقات جمع کر کے الصوامر الہندیہ کے نام سے آج سے اتنی (۸۰) سال قبل ۱۳۲۵ھ میں شائع کیں۔ پھر اس کے کئی ایڈیشن منظر عام پر آئے۔ لیکن ادھر تقریباً تیس سال کے اندر ہندوستان میں اس کا کوئی نیا ایڈیشن نہ آ سکا۔

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے درجہ سادسہ ۱۳۲۵ھ کے طالبہ کی کوششوں سے اب اس کی نئی اشاعت عمل میں آرہی ہے۔ مولانا قاضی انیس جزائے خیر سے نوازے اور مزید دینی، علمی، قلمی، لسانی خدمات کی توفیق جلیل مرحمت فرمائے اور دارین کی سعادتوں سے سرفراز رکھے۔ وہو المستعان وعلیہ التکلیل۔ وصلی اللہ تعالیٰ وبارک وسلم علی حبیبہ الأفاضل الأکرم وعلی آلہ وصحبہ اولی الفضل والفیض والجلود والعطاء والکرم۔

محمد احمد مصباحی

صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ

مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ ۱۸ جولائی ۲۰۰۴ء



## تقدیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً ومصلياً

جہاں تک مجھے یاد آتا ہے حافظ ملت پر پہلا مضمون حضرت بحر العلوم مفتی عبداللہ انصاری مدظلہ کے قلم سے غالباً ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا جس کی تقریب یہ تھی کہ ماہ نامہ پاسان الہ آباد کے لیے معارف حدیث کے عنوان سے حافظ ملت ایک مستقل مضمون پابندی سے لکھا کرتے تھے۔ مدیر پاسان مولانا مشتاق احمد نظامی کا ارادہ ہوا کہ ان مضامین کو یکجا کتابی شکل میں مکتبہ پاسان سے شائع کر دیا جائے۔ اس خیال کی تکمیل کرتے ہوئے انھوں نے معارف حدیث کو یکجا کیا، خود اس پر پیش لفظ لکھا اور مقدمہ و تعارف مصنف، حضرت بحر العلوم نے تحریر فرمایا۔ وہ اس کے لیے زیادہ موزوں بھی تھے۔ حضرت نظامی صاحب نے مجاہد ملت علیہ الرحمہ پر بھی ایک مضمون ان کی حیات میں خود لکھ کر پاسان میں شائع کیا تھا۔ ان کا یہ اقدام ان حضرات کے تصور سے آگے تھا جو سہم ہزاروں اور چیشواؤں سے متعلق بھی ان کی حیات میں قلم اٹھانے کا قصد نہیں کرتے، جب کہ زندگی ہی میں ان کا تعارف عام ہو تو بہت سے ناواقفوں کے لیے ان کی دید و شنید اور استفادہ و استفادہ کی راہ کھل سکتی ہے۔ اور معمولی واقفیت رکھنے والوں کو بھی ان کی عظمت و اہمیت کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔

حافظ ملت مدظلہ کی حیات میں ان کی ایک مقبضت ۱۹۷۱ء میں سنی جود کٹر فضل الرحمن شرر مصباحی نے فارسی میں لکھی اور ایک طالب علم لادن اللہ بلیاوی نے انجمن اہل سنت اشرفی دارالطالعہ مبارک پور کے جلد عید میلاد النبی ﷺ میں حافظ ملت کی موجودگی میں پڑھی۔ اس کا ایک شعر یہ تھا جس میں مختلف دیار و اصمار سے طالبان علم کو تھاکرنے پھر انھیں علم و فن سے آراستہ کر کے مختلف اکناف و اطراف میں خدمت دین کے لیے بھیجنے کی طرف شاہد اشارہ بھی ہے۔

اول اول جمع کردی ہوئے بے ترتیب دا

آخر آخر اہل شمیمے دا پریشان کردہ ای

حضرت کی زندگی میں اس نظم کی اشاعت نہ ہو سکی، بعد وصال "اوراق گل" مرتبہ مولانا اہلم بستوی نے کچھ حذف و اضافہ کے ساتھ شائع ہوئی۔ پھر مولانا بدر القادری نے ایک لمبی نظم لکھی اور مئی ۱۹۷۲ء میں تعلیمی کانفرنس کے موقع پر شائع کی اور کانفرنس میں خود پڑھ کر سنائی۔ اس کے کچھ اشعار یہ ہیں:

یہ کون اٹھا ہندوستانی کی زمیں سے  
علم اور حقائق کی سنبھالے ہوئے قدم  
سدرہ کے مکیوں سے سادہ نے اک راز  
ہونے کو ہے اب آرزوے شوق کی تکمیل  
اچار کی پاپوش ہے اغلاص کا جامہ  
بے نفسی کردار کا ہاتھوں میں صفا ہے  
تابعدہ جیس پر یہ تقدس کی لکیریں  
کبتی ہے صداقت کہ کوئی مرد خدا ہے  
جلوت ہے تو ہے گرم کوئی مسد ارشاد  
غفلت ہے تو انور حقیقت میں نہیں ہے  
پنہاں ہے شوشی میں تلکم کی حلاوت  
گفتار کے ہر بول میں حکمت کا جہاں ہے  
قانون حکومت ہو کہ دستور زمانہ  
مذہب کا مخالف ہو تو حومن نہیں پائندہ  
اس دور میں کس مرد مجاہد نے کیا فاش  
ادہام سے آزاد ہے مذہب کا گھوندر

فروری ۱۹۷۶ء سے مولانا بدر القادری کی ادارت میں ماہنامہ اشرفیہ کا آغاز ہوا۔ اسی دوران پانچ ماہ مکمل مولانا بدر القادری اور وکیل عبدالاول مہارک پوری نے مل کر کچھ سوالات مرتب کیے اور حافظ ملت سے تحریری طور پر انٹرویو لیا جس سے خاص اور اہم حالات و خیالات قید تحریر میں آگئے مگر حضرت کی حیات میں اس انٹرویو کی اشاعت نہ ہو سکی۔ ۳۱ مئی ۱۹۷۶ء کو شب میں بارہ بجئے سے کچھ پہلے حافظ ملت کا وصال ہوا۔ ۲ جون بدھ کو صبح ساڑھے

بچے جنازہ ہوا۔ ۱۹ جون ۱۹۷۶ء کے شمارہ اشرفیہ میں حافظ ملت کی رحلت اور تجبیز و تمجین کی خبروں کے ساتھ علاوہ اشعار کے تاثرات شائع ہوئے پھر یہ سلسلہ مرثیوں اور تعزیتوں کی شکل میں ایک سال سے زیادہ جاری رہا۔ ۱۲ رجب ۱۳۹۶ھ کی تاریخیں عرس چہلم کے لیے طے ہوئیں اس موقع سے مولانا محمد احمد مصباحی مرحوم ابن بحر العلوم مفتی عبدالنسان اعظمی مدظلہ نے حافظ ملت کی شخصیت، حالات، سفر آخرت، تعزیتی کلمات، وغیرہ پر مشتمل تقریباً سو صفحات میں ایک مختصر کتاب بنام "حافظ ملت" شائع کی۔ مختصر مدت میں انھوں نے ایک عمدہ کوشش کی اور بروقت اشاعت فرمائی۔

دوسری طرف مدیر اشرفیہ مولانا بدر القادری نے حافظ ملت نہر کا منصوبہ بنایا اور اس کے مضامین کے لیے اہل تعلق اور اہل قلم سے مراسلت شروع کر دی۔ ان کی بروقت بیداری سے حافظ ملت کے بزرگوں میں سے اہل تعلق مفتی اعظم قدس سرہ کے تاثرات بالواسطہ اور حضرت برہان ملت مولانا برہان الحق جبل پوری خلیفہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ اور حافظ ملت کے ایک استاذ مولانا عبدالعزیز خان فتح پوری بکلیاں نے کچھ تاثرات بلا واسطہ موصول ہو گئے۔ حافظ ملت کے رفقاء درس اور متفقہ علامہ صدر الشریعہ کے گرامی قدر مضامین یا تاثرات بھی دست یاب ہو گئے۔ حافظ ملت کے ابتدائی دور کے معرک خانہ نے بھی اپنی اپنی تحریریں بھیجیں اور جوانوں اور بزرگوں و علموں نے زیادہ ذوق و شوق سے حیات حافظ ملت کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی اور قبل اس کے کہ بیت سے مراجع دنیا سے رخصت ہوتے یا بہت سی یادیں دست نیاں کے تعارف سے محو ہوئیں، ایک مستند اور غنیم سرمایہ ۱۹۷۸ء تک محفوظ ہو گیا اور عمدہ ترتیب اور تزئین کے ساتھ تقریباً سات سو صفحات پر مشتمل ماہنامہ اشرفیہ کے حافظ ملت نمبر کی شکل میں منظر عام پر آ گیا۔ زیادہ ضخامت کی وجہ سے غالباً ڈیڑھ سو صفحات کے مضامین محرم اشاعت رہ گئے۔ انھیں میں تقریباً پچاس علامہ حافظ ملت کے حالات بھی تھے جو عزیز گرامی مولانا علامہ مصطفیٰ قادری نے اپنے زمانہ طالب علمی میں علامہ سے زبانی و لکھی طور پر رابطہ کر کے بڑی محنت سے جمع کیے تھے بعد میں ان کی اشاعت نہ ہو سکی۔ حافظ ملت کے پڑوسی اور اشرفیہ کے خازن حاجی محمد حسین عزیزی مہارک پوری نے اپنی کچھ یادیں اپنی زبان میں لکھ رکھی تھیں جو کسی صاحب علم کی نظر ثانی اور ترتیب کے بعد ایک کتابچہ کی شکل میں اشاعت پذیر ہوئیں۔ مرحوم مولانا غلام مصطفیٰ امجدی بیلوی نے غالباً ۱۹۷۷ء میں اپنی کتاب فیضان حافظ ملت لکھتے سے شائع کی۔

مولانا مبارک حسین رام پوری کو اپنی فراغت کے بعد ۱۹۹۰ء میں حافظ ملت کی شخصیت پر کام کرنے کا شوق اور ادارہ تحقیقات حافظ ملت کی بنا ڈالی۔ اس کے تحت بہت سے اہل علم سے رابطہ کر کے کچھ مضامین حاصل

کے ایک مختصر سیمینار بھی کیا، اس طرح دو مجموعے معرض وجود میں آئے۔ (۱) حافظ ملت افکار و کارنامے۔ (۲) انوار حافظ ملت نمبر۔ پھر یہ سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا۔

حافظ ملت نمبر اور دیگر مجموعوں میں حافظ ملت کے حکیمانہ اقوال دیکھنے اور بزرگوں سے سننے کے بعد مولانا اختر حسین اعظمی فیضی مصباحی کو ”مطولات حافظ ملت“ ترتیب دینے کا خیال آیا۔ اس کے لیے انھوں نے کافی محنت و جستجو کی۔ مولانا عبدالحمید نعمانی کی کچھ قلمی یادداشتیں بھی انھیں حاصل ہو گئیں۔ پھر ان مطولات کو مختصر عنوانات کے تحت تقسیم کیا۔ ایک عنوان حیات اور خانگی حالات کا بھی رکھا جس کے تحت ولادت، نشوونما و ترقی کا ذکر حضرت کے انفرادی و غیرہ سے لے کر جمع کیا ہے مگر سال ولادت ۱۸۹۳ء کے مطابق ہجری سال ۱۳۱۳ھ میں بلکہ ۱۳۱۲ھ ہے اس کی تصحیح ہو جانی چاہیے، پہلی بار مطولات حافظ ملت کی اشاعت ۱۳۱۵ھ میں ۱۹۹۳ء میں ہوئی۔ اس کے بعد مولانا عبدالحمید نعمانی کی تحریک پر مولانا محمد اسلم عزیز کی سرکردگی میں اپنی یادداشتوں پر مشتمل ایک مجموعہ بنام معارف حافظ ملت مرتب کر کے ۱۳۱۷ھ میں ۱۹۹۶ء میں شائع کیا۔ یہ کام انھوں نے بہت محنت میں کیا اس لیے دو تین جگہ مجھے سہو کا لگنا ہوتا ہے۔

ان دونوں کتابوں کی اشاعت بلکہ منصوبے سے بھی پہلے میں وہ مسودہ پڑھ چکا تھا جو مولانا تاج الدین نے مفصل حیات حافظ ملت کے سلسلے میں مرتب کیا تھا اور بطور یادداشت یہ بھی لکھ رکھا تھا کہ فلاں فلاں مطلب یا عنوانات کا اور فلاں عنوانات کے تحت واقعات کا اضافہ کرنا ہے، میرے اندازے کے مطابق وہ مسودہ ۲۰۳۰ء کے کم از کم تین سو صفحات پر مشتمل تھا۔ نظر ثانی کے بعد میں نے بھی مزید عنوانات اور حالات و واقعات کے اضافے کا مشورہ دیا اس کے لیے بارہا موصوف نے بہت سے دلکش نگار گاہ سے ذاتی طور پر رابطہ قائم کیا۔ بارہا میں نے انھیں اپنی معلومات بھی شائع کیے مگر اس زمانے میں اہل خبر سے ملی تعاون ملنا تو آسان ہے لیکن اہل علم سے قلمی تعاون ملنا بہت مشکل ہے۔ جس کی وجہ شاید یہ ہے کہ جتنے ذمے دار اور باصلاحیت قسم کے لوگ ہیں ان کے ہونے کے وقت، ان کی صحت، قوت اور گنجائش سے زیادہ بوجھ لدا ہوا ہے یا کوئی دوسرا بار اٹھانے والا نہ دیکھ کر خود اپنے بوجھ پر رکھا ہے۔ ان حالات میں اگر ان سے تھوڑا بار اور اٹھانے کی فرمائش کی جاتی ہے تو یہ تقریباً تکلیف مالاطلاق کے درجے میں پہنچ جاتی ہے۔ اس لیے اکثر محرمی ہی ہاتھ آتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگوں کے لیے اس کا سبب خوراک مہارست اور سرعت کی کمی یا یک سوئی اور دل جمعی کا فقدان ہو۔ بہر حال قلمی تعاون کا حصول بڑا مشکل مسئلہ ہے۔ حالات و سوانح کے باب میں ایک کی برابر دیکھنے میں آ رہی ہے وہ یہ کہ ہمارے بزرگوں کے بہت سے احوال معتبر عوام سے بھی حاصل ہو سکتے ہیں، جن مقامات میں ایک بار یا چند بار بزرگوں کی آمد و رفت رہی ہو

ملاقاتوں سے ملاقات کی جائے۔ حالات دریافت کیے جائیں اور جو کچھ ملے نیپ ریکارڈ میں محفوظ کر لیا جائے۔ کچھ قلمی اشارات بھی بنا لیے جائیں۔ اس طرح ایک بڑا سرمایہ جمع ہو کر مرتب ہو سکتا ہے مگر یہ کام نہ متقی علم قدس سرہ کے لیے ہو سکا نہ حافظ ملت پہنچنے کے لیے اور مجاہد ملت پہنچنے سے متعلق تو شاید خواص کا خزانہ بھی ایک بک زیادہ تر محفوظ ہی ہے مگر نیاں ایک ایسا پرغہ ہے جو آج کے اچھے محقق خزانے بھی بہت جلد ایک لپٹا ہے۔ اس لیے بس خدائی حافظ ہے۔

معتبر عوام سے ملاقات کر کے حالات جمع کرنے کا خیال جتنی آسانی سے میں نے لکھ دیا ہے اور بار بار ذمہ دار لوگوں سے زبانی بھی کہا اس پر عمل اتنا آسان نہیں۔ ضروری ہے کہ دو تین دیدہ و افراد کو اس کے لیے خالی کیا جائے اور ان کے جملہ مصارف کا بار اٹھایا جائے۔ اہل تعلق کی نشان دہی کی جائے انھیں خطوط بھی لکھ دیے جائیں کہ ہمارے فلاں حضرات کسی وقت اس کام کے لیے پہنچیں گے، ان سے رابطہ رکھیں اور انھیں مطوعات پہنچائیں یا اس راہ میں ان کا تعاون کریں، مختلف اسفار اور ملاقاتیں اگر تسلسل کے ساتھ جاری رہیں تو بھی سالہا سال کا عرصہ لگ سکتا ہے اسی دوران اگر یادداشتیں نیپ ریکارڈ سے قلم بند بھی ہوتی رہیں تو بہت خوب ورنہ بعد میں ایک عرصہ اس میں بھی صرف کر کے تکمیل کریں، پھر ترتیب و تدوین اور نظر ثانی ہو تب جا کر وہ خیال عملی شکل میں سامنے آ سکتا ہے۔ واللہ الموفق لکل خیر۔

سال رواں ۱۳۳۸ھ / ۲۰۰۷ء کے ماہ محرم ر فردوسی میں برادر گرہی مولانا تاج الدین قادری دامت مکارمہ کا یک فون مجھے ملا کہ ”حیات حافظ ملت“ آخری مرحلے میں ہے بہت جلد اسے پرنس کے حوالے کرنا ہے اس سے قبل اسے دیکھ کر آپ اس پر مناسب مقدمہ لکھ دیں۔ کتاب آپ کو مولانا محمد اسلم عزیز سے مل جائے گی۔ کتاب آئی اور ہفتہ عشرہ کے بعد واپس بھی چلی گئی۔ میرے دیکھنے یا چھونے کی نوبت نہ آئی۔ میں نے سمجھا تقدیم سے نچن مل گئی۔ مگر جب ۱۹ / ۲۰۱۲ء صفر مجلس شری مبارک پور کا قلمی سیمینار جامعہ الاشرفیہ میں جاری تھا مولانا در قادری ہالینڈ سے دہلی، امیر شریف وغیرہ ہوتے ہوئے مبارک پور پہنچ گئے۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی کیوں کہ ہمیں ہر پہلی بار ان کی شرکت ہو رہی تھی۔ اس وقت اس طرف ذہن بھی نہیں گیا کہ پھر مقدمہ کا تھکا ہوا میرے سر نہ لگتا ہے۔ شام پانچ کو جب سیمینار سے الگ ملاقات ہوئی تو حیات حافظ ملت اور تقدیم کا ذکر کیا، دو تین دن بعد محرمی سے خود ہی کتاب بھی لے کر آ گئے اسی وقت ہم لوگوں کو ایک ساتھ بریلی شریف عرس رضوی میں شرکت کے لیے روانہ ہونا تھا۔ میں نے کہا ابھی کتاب رکھ دیتا ہوں واپس کے بعد دیکھنے اور کچھ لکھنے کی کوشش ہوگی۔ واپس کے ایک ہفتہ بعد دو تین اہم کتابوں پر نظر ثانی موقوف کر کے اس کتاب کو ہاتھ میں لینے کا موقع ملا۔



سر سری طور پر اس کے ابواب اور اوراق پر میں نے نظر ڈالی تو اندازہ ہوا کہ دس سال پہلے جو مسودہ میں نے دیکھا تھا یہ اس کا ڈھائی گنا نہیں تو دو گنا ضرور ہے۔ ذرا تفصیلاً پڑھنے پر معلوم ہوا کہ اس میں معارف ملت، ملت، ملفوظات ملت، افکار اور کارنامے، انوار حافظ ملت کی ساری اہم باتیں حوالوں کے ساتھ انفرادی کی ہیں۔ مکتوبات کے باب میں حضرت کے مکتوبات بنام بیکل اتاسی کا مستقل اضافہ ہے۔ چند اور بھی مکتوبات لکھے ہیں۔ زیادہ تر مکتوبات دست یاب نہ ہوئے۔ شاید مکتوب السہم نے غیر اہم کچھ کر محفوظ نہ رکھے یا اس قدر محفوظ کر دینے کے خود پالینا بھی ایک دشوار مسئلہ بن گیا یا ڈھونڈ نہ کر نکالنے، خود نو نو کاپی کرانے اور بیچنے کی زحمتوں سے مامول رہنے ہی میں عافیت سمجھی۔

حافظ ملت ایک جہان کلمات و محاسن کا نام ہے۔ ان کی زندگی کا گستاخ مشغوع اور رنگ پھولوں سے مزین ہے۔ ان کی حیات کا ہر میدان سوانح نگار سے طویل جستجو اور لمبی جادہ پیمائی چاہتا ہے۔ وہ صرف ایک مختصر عالم یا ایک بلند پایہ مدرس یا ایک باکمال خطیب ہی نہ تھے کہ صرف ایک جہت کمال کی تفصیلات رقم رقم کے سوانح نگار اپنی ذمہ داری سے سبک دوش ہو جائے بلکہ۔

و فرقی تا یہ قدم ہر کجا کہ می عزم  
کر شد دامن دل می کشد کہ جاکس چاست

(۱) ان کا خاندان بھی قابل ذکر ہے جو نہ کوئی سرکاری منصب رکھتا تھا نہ رئیسانہ شہادت باطنی نہ عالمانہ جلال و جلال تہراس میں دین کی حکمرانی تھی اور دین داری کا سچا حسن و جمال۔

(۲) ان کی طالب علمی بھی قابل ذکر ہے بظاہر فوت ہو کر اور ناامیدی کے بعد اس نے پھر زندگی پائی ہے اور اس شان سے کہ جو کچھ پڑھا ایک بار اسی سال اپنے رفقاء سے درس میں بطور تکرار اسے پڑھا یا دہرے سال نیچے والی جماعت کو پڑھایا۔

(۳) ان کی مدرس بھی لائق توجہ ہے کہ اس کا آغاز ملازمت سے ہٹ کر محض خدمت دین کی شرط پر ہوا ہے اور آخر تک اس میں کوئی فرق نہ آیا۔

(۴) ان کی خطابت بھی امتیازی شان رکھتی ہے کہ وہ دلوں کی دنیا بدل دیتی، اذہان کی گرجیں کھول دیتی، اس میں افکار و معانی کا دریا موج زن ہوتا اور سننے والوں کو سیراب کر جاتا۔

(۵) ان کا منظر ان کمال بھی قابل بیان ہے کہ چارہ یک جملہ یومیہ مشاغل اور ذمہ داریوں کو جلدی رکھتے ہوئے ایسا شاندار مناظر فرمایا کہ اپنے طلبہ اور عوام کو بھی مناظر بنادیا۔

(۶) ان کا تحریری اور تصنیفی حسن بھی کئی دیر دور کی نگاہ بصیرت اور زبان بلاغت چاہتا ہے جو یہ بتا سکے کہ زبان دہان کی سلاست و روانی کے ساتھ کمال ایجاز ایسا ہے کہ دریاؤں کو گونڈوں میں سورا کھائے۔

(۷) ان کا تجر علی بھی اکابر کی مدح و ثناء سے بہرہ ور رہا ہے کہ ہمارے فلاں رفیق درس کو فلاں فن میں زیادہ مہارت ہے، فلاں کو فلاں فن سے زیادہ شغف ہے اور مولانا عبدالعزیز کو ہر فن پر عبور حاصل ہے۔

(۸) ان کی مردم سازی بھی بڑے بڑوں کے لیے قابل رشک ہے کہ ابو الفیض کی بارگاہ فیض سے کیسے کچھ منہ نیکینان درس و تدریس کر، رئیسانہ تحریر و قلم، ماہرانہ تنظیم و ادارہ سازی، مناظرانہ صف و وصف شکن، طبعان اثر آفرین، مصلحان قوم و ملت، مفتیان نکتہ رس، صوفیان لہ سوز اٹھے اور ہر میدان میں اپنی پیش پادشات کا سکہ بٹھادیا۔

(۹) ان کی جوہر شناسی بھی ان کی فراست ایمانی کی شہادت بن کر جلوہ نما ہے، جن کو سبک دینے سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے وہ انھیں جوہر قابل جان کر اٹھالیتے ہیں اور ایک مدت کے بعد دنیا دیکھ لیتی ہے کہ در حقیقت یہ کچھ دینے نہیں جو اہر گراں مایہ ہیں۔

(۱۰) ان کی شفقت و عنایت بھی ایک مستقل موضوع ہے جسے بھائیوں نے زندگی میں بار بار بیان کیا اور بعد وصال باجسم تریاد کیا جسے بیٹے بنشیاں کبھی نہ بھول سکیں، جسے غریب الوطن ملازمہ ہمیشہ یاد کر سیں، اعزاء و اقربا جس کامن گاتے رہیں، ہم سبوں اور آنے جانے والوں کو جس کی یادیں تڑپاتی رہیں، دور افتادہ مجاہدین جس سے رہنمائی نظر آئیں اور سخت مخالفین بھی جس سے بے بہرہ نہ رہیں۔

(۱۱) ان کی ادب شناسی اور تعلیم اکابر بھی قابل تقلید ہے جن سے انھوں نے کب علم کیا تھا ان کے لیے تو "فتی غلجی خذوا فہذا صہبائی عبداً" کی تصویر تھی ہی، جو حضرات ان اساتذہ کے ہم سبق، ہم عیب یا اور کسی عظمت کے حامل تھے ان کے حضور بھی حافظ ملت کی نیاز مندی قابل دید تھی۔

(۱۲) ان کی عبادت و ریاضت، معمولات کی پابندی، سفر و حضر ہر حال میں تہجد کی مداومت، ان کا حفظ زبان اور کثرت تلاوت، ان کا عشق رسول اور خوف خدا، ان کا توکل اور جرأت مردانہ، ان کی قناعت اور وقار بلند بھی مستقل موضوعات ہیں اور سوانح نگار سے سب اپنا اپنا حق چاہتے ہیں۔

(۱۳) فوٹو کی پابندی کے زمانے میں بلا فوٹو پاسپورٹ سے ان کا سفر جہاز و زیارت بھی ان کی عزیمت کا ایک دشمن باب ہے جو مستقل تفصیل کا طالب ہے۔

(۱۴) ان کے مرکز جہد و عمل مدرسہ لطیفہ مصباح العلوم، دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم اور الجامعہ

الاشرفیہ کے تاریخی ادوار، ان ادوار کی مشکلات اور تعمیر و ترقی کے لیے ایک سیلاب صفت درویشی بن کر سال عزم جوں، سعی رواں اور سوز دردوں بھی ایسا باب ہے جس کے بغیر نہ حافظ ملت کی سیرت مکمل ہو سکتی ہے نہ اسے چھوڑ کر ان کی شخصیت کا صحیح تصور قائم ہو سکتا ہے، نہ ان کی علمی و عملی مساوی جیلہ کامر کر و محمود دریخت ہو سکتا ہے اس لیے ایک مبرا تذکرہ صاحب قلم سے یہ باب بھی اپنے حقوق کا تقاضا کرتا ہے۔

(۱۵) ان کی خدمت خلق، لوگوں کی غم حساری و ہم دردی، رہ نمائی و ہمت افزائی، تواضع و انکسار، خود لکھ و پامردی، ان کے پر تاثیر مواظ و نصائح، ان کے دیگر اخلاق عالیہ، ان موضوعات سے متعلق بھی واقعات کا ایک تسلسل ہے جو اشرفیہ کے ذرے ذرے، مہارک پور کے چپے چپے اور ملک کے گوشے گوشے میں پھیلا ہوا ہے کوئی سمیٹے تو کس طرح؟ اور محفوظ کرے تو کیسے؟ کتنی زبانوں کی گویائی لائے، کتنے دلوں کی ترحمانی کرے، کتنے اہل محبت کی داستان دل نشیں سے اور لکھے؟ لیکن کچھ نہ کچھ ہم درود آہو ضروری ہے۔

مجھے بڑی خوشی ہے کہ ہمارے برادر باکمال مولانا بدر القادری نے ان سارے ہفت خوانوں کو ڈھکی ہر مند کی اور ذمہ داری سے سر کیا ہے۔ ان کے قلم کی چاشنی کیا کہتا، وہ پرانے خطیب بھی ہیں اور کھنڈ مشاعر بھی۔ مگر سوانح حافظ ملت میں خطابت اور شاعری سے ہٹ کر خالص تحقیق کا اسلوب اپنایا ہے۔

حافظ ملت نمبر اور بعد کے مجموعوں اور کتابوں کو انھوں نے بار بار باقاعدہ و غائرانہ نگاہ سے پڑھا ہے اور ہر جگہ سے اپنے مقررہ موضوعات کے مناسب باتیں اخذ کرتے ہوئے کتاب میں انھیں بڑے سلیقے سے لکھا ہے اور پورا حوالہ بھی رقم کیا ہے۔ بزرگوں کا بھی، دوستوں کا بھی، خُردوں کا بھی۔ یہی دیانت و امانت ہے، یہی فروغ دلی و اعلیٰ ظرفی ہے اور یہی میدان تحقیق کا تقاضا ہے۔

یہ ہماری ان کی اور سبھی اہل محبت کی خوش قسمتی ہے کہ حافظ ملت قدس سرہ کے حالات مستند اور مستحضر حضرات کی زبان و قلم سے بیان ہو کر جمع ہوئے۔ جو روایت و درایت ہر لحاظ سے قابل تسلیم اور لائق قبول ہیں۔ حافظ ملت نمبر کی تدوین رہی ہو یا افکار اور کارنامے وغیرہ مجموعوں کے لیے دعوت تحریر، ہر موقع پر ایسے ہی اہل قلم کو دعوت دی گئی ہے جو راست باز، دیانت دار اور محتاط ہوں اور ایسی ہی روایات لی گئی ہیں جو مستحضر حضرات نے بیان کی ہیں اور مبالغہ آرائی سے پاک ہوں۔

ہمارے بزرگوں کی جو قرار واقعی عظمت و جلالت تھی وہی اگر ہم سچائی کے ساتھ بیان کر لے جائیں تو وہاں بہت بڑا کمال ہے اور ان بزرگوں کے تعارف کے لیے کافی۔ مبالغہ آرائی اور اختراعی کہانیوں کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں حقیقی فضل و کمال کا دائرہ تنگ سے تنگ ہوتا ہے اور بے جا عقیدت کا اصرار اسے وسیع سے

سچ تر بنانا چاہتا ہے، بفضلہ تعالیٰ ہمیں ایسی غیر واقعی وسعت سے نہ کوئی دلچسپی ہے، نہ ہمارے بزرگوں کے رائے مجموعوں کو اس کی ضرورت۔ واللہ بحسب الحق وهو یہدئ السبیل۔

اس کے بعد مناسب تھا کہ کتاب کے ابواب کا ذکر کرتے ہوئے ہر باب کے مندرجات کا اجمالی تذکرہ اور ان کے مختصر تبصرہ تحریر ہو۔ لیکن قلت وقت کے باعث میں اسے ناظرین کی بصیرت کے حوالے کرتا ہوں۔ ابواب کی فہرست اور ذیلی سرخیوں پر نظر ڈالیں اور مندرجات کا تفصیلی مطالعہ کرتے ہوئے مصنف کی کاوش فکر و فکر کی داد دیں۔ یقیناً انھوں نے تحقیق و احتیاط کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر موضوع کو بڑی کامیابی سے سر کیا ہے اور تمام وابستگان عزیزی کی طرف سے ایک عظیم فرض کفایہ ادا کیا ہے۔ فجزاء اللہ عنا وعن مسائیر المحسنین وعلیٰ ما یجزی بہ المحسنین۔ وصلی اللہ تعالیٰ و سلم علیٰ خیر خلقہ خاتم الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

محمد احمد مصباحی

رکن الجمع الاسلامی

و صدر المدرسین الجامعہ الاشرفیہ مبارک پور

۱۲ ربیع الثور ۱۴۲۸ھ یکم اپریل ۲۰۰۷ء یک شنبہ



## کلمات تکریم

بسم الله الرحمن الرحيم حامداً ومصلحاً

حضرت مولانا سید محمد نجفی اشرف اشرفی جیلانی علیہ الرحمہ کی زیارت بجلی بار میں نے اس وقت کی جب میں مدرسہ اشرفیہ فیض العلوم خیر آباد ضلع عظیم گڑھ (حالیہ ضلع منی) میں زیر تعلیم تھا۔ وہ اپنے بعض مریدوں کی دعوت پر تشریف لائے تھے۔ بمشکل ۲۴ گھنٹے خیر آباد میں ان کا قیام رہا ہو گا جس میں زیادہ وقت لوگوں کے گھروں پر جانے آنے میں صرف ہو گیا۔ وہیں ایک بار ان کے والد ماجد مولانا سید مصطفیٰ اشرف علیہ الرحمہ کی زیارت کا بھی شرف حاصل ہوا تھا۔ اس وقت خیر آباد میں ان کے بھی چند مرید سن تھے۔ بعد میں جب میں مدرسہ فیض العلوم خیر آباد گہنہ میں صدر المدرسین تھا اس وقت حضرت نجفی میاں ایک دو دن کے لیے خیر آباد تشریف لائے تھے اور مدرسہ ہی میں قیام تھا لیکن ہم مدرسہ سے زیادہ محلہ کے لوگ اپنی اپنی حاجات کے لیے ان کا وقت استعمال کرتے رہے۔ اس وقت میری کتاب ”تذوین قرآن“ چھپ چکی تھی، وہ میں نے حضرت کو نذر کی۔ مدرسہ میں چند من سکون سے آگے بیٹھے کا موقع انھیں مل جاتا تو اسے جستہ دیکھ لیا کرتے۔ اس ملاقات کے قبل و بعد بھی کئی بار دید و شنید کا موقع ملا مگر بہت سرسری۔ اس لیے کوئی خاص گفتگو یا کئی اہم واقعہ ذہن میں نہیں جو بیان کر سکوں۔ اجمالی طور ان سے متعلق یہ جانتا ہوں کہ وہ ایک عظیم خاتون عالمہ کی قد آور شخصیت تھے۔

عربی کی ابتدائی تعلیم کچھ چھ ماہ میں حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور میں شوال ۱۳۱۰ھ مطابق نومبر ۱۹۳۱ء میں تحصیل علم کے لیے آئے اور شعبان ۱۳۳۱ھ مطابق جون ۱۹۴۷ء میں سند فضیلت حاصل کی۔

نتائج امتحان دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اپنے درجہ میں نمایاں صلاحیت رکھتے تھے اور ہر کتاب میں ہتھ پڑی نمبر لاتے تھے۔ اس زمانے میں عموماً فقہی کتابوں کے محقق صدر الشریعہ علامہ امجد علی عظمیٰ رضوی (معتمد بہار شریعت)، محمد پاکستان ابو الفضل مولانا ساردار احمد گورداس پوری، شمس العلماء مولانا قاضی شمس

مقالات مصباحی جعفری جو پوری علیہ الرحمہ جوتے تھے۔

اس وقت سنی کتابوں کے اساتذہ درج ذیل حضرات تھے:

حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مراد آبادی علیہ الرحمہ۔ شیخ الحدیث و صدر المدرسین دارالعلوم اشرفیہ۔

مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری ابن صدر الشریعہ علیہ الرحمہ۔

مولانا محمد سلیمان اشرفی بھاگلپوری تلمیذ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ

مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی تلمیذ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ

اشرفیہ کی روداد و مظہر تعلیم وغیرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نجفی میاں علیہ الرحمہ نے اکثر سابق حضرات سے پڑھے۔ مزید تفصیل حضرت کے رفقاء درس اور اس زمانے میں تحصیل علم کرنے والے حضرات سے دریافت ہو سکتی ہے۔ وہ چند ہی حضرات رہ گئے ہیں جن میں ایک حضرت بحر العلوم مفتی عبدالننان اعظمی دام ظلہ ہیں۔ مولانا محجب اللہ بھاگلپوری، مولانا لطف اللہ علی گڑھی، مولانا عجاز احمد خان اردوئی، مولانا قاری رضا دادا اعظمی بھی اس دور کے طلبہ میں تھے۔

حضرت مولانا سید محمد نجفی اشرف علیہ الرحمہ نے دارالعلوم اشرفیہ سے فراغت کے بعد جہاں تک مجھے معلوم ہے تبلیغ و خطابت اور طریقہ وادارہ کامیدان اپنایا۔ اس میں بھی انھوں نے شاداب اور زرخیز علاقوں کو چھوڑ کر بنجر اور سنگلاخ زمینوں کی آبادی پر کمر بستہ باندھی۔ یوپی، بہار، بنگال وغیرہ کے ان خطوں کی جانب رخ کیا جہاں ذی علم خطباء اور مرشدوں کا زکرم ہی ہوتا تھا۔ عموماً ان جگہوں میں جو لوگ ملتے وہ ایک تو ناخواندہ یا کم فائدہ ہوتے اور دوسرے غریب و نادار ہوتے، انھیں علم و عمل سے آراستہ کرنے کے لیے دل و دماغ کی کافی نوبت لگنی چاہیے، ان کی اعراسیت برداشت کرنے کی قوت بھی، مسلسل صبر اور یکم جدوجہد بھی اور ان سب کے ساتھ ساتھ بے پناہ خلوص و ولایت بھی۔

مگر حضرت مددِ حق کی بہت مروانہ قابل صد آفریں ہے کہ انھیں علاقوں میں پوری زندگی صرف کر دی، لوگوں کی مشکلات میں دست گیری کی، انھیں ایمان و عقائد حق پر صلابت بخشی، علم و عمل سے آراستہ کیا۔ اور اس ثناء سے کہ نہ کلفتوں اور مشقتوں کا گلہ ہے نہ تہی دلی کا شکوہ بلکہ مسرت و سرخوشی کا یہ نقشہ:

شادام از زندگی خویش کہ کارے کردم

انھوں نے اپنے استاذ گرامی حضرت حافظ ملت اور اپنے دارالعلوم اشرفیہ سے رابطہ بھی ہمیشہ استوار رکھا۔ اور ناسازگار ماحول میں بھی انھوں نے اور ان کے برادر عزیز حضرت مولانا سید حامد اشرفی اشرفی

جیلانی علیہ السلام نے استاذ گرامی اور دارالعلوم کی حمایت جاری رکھی، ان حضرات نے عرصہ دراز تک حافظ ملت کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ ان کے رسومِ علم کے ساتھ ان کے کردار و عمل کی پختگی، اخلاق کی بلندی، سادات کے ساتھ محبت و عقیدت، خانوادہ اشرفیہ کے لیے بے پناہ جذبہ احترام و نیاز مندی، ان کے بلند پایہ جذبہ اخلاص اور روحانی رجبہ و کمال سے بھی آشنا تھے دوسری طرف یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ بے دینی اور بندگی کا جو طوفان اسلامی آبادیوں کو اپنی لپیٹ میں لیتا جا رہا ہے اس سے مقابلے کی جواہرٹ اور دینی و علمی خدمت کی جو لگن اس پوریائشیں کی بارگاہ فیض میں پیدا کی جاتی ہے وہ ملک بھر میں کہیں اور نظر نہیں آتی۔ اس لیے اس ادارے کی توسیع اور اس کا فیضان عام سے عام تر کرنا وقت کا متعین تقاضا اور ملت کی اہم ضرورت ہے۔

ان ہی مشاہدات و احساسات کا یہ اثر تھا کہ ان حضرات کے جذبہ محبت و حمایت پر کبھی گرد نہ لگ سکی اور ان کے خلوص کا سونا ہمیشہ تاب ناک رہا۔ حضرت محمد و دارالعلوم اشرفیہ کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی تھے اور رکنیت کا یہ سلسلہ تاحیات جاری رہا۔

میرا اندازہ ہے کہ ان کی طویل خدمات کو صفاتِ قرطاس پر سینٹا آسان نہیں۔ مگر حضرت کے جواہریت فرزند سید جلال الدین اشرف قادری کے نیک عزائم کو خدا سلامت رکھے۔ انھوں نے ابتدائی اور مختصر حالات مرتب کرنے کے لیے حضرت کے مرید بادشاہ عزیز مولانا کمال الدین مصباحی کو کام سے لگا دیا ہے۔ یہ چاند اشرفیہ سے فضیلت اور اختصاص فی الفقہ کی تکمیل کر کے کئی سال سے قدری خدمات سے وابستہ ہیں۔ تلاش جستجو اور محنت کا جذبہ بھی رکھتے ہیں۔ ایک ملاقات میں ان سے مختصر آئیں نے ذکر کیا ہے کہ حالات جمع کرنے کے لیے کس طرح جستجو، تنگ و دو، احتیاط، نقد و نظر اور محنت و جاں فشانی ہونی چاہیے۔ ان خطوط پر اگر کام ہو تو امید ہے کہ بہت معتبر اور صاف و شفاف حالات و سوانح کا ایک ذخیرہ جمع ہو سکتا ہے۔ واللہ الموفق لکل خیر، نعم المولیٰ ونعم النصیر و صلی اللہ تعالیٰ علی سید المرسلین و علیٰ آلہ صحبہ اجمعین۔

محمد احمد مصباحی

صدر المدبرین و امراء الاشرفیہ مبارکپور، رکن الجمع الاسلامی مبارکپور  
۲۰ ربیع الآخر ۱۴۲۸ھ ۸ مئی ۲۰۰۷ء شنبہ



## تقریب (۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً و مصلیاً

بڑی سرت کی بات ہے کہ درجہ فضیلت ۱۴۲۸ھ کے طلبہ نے اپنی دستار بندی کے موقع پر کسی اہم دینی کتاب کی اشاعت کا ارادہ کیا، پھر مولانا نفیس احمد مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ کے مشورے سے "انوار ساطعہ" کا انتخاب ہوا۔

یہ کتاب عرصہ دراز سے نایاب تھی، جب کہ علمی اہمیت کے ساتھ اس کی ایک تاریخی اہمیت بھی ہے۔ اس کتاب سے عیاں ہوتا ہے کہ مولانا حاجی احمد اللہ مہاجر جی نے اپنے علمی سفر کے مریدین میں سے چند افراد کس طرح اپنے مرشد کے مسلک حق سے مغرور اور مرتد ہوئے اور مرشد کی مسلسل مسابقت کے باوجود حق کی جانب واپس نہ آئے۔

آج مسلسل پروپیگنڈے کے زور سے یہ یاد کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ سنی دیوبندی اختلاف کی ابتدا بریلی سے ہوئی جب کہ انوار ساطعہ یہ بتاتی ہے کہ اس اختلاف کی نشوونما سہارن پور میں ہوئی۔ وہ بھی ایسے وقتوں سے جن کے مرشد تمام اسلاف ہند اور اسلاف امت کے مطابق تعظیم رسول، میلاد و قیام، فاتحہ و عرس وغیرہ معمولات اہل سنت پر کار بند تھے۔ مگر ان کے چند مریدین کو مولوی اسماعیل دہلوی کے تقویۃ الایمانی مسلک کی ایسی ہوا لگی کہ پیر و مرشد کے ساتھ پوری امت خطا کار اور ضلالت شعار نظر آئی۔ آج دیوبندی پوری شہری اسی نئے مسلک کی ترویج و اشاعت میں ہر طرح کے حربوں کے ساتھ منہمک ہے، وہی نیا مسلک جس میں تعظیم رسول شرک ہے، رسول کے لیے خدا کی عطا سے بھی غیب کا علم، ناشرک ہے، محفل میلاد و قیام بھی شرک اور کبھی بدعت ہے، فاتحہ و عرس اگرچہ شرعی طریقہ ہے، ہر تاجدار و حرام اور بدعت ضلالت ہے۔

انوار ساطعہ کے مباحث سے اس نئے مسلک کے پیش تر خیالات کا تحقیقی و علمی رد ہو جاتا ہے۔ آج کے لحاظ سے اس کی زبان پرانی ہو چکی ہے، مگر ناشر طلبہ اور ان کے مددگار اساتذہ نے بغیر اگراف کی تبدیلی اور طاعت و رموز کے ذریعہ اسے سہل اور آسان بنانے کی کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ اہل علم اس سے پوری طرح مستفید ہوں گے۔

یہ طلبہ اپنے استاذ مولانا نعیم احمد مصباحی سے کتاب پر ایک قطع مقدمہ لکھانے میں بھی کامیاب ہو گئے ہیں۔ مولانا نے مصنف کے مختصر احوال بیان کرنے کے ساتھ کتاب کا تاریخی پس منظر بھی بیان کر دیا ہے۔ تفصیل تو بہت ہو سکتی تھی مگر موصوف نے اجمال میں ہی کافی معلومات فراہم کر دی ہیں۔ آخر میں ان قدم گاہ کے حالات بھی رقم کیے ہیں جنہوں نے اپنی زبردست تقریقات سے انوار ساطعہ کی بھرپور تائید فرمائی ہے۔ یہ مقدمہ بھی قارئین کے لیے بہترین رہنما ثابت ہو گا۔

مولیٰ تعالیٰ ان طلبہ و استاذہ کی مساعی جلیلہ کو شرف قبول بخشے اور کتاب کے اس نئے ایڈیشن کو مقبول خاص و عام اور مفید اناام بنائے۔ ساتھ ہی مصنف جلیل اور ان کے متویع علاء مشائخ اہل سنت کا فیضان علم و عمل عام سے عام تر فرمائے اور جامعہ اشرفیہ کے طلبہ، استاذہ اور ارکان و معاونین کو ہمیشہ دین حنین کی گراں قدر خدمات جلیلہ مقبول سے شاد کام، تمام آفات ارضی و سماوی سے مامون و محفوظ اور دارین کی سعادتوں سے فیروز مند و محفوظ رکھے۔ وهو المستعان، وعلیہ التکلیلان، وصلى الله تعالى على رسولہ خاتم النبیین و علی آلہ وصحبہ اجمعین۔

محمد احمد مصباحی

صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور

۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ / ۲۲ مئی ۲۰۰۷ء شنبہ

## تاثرات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ حامداً و مُصلیاً و مُسلماً

امیر شریف ایک قدیم آبادی ہے جہاں سیدنا محمد قادری بغدادی علیہ الرحمہ بغداد ۸۳۶ھ میں تشریف لائے اور یہ قریب بہت سے اہل دل اور اہل عقیدت کا مرجع و ملائی بن گیا۔ ان کی ولادت ۸۱۰ھ میں اور وفات ۹۳۰ھ میں ہے۔ ہندوستان کی تاریخ اولاد و غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی اور کی ہندس آمد ان سے پہلے نہیں بتائی۔ ان کی شریف آوری سے سرزمین ہند میں فیضان قادریت خوب خوب پھیلا۔

ان کی اولاد کرام سے حضرت مولانا سید امیر غلام قادری مصباحی مدظلہ بہت زبردست عالم و شیخ ہونے کے ساتھ دینی و ملی ضروریات کے سلسلے میں حساس اور فعال بھی واقع ہوئے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے شہر اور ملک آپاد میں ایک شاندار ادارہ ”دارالعلوم فیضان سیدنا“ قائم کیا اور خود امیر شریف میں بھی ایک مدرسہ و مسجد کی تعمیر کی۔ امیر شریف کا مدرسہ ”دارالعلوم سیدنا“ سے موسوم ہے اور قادری سادات کرام کے احاطہ مزارات سے متصل خدمت علم میں مصروف ہے۔

مولیٰ تعالیٰ اسے فروغ و ترقی بخشے، بانی ادارہ کے عزائم کو مزید استحکام کے ساتھ پختل سے نوازے، ان کی خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے اور ان دینی اولادوں کے لیے نقص و بخلدہت معاونین فراہم کرے۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد و علی آلہ وصحبہ اجمعین۔

محمد احمد مصباحی

صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

۱۴ ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۳ نومبر ۲۰۰۸ء





## کلمۃ المجلس (۱)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّؤُوفِ الرَّحِيمِ حامداً و مصلياً

تمدنی و مسائل کی ترقی سے مجھے انسانی زندگی مشکلات کی خوگر تھی، کھانے پینے، رہنے سہنے، اور آنے جانے میں لوگ وہ ساری سختیاں خندہ پیشانی گوارا کرتے جن کے تصور سے ہی آج پسینہ آتا ہے۔ تعلیم و تعلیم کی دنیا بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ پہلے جو دشواریاں تھیں آج ان کا طغیر عشر بھی نہ رہا۔ تعلیمی میدان میں بھی ارباب ہمت کی تیز کام مسائی کا کارواں برابر چاہو پتا رہا۔

طلبہ کے مزاج و حالات اور زمانے کی ضروریات کو سامنے رکھ کر علوم و فنون کو بہت سے شعبوں میں تقسیم کیا گیا۔ پھر ہر شعبے کے لیے ایک مخصوص نصاب بنا۔ پھر اس نصاب پر بار بار نظر ثانی اور ترمیم و توسیع کا عمل ہوتا رہا جو دنیا کے ہر ملک میں آج بھی جاری ہے، مگر ہندوستان کے مدارس عربیہ میں یہ عمل ماہرین کی بے توجہی یا مطلوبہ وسائل کی حدود پر جب کی کے باعث بڑی سست رفتاری کا شکار رہا، اور آج بھی ہے۔

دو سال قبل تنظیم المدارس کا قیام عمل میں آیا تو اس طرف کچھ تیش رفت ہوئی۔ اسی کا ایک حصہ یہ تجویز بھی ہے کہ ابتدا میں طلبہ کو نحو و صرف و غیرہ کے قواعد خود ان کی زبان میں سکھائے جائیں، تاکہ قواعد کے ساتھ دوسری زبان کا بار ان کے اوپر نہ رہے۔ پھر جب وہ بنیادی قواعد سے آشنا ہو کر عربی زبان پر کسی قدر قابو پالیں تو عربی میں قواعد، یادگیری فنون کی تعلیم زیادہ مشکل نہ رہے گی۔

اس تجویز کے تحت صرف کی پہلی کتاب ”دِرَاسَةُ الصَّرْف“ مولانا ساجد علی مصباحی استاذ الجامعہ الاشرفیہ، مبارک پور کی توجہ و محنت سے تیار ہو چکی ہے جو میزبان و مشتبہ کے تمام قواعد پر مشتمل ہونے کے ساتھ کثیر تمرینات کی بھی حامل ہے جن سے بعونہ تعالیٰ قواعد کی معرفت میں چنگی بھی آئے گی اور زبان سے آشنائی میں بھی اضافہ ہوگا۔

نئی کی پہلی کتاب کے طور پر ”دِرَاسَةُ النُّحُو“ کو شامل نصاب کیا گیا جو حضرت مفتی سید افضل حسین مونگیری علیہ الرحمہ سابق صدر المدارسین جامعہ منظر اسلام، بریلی شریف نے بہت اختصار اور جامعیت کے

ساتھ تحریر کی تھی۔ دوسری کتاب ”قواعد النحو“ مولانا ساجد علی مصباحی نے تیار کی ہے جو نحو اور ہدایہ النحو کے تقریباً تمام قواعد کا احاطہ کرتی ہے۔ زبان و بیان بھی سہل و سست ہے جس کے باعث طلبہ کے لیے استفادہ بہت آسان ہے۔ حجم بھی زیادہ نہیں کہ ختم کرنا دو بھر ہو۔ ساتھ ہی مشکل سوالات اور تمرینات کا بھی اضافہ ہے جن کے باعث ان شاء اللہ التَّوَّخُّصِ قواعد کی یادداشت اور اجرائیں چنگل اور آسانی ضرور ہوگی۔

صرف و نحو اور بعض دیگر فنون کی کچھ اور کتابیں بھی زیر ترقیب، یا قریب التکمیل، یا زیر طبع ہیں۔ امید ہے کہ اہل علم انہیں نگاہ استحسان سے دیکھیں گے اور دعاؤں سے نوازیں گے۔ خصوصی گزارش یہ ہے کہ کوئی چیز قابل اصلاح نظر آئے تو ضرور مطلع فرمائیں، تاکہ اگلی اشاعت میں صحیح ہو سکے۔ واللہ لا یضیع أجر المحسنین۔

محمد احمد مصباحی

صدر المدارسین الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

۲۰ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ / ۱۱ ستمبر ۲۰۰۹ء جمعہ



کَلِمَةُ الْمَجْلِسِ<sup>(۱)</sup>

فہم صرف میں مجلس برکات کی پہلی پیش کش دراستہ العرف ہے جو مولانا ساجد علی مصباحی کی کاوش ہے۔ اس میں یہ کوشش کی گئی کہ میزان و مشعب کے قواعد اور گردانوں کا احاطہ کرنے کے ساتھ ان کی منتقین بھی خاطر خواہ ہوں، ناظرین نے محسوس کیا ہو گا کہ اس معیار پر وہ بہت کامل اور عمدہ ہے۔ محنت و توجہ سے پڑھی پڑھائی جائے تو اس سے عربی کے سالم صیغوں کے لکھنے بولنے پر بخوبی عبور حاصل ہو سکتا ہے۔

اب یہ دوسری پیش کش قواعد الصرف حصہ اول ہے جو مولانا نظام الدین قادری مصباحی استاذ دارالعلوم علیہ رحمہ اشاہی، لہجی کی محنتوں کا ثمر ہے۔

اس کی ترتیب کا ہدف یہ تھا کہ مہموں، مغل، مضاعف و غیرہ کے قواعد اور گردانوں کا احاطہ ہو اور علم الصیغہ کی جگہ کارآمد ہو۔ پہلے علم الصیغہ کے بعد خاصیات ابواب کا درس فصول اکبری سے ہوتا تھا، اس لیے یہ بھی کوشش ہوئی کہ خاصیات ابواب بھی اسی حصے میں آجائیں۔

مزید برآں دراستہ الصرف کی پیش تر بحثوں اور گردانوں کا اضافہ بھی کیا گیا ہے، تاکہ پچھلی باتیں از سر نو تازہ ہو جائیں۔

میں نے اس حصے کا مسودہ کم از کم تین بار پڑھا اور ہر بار بہت کچھ حذف و اضافہ کیا، آخر میں مولانا ساجد علی مصباحی کو دیا کہ وہ بھی بغور دیکھ لیں، انھوں نے بھی کچھ مشورے اور اصلاحیں لکھیں جن میں سے ان کی قبول کر دی گئی۔ کیونکہ خود مولانا نظام الدین صاحب نے کی تھی، پھر مولانا ناصر حسین مصباحی مدرس جامعہ اشرفیہ نے از سر نو سٹینگ کرتے ہوئے کتاب اور حروف کو مزید واضح اور عمدہ بنانے کی کوشش کی، بہت سی آیات کے حوالہ وغیرہ بھی درج کیے اور کچھ اشارات دیے گئے تھے جن کی انھوں نے تکمیل کی۔ جزى الله کلہم خیرا۔

اب دیگر اہل علم خصوصاً مدرسین کتاب سے درخواست ہے کہ آپ کی نظر میں جو بھی مشورے، اصلاحات ہوں بلا تکلف لکھ کر ارسال فرمائیں، تاکہ کتاب کو بہتر سے بہتر بنانے میں ان سے استفادہ کیا جاسکے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ.

محمد احمد مصباحی

صدر المدرسين الجامعية الاشرفية مبارک پور۔ عظیم گڑھ

۲۰/۱۱/۱۳۳۴ھ / ۲۳ جون ۲۰۱۱ء۔ شیخ شنبہ

(۱) قواعد الصرف، حصہ اول، مولانا نظام الدین قادری، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، جون ۲۰۱۱ء

تقدیم<sup>(۱)</sup>

باسمہ و حمدہ تعالیٰ و تقدس

خیال ہوتا ہے کہ قواعد الاملا کی ضرورت کیا ہے؟ جو اردو لکھنا پڑھنا جان گیا اس کا املا درست ہی ہو گا، الفاظ اور جملے کیوں میں جس طرح لکھے ہوتے ہیں اسی طرح لکھنا ہے۔ عمومی حد تک یہ خیال درست ہے مگر قواعد کی ضرورت ان الفاظ میں پیش آتی ہے جن کا املا قلمی تحریروں اور مطبوعہ کتابوں میں مختلف شکلوں میں نظر آتا ہے، ایسے وقت عام قاری الجھن کا شکار ہوتا ہے کہ صحیح کیا ہے؟ اسے چند مثالوں کی روشنی میں سمجھا جاسکتا ہے۔ یہاں ایک طرف غلط املا خط کشیدہ الفاظ کے ذریعہ نمایاں کیا گیا ہے، دوسری طرف صحیح املا دکھایا گیا ہے، یکے تنفیس منقو کتاب کے اندر دیکھ سکتے ہیں۔

غلط املا	صحیح املا
(۱) دو کاغذ اپنے قرض کا قضا کرنے کیلئے نکلا اور خریدار کے گھر پہنچا۔	(۱) دوکان دار... قضا... کے لیے... پہنچا۔
(۲) جسے دیر تک یہ تماشا دیکھا۔	(۲) ہم نے... تماشا...
(۳) تہہ دار دوست سج بھال آیا۔ مگر بے ملتا گوارہ نہ کیا۔	(۳) تمہارا... سج بھال... ہم سے... گوارہ...
(۴) ابتداء، انتہاء، استعداد، علماء، فضلاء، حکماء، نداء، دعاء، جزاء۔	(۴) ابتداء، انتہاء، استعداد، علماء، فضلاء، حکماء، نداء، دعاء، جزاء۔
(۵) اس نے اس نکتہ پر توجہ دی۔	(۵) اس نے اس نکتہ پر توجہ دی۔
(۶) حکماء دہر نور علماء زمانہ اس فلسفہ کے حل سے قاصر ہیں۔	(۶) حکماء دہر اور علماء زمانہ اس فلسفہ کے حل سے قاصر ہیں۔
(۷) اعلا، ارنا، سبکا دعی یہ تھا کہ اس جھگڑا کو	(۷) اعلیٰ، ادنیٰ، سب کا دعاء... اس

(۱) قواعد الاملا، مولانا ناصر حسین فیض مصباحی، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، داکٹ ۲۰۱۱ء



دل چسپ بنانے کے لیے زبان و بیان میں کیا کیا خوبیاں چید آئیں؟ یہ ساری چیزیں بہت غور سے دیکھنے، سمجھنے، لکھنے اور اخذ کرنے کی ہوتی ہیں۔ محض عامیانہ نظر اور سرسری مطالعے سے معیاری انشا اور حسنِ نقد و تحقیق کا حصول ممکن ہوتا۔ واللہ بخیر موفق و معین۔

محمد احمد مصباحی

یکم رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ

۲۱ اگست ۲۰۱۱ء

## تقریب<sup>(۱)</sup>

بسم الله الرحمن الرحيم

حامداً و مصلیاً

فقید اجل، شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ کی جامعیت اور گونا گونی علمی و اخلاقی محاسن و کمالات کے ساتھ حسنِ استحضار، سرعتِ اخذ اور سرعتِ تحریر میں یکساں روزگار تھے۔ صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی قدس سرہ کے آخری دور حیات میں ان سے فقہی استفادہ اور مشقِ انتہائی سعادت پائی اور باضابطہ فتویٰ نویسی کا کام دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف کے زمانہ تدریس میں سرکار مفتی اعظم مرشد امام علامہ شاہ مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری قدس سرہ کی سرمدی و گمرانی میں شروع کیا اور وہیں تقریباً ۲۵ ہزار فتاویٰ نامہ صادر ہوئے پھر جب ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء کے اواخر میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے تو یہاں تدریس آپ سے متعلق نہ تھی، صرف کار افتادہ پھر دھماچھے آپ نے پوری ذمہ داری کے ساتھ انجام دیا، تاہم انجمن سلسلہ جاری رہا اور تقریباً ساٹھ ہزار فتاویٰ قید تحریر میں آئے۔

جوابات کو نالائقانِ پسند نہ تھا، وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ لوگ جائز و ناجائز، حلال و حرام کا حکم اپنے عمل کے لیے پوچھتے ہیں، اگر یہ وقت انہیں حکم نہ بتایا جائے تو وہ عمل کیسے کریں گے؟ ہماری ذمہ داری ہوتی ہے کہ جتنی جلد ہو سکے مستحق کو حکم مسئلہ سے باخبر کر دیں۔ سوالات اتنی کثرت سے آتے تھے کہ سب کو تنہا چٹانا ممکن نہ تھا۔ اس لیے مشفقہ حضرات نائب و معاون کی حیثیت سے مقرر ہوئے پھر بھی زیادہ فتاویٰ آپ ہی کے حصے میں آتے۔ سرعتِ عمل اور استحضار کا عالم یہ تھا کہ استنباط پڑھا گیا اور بر جتہ جواب لکھنا شروع کر دیا، مختصر، جامع اور ثانی جواب چوں کہ سوالات بہت زیادہ جمع ہو جاتے تھے اس لیے زیادہ جزئیات اور دلائل لکھانے سے گریز کرتے اور فرماتے کہ سائل کو جلد سے جلد حکم معلوم ہونا ضروری ہے تاکہ وہ عمل کر سکے، دلائل اس کے اطمینان و نفع کے لیے ہوتے ہیں، اگر وہ مفتی پر اعتماد رکھتا ہے تو زیادہ دلائل کی جستجو میں بھی نہ پڑے گا اور حکم معلوم کرنے میں عمل شروع کر دے گا۔ تاہم غایتِ اختصار کے باوجود ایک دو جزئیہ یا مفہوم عبارت بتا کر کتاب کا حوالہ یا سب حال کوئی آیت یا حدیث پیش کر دینا معمول میں داخل تھا۔ ایسا بہت کم ہوتا کہ بس نفس حکم بیان ہو، کوئی

(۱) فقہی مسائل بخاری، جلد اول۔ مفتی محمد شریف الحق امجدی، دائرۃ المعارف، دکریم لدین پور گھوسی، دسمبر ۲۰۱۱ء

حوالہ یا دلیل کی جانب اشارہ بالکل نہ ہو۔

حضرت کے بعض فتاویٰ کی اشاعت تو ان کے دور حیات ہی میں ہوئی رہتی تھی مگر باضابطہ سبکی ترتیب، کتابت، اصل سے مقابلہ، تصحیح وغیرہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ حضرت کے لائق فرزندوں کو بروا اس کی فکر واسن گیر رہی اور آج بھی ہے کہ والد ماجد کے رشحات قلم کو ضائع ہونے سے بچایا جائے اور سب کو ان سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کیا جائے، یہ فکر تو ہم تمام وابستگان دامن کو ہونی چاہیے اور ہے مگر جیٹھ قدمی اور عملی حصہ لینا کثیر مصروفیات اور موانع کے باعث اکثر کے بس سے باہر ہے۔ میں نے ایک زمانے میں تحقیق فقہ کے کچھ طلبہ کو اس پر مامور کیا کہ حضرت کے فتاویٰ کی فوٹو کالیں لے کر ان کو فقہی ابواب کے مطابق مرتب کر کے احوال کی عبارتیں اصل کتابوں سے ملائیں، بہت سارا کام انھوں نے کیا بھی مگر وہ نہ مکمل ہوا نہ زیادہ اطمینان بخش، اس سے دلچسپی مولانا مفتی محمد نسیم مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ کو زیادہ تھی، یہ برسوں حضرت کی رحمت میں رہے اور ان کے انداز و طریق کار سے بخوبی واقف بھی تھے، اس لیے وہ اس کام سے لگے رہے۔ مدامعلوم مقرر اسلام بریلی شریف کے فتاویٰ کی اصل یا نقل تو نہ مل سکی مگر جامعہ اشرفیہ کے فتاویٰ محفوظ تھے، وہی اسے زیادہ معلوم ہو رہے ہیں کہ قابو میں لانا مشکل ہو گیا ہے۔

مفتی محمد نسیم صاحب نے یہاں حضرت کے فتاویٰ رجسٹروں سے صرف عقائد سے متعلق فتاویٰ کو الگ کیا تو تین جلدیں بن گئیں، ہر جلد تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اندازہ ہے کہ بقیہ ابواب سے متعلق کم از کم دس جلدیں مزید ہوں گی۔ ان میں بھی بہت کچھ تخفیف کی گئی ہے۔

مولانا موصوف نے ایک بار مجھ سے سے ذکر کیا تھا کہ مکرر فتاویٰ بھی بہت ہیں مثلاً طلاق سے متعلق فتاویٰ واقعات الگ الگ ہیں مگر بنیادی سوال ایک ہی ہے۔ اور جواب کا بنیادی مضمون بھی ایک ہی ہے بعض دیگر منہات بھی ایسے ہیں جن سے متعلق سوالات مختلف اوقات میں مختلف مقامات سے آئے اور سب کے جوابات دیے گئے، کبھی مفصل، کبھی مختصر، کبھی متوسط۔ میں نے یہ رائے دی کہ جو جوابات تقریباً ایک ہی مضمون پر مشتمل ہیں، ان میں سے کوئی ایک لے لیں، اور اگر چند جوابات لیے جائیں تو ایسے کہ ہر ایک میں کوئی نئی بات، کوئی نیا گوش یا انداز ہو اور بعض عنوانات ایسے ہوں گے کہ ان کے تحت کوئی ایک تفصیلی جواب لے لیا جائے تو کافی ہوگا۔

یہ میری رائے تھی، اب معلوم نہیں کہ انھوں نے اس پر کہاں تک عمل کیا، مگر اندازہ ہے کہ کچھ نہ کچھ تخفیف ضرور کی ہوگی۔

بہر حال حضرت کے فرزند ان گرامی مولانا ڈاکٹر حب الحق رضوی، مولانا حافظ حمید الحق برکاتی، محترم دچہ

حق برکاتی، جناب تسلیم الحق برکاتی اور دیگر قاریب و متعلقین کا یہ چند قابل ستائش سہ کہ، وہ حضرت کا علمی ورثہ حق امت میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے حسب مقدمہ کوشش بھی کر رہے ہیں۔ خصوصاً ڈاکٹر صاحب اور مولانا حمید الحق صاحب اس سلسلے میں برابر فکر مند اور متحرک رہتے ہیں مگر اصل کاوش مرتب جی مفتی محمد نسیم صاحب کی ہے اگر ایسے چند افراد اس مہم میں شریک ہوتے تو نتیجہ جلد سامنے آتا۔ مگر کام خالص علمی، فقہی اور بہت منت طلب ہے اس لیے زیادہ افراد کا ملنا بھی مشکل ہے۔ خدا کسے کہ مزید تیزی اور تھکی کی کوئی مناسب اور بہتر صورت نکل آئے۔

جن حضرات نے بھی اس علمی سرمایے کو منظر عام پہ لانے میں کسی طرح کا کوئی حصہ لیا ہے وہ ہمارے اور جی قارئین کے شکر ہے کہ تحقیق ہیں، میں سب سے واقف نہیں مگر رب کریم کے یہاں اچھی نیت اور نیک عمل کا صلہ مفصل و کرمہ تعالیٰ ضرور ملتا ہے۔ وہ عظیم و خیمہ ہے سب کو اپنے بے کراں فضل و انعام سے نوازے۔ اور ان کے کام کی جلد از جلد تکمیل کے لیے پردہ عجب سے بہتر اسباب مہیا فرمائے۔ وما ذلک علیہ بعر ہز۔

محمد احمد مصباحی

رکن الجمع الاسلامی

ذمہ دار المدد سین الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

۱۹ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

۱۵ دسمبر ۲۰۱۱ء شیخ شنبہ





(۱) تقدیم

کتاب امت اور قیاس دینی احکام و مسائل کا ماخذ تھا۔ کسی بھی معاملے میں حکم شرعی معلوم کرنے کے لیے انہیں کسی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور یہ سلسلہ عہد صحابہ سے ہی جاری ہے۔ مگر ہر شخص میں احکام کے استنباط و استخراج کی صلاحیت نہیں ہوتی بلکہ کچھ خاص افراد ایسے ہوتے ہیں جنہیں رب علیم و قدیر اجتہاد کی قوت و صلاحیت سے سرفراز فرماتا ہے۔ وہ اپنی خدا داد قوت سے مسائل کا استنباط کرتے ہیں اور امت کے لیے راہ عمل متعین فرماتے ہیں، پھر امت کے جو افراد خود اجتہادی صلاحیت نہیں رکھتے وہ ان حضرات کے بتائے ہوئے احکام پر کاربند ہوتے ہیں۔

یقیناً کتاب و سنت کا علم اور استخراج احکام کی قوت رب تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اور جو حضرات اس نعمت سے سرفراز ہوں وہ بلا شبہ امت کی امامت اور اور پیشوائی کے مستحق ہیں۔ اسی لیے امت نے ہر دور میں ان کی امامت اور پیشوائی تسلیم کی ہے۔ سلاطین ہوں یا امراء، محدثین ہوں یا قراء، ادبا و شعرا ہوں یا دیگر اصناف کے علماء و محققین ہوں یا فقہاء، انھوں نے کسی صاحب اجتہاد کی پیروی کی ہے۔

مجتہدین کرام کا یہ عظیم احسان ہے کہ انھوں نے استنباط کے اصول و قواعد بھی وضع کیے اور احکام کی تفصیلات بیان کر کے امت کے لیے شاہراہِ عمل بھی وضع کی۔ اس خصوص میں امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن حبان کوئی (۸۰ھ - ۱۵۰ھ) بیٹے کی خدمات سب سے نمایاں ہیں، انھوں نے اصول استنباط متعین کرنے کے ساتھ اپنے تلامذہ پر مشتمل ایک مجلسِ فقہ بھی تشکیل فرمائی۔ ان حضرات نے نہ صرف یہ کہ پیش آمدہ مسائل حل کیے بلکہ اپنی فقہت و بصیرت کی توانائی سے آئندہ پیش آنے والے سوالات اور ان کے جوابات بھی مرتب کیے جن سے اس دور کے فقہاء و مجتہدین نے بھی روشنی حاصل کی اور بعد کے فقہاء بھی ان سے مستفید ہوتے رہے۔ اسی لیے امام قرطبی محمد بن اور یس شافعی (۱۵۰ھ - ۲۰۴ھ) فرمایا: "الناس کلہم فی الفقہ عیال ابی حنیفہ" فقہ میں سب لوگ امام ابو حنیفہ کی عیال ہیں۔ یعنی سب ان کے خوانِ علم سے خوش ہوئی کہنے والے اولاد کا حکم رکھتے ہیں۔

دوسری تیسری صدی میں مجتہدین بہت تھے اور ان کی تقلید بھی ہوتی تھی لیکن عام امت کو ضرورت ال

جواب ہے؟ تب تفصیل سے کتابوں میں درج کر دیا جائے تاکہ ان کتابوں کی حراجت کر کے غیہ مجتہد علماء اور ان کو جاننے والے عوام کے لیے راعی آسان ہو۔

اس ضرورت پر امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور ان کے اصحاب و تلامذہ نے توجہ دی اور اپنے اپنے قواعد اور استخراج و استنباط کے مطابق فقہی احکام کتابوں میں جمع کر دیے اس سے افراد امت کو یہ آسانی ہوئی کہ جس امام کی تقلید چاہتے ہیں اس امام کے مسائل کتابوں میں یکجا لے لیں اور اس کی روشنی میں اپنی عبادات اور معاملات کو درست کر لیں۔

بقیہ فقہ مجتہدین کے احکام و مسائل اس انداز سے مدون نہ ہو سکے اس لیے ان پر عمل کرنے والے بھی نہ رہے اور پوری امت احمد اربعہ کے مذاہب میں سے ایک مذہب پر کاربند رہی۔ اور آج بھی مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے۔

مگر تیرہویں صدی ہجری میں کچھ افراد ایسے پیدا ہوئے جنہوں نے تقلیدِ ائمہ کو شرک اور مقلدینِ ائمہ کو شرک کہنا شروع کیا، جیسے انہوں نے پوری امت کے اجماعی اعتقاد و عمل کے برخلاف انبیاء و اولیاء کی تعظیم اور ان سے استقامت و توسل کو شرک کہنا شروع کیا اور ایک ایرانی اديبن ايجاد کیا جس میں بارہ سو سال کی پوری امت شرک کی طرح ٹھہری اور سچا اسلام تیرہویں صدی میں رونما ہوا، اسی طرح مذہبِ ائمہ سے سرتکد کر کے ایسے مسائل پیش کیے جو ان کی خواہش نفس سے پوری طرح ہم آہنگ تھے کچھ ایسے مسائل بھی جنم دیے جو مذہبِ اربعہ میں سے کسی مذہب میں نہ تھے۔ اس طرح ایک پانچواں مذہب وجود میں آیا جس کی تقلید جاری ہو گئی، اس پانچویں مذہب کی پابندی کو عمل بالحدیث کا نام دیا، اور ہزار سال پیش تر کے کسی امام مجتہد کی تقلید کو شرک کا نام دیا۔

ظاہر ہے کہ عام امت جو اپنی معیشت کے کاموں میں منہمک ہے وہ براہ راست قرآن و حدیث کی ہدایت حاصل کرنے اور ان سے مسائل نکالنے سے عاجز ہے، عوام اور جہلاد تور کنارا آج کے بڑے بڑے علما بھی اجتہاد کے شرائط سے خالی اور اجتہادی قوت سے عاری ہیں، بلکہ اجتہاد مطلق کی صلاحیت صدیوں سے محدود رہی کرتی ہے۔ عوام سے بس یہی ہو سکتا ہے کہ کوئی صاحب علم انھیں راہ بتائے اور یہ اس پر اعتماد کر کے اس راہ پر گامزن ہوں۔ خواہ تیر ہویں، چودھویں، پندرہویں صدی کے کسی راہ نام کی تقلید کریں یا دوسری تیسری صدی کے کسی امام کی تقلید کریں، تقلید سے کسی حال میں گلو خلاصی نہیں۔ اور تقلید اگر شرک ہے تو شرک سے بھی کسی طرح بچنا نہیں۔ العباد باللہ رب العالمین۔

تیرہویں صدی کے نصف اخیر میں یا اس سے کچھ قبل سرزمین ہند ترک تقلید کے فتنے سے دوچار ہوئی اور تقلید ائمہ پر طعن و تشنیع کا کامیاب دور شروع ہوا۔ پھر تقلید کی مخالفت، ائمہ کی تحقیر، خصوصاً امام اعظم ابوحنیفہ

پیشکش اور ان کے تبیین کے سبب دشم پر مشتمل بھاری لٹریچر سامنے آیا جس کے رد میں تقلید کی حمایت، ان کی ضرورت اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات پر مشتمل مقلدین کی بھی بہت سی کتابیں شائع ہوئیں۔ انہیں میں سے ایک کتاب "نہر المقلدین" بھی ہے۔

مصنف اور کتاب کا تعارف مولانا امتیاز احمد مصباحی، لائبریرین الجمع الاسلامی مبارک پور نے لکھا ہے۔ جن تقریظ نگاروں کے حالات دستیاب ہوئے ان کے حالات بھی لکھ دیے۔ حضرت محدث سورتی پور کا رسالہ جامع اشہاد بھی نہر المقلدین کے آخر میں شامل تھا اس لیے حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کے حالات بھی مختصر لکھ دیے ہیں، ان کے حالات میں خواجہ رضی حیدر کی تفصیلی کتاب "مذکرہ محدث سورتی" قابل مطالعہ ہے۔ نہر المقلدین کی اشاعت کا خیال کیسے آیا اور کتاب کی جدید اشاعت کو سننے والوں کے قریب لانے کے لیے کیا کوشش ہوئی اور ان میں کن حضرات نے حصہ لیا ان سب کی تفصیل خود ناشرین طلبہ درجہ فضیلت سال اول (درجہ سابع) نے بیان کر دی ہے جس کا مسودہ محمد شعیب احمد متعلم درجہ سابع نے مجھے سنایا تھا۔ کتاب کی زبان سو سال سے زیادہ پرانی تھی جسے آج کے مطابق سلیس اور رواں بنانے کی ضرورت تھی مگر کمپوزنگ ہو جانے کے بعد اس طرف توجہ ہوئی اس لیے اس پر خاطر خواہ عمل نہ ہو سکا، قدرے سہل اور رواں بنانے کی کوشش ہوئی ہے۔

بہر حال ان طلبہ کی جدوجہد کے باعث ابتدائے غیر مقلدیت کے مناظر و مباحث سو سو سال بعد سامنے آ رہے ہیں، اس طرح کی ہمیش غیر مقلدین آج بھی نئے نئے انداز اور الگ الگ عنوان سے چھیڑتے رہتے ہیں، اور اس وقت لوگوں کو لاندہ سب بنانے کے لیے وہ طرح طرح کے حربے استعمال کر رہے ہیں، امت مسلمہ کو ان کے خطرناک فتنے سے بچانے کے لیے اہل حق کو آج پہلے سے زیادہ محنت و کاوش کی ضرورت ہے۔ مولیٰ تعالیٰ توفیق خیر سے نوازے۔ وما ذلک علیہ یحزیر۔

والصلوة والسلام علی خاتم النبیین افضل المرسلین، أعلم الاولین والآخرین وعلی آله وصحبه المرشدین وفقہاء شرعہ الہادین لاسیما الأئمة الأربعة المجتہدین وعلی من تبعہم بإحسان إلى یوم الدین۔

محمد احمد مصباحی

صدر المدرسین الجامعۃ الاشرافیہ مبارک پور

۲۲ ربیع الآخر ۱۴۳۳ھ / ۱۹ مارچ ۲۰۱۲ء - جمعہ مبارک

## پیغام

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت (۸۰ھ - ۱۵۰ھ) کا احسان نہ صرف امت مسلمہ پر ہے بلکہ دنیا کی دوسری قوموں پر بھی ہے۔

دینا کی دوسری قوموں پر بھی ہے۔ عین اس وقت جب مملکت اسلامیہ کا رقبہ اور دائرہ کار روز افزوں تھا۔ پوری انسانیت اس بات کی محتاج تھی کہ اس کے جائز حقوق اسے حاصل ہوں اور ظلم و تعدی سے اس کا تحفظ ہو، اس دور میں صرف امام اعظم کی وہ بلند ہمت ذات اور دور بین نگاہ تھی جس نے قرآن و حدیث کے عادلانہ اصولوں کی رہنمائی میں انفرادی اور اجتماعی، شہری و روستا کی بین الاقوامی زندگی کے لیے وہ فقہیانہ دستور مرتب کیا جو ہر فرد کی راحت و عافیت کا ضامن ہوا اور آج بھی عالمی سطح پر اس سے استفادہ جاری ہے۔

فریق باطلہ کے مقابلے میں ان کے جوابات اور مناظرے تمام اہل حق کا فرض کفایہ ادا کرتے ہیں اور سبھی کو ان کے احکامات کا اسیر بناتے ہیں۔

بڑے بڑے محدثین ان کے دامن فیض اور سلسلہ تلمذ سے وابستہ ہیں جو ان سب حضرات کے لیے سرمایہ فخر ہے، ان کے بلند پایہ اخلاق و معاملات بڑے بڑے صوفیہ اور اولیاء کے لیے عملی نمونہ ہیں اور ان کی پیروی پر عمل و فروع ہیں۔

اس طرح تصور کریں تو ان کے ممنون امراء سلاطین بھی ہیں، فقہاء و محدثین بھی، اولیاء و عرفا بھی، اغنیاء و جاہلین بھی بلکہ جملہ اہل اسلام اور غیر مسلمین بھی۔

اسی ہمہ جہت عالم گیر اور بلند پایہ شخصیت سے انہوں اور غیروں کو روشناس کرانا یقیناً ایک اہم اخلاقی اور علمی فریضہ ہے جس کی بجائے آدھی میں حصہ لینے والے تمام تلمذین جملہ اہل محبت کی جانب سے مبارک باد اور تکریم و تہنیت کے مستحق ہیں۔

دعا ہے کہ رب کریم ہر فرد کو اس کی نیت، کوشش و محنت اور اخلاص و محبت کے مطابق بلکہ اپنی شان و جود و عطا و فضل بے انتہا کے اعتبار سے جزائے بے کراں اور اجر بے پایان سے نوازے۔ آمین بجاہ حبیبک رحمة للعالمین صل وسلم وبارک علیہ وعلی آله وصحبه وھدایہ دینہ وھدایتی شرعہ و شعبی ملتہ اجمعین۔

محمد احمد مصباحی

۱۵ ربیع الآخر ۱۴۳۳ھ / ۲۵ فروری ۲۰۱۲ء - شنبہ

## کلمات خیر

مہملاً و حامداً و مصلياً

عزیز می مولانا جاوید احمد عتبر مصباحی نے الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں شوال ۱۴۳۶ھ تا شعبان ۱۴۳۸ھ دو سال رہ کر فضیلت کی تکمیل کی۔ پھر شوال ۱۴۳۸ھ تا شعبان ۱۴۳۰ھ مزید دو سال یہاں رہ کر قاتل اویان اور مطالعہ مذہب کا کورس مکمل کیا۔

یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ جامعہ سے رخصت ہونے کے بعد انھوں نے اپنی علمی و فنی دل چسپی نہ صرف یہ کہ برقرار رکھی بلکہ اس میں گراں قدر اضافہ بھی کیا۔ ابھی ان کی فراغت کو چار سال پورے نہیں ہوئے مگر ان کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ مضامین و کتب کی اچھی خاصی فہرست ہو چکی ہے جو دیگر فارغین کو بھی دعوت عمل دے رہی ہے آدمی میں محنت، جستجو اور اپنی خفیہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی لگن ہو تو بہت ساری سرنگدل چوٹیاں سر ہو سکتی ہیں۔

عزیز موصوف کی زیر نظر کتاب "ہائل میں نقوش محمدی، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" کی داد تو بلا متیلاب مطالعہ کرنے والے قارئین دے سکتے ہیں، میں تو باقاعدہ ورق گردانی بھی مکمل نہیں کر سکا۔ فہرست دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ کتاب خاتم النبیین ﷺ سے متعلق تورات و انجیل کی بشارتوں کا تعارف کراتی ہے۔

بہت پہلے مولانا قاضی عنایت رسول چریا کوٹی (ولادت ۱۴۳۴ھ - وفات ۱۴۳۰ھ) نے اس موضوع پر ۱۸۹۳ء تا ۱۸۹۴ء تیس سال کی محنت شاقہ کے بعد "بشری" نامی تھی جو تقریباً ساڑھے چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔ تدریس کی اصل زبان جاننے کے بعد پہلے انھوں نے کلکتہ جاکر عبرانی سیکھی جس کے لیے ایک یہودی بڑی ترکیبوں کے بعد بمشکل تیار ہوا۔ عبرانی سے پہلے انگریزی سیکھی، وہی ذریعہ تعلیم بنی، پھر یونانی بھی سیکھی اس لیے کہ اصل کے نام پر اب جو انجیل دستیاب ہے اس کی زبان یونانی ہے۔ موصوف نے غازی پور سے کلکتہ کا سفر کشی سے کیا تھا، خیر واہمی کے وقت ریل جاری ہو چکی تھی اس لیے واہمی فرین سے ہوئی۔

"بشری" میں پہلے تدریس کی عبارت عبرانی رسم الخط میں درج ہے پھر اس کا تلفظ فارسی (اردو رسم الخط

میں ہے پھر اس کا اردو ترجمہ اور اس پر تبصرہ اور مصنف کی ذاتی آراء ہیں۔ مولانا کے تفردات بہت ہیں جن سے اختلاف ضروری ہے مگر ان کی جگہ کاوی، کوہ کنی، محنت ہائے شاقہ اور دبیز تہوں کے نیچے مجھے مطالب عالیہ اور بشارت صادقہ کو منظر عام و خاص پر لانے کی سعی کی کسی طرح نظر انداز ہونے کے قابل نہیں۔ مولانا کے سوانح نگار کے مطابق انھوں نے زیادہ تعلیم اپنے خاندان کے علمائے چریا کوٹ ہی میں حاصل کی اور بعض کتابوں کا درس علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ (ولادت ۱۲۳۳ھ - وفات ۱۲۸۹ھ) سے بدایوں میں لیا۔

عتبر مصباحی کی جستجو اور محنت دیکھ کر تحسین و تبریک میرافض ہے۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ اپنے کسی استاد کو پوری کتاب دکھا کر ان کی تائید و تقریر حاصل کریں تو زیادہ مناسب ہے۔ میں نے مولانا نعم علی رضوی، مولانا صدر المورنی قادری، مولانا نفیس احمد مصباحی استغفار اشرفیہ کے نام بھی لیے مگر عزیز موصوف نے بتایا کہ ان حضرات سے رابطہ کیا تھا، چند ماہ تک وہ بہت مصروف رہنے والے ہیں، بعد میں دیکھ سکتے ہیں مگر کتاب کی طاعت و اشاعت کی تیاری مکمل ہو چکی ہے یکم جمادی الآخرہ ۱۴۳۳ھ عرس حافظ ملت میں رسم اجرا کا ارادہ ہے، اس لیے اب تاخیر کی گنجائش نہیں۔

بہر حال ان کے اصرار پر اور ان کی محنت و کاوش سے متاثر ہو کر یہ چند سطریں لکھ دیں، اگرچہ اس وقعہ و ضخیم کتاب کا تقاضا کچھ اور تھا، مگر میں بھی اپنی مصروفیات اور یومیہ ذمہ داریوں کے آگے سہرا انداز ہوں۔

مولانا تقی عزیز موصوف کو مزید علمی، تحقیقی، گہرائی، تلاش و تحقیق کی صفات عالیہ اور مقبول و ممتاز دینی علمی ملی خدمات سے نوازے، فرزند ان اشرفیہ اور قارئین ہمارے اہل سنت کو ہمہ جہت مساعی اور ہر میدان میں فہمائے و کامیاب کوششوں کی توفیق مرحمت فرمائے اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما کر تمام چھوٹی بڑی خدمت کو شرف قبول سے نوازے۔ وهو المستعان وعلیہ التکلیل۔

ہمارے دوسرے عزیز جاوید احمد مصباحی گلبرگ شریف بھی ہمارے شکر ہے، تحسین و تبریک اور نیک دعاؤں سے مستحق ہیں کہ انھوں نے اپنے کتب خانے سے یہ کتاب شائع کر کے مؤلف کی ہمت افزائی اور معاونت کی۔ اس کار خیر میں جتنے بھی رفقاء و معاونین ہیں سب کو رب کریم و عظیم اپنی بے پایاں رحمتوں اور نیک جزاؤں سے نوازے۔ وهو ذو الفضل العظیم۔

(۱۸ ربیع الآخر ۱۴۳۳ھ، یکم مارچ ۲۰۱۳ء، جمعہ)



## تقدیم

بسم الله الرحمن الرحيم • حامداً ومصلياً و مسلماً

دین حق متانہ و اعمال کا مجموعہ ہے۔ عقائد کا ثبوت دلیل عقلی، قرآن و حدیث اور افعال است سے ہوتا ہے۔ اور اعمال کا ثبوت قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس سے ہوتا ہے۔

جو شخص خدا اور رسول سے نا آشنا اور آسمانی کتاب کا منکر ہو اسے عقلی دلائل کے ذریعہ خدا کے وجود، توحید، نعم، ارادہ، سمیع و بصیر اور کلام و حکمت کی معرفت کرائی جاتی ہے پھر اسے کتاب و رسول کی ضرورت اور حقانیت سے باخبر کرتے ہوئے دین حق کی دعوت دی جاتی ہے۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بکثرت عقلی دلائل پیش کیے ہیں اور انسانوں کو بار بار عقل و نظر کو استعمال کرنے اور فکر و تدبیر کو کام میں لا کر حق کو پہچاننے اور ماننے کی دعوت دی ہے۔

دلیل عقلی سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ ایک ایسی ہستی ہے جو تمام مآذوں کو وجود دینے والی اور جملہ ممکنات کی خالق ہے۔ سارا نظام عالم اسی کے تصرف و تدبیر کے تحت چل رہا ہے، اس کا وجود خود سے ہے اور وہ واجب الوجود ہے۔ واجب الوجود ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ مخلوقات سے بالاتر ہے، وہ ذاتہ و جسم سے پاک اور برتر ہے۔ اس کے مثل کوئی چیز نہیں۔ قرآن کریم بھی اس دلیل کی تائید کرتا ہے اور اسے بہت مفید و محکم انداز میں بیان فرماتا ہے۔

مگر غیر مقلدین عقل و نقل کے صریح دلائل سے منحرف ہو کر خدا کے بارے میں جسمانیات کا عقیدہ رکھتے ہیں اور عرش پر اس کا استواء، جسم کی طرح بتاتے ہیں، جیسا کہ ان کی کتابوں میں اس کی صراحت موجود ہے۔ صرف دلیل عقلی کو رہنما بنانے والے فلاسفہ بھی ہمیشہ واجب الوجود کو جسم اور مادہ سے پاک مانتے آ رہے ہیں اور قرآن کریم بھی اسے جسم، جسمانیات سے پاک اور برتر بتاتا ہے۔ ارشاد ہے: **لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ** "اس کی طرح کوئی چیز نہیں اور وہ دیکھنے سننے والا ہے۔"

اس موضوع پر فتاویٰ رضویہ میں ایک مبسوط رسالہ ہے جس میں غیر مقلدین کے اس عقیدے پر مدح و کثیرہ در کیا جاتی ہے۔ رسالے کا نام ہے: **فوارع الفقہار علی المجتسمۃ الصغار**۔ ہو سکتا ہے جلد ہی اس کی

جمہ و اشاعت ہو۔  
قرآن کریم پر بھی غیر مقلدین کی نظر بڑی کوتاہ ہے۔ پورے قرآن پر غور کرنا اور جملہ آیات پر نظر کرتے ہوئے نتائج اخذ کرنا ان کے بس سے باہر ہے۔ بتوں کے بارے میں نازل ہونے والی آیات کا مطالعہ کیا، ان میں مشرکین کا رد فرمایا گیا ہے کہ الہ اور معبود تو وہی ہو سکتا ہے جو تمام ممکنات پر قادر ہو مگر یہ ان اعصاب کو معبود مانتے ہیں جن میں کسی نفع و ضرر کی قوت نہیں۔ غیر مقلدین ان آیات کو انبیاء و اولیاء پر فٹ کرتے ہیں کہ ان میں کسی نفع و ضرر کی قوت نہیں۔

سورہ فاتحہ میں پڑھ لیا **اِنَّكَ تَسْتَعِينُ** "ہم صرف تجھ سے مدد چاہتے ہیں،" اور حکم لگا دیا کہ خدا کے جاہلی سے بھی مدد ماننا شرک ہے۔ اور انبیاء و اولیاء سے مدد مانگنے والے مشرک ہیں۔

قرآن کی ان تمام آیات سے ان کی آنکھیں بند ہیں جن میں بندوں کے اندر نفع و ضرر کی قوت ہونے اور اسے استعمال کرنے کا ذکر ہے۔ مثلاً **تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ** یعنی اور یہ سبز چماری پر ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

اگر بندوں میں یہاں تک کہ انبیاء و اولیاء میں بھی نفع و ضرر کی کوئی قوت نہیں تو تعاون اور عدم تعاون کے یہ دونوں حکم کیوں اور کیسے؟

قرآن میں ہے: **اسْتَعِیْذُوا بِاللَّهِ وَالصَّلٰوةِ** "ممبر اور نماز سے مدد چاہو۔" ممبر اور نماز بھی خدا نہیں، جس طرح بندے مخلوق ہیں اسی طرح ان سے صادر ہونے والے افعال بھی مخلوق ہیں۔ بندوں کا ممبر، نماز روزہ، خور و نوش، خرید و فروخت سبھی افعال مخلوق اور غیر خدا ہیں۔ مگر اللہ نے غیر خدا سے استعانت کا حکم دیا اب اگر غیر اللہ سے استعانت شرک ہے تو کیا رب العالمین نے قرآن میں شرک کا حکم دیا ہے؟

شرک کے نشے میں یہ اپنے کو بھول جاتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ ان کا بیٹا باپ ہے، باپ بیٹے سے مدد مانگتا ہے۔ آدمی اپنے اہل خاندان، دوستوں اور شناساؤں سے مدد مانگتا ہے۔ پورا طبقہ حکومت سے مدد مانگتا ہے۔

یہی اور دارلے زور سے اپنی بد مذہبی کو پھیلاتا ہے۔ یہ بھی تو غیر اللہ سے استعانت ہے۔ یہ کیوں شرک نہیں؟ اگر فطری و مافوق الفطرۃ کا فرق کس تو سوال یہ ہے کہ اس کی دلیل کیا ہے؟ علاوہ انہیں یہ انبیاء و اولیاء کے خلاف جن آیات سے استدلال کرتے ہیں ان میں اس کی کوئی تفریق نہیں، پھر یہ کیا انصاف ہے کہ خود جب شرک میں ماخوذ ہوں تو اپنے دل سے گڑھ کر راہ فرار نکالیں، اور ساری دنیا کو مشرک ٹھہرانا ہو تو کوئی راہ نظر نہ آئے۔

مدعیان گزشتہ کوئی قرآن کی مراد نہ سمجھ سکا، یہ پیدا ہوئے تو انہیں قرآن کی وہ مراد کچھ نہیں آئی جس کی رو سے عہد



رسالت سے آج تک کی ساری امت مسلمہ مشرک ہے۔ بلکہ اس شرک کی زد سے قرآن و حدیث اور خدا و رسول بھی محفوظ نہیں۔ ان کی ناروا جسارت اور کھلی ملامت پر تفصیلی کلام علمائے حق کی کتابوں میں ہے۔ مجھے شرفِ بے دکھانا تھا کہ قرآن میں بھی یہ کس قدر کوتاہ بینی کے شکار ہیں۔

حدیث کا معاملہ بھی اس سے کچھ مختلف نہیں۔ چند حدیثیں اپنی پسند کے مطابق لی گئیں اور باقی سے آنکھیں بند کر لیں پھر زور و شور سے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ ہم عمل بالمحدیث کے پیکر ہیں اور دوسروں کو حدیث سے سروکار نہیں۔ اس دعوے کی قلعی کھولنے کے لیے زیرِ نظر مجموعے میں بہت سی نظیریں طبع کی ہیں خصوصاً جابر البحرین اور صفائح الطین سے علم حدیث میں ان کی کوتاہ نظری اور کم سواری کا عقدہ خوب کھلے گا۔

تقلیدِ ائمہ کو یہ شرک کہتے ہیں مگر خود پوری طرح تقلید میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ جسے نہ پورے قرآن کا علم نہ جملہ احادیث پر نظر، نہ رجال حدیث کی معرفت، نہ جرح و تعدیل کی صلاحیت، نہ اصول حدیث میں ”بدعت“ کی ایجاد میں کوئی دخل، وہ اس کے سوا کیا کر سکتا ہے کہ اپنی پسند اور ہوائے نفس کو امام بنا کر مقلدین اور تقلید کرنا جائے، انھوں نے جو کچھ لکھ دیا حسبِ پسند اس پر ایمان لاتا جائے، ساتھ ہی یہ بھی کہے کہ ہم کبھی تقلید نہیں کرتے اور یہ ائمہ کی تقلید کرنے والے علمائے رجال، علمائے حدیث، علمائے اصول حدیث، علمائے جرح و تعدیل وغیرہ ہم سب کے سب مشرک ہیں۔ یہیں تک بس نہیں فقہی احکام و مسائل میں بھی یہ کسی نہ کسی کے مذہب سے سرحد کے مرتکب ہیں، خود ان کے پاس اجتہاد و استنباط کی کوئی صلاحیت نہیں اور جہاں ائمہ سے بہت کر کوئی مسئلہ اٹھایا ہے وہاں ان کی جہالت و ضلالت بالکل عیاں ہے، جیسے بیک وقت تین طلاؤں سے ایک طلاق ہونے کا مسئلہ، آٹھ رکعت تراویح کا مسئلہ، بالغ کو دودھ پلانے سے رشتہ رضاعت قائم ہونے کا مسئلہ۔

اگر مجتہدین کی انتھک کوششوں سے شرعی احکام و مسائل کی تفصیلی تدوین ہوئی اور امت مسلمہ ان کے زیرِ ارشاد و احسان ان احکام پر کاربند ہوئی، پوری امت کا چار تدوین شدہ مذاہب میں سے کسی ایک کی پیروی پر عمل کیا جو صدیوں سے جاری ہے۔ تیرہویں صدی میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہوا جو ایک طرف تقلید کو شرک کہتا ہے دوسری طرف خود سر سے پاؤں تک کسی کی تقلید میں ڈوبا ہوا ہے یا اپنی راحت و آسانی اور ہوائے نفس کا غلام ہے۔

تاثریں علمائے حق کے رسائل و کتب کا مطالعہ کریں اور اس فرقہ جدید کے فتنوں سے اپنی حفاظت کا سامان کر لیں۔  
الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے درجہ تعلیمات سال اول ۱۳۳۳ھ کے طلبہ کی خوش بختی ہے کہ فرقہ لاندہ ہیاں کے رو میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے رسائل کا مجموعہ مفید اور دلکش انداز میں نقل کر رہے ہیں۔ یقیناً یہ رسائل بحث و تحقیق کا پیش بہا نمونہ اور علوم و معارف کا گراں قیمت خزانہ ہیں جن سے

حسبِ لیاقت و صلاحیت ان شاء اللہ عوام و خواص سب مستفید و مستنیر ہوں گے۔

اس سلسلہ میں ان طلبہ اور ان کے جملہ رفقاء و معاونین کی مساعی جلیلہ کو رب کریم شرف قبول سے نوازے، انھیں مزید دینی و علمی خدمات کی توفیق مرحمت فرمائے اور ہر محاذ پر ان کی یادری و دست گیری فرمائے۔  
وہو المستعان و علیہ التکلیلان۔

و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سید المرسلین خاتم النبیین و علی آلہ وصحبہ الراشدین المہدیین و أئمة المذاهب الحقة الراشدین المجتہدین، و علی من تبعہم بإحسان إلى یوم الدین۔

محمد احمد مصباحی

صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

۲۵ ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ / ۸ مارچ ۲۰۱۳ء بروز جمعہ





## کلمات تکریم<sup>(۱)</sup>

بسم الله الرحمن الرحيم ☆ حامداً و مصلياً و مسلماً

مولانا محمد انور نقاشی کی یادداشت کے مطابق تقریباً پچیس سال پہلے میں نے تہذیب سیرت ابن ہشامؒ (۱۰۷۱ھ) اور محمد السام ہارون مصریؒ انھیں اردو ترجمے کے لیے دے دی تھی، اس وقت میرا خیال تھا کہ ترجمہ مکمل ہو جائے گا مگر میں اس عملی اور ترجمہ دونوں سامنے رکھ کر نظر ثانی کر لوں گا، مگر جب ترجمہ مکمل ہو کر میرے پاس آیا تو نظر چلنے کی صعوبت کا احساس کرتے ہوئے یہ کام ملتار پڑا۔ کسی ترجمے پر نظر ثانی کے ذیل میں تجربہ ہو گیا تھا کہ اصل اور ترجمے کو بار بار دیکھنا پڑتا ہے، چہ بہت غور و خوض سے بعد اصلاح ہو پاتی ہے۔ مولانا محمد انور کا ترجمہ اصل میں دیکھنے کی ہمت کر پڑا تھا، نہ وقت میں اتنی گنجائش نظر آتی جو اس کام سے خاطر خواہ عہدہ برآ ہونے کی مہلت دے۔

یاد فرمیں نے عزیز موصوف سے کہا کہ اب دس بارہ سال قدر ہیں، تقریر، تحریر اور تحقیق کے تجربات سے گزر جانے کے بعد آپ اپنی پرانی تحریر دیکھیں گے تو خود بڑی حد تک درست اور بہتر بنائیں گے۔ انھوں نے بھی محسوس کیا کہ کتاب کو بالکل موقوف رکھنا اچھا نہیں، کام آگے بڑھنا چاہیے۔ اس طرح وہ مسودہ لے گئے اور کچھ آگے بڑھایا۔

نظر ثانی، کیپوزنگ، پروف ریڈنگ وغیرہ کے بعد انھوں نے ایک بار پھر ترجمہ میرے پاس بھیج دیا مگر گیارہ گزر جانے کے بعد بھی میں دیکھ نہ سکا۔ رجب ۱۴۳۳ھ میں مولانا کے فرزند محمد احمد حامی محکم جامعہ اشرفیہ کتاب واپس لینے لے۔ تو بہت عرصہ کے بعد کچھ وقت نکال کر میں نے پچاس ساٹھ صفحات دیکھے۔

مولانا نے ترجمے میں سراسر، روانی اور اصل سے قریب ترین کرکے کا اہتمام کیا ہے۔ رائج علامات و وقفہ بھی توجہ دی ہے اور کئی جگہوں کا لحاظ رکھا ہے، جس کی نشان دہی انھوں نے ”آغاز سخن“ کے تحت کر دی ہے۔ امید ہے کہ یہ ترجمہ عوام و خواص میں بہ نظر قبول و استحسان دیکھا جائے گا۔

غالبہ ۱۹۸۷ء میں مولانا، افتخار احمد قادری اور مولانا اسرار الحق بھگل پوری نے عاتق بن غیث بلائی کی کتاب

(۱) مقدمہ سے سب سے شام ۱۰۷۱ھ، ۱۰۷۲ھ، ۱۰۷۳ھ، ۱۰۷۴ھ، ۱۰۷۵ھ، ۱۰۷۶ھ، ۱۰۷۷ھ، ۱۰۷۸ھ، ۱۰۷۹ھ، ۱۰۸۰ھ، ۱۰۸۱ھ، ۱۰۸۲ھ، ۱۰۸۳ھ، ۱۰۸۴ھ، ۱۰۸۵ھ، ۱۰۸۶ھ، ۱۰۸۷ھ، ۱۰۸۸ھ، ۱۰۸۹ھ، ۱۰۹۰ھ، ۱۰۹۱ھ، ۱۰۹۲ھ، ۱۰۹۳ھ، ۱۰۹۴ھ، ۱۰۹۵ھ، ۱۰۹۶ھ، ۱۰۹۷ھ، ۱۰۹۸ھ، ۱۰۹۹ھ، ۱۱۰۰ھ، ۱۱۰۱ھ، ۱۱۰۲ھ، ۱۱۰۳ھ، ۱۱۰۴ھ، ۱۱۰۵ھ، ۱۱۰۶ھ، ۱۱۰۷ھ، ۱۱۰۸ھ، ۱۱۰۹ھ، ۱۱۱۰ھ، ۱۱۱۱ھ، ۱۱۱۲ھ، ۱۱۱۳ھ، ۱۱۱۴ھ، ۱۱۱۵ھ، ۱۱۱۶ھ، ۱۱۱۷ھ، ۱۱۱۸ھ، ۱۱۱۹ھ، ۱۱۲۰ھ، ۱۱۲۱ھ، ۱۱۲۲ھ، ۱۱۲۳ھ، ۱۱۲۴ھ، ۱۱۲۵ھ، ۱۱۲۶ھ، ۱۱۲۷ھ، ۱۱۲۸ھ، ۱۱۲۹ھ، ۱۱۳۰ھ، ۱۱۳۱ھ، ۱۱۳۲ھ، ۱۱۳۳ھ، ۱۱۳۴ھ، ۱۱۳۵ھ، ۱۱۳۶ھ، ۱۱۳۷ھ، ۱۱۳۸ھ، ۱۱۳۹ھ، ۱۱۴۰ھ، ۱۱۴۱ھ، ۱۱۴۲ھ، ۱۱۴۳ھ، ۱۱۴۴ھ، ۱۱۴۵ھ، ۱۱۴۶ھ، ۱۱۴۷ھ، ۱۱۴۸ھ، ۱۱۴۹ھ، ۱۱۵۰ھ، ۱۱۵۱ھ، ۱۱۵۲ھ، ۱۱۵۳ھ، ۱۱۵۴ھ، ۱۱۵۵ھ، ۱۱۵۶ھ، ۱۱۵۷ھ، ۱۱۵۸ھ، ۱۱۵۹ھ، ۱۱۶۰ھ، ۱۱۶۱ھ، ۱۱۶۲ھ، ۱۱۶۳ھ، ۱۱۶۴ھ، ۱۱۶۵ھ، ۱۱۶۶ھ، ۱۱۶۷ھ، ۱۱۶۸ھ، ۱۱۶۹ھ، ۱۱۷۰ھ، ۱۱۷۱ھ، ۱۱۷۲ھ، ۱۱۷۳ھ، ۱۱۷۴ھ، ۱۱۷۵ھ، ۱۱۷۶ھ، ۱۱۷۷ھ، ۱۱۷۸ھ، ۱۱۷۹ھ، ۱۱۸۰ھ، ۱۱۸۱ھ، ۱۱۸۲ھ، ۱۱۸۳ھ، ۱۱۸۴ھ، ۱۱۸۵ھ، ۱۱۸۶ھ، ۱۱۸۷ھ، ۱۱۸۸ھ، ۱۱۸۹ھ، ۱۱۹۰ھ، ۱۱۹۱ھ، ۱۱۹۲ھ، ۱۱۹۳ھ، ۱۱۹۴ھ، ۱۱۹۵ھ، ۱۱۹۶ھ، ۱۱۹۷ھ، ۱۱۹۸ھ، ۱۱۹۹ھ، ۱۲۰۰ھ، ۱۲۰۱ھ، ۱۲۰۲ھ، ۱۲۰۳ھ، ۱۲۰۴ھ، ۱۲۰۵ھ، ۱۲۰۶ھ، ۱۲۰۷ھ، ۱۲۰۸ھ، ۱۲۰۹ھ، ۱۲۱۰ھ، ۱۲۱۱ھ، ۱۲۱۲ھ، ۱۲۱۳ھ، ۱۲۱۴ھ، ۱۲۱۵ھ، ۱۲۱۶ھ، ۱۲۱۷ھ، ۱۲۱۸ھ، ۱۲۱۹ھ، ۱۲۲۰ھ، ۱۲۲۱ھ، ۱۲۲۲ھ، ۱۲۲۳ھ، ۱۲۲۴ھ، ۱۲۲۵ھ، ۱۲۲۶ھ، ۱۲۲۷ھ، ۱۲۲۸ھ، ۱۲۲۹ھ، ۱۲۳۰ھ، ۱۲۳۱ھ، ۱۲۳۲ھ، ۱۲۳۳ھ، ۱۲۳۴ھ، ۱۲۳۵ھ، ۱۲۳۶ھ، ۱۲۳۷ھ، ۱۲۳۸ھ، ۱۲۳۹ھ، ۱۲۴۰ھ، ۱۲۴۱ھ، ۱۲۴۲ھ، ۱۲۴۳ھ، ۱۲۴۴ھ، ۱۲۴۵ھ، ۱۲۴۶ھ، ۱۲۴۷ھ، ۱۲۴۸ھ، ۱۲۴۹ھ، ۱۲۵۰ھ، ۱۲۵۱ھ، ۱۲۵۲ھ، ۱۲۵۳ھ، ۱۲۵۴ھ، ۱۲۵۵ھ، ۱۲۵۶ھ، ۱۲۵۷ھ، ۱۲۵۸ھ، ۱۲۵۹ھ، ۱۲۶۰ھ، ۱۲۶۱ھ، ۱۲۶۲ھ، ۱۲۶۳ھ، ۱۲۶۴ھ، ۱۲۶۵ھ، ۱۲۶۶ھ، ۱۲۶۷ھ، ۱۲۶۸ھ، ۱۲۶۹ھ، ۱۲۷۰ھ، ۱۲۷۱ھ، ۱۲۷۲ھ، ۱۲۷۳ھ، ۱۲۷۴ھ، ۱۲۷۵ھ، ۱۲۷۶ھ، ۱۲۷۷ھ، ۱۲۷۸ھ، ۱۲۷۹ھ، ۱۲۸۰ھ، ۱۲۸۱ھ، ۱۲۸۲ھ، ۱۲۸۳ھ، ۱۲۸۴ھ، ۱۲۸۵ھ، ۱۲۸۶ھ، ۱۲۸۷ھ، ۱۲۸۸ھ، ۱۲۸۹ھ، ۱۲۹۰ھ، ۱۲۹۱ھ، ۱۲۹۲ھ، ۱۲۹۳ھ، ۱۲۹۴ھ، ۱۲۹۵ھ، ۱۲۹۶ھ، ۱۲۹۷ھ، ۱۲۹۸ھ، ۱۲۹۹ھ، ۱۳۰۰ھ، ۱۳۰۱ھ، ۱۳۰۲ھ، ۱۳۰۳ھ، ۱۳۰۴ھ، ۱۳۰۵ھ، ۱۳۰۶ھ، ۱۳۰۷ھ، ۱۳۰۸ھ، ۱۳۰۹ھ، ۱۳۱۰ھ، ۱۳۱۱ھ، ۱۳۱۲ھ، ۱۳۱۳ھ، ۱۳۱۴ھ، ۱۳۱۵ھ، ۱۳۱۶ھ، ۱۳۱۷ھ، ۱۳۱۸ھ، ۱۳۱۹ھ، ۱۳۲۰ھ، ۱۳۲۱ھ، ۱۳۲۲ھ، ۱۳۲۳ھ، ۱۳۲۴ھ، ۱۳۲۵ھ، ۱۳۲۶ھ، ۱۳۲۷ھ، ۱۳۲۸ھ، ۱۳۲۹ھ، ۱۳۳۰ھ، ۱۳۳۱ھ، ۱۳۳۲ھ، ۱۳۳۳ھ، ۱۳۳۴ھ، ۱۳۳۵ھ، ۱۳۳۶ھ، ۱۳۳۷ھ، ۱۳۳۸ھ، ۱۳۳۹ھ، ۱۳۴۰ھ، ۱۳۴۱ھ، ۱۳۴۲ھ، ۱۳۴۳ھ، ۱۳۴۴ھ، ۱۳۴۵ھ، ۱۳۴۶ھ، ۱۳۴۷ھ، ۱۳۴۸ھ، ۱۳۴۹ھ، ۱۳۵۰ھ، ۱۳۵۱ھ، ۱۳۵۲ھ، ۱۳۵۳ھ، ۱۳۵۴ھ، ۱۳۵۵ھ، ۱۳۵۶ھ، ۱۳۵۷ھ، ۱۳۵۸ھ، ۱۳۵۹ھ، ۱۳۶۰ھ، ۱۳۶۱ھ، ۱۳۶۲ھ، ۱۳۶۳ھ، ۱۳۶۴ھ، ۱۳۶۵ھ، ۱۳۶۶ھ، ۱۳۶۷ھ، ۱۳۶۸ھ، ۱۳۶۹ھ، ۱۳۷۰ھ، ۱۳۷۱ھ، ۱۳۷۲ھ، ۱۳۷۳ھ، ۱۳۷۴ھ، ۱۳۷۵ھ، ۱۳۷۶ھ، ۱۳۷۷ھ، ۱۳۷۸ھ، ۱۳۷۹ھ، ۱۳۸۰ھ، ۱۳۸۱ھ، ۱۳۸۲ھ، ۱۳۸۳ھ، ۱۳۸۴ھ، ۱۳۸۵ھ، ۱۳۸۶ھ، ۱۳۸۷ھ، ۱۳۸۸ھ، ۱۳۸۹ھ، ۱۳۹۰ھ، ۱۳۹۱ھ، ۱۳۹۲ھ، ۱۳۹۳ھ، ۱۳۹۴ھ، ۱۳۹۵ھ، ۱۳۹۶ھ، ۱۳۹۷ھ، ۱۳۹۸ھ، ۱۳۹۹ھ، ۱۴۰۰ھ، ۱۴۰۱ھ، ۱۴۰۲ھ، ۱۴۰۳ھ، ۱۴۰۴ھ، ۱۴۰۵ھ، ۱۴۰۶ھ، ۱۴۰۷ھ، ۱۴۰۸ھ، ۱۴۰۹ھ، ۱۴۱۰ھ، ۱۴۱۱ھ، ۱۴۱۲ھ، ۱۴۱۳ھ، ۱۴۱۴ھ، ۱۴۱۵ھ، ۱۴۱۶ھ، ۱۴۱۷ھ، ۱۴۱۸ھ، ۱۴۱۹ھ، ۱۴۲۰ھ، ۱۴۲۱ھ، ۱۴۲۲ھ، ۱۴۲۳ھ، ۱۴۲۴ھ، ۱۴۲۵ھ، ۱۴۲۶ھ، ۱۴۲۷ھ، ۱۴۲۸ھ، ۱۴۲۹ھ، ۱۴۳۰ھ، ۱۴۳۱ھ، ۱۴۳۲ھ، ۱۴۳۳ھ، ۱۴۳۴ھ، ۱۴۳۵ھ، ۱۴۳۶ھ، ۱۴۳۷ھ، ۱۴۳۸ھ، ۱۴۳۹ھ، ۱۴۴۰ھ، ۱۴۴۱ھ، ۱۴۴۲ھ، ۱۴۴۳ھ، ۱۴۴۴ھ، ۱۴۴۵ھ، ۱۴۴۶ھ، ۱۴۴۷ھ، ۱۴۴۸ھ، ۱۴۴۹ھ، ۱۴۵۰ھ، ۱۴۵۱ھ، ۱۴۵۲ھ، ۱۴۵۳ھ، ۱۴۵۴ھ، ۱۴۵۵ھ، ۱۴۵۶ھ، ۱۴۵۷ھ، ۱۴۵۸ھ، ۱۴۵۹ھ، ۱۴۶۰ھ، ۱۴۶۱ھ، ۱۴۶۲ھ، ۱۴۶۳ھ، ۱۴۶۴ھ، ۱۴۶۵ھ، ۱۴۶۶ھ، ۱۴۶۷ھ، ۱۴۶۸ھ، ۱۴۶۹ھ، ۱۴۷۰ھ، ۱۴۷۱ھ، ۱۴۷۲ھ، ۱۴۷۳ھ، ۱۴۷۴ھ، ۱۴۷۵ھ، ۱۴۷۶ھ، ۱۴۷۷ھ، ۱۴۷۸ھ، ۱۴۷۹ھ، ۱۴۸۰ھ، ۱۴۸۱ھ، ۱۴۸۲ھ، ۱۴۸۳ھ، ۱۴۸۴ھ، ۱۴۸۵ھ، ۱۴۸۶ھ، ۱۴۸۷ھ، ۱۴۸۸ھ، ۱۴۸۹ھ، ۱۴۹۰ھ، ۱۴۹۱ھ، ۱۴۹۲ھ، ۱۴۹۳ھ، ۱۴۹۴ھ، ۱۴۹۵ھ، ۱۴۹۶ھ، ۱۴۹۷ھ، ۱۴۹۸ھ، ۱۴۹۹ھ، ۱۵۰۰ھ، ۱۵۰۱ھ، ۱۵۰۲ھ، ۱۵۰۳ھ، ۱۵۰۴ھ، ۱۵۰۵ھ، ۱۵۰۶ھ، ۱۵۰۷ھ، ۱۵۰۸ھ، ۱۵۰۹ھ، ۱۵۱۰ھ، ۱۵۱۱ھ، ۱۵۱۲ھ، ۱۵۱۳ھ، ۱۵۱۴ھ، ۱۵۱۵ھ، ۱۵۱۶ھ، ۱۵۱۷ھ، ۱۵۱۸ھ، ۱۵۱۹ھ، ۱۵۲۰ھ، ۱۵۲۱ھ، ۱۵۲۲ھ، ۱۵۲۳ھ، ۱۵۲۴ھ، ۱۵۲۵ھ، ۱۵۲۶ھ، ۱۵۲۷ھ، ۱۵۲۸ھ، ۱۵۲۹ھ، ۱۵۳۰ھ، ۱۵۳۱ھ، ۱۵۳۲ھ، ۱۵۳۳ھ، ۱۵۳۴ھ، ۱۵۳۵ھ، ۱۵۳۶ھ، ۱۵۳۷ھ، ۱۵۳۸ھ، ۱۵۳۹ھ، ۱۵۴۰ھ، ۱۵۴۱ھ، ۱۵۴۲ھ، ۱۵۴۳ھ، ۱۵۴۴ھ، ۱۵۴۵ھ، ۱۵۴۶ھ، ۱۵۴۷ھ، ۱۵۴۸ھ، ۱۵۴۹ھ، ۱۵۵۰ھ، ۱۵۵۱ھ، ۱۵۵۲ھ، ۱۵۵۳ھ، ۱۵۵۴ھ، ۱۵۵۵ھ، ۱۵۵۶ھ، ۱۵۵۷ھ، ۱۵۵۸ھ، ۱۵۵۹ھ، ۱۵۶۰ھ، ۱۵۶۱ھ، ۱۵۶۲ھ، ۱۵۶۳ھ، ۱۵۶۴ھ، ۱۵۶۵ھ، ۱۵۶۶ھ، ۱۵۶۷ھ، ۱۵۶۸ھ، ۱۵۶۹ھ، ۱۵۷۰ھ، ۱۵۷۱ھ، ۱۵۷۲ھ، ۱۵۷۳ھ، ۱۵۷۴ھ، ۱۵۷۵ھ، ۱۵۷۶ھ، ۱۵۷۷ھ، ۱۵۷۸ھ، ۱۵۷۹ھ، ۱۵۸۰ھ، ۱۵۸۱ھ، ۱۵۸۲ھ، ۱۵۸۳ھ، ۱۵۸۴ھ، ۱۵۸۵ھ، ۱۵۸۶ھ، ۱۵۸۷ھ، ۱۵۸۸ھ، ۱۵۸۹ھ، ۱۵۹۰ھ، ۱۵۹۱ھ، ۱۵۹۲ھ، ۱۵۹۳ھ، ۱۵۹۴ھ، ۱۵۹۵ھ، ۱۵۹۶ھ، ۱۵۹۷ھ، ۱۵۹۸ھ، ۱۵۹۹ھ، ۱۶۰۰ھ، ۱۶۰۱ھ، ۱۶۰۲ھ، ۱۶۰۳ھ، ۱۶۰۴ھ، ۱۶۰۵ھ، ۱۶۰۶ھ، ۱۶۰۷ھ، ۱۶۰۸ھ، ۱۶۰۹ھ، ۱۶۱۰ھ، ۱۶۱۱ھ، ۱۶۱۲ھ، ۱۶۱۳ھ، ۱۶۱۴ھ، ۱۶۱۵ھ، ۱۶۱۶ھ، ۱۶۱۷ھ، ۱۶۱۸ھ، ۱۶۱۹ھ، ۱۶۲۰ھ، ۱۶۲۱ھ، ۱۶۲۲ھ، ۱۶۲۳ھ، ۱۶۲۴ھ، ۱۶۲۵ھ، ۱۶۲۶ھ، ۱۶۲۷ھ، ۱۶۲۸ھ، ۱۶۲۹ھ، ۱۶۳۰ھ، ۱۶۳۱ھ، ۱۶۳۲ھ، ۱۶۳۳ھ، ۱۶۳۴ھ، ۱۶۳۵ھ، ۱۶۳۶ھ، ۱۶۳۷ھ، ۱۶۳۸ھ، ۱۶۳۹ھ، ۱۶۴۰ھ، ۱۶۴۱ھ، ۱۶۴۲ھ، ۱۶۴۳ھ، ۱۶۴۴ھ، ۱۶۴۵ھ، ۱۶۴۶ھ، ۱۶۴۷ھ، ۱۶۴۸ھ، ۱۶۴۹ھ، ۱۶۵۰ھ، ۱۶۵۱ھ، ۱۶۵۲ھ، ۱۶۵۳ھ، ۱۶۵۴ھ، ۱۶۵۵ھ، ۱۶۵۶ھ، ۱۶۵۷ھ، ۱۶۵۸ھ، ۱۶۵۹ھ، ۱۶۶۰ھ، ۱۶۶۱ھ، ۱۶۶۲ھ، ۱۶۶۳ھ، ۱۶۶۴ھ، ۱۶۶۵ھ، ۱۶۶۶ھ، ۱۶۶۷ھ، ۱۶۶۸ھ، ۱۶۶۹ھ، ۱۶۷۰ھ، ۱۶۷۱ھ، ۱۶۷۲ھ، ۱۶۷۳ھ، ۱۶۷۴ھ، ۱۶۷۵ھ، ۱۶۷۶ھ، ۱۶۷۷ھ، ۱۶۷۸ھ، ۱۶۷۹ھ، ۱۶۸۰ھ، ۱۶۸۱ھ، ۱۶۸۲ھ، ۱۶۸۳ھ، ۱۶۸۴ھ، ۱۶۸۵ھ، ۱۶۸۶ھ، ۱۶۸۷ھ، ۱۶۸۸ھ، ۱۶۸۹ھ، ۱۶۹۰ھ، ۱۶۹۱ھ، ۱۶۹۲ھ، ۱۶۹۳ھ، ۱۶۹۴ھ، ۱۶۹۵ھ، ۱۶۹۶ھ، ۱۶۹۷ھ، ۱۶۹۸ھ، ۱۶۹۹ھ، ۱۷۰۰ھ، ۱۷۰۱ھ، ۱۷۰۲ھ، ۱۷۰۳ھ، ۱۷۰۴ھ، ۱۷۰۵ھ، ۱۷۰۶ھ، ۱۷۰۷ھ، ۱۷۰۸ھ، ۱۷۰۹ھ، ۱۷۱۰ھ، ۱۷۱۱ھ، ۱۷۱۲ھ، ۱۷۱۳ھ، ۱۷۱۴ھ، ۱۷۱۵ھ، ۱۷۱۶ھ، ۱۷۱۷ھ، ۱۷۱۸ھ، ۱۷۱۹ھ، ۱۷۲۰ھ، ۱۷۲۱ھ، ۱۷۲۲ھ، ۱۷۲۳ھ، ۱۷۲۴ھ، ۱۷۲۵ھ، ۱۷۲۶ھ، ۱۷۲۷ھ، ۱۷۲۸ھ، ۱۷۲۹ھ، ۱۷۳۰ھ، ۱۷۳۱ھ، ۱۷۳۲ھ، ۱۷۳۳ھ، ۱۷۳۴ھ، ۱۷۳۵ھ، ۱۷۳۶ھ، ۱۷۳۷ھ، ۱۷۳۸ھ، ۱۷۳۹ھ، ۱۷۴۰ھ، ۱۷۴۱ھ، ۱۷۴۲ھ، ۱۷۴۳ھ، ۱۷۴۴ھ، ۱۷۴۵ھ، ۱۷۴۶ھ، ۱۷۴۷ھ، ۱۷۴۸ھ، ۱۷۴۹ھ، ۱۷۵۰ھ، ۱۷۵۱ھ، ۱۷۵۲ھ، ۱۷۵۳ھ، ۱۷۵۴ھ، ۱۷۵۵ھ، ۱۷۵۶ھ، ۱۷۵۷ھ، ۱۷۵۸ھ، ۱۷۵۹ھ، ۱۷۶۰ھ، ۱۷۶۱ھ، ۱۷۶۲ھ، ۱۷۶۳ھ، ۱۷۶۴ھ، ۱۷۶۵ھ، ۱۷۶۶ھ، ۱۷۶۷ھ، ۱۷۶۸ھ، ۱۷۶۹ھ، ۱۷۷۰ھ، ۱۷۷۱ھ، ۱۷۷۲ھ، ۱۷۷۳ھ، ۱۷۷۴ھ، ۱۷۷۵ھ، ۱۷۷۶ھ، ۱۷۷۷ھ، ۱۷۷۸ھ، ۱۷۷۹ھ، ۱۷۸۰ھ، ۱۷۸۱ھ، ۱۷۸۲ھ، ۱۷۸۳ھ، ۱۷۸۴ھ، ۱۷۸۵ھ، ۱۷۸۶ھ، ۱۷۸۷ھ، ۱۷۸۸ھ، ۱۷۸۹ھ، ۱۷۹۰ھ، ۱۷۹۱ھ، ۱۷۹۲ھ، ۱۷۹۳ھ، ۱۷۹۴ھ، ۱۷۹۵ھ، ۱۷۹۶ھ، ۱۷۹۷ھ، ۱۷۹۸ھ، ۱۷۹۹ھ، ۱۸۰۰ھ، ۱۸۰۱ھ، ۱۸۰۲ھ، ۱۸۰۳ھ، ۱۸۰۴ھ، ۱۸۰۵ھ، ۱۸۰۶ھ، ۱۸۰۷ھ، ۱۸۰۸ھ، ۱۸۰۹ھ، ۱۸۱۰ھ، ۱۸۱۱ھ، ۱۸۱۲ھ، ۱۸۱۳ھ، ۱۸۱۴ھ، ۱۸۱۵ھ، ۱۸۱۶ھ، ۱۸۱۷ھ، ۱۸۱۸ھ، ۱۸۱۹ھ، ۱۸۲۰ھ، ۱۸۲۱ھ، ۱۸۲۲ھ، ۱۸۲۳ھ، ۱۸۲۴ھ، ۱۸۲۵ھ، ۱۸۲۶ھ، ۱۸۲۷ھ، ۱۸۲۸ھ، ۱۸۲۹ھ، ۱۸۳۰ھ، ۱۸۳۱ھ، ۱۸۳۲ھ، ۱۸۳۳ھ، ۱۸۳۴ھ، ۱۸۳۵ھ، ۱۸۳۶ھ، ۱۸۳۷ھ، ۱۸۳۸ھ، ۱۸۳۹ھ، ۱۸۴۰ھ، ۱۸۴۱ھ، ۱۸۴۲ھ، ۱۸۴۳ھ، ۱۸۴۴ھ، ۱۸۴۵ھ، ۱۸۴۶ھ، ۱۸۴۷ھ، ۱۸۴۸ھ، ۱۸۴۹ھ، ۱۸۵۰ھ، ۱۸۵۱ھ، ۱۸۵۲ھ، ۱۸۵۳ھ، ۱۸۵۴ھ، ۱۸۵۵ھ، ۱۸۵۶ھ، ۱۸۵۷ھ، ۱۸۵۸ھ، ۱۸۵۹ھ، ۱۸۶۰ھ، ۱۸۶۱ھ، ۱۸۶۲ھ، ۱۸۶۳ھ، ۱۸۶۴ھ، ۱۸۶۵ھ، ۱۸۶۶ھ، ۱۸۶۷ھ، ۱۸۶۸ھ، ۱۸۶۹ھ، ۱۸۷۰ھ، ۱۸۷۱ھ، ۱۸۷۲ھ، ۱۸۷۳ھ، ۱۸۷۴ھ، ۱۸۷۵ھ، ۱۸۷۶ھ، ۱۸۷۷ھ، ۱۸۷۸ھ، ۱۸۷۹ھ، ۱۸۸۰ھ، ۱۸۸۱ھ، ۱۸۸۲ھ، ۱۸۸۳ھ، ۱۸۸۴ھ، ۱۸۸۵ھ، ۱۸۸۶ھ، ۱۸۸۷ھ، ۱۸۸۸ھ، ۱۸۸۹ھ، ۱۸۹۰ھ، ۱۸۹۱ھ، ۱۸۹۲ھ، ۱۸۹۳ھ، ۱۸۹۴ھ، ۱۸۹۵ھ، ۱۸۹۶ھ، ۱۸۹۷ھ، ۱۸۹۸ھ، ۱۸۹۹ھ، ۱۹۰۰ھ، ۱۹۰۱ھ، ۱۹۰۲ھ، ۱۹۰۳ھ، ۱۹۰۴ھ، ۱۹۰۵ھ، ۱۹۰۶ھ، ۱۹۰۷ھ، ۱۹۰۸ھ، ۱۹۰۹ھ، ۱۹۱۰ھ، ۱۹۱۱ھ، ۱۹۱۲ھ، ۱۹۱۳ھ، ۱۹۱۴ھ، ۱۹۱۵ھ، ۱۹۱۶ھ، ۱۹۱۷ھ، ۱۹۱۸ھ، ۱۹۱۹ھ، ۱۹۲۰ھ، ۱۹۲۱ھ، ۱۹۲۲ھ، ۱۹۲۳ھ، ۱۹۲۴ھ، ۱۹۲۵ھ، ۱۹۲۶ھ، ۱۹۲۷ھ، ۱۹۲۸ھ، ۱۹۲۹ھ، ۱۹۳۰ھ، ۱۹۳۱ھ، ۱۹۳۲ھ، ۱۹۳۳ھ، ۱۹۳۴ھ، ۱۹۳۵ھ، ۱۹۳۶ھ، ۱۹۳۷ھ، ۱۹۳۸ھ، ۱۹۳۹ھ، ۱۹۴۰ھ، ۱۹۴۱ھ، ۱۹۴۲ھ، ۱۹۴۳ھ، ۱۹۴۴ھ، ۱۹۴۵ھ، ۱۹۴۶ھ، ۱۹۴۷ھ، ۱۹۴۸ھ، ۱۹۴۹ھ، ۱۹۵۰ھ، ۱۹۵۱ھ، ۱۹۵۲ھ، ۱۹۵۳ھ، ۱۹۵۴ھ، ۱۹۵۵ھ، ۱۹۵۶ھ، ۱۹۵۷ھ، ۱۹۵۸ھ، ۱۹۵۹ھ، ۱۹۶۰ھ، ۱۹۶۱ھ، ۱۹۶۲ھ، ۱۹۶۳ھ، ۱۹۶۴ھ، ۱۹۶۵ھ، ۱۹۶۶ھ، ۱۹۶۷ھ، ۱۹۶۸ھ، ۱۹۶۹ھ، ۱۹۷۰ھ، ۱۹۷۱ھ، ۱۹۷۲ھ، ۱۹۷۳ھ، ۱۹۷۴ھ، ۱۹۷۵ھ، ۱۹۷۶ھ، ۱۹۷۷ھ، ۱۹۷۸ھ، ۱۹۷۹ھ، ۱۹۸۰ھ، ۱۹۸۱ھ، ۱۹۸۲ھ، ۱۹۸۳ھ، ۱۹۸۴ھ، ۱۹۸۵ھ، ۱۹۸۶ھ، ۱۹۸۷ھ، ۱۹۸۸ھ، ۱۹۸۹ھ، ۱۹۹۰ھ، ۱۹۹۱ھ، ۱۹۹۲ھ، ۱۹۹۳ھ، ۱۹۹۴ھ، ۱۹۹۵ھ، ۱۹۹۶ھ، ۱۹۹۷ھ، ۱۹۹۸ھ، ۱۹۹۹ھ، ۲۰۰۰ھ، ۲۰۰۱ھ، ۲۰۰۲ھ، ۲۰۰۳ھ، ۲۰۰۴ھ، ۲۰۰۵ھ، ۲۰۰۶ھ، ۲۰۰۷ھ، ۲۰۰۸ھ، ۲۰۰۹ھ، ۲۰۱۰ھ، ۲۰۱۱ھ، ۲۰۱۲ھ، ۲۰۱۳ھ، ۲۰۱۴ھ، ۲۰۱۵ھ، ۲۰۱۶ھ، ۲۰۱۷ھ، ۲۰۱۸ھ، ۲۰۱۹ھ، ۲۰۲۰ھ، ۲۰۲۱ھ، ۲۰۲۲ھ، ۲۰۲۳ھ، ۲۰۲۴ھ، ۲۰۲۵ھ، ۲۰۲۶ھ، ۲۰۲۷ھ، ۲۰۲۸ھ، ۲۰۲۹ھ، ۲۰۳۰ھ، ۲۰۳۱ھ، ۲۰۳۲ھ، ۲۰۳۳ھ، ۲۰۳۴ھ، ۲۰۳۵ھ، ۲۰۳۶ھ، ۲۰۳۷ھ، ۲۰۳۸ھ، ۲۰۳۹ھ، ۲۰۴۰ھ، ۲۰۴۱ھ، ۲۰۴۲ھ، ۲۰۴۳ھ، ۲۰۴۴ھ، ۲۰۴۵ھ، ۲۰۴۶ھ، ۲۰۴۷ھ، ۲۰۴۸ھ، ۲۰۴۹ھ، ۲۰۵۰ھ، ۲۰۵۱ھ، ۲۰۵۲ھ، ۲۰۵۳ھ، ۲۰۵۴ھ، ۲۰۵۵ھ، ۲۰۵۶ھ، ۲۰۵۷ھ، ۲۰۵۸ھ، ۲۰۵۹ھ، ۲۰۶۰ھ، ۲۰۶۱ھ، ۲۰۶۲ھ، ۲۰۶۳ھ، ۲۰۶۴ھ، ۲۰۶۵ھ، ۲۰۶۶ھ، ۲۰۶۷ھ، ۲۰۶۸ھ، ۲۰۶۹ھ، ۲۰۷۰ھ، ۲۰۷۱ھ، ۲۰۷۲ھ، ۲۰۷۳ھ، ۲۰۷۴ھ، ۲۰۷۵ھ، ۲۰۷۶ھ، ۲۰۷۷ھ، ۲۰۷۸ھ، ۲۰۷۹ھ، ۲۰۸۰ھ، ۲۰۸۱ھ، ۲۰۸۲ھ، ۲۰۸۳ھ، ۲۰۸۴ھ، ۲۰۸۵ھ، ۲۰۸۶ھ، ۲۰۸۷ھ، ۲۰۸۸ھ، ۲۰۸۹ھ، ۲۰۹۰ھ، ۲۰۹۱ھ، ۲۰۹۲ھ، ۲۰۹۳ھ، ۲۰۹۴ھ، ۲۰۹۵ھ، ۲۰۹۶ھ، ۲۰۹۷ھ، ۲۰۹۸ھ، ۲

حرف آغاز<sup>(۱)</sup>

باسمہ و حمدہ تعالیٰ و تقدس

زیر نظر کتاب ”بخاری شریف کے ایمان، اخلاقیات و تعلقات“ کا نقش ثانی ہے۔ اس میں واقعات کے احکام و آداب کو بھی جگہ دی گئی ہے اور خصوصاً واقعات میں بھی کافی اضافہ ہے۔ بخاری شریف میں انبیاء کے کام میں اصلاح و اسلام سے متعلق مختصر احادیث کریمہ آئی ہیں، اسی طرح سرکار کے غزوات اور صحابہ کرام کی فرائض و اعمال کے مناقب کا بھی ذکر ہے۔ زیر نظر کتاب میں انبیاء کرام علیہم السلام کے مزید حالات کتب تحریرہ سے نقل کیے گئے ہیں، اسی طرح صحابہ کرام علیہم السلام کے مزید حالات سیر و تاریخ کی کتابوں سے لے کر مثال کیے گئے ہیں۔ احکام کی احادیث کے تحت شرح حدیث اور کتب فقہ کی روشنی میں مختصر فوائد کا بھی اضافہ ہے۔

مندرجات کی اجمالی اور تفصیلی فہرست بھی دی گئی ہے۔ درس حدیث کو آسان، عام فہم اور دل چسپ بنانے میں عزیز محترم مولانا شبیر عالم مصباحی نے محنت شاقہ سے کام لیا ہے، ان کا علمی تعاون کرنے والے مولانا شاہد رضا مصباحی و مولانا عابد رضا مصباحی استاذان مرکزی دارالقرآن، ڈاکٹر محمد جمشید چار کا بھی کتب کو لکھنا، تحریر اور مفید کرتانے میں عمدہ کردار ہے۔

اس سیرے کے ان کاوشوں کے بعد کتاب غلام و خواص بھی کے لیے باعث کشش، قابل مطالعہ اور فائدہ ہوگی۔ مولانا تقی ساری کوششوں کو قبول فرمائے، مصنف اور ان کے سارے معاونین کو اجر جہنم مرحمت فرمائے قبول خاص و عام سے نوازے اور مزید دینی و علمی خدمات مقبول سے سرفراز بنے۔ وهو الموفق لكل خير، و هو المستعان، وعليه التكلان، نعم المولى ونعم النصير. والصلاة والسلام على حبيبہ المرسلين، خاتم النبیین، وعلى آله وصحبہ اجمعين. وعلى من تبعهم باحسان الى يوم الدين

محمد احمد مصباحی

محرران المسیح الاسلامی مبارک پور

وناظم تعلیمات، انجمن الاسلامیہ، مبارک پور

۲۶/ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ

۱۶/دسمبر ۲۰۱۷ء شنبہ

تقدیم<sup>(۱)</sup>

بسم الله الرحمن الرحيم حامداً ومصلياً ومسلماً

رب کائنات نے زمین میں اپنی نیابت و خلافت کے لیے حضرت آدم کی تخلیق فرمائی، فرشتوں کو حکم دیا: آدم کا سجدہ کرو، سب نے اطاعت کی، مگر ابلیس نے انکار کیا اور غیظہ رب کے سجدہ و تعظیم کے لیے تیار نہ ہوا، راندہ و راگہ کر دیا گیا، اس نے قیامت تک جہنم کی مہلت مانگی، رب کی طرف سے اسے یہ مہلت مل گئی، اب اس نے قسم کھا کر کہا میں سارے بنی آدم کی راہ ماروں گا، سب کو بہکاؤں گا، صرف تیرے منتخب اور مخلص بندے ہی میرے فریب سے بچ پائیں گے۔ اس عہد اور قسم کے مطابق ابلیس اس وقت سے آج تک اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔ رب سے برگشتہ کرنا، دین حق سے دور کرنا، خدا کے مقرب بندوں کی تعظیم و توقیر سے روکنا، احکام الہی کی اطاعت سے نفرت و کافری اور خدا کی معصیت سے محبت و دل چسپی پیدا کرنا اس کا روز و شب کا مشغلہ ہے۔ بنی آدم کو وہ خدا سے جدا کرنے کے لیے وہ اپنی ساری توانائیوں اور جملہ اعوان و انصار کے ساتھ سرگرم سرفہر ہے۔ اور اس کا یہ سرفراحت سے بھلے کسی منزل پر نہ گئے والا نہیں۔

رب رؤف و رحیم نے بھی اپنے تاواں بندوں کو بے سہارا نہ چھوڑا، ان کی فطرت میں اپنی معرفت و دلالت فرمائی، انھیں فہم و ادراک کی قوتیں بخشیں اور اپنی ذات و صفات کی پوری معرفت کے لیے انہیں و آفاق میں بے شمار دلائل و آثار جلوہ گر فرمائے۔ مزید برآں انبیاء و رسل کو بھیجا، جو اس کے بندوں کو راہ حق سے وابستہ اور راہ شیطان سے برگشتہ کرتے رہیں۔ آخر میں اس نے اپنے نائب مطلق، حبیب برحق، محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ علیہ السلام کو ساری خلقت کا رسول اور کائنات کا آخری نبی بنا کر بھیجا، ان پر اپنا الہی پیغام قرآن کی صورت میں نازل فرمایا جو ان کی نبوت و رسالت کا زندہ حوالہ ہے۔

خاتم پیغمبریں، رحمت عالم و عالمیایں ﷺ نے خلق خدا کی ہدایت، کفر و شرک سے حیانت اور ضلال و معصیت سے حفاظت میں اپنی پوری قوت صرف کر دی، یہاں تک کہ جتنے انواع میں تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار

(۱) اقتدار الحق فی کس و لایمیل معیار الحق، از مفتی ارشد حسین رام پوری، اشاعت طلبہ جماعت مراد جامدہ اشرفیہ، رجمادی ۱۴۳۵ھ

صحابہ کرام کو اس بات کا گواہ بنایا کہ میں نے اپنے رب کا پیغام اس کی مخلوق تک پہنچایا۔ دنیا سے رخصت ہونے کے ساتھ بلکہ اس سے قبل بھی کار دعوت دار شاہکی ذمہ داری اپنی امت کو سپرد کر گئے اور اس وقت سے ان تک امت کی ایک جماعت ہر دور اور ہر خطہ میں خلق خدا کی رہنمائی اور اپنے فرض منصبی کی ادائیگی کے لیے جہد و جدوجہد میں مصروف رہے۔

رب جلیل نے اپنے آخری نبی اور ہمہ گیر رسول کو بے پناہ طاقت و قوت اور خیر و برکت سے نوازا۔ ان کی دعوت و ہدایت کے طفیل لوگوں نے رب کو بھی پہچانا اور رسول کی عظمت کو بھی جاننا۔ صحابہ کرام یہ مانتے تھے کہ رسول کی ذات رب اور بندوں کے درمیان واسطہ وہیلہ ہے۔ رب کا پیغام رسول ہی کے ذریعہ ہم تک پہنچتا ہے اور اس امت دعوت سے خشف و کشف اور امتیصال جیسا خدا رب رسول ہی کے وجود پاسود کی برکت سے اٹھایا گیا ہے۔

”وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ أَتَاهُمْ فَبُذِلُوا“ (۱)

اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔  
رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ ہمارے دکھ درد کا دریاں اور ہمارے گناہوں کی مغفرت کا دریہ ہے۔  
”وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَعَدْنَا اللَّهَ تَوَّابًا حَقًّا“ (۲)

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب محمد اے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے صفائی چاہیں اور رسول اس کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

کسی صحابی کی آنکھ کا ڈیلا خابنے سے باہر گیا تو رسول کی بارگاہ میں حاضری دی، فوراً علاج ہو گیا، کسی کی ہڈی ٹوٹ گئی تو آفاقی خدمت میں حاضری دی، ہڈی درست ہو گئی۔ قسط کی مصیبت سے دوچار ہوئے تو آقا سے درخواست کی، رسول نے دست دعا بلند کیا، بارانِ کرم برسا اور برساتی رہا، سیلاب اور پریشانی کی شکایت کی، بھڑکا ہوئی راحت مل گئی۔ کتب احادیث و تفسیر میں اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں کہ صحابہ نے اپنی مشکلات میں آقا سے استعانت و استمداد کی اور آفاقی عنایت و توجہ سے ان کی مشکلات کی زنجیریں کٹ گئیں۔

صحابہ کرام کا ایمان تھا کہ رسول کی تعظیم فرض عین ہے اور رسول کی بے ادبی و کستافی، تکبر کی شدت اور براہی اعمال کی دستاویز ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا شُهَدَاءَ وَ مُبَشِّرًا وَ نَذِيرًا. لِيُظْهِرُوا بَآئِنَهُ وَ رَسُولُهُ وَ نَعَزُّ زُودَ وَ تَوْفِرُودَ وَ تَسْتَبْخُودَ بِكُرَّةٍ وَ أَيْنِيلًا“ (۱)

یہ شب ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سنانا، تاکہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے لو اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پکی بولو۔

”وَلَا تَقْرَبُوا أَمْوَالَكُمْ فَوْقَ حُدُودِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ لَّان تَحْظَرُوا أَعْمَالَكُمْ وَ أَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ“ (۲)

اپنی آواز میں اور بھی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلتے ہو کہ کہیں محمد اے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

بارگاہ رسول کا ادب کرنے والوں کی قرآن کریم نے مدح فرمائی اور انہیں مغفرت و اجر عظیم کا مژدہ سنایا۔  
”إِنَّ الَّذِينَ يَخْضِعُونَ أَمْوَالَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ فَلَوْلَهُمْ لِيُظْهِرُوا لَهُمْ قُضُوعَهُمْ وَ أَجْرَ عَظِيمِهِ“ (۳)

جب تک وہ جو اپنی آواز میں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لیے رکھ لیا ہے ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔

یہ منافقین نے رسول اکرم ﷺ کی شان میں نازیبا کلمات کہے اور روایت کے مطابق حضور اقدس ﷺ کے علم غیب میں طعن کرتے ہوئے کہا: ”وَمَا يُبْدِيهِمْ بِالْغَيْبِ“ انہیں غیب کی کیا خبر؟ ہاں پرس ہوئی تو ہنسنے لگے اور کہا: ہم یوں ہی آپس میں فحشی مذاق کر رہے تھے۔ اس پر خدا نے قدس نے برطان کی تکفیر نازل فرمائی جو رہتی دنیا تک کے لیے درس عبرت ہے۔

”قُلْ إِنَّا بِنُورِهِ وَ زِينَتِهِ وَ رَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَعْتِفُونَ، لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ“ (۴)

تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہٹتے ہو پھر نے بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر۔ منافقین کی گستاخی، رسول کی شان میں تمہی مگر رب جبار نے اسے اپنی ذات اور اپنی آیات کے ساتھ بھی تہذیب قرار دیا، ان کی بے جا تاویل قبول نہ فرمائی اور ان پر مومن ہونے کے بعد کافر ہونے کا حکم نافذ کر دیا۔

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْبَصَارِ

مختصر یہ کہ صحابہ کرام نے خدا کی توحید و تقدیس اور رسول کی تعظیم و تکریم دونوں کو اپنایا۔ خالق کائنات کا مطلوب بھی یہی ہے جس پر اس نے تخلیق آدم کے وقت ہی حمیہ فرمادی کہ ملائکہ کو سجدہ آدم کا حکم دیا۔ اگر کسی برگزیدہ بندے کی تعظیم رب کی توحید کے منافی ہوتی تو ملائکہ کو آدم صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سب سے کاکم برگزیدہ ہوتا اور تکریم آدم سے انکار کے باعث عزرا زلیل رائدہ درگاہ نہ ہوتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رب کائنات کو کارساز حقیقی جان کر اپنی حاجات کے وقت کبھی اس کی بارگاہ میں رجوع کرتے اور کبھی خدا کے رسول کو اس کی عطا سے قادر و توانا، مشکل کشا اور حاجات روا جان کر ان کی بارگاہ میں رجوع کرتے اور کسی کو یہ دہم و گمان بھی نہ ہوا تاکہ رسول سے استغاثہ و استمداد کے سبب ان کا عقیدہ توحید پر باد ہو گیا۔ ان کے خلاف قرآن نازل ہوا، نہ کبھی رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے استغاثہ و استمداد کے سبب تم مشرک ہو گئے۔ اب از سر نو اسلام لاؤ، بلکہ قرآن نے تو سارے اہل ایمان کو ہدایت فرمائی ہے کہ جب اللہ نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو تو رسول کی بارگاہ میں حاضری دیں وہاں اگر اپنے رب سے استغاثہ کریں اور رسول بھی ان کی شفاعت کروں تو خدا کی رحمت و مغفرت کا یقین رکھیں۔

اور رسول اکرم ﷺ نے تو یہ ارشاد فرمایا کہ:

إِنَّ اللَّهَ جَبَّارٌ أَسْتَفْهِمُ بِحَوَائِجِ النَّاسِ يَفْرُغُ النَّاسُ إِلَيْهِمْ فِي حَوَائِجِهِمْ أُولَئِكَ الْأَيُّمُونَ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ. (۱)

"بے شک اللہ کے چھ ایسے بندے ہیں جنہیں اس نے لوگوں کی حاجت روائی کے لیے خاص کر دیے کہ لوگ اپنی ضروریات میں ان کی طرف رجوع کریں اور ان کی پناہ لیں۔ (یہ کون بندے ہیں جن کو یہ منصب حاصل ہے؟ سرکار نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کے عذاب سے بے خوف ہیں۔"

خدا کے عذاب سے بے خوف کون ہیں؟ اس کی نشان دہی قرآن فرماتا ہے۔ بڑی تاکید کے ساتھ ارشاد ہے:

أَلَا إِنَّ أَوْلَىٰ آيَةً لِلَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ. الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ. لَهُدُ الْبُشْرَىٰ فِي الذِّكْرِ وَفِي الْآخِرَةِ. (۲)

سن لو بے شک اللہ کے دیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں

(۱) رواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

(۲) سورۃ یونس، پ ۱۱، آیت ۶۲-۶۳

انہیں خوش خبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔

حاجات میں مدد طلبی اور حاجت روائی کا یہ انتظام جب رب ہی کی طرف سے ہے تو یہ استعانت و اعانت توحید کے منافی کس طرح ہو سکتی ہے؟ اور جب اس نے اپنے اولیاء کو لوگوں کی حاجت روائی کی قوت بخشی ہے تو وہ بے اختیار اور عاجز و مجبور کیسے ہوئے؟ اور جب رب کی عطا سے اولیاء مختار و حاجت روا ثابت ہوئے تو انہیں اور سید الانبیاء علیہم السلام والاشیاء کا مقام کیا ہوگا؟

صحابہ کرام کا جو عقیدہ تھا وہی پوری امت کا عقیدہ تھا۔ تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، صالحین اور جملہ مومنین کے نزدیک خدا کی توحید اور اس کے مقبول بندوں کی تعظیم میں کوئی منافات نہ تھی، خدا سے دعا و استغاثہ میں کسی مقرب بندے سے استعانت و توسل ایمان کے خلاف نہ تھا بلکہ خود قرآن کی ہدایت کا تقاضا تھا اور اس پر جملہ مومنین کا عمل تھا۔ تمام ائمہ نے قبرانور کی زیارت کے آداب میں اس کی صراحت کی ہے۔

میرا ہر سو سال گزر جانے کے بعد سرزمین چھبہ ایک شخص محمد بن عبد الوہاب نامی پیدا ہوا جس نے بارہویں صدی ہجری میں قرآن و سنت اور اسلاف امت کے برخلاف ایک نیا دین تیار کیا، جس میں انبیاء و اولیاء کی تعظیم و توحید کے منافی اور شرک قرار پائی۔ انہیں نے تو صلی اللہ کے سجدے سے انکار کیا اور یہ کہا کہ آدم مٹی سے پیدا ہوئے میں اٹھ سے۔ میں ان سے افضل ہوں تو ان کا سجدہ کیوں کروں؟ مگر صلی اللہ کے سجدہ عظیمی کو شرک اور حضرات ملائکہ علیہم السلام کو مشرک نہ کہا۔ اس نئے مذہب کی جہالت انہیں کی جسارت سے بھی فہم نہ رہا۔

بارہویں صدی ہجری کے آخر میں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے گھرانے میں ایک شخص محمد اسلمی نامی پیدا ہوا وہ بخدی فکر سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس کی ترجمانی میں "تقویۃ الایمان" نامی ایک کتاب لکھی جو تیرہویں صدی کی جو تھی وہاں کے اواخر میں منظر عام پر آئی۔ اس میں بھی ایمانی عقائد کو طرح طرح کی بے جا دہیوں سے شرک بتانے اور امت مسلمہ کو مشرک ٹھہرانے کی عالمانہ کاروائی کی گئی ہے۔ اسی مصنف کتاب کے ذریعہ بخدی مذہب ہندوستان میں منتقل ہوا۔

شیخ محمد ابن عبد الوہاب نے ایک طرف تو امام احمد بن حنبل کی تقلید کا دعویٰ کیا اور خود کو ضلی طاہر کیا، دوسری طرف ائمہ ذہاب کی تقلید کو شرک کہا اور براہ راست کتاب و سنت کی پیروی کی دعوت دی۔

اسی طرح مولوی محمد اسلمی دہلوی نے ایک طرف اپنے کو تھی اور امام ابو حنیفہ کا مقلد ظاہر کیا، دوسری طرف اماموں کی تقلید کو بدعت و گمراہی قرار دیا۔ اس کے نتیجے میں اس نئے مذہب کو ماننے والے دو گروہ میں بٹ گئے ایک مقلد حقیقی جو بعد میں دیوبندی کے نام سے معروف و مشہور ہوا۔ دوسرا غیر مقلد جس نے اپنے کو کبھی

محمدی کہا، کبھی اہل حدیث، کبھی سلفی یا اشری۔ حسب زمانہ و ماحول کئی نام تجویز کیے۔ اہل سنت میں یہ دونوں گروہ ہائی کے نام سے معروف ہیں اور امتیاز کے لیے اول کو دیوبندی ثانی کو غیر مقلد کہا جاتا ہے۔

دونوں گروہوں کے اندر اعمال اور فروع میں تو اختلاف رہا مگر بنیادی عقائد میں دونوں متفق اور حو رہے۔ اگرچہ غیر مقلد بن اب دیوبندیوں کو بھی بڑی شدت کے ساتھ مشرک قرار دیتے ہیں۔ جس کے واسطے بتاتے ہیں ایک: تقلید نام ابو حنیفہ۔ دوم: اتباع تصوف و طریقت اور یہ کہ دیوبندی بھی اپنے علماء کا گروہ اور وقت یافتہ بزرگوں سے توسل و استعانت کے قائل و عامل ہیں اور اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں علم غیب، اختیار و تصرف وغیرہ کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ ان کتابوں سے عیاں ہے جو طبقہ دیوبند نے خاص اپنے بزرگوں کے حالات و سوانح میں لکھی ہیں۔ جیسا کہ اہل سنت کے معروف عالم دین علامہ ارشد القادری نے اپنی کتاب "زلزلہ" اور "زیر و زبر" میں اسے مکمل ثبوت اور تفصیلی شواہد کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور غیر مقلدوں نے اپنی کتاب "الدیوبندیہ" میں ان تفصیلات کو درج کر کے ان پر ملا مشرک ہونے کا حکم لگایا ہے۔

وہابیہ کے عقائد جو کتاب التوحید اور تقویۃ الایمان وغیرہ میں درج ہیں۔ سیف الجبار (از علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمۃ ۱۲۸۳ھ - ۱۲۸۹ھ) میں عمائے کے جواب کے ساتھ مذکور ہیں۔

چند عقائد یہاں ذکر کیے جاتے ہیں:

(۱) بے یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہوا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چار سے بھی ذلیل ہے۔ (تقویۃ الایمان، ص ۳۳، ماہر مکی دہلوی)

(۲) اللہ صاحب نے کسی کو عالم میں تصرف کرنے کی قدرت نہیں دی اور کوئی کسی کی حمایت نہیں کر سکتا۔ (ص ۷۷)

(۳) اس طرح غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو کہ جب چاہے کر لیجیے یہ اللہ صاحب علی کی شان ہے۔ (ص ۱۸۰)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ علم الہی ازیں دائمی نہیں۔ تمام اشیا کا علم اسے پہلے سے اور ہمہ وقت حاصل نہیں۔ اس کے اختیار میں ہے جب چاہے حاصل کر لے۔ انبیاء سے نفی علم غیب کے جوش میں خدا کے جمل کا اثبات کر ڈالا۔ معاذ اللہ

(۴) کسی انبیاء و اولیاء امام یا شہیدوں کی جناب میں ہر گز یہ عقیدہ نہ رکھے کہ وہ غیب کی بات جانتے ہیں بلکہ حضرت پیغمبر کی جناب میں بھی یہ عقیدہ نہ رکھے اور نہ ان کی تعریف میں ایسی بات کہے۔ (ص ۲۳)

(۵) سو چھوٹی چیز (جیسے نمک وغیرہ) بھی اسی سے مانگنا چاہیے کیوں کہ اور کوئی نہ چھوٹی چیز دے سکتا ہے نہ بڑی۔ (ص ۲۱۰)

(۶) کسی کی محض تعظیم کے واسطے اس کے روز و ادب سے کھڑے رہنا انہیں کاموں میں سے ہے کہ اللہ نے اپنی تعظیم کے واسطے مقرر کئے ہیں۔ سو اور کسی کے لیے نہ کیا جائے۔ (ص ۷۷، تقویۃ الایمان)

إِنَّ الْقِيَامَ بَيْنَ يَدَيِ أَحَدٍ بِشِرْكَ (کتاب التوحید ص ۷۷) کی آگے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا مشرک ہے۔ (جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔ تقویۃ الایمان، ص ۳۶)

(۸) سب انبیاء اور اولیاء اس کے روز و ایک ذرہ کا چیز سے بھی کم تر ہیں۔ (ص ۲۸)

(۹) جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی۔ (ص ۵۲)

(۱۰) جیسا کہ ہر قوم کا چودھری اور گاؤں کا زمین دار، سو ان معنوں کر ہر پیغمبر اپنی امت کا سردار ہے۔ (ص ۵۵)

(۱۱) إِنْ السَّفَرُ إِلَى قَبْرِ مُحَمَّدٍ وَمَشَاهِدِهِ وَمَسَاجِدِ آثَارِهِ وَقَبْرِ أُمِّ نَبِيِّ وَوَلِيِّ وَسَائِرِ الْأَوْتَانِ، وَكَذَا طَوَافُهُ وَتَعْظِيمُ حَرَمِهِ وَتَرْكُ الصَّيْدِ وَالتَّحَرُّزُ عَنْ قَطْعِ الشَّجَرِ وَغَيْرِهَا شِرْكٌ أَكْبَرُ۔<sup>(۱)</sup>

سفر کرنا محمد (علیہ السلام) کی قبر کی طرف، ان کے مشاہد اور مساجد آثار کی طرف اور کسی نبی و ولی کی قبر اور دیگر جہوں کی طرف، ایسے ہی اس کا طواف، حریم کی تعظیم، اور شکار نہ کرنا اور اس طرح کے کام سب مشرک اکبر ہیں۔

(۱۲) ہم جو جسمانیات کی طرح اللہ تعالیٰ کے لیے بھی جہت مکان اور جسم مانتے ہیں۔ عبد العزیز بن سعود نجدی کی تصنیف "الهدیۃ السنیۃ" میں ہے: (اس کے اردو ترجمے کا نام تحفۃ الوبابیہ ہے) ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جہت علویں ہے۔

نواب صدیق حسن خان بھویالی غیر مقلد کی تصنیف "الاحتواء علی مسئلۃ الاستواء" میں ہے: "اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے اور عرش اس کا مکان ہے۔ اس نے اپنے دونوں قدم کرسی پر رکھے ہیں اور کرسی اس کے قدم رکھنے کی جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات جہت علویں میں ہے۔ اس کے لیے جہت کی بلندی ہے، رتبہ کی بلندی نہیں۔ وہ عرش پر رہتا ہے اور ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔ اس کے لیے دایاں ہاتھ دایاں ہاتھ، قدم، تھیلی، انگلیاں، آنکھیں، چہرہ اور پٹلی وغیرہ تمام اعضا ثابت ہیں"



شاہ اسماعیل دہلوی کی تصنیف ایضاح الحق میں ہے: "تخریہ اوتعالیٰ از زمان و مکان و جہت و اشبات رویت ہوا جہت و محاذات (ایلی قولہ) ہمہ از قبیل بدعات حقیقیہ است"

"اللہ تعالیٰ کو زمان و مکان اور جہت سے پاک ماننا اور اس کا دیدار جہت اور مقابلہ کے بغیر ثابت کرنا، یہ ساری باتیں بدعات حقیقیہ سے ہیں۔"

(۱۳) اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممکن ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۱۴) نماز میں ہر ایک بڑے بزرگ کا تصور کرنا خواہ رسول اللہ ﷺ ہی کا تصور کیوں نہ ہو اپنے گھر سے اور تیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے۔<sup>(۲)</sup>

تقویہ الانیماں نے انبیاء و اولیائی کی شان میں گستاخی اور ان کی تنقیص و تحقیر کی ایک فضائیاری جس کے نتیجے میں اس فرسے کو ماننے والے انبیاء و اولیائی کا بارگاہوں میں بے پاک اور جری ہو گئے۔ توحید کے نام پر کلمات انبیاء و اولیاء انھوں نے اپنا شعار بنالیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ رسول سے نسبت رکھنے والی ہر چیز سے انھیں ملن ہونے لگی۔ ان کی کتابیں خصوصاً فتاویٰ رشیدیہ دیکھیے۔ میاں رسول کی محفل کو کس کس حیلے سے ناجائز حرام کہا ہے۔ خدا کی عطا سے بھی رسول کے لیے علم غیب کا انکار یہاں تک لے گیا کہ حفظ الایمان میں مولوی اشرف علی تھانوی نے علم رسول کو جانوروں، پانگوں، کے علم سے تشبیہ دی، براہین قاطعہ میں مولوی طلیل احمد انجیلی اور مولوی رشید احمد گنگوہی نے شیطان کے لیے تو علم کی وسعت مان لی مگر علم رسول کی وسعت ماننے کو شرک ٹھہرایا۔ تحذیر الناس میں مولوی محمد قاسم نانوتوی نے خاتم النبیین ﷺ کے بعد بھی نبیائی آنا ممکن مانا، میاں جی نذیر حسین دہلوی وغیرہ نے چھ زمینوں میں چھ مثل سرور کائنات علیہ الصلوٰت و التحیات تجویز کیے۔

آج بھی تنقیص انبیاء و اولیائی جو فضائیائی جا رہی ہے وہ اسی ماحول کی دین ہے جو تقویہ الایمان نے اپنے ہونے پیدا کیا اور جس کے سرگرم مبلغ براہر پیدا ہوتے رہے۔

دوسری طرف شیخ ابن عبدالوہاب نجدی اور شاہ اسماعیل دہلوی نے ائمہ مجتہدین سے بے نیازی اور محام کے لیے عملی آزادی کی راہ ہموار کی اور اپنی کتابوں میں درس دیا کہ قرآن و حدیث سمجھنے کے لیے زیادہ علمی ضرورت نہیں۔ ہر شخص کتاب و سنت کو براہ راست سمجھ کر اس پر عمل کر سکتا ہے۔

اس فکر کی بنیاد اس لیے رکھی گئی کہ جس طرح فکری مذہب ساری امت سے الگ نئے عقائد پر تیار کیا گیا

(۲) کرسال یک دورہ رشاد اسماعیل دہلوی

(۳) صراطِ مستقیم رشاد اسماعیل دہلوی

اور دور صحابہ سے لے کر اب تک کی ساری امت کو مشترک ٹھہرایا گیا اسی طرح عملی مذہب ایسا تشکیل پائے جو مذہب احمد سے مختلف ہو اور جس میں راحت نفس زیادہ سے زیادہ ہو۔ لیکن اس میں انھیں پوری کامیابی نہ ملی، اس لیے کہ اجتہاد کی صلاحیت سے محروم تھے، کتاب و سنت میں نظر کر کے خود ہر باب میں نئے مسائل نکال نہیں سکتے تھے۔ اس لیے یہ راہ اپنائی کہ چاروں مذہب سے جہان بین کچھ باتیں لے لی جائیں، اس میں یہ بھی خیال رکھا کہ جو مسائل اپنائے جائیں وہ ہندوستان میں زیادہ مانگ مذہب، مذہب حنفیہ کے خلاف ہوں تاکہ یہ ظاہر ہو کہ یہ نئے مجتہدین اپنی سعی بلطف سے ایک نیا مذہب تیار کر کے لائے۔ حالانکہ ان کا ذاتی سرمایہ کچھ بھی نہیں اور جو کچھ مذہب اربعہ سے الگ تھلگ سرمایہ ہے وہ انتہائی شرم ناک اور عبرت ناک ہے۔

ظاہر انھوں نے یہ حکم اختیار کیا کہ سفر میں دو نمازوں کو ایک نماز کے وقت میں پڑھنا جائز ہے۔ خواہ اس طرح کہ عمر کو مقدم کر کے ظہر کے وقت میں پڑھ لیں یا اس طرح کہ ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے وقت میں پڑھیں۔ اسی طرح مغرب و عشاء کی تقدیم و تاخیر۔ اسے صحیح حقیقی کہتے ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک قرآن و حدیث کے مطابق ہر نماز کا وقت الگ الگ ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

«إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا»

”بے شک نماز اہل ایمان پر وقت باندھا ہوا فرض ہے۔“ اور احادیث اس معنوں کی بہت ہیں۔

البتہ حنفیہ کے نزدیک جمع صوری جائز ہے، خصوصاً سفر میں۔ وہ اس طرح کہ ظہر آخر وقت میں پڑھی اور صراول وقت میں پڑھی۔ اسی طرح مغرب و عشاء۔ صورت معلوم ہو گا کہ دونوں نمازیں یک جا پڑھی گئیں اور حقیقہ نماز اپنے وقت میں ادا ہوئی۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی اہلیہ صفیہ بنت عید کے وقت آخر کی خبر پائی اور دور تھے تو بڑی جلت اور تیز روی کا سفر کیا اس میں دو نمازیں جمع کرتے گئے مگر اکثر روایات میں یہ صراحت ہے کہ مغرب آخر وقت میں پڑھی پھر کچھ انتظار کر کے عشاء کی نماز پڑھی۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ انھوں نے صرف صورت دونوں نمازیں جمع کیں، حقیقہ جمع نہ کیں۔ بلکہ حقیقی روایات میں پہلی نماز کی تاخیر اور بعد والی کی تقدیم مذکور ہے ان کا عقائد بھی ہے۔ اس لیے کہ جب بعد والی نماز کے وقت میں پہلی نماز کو حقیقہ جمع کرنا مطلوب ہے تو مغرب کا وقت گزار کر فوراً مغرب و عشاء پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں، نصف شب کے بعد بلکہ طلوع فجر سے پہلے تک یہ کام ہو سکتا ہے۔ غروب شفق سے طلوع فجر تک عشاء کا وقت ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اس طویل وقت کے کسی لمحے میں عشاء کے ساتھ مغرب کو جمع کر سکتے ہیں، اول کی تاخیر اور ثانی کی تعمیل کی ضرورت تو جمع صوری میں ہے۔

مگر غیر مقلدین نے جمع حقیقی کو اختیار کیا اس لیے کہ راحت اور حنفی کی مخالفت دونوں اس میں جمع ہو گئے۔  
حنفی کی جانب سے ان پر جو اعتراضات ہوتے ہیں ان کا جواب دینے کے لیے شافعی کی بنا لی گئی ہے، اگر مگر  
ضعیف جو بھی انھوں نے لکھ رکھا تھا بڑی دلیری سے ہمارے جواب میں نقل کر ڈالتے ہیں اور شرم نہیں لگاتے  
کہ امام شافعی کی تقلید تو شرک تھی۔ یہ ان کے مقلدین کی تقلید کیسے روا ہو گئی؟

چاروں مذاہب سے الگ انھوں نے تراویح آخر رکعات تراویح، اس لیے کہ آرام نفس اسی میں ہے۔  
مالک سے ایک روایت ۳۶۱ تھی وہ نبی، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت اور امام احنبن میں روایت ہے۔  
مدینہ کا مذہب چالیس کا تھا اسے اختیار کیا، کہ جس سے بھی دو گنا بار تھا۔

چاروں مذاہب کے خلاف آپ مجس کی تین طلاقیں کا ایک مانا، اس لیے کہ یہ ایسا کارآمد نسخہ ہے کہ تین  
طلاق دینے کے بعد بھی بیوی گھر میں رکھی جاسکتی ہے، جب کہ دیگر مذاہب میں جدائی کے سوا کوئی چارہ نہیں۔  
سارے مذاہب سے الگ ایک اور دل چسپ مسئلہ انھوں نے نکالا وہ یہ کہ عورت اگر کسی بالغ کوئی کلوڈا ہو  
وے تو وہ اس کا رضائی بیٹا ہو جاتا ہے، اس کے ساتھ خلوت اور سفر جائز ہو جاتا ہے۔ سعودی افران اور ملائین  
اپنی بیوی کے سفر میں خود ساتھ جانا کسی حرم کو ساتھ کرنا دشوار ہوا تو بخدی مفتیوں کو یہ نسخہ اپنی ایک عورت لایا  
کو وہ دھپلا دے، وہ رضائی بیٹا ہو جائے گا، پھر جہاں چاہے لے جائے اور خلوت میں رہے کوئی حرج نہیں۔

قابل غور بات یہ ہے کہ مقلدین احمد کسی ایک امام کے مذہب کو اختیار کرتے اور اس کی تمام تعلیمات  
پابندی کرتے، غیر مقلدین کو یہ پابندی پسند نہ آتی تو انھوں نے یہ نعرہ لگایا کہ صرف کتاب و سنت کی پیروی کی جائے،  
ہر شخص قرآن و حدیث سے مسائل نکالے اور ان پر عمل کرے۔ احمد کی تقلید شرک ہے۔ اس پر وہ آیت اور قرآن  
فٹ کی جو ان بیوروں نے مدت میں آئی تھی جنھوں نے کتاب اللہ کے برخلاف اپنے احبار و رہبان کے احکام کی پیروی  
کی جیسے انبیاء و اولیاء سے قدرت و اختیار کی نفی میں وہ آیات پیش کرتے ہیں جو بتوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔ مگر  
بخاری کے مطابق خوارج کا بھی یہی طریق تھا کہ وہ مشرکین سے متعلق آیات کو مومنین پر فٹ کرتے۔

مقلدین تو احمد کی بات اس لیے قبول کرتے ہیں کہ انھوں نے جو بیان کیا وہ کتاب و سنت سے ماخوذ  
ہے۔ خواہ عبارت و اشارت سے یا دلالت و اختصار سے۔ احمد کا بیان کتاب و سنت کے برخلاف نہیں بلکہ ان کا  
شرح و ترجمان ہے۔

مگر اب خود غیر مقلدین یہ بتائیں کہ ان کے احمد مثلاً مذہب حسین و بلوی، صدیق حسن بیوفانی، نواب احمد  
الزماں وغیرہ نے دیگر مذاہب سے اخذ کر کے یا اپنی پسند اور طبیعت سے جو مذہب تیار کر دیا کیوں ہر شخص کو اپنی

نے اتباع کی دعوت دی جاتی ہے اور یہ غیر مقلدین کیوں اسی کی پابندی کرتا ہے؟ ہر شخص اگر کتاب و سنت سے  
مسائل اخذ کرتا تو سب کا حاصل ایک برتر نہ ہوتا، کسی کو اگر یہ سمجھ میں آتا کہ امام کے پیچھے قراءت فخر فرض ہے تو  
کوئی اس کا بھی قائل ہوتا کہ فرمان رسول کے مطابق امام کی قراءت مقتدی کی بھی قراءت ہے۔ اور فرمان خدا کے  
مطابق یہ بھی سمجھ میں آتا کہ جب قرآن کی قراءت ہو تو سننا اور چپ رہنا ضروری ہے۔

معلوم ہوا کہ ان کا مقصد اور مدعا صرف یہ ہے کہ ساری امت سے الگ تنہا فکری مذہب کی طرح  
سارے جہان سے جدا ان کا ایک عملی مذہب بھی ہو۔ کتاب و سنت کا نام اور اتباع قرآن و حدیث کی دعوت محض  
ایک فریب اور دل کش نعرہ ہے جس کے بغیر کسی دانا و عاقل کو اپنے دام ترویج کا شکار بنانا نہایت مشکل ہے۔ چار  
مذاہب کے بعد ایک پانچویں مقررہ مذہب کا نام غیر مقلدیت ہے، جس کے اندر دوسری تیسری صدی کے  
پچاس تیرہویں چودھویں صدی کی پیداوار ہیں۔ دوسری تیسری صدی کے احمد کی تقلید تو شرک ہے مگر ان  
تیرہویں چودھویں صدی کے احمد کی تقلید معین فرض ہے۔ فیما للعجب

تویر الحق، معیار الحق، اقتصاد الحق وغیرہ فروغ و ہدایت وغیرہ مقلدیت کے پہلے دور کی نشانیاں ہیں۔ تویر  
الحق نواب قطب الدین خان دہلوی (وفات: ۱۲۸۹ھ - عمر ۶۵ سال) نے لکھی تھی اس کے جواب میں غیر  
مقلدوں کے مجتہد مطلق اور امام و پیشوا میاں بی نذیر حسین دہلوی (۱۲۲۰ھ - ۱۳۲۰ھ) نے معیار الحق لکھی اس  
کے جواب میں حضرت مفتی ارشاد حسین رام پوری (۱۲۳۸ھ - ۱۳۱۱ھ) رضی اللہ عنہ نے اقتصاد الحق لکھی۔

یہ کتاب بڑی متانت اور تنقید کی سے لکھی گئی ہے اور اپنے جوابات کی تائید میں ان کتابوں کی عمارت بھی  
جوشی گئی ہیں جو مولف معیار کے نزدیک مستند و معتبر ہیں۔ اجتہاد اور سونیت سے مکمل پرہیز کیا گیا ہے۔

۱۳۳۳ھ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ (۱۲۷۲ھ - ۱۳۳۰ھ) نے "حاجز البحرین  
الواقی من جمع الصلااتین" تصنیف فرمائی۔ اس وقت میں جی نذیر حسین زندہ تھے۔ جمع صلااتین کے موضوع پر یہ  
کتاب اپنے حسن ترتیب، طرز استدلال، انداز نقد و جواب اور افادات پرلے کے لحاظ سے منفرد اور لاجواب ہے۔

درجہ سابع کے طلبہ نے ۱۳۳۳ھ میں ایک مجموعہ شائع کیا تھا (فائض تقلید کا ایک جائزہ - ۱۳۳۳ھ) اس  
میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ عنہ کے سچے رسائل تھے جن میں حاجز البحرین بھی شامل ہے۔

اس سال کے طلبہ سابع نے نصر المقلدین، نصر المجتہدین، حمایہ المقلدین کی طرح اقتصاد الحق کا  
انتخاب کیا تاکہ قدیم علمی سرمایہ بھی محفوظ رہے۔

تویر الحق اور معیار الحق کی طرح اقتصاد الحق کی اردو زبان بھی قدیم درس گاہی زبان تھی جسے سمجھنے میں عوام

تو عوام بہت سے علماء طلبہ کو بھی خاصی دشواری پیش آئی۔ اس لیے زبان کی قدر سے تسہیل خصوصاً ان کی سہولت کے لیے لایا گیا۔ اس سلسلے میں مولانا محمود علی مشاہدی مصباحی اور مولانا محمد صادق مصباحی نے سخت شائق اٹھائی، اور مولانا محمد نور مصباحی نے ان کی معاونت کی۔ بعض طلبہ سابعہ نے بھی حوالوں کی تخریج وغیرہ میں کاوش کی۔ جرحہم اللہ خیر الجواہر۔

مولانا محمود علی مشاہدی مصباحی جامعہ اشرفیہ میں مدرس ہیں اور باقی دو صاحبان مولانا محمد صادق مصباحی اور مولانا محمد نور مصباحی مدرسہ عربیہ سعید العلوم بھی پور خلیج مہراج منج میں مدرس کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مجھے بڑی سرت اس بات پر ہے کہ ان حضرات نے اپنے خالص دینی و علمی ذوق کے تحت بغیر کسی عوض کے یہ کام کیا اور اس سے پہلے بھی کئی کام اس طرح کر چکے ہیں۔ جب کہ عموماً میں دیکھتا ہوں کہ ایسے زمانہ میں بڑی تہذیبی آگنی ہے اور خلاصاً لوجہ اللہ کچھ کرنے کا جذبہ کم ہے۔ کم ہوتا جا رہا ہے۔ اس ماحول میں جب ایسے عزیزوں پر نظر جاتی ہے جنہوں نے دشواریوں کے باوجود بزرگوں کی روش کو اپنی رکھا ہے تو بڑی خوشی ہوتی ہے۔ ویسے میں نے تو حالات سے مصالحت کر لی ہے اور اس بات کا قائل ہوں کہ سابقہ دور روحانی توانائی، مصائب پر صبر اور بے عوض کار خیر پر بے انتہا سرت و خوشی کا تھا؟ اب وہ بات نہ رہی، لوگوں کا معیار زندگی بڑھ گیا۔ ضروریات و سہولیات میں اضافہ ہوا، آسانی سے آدمی مشقت اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہوتا، بہت سارے کام مردان کار کے انتظار میں رکے رہتے ہیں مگر دین کا کام رکنا نہیں چاہیے، جس قیمت پر بھی ہو سکے اگر بھلا چاہیے۔ ورنہ بڑے شہدے کا شہر ہے۔

ذیل ہو رہا ہے کہ "انتصار الحق" کی اصل عبارت اور تسہیل شیعہ زبان کا ایک نمونہ پیش کردہ ہو تاکہ قارئین کو ان حضرات کی کاوشوں کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ (انتصار الحق مطبوعہ ۱۳۹۹ھ بار دوم)

### زیر نظر نسخہ انتصار الحق:

لہذا مولف معیار جو اس کے پہلے جواب میں کہتا ہے:

"شیخ سلام اللہ حق نے 'معلیٰ' میں کہا ہے: معنی اس حدیث کے یہ ہیں کہ سایہ تیرا برابر تیرے ہو جائے، مع سایہ اصلی کے تقریباً۔ اور جب سایہ اصلی کو اس میں سے علاحدہ کریں گے تو ایک مثل شئی ہے، جو سوا سایہ اصل کے ہو، بمقدار سایہ اصلی کم ہوگا، اور وقت ظہر اس وقت تمام ہوگا، کہ سایہ اصلی کے سوا ایک مثل کو سایہ شئی بنی جائے تو اس مقدار کی میں کہ وہ بقدر سایہ اصلی ہے، نماز امام و مصبوق بخوبی ادا ہو جائے گی۔" اھ خلاصہ کلامہ مع بعض الايضاح۔

جب توجیہ ہے اس لیے کہ سایہ اصلی کسی چیز کے اس سایہ کو کہتے ہیں جو سورج کے دائرہ نصف النہار کے پہنچنے کا وقت ہوتا ہے اور سایہ اصلی بلا واسطہ اور مختلف مہینوں میں مختلف ہوتا ہے، چنانچہ مولف اس مضمون کو کام خطابی سے نقل کر چکا ہے۔ لہذا حدیث ابویہ (جو حدیث موقوف ہے بحکم مرفوع) کو اُوراستہ کہ اور حدیث کے سایہ پر محمول کیا جائے، تو بعض ایام میں وہاں پر سایہ اصلی ایک مثل شئی سے زیادہ ہوتا ہے اس لیے کہ وہ بلا واسطہ دوم میں سے ہیں اور ان میں بعض دنوں میں سایہ اصلی آٹھ قدم سے زیادہ ہوتا ہے اور کسی شئی کا سایہ کل بقدر سات قدم ہوتا ہے یا بقدر ساڑھے چھ قدم، مکالماتی "شرح جعفری" وغیرہ:

"وقد يقسم المقیاس الثانی مرة بانی عشر قسمًا، ویسمی اقسامہ: اصابع، ومرة اخرى بسبعة اقسام او ستة ونصف ویسمی اقسامہ: اقداما" اھ۔ مختصر اُور توجس وقت بقدر مثل سایہ کو جو حدیث مذکور میں مذکور تھا، مثل عرفی پر محمول کیا، یعنی سایہ اصل کے ساتھ ایک مثل ہو، توجب بعض ایام میں سایہ اصلی ایک مثل سے زیادہ ہوا، کامر۔ تو ایک مثل مع سایہ اصلی اور زیادتی کے مراد لینا ان ایام میں کس طرح ممکن ہوگا؟ خود سایہ اصلی ہی ایک مثل شئی سے زیادہ ہے۔ اور اگر صرف سایہ اصلی میں سے (جو ایک مثل شئی سے زیادہ تھا) بقدر ایک مثل لیا جائے، تو لازم آئے گا کہ نماز ظہر قبل از وقت ادا ہو، اس لیے کہ زوال کے وقت کسی شئی کا سایہ آٹھ قدم سے زیادہ ہوگا۔ اور ایک مثل سے سات قدم سایہ ہے، تو لازم آئے گا کہ نماز ظہر ایک قدم اور چند دقیقہ پیش تر ادا کی جائے۔ اور اس امر کو کئی عقل مند قائل نہ ہوگا۔ لہذا حدیث مذکور کا یہ عمل کلاماً صریحاً غلط ہوگا۔

اسی لیے علامہ عبدالباقی زرقانی نے "شرح موطا" میں حدیث مذکور کے تحت لکھا ہے کہ: اس سے مراد یہ ہے کہ سایہ اصلی کے علاوہ کسی چیز کا سایہ ایک مثل کو پہنچ جائے، اس وقت نماز ظہر ادا کر دو، وکلامہ هذا: "صل الظہر اذا کان ظلک مثلک، آی۔ مثل ظلک، یعنی قریباً منہ بغیر ظل الزوال" اھ۔

یہ ایک نمونہ میں نے پیش کر دیا۔ بعض مقامات پر سابقہ نسخہ کی عبارت ادق اور شکل ترکیب پر مشتمل (نہ وہ صدر بدقت میرے پیش نظر نہیں) ان حضرات نے بہت واضح اور آسان کر دیا۔

مولانا حقانی اس کتاب کی ترتیب و تسہیل اور طباعت و اشاعت میں سبھی حصہ لینے والوں کو جزائے خیر سے نوازے۔ مولانا محمود علی مشاہدی مصباحی نے طلبہ اشرفیہ کی علمی سرگرمیوں کا حال اپنے مضمون میں ندرت سے اجمال و تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے اس لیے میری سبک دوشی ہے۔ رب کریم ہمارے مدارس کے تمام ارکان، اساتذہ، طلبہ، معاونین اور سرپرستوں میں جذبات خیر و حق کو عام کرے۔ دین و علم سے

والہائے شغف عطا فرمائے، دین حق کی دعوت اور علوم دینیہ کو جہان کے ہر گوشے میں پہنچانے کی توفیق عطا فرماتے۔ مصیبت و مصیبت ہر ایک سے دور سے دور تر کئے اور دارین کی سعادتیں نصیب کرسد وما ذلك عليه بعزيز:

والصلاة والسلام على أكرم الأولين والآخرين وعلى آله وصحبه ومجتهدي شريعته واولياء دينه وصلاحاء أمته أجمعين.

### محمد احمد مصباحی

صدر المدرسين الجامعة الاشرفية مبارک پور

۲۲ رجب ۱۴۳۵ھ / ۲ مئی ۲۰۱۴ء جمعہ مبارک



## کلمۃ المجلس<sup>(۱)</sup>

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
خَامِدًا وَ مُصَلِّيًا وَ مُسْتَلِمًا

كان المصحح الدراسي في مادة العلم العربي يشتمل على العلاقات السبع ودوران الحامسة وحوارها من الكتب التي لا تقتيد بزاهة المشمول ومعايير الأخلاق الحميلة، وتعمل قسطا كبيرا من مدح الملوك والأمراء الجائرين، والهجو الشيع، والفخر القبيح، والغزل الردي، والخمر الخرام، ونزوا يسيرا من الحكيم والأدب الحسن.

وأهمل الأدياء مادة المديح النبوي في مجموعاتهم إلا ما شذو ونذر. ولم يعتني به خبراء الدراسات الأدبية، ومستولوا المناهج العربية كان المديح النبوي ليس من الأدب في شيء.

و نعرف أن كثيرا من المدائح صدر من أجداء الصحابة والتابعين الذين يستند بكلامهم، ولهم مكانة مرموقة في حسن التعبير مع تمام الصدق. واقتدار فارع على أصناف البلاغة مع زاهة المعاني، وشمق البيان، واظهار المدايح.

حق لكلامهم المنشور والمنظوم أن يجمع ويقرأ ويدرس، ويستضاء به أدبا ودينا وصلاحا ولقد من الله تعالى على أساتذة الجامعة الأشرفية إذ وجه أنظارهم إلى هذا الكبر الغالي، والأدب العالي، وفي مقدمهم أخونا الأستاذ يسر اختر المصباحي الأعظمي. فقد عزم على استخراج هذا الكثر من بطون الأوراق، وعكف مدة غير قصيرة على جمع منشوده من مطاوعة، وفار تراه اذ قدم إلى أوساط المدارس الإسلامية العربية كتابا يجمع أصناف المدايح النبوية من العصر الأول إلى العصور الأخيرة. ابتهج به العلماء والأدياء، وأهل المحبة الصادقة بالنبي الخاتم، لندي أرشدنا إلى الدين الحق، ومهد لنا سبيل كل خير، وكشف للخلق كل ضرر وضرير.

تقرر درس المديح النبوي في منهج الجامعة الأشرفية مذ سنة ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹م، واقصاها كثير من أهل المدارس العربية، وكتب عليه بعض المدرسين حواشي حين تدرسهم بكتاب، منهم أنا والأستاذ شمس الهدى المصباحي، والأستاذ نقيس أحمد المصباحي، ولا ريب أن الشعر يكون غامضا صعبا بالإضافة إلى النثر، لأن الشاعر يعتبر غنا في ضميره بكلمات

(۱) المدح النبوي، مع تشریح و ترمیم از استاد مولانا یحییٰ احمد مصباحی، مجلس نکات جامعہ اشرفیہ، جون ۲۰۰۳ء

موجرة بمجملتها معتقداً بالوزن والقافية، وقد يبلغ به ضيق المجال حدّ التعقيد والإلتباس، والسامعون يتحيزون في فهم المراد، لكن الشاعر البارع يخرج من كل ضيق سائلاً عطفًا بقدره لسعة اقتداره، وحسن تصرفه، وبذلك تتجلى مكانته عاليةً شائعة. أمّا القارئ الذي ليس له كثير إلمام واعتياد بالنظر في الشعر فهو مضطرب ويزعج بأدنى تغير في التركيب المألوف يتوار محادثة، كتقديم الخبر على المبتدأ أو تقديم المفعول على الفعل أو الفاعل أو بُعد مرجع الضمير نحو ذلك ولا يحمل الشعر عامة عن مثل هذا التغير اليسير.

ولذا نرى أن أهل العلم وضعوا الشروح للمنظوم العربي للقراء العرب ولمر الفارسية والأردية شرحوا المنظوم الفارسي والأردني للناطقين بالفارسية والأردية. و"المذبح النبوي" لاحتوائه على كلام المادحين القدامى والجلد كان في أمش حاجة إلى الشرح، وخاصة لغير الناطقين بالعربية، فطلب من الأستاذ محمد صادق المصباحي أن يشرح الكلمات والتركيب الصعبة، ويترك بعد كل بيت فراغاً أملؤه بإيضاح مغزى البيت سطرين أو سطور بالعربية ثم بدا لي أن الإيضاح بالعربية لا يكفي بعض الطلاب إظهار تسهلاً، ولا بد لتدّ حاجتهم من ترجمة الأبيات بالأردية الواضحة.

لكن التعرير المذكور انتقل من الجامعة الأردنية إلى مدرسة قريبة من وطنه، وتوقّف هذا العمل، ثم طلبت من الأستاذ ساجد علي المصباحي أن يجمع ما كتبته أنا والأستاذ فهد الهدي المصباحي والأستاذ نفيس أحمد المصباحي، ويضيف إليه كثيراً مما تركنا لإيضاحه ويخاطب إليه الطلاب، وطلبت من الأستاذ نفيس أحمد المصباحي أن يترجم الأبيات إلى الأردية ليسهل الفهم لكل طالب ومدرسه إلمام بالعربية، واهتمام واعتياد بفهم اللغة وتفهيمها. فشكراً لهما أن شرعا في أعمالهما، وأتمنا، وأعدت النظر على الحواشي والترجمة، وأرجو نفعهما للدارسين والمدرسين، وأسأل الله ربي عز وجل القبول، والجزاء الموفور، ونعميم النفع، وهو المستعان وعليه التكلان. والسلام على رسوله أشرف الخلق وعلى آله وصحبه أجمعين.

محمد أحمد المصباحي  
رئيس المدرسين بالجامعة الأردنية (مصباح العلوم)  
مبارك فور، مديرية أعظم جره، بولم، الهند  
ومدير مجلس البركات  
قسم نشر المقررات الدراسية وإعدادها  
بالجامعة الأردنية

المجمع الإسلامي  
١٤٣٥ هـ، ١٢ رجب  
٢٠١٤ م

## على تقريب التهذيب<sup>(١)</sup>

بسم الله الرحمن الرحيم  
حاييذاً ومصلياً ومسلماً

وبعد فقد سررت بأن الشيخ محمد حسان رضا العطارى قام بتحقيق تعليقات الإمام أحمد رضا القادري البريلوي رحمه الله تعالى على تقريب التهذيب للعلامة ابن حجر العسقلاني رحمه الله تعالى، وذكر في تقديمه على تعليقات التقريب ما لها من مزايا، ووجعها في التنبيهات والإفادات، وفصلها بذكر أنواع التنبيه والإفادة والإشارة إلى الشواهد.

لا تخفى مكانة العلامة العسقلاني في فن أسماء الرجال وعلم الحديث. وقد ترك ثروة غالية في العلمين، واشتهر بلقب "خاتمة الحفاظ"، وعلماء عصره الميمون ومن بعدهم يرجعون إلى كتبه ويتقنون به. وإنه لجدير بذلك لعلو مكانه وارتفاع مقامه في العلوم. وما استغنى عن نقاش يراعه من جاء بعده من جهابذة العلماء. فالزيادة على ما كتبه الحافظ العلامة أمر صعب يتطلب سعة الاطلاع وخبرة ثنوب، وأصعب منه الوقوف على أخطائه النادرة. وأصعب منه التنبيه على زلات نظمائه بالنزاهة والإجلال وحسن الأدب، بدون الكبر والعجب، وبدون الغش من ألقائهم ومراتبهم السامية.

لكن الإمام أحمد رضا القادري في تعليقاته على "التقريب" زاد فوائد كثيرة، رتب على أخطاءه وزلاته، وبيّن ما هو الحق والصواب. وهذا دليل على طول بامه في العلوم، وقدرته المدهشة على الفنون، وحسن تصرفه في التحرير والتفتيح، مع الاعتراف بعظمة المتقدمين، والتزام الأدب والتواضع لحضراتهم. كانت إفادات الإمام أحمد رضا قدس سره كنزاً مخفياً لا تصل إليه أيدي

(١) ما يعلم أن المتن، محمد حسان رضا العطارى، كراچی، ۱۳۸۵ھ/۲۰۰۴م



الطالبین و عبود المشتاقین، لکن الشیخ محمد حسان رضا العطاری بذل جہودہ فی إخراجہا من معدنہا، و سعی فی تحقیقہا و إصدارہا، و وضعہا علی طرف الشام لتستفیع بہا الخاصة والعامة. وقد ذکر مراجع كثيرة لما كتب الإمام أحمد رضا رحمہ اللہ، و فی عدة مواضع أضاف إلیہ من رسائلہ و فتاواہ ما ینفع، و یوضح المرام، و یموئع أصاف من عند نفسہ فوائد نفیسة، و کل من یری تحقیقہ بعین الإنصاف و الاعتبار یعترف أن الشیخ راجع کثیرا من المصادر بدون سامة و ملل، و أخذ منها ما یجب أو یحسن إیرادہ لإیضاح تعلیقات الإمام و تأئیدہا، و تکتیر جدواہا، و توفير مافعہا. و لم یأل جهدا فی إصدارہا بشوب قشيب أنیق، و منظر رائع جیل، و صورة مفيدة ممتعة رائجة فی عصرنا هذا، محتویة علی العلامات و الأوقاف و تقطیع العبارات. فجزاه اللہ تعالیٰ خیر ما یجزي به العلماء العاملین المجتهدین فی سبیل نشر العلم و الخیر. و وَفَّقہ و إیمانا للعمل بمرضاتہ، و رَزَقَہ القبول بفضلہ و إنعامہ. إنه لجواد کریم.

و صلی اللہ تعالیٰ و بارک و سلم علی سید المرسلین خاتم النبیین و علی آلہ و صحبہ أجمعین.

### محمد أحمد المصباحي

عضو المجمع الإسلامي ببارک نور  
و مدیر التعليم بالجامعة الأشرفیة، ببارک نور

۱۱/۱۵، ۱۴۳۵ھ

۱۱/۹، ۲۰۱۴م

## کلمۃ المجلس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَحَامِیْدًا وَ مُتَعَلِّمًا

جرح و تعدیل سے راوی کے متعلق یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ اس کی روایت قابل قبول ہے یا نہیں پھر راوی اور روایت کا درجہ کیا ہے۔ اس کے لیے راوی کے جملہ حالات سے آگاہی لازم ہوتی ہے اور کبھی یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ ایک شیخ سے کسی نے کوئی حدیث روایت کی ہے تو اس شیخ کے دیگر تلامذہ سے وہ حدیث مروی ہے یا نہیں؟ اگر مروی ہے تو دونوں میں موافقت ہے یا مخالفت؟ اس کے لیے مزید علم اور وسعت اطلاع کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جرح و تعدیل سے متعلق کلام کرنے والے ائمہ کی تعداد بہت کم ہے جب کہ راویان حدیث اور محدثین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

جرح و تعدیل سے متعلق کچھ بحثیں کتب اصول حدیث اور کتب اسما الرجال میں ملتی ہیں۔ ان کو یکجا کرنے کے بعد کچھ اصول و ضوابط مستنبط ہوتے ہیں جن کو سامنے رکھ کر راوی اور روایت کے درجہ قبول و استناد کی تعیین ہو سکتی ہے۔ یہ اصول یکجا نہ تھے ابوالحسنات مولانا عبدالحی فرنگی علی عیہ الرحمہ (۱۲۶۳ھ - ۱۳۰۴ھ) نے "الرفع و التخیل فی الجرح و التعدیل" کے نام سے اس فن کے اہم اصول کو جمع کیا۔ یہ کتاب پہلی بار مطبع انوار احمدی لکھنؤ سے ۱۳۰۱ھ میں اور دوسری بار مطبع علوی لکھنؤ سے ۱۳۰۹ھ میں ۳۰ صفحات پر شائع ہوئی اور اس فن کی منفرد کتاب شہد کی گئی۔

پھر مشہور محقق علامہ زاہد الکوثری (۱۲۹۶ھ - ۱۳۷۱ھ) کے شاگرد شیخ عبد الفتاح ابوالنعمہ (۱۳۳۶ھ - ۱۴۰۷ھ) نے الرفع و التخیل پر تعلیقات لکھ کر اشاعت فرمائی۔ ۱۳۸۳ھ سے ۱۴۰۷ھ تک اس کے کئی ایڈیشن تعلیقات میں اضافوں کے ساتھ اشاعت پذیر ہوتے رہے۔ ہمارے پیش نظر اس کا آٹھواں ایڈیشن ہے جو ۵۶۳ صفحات پر مشتمل ہے اسے شیخ ابوالنعمہ کے فرزند شیخ سلمان کے اہتمام میں شرکت دار البشائر اسلامیہ بیروت نے ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء میں شائع کیا ہے۔

اچھی حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ (۱۲۷۲ھ - ۱۳۴۰ھ) کی تصانیف خصوصاً حاشیہ الجرحین اور فی منہج الصلاحتین (۱۳۳۳ھ) اور منیر العین فی تفہیم الابہاتین (۱۳۴۳ھ) میں بھی اصول حدیث اور جرح و تعدیل سے متعلق قیمتی افادات متفرق طور پر موجود ہیں۔

(۱) اصل جرح و تعدیل، مولانا محمد صدیق قادری، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، دہلی، ۲۰۱۵ء

۱۳۲۸ھ/۲۰۰۷ء میں عظیم المدارس کے قیام کے بعد جب ۱۸/۱۹ ربیع النور ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۳/۱۴ مارچ ۲۰۰۸ء کو نصاب تعلیم پر نظر ثانی کے لیے جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں عظیم المدارس کی نشست منعقد ہوئی تو خیال ہوا کہ حدیث اور اصول حدیث کے ساتھ فن جرح و تعدیل سے متعلق بھی طلبہ کو مختصر اور بنیادی آشنائی دینی چاہیے۔ اسی کے تحت ایک مختصر کتاب تیار کرنے کی تجویز ملے ہوئی۔ کتاب کی ترتیب کا کام حضرت مولانا محمد حسین مصباحی استاذ دارالعلوم غریب نواز الہ آباد کے ذمہ سپرد ہوا۔ موصوف لائق و فائق مدرس ہونے کے ساتھ شہرت یافتہ خطیب بھی ہیں، اس لیے چند سال بعد انھوں نے اپنی عدم الفرضی کاغذ پیش کر کے اس کام سے دائمی رخصت حاصل کر لی۔ خدا کرے ان کی سنجیدہ، مدلل، فکر انگیز اور مقبول خاص و عام تقریروں کا سلسلہ طالبانِ خیر کے لیے ہی منفعت بخش رہے۔ معیاری مقررین اور تقریروں کی بھی بڑی کمی ہے۔

موصوف کے بعد "اصول جرح و تعدیل" کی تحریر و ترتیب عزیز گرامی مولانا محمد صدور دہلوی قادری مصباحی کے سپرد ہوئی، انھوں نے مذکورہ مصادر مراجع اور دیگر مصادر سے استفادہ کرتے ہوئے زیر نظر کتاب جلد تیار کر دی۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ مضامین "الرفع و التحصیل" کے احاطے کے ساتھ امام احمد رضا قدس سرہ کے فتاویٰ کا بھی مختصر حصہ شامل کتاب ہو گیا۔ رب کریم مولانا موصوف کی دینی و علمی، قلبی ولسانی خدمات کا تذکرہ وسیع و وسیع تر فرمائیے۔ کتاب اردو میں مرتب کی گئی تاکہ طلبہ کے ساتھ دیگر شائقینِ فن بھی آسانی استفادہ کر سکیں۔ ہو سکتا ہے موصوف جلد ہی اسے عربی کا جامہ بھی پہنا دیں، اس لیے کہ یہ ان کے لیے کوئی مشکل نہیں بلکہ اردو ترتیب کی بہ نسبت آسان ہے۔ تحریر کے بعد عرب اہلِ ذوق بھی اس مختصر سے مستفید ہو سکیں گے۔

مجس برکات اور عظیم المدارس کے لیے یہ مسرت کا موقع ہے کہ ایک اہم فن کی نئی پیش کش بغیر طویل بزل و اختصارِ قلم کے، اراہب ذوق اور تشنگانِ علم کی ضیافت کا ذریعہ بن رہی ہے۔

والله أسأل أن يتقبله بقبول حسن، و ینفع به کل من یطلب العلم والمعرفة و یوقفا لخدمة الدین و العلم لیلا و نهارا مع تمام العافیة و حسن العاقبة بفضلہ و منہ و کرہ، و هو المولیٰ، نعم المولیٰ و نعم النصیر، و صلی الله و سلم علی رسولہ ہادی الإنس و الجنّ و علی آلہ و صحبہ ما تعاقب الملوان۔

محمد احمد مصباحی

نگران مجلس برکات

و ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور

۱۰ صفر ۱۴۳۶ھ

۳۰ دسمبر ۲۰۱۴ء شیخ شنبہ

## کلمۃ المجلس

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عَالِمُنَا وَامْتِنَانُنَا

ایک کام ہے کہ کسی ہوئی عربی عبارت کو صحیح طور سے پڑھنا، دوسرا کام ہے خود صحیح اور با محاورہ عربی بولنا اور لکھنا، اسی طرح عربی عبارت کا دوسری زبان کے مزاج و محاورہ کے مطابق ترجمہ کرنا اور دوسری زبان کو عربی کے مزاج و محاورہ کے مطابق عربی میں منتقل کرنا۔

اول الذکر کے لیے عربی صرف و نحو سے آگاہی اور قواعد کے استحضار کے ساتھ ان کا اجر ضروری ہوتا ہے۔ غیر عرب (بلکہ اب عامیہ کے عادی عرب) کے لیے یہ بھی بڑا صبر آزما اور کٹھن کام ہوتا ہے جس میں ماہر و فاضل عوام ہی نظر آتے ہیں جب کہ عربی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے اور فراغت پانے والوں کی ایک لمبی قندار نظر آتی ہے۔

ثانی الذکر کے لیے عربی کے ساتھ دوسری زبان کے قواعد و محاورات سے بھی آگاہی اور عملی مشق ضروری ہوتی ہے جس کے لیے آفاذِ کتب، انتقادی فکر، وسیع مطالعہ اور طویل مشق و ممارست درکار ہوتی ہے۔ یہ اول الذکر سے زیادہ مشقت خیز، صبر آزما اور دشوار گزار عمل ہے اس لیے اس کے ماہرین کی تعداد بھی اقل و قلیل ہے۔

نصاب تعلیم کا مقصد طلبہ کی مختصر صلاحیتوں کو بیدار کرنا اور مزید مہارت و عبور کے لیے انھیں تیار کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ ابتدا ہی سے انھیں چھوٹی چھوٹی عربی عبارات صحیح پڑھنے کا پلائی بنایا جائے پھر اسی چھوٹی چھوٹی عبارتیں خود لکھنے بولنے اور دوسری زبان میں منتقل کرنے، اسی طرح دوسری زبان کو عربی میں منتقل کرنے کا بھی عادی بنایا جائے۔ جب مختصر عبارتوں پر قابو پالیں گے تو مشق و محنت اور تجرباتی عمل سے گزرنے کے بعد لمبی عبارتوں، چھوٹے بڑے مضامین اور کتابوں کے مراحل بھی طے کر لیں گے۔

انہی مقاصد و فوائد کے پیش نظر نصاب میں صرف و نحو اور ادب و انشائیہ کتابوں کو جگہ دی جاتی ہے اور اساتذہ کے ذریعہ طلبہ کو مطلوبہ مقاصد کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ اساتذہ و طلبہ کی مشترکہ محنت، لگن اور انسہاک و توجسے اعتبار سے کامیابی بھی حاصل ہوتی ہے۔

(۱) مصباح لائسنسہ محمد بول، مولانا نفیس احمد مصباحی، مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، جولائی ۲۰۱۵ء

مصباح الانشا ثانی الذکر عمل کی تیاری کا پیش خیمہ ہے۔ اس کے مندرجات اور مشعلات کے بارے میں خود مؤلف کتاب نے اپنی تقدیم میں تفصیلی گفتگو کی ہے، اس لیے مزید کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ مجھے خوشی ہے کہ اس کا پہلا حصہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

رب کریم اسے ہمارا دعا کامیاب اور مقبول خاص دعائے اور بقیہ حصص بھی بطریق احسن جلد مکمل کرائے اور نافع آتام بنائے۔ و هو المستعان و علیہ التکلان، والصلاة والسلام علی حبیب سید الإنس و الجنان، و علی آلہ و صحبہ ما تعاقب الملوان۔

محمد احمد مصباحی

ناظم مجلس برکات

وناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مہارک پور

۱۸ رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ

۶ جولائی ۲۰۱۵ء - دوشنبہ



## تقریب<sup>(۱)</sup>

دیوبندی مذہب تضادات کا مجموعہ ہے۔ ایک طرف یہ لوگ تقویۃ الایمان کی پیروی میں کچھ ایسی باتوں کو شرک قرار دیتے ہیں جو عہد رسالت سے آج تک اہل اسلام میں متواتر طور پر رائج ہیں۔ مثلاً اللہ کی عطا سے انبیاء اولیاء کے لیے اعانت واہداء، تصرف واختیار اور غیبی علم وادراک کی قوت ماننا، امت کا رسول کو خدا کی بارگاہ میں وسیلہ بنانا، اپنی مشکلات میں رسول کی مدد کا خواستگار ہونا، مقبولان بارگاہ خداوندی اور ان کے آثار و حیرات کی تعظیم کرنا۔ ان باتوں کی وجہ سے وہ اہل سنت کو کافر و مشرک بتاتے ہوئے نہیں سمجھتے اور اسے عقیدہ توحید کی حقیقت اور دین کی عظیم خدمت تصور کرتے ہیں۔

مگر یہی عقائد و آداب جو انبیاء و اولیاء کے حق میں شرک بتاتے ہیں اور ان کی وجہ سے اہل سنت کو مشرک قرار دیتے ہیں خود اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں ایمان ٹھہراتے ہیں اور ایسے بے شمار واقعات اپنے اکابر کی حیات و ممات سے وابستہ دکھاتے ہیں جن میں ان کا غیبی علم وادراک بھی عیاں ہے، خدائی تصرف و اختیار کی قوت بھی، دور دراز مقام میں رہتے ہوئے اپنے عقیدت مندوں کی غیبی و روحانی امداد بھی، مرنے کے بعد عالم برزخ سے عالم اجسام میں آنے اور حیرت انگیز تصرف کرنے کی طاقت بھی۔

یہ کیسا مذہب ہے جس میں وہی امور جو انبیاء و اولیاء کے حق میں ماننا شرک قرار پاتا ہے، انہی کو دیوبند کے بزرگوں کے حق میں ماننا یقین اسلام قرار پاتا ہے۔ ایک سنی اگر انبیاء و اولیاء کے لیے ان کا اعتقاد رکھے تو وہ مشرک ہو جاتا ہے اور ایک دیوبندی اپنے بزرگوں کے حق میں ان کا اعتقاد رکھے تو وہ چنانچہ خود اور مسلمان رہتا ہے۔ علامہ ابو رشید القادری نے اپنی کتاب ”زلزلہ“ میں دیوبندی مذہب کا یہ تضاد بڑی تفصیل سے رقم کیا ہے۔ جس کا جواب دینے کی ناکام کوشش کئی افراد نے کی مگر جواب کیا ہوگا، اپنی گردن میں مزید الزامات کا بار کین لیا جسے علامہ ممدوح نے اپنے جواب الجواب ”زمزم“ میں خوب واضح کیا ہے اور مزید واقعات و حقائق کے انبار لگادینے ہیں۔

زیر نظر کتاب میں مولانا محمد یوسف رضا قادری نے مولانا محمد زکریا کاندھلوی شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارن

(۱) امت ہند کی کتاب نگاری، از مولانا محمد یوسف رضا قادری، جمیعتی

پور کی کتاب فضائل اعمال (مشورہ تبلیغی نصاب) سے ۳۳ واقعات نقل کیے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم رحمۃ العالمین ﷺ بعد وصال بھی اس جہان فانی کے حالات کا شاہد فرماتے ہیں، حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتے ہیں، اور عہد صحابہ سے لے کر اب تک کی امت مسلمہ اپنی حاجتوں میں آگے دو عالم ﷺ سے استمداد کرتی اور مدد پاتی رہی ہے۔ امت کے ائمہ، شیوخ و علماء اور عوام بھی ہر دور میں رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کے غیبی علم و ادراک، روحانی تصرف و اختیار اور سرکار سے استعانت و توسل کے قائل و معتقد رہے ہیں۔

ان امور کو خلاف اسلام اور شرک ٹھہرا کر شیخ نجدی محمد امین عید الوہاب کی کتاب التوحید اور شاہ اسماعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان کا پھیلایا ہوا نیا مذہب ہے جو باطنی کے اعلام امت، اولیائے ملت، ائمہ مذاہب اور حضرات صحابہ و تابعین کے اعتقاد و عمل سے صراحتاً متصادم ہے۔

شیخ نجدی نے توصیف صاف کہ دیا کہ میرے شیوخ اور میرے شیوخ کے شیوخ چھ سو سال قبل تک سب مشرک تھے۔ مگر جب ہم شیخ نجدی سے چھ سو سال قبل کے اساطین امت کا جائزہ لیتے ہیں تو اس کے شرعی فتوے سے وہ بھی محفوظ نظر نہیں آتے، بلکہ خدا و رسول بھی اس کی زد میں آتے ہیں۔

عہد دیوبند بھی وہ عقیدہ بیان کرتے ہیں جو اہل سنت کا ہے اور عہد رسالت سے قریب تک تہذیب توارث کے ساتھ چلا آ رہا ہے اور کبھی وہ عقیدہ اٹھاتے ہیں جو شیخ نجدی کی ایجاد ہے۔ اس اعتقادی تضاد کا تقاضا اٹھاتے ہیں کہ جب ممالک عرب کے اہل سنت سے ملتے ہیں اور ان سے کوئی عزت و منفعت اور منافع و دام ملنے کی توقع ہوتی ہے تو یہ بتاتے ہیں کہ ہم توسل و استعانت اور تصوف و طریقت کے قائل و حامل ہیں، علماء مذہب وہی ہے جو اہل سنت کا ہے۔ اور جب سعودی و نجدی شیوخ و حکام سے ملتے ہیں تو اپنے کو ان کا ہم عقیدہ اور کتاب التوحید و تقویۃ الایمان کا قبیح ظاہر کرتے ہیں جس سے انھیں دولت و منفعت اور عزت و وجاہت ملی فراوانی سے حاصل ہوتی ہے۔

غیر مقلدین۔ جو اپنے کو کبھی سنی کبھی اثنی کبھی اہل حدیث کہتے ہیں۔ دیوبندیوں کی اس دورانی پالیسی اور سعودی ریال کے استحصا سے سخت برہم ہوئے اور زلزلہ و زبر کے منظر عام پر آنے کے بعد انھوں نے کئی کتابیں لکھیں جن میں برطانیہ اعلان کیا کہ دیوبندی بھی بریطانیوں کی طرح مشرک ہیں، یہ بھی اہل کفر کے لیے عہد و اختیار اور ان سے استعانت و استمداد کے قائل ہیں۔ یہ کتاب التوحید اور تقویۃ الایمان سے بالکل مخرف ہیں۔ غیر مقلدین نے اپنے اس دعوے کو ان حوالوں سے ثابت کیا ہے جو زلزلہ اور زبر میں مرقوم ہیں اور کچھ اضافہ بھی کیا ہے۔ اس لیے اب سعودیہ عرب میں اہل دیوبندی وہ پھر برائی نہ رہی جو پہلے تھی۔

شیخ نجدی نے ساری دنیا خصوصاً اہل جہاز کو مشرک ٹھہرانے کی ہم اس سے چھینڑی تھی کہ اس بھانے ان کی جان و مال کو مباح ٹھہرائے اور ان سے قتل و قتل کر کے خطہ عرب پر حکم رانی کا موقع ہاتھ آئے۔

پہلے یہ حربہ خوارج نے استعمال کیا تھا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تجویز پر حکم بنانا تسلیم کر لیا تو خوارج نے کہا: علی مشرک ہو گئے۔ قرآن میں ہے **إِن الْحَکْمَ لِلَّهِ (انعام ۵)** حکم تو صرف اللہ کا ہے۔ علی غیر خدا کو حکم مان کر مشرک ہو گئے۔ خوارج نے ان ساری آیات کو نظر انداز کر دیا جن میں انہی جنگڑوں کو کسی حکم اور فیصل کے ذریعہ ملے کرنے کی تھیں گئی ہے۔

دہلیہ نے بھی ساری امت مسلمہ کو مشرک ٹھہرانے کے لیے ان آیات کا سہارا لیا جن میں یہ ذکر ہے کہ غیب کا علم صرف اللہ کے لیے ہے۔ طاعت و قوت صرف اللہ کے لیے ہے اور ان آیات کو یکسر نظر انداز کر دیا جن میں خدا کی عطا سے بندوں کے لیے بھی علم اور قوت و اختیار کا حصول مذکور ہے۔ وہ ایک نعت و ایک نعتین پڑھ کر یہ بتاتے ہیں کہ جیسے غیر اللہ کی عبادت شرک ہے ویسے ہی غیر اللہ سے استعانت بھی شرک ہے۔ عمریہ سوچنے کی زحمت نہیں کرتے کہ بیٹا باپ سے مدد لیتا ہے، باپ بیٹے سے مدد لیتا ہے، حکومت پبلک سے مدد لیتی ہے، پبلک حکام اور افسران سے مدد لیتی ہے، خصوصاً سعودی حکومت ہر لمحہ و ہر آن امریکہ مہربان سے مدد لیتی ہے۔ یہ سب کے سب غیر اللہ سے استعانت کر کے مشرک ہو گئے، روسے زمین پر مسلم کوئی باقی ہی نہ رہا۔

اب اس الزام سے چھٹکارا لانے کے لیے کبھی فطری اور مافوق الطبیعت کا فرق بتاتے ہیں، کبھی زندہ، مردہ کافرن کرتے ہیں، کبھی اسباب ظاہری اور اسباب غیبی و روحانی کا فرق کرتے ہیں۔ لیکن قرآن میں تو یہ تفریق نہیں، ایک نعتیہ طرح ایک نعتین بھی کسی قید سے مستثنی نہیں، بیٹا باپ کی عبادت کرے، امی، نبی کی عبادت کرے، رعایا بادشاہ کی عبادت کرے، کوئی بھی کسی غیر اللہ کی عبادت کرے قطعاً یقیناً مشرک ہے۔ جب یہاں کوئی تفریق نہیں تو استعانت میں تفریق کیوں؟ تقویۃ الایمان اور کتاب التوحید میں تو کسی کوئی تفریق مذکور نہیں۔

در اصل کسی ایک یا چند آیات و احادیث کو پکڑ لینا اور دوسری ساری آیات و احادیث کو نظر انداز کر دینا، اس کا نتیجہ وہی ہو گا کہ آدمی حضرت علی جیسی عظیم المرتبت شخصیت کو بھی مشرک ٹھہرانے کی جسارت کر بیٹھے گا۔ میری کتاب "فتنوں کا ظہور اور اہل حق کا جہاد" اسی طرح "شرک کیا ہے؟" میں اس عنوان پر کسی قدر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے اور علمائے اہل سنت کی کتابوں میں تو اس طرح کے کبھی موضوعات پر سیر حاصل بحث موجود ہے۔ طالبان حق ان کا مطالعہ کریں۔

یہ کافر و مشرک ٹھہرانے کا جذبہ اس قدر عام ہوا کہ خود دہلیوں میں سے ایک ایسی جماعت نکلی جس نے

سعودیہ عربیہ اور ساری، مسلم حکومتوں کو کافر و مشرک اور مباح الدم قرار دیا، اس لیے کہ یہ حکومتیں خدا کی طرف سے  
کو چھوڑ کر یورپ و امریکہ جیسے خود ساختہ قوانین پر کاربند ہیں۔ اس فکر کو سید قطب وغیرہ، شدت پسند ہندوستان  
فروغ دیا، جس کے نتیجے میں ”داعش“ جیسی تنظیمیں وجود میں آئیں، اور وہ یہودیوں نے ان کے ہم نوا کی  
تقویت کا سامان کیا، آج وہ پوری دنیا کے لیے خطرہ ہیں۔

مولانا محمد یوسف رضا قادری حسین و تبریک کے مستحق ہیں کہ مسلمانوں کو مشرک بتانے والوں کا  
اعتقادی و عملی تضاد انھوں نے برہنہ کر کے منظر عام پر رکھ دیا۔ مولیٰ تعالیٰ اہل علم و عقل کو ہدایت نصیب فرمائے۔

محمد احمد مصباحی

ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور

۲۲/ ذی قعدہ ۱۴۳۶ھ لے/ رجبہ ۲۰۱۵ء لاہور



## کلمۃ المجلس<sup>(۱)</sup>

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَامِدًا وَ مُصَلِّيًا وَ مُسَلِّمًا

مصباح الانشا کا پہلا حصہ شوال ۱۴۳۶ھ مطابق جولائی ۲۰۱۵ء میں منظر عام پر آچکا ہے۔ اب اس کا دوسرا  
حصہ تیار ہے۔ امید ہے کہ صفر ۱۴۳۷ھ/ نومبر ۲۰۱۵ء میں شائقین و قارئین کے سامنے ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔  
مصباح الانشا کی تیاری اور اس کی خصوصیات سے متعلق حصہ اول میں مؤلف محترم مولانا نفیس احمد  
مصباحی تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ اور راقم نے بھی کچھ عرض کیا ہے، اسے وہیں دیکھنا چاہیے۔

حصہ اول درجہ اولیٰ و ثانیہ کے لیے ہے اور حصہ دوم درجہ ثالثہ کے لیے ہے اس لیے اس کا معیار بھی اول  
سے بلند نظر آئے گا۔ یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ ہمارے مقررہ نصاب میں عربی انشا کی مشق و تمرین درجہ اعدادیہ ہی سے  
شروع ہو جاتی ہے۔ جس کے لیے فی الحال درجہ اعدادیہ میں منہاج العربیہ اول، دوم اور درجہ اولیٰ میں منہاج العربیہ  
سوم اور فضی اللادب اول، دوم شامل نصاب ہیں اور اب درجہ اولیٰ و ثانیہ میں مصباح الانشا (اول) بھی شامل ہو چکی  
ہے۔ جب کہ عربی ادب میں القراءۃ الرشیدہ اول و دوم درجہ اولیٰ میں، اور مجانی اللادب و ازہار العرب درجہ ثانیہ میں  
شامل ہیں۔ علاوہ ازیں درجہ ثانیہ و نصف ثالثہ میں اردو مضمون نگاری کے لیے بھی ایک پرغیر خاص کیا گیا ہے۔

ہر سباقہ درجے کی نصابی کتب اگلے درجے کے لیے وسیلہ اور زندگی حیثیت رکھتی ہیں، اس لیے سابقہ  
کتب پر عبور حاصل کیے بغیر اگلی کتابوں پر عبور تو دور کنار، پڑھنا اور سمجھنا بھی دشوار ہوتا ہے۔ اور انشائی حیثیت تو  
لبیک فن اور آرٹ کی ہے جس کے لیے صرف پڑھنا اور سمجھنا کافی نہیں بلکہ بھرپور مشق و ممارست ضروری ہے۔  
امانتدہ کی بے توجہی یا طلبہ کی دانستہ یا نادانستہ کوتاہی کے باعث اگر سابقہ کتب پر عبور حاصل نہ ہوا تو اگلے درجے میں  
ان کا چلنا سخت مشکل اور بڑا درد سر ہوتا ہے۔

اس لیے ہر طالب علم کو ابتدائی سے اپنی نصابی کتب میں مہارت حاصل کرنی ضروری ہے تاکہ اگلے  
درجات کا سفر آسان ہو، اساتذہ کو کبھی اس بارے میں کسی طرح کی بے توجہی، راحت طلبی اور تن آسانی کو دخل نہ دینا

(۱) مصباح الانشا، حصہ دوم، مولانا نفیس احمد مصباحی، مجلس روکات جامعہ اشرفیہ، دسمبر ۲۰۱۵ء



چاہیے۔ ہر طالب علم کو ایک بلند مقام اور عظیم مقصد کے لیے تیار کرنے کی ذمہ داری ان کے سر ہے، اس فرض منصبی سے تغافل یا غفلت کسی طرح روا نہیں۔

یہ نکات اس لیے عرض کیے گئے کہ عملاً غفلت شعار طلبہ اپنی ساری خرابیوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز کر کے سارا الزام کتاب ہی کے سر رکھتے ہیں کہ بہت مشکل ہے۔ اگر وہ ضابطے کے مطابق پوری توجہ دے کر تحصیل علم کر لیں تو اس طرح کی شکایات ان سے سننے میں نہ آئیں۔ واللہ اعادی الی سواء السبیل، و هو الموفق لکل حمد و المیسر لکل صعب، والصلاة والسلام علی رسولہ خاتم النبیین و علی آلہ و صحبہ أجمعین۔

المجمع الاسلامی

۱۳/ محرم ۱۴۳۷ھ شب بر شنبہ

۲۶/ اکتوبر ۲۰۱۵ء

محمد امجد مصباحی

ناظم مجلس برکات

و ناظم تعلیمات الجامعہ الاشرفیہ مبارک پور



## تاثر گرامی (۱)

مبسلاً و حامداً و مصلیاً و مسلماً

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ (۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۶ء — ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) کی ذات گرامی تیرہویں چودھویں صدی کی وہ فقیہ المصالح اور عمق پرستی شخصیت ہے جس نے علوم و فنون کی جامعیت و اخلاص و تقویٰ اور بھرپور احساس ذمہ داری کے ساتھ دنیا کی دینی، علمی، فتنی رہنمائی اور باطل افکار و خیالات سے لوگوں کی آگاہی اور حفاظت و صیانت کا فریضہ انجام دیا۔ ان کے تابندہ قلمی نقوش آج بھی مشکلات سے دوچار اہل علم کی دست گیری اور ضلالت و بے راہ روی کے شکار افراد کی ہدایت و رہبری کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس لیے ان قلمی نقوش کی حفاظت اور زیادہ سے زیادہ اشاعت ایسا کارنامہ ہے جو دنیا کی مشکل کشائی اور ہدایت و حفاظت کی راہ میں سنگ میل یا کلید باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ فجزی اللہ من قام بذلك ایماناً و احتساباً۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے علمی و فتنی کمالات کچھ ایسے نہیں کہ انہیں چند سطروں یا چند صفحات میں سمیٹا جائے۔ میں نے صرف جذباتی و مشتعل علی رد المحتار کی جلد ثانی کے محاسن کو پیش کرنا چاہا تو ۵۰۰ صفحات قائم کرنے پڑے اور اختصار و اختصار کے باوجود تقریباً سو صفحات تیار ہو گئے، جو عربی اور اردو دونوں زبانوں میں الجمع الاسلامی سے شائع ہو چکے ہیں۔

تذاتی رضوی کی جلدوں کا بھی باضابطہ علمی جائزہ لیا جائے تو درج ذیل عنوانات نمایاں طور پر نظر آئیں گے:

(۱)۔ فکر انگیز تحقیقات (۲)۔ کثیر جزئیات کی فراہمی اور نئے جزئیات کا اضافہ

(۳)۔ فقرہوں اور خطاؤں پر تنبیہ (۴)۔ علمی اشکالات اور جواب اعتراضات

(۵)۔ فتنی تحریروں اور وسعت نظر (۶)۔ تحقیق طلب مسائل کی تنبیہ اور مشکلات و مہمات کی توضیح

(۷)۔ مراجع و مصادر کی کثرت (۸)۔ غیر منصوص احکام کا استنباط

(۹)۔ علم حدیث میں کمال اور قوت استنباط و استدلال (۱۰)۔ دلیل طلب احکام کے لیے دلائل کی فراہمی

(۱۱)۔ فقہی مضامین، جلد اول، امام احمد رضا لکھنؤی، بریلی شریف۔

(۱۱) - مختلف اقوال میں تطبیق

(۱۳) - اصول وضو بطوریکہ ایمان پر تنبیہات

(۱۲) - مختلف اقوال میں ترجیح

(۱۳) - رسم الفتح اور قواعد اختتامیہ ہدایات

(۱۶) - فقہی فوائد

(۱۸) - فن عقائد میں افادات

(۲۰) - رد افکار باطلہ

(۱۷) - فضائل و مناقب کا ذکر

(۱۹) - مسائل کلامیہ

(۲۱) - ہند - دریائیں، طبیعیات، بیات و توحیت، طب، علم لغت وغیرہا میں مہارت اور فقہ کے لیے ان کا

استعمال

(۲۲) - مختصر الفاظ میں پیش قیمت افادات یعنی حسن ایمان و اختصار

فتاویٰ رضویہ کے محاسن و کمالات کی جلوہ نمائی کے لیے بعض احباب کی کوشش ہے کہ تقسیم کار کے اصول پر عمل کرتے ہوئے چند اہل علم کو مذکورہ بالا عنوانات میں سے ایک ایک عنوان سپرد کیا جائے جس پر وہ تمام جلدوں کا جائزہ لیتے ہوئے کثیر شواہد، تنہیم و توضیح کے ساتھ پیش کریں، اس طرح کم از کم دس ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں اور علمی دنیا امام احمد رضا قدس سرہا کی فقہی و فنی عظمت سے بڑی حد تک روشناس ہو سکتی ہے۔ واللہ الموفق لكل خیر، ودافع کل ضیر۔ مع المولیٰ ونعم النصیر۔ والصلاة والسلام علی حبیبہ البشیر النبیر وعلی آلہ وصحبہ وأولیاء أمتہ وعلیہا ملئہ دعاء الدین القویہ وحماء الشرع الحکیم۔

(کم عمر الحرام ۱۳۳۸ھ / ۱۴۰۲ھ)



## صدائے آنسریں<sup>(۱)</sup>

بسم الله الرحمن الرحيم  
حامداً ومصلیاً ومسلماً

شریف العلماء مولانا محمد ابوبکر شریف القادری علیہ الرحمہ سے میں ان کی زندگی میں متعارف نہ ہو سکا۔ ان کی وفات کے وقت حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر شعبۂ افتاء جامعہ اشرفیہ مبارکپور سے ان کا نام سنا تھا، مگر بعد میں وہ بھی یاد نہ رہا۔ چند سال پہلے جب شریف العلماء کے فرزندوں سے ملاقات اور ”چترا کنگ“ ”کشی نگر (سابقہ ضلع دیوبند، یوپی)“ میری آمد و رفت ہوئی تو ان سے متعلق کچھ آشنائی ہوئی۔

ان کے حالات معلوم کرنے اور قید تحریر میں لانے کے لیے صوفی محمد بسطین میاں اور دیگر فرزندوں نے بڑی عمدہ پیش قدمی فرمائی، جس کا مشورہ کئی عظیم شخصیات سے متعلق کئی حضرات کو تقریباً تیس سال پہلے میں دیا، مگر کسی نے اسے عمل میں لانے کی ہمت نہ کی۔ مگر بسطین میاں نے میرے مشورے کے بغیر از خود یہ راہ سوچی اور عملی پیش قدمی بھی شروع کر دی، وہ یہ کہ شریف العلماء کے خلفاء، مریدین، معتقدین اور متعلقین سے ملاقات کر کے ان سے متعلق بیانات ”سی ڈی“ میں محفوظ کر لیے جائیں پھر انہیں تحریری شکل دی جائے۔

اس کام کے لیے انھوں نے جواں سال عالم و فاضل مولانا کمال احمد علی نقوی استاذ دارالعلوم علمیہ جراثی، ضلع بستی کا انتخاب کیا، وہ تیار ہوئے اور لوگوں سے ملاقات کر کے حالات و واقعات جمع کیے، پھر بڑی عنت اور عقیدت کے ساتھ انھیں سلیس، مستر اور رواں زبان میں مرتب کیا، معاونت اور کپورنگ کے لیے انھوں نے مولانا غلام سید علی علی نقوی کو بھی تیار کر لیا، اور بڑے سلیقے سے ”حیات شریف العلماء“ جلد اول تیار و اشاعت بنا کر پیش کر دی (مزید کام جاری ہے)

محبت گرامی حضرت مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی صدر المدر سین دارالعلوم علمیہ جراثی نے بھی نہیں اپنی رہ نمائی اور نظر اصلاح سے نوازا۔ نئے مسافروں کے لیے یہ ضروری بھی ہے اور ابتدائی مفید و معاون نگہبان نظر قاریں خود حسن جمع و ترتیب کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ شک آل ست...

(الذیل شریف العلماء مولانا کمال احمد علی، مرکز مجلس اہل بیت، ۱۳۳۸ھ / ۲۰۱۷ء)

بہت سی شخصیات ہیں جن کے معتقدین و متعلقین ان کے مفصل یا مختصر حالات شائع کرنے پر توجہ دے سکے اور وہ پردہ غم نائی میں جلی گئیں یا ان کے شایان شان ان کا تعارف نہ ہو سکا۔ لیکن شریف العلماء کے معتقدین و متعلقین قابل تحسین و تحریک ہیں کہ انھوں نے اپنے محسن کو یاد رکھا اور دوسروں کو بھی ان سے باخبر کرنے کی تدبیر کی اور مزید کوشش جاری ہے کہ ان کا تعارف خوب سے خوب تر ہو سکے۔

مولاتعالیٰ اس کار خیر میں حصہ لینے والے تمام حضرات کو اپنی رحمتوں، برکتوں اور نعمتوں سے نوازے، سب کو دین حق اور شریعت طاہرہ پر استقامت بخشے اور دارین میں عزت و عافیت اور سرخ روئی و سرفرازی نصیب فرمائے۔ آمین یا اکرم الاکرمین بجاہ حبیبک سید المرسلین علیہ وعلیہم افضل الصلاۃ والتسلیم و علی آلہ وصحبہ اجمعین۔

محمد احمد مصباحی

پانچ تعلیمات الجامعہ الاشرافیہ مبارکپور، اعظم گڑھ

المجمع الاسلامی مبارکپور

۱۶ ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ

۱۵ جنوری ۲۰۱۷ء یک شنبہ



## تقریر جلیل (۱)

بسم الله الرحمن الرحيم  
دارالعلوم محبوب بھائی کرلا، ممبئی کے طلبہ کی انجمن ”بزم فیضانِ رضا“ قابل تحسین و مبارک ہادیہ کہ وہ اپنی تعلیمی جدوجہد جاری رکھنے کے ساتھ اشاعت سے بھی دل چسپی رکھتی ہے اور ۱۹۸۳ء سے اب تک ہر سال کوئی اہم اور مفید کتاب شائع کرتی آرہی ہے۔ اس سال طلبہ دارالعلوم نے حضرت مولانا عبدالکیم شرف قادری علیہ الرحمہ کی کتاب ”عقائد و نظریات“ کا انتخاب کیا اور سابقہ اشاعت پر مزید کد کاوش کر کے اسے زیادہ عمدہ اور معیاری بنانے کی کوشش کی، مولاتعالیٰ اس محم میں حصہ لینے والے تمام طلبہ و اساتذہ کو اپنی جزائے فرلاہاں سے نوازے۔

”البریلویہ“ عقائد و تاریخ، بقلم احسان الہی ظہیر کے ذریعہ پورے روسے زمین میں بیٹے والے اہل سنت کے خلاف ایک مسموم فضا تیار کرنے کی کوشش کی گئی اور وہاں نظریات کی روشنی میں اہل سنت کے عقائد کو نشانہ بنایا گیا۔ اس کے جواب میں علامہ شرف قادری نے پہلے عربی میں ”مسن عقائد اہل السنۃ“ لکھی پھر اس کا اردو ترجمہ بنایا۔ ”عقائد و نظریات“ شائع کیا۔ اس میں بڑی متانت کے ساتھ قرآن و حدیث سے اور وہابیہ کے مستند حضرات کی تحریروں سے اہل سنت کے عقائد کی حقانیت ثابت کی گئی ہے۔ بطور خاص درج ذیل موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔

(۱) حیاتِ انبیاء علیہم السلام (۲) حضراتِ انبیاء اور اولیاء کے اختیارات (۳) علم مصطفیٰ علیہ الخیر و الشاہد (۴) نزولیت و بشریت (۵) کوثر (۶) روحِ اعظم کی کائنات میں جلوہ گری۔

کتاب خواہد خواہ جس کے لیے قابل مطالعہ و استفادہ ہے۔ مولاتعالیٰ بھی کو توفیق خیر سے نوازے۔ آمین

المجمع الاسلامی

محمد احمد مصباحی

پانچ تعلیمات الجامعہ الاشرافیہ، مبارکپور

۱۸ جمادی الآخر ۱۴۳۸ھ

اعظم گڑھ، یوپی

۱۸ مارچ ۲۰۱۷ء شنبہ



## تقریظ جلیل (۱)

بسم الله الرحمن الرحيم  
حامداً و مصلیاً و مسلماً

مولانا حافظ قادری محمد رضا مصباحی نے تقریباً ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل زیر نظر تاریخ بڑی محنت و مشقت اور جاں فشانی سے مرتب کی ہے۔ اس میں انھوں نے اردو کے علاوہ عربی، فارسی، انگریزی اور ہندی مروجے سے کئی استفادہ کیا ہے اور موجودہ علماء اور تصانیف سے متعلق زیادہ تر فکلی تلاش و جستجو کے نتیجے میں معلومات سپرد قلم کی ہیں۔

میں اپنی سعادت اور معرفت کے باعث پوری کتاب پڑھ نہ سکا مگر فہرست پر نظر اور سرسری ورق گردانی سے معلوم ہوا کہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے دو سرے باب میں نیپال کی جغرافیائی حالت اور کئی سیاسی تاریخ بہت اختصار کے ساتھ تقریباً سو صفحات میں مرقوم ہے۔ چوتھے باب میں علمائے نیپال کی علمی و ادبی خدمات کا تعارف تقریباً ۳۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ پانچویں باب کے تحت تقریباً ۱۵ صفحات میں نیپال کے مدارس اہل سنت کا ذکر ہے۔

زیادہ مبسوط اور مفصل تیسرا باب ہے جو تقریباً ڈھائی سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس میں کچھ نیپال میں مسیحی رہنے والے صوفیہ و مشائخ کا ذکر ہے اور زیادہ ان علماء و مشائخ اور ان کے سلاسل کا تفصیلی تذکرہ ہے جن کی آمد و رفت نیپال میں کسی تقریب یا تقریبات میں عارضی طور پر ہوئی۔ اس سے اہل نیپال اور دیگر قارئین کو ان بزرگوں سے متعارف ہونے کا موقع ملے گا جن کے ارشاد و ہدایت سے نیپال کی دینی و علمی نضا کو فروغ و توسع حاصل ہوا اور جن سے دینی و علمی کے طیف ساکنان نیپال کے عقائد و اعمال کی حفاظت ہوئی رہی۔

رب کریم مولانا کی اس دینی و علمی کاوش کو مقبول خواص و عوام بنائے نسل نو کو زیادہ سے زیادہ اس سے مستفید فرمائے اور مولانا کو مزید عمدہ اور اعلیٰ دینی و علمی خدمات انجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ و ما ذلک علیہ بعزيز۔

محمد احمد مصباحی

ناظم تعلیمات جامعہ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

۲۲ رجب ۱۴۳۸ھ، ۲۰۰۷ء اپریل ۲۰ء



## تاثر گرامی (۱)

باسمہ و حمدہ تعالیٰ و تقدس

پنڈے سے ڈاکٹر امجد رضا امجد نے فون کے ذریعہ اطلاع دی کہ حجۃ الاسلام (علامہ حامد رضا خاں خلیف اکبر نام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ) اسرارِ حیا کی حیات و خدمات پر "رضایک ریویو" کا "حجۃ الاسلام نمبر" تقریباً ۱۵ سو صفحات پر مشتمل منظر عام پر آنے والا ہے۔ آپ کے تاثرات مطلوب ہیں۔

میں نے مندرجات کی تفصیل جاننے کی کوشش نہ کی، کیوں کہ میری مسرت کے لیے یہی کافی ہے کہ موصوف نے اپنی محنت و جاں فشانی سے ایک ضخیم مجموعہ تیار کر لیا۔ اندازہ ہے کہ حجۃ الاسلام کے سلسلے میں منتشر طور پر باقی و حال میں جو قبیح اور مستند رُشحات قلم لے ہوں گے وہ انھوں نے سلیقے کے ساتھ کچا کر دیے ہوں گے اور خود حضرت کے بھی کچھ قلمی نقوش شامل ہوں گے۔

محنت، لگن اور جفاکشی کے کرشمے حیرت انگیز ہوتے ہیں۔ حضرت کے وصال کو ایک طویل عرصہ گزر گیا، اب علامہ، مریدین، مستفیدین اور زائرین بھی نہیں ملتے، اس لیے ان کی حیات و خدمات پر زیادہ مواد ملنے کی رقم ہی ہوتی ہے۔ مگر "جویندہ یاد" کی شکل صادق ہے۔

امید ہے کہ موصوف کی کاوشوں سے یہ نمبر صحت کاتبیت، حسن ترتیب، کمال تحقیق اور اپنی معنویت و اہمیت کے اعتبار سے ایک قابل قدر مرجع اور دستاویز کی حیثیت حاصل کرے گا۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ آمین۔

محمد احمد مصباحی

ناظم تعلیمات جامعہ الاشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ

۲۲ صفر ۱۴۳۹ھ، ۲۳ اکتوبر ۲۰۱۷ء روزِ دو شنبہ



## کلمۃ الجلس

باسمہ و حمد لعلی

عزیزی مولانا محمد سلمان رضا فریدی مصباحی کی "عقائد عقائد" دیکھی، ان کی فنی مہارت اور قادر الکلامی سے بڑی مسرت و خوشی ہوئی۔

شعر میں ایک تو وزن و قافیہ کی پابندی ہوتی ہے، دوسرے کم لفظوں میں زیادہ معانی کو پکڑنا ہوتا ہے، تیسرے ثقافت اور تعقید لفظی و معنوی سے بھی بچنا ہوتا ہے، چوتھے اس کے لیے شاعرانہ فطرت چاہیے، یا طویل مثنیٰ و مہمازست۔ اسی لیے کسی مضمون کو شعری قالب میں ڈھالنا بڑی عظم کو میسر نہیں ہوتا۔

پھر ایک عام نظم و غزل کی دنیا ہوتی ہے، جہاں شاعر اپنے خیالات و احساسات کا اظہار کچھ آزادی سے کر سکتا ہے، دوسری دنیا غلی مضامین کی ہوتی ہے، جس میں شاعر دلائل اور سلیکات کا پابند ہوتا ہے، خصوصاً اگر کسی فنی اصطلاحات کو اہل فن کے مطابق بیان کرنا ہے، تو اس میں بڑی دشواری پیش آتی ہے، ایک طرف اصطلاح کی پابندی دوسری طرف وزن و قافیہ کی پابندی، تیسری طرف افہام و تفہیم کی صعوبت۔ اس لیے دیکھنے میں آتا ہے کہ شاعر نے کہیں حذف سے کام لیا، کہیں خشو سے غافلہ مری کی، کہیں سلاست سے دست بردار ہوا، کہیں تعقید میں گرفتار ہوا۔ کامیابی کے ساتھ اس میدان کو تر کرنا بہت کم لوگوں کا حصہ ہوتا ہے۔

اہل کمال نے ہر داوی و کہسار اور ہر خار نار و سنگ لاج کی سیر کی ہے، اور اپنے فنی عمارت کی یادگار چھوڑی ہے۔ "عقائد" کا فن بلند پایہ بھی ہے اور خطرناک بھی، ذرا سی لغزش آدمی کو کہیں سے کہیں پھینکا سکتی ہے، شاعرانہ کمال بے درجہ گزر گیا، مگر ایمان و اعتدال ہو گیا تو بڑا زبردست نقصان ہوا۔

اہل علم ان ساری مشکلات کو ملحوظ رکھتے ہوئے، عزیز موصوف کی "عقائد" پر متصفانہ نگاہ ڈالیں، تو مجھے قوی امید ہے کہ ان کی علمی مہارت، فنی کمال اور خطرناک داوی میں کامیاب جاوید بیانی کی داد دیے بغیر نہ رکھیں گے۔

اللهم زد فیه و ببینک الخیر، والوقایۃ عن کل ضیر!

غالباً مولانا موصوف پہلے شخص ہیں جنہوں نے متن عقائد نسفی کو اردو نظم کے قالب میں ڈھالا ہے۔

عربی متن کی طرح اردو نظم کو بھی نصاب دوس میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

متن عقائد نسفی کو عربی اور اردو نظم کا جاسہ پہنانے کے سلسلے میں مولانا آسم رضا قادر فی مینی کی پیہم کوششوں کی ہر فرمائی رہی ہے، انہی کی فرمائش اور اصرار پر دونوں (عربی و اردو) نظمیں تیار ہو سکی تھیں۔ اس لیے وہ قارئین کی جانب سے بجا طور پر شکریے کے مستحق ہیں۔ مولانا تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازے اور مزید دینی و ملی خدمات میں سرگرم رکھے۔ آمین۔

محمد احمد مصباحی

نگران مجلس برکات

۱۹ شوالی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ

۶ فروری ۲۰۱۸ء چار شنبہ



(۱) یہ مجموعہ نظم اردو عربی سال گزشتہ یعنی اور کرکاتی سے دوبارہ شائع ہو چکا ہے۔ مولانا سلمان رضا فریدی مصباحی کی کوشش سے یہ نثری اشاعت عمل میں آ رہی ہے۔ جب کہ ہند میں پہلی اشاعت ہے۔ طبع اول کے ہی سے اپنے تاثرات لکھے تھے وہی چند طور کے فلسفے کے ساتھ یہاں درج ہیں۔



## کلمۃ المجلس

انشائی تحریر کے لیے مصباح الانشاء کا تیسرا حصہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس حصے میں دو باب ہیں۔ باب اول قواعد کے تحت تمرینات پر مشتمل ہے اور دوسرا باب چند عام تمرینات پر مشتمل ہے۔ مزید تمرینات اگر حضوں میں آئیں گی۔

حسب سابق اس حصے کی بھی خصوصیت ہے کہ بہت سے وہ قواعد جن کی تفصیل ہدایۃ النواہر کاغذ وغیرہ میں مرقوم نہیں اس کتاب میں دل نشیں انداز اور خوب صورت مثالوں کے ساتھ درج ہیں جن سے طلبہ کے علم میں اضافہ بھی ہوتا ہے اور تمرینات کے ذریعہ وہ قواعد ان کے ذہن اور عمل میں مستحکم بھی ہو جاتے ہیں۔

دوسرا اہم یہ ہے کہ جدید الفاظ و محاورات خاصہ مقدار میں جمع کر دیے گئے ہیں اور بہت سی تاریخی، حرفی اور جغرافیائی معلومات بھی تمرینات کے تحت سمو دی گئی ہیں۔

تیسری اہم چیز یہ ہے کہ قرآنی آیات اور احادیث کثیرہ سے بھی تمرینات کو آراستہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ کتاب وسنت کی زبان سے استفادہ یہاں بھی جاری رہے۔

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ مضامین کے انتخاب میں اسلامی اخلاق و کردار کی نشوونما اور اچھی تعلیمی و اخلاقی صلاحیت اجاگر کرنے کی سعی مشکور بھی شامل رکھی گئی ہے۔ منتخب آیات و احادیث کا بھی اس باب میں نمایاں کردہ ہے۔ ان مسائل جمید پر مؤلف محترم مولانا نفیس احمد مصباحی ہمارے اور بملہ اہل استفادہ کی جانب سے ہدیہ تحسین و تبریک کے مستحق ہیں، جزاء اللہ خیراً و زادہ فضلاً و إحساناً۔

آخر میں ماہرین اور مدرسین سے گزارش ہے کہ یہ جو کچھ ہے حسن اور احسن کی جانب ایک غلامانہ کوشش ہے۔ اگر کوئی خالی نظر آئے یا حسن مزید کی ضرورت محسوس ہو تو اپنے قیمتی مشوروں سے در فیض نہ کریں۔

### محمد احمد مصباحی

تعلیم تعلیمات الجامعہ الاشرفیہ مبارک پور

۱۰ رمضان ۱۴۳۹ھ، شنبہ / ۲۶ مئی ۲۰۱۸ء

## تقریظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لولہ والصلوة والسلام علی حبیبہ وصبہ وجودہ وبعد! فقد مرحت النظر فی ما کتبہ الأخ العزیز محمد شکیل المصباحی البریلوی من بحث جامعی لنیل الدكتوراة من الجامعة ملیة الاسلامیة بدلهی بعنوان: "الكتاب المشهورون فی روہیلکند وخدماتہم فی الأدب العربی". كانت منطقة روہیلکند تحتوی علی مدن تالیة:

۱. بدایوں، ۲. سہسوان، ۳. رامپور، ۴. مراد آباد، ۵. امر وہ، ۶. شاہجہان پور، ۷. جلال آباد، ۸. بریلی، ۹. آنولہ، ۱۰. سنہیل، ۱۱. بیلی بھیت، ۱۲. بجنور

والباحث من مواطنی روہیلکند فكان جديراً بهذا العنوان، وقد بذل جهوداً حثیفی اشباع مافوض الیہ من الموضوع، وتکلم علی جوانبہ، خاصة فیمن أنجبہ هذه المنطقة من رجال العلم والأدب، وفیما خلفوا من ثروات علمیة، وروائع فنیة، ونفائس أدبیة. قدّم الی القراء العرب والمسلمین بالعربیة تاریخاً موجزاً لمسطقة روہیل کند وتراجم الكتاب الباہین وفہرس مارقت أعلامہم فی مختلف العلوم والفنون، فیتسکن الدارس من العثور علی أحوال روہیل کند السیاسیة وآثار أبنائها العلمیة.

ولا أطیل الکلام بذكر المحتویات، فان نظرة عابرة علی الفہرس تغنی عن ذکرہا، وتدعو الی استکشاف ما فیہا من جلالا وخفایا، وقد أجاد الباحث الفاضل فی التنبیق والتزئین، واختار رشاقۃ العبارة، وحسن الإشارة، والعزو الی المصادر والمراجع. فجزاء اللہ عن انجاز هذا العمل الہام الذی یتطلب تقدیراً جمیلاً عن القراء عامہ وعن أهل المنطقة حاضۃ، وفقہ اللہ تعالی للمزید من خدمات علمیة، وکثر أمثالہ، وهو الموفق لكل خیر.

محمد احمد مصباحی، رئیس ہیئة التدريس سابقاً و مدیر التعلیم حالاً بالجامعة الاشرفیة، مبارک فور، أعظم جرہ، یوپی، ۵/ شوال ۱۴۳۹ھ / ۲۰ یونیو ۲۰۱۸م

## کلمۃ الجمع الاسلامی<sup>(۱)</sup>

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ خَالِدًا وَمُضِلًّا وَهَاتِلًا

بَحْثُ الْمُتَمَتِّعِ عَلَى رِزْقِ الْمُتَمَتِّعِ جُلْد اول کے لیے میں نے ۲۲/ صفر ۱۳۹۸ھ مطابق یکم فروری ۱۹۷۸ء کو تقریباً ۱۵ (فصل اسکیمپ) صفحات پر ایک تعارف عربی میں لکھا تھا جو کتاب کی اشاعت کے ساتھ ۱۳۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء میں منظر عام پر آیا۔ اس سے قبل وہ تعارف میں نے اردو میں نقل کر کے ماہنامہ عرفات لاہور میں شائع کرایا، اور بھی کئی ماہناموں میں شائع ہوا۔

جب بَحْثُ الْمُتَمَتِّعِ جُلْد ثانی کو اینٹ کر کے شائع کرنے کا وقت آیا تو میں نے ماہ رمضان ۱۴۱۲ھ میں اس کے لیے ذرا تفصیلی تعارف لکھا جو کتاب کے ساتھ صفر ۱۴۱۵ھ/ اگست ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا، وہ ص ۳ سے ص ۱۰۸ تک ۹۶ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

اس سے قبل ۱۰ شوال ۱۴۱۲ھ کو امام احمد رضا قدس سرہ کی تاریخ ولادت (۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ) کی مناسبت سے مولانا عبدالمصطفیٰ صدیقی، (دارالعلوم خمدومیہ ردولی) اور ان کے رفقاء کے اہتمام میں سرزمین لکھنؤ پر ایک کانفرنس اور سیمینار کا انعقاد ہوا، اس کے لیے میں نے جلد التمار ثانی کے عربی تعارف کو ذرا مختصر کر کے اردو میں مکمل پھر دو نوجو جلدوں کا اردو تعارف کتابی شکل میں پہلی بار ۱۲۷۳ھ/ ۱۹۹۳ء میں الجمع الاسلامی سے شائع ہوا، نام یہ تجویز ہوا:

”امام احمد رضا کی فقہی بصیرت۔ جلد التمار کے آئینے میں“

جلد ثانی کا تعارف میں نے درج ذیل عنوانات پر تقسیم کیا:

۱۔ فکر انگیز تحقیقات

۲۔ کثیر جزئیات کی فراہمی

۳۔ حل اشکالات اور جواب اعتراضات

۶۔ تحقیق طلب مسائل کی تفتیح

۳۔ لغزشوں پر تنبیہات

۵۔ فقہی بحر و وسعت نظر

(۱) فتاویٰ رضویہ جہان مطبوعہ، حارف، مرتبہ علامہ محمد محمد مصباحی، الجمع الاسلامی، مبارک پور نومبر ۲۰۰۵ء

۸۔ مشکلات و مہمات کی توضیح

۱۰۔ علم حدیث میں کمال اور قوت استنباط، استدلال

۱۲۔ مختلف اقوال میں تطبیق

۱۳۔ اصول وضو و ایہ کی ایجاد

۱۶۔ حسن ایجاد و کمال اختصار

۷۔ مزاج کا اضافہ

۹۔ غیر منصوص احکام کا استنباط

۱۱۔ دلیل طلب احکام کے لیے دلائل کی فراہمی

۱۳۔ مختلف اقوال میں ترجیح

۱۵۔ مختلف علوم میں مہارت

ہر عنوان پر اسی جلد ثانی سے میں نے خواہ فراہم کیے جس پر بعض بزرگوں نے بڑی مسرت کا اظہار کیا خصوصاً حضرت مفتی محمد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ (ناظم اہل جامعہ نظامیہ - لاہور، متوفی ۲۷ جمادی الآخرہ ۱۴۲۲ھ/ ۲۶ اگست ۲۰۰۳ء) نے راقم کو بڑا حوصلہ افزا خط لکھا جو ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے صدر الشریعہ نمبر (شمارہ جمادی الآخرہ ۱۴۱۶ھ/ اکتوبر، نومبر ۱۹۹۵ء ص ۲۶۲) میں شائع ہو چکا ہے۔

اس کے بعد میرا خیال ہوا کہ فتاویٰ رضویہ کی ہر جلد کا اسی طرح تفصیلی تعارف ہونا چاہیے تاکہ اس کے جان و کمالات کھل کر منظر عام پر آسکیں۔ یہ کام میں خود کو شروع نہ کر سکا لیکن جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے طلبہ تحقیق فی الفقہ کے ذمہ اسے سپرد کیا۔ جامعہ میں تحقیق کی سند حاصل کرنے کے لیے ہر طالب علم کو کسی فقہی موضوع پر کم از کم سو صفحات پر مشتمل ایک مقالہ لکھنا ضروری ہوتا ہے۔

طلبہ کی رو نمائی کے لیے جلد التمار کے مطبوعہ اردو تعارف کو مٹونہ قرار دیا گیا اور بتایا گیا کہ عنوانات میں کچھ کی بیشی کے ساتھ جو ہو سکے محنت سے لکھیں۔ اس طرح جلد دوم سے دوازدہم تک ہر جلد کے لیے ۱۰۰ یا زیادہ صفحات پر مقالات تیار ہو گئے، جو ان طلبہ نے کسی استاذ کی نگرانی یا نظر ثانی کے بغیر اپنی وسعت و محنت کے مطابق تحریر کیے۔

تقریباً پانچ سال قبل سے یہ منصوبہ بن رہا تھا کہ امام احمد رضا قدس سرہ کی شخصیت پر کوئی سیمینار منعقد کیا جائے اور مذکورہ پندرہ، سولہ یا کم و بیش عنوانات پر فتاویٰ کی تمام جلدوں کو سامنے رکھ کر ماہر علمائے کرام سے مضامین حاصل کیے جائیں، منتخب حضرات کے نام دعوت نامے اور عنوانات بھی تقسیم ہوئے، تقاضے بھی کیے گئے مگر دو تین سال گزرنے کے باوجود بجز تمار ادبی کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔

اس تجربے کے بعد حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی، مولانا نعیم احمد مصباحی اور مولانا اختر حسین نعیمی پھر مولانا شمسین اختر مصباحی کی مشاورت سے یہ طے ہوا کہ جامعہ کے طلبہ تحقیق سے جو مقالات لکھائے گئے

جس انہی کو شائع کر دیا جائے۔

ان مقالات کی اشاعت سے قبل ان پر نظر ثانی ضروری تھی؛ اس لیے متفقہ علمائے کرام کو یہ مقالات نظر ثانی کے لیے دیے گئے۔ ان میں جلد سوم، ہفتم، نهم، دہم اور دوازدہم سے متعلق مقالات خود لکھنے والوں کو دیے گئے، اس خیال سے کہ یہ حضرات اب کئی سال سے سرسدر میں ہیں خود اچھی طرح نظر ثانی کر سکتے ہیں۔ مگر سوم، دہم اور دوازدہم سے متعلق مقالات تادم تحریر واپس نہ ملے۔ ہفتم، نهم سے متعلق واپس ملے، جن میں ہم پر نظر ثانی کی محنت کچھ سمجھ میں آئی، ہفتم پر محنت بہت کتر معلوم ہوئی۔ دیگر جن حضرات کو مقالات دیے گئے ان میں مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی، استاذ مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ اور مولانا محمد قاسم اوروی مصباحی و مولانا محمد اشرف قادری مصباحی، استاذان جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے (بالترتیب جلد دوم، ششم اور نهم سے متعلق مقالات) بغور دیکھے اور اچھی اصلاحات کیں، باقی حضرات نے معذرت کے ساتھ واپس کر دیے۔

حضرت مولانا عبد الباقی نعمانی اور مولانا عبد الغفار علی مبارک پوری کو بھی دو مقالے مولانا فخر حسین فیضی نے مندرجات دیکھے بغیر دے دیے، ان حضرات نے نظر ثانی بھی کی، بعد میں جب میرے پاس آئے تو میں نے دیکھا کہ یہ مقالے کسی خاص جلد کے تحت نہیں، اول میں کئی جلدوں سے شاہد لیے گئے تھے، ان میں سے بعض مکرر ہو رہے تھے اور دوم میں مختلف جلدوں سے صرف مسائل جدیدہ کو جمع کیا گیا تھا، یہ دونوں اس مجموعے میں شریک اشاعت نہیں، آئندہ کسی موقع سے مزید نظر و اصلاح کے بعد ان کی اشاعت ہو سکتی ہے۔

جلد نهم سے متعلق مقالہ مولانا نفیس احمد مصباحی نے بھی دیکھا اور مناسب اصلاحات سے نوازا۔

پھر میں نے خود ہی سبھی مقالات بالا متیغاب دیکھنے کی کوشش کی۔ ہر مقالے میں کئی صفحات جمہیدی کلمات اور صاحب فتویٰ کے حالات پر مشتمل تھے، وہ سب حذف کر دیے گئے، اور ان کی جگہ ایک مختصر تعارف بقلم مولانا عبد الباقی نعمانی اور دوسرا ذرا تفصیلی بقلم مولانا ساجد علی مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور شامل کر دیا گیا۔

نظر ثانی میں جلد سوم کے مقالے میں بہت کم، باقی سب میں بہت زیادہ محنت صرف کرنی پڑی۔ کیونکہ اور پروف ریڈنگ کے دوران بھی بہت سی اصلاحات کی گئیں پھر بھی یہ دعویٰ نہیں کہ اب کچھ باقی نہ رہا۔

تاہم ان مقالات سے فتاویٰ کی جلدوں کے بہت سے غلطی محاسن و کمالات عیاں ہوتے ہیں اور وہ ارباب نظر کی جانب سے تین تین و تبریک کے لائق ہیں۔ تم از کم کشادہ دل اور عالی ظرف اہل علم سے خیر کثیر کی امید ہے۔

جلد اول کا تعارف کی طالب علم کے سپرد نہ ہو سکا، جس کی کئی وجہیں ہیں:

(۱) اس جلد کی فہرست جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے زمانے میں تیار ہو کر شائع ہوئی وہ خود ایسی جامع اور چشم کشا ہے کہ بے شمار نادر کمالات اور اعلیٰ محاسن اس کے مطالعے ہی سے روشن ہو جاتے ہیں۔

(۲) اس پر اگر باضابطہ تبصرہ و تعارف رقم ہو تو سو صفحات میں ہرگز نہ نہیں سکتا، کم از کم میرے انداز سے تقریباً پانچ سو صفحات میں کچھ حق ادا ہو سکے گا۔

(۳) اس میں اکثر دقیق علمی مباحث ہیں جن کو عام فہم زبان میں پیش کرنا بڑی مہارت، دہدہوری، علمی و تحریری مہارت اور کئی فنون کی جامعیت کا طالب ہے۔

(۴) اس کی بعض تحقیقات امام احمد رضا کے علمی تبحر کی شہادت کے طور پر بعض مطبوعہ مقالات میں کسی قدر آجکی تھیں، جن سے اس جلد کا ایک حد تک تعارف ہو گیا تھا۔

(۵) امید ہے کہ آئندہ ایک یا چند اہل کمال اس ہم کو بخوبی سر کرنے کی کوشش کریں گے۔

مگر کہا گیا ہے کہ ما لا یندرک کلمہ، لا ینترک کلمہ، اس کے تحت مولانا نفیس احمد مصباحی اور مولانا فخر حسین فیضی کا خیال ہوا کہ جلد اول کا کچھ تعارف ایک دو اہل علم سے اب لکھا لیا جائے۔ اس کے لیے دو زبان کو زحمت دی گئی، ایک صاحب کا کہنا ہے کہ میں نے لکھا تھا، مگر کاغذات مکان کی تبدیلی میں دب گئے اور شاہنشاہیہ کے یاد وجود نہ ملے، دوسرے صاحب نے مختصر آئندہ تعارف لکھ کر کیونرنگ کرا کے ۱۵ اکتوبر ۲۰۱۸ء کو اہل مکمل سے بھیجا، وہ شریک اشاعت ہے۔ "امام احمد رضا اور عربی زبان و ادب" کے عنوان سے ایک مضمون مولانا نفیس احمد مصباحی نے لکھا تھا، اس میں عربی زبان و ادب میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے کمال پر کسی قدر تفصیل سے تحریر ہے۔ اور دیگر مقالات میں اس عنوان پر کوئی گفتگو نہ تھی، اس لیے مولانا موصوف کے اس مضمون کو بطور ضمیرہ شامل کر لیا گیا ہے۔

کیونرنگ کے بعد پروف ریڈنگ میں مولانا شمشیر علی مصباحی اور مولانا عبد الباقی مصباحی رفیقان شہداء لاسانی نے بڑی محنت صرف کی اور بہت سے مقامات پر فتاویٰ رضویہ کی خود مراجعت کی اور کہیں کہیں فتویٰ کے مراجع بھی تصحیح کے لیے دیکھے، خصوصاً مولانا شمشیر علی نے پروف ریڈنگ کے علاوہ سینکڑوں دست زمانے میں بھی شروع سے آخر تک محنت صرف کی۔ ان لوگوں کی صحیح اور کاوش کے بعد مجھے بڑی حد تک اطمینان ہے کہ مقالات صحت کے ساتھ شائع ہو رہے ہیں۔

آجے تادی رضویہ کی پہلی اشاعت / رضا اکیڈمی ممبئی کی اشاعت / رضا فاؤنڈیشن لاہور کی اشاعت / ۱۳۷۱ھ  
رضا اکیڈمی بریلی شریف کی اشاعت کا اجمالی تذکرہ کیا جا رہا ہے، تاکہ اشاعت کی سوسائٹ مدد بھی محفوظ رہے۔  
فتاویٰ رضویہ کی جلدیں:

مضامین (فقہی اجواب و کتب)

اشاعت اول مع ادارہ اشاعت و سنہ - صفحات

**اول :** کتاب الطہارۃ (وضو، غسل، میاء، تیمم) اشاعت اول ۱۳۳۱ھ بحالت مصنف علیہ الرحمہ  
مطبع اہل سنت و جماعت بریلی شریف - صفحات: ۸۸۰

**دوم (۲) :** کتاب الطہارۃ (تہ اہواب) کتاب الصلاۃ (باب الاوقات، باب الاذان والاقامۃ وغیرہ)  
بار اول تخمیناً ۱۳۴۳ھ میں باہتمام صدر الشریعہ مولانا محمد علی اعظمی علیہ الرحمہ تقریباً ۵۶۰ صفحات میں  
- مطبع اہل سنت و جماعت بریلی شریف سے شائع ہوئی۔

**سوم (۳) :** کتاب الصلاۃ (از شروط الصلاۃ ۲ باب الکسوف والاستسقاء) مجموعی صفحات: ۸۴۰  
اشاعت اول ۱۳۴۱ھ باہتمام سنی دارالاشاعت مبارک پور۔

**چہارم (۴) :** باب الجنائز، کتاب الزکاة، کتاب الصوم، کتاب الحج - مجموعی صفحات: ۷۴۸۔  
اشاعت اول ۱۳۸۷ھ - سنی دارالاشاعت مبارک پور

**پنجم (۵) :** کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان والذکر، باب الحدود والتعزیر۔

اس جلد میں کتاب النکاح کی خصوصیت یہ ہے کہ جلد اول سے بہتر کتابت و طباعت کے  
ساتھ اس کی اشاعت ۱۳۳۳ھ سے ۱۳۴۷ھ کے درمیان تین قسطوں میں ہوئی، نظر ثانی، اضافہ  
فوائد، فہرست سازی وغیرہ سرکار مفتی اعظم علامہ شاہ مصطفیٰ رضا قادری علیہ الرحمہ نے فرمائی، کتابت  
و طباعت کا بہتمام مولانا حسنین رضا خاں ابن مولانا حسن رضا خاں علیہما الرحمہ نے کیا اور اسے اپنے  
مطبع حسینی سے شائع کیا۔ تینوں قسطوں کے مجموعی صفحات ۵۹۸ ہیں۔

پھر جب سنی دارالاشاعت مبارک پور سے اس کی اشاعت کی باری آئی تو اس وقت یہاں فوڈ  
آفیس کی سہولت نہ تھی اس لیے از سر نو کتابت ہوئی۔ کتاب النکاح ۴۰۰ صفحات میں آئی۔ اسی کے

ساتھ کتاب الطلاق، کتاب الایمان وغیرہ بھی ہے جو ۳۰۱ سے ۷۹۹ تک ہے اور دونوں کی فہرست  
مع عرض حال ۶۳ صفحات میں ہے کل صفحات ۸۳۳ ہوتے ہیں، اس طرح یہ کتاب النکاح کی اشاعت  
بار دوم ہے اور کتاب الطلاق وغیرہ کی بار اول۔ سال اشاعت ۱۳۹۷ھ ہے۔

بعد میں رضا اکیڈمی ممبئی سے جب تمام جلدیں یک پارگی شائع ہوئیں تو جلد پنجم میں کتاب  
النکاح طبع اول کا عکس لیا گیا تاکہ بزرگوں کا نقش جمیل باقی رہے اور کتاب الطلاق وغیرہ کے لیے  
اشاعت مبارک پور کا عکس لیا گیا۔ فہرست بھی اشاعت مبارک پور کا عکس ہے۔ کل صفحات کی تعداد  
۹۹۷ درج ہے۔

**ششم (۶) :** کتاب السیر، کتاب المفقود، کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف، باب المسجد۔

مجموعی صفحات: ۵۹۶ - اشاعت اول ۱۳۰۱ھ - سنی دارالاشاعت مبارک پور

**ہفتم (۷) :** کتاب البیوع، کتاب الخوالہ، کتاب الشہادۃ، کتاب القضا والدعاوی

مجموعی صفحات: ۶۷۴ - اشاعت اول ۱۳۰۷ھ - سنی دارالاشاعت مبارک پور۔

**ہشتم (۸) :** ۱ - کتاب الوکالہ ۲ - کتاب الاقرار ۳ - کتاب الصلح ۴ - کتاب المضاربہ

۵ - کتاب الامانات ۶ - کتاب العار بہ ۷ - کتاب الہبہ ۸ - کتاب

الاجارہ ۹ - کتاب الاکراہ ۱۰ - کتاب الحجر ۱۱ - کتاب الغصب ۱۲ -

کتاب الشفعہ ۱۳ - کتاب القسمہ ۱۴ - کتاب الاضحیہ - باب العقیقہ۔

مجموعی صفحات: ۶۷۲ - اشاعت اول ۱۳۱۲ھ - سنی دارالاشاعت مبارک پور

سنی دارالاشاعت، مبارک پور کے بانی و ناظم جامع معقول و منقول، استاذ گرامی مولانا حافظ محمد  
الروحانی علیہ الرحمہ تھے۔ وہ مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے پاس سے جلد سوم تا ہشتم کا مسودہ مبارک پور  
لائے تھے، تجویز کرا کے نظر ثانی بھی کر لی تھی، مگر ان کی حیات میں کتابت و طباعت اور اشاعت  
صرف جلد سوم و چہارم کی ہو سکی، جلد پنجم ۱۳۸۷ھ میں پریس کے حوالے ہو گئی تھی، اس زمانے  
میں طباعت کے ساتھ کتابت بھی پریس ہی کے ذریعہ ہوتی تھی، اس لیے پورا بس نہ چلتا، کام میں  
دیر ہوتی، اور جلد پنجم میں مزید دیر ہوئی، کئی طرح کی نئی مشکلات سامنے آئیں یہاں تک کہ ۱۳  
شوال ۱۳۹۱ھ کو حضرت کا وصال ہو گیا، بعد میں حافظ ملت علیہ الرحمہ<sup>(۱)</sup> اور مورخانہ شیخ صاحب<sup>(۲)</sup>  
اور مولانا قاری محمد نجی صاحب<sup>(۳)</sup> نے یہ کام بحرا معلوم مفتی عبدالملک صاحب<sup>(۴)</sup> کے سپرد کیا، خود

مجی معاون رہے اور بعد تاخیر سیر یہ جلد ۱۳۹ھ میں شائع ہو سکی،

(۱) وصال : یکم جمادی الآخرہ ۱۳۹۶ھ / ۳۳ مئی ۱۹۷۶ء۔ (۲) وصال : ۷ جمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ / ۲۵ دسمبر ۱۹۹۰ء۔

(۳) وصال : ۳۶ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ / ۱۵ مئی ۱۹۹۶ء۔ (۴) وصال : شب ۱۵ محرم ۱۳۳۳ھ / ۳۶ نومبر ۲۰۱۳ء۔

یعنی ایسے وقت جب کہ حافظہ متعلیہ الرحمہ کا بھی وصال ہو چکا تھا۔ ششم تا ششم پوری طرح حضرت بحر العلوم کے اہتمام میں شائع ہوئیں۔ ان تین جلدوں میں بھی ۱۵ سال کا وقت صرف ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی قدیم و ضخیم علمی مخطوطہ کو مطبوعہ کی شکل میں لانا کتنا زہرہ گداز اور صبر آزمائے عمل ہے۔ خصوصاً اس دور میں جب آج کی طرح آسانیاں ناپید تھیں۔

نیم (۹) : پہلی بار مکتبہ رضا، ایوان عرفان، بیدل پور ضلع جیل ہیئت سے ۱۳۱۱ھ / ۱۹۹۰ء میں باہتمام ڈاکٹر فیضان علی وحاجی قرمان علی صاحب زادگان مولانا عرفان علی رضوی علیہ الرحمہ شائع ہوئی۔ یہ جلد مع عرض حال ۳۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ مندرجات یہ ہیں:

مسائل کلامیہ (ص: ۱ تا ۹۷) کتاب الشقی (ص: ۹۸ تا ۲۰۲) کتاب الفرائض (ص: ۲۰۳ تا ۳۹۲)

عرض حال کے تحت شہزادہ صدر الشریعہ مولانا بہاء المصطفیٰ قادری مصباحی نے لکھا ہے کہ ”مسائل کلامیہ اور شقی کا مسودہ ناقص ملا۔ کلامیہ کے مسودہ پر صفحات کا جو نمبر شہر ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک مستقل جلد تھی جس کے ۹۳۶ صفحات کسی اور کے پاس ہیں، یا استدلال سے ضائع ہو گئے۔ غالباً جو جلد غائب ہو گئی یہ اسی جلد کے باقی صفحات ہیں۔ ۹۳۷ سے ۱۳۳۸ صفحات تک کا مسودہ ملا۔ مسائل شقی کا مسودہ ۳۶۱ سے ۵۳۶ تک جو ہمارے پاس تھا اس کو بھی اس جلد میں شامل کر دیا گیا۔“ (۱)

فرائض کا جو مسودہ ملادہ کامل و مکمل معلوم ہوتا ہے۔ (اس وقت - ۱۳۱۱ھ میں - مولانا بہاء المصطفیٰ قادری، دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف میں مدرس تھے۔)

(۱) مسائل کلامیہ وغیرہ کو دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ۳۳۵ سے ۳۳۹ تک یعنی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے اخیرہ حیات سے متعلق ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲ اسرایہ شروع میں تھا جو ہاتھ سے جاتا رہا۔ محمد احمد مصباحی

جلد دوم (۱۰) : یہ کتاب الخطر والاباحہ پر مشتمل ہے۔ پہلی بار مکتبہ رضا، بیدل پور، جیل ہیئت سے صاحب زادگان مذکور کے اہتمام میں دو قسطوں میں جلد دوم نصف اول، جلد دوم نصف آخر کے عنوان سے شائع ہوئی۔

قسط اول کے صفحات ۲۷۲، قسط دوم کے ۳۳۶ کل ۶۰۸ صفحات ہوتے ہیں، سال اشاعت کہیں درج نہیں۔ نصف اول کی اشاعت تخمیناً صفر ۱۳۰۲ھ دسمبر ۱۹۸۱ء میں اور نصف آخر کی اشاعت جمادی الاولیٰ ۱۳۰۸ھ / جنوری ۱۹۸۸ء میں ہوئی۔ مکتبہ رضا کی جلد پنجم اس کے کم از کم دو سال بعد شائع ہوئی۔

ان حضرات نے اندازے سے کتاب الخطر والاباحہ کو جلد دوم قرار دیا تھا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ایک تحریری یادداشت کی روشنی میں بحر العلوم مفتی عبدالنمان اعظمی علیہ الرحمہ نے متعین فرمایا کہ یہ جلد پنجم ہے اور بعد میں جلد پنجم ہی کے نام سے اس کی اشاعت ہوئی۔

جلد پانچم (۱۱) : پہلی بار ۱۳۰۲ھ / ۱۹۸۱ء میں ۳۲۵ صفحات (اور مع فہرست وغیرہ ۳۵۶ ص) میں ادارہ اشاعت تصنیفات رضا بریلی شریف سے باہتمام مولانا نمان رضا خاں، منانی میں شائع ہوئی۔

تقدیم و تعارف اور فہرست سازی حضرت مولانا محمد امین نعمانی مصباحی کے قلم سے ہے۔ بعد میں مکتبہ رضا، بیدل پور کی جلد پنجم سے کتاب الفرائض کو لے کر اور رسالہ رد الفتنہ کو شامل کر کے جلد دوم کے نام سے ۵۲ صفحات (مجموعی ۵۶۷ ص) میں اس کی اشاعت ہوئی۔

جلد پانچم (۱۲) : جلد ۱۱ء میں رضا انڈی میجی کا یہ ارادہ ہوا کہ فتاویٰ رضویہ کی تمام جلدیں قدیم اشاعتوں کا عکس لے کر ۱۳ جلدوں کے سیٹ کی شکل میں شائع کی جائیں اور آئندہ بھی اسی طرح اشاعت ہوتی رہے تاکہ ضرورت مندوں کو کسی جلد کی نایابی کا صدمہ نہ اٹھانا پڑے۔ اس سلسلے میں الحان محمد سعید نعیمی بانی و صدر رضا انڈی نے بحر العلوم مفتی عبدالنمان اعظمی علیہ الرحمہ اور مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی سے مشورہ کیا، جس کے تحت جلد اول تا ششم تو سابقہ حالت پر رکھی گئیں مگر جلد پنجم و دوم، یازدہم کی صورت بدل گئی۔ جلد دوم، جلد پنجم قرار دی گئی اور جلد یازدہم کا اشاعت شدہ حصہ باقی رکھتے ہوئے اس میں جلد پنجم سے کتاب الفرائض لے کر اور ایک رسالے کا اضافہ کر کے اسے جلد دوم کے نام سے شائع کیا گیا۔



پھر جلد پنجم طبع اول سے مسائل کا نام یہ اور کچھ نئے مسائل اور قدیم رسائل نے ۳۳۳ صفحات میں جلد یازدہم کے نام سے صفر ۱۳۱۵ھ / اگست ۱۹۹۳ء میں دوسری تمام جلدوں کے ساتھ اشاعت ہوئی۔

**جلد دوازدہم (۱۲) :** اشاعت ۱۳۱۵ھ / ۱۹۹۴ء - اس جلد میں جلد پنجم طبع اول اشاعت میل پور سے کتب

الشرقیہ کا عکس لیا گیا ہے اور کچھ نئے مسائل شمس بھی نئی کتابت سے شامل کیے گئے ہیں اور چند رسائل میں جو پہلے شائع ہوئے تھے مگر کتابت کی جلدوں میں شامل نہ تھے۔ کل صفحات ۳۰۰ ہیں۔ رسائل یہ ہیں:

- ۱- نطق الهلال بأرخ و بلاد الحبيب و الوصال.
- ۲- الصمصام علی مشکک فی آیة علوم الأرحام
- ۳- اقامة القيامة علی طاعن القيام لنبي تمامه
- ۴- انوار الانتباه فی حل نداء یا رسول الله
- ۵- تدبیر فلاح و نجات و اصلاح
- ۶- طرد الأفاعی عن حمی هاید وقع الرفاعی
- ۷- نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان

آخر الذکر دونوں رسالے جلد پنجم طبع اول میں کتاب الشی کے تحت تھے چوں کہ مسائل کا یہ ۹۹۹ صفحات غائب ہو گئے اور مسائل شمس بھی بہت کچھ غائب ہیں اس لیے یکایک ہوئے، بدحوہی جلد کا حجم بہت کم ہو گیا۔

نہم تادود ازہم کا سارا کام حضرت بحر العلوم اور مولانا محمد حنیف خاں کی رہنمائی و نگرانی میں ہوا اس طرح بارہ جلدیں یک جا شائع ہو گئیں۔ اور شائقین کو فتاویٰ کی جلدیں دست یاب نہ ہونے کا شہوہ جاہلہ جس پر رضا اکیڈمی سب کی طرف سے شکریہ و مبارکباد کی مستحق ہے۔

۴۲ متفرق طور پر مکتبہ نمیبہ سنبھل، مراد آباد، رضافادار الاشاعت، بیہوی ضلع بریلی، رضوی کتاب گھر بیہونڈی، دہلی نے بھی ایک جلد میں متفرق زبانوں میں شائع کیں۔ سمنائی کتب خانہ میرٹھ سے نمایا ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء میں جلد دوم نئی کتابت سے شائع ہوئی۔ اسی طرح پاکستان میں بھی بعض مکتبوں سے بعض جلدیں مختلف مدتوں میں شائع ہوتی رہیں۔

**فتاویٰ رضویہ - اشاعت: رضافاؤنڈیشن، لاہور:**

ہندوستان میں یہ کوشش جاری تھی کہ جیسے بھی ہفتادہوی رضویہ کی بقیہ جلدیں شائع کر دی جائیں، یہ کام تقریباً ۱۳۱۵ھ / ۱۹۹۱ء پھر ۱۳۱۵ھ / ۱۹۹۳ء میں کسی طرح اختتام کو پہنچا۔

دوسری طرف ۱۳۰۶ھ / ۱۹۸۵ء میں مولانا عبدالکیم شریک قادری علیہ الرحمہ (متوفی ۱۸ شعبان ۱۳۲۸ھ / ۲۰۰۷ء) اور پاکستان کے کچھ اور علمائے کرام کا خیال ہوا کہ فتاویٰ رضویہ میں جو عربی، فارسی عبارتیں بے زحمت ہیں ان کا اردو ترجمہ ہو اور کتابوں کے موجودہ دست یاب ایڈیشنوں سے حوالوں کی تخریج ہو، یعنی مختلف عبارتیں درج حوالہ کتاب کی کس جلد، کس باب، کس صفحہ میں ہیں ان کا ذکر اسلوب زمانہ کے مطابق حاشیہ میں دیا جائے۔ مشاورت کے مطابق کام کا آغاز بھی ہو گیا پھر ۱۳۰۸ھ / مارچ ۱۹۸۸ء میں حضرت مفتی عبدالقیوم ہزاروی مدظلہ العالی جامعہ نظامیہ لاہور کی سرپرستی میں اس کام کے لیے رضافاؤنڈیشن کا باضابطہ قیام عمل میں آیا، اور منتخب علمائے کرام کے ذریعے بہت تیزی سے کام ہوتا رہا۔

اس طرح فتاویٰ کی ۱۲ جلدیں تیس (۳۰) جلدوں میں مکمل ہوئیں۔ ۲۴ جلدیں حضرت مفتی عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ کی حیات میں شائع ہو گئیں۔

۲۷ جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ / ۲۶ اگست ۲۰۰۳ء کو ان کا وصال ہو گیا۔ ۲۵ روہی جلد ان کے چہلم کے موقع پر شائع ہوئی۔

پہلی جلد، پہلی بار شعبان ۱۳۱۰ھ / مارچ ۱۹۹۰ء میں شائع ہوئی اور تیسویں جلد رجب ۱۳۲۶ھ / اگست ۲۰۰۵ء میں منظر عام پر آئی۔ تقریباً سولہ سال میں یہ طویل و عریض اور دشوار گزار کام مکمل ہو گیا۔ فہمہ الحمد للہ و الشکر للعاملین الساجدین۔

مولانا عبدالستار سعیدی ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ لاہور نے ہر جلد کی اشاعت کے جبری و عسوی ۱۰۰ سال نہیں جلد کے شروع میں دے دیے ہیں، باقی جلدوں میں بھی اُس وقت تک کی شائع شدہ جلدوں کے ۱۰۰ سال کے قلم سے مرقوم ہیں۔ اور دیگر احوال و کوائف اور قلمی و علمی معاونین کے تذکرے بھی ہر جلد میں موجود ہیں۔

ایڈیشن کی تجدید یعنی عکس اشاعت ۲۳ جلدوں تک ۱۳۲۳ھ / ۲۰۰۳ء میں باہتمام مولانا عبدالستار ہاشمی، برکات رضا، پور بندر، سبھرات سے ہوئی۔ پھر مکمل تیس جلدیں اسی ادارے سے صفر ۱۳۲۴ھ / ۲۰۰۶ء

میں شائع ہوئیں۔ اس طرح یہ نسخہ ہندوستان میں بھی عام ہو گیا اور زیادہ استفادہ اسی سے ہونے لگا۔ مگر اہل عرب کی عبارت یا مضمون میں جب اشتباہ ہوتا ہے تو انہیں قدیم اشاعت کی بھی مراجعت کرنی پڑتی ہے۔ بہر حال ترجمہ و تخریج کے ساتھ اچھی کتابت و طباعت کا بھرپور اہتمام کرتے ہوئے تیس حواشی و یکساں جلدوں میں اشاعت، رضا فاؤنڈیشن لاہور کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ اس عظیم کام میں جتنے بھی لکھنوی معاونین ہیں وہ تمام اہل علم کی جانب سے بے پناہ شکریے اور مبارک باد کے مستحق ہیں۔ رب کریم سب کو اپنی وافر جزاؤں سے نوازے۔ آمین

### فتاویٰ رضویہ - اشاعت: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف:

امام احمد رضا قدس سرہ کے دور حیات ۳۶ - ۱۸۳۵ھ / ۱۸ - ۱۹۱۷ء سے لے کر ۱۹۲۷ھ / ۲۰۰۶ء تک فتاویٰ کی جو جلدیں بریلی شریف، مبارک پور، ممبئی، لاہور، پور بندر وغیرہ سے شائع ہوئیں وہ سب دس کتابت پر مشتمل تھیں، بعض کی کتابت بہت نفیس، بعض کی عمدہ، بعض کی بس قابل خواندگی، مؤخر الذکر قسم میں انداد کتابت مقدار بھی زیادہ تھی۔ ۲۰۰۰ء آتے آتے کمپوٹر پر زندگی کے شعبوں میں بڑی تیزی سے داخل ہوا، عربی، انگریزی، ہندی، اردو وغیرہ زبانوں کی تحریریں بھی کمپیوٹر پر کمپوز ہو کر سامنے آنے لگیں، رسائل کے علاوہ یومیہ اخبارات سے بھی بہت ساری آسانیوں کے پیش نظر اسی کو اختیار کیا، روز بروز اس کا دائرہ بڑھتا گیا۔ اور مقبولیت میں اضافہ ہوتا رہا۔

ان حالات میں مولانا محمد حنیف خاں رضوی بانی امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف اور مولانا اعظم دہلوی، ادارہ اہل سنت کراچی نے یہ پروگرام بنایا کہ فتاویٰ رضویہ کو بھی کمپیوٹر پر ازاد کتابت کے ساتھ شائع کیا جائے، اور سابقہ نسخوں میں کتابت وغیرہ کی جو غلطیاں رہ گئی ہیں حتی المقدور انہیں بھی درست کیا جائے۔

اس کے لیے انھوں نے قدیم اشاعت اور رضا فاؤنڈیشن کی اشاعت کو سامنے رکھا، عربی، فارسی عبارتوں کے نئے ترجموں کو حذف کیا، درحاشیہ میں مندرج حوالوں کو برقرار رکھا، اخیر کی جلدوں میں جو بے ترتیبی تھی وہ بھی دور کرنے کی کوشش کی، کتاب الہی کے متفرق مسائل کو جہاں تک ہو سکا متعلقہ ابواب میں داخل کیا، اس مسائل اور ضمنی مسائل کے لیے اندرون کتاب سرخیاں قائم کیں، کچھ نئے رسائل کا بھی اضافہ کیا۔ اس طرح فتاویٰ کو ۲۲ جلدوں میں مرتب کر کے ۱۴۳۸ھ / ۲۰۱۶ء میں شائع کیا۔

مولانا محمد حنیف صاحب نے جداول میں ۲۸۴۱۹، اپنی جملہ سرگرمیوں کا حال قدر سے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ پھر ص ۱۲۵۳۲۹، ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں عہد رسالت سے چودہویں صدی ہجری تک فتویٰ فتویٰ خصوصاً فقہ حنفی کی اجمالی تاریخ ہے، اسی درمیان سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ کے احوال و سوانح کا بھی ذکر ہے۔ ص ۱۳۵ سے ۱۳۲ تک فتاویٰ رضویہ کی قدیم و جدید طباعت کے مراحل کا ذکر ہے۔ پھر ص ۱۳۳ سے ۲۲۸ تک اپنی شائع کردہ ۲۲ جلدوں اور ان میں مندرج رسائل کا تعارف کر لیا ہے۔

پھر ص ۲۲۹ سے ۲۹۱ تک صاحب فتاویٰ، امام احمد رضا قدس سرہ کا ذکر جیل ہے، اس درمیان فن و ادب ان کی تصانیف کی اجمالی تعداد بھی مذکور ہے اور اب تک معلوم شدہ مطبوعہ و غیر مطبوعہ کل تصانیف کی تعداد ۵۹۱ (پانچ سو اکانوے) لکھی ہے۔ (۱)

اسی ذیل میں امام احمد رضا کے پھر علمی کے وقت درج ذیل عنوانات قائم کر کے ان کے کچھ شواہد فتاویٰ رضویہ سے پیش کیے ہیں۔

- ۱- امام احمد رضا اور علم حدیث ۲- کسی ایک موضوع پر کثیر روایت ۳- حوالوں کی کثرت
- ۴- اصطلاحات حدیث کی تفسیر و تحقیق ۵- مختلف روایات میں تطبیق
- الحاصل جداول میں یہ اضافی تحریر بہت محنت و توجہ سے تیار کی گئی ہیں اور کثیر معلومات پر مشتمل ہیں۔ اس اشاعت کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ آرٹ ڈیزائن پر چار کھر میں ہے جو بچے خود بڑی عالیٰ مہنت کا کام ہے۔ رب کریم جزائے فراوان سے نوازے۔

### محمد احمد مصباحی

ناظم تعلیمات اسلامیہ الاشرفیہ  
مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی

المجمع الاسلامی  
۱۲ صفر ۱۴۳۰ھ / ۲۲ دسمبر  
۲۲ اکتوبر ۲۰۱۸ء

(۱) مولانا عبد الغفار اعظمی، مصباحی، رکن البیعت الاسلامی نے "انصاف امام" کے تراجم "امام مشق و عرفان" میں حرف حج کی ترتیب پر ایک فہرست مرتب کی ہے اور کتاب کا سال تصنیف بتانے کے ساتھ نام کے تاریخی یا غیر تاریخی ہونے کی بھی صراحت کی ہے۔ اس میں کل تعداد ۶۷۳ ہے۔ کتب و رسائل ۵۰۸، تعلیقات ۳۶، "تصانیف رضا" مرتبہ مولانا عبد الحمید نعمانی کے مطابق: کتاب کے سامنے ایک خانے میں فن اور اس کا غیر تاریخی درج کر دیا ہے۔ دیکھیے کتاب مذکور ص ۳۱۵۹ء / ۲۰۰۷ء اشاعت: ۱۴۳۱ھ / ۲۰۱۵ء - البیعت الاسلامی مبارک پور۔

ابتدائیہ<sup>(۱)</sup>

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للولیتہ . و الصلاة والسلام علی نبیہ . و علی آلہ و صحبہ و جنودہ .

شریف احمد مولانا محمد ایوب شریف القادری مشرقی یوپی کی ایک متحرک و فعال شخصیت کا نام ہے، ان کی سکونت پیراکنک (PIPRA KANAK) ضلع ششی نگر (یوپی) میں تھی مگر دیوریا، مہراں گنج، گورکھ پور، چارپ میں سیوان، گوپال گنج، موٹیاری، چپارن وغیرہ علاقوں پر ہمیشہ نظر رکھتے تھے، اور وہاں کے دینی و ملی کاموں کے لیے جوش قدی کی کوشش کرتے تھے۔ خود اپنے وطن پیراکنک میں جامعہ رضویہ شمس العلوم کے نام سے ایک دینی تعلیمی ادارہ قائم کیا، جہاں اس دیار کے طلبہ حفظ و قراءت اور درس نظامی کی تعلیم حاصل کرتے، پھر دوسرے جیسے اداروں سے تکمیل کے مختلف مقامات پر پہنچ کر دینی و ملی خدمات انجام دیتے، یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

مولانا کو سلسلہ پیغمبیہ، قادریہ میں خلافت بھی حاصل تھی، اس لیے سلسلے کی اشاعت میں بھی کوشش رہے، اطراف کشی نگر کے علاوہ مہراں شہر وغیرہ میں بھی ان کے مریدین ہیں، وہ ان کی اصلاح و تربیت پر بھی توجہ دیتے، اس لیے ان کے مریدین میں عمائدین سے محبت، شریعت کی پابندی، علمی عزت اور تواضع و خاکساری کی صفات پائی جاتی ہیں، تعداد میرے خیال میں بہت زیادہ نہیں، مگر جو بھی ہیں اپنی دین داری کی وجہ سے قابل قدر اور لائق تحسین ہیں۔

۱۳۶۱ھ/۲۰۰۵ء میں مولانا کا صرف ۵۳ سال کی عمر میں وصال ہو گیا، ان کے چار لڑکے ہیں: محمد تقی، رضا، محمد کوئین، رضا، محمد حسین، رضا، محمد بسطین، رضا، سبھی کو انھوں نے دین دار، نیک اطوار بنانے کی کوشش کی، جہاں تک ہوسکا علم و عمل سے آراستہ کیا۔ یہ حضرات ان کے مشن کو قائم رکھنے بلکہ آگے بڑھانے میں باہمی تعاون کے ساتھ سرگرم عمل ہیں۔ مولانا تعالیٰ انھیں کامیاب و کامران بنائے اور جملہ آفات روزگار سے محفوظ و مامون رکھے۔

سجاد علی چھوٹے صاحب زادے حافظ قادری محمد بسطین رضا کے حصے میں آئی، یہ لوگ ہر سال اپنے والد گرامی کا عرس کرتے ہیں اور اسے شریعت کے مطابق رکھنے کے ساتھ زیادہ با مقصد، با فیض اور مفید بنانے کی

کوشش کرتے ہیں۔ "یادگار یوپی" کے نام سے ایک سال نامہ بھی شائع کرتے ہیں جو عمدہ دینی و ملی مضامین پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس خانقاہ سے کئی کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں، تفصیل جاننے کے لیے یادگار یوپی کے شماروں کی مراجعت کی جاسکتی ہے۔

خانقاہ قادریہ ایوبیہ کی علمی دل چسپی کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ اب تک اس کے زیر اہتمام سات آٹھ سیمینار منعقد ہو چکے ہیں جن میں امام اعظم ابو حنیفہ سیمینار اور امام احمد رضا سیمینار بڑے پیمانے پر ممبئی میں منعقد ہوئے۔ بالخصوص ایک، بخشی نگر میں عرس ایوبی کے ساتھ عمل میں آئے۔ سسند وار تفصیل یہ ہے:

نمبر	سیمینار کا عنوان	تاریخ تقرری	تاریخ تقرری
①	امام اعظم ابو حنیفہ سیمینار	۶/۹/۲۰۰۸ء	۲۲/۲۲/۲۰۰۸ء
②	فیضانِ کلامت سیمینار	۳/۱۱/۲۰۰۸ء	۱۵/۱۱/۲۰۰۸ء
③	فیضانِ خواجہ غریب نواز سیمینار	۳/۱۱/۲۰۰۸ء	۱۵/۱۱/۲۰۰۸ء
④	فیضانِ غوث اعظم سیمینار	۳/۱۱/۲۰۰۸ء	۲۲/۲۲/۲۰۰۸ء
⑤	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سیمینار	۳/۱۱/۲۰۰۸ء	۱۲/۱۲/۲۰۰۸ء
⑥	بحراطوم علامہ عبدالحق فرنگی علی سیمینار	۳/۱۱/۲۰۰۸ء	۱۲/۱۲/۲۰۰۸ء
⑦	شیخ عبدالحق محدث دہلوی سیمینار	۲۹/۱۱/۲۰۰۸ء	۱۸/۱۸/۲۰۰۸ء
⑧	امام احمد رضا سیمینار	۲۹/۱۱/۲۰۰۸ء	۱۸/۱۸/۲۰۰۸ء
	(مراتب عرس صدر سال)		

امام اعظم سیمینار کے مقالات کا ضخیم مجموعہ "انوار امام اعظم" کے نام سے (۸۵۳ صفحات پر مشتمل) ۲۰۰۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کے بعد چھ سیمیناروں کے مضامین سال نامہ "یادگار یوپی" میں شائع ہوئے رہے ہیں۔ ان میں اکثر مضامین بہت قیمتی اور معلومات افزا ہیں۔ سبھی مجموعے اس قابل ہیں کہ شائقین انھیں ہر مل کے مستفید ہوں۔

امام احمد رضا سیمینار:

اس کے انعقاد کا منصوبہ تقریباً چھ سال پہلے بنا۔ خیال یہ ہوا کہ فتاویٰ رضویہ کے علمی و فنی محاسن پر اب

تک کو ختم مجموعہ باضابطہ تیار نہ ہو سکا جب کہ اس کے بغیر اس کے علمی کمالات کا خاطر خواہ تعارف ممکن نہیں۔ اس کے عین سے متعلق پندرہ سولہ عنوانات قائم کیے گئے، ماہرین کا انتخاب ہوا، ہر عنوان کسی مناسب شخصیت کو سپرد کرتے ہوئے درخواست کی گئی کہ فتاویٰ کی جلدیں سامنے رکھ کر اپنے عنوان پر سیر حاصل گفتگو کریں۔ سال دو سال کا وقت اس کے لیے کافی سمجھا گیا، مگر یہ کام اتنا آسان نہ تھا جتنا منصوب سازوں نے گمان کیا۔

وجہ یہ ہے کہ ہر عنوان کی تکمیل کے لیے فتاویٰ کی بارہ جلدوں کا نظر غائر مطالعہ ضروری تھا، اس کے لیے مناسب وقت ملنا بہت مشکل تھا، کیوں کہ ہر شخصیت کے پاس اپنے پویمے فرائض و مشاغل ہوتے ہیں، کچھ ہنگامی مصروفیات بھی سامنے آجاتی ہیں جن سے دامن کشی کی صورت نہیں بن پاتی، ان حالات میں ایک ہم علمی موضوع کی سیرالپ کے لیے فتاویٰ رضویہ کی بارہ ضخیم جلدوں پر نظر عمیق برسوں کی مشقت بلکہ کسی قوت قدیر کی کراست جاتی ہے۔

انجام یہ ہوا کہ دو تین سال گزر گئے اور کوئی نتیجہ سامنے نہ آیا۔ اس سے قبل ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۷ء میں ۱۳۳۱ھ کے دوران میں نے جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں اختصاص فی الفقہ کے بعض طلبہ کو ایک ایک جلد (پندرہ، سولہ) عنوانات کے ساتھ سپرد کی تھی تاکہ مؤلفہ جلد پر ان عنوانات کے تحت سو یا زیادہ صفحات پر مشتمل اپنا تحقیقی مقالہ لکھیں، انھوں نے حسب استعداد کوشش کی اور دو سالہ نصاب کی مدت میں اپنے مقالات لکھ کر پیش کیے۔ فوجواہم اللہ خیر الجواہر۔

اول الذکر منصوبے میں ناگامی کے بعد مفتی محمد نظام الدین رضوی، صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور، مولانا نفیس احمد مصباحی اور مولانا اختر حسین فیضی مصباحی پھر محب گرامی مولانا ثناء اللہ ابن اختر مصباحی کی مشاورت سے یہ طے ہوا کہ اب ہر جلد سے متعلق طلبہ تحقیق کے لکھے ہوئے اپنی مقالات کو نظر ثانی و اصلاح کے بعد یکجا پیش کر دیا جائے۔ مجھ تعالیٰ صد سالہ عرس رضوی سنہ ۱۳۳۰ھ کے موقع سے یہ کام مکمل ہو گیا، اور تقریباً چودہ صفحات پر مشتمل یہ مقالات تین وچ جلدوں میں المجموع الاسلامی، مبارک پور کے مصارف پر شامل ہو گئے۔ مجموعے کا نام یہ ہے:

### فتاویٰ رضویہ: جہان علوم و معارف

اس کے باوجود خافتاہ قادریہ الہیہ نے اپنے اجہام میں امام احمد رضا سیستانی کے انعقاد کا منصوبہ منسوخ نہ کیا۔ سنہ ۱۳۳۰ھ امام احمد رضا قدس سترہ کے صد سالہ عرس کا سال ہے۔ بہت سی انجمنوں، اداروں، تنظیموں اور افراد نے امام موصوف کی یاد میں اس سال، جشن، کانفرنس، سیمینار اور جلسے منعقد کیے، بہت کچھ

اور غیر ختم کتابیں شائع ہوئیں، امام احمد رضا اکیڑہی بریلی سے ۲۰ جلدوں میں جہان امام احمد رضا اور بہت سے رسائل و کتب کی اشاعت ہوئی۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے بعض طلبہ نے ایک ضخیم مجموعہ شائع کیا بعنوان "فروع رضویات میں فرزند ان اشرفیہ کی خدمات"۔ ماہ ناموں کے عمدہ اور ضخیم نمبر بھی نکلے، اس لیے خافتاہ قادریہ الہیہ نے بھی اپنی ذمہ داری محسوس کی اور ممبئی کے علاوہ ۱۸ مارچ ۲۰۱۹ء عرس الہی کے موقع سے پچہترا تک کئی نمبر میں ہونے والا سیمینار بھی "امام احمد رضا قدس سترہ" سے ہی منسوب رکھا۔

ممبئی کے امام احمد رضا سیستانی کے لیے "فتاویٰ رضویہ: جہان علوم و معارف" کے مقررہ عنوانات سے الگ کچھ آسان موضوعات منتخب کیے گئے جو مقالہ نگاروں کے لیے غیر معمولی بارگراں نہ ثابت ہوں اور آٹھ، دس ماہ کے مقررہ وقت میں خاطر خواہ کی تکمیل ہو سکے۔

خدا کا شکر ہے کہ اچھے مقالات موصول ہو گئے اور مزید کچھ نگارشات کو شامل کر کے ایک ہزار سے زیادہ صفحات پر مشتمل دو وچ جلدیں تیار ہو گئیں۔

کئی سال سے "یادگار الہی" کی ترتیب اور سیستانیوں کے مضامین کو کچھ کر کے کمپوزنگ، پروف ریڈنگ وغیرہ مراحل سے گزارنے کا کام مولانا نفیس احمد مصباحی اور مولانا اختر حسین فیضی مصباحی، استاذان جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سر رہتا ہے، جسے یہ حضرات وقت نکال کر محسن و خولی مکمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ مجموعہ "انوار امام احمد رضا" بھی ان ہی کی ترتیب سے اشاعت پذیر ہے، پروف ریڈنگ میں معاونین کی تعداد اسی ہے، جن کی فہرست دو نوں جلدوں کے دوسرے صفحے پر درج ہے۔ رتب کریم سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور مزید مہارت و ذور ڈالنا نصیب کرے۔

یہ جلدیں آٹھ ابواب پر مشتمل ہیں، جلد اول میں باب اول تا سوم، جلد دوم میں باب چہارم تا ہفتم ہیں۔ ہر باب کے تحت عنوانات اور اہل قلم کے اس فہرست میں نمایاں طور پر مذکور ہیں، اس لیے میں یہاں ان کی تفصیل ترک کرتا ہوں۔ غالب گمان یہ ہے کہ فہرست بھی قارئین ملاحظہ کریں گے اور میری خامہ فرسائی دیکھنے کی زحمت کم ہی لوگ کریں گے۔

لیکن بعض مضامین کی جانب ان کی کسی خصوصیت یا جامعیت کی وجہ سے اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں، مثلاً:

① امام احمد رضا اور فقہی ضوابط کی تدوین از مفتی محمد نظام الدین رضوی دام خلد

باب سوم کے تحت ساٹھ (۶۰) صفحات پر مشتمل ہے۔

جہاں تک میری یادداشت کام کر رہی ہے اس عنوان پر اب تک کسی صاحب قلم نے باضابطہ کوئی

مضمون نہیں لکھا ہے۔ ان حالات میں یہ مضمون ”نقش اول“ ہے۔ اگرچہ اس میں اضافے کی کافی گنجائش موجود ہے، مگر توقع نہیں کہ کسی جانب سے پیش قدمی ہو، مفتی صاحب خود اس عنوان کے تحت یادداشتیں جمع کرتے رہیں تو امید ہے کہ مستقبل قریب میں ایک جامع اور وسیع کتاب منظر عام پر آسکتی ہے۔ وقفہ اللہ والہام! لکھا بخت و یرو صنیٰ۔

(۴) فتاویٰ رضویہ میں اصلاح و موعظت کا عنصر از مولانا ساجد علی مصباحی

باب سوم میں سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے۔

عموماً فتاویٰ میں ساری نیکو شرعی احکام بتا دیے جاتے ہیں، کبھی تہدید و تاکید کے لیے دوچار سطریں بھی لکھ دی جاتی ہیں۔ لیکن شعوری طور پر باضابطہ یہ کوشش کہ جو کسی گناہ میں مبتلا ہے وہ فوراً اس سے تائب ہو کر جہاد شریعت پر گام زن ہو جائے، اس میں ایسے جذبات برانگیختہ ہوں کہ اس کے دل میں شر سے پوری غرت اور خیر سے پوری محبت بیدار ہو جائے، ایسا صوفیہ کرام اور اولیائے عظام کے یہاں تو بہت ہوتا ہے مگر مفتیان کرام کے یہاں یہ عنصر نایاب نہیں تو کم یا کم ضرور ہے۔

سیدنا امام احمد رضا قدس سرہ مفتی بھی تھے، مصلح اور مجدد بھی، صوفی اور ولی بھی، اس لیے ان کے فتاویٰ میں ”اصلاح و موعظت کا عنصر“ فراوانی سے نظر آتا ہے۔

میں نے اپنے خطبہ صدارت میں یہ شکوہ کیا تھا کہ ”آج سے چالیس سال قبل جب برادر گرامی مولانا شبین اختر مصباحی کی کتاب ”امام احمد رضا اور رد بہدعات و منکرات“ پر میں نے ”تقریب“ لکھی تھی تو اس عنوان کے تحت چند شواہد پیش کیے تھے اور امید ظاہر کی تھی کہ کوئی صاحب قلم اس موضوع کو مبسوط انداز میں سیراب کریں گے لیکن اتنے طویل عرصے میں اس پر کوئی قابل ذکر قلمی کاوش نظر نہ آئی۔ میرے چند طلبہ نے اس پر جزوی کوشش کی ہے مگر اس میں ابھی کافی اضافے کی ضرورت ہے۔“

خدا کا شکر ہے کہ مجھے اس شکوے کا جواب اسی سیدنا میں مل گیا اور اپنے ہی عزیز اور جامعہ اشرفیہ کے قابل قدر استاذ کے قلم سے سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل یہ مقالہ دیکھنے کو ملا۔ اس میں اضافے کی گنجائش سے انکار نہیں، مگر کسی عنوان پر سو صفحات تو ہم ان فارغین سے قبول کر لیتے ہیں جو دو سالہ مدت تحقیق میں کسی طرح تیر کر کے لاتے ہیں، یہ وہ تعلیمی و فاضل مشاغل کو بقی رکھتے ہوئے غالباً صرف دو تین ماہ کی کاوش قلم ہے۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے اور مزید دینی و ملی خدمات انجام دلانے۔

(۴) کنز الایمان: تعارف و جائزہ از مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی

باب سوم میں ایک سو تیرہ (۱۱۳) صفحات پر مشتمل ہے۔ کنز الایمان کے محاسن بہت کچھ لکھا گیا، خصوصاً جب سعودی گورنمنٹ نے اس پر پابندی عائد کی، اور اس کے ہندی و بھارتی خواہوں نے اپنی تنگ حلائی کا ثبوت دینے کی کوشش کی تو ہمارے اہل قلم نے ان کی باطل چارشات کا مطالعہ کرچکا ہوں۔ اس کے باوجود یہ نہ ترکہ مضمون کو کچھ نئے انداز، نئے نکات اور دل چسپ مباحث پر مشتمل پاکر بڑی خوش ہوئی۔ اس کی قدر وہی لوگ کر سکتے ہیں جو ہر انی تحریروں کے مطالعے سے گزر چکے ہوں۔ مولانا صوف نے خوش اسلوبی سے منجیدہ تحقیق کی ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور زبانا۔

(۴) امام احمد رضا اور رد آریہ از مولانا خالد ایوب شیرانی مصباحی

باب سوم میں ۵۰ صفحات پر مشتمل اس عنوان کے تحت بالکل نیا مضمون ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے فرق باطلہ کے علاوہ مذہب باطلہ کے رد میں بھی بہت کچھ لکھا ہے لیکن وہ ساری تحریریں شائع نہ ہوئیں، اس لیے ان کا تفصیلی تعارف ممکن نہیں۔ ملک الغصا علامہ ظفر الدین احمد بھاری علیہ الرحمہ نے رد آریہ کے تحت کبیر کفر آریہ اور پردہ اہر تری، دو رسالوں کا ذکر کیا ہے مگر وہ دست یاب نہیں، اس لیے اس عنوان پر باضابطہ کوئی مضمون لکھنا بہت دشوار تھا۔

مگر مولانا خالد ایوب نے فتاویٰ رضویہ کی جلدوں سے تلاش کر کے کچھ مواد نکالا اور اپنے تیسرے اور تفصیل و توضیح کے ساتھ پچاس صفحات پر مشتمل ایک شاندار مضمون تیار کر دیا، یہ ان کی محنت و دہدہ دہی اور اپنے موضوع کا حق ادا کرنے سے دل چسپی کی دلیل ہے۔ مولانا تعالیٰ ان کے علمی و تحقیقی ذوق میں مزید برکتیں اور ان کی علمی خدمات میں مزید و حتمیں نصیب فرمائے۔

(۵) فتاویٰ رضویہ: ایک تعارف اس عنوان کے تحت باب سوم میں مولانا محمد صادق مصباحی کا مضمون شامل ہے، جس کی خوبی یہ ہے کہ نہایت اختصار کے ساتھ صرف دس صفحات میں فتاویٰ رضویہ کے بہت سے امتیازی محاسن اشارۃً بیان کر دیے گئے۔ یہ بھی فتاویٰ رضویہ کا ایک امتیاز ہے کہ صرف اشارات کے لیے دس صفحات صرف ہو گئے۔

(۶) امام احمد رضا اور عقیدہ ختم نبوت از مولانا نظام الدین عیسیٰ مصباحی

باب چہارم میں آٹالیس صفحات پر مشتمل ایک جامع مقالہ ہے جس میں موضوع سے متعلق سبھی ضروری مندرجات تفصیل و اختصار کے استخراج کے ساتھ جمع کر دیے گئے ہیں۔



ان کے علاوہ درج ذیل مقالات بھی اپنی بعض خوبیوں کی وجہ سے پسند آئے۔

- ۷۔ امام احمد رضا اور علوم حدیث (باب پنجم) از مولانا کمال احمد علی  
۸۔ حدیث اور رجال حدیث میں مہارت (باب پنجم) از مولانا محمد اختر کمال قادری مصباحی  
۹۔ اصول فتویٰ نوکی اور اجماعی الاعلام (باب پنجم) از مولانا محمد حنیف خاں رضوی  
باب ششم (روابط و تعلقات) میں ایک دو کے علاوہ بھی مضامین اہم اور عمدہ معلومات پر مشتمل نظر آئے۔

باب اول میں ہمارے وفات یافتہ بزرگوں کی نگارشات ہیں جو "قدہ مکرر" اور تہرک کے طور پر شریک اشاعت ہیں، ان کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مرادف ہوگا۔

باقی مضامین بھی افادیت سے خالی نہیں لیکن طول کلام سے بچنا بھی ضروری ہے، اس لیے مناسب سمجھا ہوں کہ "عطار" سے کچھ سننے کی بجائے خود "مشک" کو ہاتھ میں لینے اور دیکھنے سوچنے کی کوشش کی جائے۔

اس مجموعے کی اشاعت میں فکری، قلبی، مالی، کسی بھی طور سے شرکت کرنے والے تمام اہل خیر کی خدمات کو رب کریم شرف قبول سے نوازے اور جزائے فراوان مرحمت فرمائے۔ آمین۔ والصلوة و

السلام علی سید المرسلین و علی آلہ و صحبہ اجمعین۔

محمد احمد مصباحی

ناظم تعلیمات الجامعہ الاشرفیہ

مبارک پور ضلع اعظم گڑھ۔ یوپی

المجمع الاسلامی

۳ شعبان ۱۴۳۰ھ

۱۹ اپریل ۲۰۱۹ء۔ سہ شنبہ



## تقریظ

بسم الله الرحمن الرحيم حامداً و مصلياً و مسلماً

زیر نظر کتاب عزیز القدر مولانا سرفراز احمد مصباحی استاد جامعہ المدینہ نیپال گنج کی کاوش فکر و قلم ہے۔ یہ چند قسموں پر منحصر ہے:

- (۱) کلمات کی استعمالی صورتیں  
(۲) مثالوں میں دی گئی عبارات کی نحوی تراکیب  
(۳) فروق لغویہ  
(۴) ترکیبی شبہات کا ازالہ  
(۵) کیا کہیں کیا نہ کہیں؟  
(۶) نحوی پییلیں  
(۷) صرفی پییلیں

ہو سکتا ہے کتاب میں اور اضافہ ہو تو کچھ اور بخش شامل ہو جائیں، میں نے محسوس کیا کہ اس میں جو مسائل دیے گئے ہیں ان میں اکثر وہ ہیں جن کی صراحت ہماری درسی کتب محویر، ہدیۃ الخو، شریعت ماہی عامل، کافیہ شرح جابی وغیرہ میں نہیں ملتی خصوصاً اس کتاب کی ترتیب کے ساتھ ان کا ذکر یقیناً نہیں۔ میں نے اس کتاب کی بہت سی بحثوں کو پڑھا ہے۔

عزیز موصوف کا علمی شغف اور ذوق مطالعہ قابل تحسین ہے کہ انھوں نے درسی کتب اور ان کی شروح و حاشیے سے آگے بڑھ کر نئے دور میں تصنیف ہونے والی نحوی، صرفی اور ادبی کتب سے استفادہ کیا، کچھ قدیم تصانیف و لسانی ماخذ بنایا اور ان سے گراں بہا موتی چن کر شائقین کی ضیافت قلب و نظر کے لیے انھیں سجا کر پیش کر دیا۔

امید ہے کہ اہل علم اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے اور طلبہ بھی حسب ذوق و ہمت استفادہ سے باز نہ آئیں گے۔ اللہ کریم کتاب کو قبول فرمائے اور عزیز موصوف کو توفیق مزید سے نوازے۔ آمین

المجمع الاسلامی

۱۸ محرم ۱۴۳۲ھ

۷ ستمبر ۲۰۲۰ء دوشنبہ

محمد احمد مصباحی

ناظم تعلیمات الجامعہ الاشرفیہ

مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

(۱) جب نوآپ کو الجھلائے، از مولانا سرفراز احمد مصباحی، مولانا جلی کاشمیر

## ”حرف آغاز“

باسمہ و حمد

افکار و خیالات کی ترویج میں تقریر و تحریر کو بڑی اہمیت حاصل ہے مگر تقریر کی افادیت اس وقت ہے جب واقعی تقریر ہو یعنی عنوان گفتگو کا مضبوط اور موثر طریقہ پر اشاعت ہو۔ یہ اس وقت زیادہ کارآمد ہوتی ہے جب بہت سے افراد کو کسی موضوع پر فوراً متنبہ کرنے کی سخت ضرورت ہو ایسے موقع پر چند منٹ میں ایک لمبی کی تقریر لوگوں کے شکوک و شبہات دور کر دیتی ہے اور سکون و اطمینان بخشتی ہے۔ کسی قوی، مکی، مذہبی مفاد کی طرف افراد کی کشمکش کو یک ایک متوجہ و متنبہ کرنے کے لیے بھی تقریر ہی کو ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ زیادہ تر فوری اور وقتی ضرورتیں اسی سے پوری کی جاتی ہیں۔ خصوصاً ناخواندہ افراد کی آگاہی کے لیے تحریر بالکل بے کار اور تقریر یا مجلس و زبانی تعلیم ہی ضروری ہے البتہ سنانے اور بتانے والے ارباب علم کا اخذ و مرجع عمومی تحریر ہی ہوتی ہے۔ انھیں افکار و دلائل ہی نہ میسر ہوں گے تو وہ زبانی طور پر لوگوں کی تعلیم و تقسیم سے کس طرح جہد برآ ہو سکیں گے؟ لہذا معتد بہ مقدار میں کتابوں اور تحریروں کا نوازنا ضروری ہے۔

تحریر کا دائرہ ابلاغ زیادہ وسیع اور دیر پا ہے اگرچہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے تقریر کا دائرہ بھی پوری دنیا تک پھیلا کر عام کر دیا ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر فلاحی انجمن اور ہر فرد کو یہ سہولت حاصل ہو اور اگر کسی کو حاصل بھی ہو تو ضروری نہیں کہ جن لوگوں کو وہ باخبر کرنا چاہتا ہے وہ سب ریڈیو یا ٹیلی ویژن کے لیے اسی کی تقریر سماعت کر رہے ہوں۔ جب کہ تحریر یا قلمی رہ کر کسی وقت بھی لوگوں تک پہنچ سکتی ہے۔ اور مقررین و مبلغین بھی اس سے استفادہ کرتے ہوئے لوگوں تک اس کا مضمون پہنچا سکتے ہیں۔ پھر آج کے نسیانی دور میں تو تقریریں حافظہ کی گرفت سے بالکل نکل جاتی ہیں اور تحریریں ہی اپنا اثر دکھاتی ہیں اور اصل سہارا اور اخذ و مرجع یہی ثابت ہوتی ہیں۔ ہاں ٹیپ ریکارڈ نے بڑی حد تک تقریر و گفتگو کے تحفظ میں اپنا رول ادا کیا ہے۔ مگر رحمت و کفایت سے خالی نہیں۔ البتہ آواز کی کاپی محفوظ رکھنا اس کی انفرادی خصوصیت ہے۔ یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ تحریر بھی وہی کارآمد ہے جو اس قدر موثر و جامع ہو۔ لائین تقریروں کی طرح بے مغز تحریریں بھی نظر التفات کے قابل نہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اہل سنت کے علماء و اہل قلم نے جامع، مدلل، مستحیدہ اور بے مغز کتابوں کا بھی عظیم ذخیرہ ورثہ میں چھوڑا ہے۔ اور بہت سا نیا ذخیرہ نئے اہل قلم کو عصر جدید کے مقتضیات کی روشنی میں تیار کرنا ہے جس کی طرف کچھ لوگوں نے توجہ

شروع کی ہے۔ لیکن تعنیف و اشاعت کے لیے بھی ایک یا کئی معیاری دارالعلوم جیسی عمارت اور اسٹاف کی ضرورت ہے جس سے ہمارے بیشتر عوام و خواص یا تو بے خبر ہیں یا دانستہ اسے نظر انداز کر رہے ہیں یا اس راہ کی سخت مشکلات کی وجہ سے اس میں قدم رکھنے کو تیار نہیں مگر وقت کے تقاضوں سے گریز کب تک؟ جامعہ اشرفیہ کے باشعور طلبہ و فارغین نے موقع و محل کی مناسبت سے تبلیغ دین کی راہ میں تقریر و تحریر دونوں کو اختیار کیا، اگرچہ تقریر کی طرف پہلے اور اب بھی ضرورت سے زیادہ توجہ دی گئی اور یہ جاری ہے۔ مگر اشاعت کتب کی راہ میں بھی خاصی ترقی ترقی ہو چکی ہے لیکن کام ابھی بہت زیادہ باقی ہے۔ حالیہ دس برس کے اندر خاصی اشاعت عمل میں آنے کے باوجود ہماری نظر میں اس کی حیثیت ”آغاز باب“ سے زیادہ نہیں۔ اہل نظر غور کر لیں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ رب کریم تائید و توفیق سے نوازے۔

جامعہ کے اندر زیر تعلیم اعلیٰ طلبہ نے ایک مختصر مقالہ ”رحمت عالم“ کی اشاعت سے اپنی نثری ہم کا آغاز کیا ہے۔ صاحب مقالہ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے کئی اہم گوشوں پر ان کی رحمت عامہ کے ذیل میں قدرے تفصیلی گفتگو کی ہے۔ خاص طور سے نوع انسان کے معلوم طبقات (عمورتوں، یتیموں، غلاموں) پر ان کی رحمت کو تقابلی طریقہ اور دل نشیں میرا یہ میں بیان فرمایا ہے۔ رب کریم مولف کو جزائے خیر سے نوازے اور ناشرین کو توفیق مزید مرحمت فرمائے۔ ہو المستعان و علیہ التحکمان۔

محمد احمد اعظمی مصباحی

صدر المدینہ دین فیض العلوم محمد آباد گوہر

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ

۱۶ فروری ۱۹۸۵ء شنبہ

## كلمة اعتراف وتقدير

حامدا ومصليا ومسلما

بسم الله الرحمن الرحيم

علماء گجرات تركو تراثا عظيما في فنون عديدة وقدره معاصرههم ومن يعلمهم تقديرا حسنا فنسجوا كتبهم بأيديهم، أو استنسخوها من أحد الخطاطين بأجره، أو استكتبوها بمصداقة الكتب من أحد الناسخين بأجرة، ثم باعوها، فانتشرت نقول كتبهم في الهند وخارجها، ولم تكن المطابع نشأت في زمانهم.

وبعد نشأة المطابع قلنا غني بطبع تلك الكتب ونشرها فضاء أكثرها وبقي بعضها مغرونة في بعض دور الكتب، والنقل لا يعتمد عليه إلا إذا تحقق أن أحدا من الفضلاء قابله بأصل موثوق به، بتيقظ تام ووعي حاضر وصوب ما وقع فيه من الأخطاء.

ووجدت نسخة خطية لكتاب: "الفيض النبوي" لأحد علماء گجرات في مكتبة من بريطانيا، لكن ليس فيها اسم الناسخ ولا تاريخ النسخ، ولا ذكر الأصل الذي نسخت عنه، وبظهر بعد المطالعة كثرة الأخطاء الواقعة فيها بأيدي الناسخين. ليس بهيئ تصويب مثل هذه المخطوطة، ثم طبعها ونشرها.

لكن الشغف بالعلم يبعث المرأ على تحمل المشاق، فيخترق سبلا لكسب الشدائد، وتسهيل المتاعب، ونيل المقاصد، ولما وصلت صورة النسخة المذكورة إلى العالم الباحث الشيخ نفيس أحمد المصباحي قام عن ساق الجلد والاجتهاد، وراجع الأصول التي أخذ منها صاحب الفيض، وصوب أخطاء كثيرة، ولولا هذا البحث والفحص والتصويب لكان كثير من عبارات الكتاب مخفلة ومضلة للدارسين، وأضحكة وأعجوبة للباحثين، وألغازا وأحاجي لعامة القارئين.

وقد أضاف الشيخ إلى الكتاب معارف جمّة في تعليقاته، سوى التخريج والتصويب، وضم إليه مقدمة حافلة راشدة في علوم الحديث وترجمة الإمام البحاري، والتعريف لصحيحه، والتعريف بالفيض النبوي ومؤلفه رحمه الله تعالى. من نظر إلى هذه الجهود الحثيثة اعترف بمكانة الباحث، وخدماته الحميلة وأعماله الثمرة لإصدار هذا الكتاب. والله وليّ الجزاء لكل خير.

محمد أحمد المصباحي

٢٧ صفر ١٤٤٢ھ

مدير المجمع الإسلامي

١٥ أكتوبر ٢٠٢٠م

ومدير التعليم بالجامعة الأشرفية

مبارك فور، أعظم جره. الهند



## کتاب اور صاحب کتاب<sup>(۱)</sup>

بسم اللہ الرحمن الرحیم  
حامداً ومصلیاً ومسلماً  
غیر مقلدین تقلید سے دامن کشی کے لیے کتاب و سنت کا نام بڑے زور شور سے لیتے ہیں، لیکن ان کے عقائد و اعمال کا جائزہ لیجئے تو کتاب و سنت سے انحراف صاف دکھائی دیتا ہے، اسی طرح کسی عمل کی بحث آتی ہے تو وہ حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں اور کتب حدیث میں بھی خاص بخاری و مسلم کا نام لیتے ہیں یعنی ان دونوں میں جو ہے وہی دین اور شریعت ہے اور ان سے باہر جو کچھ ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں، اگرچہ وہ قوی سے قوی تردیل سے ثابت ہو۔

زیر نظر کتاب میں غیر مقلدین کے بلند بانگ دعووں کی نقاب کشائی بڑی خوش اسلوبی سے کی گئی ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ قدم قدم پر صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) سے ان کا انحراف اور کتاب و سنت سے دوری ان کے خیر میں داخل ہے۔

اس کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے دلائل و شواہد کی مضبوط زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے، چشم پر ہوا تو دیکھے، گوش شنوا ہو تو سنئے۔ کھلے دل سے مطالعہ کریں، اس میں ہدایت و بصیرت کا سامان وافر مقدار میں چھپا ہوا ہے۔

(۱) احادیث صحیحین سے غیر مقلدین کا انحراف، مفتی محمد تقی رحمہ اللہ مدین رضوی برکاتی، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مہرگ، منظم گزشتہ ۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء

واللہ الہادی والنصیر.

صاحب کتاب جنی چاہتا ہے کہ معصوم کا بھی کچھ ذکر خیر کر دیا جائے۔

جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں درجہ فضیلت کا نصاب مکمل کرنے کے بعد بیس انھوں نے تحقیق فی الفقہ کا نصاب مکمل کیا اور انہی کی جماعت سے جامعہ میں "تحقیق فی الفقہ" کا آغاز ہوا اور اب بھی جاری ہے۔

درجہ تحقیق میں اسباق کی تکمیل اور مشقِ حق کے ساتھ کم از کم سو صفحات پر مشتمل ایک مقالہ بھی لکھنا ہوتا ہے، موصوف کے مقالے کا عنوان تھا: "فقہ حنفی کا تقابلی مطالعہ، کتاب و سنت کی روشنی میں"۔ ان کا یہ مقالہ تقریباً ۱۵۰ صفحات پر مشتمل ہے جس میں مذاہب اربعہ کے ۱۷ اصولی اور فروعی اختلافی مسائل کا تقابلی مطالعہ دیکھا ہے۔

انھوں نے مدرس، افتاء، مذاکرہ، تصنیف، تقریر، وغیرہ مختلف میدانوں میں نمایاں کام کیا ہے، میں یہاں اجمالاً ان کا کچھ ذکر کروں گا۔

(۱) ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء میں جامعہ سے فراغت کے بعد بیس سے ان کی تدریس زندگی کا آغاز ہوتا ہے ۱۳ مارچ ۲۰۰۲ء (شعبان ۱۴۲۲ھ) تک تقریباً اکتالیس، بیالیس سال "پر پھیلا ہوا ہے۔ اور ان شاء اللہ الرحمن نجات جاری رہے گا۔

جہاں تک مجھے یاد آتا ہے عموماً درجہ سادہ تافضیلت یا درجہ تحقیق کی کتابیں ان کے زیر تدریس رہیں۔ جو کتاب بھی ان کے ذمہ آئی بحسن و خوبی اسے پڑھنے، پڑھانے، سمجھنے، سمجھانے اور طلبہ کو ذہن نشین بنانے کی کوشش کی، ان کتابوں میں ہدایہ اخیرین، ترمذی شریف، مسلم شریف، بخاری شریف، الاشبہ والنظائر اور فرائد ارحوت شرح مسلم الثبوت خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ مسلم شریف پر انھوں نے مذہب حنفی کی تائید کے لیے عربی میں مختصر حاشیہ بھی لکھا ہے۔

ہدایہ اخیرین کی مقدمہ میں انھوں نے خاص محنت و شغف سے کام لیا، اسی سے استخراج و استنباط کا اسلوب سکھائی، فضائل فقہیہ کے اور حوادث پر ان کی تطبیق کا طرز لایا، جس سے ان کے فتاویٰ، مقالات اور بحثوں میں بڑا تہذیب فقہ و فتویٰ، اصول فقہ، اصول افتاء اور دیگر علوم کی کتابوں کا مطالعہ اور ان سے استفادہ مزید برآں ہے۔

مدرس میں اوقات درس کی پابندی اور مناسب مدت میں نصاب کی تکمیل کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ان کا انھوں نے ہمیشہ لحاظ رکھا۔

ان کی زندگی کے لحاظ سے تقریباً ۳۱ سال اور عربی سن کے لحاظ سے تقریباً ۳۲ سال۔

(۱) جامعہ اشرفیہ میں آغاز تدریس کے ساتھ دارالافتاء سے بھی برابر ان کی دانشور کی رہی۔ پہلے شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ ان سے فتاویٰ اٹھا کر لے، پھر یہ خود بھی فتوے لکھتے اور حضرت شارح بخاری کی نظر ثانی اور تصدیق کے بعد انھیں جاری کرتے۔ اس باب میں ان کا قابل ذکر وصف یہ ہے کہ انھوں نے تن آسانی اور ہل پندی سے گریز کرتے ہوئے مشکل مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی جس کے لیے انھیں زیادہ محنت و مشقت اور بڑی مشق و مہارت سے گزرنا پڑا، اس روش کا نتیجہ یہ ہوا کہ شارح بخاری علیہ الرحمہ کی زندگی ہی میں وہ ایک ماہر مفتی اور عمدہ محقق کی حیثیت سے متعارف ہو گئے۔

(۲) ۱۳۲۱ھ/۲۰۰۰ء میں شارح بخاری علیہ الرحمہ کے وصال کے تھوڑے دنوں بعد شعبہ فقہی کی صدارت بھی ان کے ذمہ آگئی۔ اس کے بعد دیگر مفتیان ادارہ کی رہ نمائی، ان کے فتاویٰ پر نظر ثانی اور زمرہ دارالافتاء تصدیق بھی ان کا معمول بن گئی۔

(۳) بعض مسائل وہ ہوتے ہیں جن کا حل محض دارالافتاء کی بجائے دارالافتاء سے وابستہ ہوتا ہے۔ اس کا احساس کرتے ہوئے دارالافتاء کے ساتھ یہاں دارالافتاء کا قیام بھی عمل میں آیا۔ فقہاء کے مسائل، قاضی کا کارڈ، کار، فقہاء کے اصول و ضوابط ان امور پر مفتی محمد نظام الدین صاحب نے باقاعدہ مضامین لکھے اور ضرورت مند شائقین کو فقہی تعلیم و تربیت سے بھی سرفراز کیا۔ نئے چاند کے مواقع پر وہ برابر مستعد رہتے ہیں اور پابندی سے رویت یا عدم رویت کا اعلان بھی کرتے ہیں۔

(۴) جولائی ۲۰۱۳ء سے مارچ ۲۰۲۱ء تک انھوں نے جامعہ اشرفیہ میں بحیثیت ”صدر المدرسین“ کام کیا۔ اب ریٹائرڈ ہونے والے ہیں۔ یہ عہدہ بڑے اداروں ہی نہیں، چھوٹے مدرسوں میں بھی کلفت کلام سے بھرا ہوتا ہے۔ طلبہ کا لحاظ، مدرسین کی دل جوئی، انتظامیہ کی خوشنودی، عوام کا اعتماد سب کا حصول بہت مشکل ہوتا ہے، نظام تعلیم کی بہتری اور طلبہ و مدرسین کی کارکردگی پر ہمیشہ نظر رکھنا پڑتا ہے اور کسی بہتری پر صدر المدرسین جواب دہ ہوتا ہے، اس لیے اس عہدے کے ساتھ سلامت گزر جانا کوئی آسان کام نہیں۔ مگر کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ آسان ہے ”پر ٹیل ہونا“۔ جو لوگ امانت و دیانت سے عاری اور جلب منفعت کے عامل ہوتے ہیں، ان کے نزدیک یہ منصب یا کوئی منصب کسی ”حلوائے تر“ سے کم نہیں۔

مگر جو لوگ امانت و دیانت، عدل و انصاف اور صدق و راستی کے پابند اور مشکلات سے خبردار ہوتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ: آگ آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے۔

مفتی صاحب نے اپنے دور صدارت میں میری بہ نسبت زیادہ مشکلات اور ناخوشگوار حالات کا سامنا کیا مگر ثابت قدمی، صبر و تحمل اور حکمت و تدبیر سے اٹھانے اور پورا کیا، گویا۔

چلا جاتا ہوں ہنس کھینچتا ہوں حوا سے  
اگر آسائیاں ہوں زندگی و شہوار ہو جائے

(۱) تصنیف سے بھی انھیں دل چسپی ہے، ان کے طویل فتوے اور سیمیناروں کے تحقیقی مقالات خود عمدہ تصنیف کا درجہ رکھتے ہیں، ۲۵ء سے زیادہ کتابیں ان کے قلم سے منظر عام پر آچکی ہیں۔

(۲) مذاکرات اور سیمیناروں سے انھیں فطری لگاؤ ہے، ملک کے مختلف سیمیناروں میں شرکت کر چکے ہیں اور مجلس شرعی کے سیمینار تو گویا ان کی دم قدم سے جاری و ساری ہیں۔

(۳) ان کا انوکھا اور مقبول و مشہور سلسلہ وہ ہے جو جلسوں میں اور اجتماعات میں فقہی سوالات و جوابات کی صورت میں رونما ہوتا ہے، اس کے لیے کمال استحضار اور ملکہ تفہیم ضروری ہے، تاکہ عوام و خواص بخوبی مستفید ہو سکیں۔ جہاں تک مجھے علم ہے وہ اس وصف میں بہت نمایاں، ممتاز، مقبول اور ہر دل عزیز ہیں۔ ان کے بعض جوابات قلم بند ہو کر شائع بھی ہو چکے ہیں۔

(۴) ضرورت مندوں کی خدمت کے لیے وہ کچھ اوقات کے استسقا کے ساتھ ہمیشہ کمر بستہ رہتے ہیں اور مہال پر آنے والے سوالات کا بھی شافی جواب دیتے ہیں اور کبھی کبھی آئندہ کے لیے مؤخر کرتے ہیں، بعض متنبیان کرام کا کہنا ہے کہ مہال پر جواب نہیں دینا چاہیے، ہو سکتا ہے کہ مسئلہ پوری طرح مختصر نہ ہو اور جواب میں غلطی ہو جائے، اس کے باوجود ہمارے مفتی صاحب کی ہمت اور مسلسل خدمت قابلِ آفریں ہے۔

(۵) انھوں نے فتاویٰ اشرفیہ کی تدوین کا بھی بیڑا اٹھایا ہے، اس میں کئی معاونین کی اعانت بھی شامل ہوئی ہے مگر آخری نظر ثانی اور تصحیح انہی کی ہوتی ہے۔ اس کے لیے ”مجلس فقہی“ کے ۴۴ سے ایک پورے بھی ٹکلی ہوئی مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کا وجود انہی کی ہمت و محنت کا صدقہ ہے۔

(۶) مفتی صاحب کی اور بھی خوبیاں ہیں، مثلاً: تقریر، خوش اخلاقی، رابطہ عامہ، ضیافت، فیاضی، حاضر جوابی، دنیہ و دنیا، ان کا ذرا آپ دوسرے رفقاء کے قلم سے کبھی دیکھیں گے۔ جس قدر میں نے ماضی میں امتلاء بیان کی ہے انہی کوئی صاحب قلم تفصیل سے لکھ دے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

میں غلامت، کمزوری اور کبر سنی کے دور سے گزر رہا ہوں اس لیے ایک شش جہت عالم ربانی، مفتی تاجر



اور سراج الفقہاء کے تعارف میں چند سطر لکھنے کی ہمت کی۔ آئندہ اتنی طور کی بھی ہمت و قوت ملے، نہ سٹے، کوئی ضمانت نہیں۔ واللہ المستعان علی نوائب الزمان و بیدہ الخیر و اصل و اسلم علی حبیبہ وآلہ وصحبہ أجمعین۔

محمد مصباحی

پلم طبیعات، الجامعہ الاسلامیہ

مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ

المجمع الاسلامی

۳ شعبان ۱۴۴۲ھ / ۱۶ مارچ ۲۰۲۱ء

شب - شنبہ

## باب ہفتم

فقہی مقالات کے خلاصے

## خلاصہ مقالات، بعنوان الکحل آمیز دواؤں اور رنگین چیزوں کا استعمال

**پہلا موضوع:** انگریزی دواؤں اور مصنوعی چیزوں سے مخلوط رنگوں کا حکم  
بالعموم انگریزی دواؤں میں مصنوعی دواؤں کی ملاوٹ کی وجہ سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟  
اس سوال کے جواب میں جو مقالات موصول ہوئے، ان میں بعض مبسوط ہیں، بعض متوسط اور بعض صرف  
ایک فقرے اور رائے کے طور پر بہت مختصر لکھے گئے ہیں۔

**مبسوط مقالات درج ذیل حضرات کے ہیں:**

- |                              |          |
|------------------------------|----------|
| (۱)۔ مولانا آل مصطفیٰ مصباحی | ۲۲ صفحات |
| (۲)۔ مولانا بیدر عالم مصباحی | ۱۲ صفحات |
| (۳)۔ مولانا عبدالحق رضوی     | ۲۶ صفحات |
| (۴)۔ مولانا محمد معراج قادری | ۶۰ صفحات |
| (۵)۔ مولانا نور علی مصباحی   | ۱۰ صفحات |

**متوسط:**

- |                                 |          |
|---------------------------------|----------|
| (۶)۔ مفتی حبیب الاسلام نجمی     | ۳۸ صفحات |
| (۷)۔ مولانا محمد نسیم فیض آبادی | ۲۲ صفحات |
| (۸)۔ مولانا رحمت حسین کیسی      | ۴۸ صفحات |

**توہفتوی:**

- |                                       |         |
|---------------------------------------|---------|
| (۹)۔ علامہ عبدالحکیم شرف قادری، لاہور | ۱۸ صفحہ |
| (۱۰)۔ مفتی محمد ایوب رضوی             | ۱۸ صفحہ |

۱۱ صفحہ

(۱۱) - مفتی زین العابدین ندوی

۲۲ صفحات

(۱۲) - مولانا قاضی فضل احمد مصباحی

۱۱ صفحہ

(۱۳) - مولانا مفتی اختر حسین مصباحی در بھگوی

ان مقالات و فتاویٰ کا مجموعی رخ جواز کی جانب ہے، عدم جواز کا رجحان رکھنے والے مقالات یہ ہیں:

## مبسوط و غیر مبسوط:

۱۵ صفحات

(۱۴) - مولانا شمس الہدیٰ بستی

۱۰ صفحات

(۱۵) - مولانا غفر الحسن رضوی

۵ صفحات

(۱۶) - مولانا عبدالرحمن بستی

۸ صفحات

(۱۷) - مولانا محمد قاسم عبدالواحد شہید قادری

۱ صفحہ

(۱۸) - مولانا قاضی عبدالرحیم بستی

(۱۹) - جناب سہیل احمد قادری رضوی، بلرام پور

۱ صفحہ (اس میں بعض چیزوں کی توضیح ہے،

کوئی فقہی مسئلہ یا شرعی حکم مذکور نہیں۔)

**تیسرہ و خلاصہ:** اول الذکر مبسوط مقالات میں زیادہ تفصیل اس سلسلہ میں ہے کہ شرک اقسام کیا ہیں؟ اور ان کے بارے میں ائمہ کے مذاہب اور احکام کیا ہیں؟ اس تفصیل کے تحت ہدایہ، عالمگیری، در مختار، رد المحتار، فتاویٰ رضویہ وغیرہ کتب کے حوالے دیے گئے ہیں۔

اس بحث کے بعد ان مقالات میں یہ مسئلہ شروع ہوتا ہے کہ انگریزی وادوں کا حکم کیا ہے؟ اور عصر حاضر میں ان کے استعمال میں کچھ تخفیف ہو سکتی ہے یا نہیں؟ جب کہ امام احمد رضا، صدر الشریعہ، مفتی اعظم عظیم علیہم الرحمہ نے ان کے عدم جواز کا حکم دیا تھا۔

اس نکتہ کے فیصلہ کے لیے یہ بحث آتی ہے کہ کیا اب حالات پہلے سے مختلف ہو چکے ہیں؟ اگر مختلف ہو گئے ہیں تو کیا اس حد تک کہ حکم میں تخفیف کے مستثنیٰ ہوں؟

اختلاف حال سے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ امام احمد رضا قدس سرہ کے زمانے میں طب یونانی کے باہر مسلمان علماء موجود تھے، جو اس کا لحاظ رکھتے تھے کہ وادوں میں کوئی ممنوع چیز شامل نہ ہو، مگر اب ایسے اطباء تقریباً ناپاب ہیں اور اختلاف زمان سے حکم میں تبدیلی ہوتی ہے، اس مسئلے میں کتب فقہ سے کچھ جزئیات اور نظائر بھی پیش کیے گئے ہیں۔

دوسرے امر سے متعلق یہ بتاتے ہیں کہ اختلاف حال اور یونانی اطباء پاک ادویہ کی ناپابائی کے نتیجہ میں اب

انگریزی وادوں کا استعمال عام ہو چکا ہے اور عوام و خواص سب اس میں مبتلا ہیں، اس لیے حکم میں تخفیف ہونی چاہیے، اس کی دلیل میں بطور خاص کبھی مبسوط مقالات میں فتاویٰ رضویہ کا یہ سوال و جواب پیش کیا گیا ہے:

سوال یہ تھا کہ "مصری ایک سرخ رنگ کے کاغذ میں جس کی نسبت یہ قوی گمان ہے کہ پڑا کے رنگ میں رنگ لگایا ہو، بندی تھی، اس کی سرفنی یا بجلہ مصری میں آگنی تو وہ مصری کھائی جائے یا نہیں، اور نہ کھائیں تو پیسٹک دیں یا کیا کریں؟

جواب یہ ہے کہ:

"پڑا کی نجاست پر فتویٰ دینے جانے میں فقیر کو کام کثیر ہے۔ محض اس کا یہ ہے کہ۔

(الف) پڑا یا اس اسپرٹ کا ملنا اگر بطریق شرعی ثابت بھی ہو۔۔۔

(ب) تو اس میں شک نہیں کہ ہندوؤں کو اس کی رنگت میں ابتلائے عام ہے۔ اور "عموم بلوئی" نجاست متفق علیہا میں باعث تخفیف۔۔۔ حنفی فی موضع النص القطعی کما فی ترقش البول قدر روس الإبر کما حققه المحقق علی الإطلاق فی فتح القدیر۔"

(ج) نہ کہ محل اختلاف میں، جو نہ مذہب سے مہذب متحدین تک رہبر اختلافی حلال آیا۔

(د) نہ کہ جہاں صاحب مذہب حضرت امام اعظم امام ابو یوسف کا اصل مذہب طہارت ہو، اور وہی عام ثالث نام لہے بھی ایک روایت اور اسی کو امام طہوی وغیرہ ائمہ ترجیح صحیح نے عقد و مرجع رکھا ہو۔

(ه) نہ کہ ایسی حالت میں، جہاں اس مصلحت کو بھی دخل نہ ہو جو متاخرین اہل فتویٰ کو اصل مذہب سے عدول اور راجعت آخرت نام محمد کے قبول پر باعث ہو۔

(و) نہ کہ جب مصلحت اپنی اس کے ترک، اور اصل مذہب پر اپنی موجب ہو۔ تو اس جگہ بلا وجہ بلکہ برخلاف اجماع مذہب، صاحب مذہب و صاحب کتب کو ترک کر کے مسلمانوں کو ضیق و حرج میں ڈالنا اور عام مومنین و مومنات کو زیار و اظہار ہندی کی نماز میں محاذ امتدیاہل اور انھیں اٹھ و مصر علی البکیر و قرار دینا دشمنی سے یکسر دور پڑنا ہے۔"

فتاویٰ رضویہ یازدہم، ص ۲۰ میں یہ عبارت بھی پیش کی گئی ہے:

القول: ولستنا نعلم بهذا ان عامة المسلمين اذا ابتلوا بحرام حل بل الامر ان عموم البلوی من موجبات التخفيف شرعا و ما ضاق امر الاتسع فاذا وقع ذلك في مسئلة مختلف فيها ترجع جانب البسر صوما للمسلمين عن العسر ولا ينجفى على خدام العقبة ان هذا كما هو جار في باب تطهارة والنجاسة كذلك في باب الاباحة والحرمه. الغ

مبسوط مقالات اور مختصر فتاویٰ میں اقسام و احکام کی تفصیل سے صرف نظر کرتے ہوئے موجود حالات میں

تخفیف سے متعل خاص طور سے گفتگو کی گئی ہے اور یہ بھی اس امر پر متفق ہیں کہ جواز کا حکم ہونا چاہیے مگر علامہ عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ ایک اہم فقہی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مذہب شیخین کو بنائے جواز یا نہ جواز کا ہونا ہوگا، اس کے بجائے تداوی بالحرام سے متعلق مذہب صاحبین کو بنایا جاتا ہے۔

مولانا بدر عالم مصباحی استاذ شریف اور مولانا انور علی مصباحی کے مقالوں میں اس طرف بھی توجہ کی گئی ہے، اور وہ تداوی بالحرام کے مسئلہ کو بھی انگریزی دواؤں کے جواز کی تائید کے طور پر لاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں رد المحتار کی متحدہ عبارتیں پیش کرتے ہیں۔ رد المحتار میں خانیہ، نہایہ، تہذیب، ذخیرہ، جنیس، صاحب الہدیہ وغیرہ کی عبارتیں لکھی گئی ہیں۔ ان کا حاصل یہ ہے کہ تداوی بالحرام بھی ناجائز ہے، اور علامہ مذہب ممانعت ہی کا ہے، لیکن ایک قول میں رخصت ہے، جس کے لیے دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ دوسری کوئی جائز دوا ایسی دستیاب نہ ہو جو اس ممنوع دوا کا کام کر سکے، دوسرے یہ کہ مسلمان ماہر طبیب بتائے کہ اس ممنوع دوا سے شفا ہو جائے گی۔ ان عبارتوں کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجازت بھی شفا فی حق ہی کی صورت میں ہے۔

مولانا انور علی نظامی یہاں ایک سوال و جواب بھی رقم کرتے ہیں، جو ان ہی کے الفاظ میں یہ ہے:

امام اہل سنت کا یہ قول کہ: ”بجز قول طبیب کہ ہرگز موجب یقین نہیں“ خاص اور متعین دوا سے متعلق ہے، جیسا کہ خود فرماتے ہیں: ”بارہ اعلیٰ نسخہ تجویز کرتے ہیں اور ان کے موافق آنے پر اعتماد کی کرتے ہیں، پھر ترادفہ کا تجزیہ ہے کہ ہرگز شک نہیں اترتے، اے“ (فتاویٰ رضویہ ۱۳۴/۲) مگر عام دوا یا جنس دوا کے سلسلہ میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ موجب یقین نہیں، کیوں کہ مطلقاً انگریزی دواؤں میں مثلاً عام امراض کے لیے نفع بخش ہیں اور ان کے علاوہ دوسری دوائیں یا دوا دستیاب نہیں یا بہل الحصول نہیں، اس لیے مذکورہ دواؤں کا استعمال جائز ہونا چاہیے۔

الحاصل ان مقالات میں اہم اور بنیادی عنصر یہ ہے کہ انگریزی دواؤں میں اب نہ صرف ہندوستان اور نہ صرف عوام بلکہ غیر مسلموں کے ساتھ تمام ممالک کے مسلم عوام و خواص سب اس میں مبتلا ہو چکے ہیں اور دوسری دواؤں کا کثرت بہت دشوار ہے، اسی طرح ماہر مسلم یونانی طبیب کا ملنا بھی نہایت مشکل ہے، اس صورت حال کا تقاضا یہ ہے کہ دوا علاج میں ان کا استعمال جائز ہونا چاہیے۔

مخلوط چیزوں سے مخلوط رنگوں کے متعلق بھی اجتلاء عام کی وجہ سے جواز ہی کا فیصلہ ان مقالات میں نظر آتا ہے، بلکہ رنگوں میں دواؤں سے زیادہ شدید ضرورت بیان کی گئی ہے۔

انگریزی دواؤں کے عدم جواز کا رجحان رکھنے والے مقالات میں مولانا شمس الہدیٰ بستوی استاذ شریف کا مقالہ زیادہ مبسوط ہے، مگر اس کا زیادہ تر حصہ منکرانہ کی حرمت، اس کی مضرت و شاعت، اس سے متعلق احادیث پر

مذہب ائمہ اور کچھ حکایات کے بیان پر مشتمل ہے، بہر حال سوال نمبر سے جو رجحان ملتا تھا یہ اس سے مخالف سمت میں ایک کوشش ہے، زیادہ تر فقہ اہل امام ابن حجر الشافعی، ابھی لائن قدامتہ الخلیل، احکام القرآن للقرطبی المالکی سے مدد لی گئی ہے اور فتاویٰ رضویہ سے وہ عبارتیں نقل کی گئی ہیں جو مذہب مفتی سے تعلق رکھتی ہیں، اور اس کی تکمیل تائید کرتے ہیں، مگر یہ بھی آخر میں ممنوع اشیاء سے مرکب، انگریزی دواؤں سے متعلق دو شرطوں کے ساتھ جواز و اجابت کی بات لکھتے ہیں: (۱) دوسری دواؤں سے کام نہ لینے (۲) طبیب عاقل کا مشورہ ہو، ورنہ عدم جواز ہے۔ اس استشکا کا حاصل تداوی کا مشروط جواز ہے جس کی قدر سے تفصیل مولانا بدر عالم کے مقالہ کی تکمیل میں ذکر ہوئی اور مزید آگے آ رہی ہے۔

ممنوعات سے مخلوط رنگوں سے متعلق اجتلاء عام کی وجہ سے یہ بھی جواز کی تصریح کرتے ہیں۔ عدم جواز کے رجحان پر مشتمل دوسرا مبسوط مقالہ مولانا عزیز حسن رضوی کا ہے، اس میں سوال نمبر کا تجزیہ کرتے ہوئے ممنوع مشروبات کے اقسام و احکام بتاتے ہیں، بعد ”مکمل“ بتانے کے طریقوں پر گفتگو کرتے ہوئے حفاظ حکم اس کی بھی دو قسمیں متعین کی گئی ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ کسی بے حقی فیصلہ کیا جائے کہ اس دوا میں یہ قسم ہے اور اس دوا میں وہ قسم ہے، جب تک یقین ثبوت نہ ملے۔ یہ صرف ایک قیاس ہے جو سستی پہنچی دواؤں میں ہر قسم کی شراب کا غلط لیکن اور اجتماع حلال و حرام کی صورت میں تغلیب حرام کے کاغذ کے تحت اس قسم اول سے شمار کا مناسب، اگر قسم سوم میں شہد ہو تو بھی توفہ مذہب مفتی بہر مطلقاً حرام ناجائز۔

ان دواؤں کی حرمت متعین کرنے کے بعد اس ماہر گفتگو ہوتی ہے کہ حرام کے ذریعہ علاج کا کیا حکم ہے، اس سے قبل شروع ہی میں علاج کی شرعی حیثیت متعین کی ہے اور یہ بحث فرمائی ہے کہ علاج کرنا فرض ہے یا واجب، یا اس سے کم اور یہ ضرورت یا حاجت کے مرتبے میں ہے یا اس سے فروتر۔

درج ذیل عبارت سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص علاج نہ کرے تو گناہ گار نہیں۔

(۱) - مرض أو داء فقل له الطبيب عليك الدم ، فاعرجه فلم يفعل حتى مات لا يأثم كذا في الملقط.

(۲) - الرجل إذا استطلق بطنه أو رمدت عيناه فلم يعالج حتى اضعه ذلك و أضره و مات منه لا اثم عليه.

(۳) - ولو أن رجلاً ظهر به داء فقال له الطبيب عليك الدم ، فاعرجه فلم يفعل حتى مات لا يكون أثماً ، لأنه لم يتبعن ان شفاءه فيه.

(۱) عالمگیری، ۲۵۵/۵.

(۲) ایضاً، عالمگیری.

(۳) فتاویٰ قاضی خان برہامش ہند، ۴/۴۰۳.





(۲) - لا یجعی ان حقیقة العلم متعذرة، فالمراد اذا غلب علی الظن، والا فهو بمعنى المنع (۱)  
 (۳) - اگر ناجائز و دود کے لیے استعمال کرنا جائز بھی ہو تو وہاں کہ اس کے سوا دوا نہ ملے، اور یہ امر طبیعتاً جائز  
 مسلمان غیر فاسق کے اخبار سے معلوم ہو اور یہ دونوں امر یہاں متحقق نہیں۔ (۴)  
 آگے لکھتے ہیں: "حاصل یہ ہے کہ اس صورت میں بھی شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے ناجائز چیزوں کو بطور دوا  
 استعمال کرنا ناجائز و ناجائز ہوگا۔"

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دواؤں میں ابتلا سے عام کے باعث تخفیف حکم ہوگی یا نہیں؟ اس کے تحت یہ  
 لکھتے ہیں کہ ابتلا سے عام کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اسے لوگوں نے عام طور پر کرنا شروع کر دیا، دوسری یہ کہ لوگ  
 اس کے کرنے پر مجبور ہوں اور نہ کرنے پر حرج و دشواری میں پڑ جائیں، دوسری ہی صورت باعث تخفیف اور حرج  
 ہے۔ یتعذر الاحتراز عنه و وقع الحرج فی الحكم. (۳) "والبلوی فیما یسبق دون ما یتعذر"  
 کے تحت یہ عبارت: "فیہ البلوی لخصوله بغیر فعله، فجواز ان یجعل معدوداً بخلاف العمد (۲)  
 پہلی صورت کا پتہ اعتبار نہیں ورنہ حرمت کا دروازہ کھل جائے گا، اس کی نظیر میں غیبت میں ابتلا سے عام کے  
 باوجود حکم حرمت کا رد قرار رہنا پیش کیا ہے۔ اسی طرح بلا ضرورت شرعیہ تصویر کشی میں ابتلا سے عام کے باوجود حرمت  
 قائم رہنے کی مثال دی ہے۔

پھر دوسری صورت کا تجزیہ دو حصوں میں کرتے ہیں: (۱) - جس کے کرنے پر مجبور ہوں (۲) - نہ کریں تو حرج میں  
 پڑیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ لوگ اس پر مجبور نہیں، دوسری یونانی دوائیں اور ایسی انگریزی دوائیں فراہم ہیں جو چپک ہوں، دسی  
 جلد یا دیر میں شفا یابی کی بات تو فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر مسلم حکیم کہے کہ حرام چیز کے استعمال سے جلد شفا ملے گی  
 تو مذہباً حجت یہ ہے کہ جائز نہیں۔ (عالمگیری و در المختار)

اب رہا یہ کہ نہ کریں تو حرج میں پڑ جائیں، اس سے متعلق لکھتے ہیں کہ حرج دو قسم کے ہیں:

① - حرج شرعی - ② - حرج جانی - حرج شرعی موجود نہیں اس لیے کہ علاج واجب نہیں صرف مستحب  
 ہے، نہ کرنے پر کوئی مضائقہ و گناہ نہیں، حرج جانی بھی نہیں کیوں کہ ایسی یونانی اور انگریزی دوائیں جو چپک ہوں، قریب  
 قریب ہر جگہ دستیاب ہیں۔

(۱) رد المحتار، ۴۳۸/۲

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۰، نصف اول، ص: ۱۴

(۳) حلی کبیر، ۱/۱۶۲

(۴) عنایہ، ۱/۳۳۱

رنگوں سے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ اگر ان میں ممنوع اشیا کی ملاوٹ شرعی طور پر ثابت ہو جائے تو بوجہ عموم بلوئی حکم  
 طہارت دیا جائے گا۔

مولانا عبدالرحمن بیسوی اور مولانا عبدالواحد جیل پوری کے مضامین میں بھی عدم جواز کا رجحان ہے مگر زیادہ مربوط  
 استدلال اور تمام ضروری گوشوں کا احاطہ کرتے ہوئے ہاضما بطہ فقہی و عقلی منظر صرف مولانا عبدالرحمن الحسن کے مضمون میں ہے۔

یہاں تک دو نون قسم کے مضامین کی تکمیل ہوئی، اب دونوں کا جائزہ لیتے ہوئے جو امور نتیجہ طلب نظر آتے  
 ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

① - کیا ایسی دوائیں بکثرت دستیاب ہیں جو ممنوع کی آمیزش سے ہر طرح چپک ہوں اور ان سے علاج میسر ہے؟  
 ② - بالقرض ممنوع آمیز دواؤں کے استعمال کی نوبت آئی تو کیا لوگ اسے اس خیال سے ترک کر سکتے ہیں کہ  
 علاج صرف مستحب ہے، ترک میں کوئی گناہ نہیں؟

③ - عموم بلوئی کا معنی کیا ہے؟ انگریزی دواؤں میں جو ابتلا سے عام نظر آتا ہے، وہ باعث تخفیف ہے یا نہیں؟  
 امام احمد رضا قس سرہ کے فتاویٰ سے کیا ملے ہوتا ہے؟

④ - اگر اس طور پر تخفیف کی صورت نہیں تو کیا مذہب شیخین کو زیادہ بنا دیا ست ہو گا جب کہ مذہب امام محمد  
 بعد اہلوان کا اجماع ہو چکا ہے جو بعد اختلاف مقرر ہونے کی وجہ سے اجماع غلطی ہے۔

⑤ - ترک علاج یا دیر طلب علاج آدمی کے دینی و دنیاوی کاموں کے قفل اور بہت سے مالی و غیر مالی نقصانات  
 کا باعث ہوتا ہے، بعض مقامات پر ایسے نقصانات کی وجہ سے رخصت آتی ہے، مثلاً ہائی قیامت مثلاً سے ناکہ ملے  
 تو نیم جائز ہے۔ یوں ہی زیادتی مرض کا خطرہ ہو تو نیم کا جواز ہے، کیا اس طرح کے مسائل سے زبردستی مسئلہ  
 بکرو دینی پڑتی ہے؟

بحث کا دور آیا تو زیادہ بحث عموم بلوئی کے معنی کی تعین میں ہوتی رہی، اکثر لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ جب عوام و  
 خواص کی امر میں جملہ دوا جائیں تو عموم بلوئی ہو گیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ عموم بلوئی اس صورت میں ہو گا جب  
 لوگ کہنے پر مجبور ہوں اور نہ کریں تو حرج میں پڑ جائیں، اس پر فریق اول نے کہا کہ تو پھر سب خواص و عوام کے  
 صیوان اور فسق بالا حلال کا حکم ہونا چاہیے، یہی بخش کچھ دیر جاری رہیں مگر نتیجہ نہ ہو سکی اور وقت ختم ہو گیا، اس لیے یہ  
 مسئلہ فیصل پورڈ کے سپرد کر دیا گیا۔



(ب) یا بہر حال (خواہ عوض مانیں یا نہ مانیں) اسے لینا اور اپنے دینی و دنیاوی امور میں استعمال کرنا جائز ہوگا؟ کیوں کہ وہ مال فی بدو قریب مال ہے، چنانچہ وہ فربہ وصول ہو رہا ہے۔

## بیمہ سے متعلق مقالات:

درج بالا سوالات سے متعلق موصول ہونے والے مقالات و جوابات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

- (۱) — مفتی محمد نظام الدین رضوی ۲۰ صفحات
- (۲) — مولانا شمس الہدیٰ بستی ۱۸ صفحات
- (۳) — مولانا آل مصطفیٰ مصباحی ۱۶ صفحات
- (۴) — مولانا عبدالحق رضوی ۱۰ صفحات
- (۵) — مولانا معراج القادری ۱۰ صفحات
- (۶) — مولانا عزیز حسن رضوی ۵ صفحات
- (۷) — علامہ عبدالحکیم شرف قادری ۳۴ صفحات
- (۸) — مولانا محمد حسین خاں ۳۴ صفحات
- (۹) — مولانا نور علی نظامی ۳۴ صفحات
- (۱۰) — مولانا محمد نسیم فیض آبادی ۳۴ صفحات
- (۱۱) — مولانا رحمت حسین کلیسی ۳۴ صفحات
- (۱۲) — مولانا پیر عالم مصباحی ۱۳ صفحات
- (۱۳) — مولانا قاضی عبدالرحیم بستی ۲۲ صفحات
- (۱۴) — مفتی زین العابدین نانڈوی ۱۱ صفحہ
- (۱۵) — مفتی اختر حسین رضوی درجہ یکم ۱۱ صفحہ
- (۱۶) — مفتی محمد ایوب رضوی ۱۱ صفحہ

## تجرہ و خلاصہ:

بعض مختصر مقالات بھی بہت جامع اور تمام ضروری گوشوں پر حاوی ہیں، مثلاً علامہ عبدالحکیم شرف قادری اور مولانا زین الدین رضوی کے مقالات اسی طرح مولانا رحمت حسین کلیسی نے بھی ہر گوشہ پر بحث کی کوشش کی ہے، اگرچہ ان کی بعض

## خلاصہ مقالات بعنوان:

## ”جان و مال کا بیمہ اور ان کی شرعی حیثیت“

تلفیق نگار: حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ

اس موضوع کے تحت بیمہ اور اس کی قسموں سے متعلق سوال نامہ میں کافی معلومات فراہم کی گئی تھیں جو یہی مقالہ نگاروں کے لیے کارآمد ثابت ہوئیں۔ مرتب سوالات حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین رضوی ہیں۔ بیمہ کے نظام کار کی تفصیل کے بعد درج ذیل سوالات پیش کیے گئے تھے:

(۱) — ”بیمہ اموال“ اور ”بیمہ زندگی“ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یعنی وہ فرض ہیں یا مباح یا کچھ اور؟ نیز فرضی تقدیر پر یہ ”ریا“ اور بہر حال ”قمار“ کہلاتے ہیں یا نہیں؟

(۲) — اگر یہ بیمہ ربا ہیں تو یہ سہولت کی کمیوں سے (جو حکومت کی ہوں، یا خالص غیر مسلموں کی) کیا عقیدہ یا حلالہ جائز ہے یا نہیں؟ اور قمار ہونے کی صورت میں کسی ایسی شرط کے ساتھ جس کے ہوتے نفع کا حصول منقول بن جائے؟

ہو، ان کیوں کی اجازت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جواب اثبات میں ہو تو شرط کی بھی صراحت فرمائیں۔  
(۳) — کیا ان عقود کو ضمان خطر طریق، ضمان درک، یا حضرت شامی رحمہ اللہ کی بیان کردہ سوکرہ کی جائز شکل سے ملے گی جاسکتا ہے، یا نہیں؟ (ضمان و سوکرہ کے مسائل مشکک جزئیات میں مصرح ہیں)

(۴) — بیوس کے عدم جواز کی تقدیر پر اگر ہم یکس اور ان کے علاوہ دوسرے ٹیکسوں سے بچنے کے لیے بیس کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ جبکہ ٹیکسوں کے لزوم کی صورت میں جتنے مال کا استحصال متیقن یا منقول بن جائے، اتنے یا اس سے کم مال کا ضیاع قمار کی تقدیر پر محض سو ہو یا ضرور ہے؟

(۵) — بعض صورتوں میں قانونی حیثیت سے بیمہ کرنا لازمی ہوتا ہے تو ان کے بارے میں حکم شرعی کیا ہوگا؟  
(۶) — بہر حال ان عقود کے عدم جواز کی تقدیر پر:

(الف) — کیا یہ جائز ہوگا کہ ان کے ذریعہ حاصل ہونے والی اضافی رقم یا بونس کو فرقہ وارانہ فسادات میں نفع خالص ہونے والے جان و مال کا عوض قرار دے کر وصول لیں، اور اپنے مصرف میں خرچ کریں؟

باقی تمام مقالہ نگاروں سے جدا گانہ ہیں۔ مولانا ثناء اللہ بیٹوی کا مقالہ ۱۸ صفحات کا ہے جن میں ۶ صفحات سود کی حرمت، اس کی معسرت اور اس سے متعلق آیات و احادیث اور بعض حکایات پر مشتمل ہیں۔ صفحہ ۹ سے صفحہ ۱۶ تک حرمت سے سود قرار کی حیثیت پر گفتگو کی گئی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ سود قرار نہیں اور جائز ہے۔ صفحہ ۱۰ اور ۱۱ پر مد با القرض و رہا النسبیہ کا تعارف ہے۔ صفحہ ۱۲ سے لاکھ افغونیس پر گفتگو شروع ہوتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اس میں منافع سے زیادہ مفاسد، خطرات اور نقصانات ہیں، جو نفع متوقع ہے اس کا حصول انتہائی مشکل ہوتا ہے، اور طرح طرح کے ثبوت و شواہد فراہمی لازم کر دی جاتی ہے جو انتہائی دشوار ہے، اس لیے اس کا جواز نہ ہوگا۔

مگر جزل افغونیس سے متعلق رقم طراز ہیں کہ:

”افغونیس کی سوسائٹی کا مزاج رضا و رغبت سے مل کر بنا ہوتا ہے، اس میں فریب کاری، دھوکا بازی سے دور کو بھی واسطہ نہیں ہے، لہذا جزل افغونیس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔“

جن صورتوں میں قانوناً بصرہ ضروری ہے، انہیں بھی ”الضرورات تبیح المحظورات“ کے تحت جائز کہتے ہیں۔ علامہ عبدالحکیم شرف قادری کے فاضلہ، جامع اور مختصر معنون کا حاصل یہ ہے کہ:

”(الف): بصرہ زندگی کے علاوہ دوسرے بیوں میں کی طرح غرر اور دھوکا پایا جاتا ہے، اس لیے وہ ناجائز نہیں، اور غرر کی کچھ صورتیں بصرہ زندگی میں بھی ہیں، اس لیے اس کا بھی جواز نہیں، غرر کی صورتیں یہ ہیں:

(۱)۔ کیا رقم طے کی؟ وہ موجود حقیقت نہیں، یہ غرر فی الوجود والتعین ہے۔

(۲)۔ خطرہ ہوا تو طے کی ورنہ نہیں، یہ غرر فی الحصول ہے۔

(۳)۔ مقدار کیا ہوگی؟ اس کا تعلق نقصان کے حساب سے ہوگا، یہ غرر فی المقدار ہے، جب کہ بصرہ کی قطعاً لغوی

طور پر ادا کر دی جاتی ہے۔

(۴)۔ جب رقم طے کی؟ اس کا کوئی وقت حقیقت نہیں، بصرہ زندگی میں بھی حقیقت نہیں، کیوں کہ موت اور حادثے کا وقت حقیقت طور پر ہمیں معلوم نہیں، یہ غرر فی الاجل ہے۔

(ب)۔ پھر یہ قرار ہے اور اس میں رہا بھی ہے، عقد فاسد بلا مدد کی اجازت اس شرط سے مشروط ہے کہ ہر طرح کی ضمانت

ہو اور یہ ایسی کہیں میں کسی طرح متوقع نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ)

(ج)۔ نیکو سے بچنے کے لیے ایسے ناجائز کا ارتکاب جائز نہیں، کیوں کہ ان میں حالت اضطرار نہیں۔ اگر کوئی

طور پر بصرہ کا ناجائز ہو تو یہ لکھ دیا جائے کہ مجھے یا میرے وارث کو اتنی ہی رقم لینی ہے جتنی جمع کی ہے، کہ انہوں نے حوالے آخر

میں درج فرمائے ہیں۔

مولانا عبدالحق رضوی بصرہ جان و مال کو رہا و قمار پر مشتمل بتاتے ہیں، یہاں کہ زندگی بصرہ میں جو رقم جمع ہوتی ہے اس سے زائد کا حصول شرط و عہد کے ساتھ ہوتا ہے اور بصرہ اسوالم حادثہ رہا ہونے پر موقوف رہتا ہے، حادثہ ہوا تو رقم ضائع ہو جاتی ہے، اس لیے وہ قمار ہے۔

مگر زندگی بصرہ کا معاملہ حرمت سے ہوا اور نفی مسلم ہی کا ہو تو اسے جائز بتاتے ہیں، اس کے بعد (۱) افغونیس قسمیں (۲) سود سے حقیقت کے لیے عصمت بدین کی شرط۔ (۳) ہندوستان کا دارالاسلام اور یہاں کے کفار کا حرمتی ہونا (۴) پھر حرمت کے ساتھ عقود نافذ کا جواز، چار مقدمات قائم کر کے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

آخر میں واضح کرتے ہیں کہ زندگی بصرہ ایک قرض کا معاملہ ہے جس میں رہا پایا جاتا ہے، اور ایسے عقد فاسد کے توسط سے درجی کا مال لیا جاسکتا ہے۔ رہا تین سال تک نہیں جمع نہ کرنے کی صورت میں ضیاع رقم کا خطرہ تو اس کا وہ یہ بتاتے ہیں کہ جنہیں نہیں ایک ساتھ جمع کر دی جائیں، یا اس کا جواز اس کے حق میں خاص کیا جائے جو اپنی آمدنی کے لحاظ سے غن غائب رکھتا ہو کہ میں نہیں جمع کروں گا۔

بصرہ اسوالم سے متعلق نقصان حال کا زیادہ نقصان پائے جانے کی وجہ سے عدم جواز کی جانب اپنا میلون ظاہر کرتے ہیں۔

مولانا آل مصطفیٰ، مولانا سراج القادری اور مولانا اعجاز حسین رضوی سوال نمائے کے پیش نظر بصرہ زندگی کا مائت و کفالت نہ ہونا تفصیل سے بیان کرتے ہیں، اس طرح کہ پہلے ان کی قرینیں کتب فقہ سے نقل کرتے ہیں، پھر بتاتے ہیں کہ بصرہ ان غریبیت کے تحت نہیں آتا، مگر ایک فرق یہ ہوتا ہے کہ مولانا آل مصطفیٰ بصرہ زندگی کو قرض مع رہا مانتے ہیں اور مولانا اعجاز حسین و مولانا سراج القادری اسے قرض نہیں مانتے بصرہ نہ ہونے کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ:

(۱)۔ بصرہ کے معاملہ میں قرض کی نیت نہیں ہوتی۔ (۲)۔ قرض مقررہ میعاد سے پہلے طلب کیا جاسکتا ہے۔ (۳)۔ قبل میعاد مطالبہ پر دوا بھی لازمی ہوتی ہے۔ (۴)۔ قرض سوخت نہیں ہوتا اور بصرہ زندگی ان سب کے برخلاف ہے۔

مگر اس میں رہا کی شکل ہونے پر بھی حقیقت ہیں، اسی طرح اس کے قمار ہونے پر بھی حقیقت ہیں۔ ان مقالات میں قدر کی خریفہ و قویح کے بعد اس کا انطباق زندگی بصرہ کی صورت پر دکھایا گیا ہے، آخر میں حکم یہ ہے کہ حرمت کے ساتھ اس کا جواز ہونا چاہیے، بشرطہ کہ نفی مسلم ہی کا ہو، اس طرح کہ قسطوں کے سوخت ہونے کا خطرہ نہ ہو، مثلاً ایسی آمدنی والا ہو کہ اسے ابتدائی نمائندگی قسطیں جمع کرنے کا عین غالب ہو یا یہ قسطیں پہلے ہی جمع کر دے۔

ان مقالات میں بصرہ اسوالم سے متعلق گفتگو نہیں، البتہ ہندوستان کا دارالاسلام ہونا اور یہاں کے خریبوں سے بصرہ عقد وصال لینے میں رہا و قمار کا تحقق نہ ہونا دلائل اور حوالوں کے ساتھ مولانا آل مصطفیٰ و مولانا سراج القادری کے مقالوں و مضامین بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح مفتی نظام الدین صاحب نے بھی ان باتوں کو توسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کے مقالہ کا

ایک خاصہ یہاں ذکر کرتا ہوں، اسی سے مولانا عبدالحق رضوی، مولانا آل مصطفیٰ مصباحی، مولانا معراج القادری اور مولانا حوض احسن رضوی کی یہی ہستی تفصیلات کا اندازہ ہو جائے گا، کیوں کہ اکثر باتیں مشترک ہیں، مآخذ اور حوالے کی کتابوں، عبارتوں اور مضامین و تفصیل میں کچھ کی جٹی اور زبان و بیان کا فرق ضرور ہے، وہ دیکھتے ہیں:

(۱)۔ پرہیزگامانہ نہیں، کیوں کہ امانت میں صرف ماس المال کی دہائی ہوتی ہے، اور ضیاع مال پر ائمن تادمان نہیں دیتا۔ اور یہ کھیتی جیواں کی ذمہ دار ہوتی ہے اور اصل مال پر ایک طے شدہ اضافہ دیتی ہے۔

(۲)۔ مضاربیت بھی نہیں، کیوں کہ مضاربیت میں خسارے کا تہما ذمہ دار رب المال ہوتا ہے اور نفع میں دونوں شریک ہوتے ہیں، اور ماس المال مضارب کے پاس امانت ہوتا ہے، جب کہ بیکہ واکسی خسارے کا ذمہ دار نہیں ہوتا اور ضیاع مال کی صورت میں تاوان کا حق دار ہوتا ہے۔

(۳)۔ بیکہ میں جمع شدہ مال کی شرعی حیثیت قرض کی ہے، اس میں مصلح مال کی دہائی لازم ہوتی ہے اور اس پر اضافہ کا معاہدہ کھیتی کی دنیا میں مانگ ہے۔، رہیں وہ مصلح جن کی بنیاد پر بیکہ قرض سے جدا گانہ نظر آتا ہے (جیسا کہ مولانا عزیز احسن رضوی و مولانا معراج القادری کے مضامین میں ہے) تو حق القدر وغیرہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ قرض شرط قاسدہ سے قاسدہ نہیں ہوتا۔ ہاں یہ صورت ربانکی وجہ سے عقد قاسدہ ہے۔

(۴)۔ بیکہ دار کو قرض پر جو اضافہ ملتا ہے وہ ظاہری شکل میں سود ہے مگر یہاں حقیقتہً جو تحقق نہیں، اس لیے کہ سود صرف مسلم اور ذمی و مستامن ہی کے مال میں تحقق ہوتا ہے، جب کہ ہندوستان کے غیر مسلم باشندے ذمی یا مستامن نہیں اور ملکی طور پر حکومت بھی ان ہی کی ہے۔

اصلی حضرت قدس سرہ سے سوال ہوا کہ گورنمنٹ قرض کا جو منافع دیتی ہے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

تواصلی حضرت علیہ الرحمہ نے جواب دیا کہ سود کی نیت سے لینا جائز نہیں۔ اگر یہ تصور کر کے لے کہ ایک جائز ملک برضاے مالک بلا غدر و بد عہدی مل رہا ہے تو لینا جائز ہے مگر اہل تقویٰ اور دینی چاہشوں کو تاوانوں کی جانب سے سود خوار کی تہمت کے اندیشہ کے باعث اس سے بچنا چاہیے۔ (فتاویٰ رضویہ ص ۱۳۳)

(۵)۔ ہندوستان کی حکومت اور یہاں کے غیر مسلموں سے مسلمان کو کوئی معاملہ جیسے سود نہیں ہوتا اپنی شرعی حقیقت کے لحاظ سے قرار بھی نہیں ہوتا۔ البتہ شرط جو یہ ہے کہ نفع و غصب مسلمان ہی کے حق میں ہو اس طرح کہ اس کا یقین یا یکن غالب ہو۔

(۶)۔ زندگی بیکہ کا جواز اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ بیکہ کرانے والے کو اپنی آمدنی اور موجود مال و متاع کے پیش نظر غن غالب ہو کہ وہ ابتدائی تین سال کی قسطیں ادا کر لے گا۔

(۷)۔ بیکہ دار کے، یا ولیہ سونے کا احتمال نادر ہے اس لیے قابل اعتبار نہیں۔ اس خصوص میں مسلم فقہ کے صوبہ

ایک سے غائب ہونے کا احتمال بطور نظر پیش کیا ہے جو نادر میں سے ہونے کے باعث صحت سلم پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

(۸)۔ بیکہ سوال سے متعلق تحریر ہے کہ اس کی صورت ایسے قمار کی ہے جس میں محرومی کا امکان غالب ہے اور یہ نادر نہیں بلکہ کثیر الوقوع ہے اس لیے اس کا جواز نہیں۔

ایک امتیاز یہ ہے کہ فرقہ دارانہ فسادات پر کاہلو پانے اور جان و مال کے لیے تحفظ فراہم کرنے کو بیکہ کے جوازی بنیاد بنانا درست نہیں۔ کیوں کہ ضرورت شرعہ کے تحقق کے لیے شرط یہ ہے کہ اس ممنوع کے بغیر کام نہ بن سکتا ہو اور ممنوع کے ذریعہ کام بن جانے کا یقین یا یکن غالب ہو۔ فسادات پر کاہلو پانے کا حل بیکہ کرانا نہیں بلکہ اس کی وجہ سے فسادات بیکہک دُخ بھی اختیار کر سکتے ہیں اس طرح کہ پورا کنبہ ہی صاف کر دیا جائے کہ کوئی بیکہ کی رقم وصول کرنے والا بھی نہ رہے۔ یا ایک بار رقم دے دی جائے پھر دوسری بار لوٹ لی جائے وغیرہ ذلک۔ ہاں زندگی بیکہ کا جواز ایک دوسری دلیل کی بنیاد پر مشروط طور پر ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

آخر میں ترتیب وار جمالیات کا حاصل اس طرح ہے:

(۱)۔ بیکہ قرض مع قمار اور شمول ربانکی وجہ سے ایک عقد قاسدہ ہے لیکن اس کے باوجود زندگی بیکہ جائز ہونے کی وجہ ہے کہ حربی کا مال اس کی رضا سے مل رہا ہے جس میں عدم مصرت کے باعث رہا نہیں ہوتا۔ ہاں اگر سود یا قمار سمجھ کر لے لیا جائے یہ اس لیے کہ اس کے نیت اور کتاب ممنوع کی ہوئی اگرچہ فی الواقع وہ امر ممنوع نہ تھا جیسے دوسرے نظر آنے والی کسی شکل کو تاخر عورت سمجھ کر ویکٹار ماسالاس کی فی الواقع وہ عورت کی شکل نہیں سمجھ لیا ہے۔

(۲)۔ بیکہ کو ضمان خطر طریق و ضمان درک سے ملحق نہیں کیا جاسکتا۔

(۳)۔ اکم نکس وغیرہ سے بچنے کے لیے بیکہ زندگی کی اجازت بقدر ضرورت ہوگی۔

(۴)۔ جن صورتوں میں قانوناً بیکہ ضروری ہے وہ یکم کرنا ہو کر مطلقاً مباح ہیں۔

(۵)۔ جس صورت میں بیکہ کی رقم لینا جائز بتایا گیا ہے اس میں وہ رقم اپنے دینی و دنیوی مصرف میں لاسکتا ہے۔

مولانا محمد نسیم کے مضمون میں بھی بہت انحصار کے ساتھ حوالے پیش کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ بیکہ کی حیثیت قرض کی ہے اور نفع مشروط کی وجہ سے رہا، اور خطرہ ضیاع کی وجہ سے قمار بھی ہے۔ اور یہاں غیر مسلموں یا حکومت سے عتوق قاسدہ کے ذریعہ بلا غدر و بد عہدی جیواں ملے اس کا لینا جائز ہے اس لیے بیکہ میں ملنے والی تاخیر رقم کا بھی ان سے لینا جائز ہے اور جب لپٹنے کا ظن غالب ہو، تو بیکہ کا معاملہ کرنا بھی جائز ہے۔

ظن غالب کون سا معتبر ہے اس سلسلے میں فتاویٰ رضویہ دوم کے حوالہ سے بتایا ہے کہ ظن غالب کا لفظ لا معنوں میں لایا جاتا ہے اور محقق یا یکن غالب وہ ہے جس میں جانب رائج پر قلب کو اس درجہ اعتماد و وثوق ہو کہ جانب دیگر کو نظر سے بالکل ساقط

اور محض ناقابل انکشاف دیکھ کر وہ جس میں جانب رائج پر اس اور جہ و شوق نہ ہو اور جانب مرجوح کو محض حاصل نہ دیکھے مگر وہ بھی ذہن جائے اگرچہ بعض وقت تو یہ صورت فحش یعنی نہیں اگرچہ کلمات غلامی کبھی اسے بھی ظن غالب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے مگر حقیقت یہ محض ظن ہے ظن غالب نہیں۔

مولانا انور علی کے مختصر مضمون کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ کسی حکام ملازمت یا عہدہ تجارت سے ولایت ہیں ان کے لیے تین سال والی شرط سے نقصان صرف مہووم ہے اور نفع کا ظن غالب ہے اس لیے ایسے لوگوں کے حق میں زندگی بھر جائز ہے جو شخص معاشی اعتبار سے حکم نہیں وہ بصرہ پستی نہ لے اور اگر لینا ہی ہے تو تین سال کی قسطیں ایک ساتھ جمع کرے یہ بھی نہ ہو سکے تو ان کمپنیوں سے بصرہ پستی لے جن کے یہاں یہ شرط نہیں مثلاً جو بلیس کمپنی۔

انھوں نے بصرہ اموال تو ان مال دے کر زیادہ مال کے لیے تحفظ فراہم کرنے کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے کہ نقصان کے ہمارے جو اس کا جواز ہونا چاہیے۔

مولانا قاضی عبدالرحیم بستوی زندگی بھر کو جائز کرتے ہیں جب کہ نفع مسلم ہی کا ہو اور جزل انشورس سے حاصل کئے ہیں کہ اس کی اکثر صورتیں ناجائز ہیں کیونکہ عموماً رقم ڈوب جاتی ہے اگر ملے کی صورت بھی بنی تو پوری رقم ملے نہیں اور رشوت بھی دینی پڑتی ہے۔ اس کے لیے مکر وہ بھی کہتے ہیں جتنا جائز ہے۔ حربی کے ساتھ بھی ردائیں۔ غرور و بھدی ناجائز ہے۔

مطلق محمد ایوب رضوی فرماتے ہیں کہ بصرہ زندگی اور بصرہ مال بظاہر رہائش داخل ہیں اور موجودہ وقت میں حرام نہیں ہونا چاہیے عذرہ شامی کی بیان کردہ صورت سو کہ مستان سے متعلق ہے اور یہاں معاملہ حربی ہے اس لیے جواز ہوگا۔

مفتی زین العابدین صاحب بھی ہر طرح لینا بھگنے ہونے کی صورت میں یہاں جواز کے قائل ہیں مفتی اختر حسین صاحب کی بھی یہی رائے ہے۔

مولانا بدر عالم فیض آبادی نے بھی اپنے مقالہ میں تفصیلی بحث کی ہے بہت سی باتیں بیان ہو چکیں مگر اس میں نکتہ ناگہانی بھی نظر آئیں۔ اتفاق سے ابتدا یہ میرے ہاتھ نہ آیا اس لیے مستحکم ذکر کر رہا ہوں غایت اختصار پھر بھی ملحوظ ہے۔

①- مصلحت (یہ دو دیت سے عام ہے) اس سامان کو کہتے ہیں جو کسی طرح کسی کے قبضے میں آجائے مالک کا

اس میں قصد ہو یا نہ ہو۔ دو دیت اس سامان کو کہیں گے جو قصد کسی کی مخالفت میں دیا جائے۔ کفالت ضم الذمۃ

الی الذمۃ فی المطالبۃ یعنی مطالبہ ایک شخص کے ذمہ تھا دوسرے نے بھی مطالبہ اپنے ذمہ لے لیا خولہ

مطالبہ نفس کا ہو یا مائت کا۔

مضبوط اباعقد ہے کہ ایک جانب سے مال ہو دوسری جانب سے کام اور نفع میں جابین کی حرکت۔ ان

تقریبات کے بعد تفصیل یہ ثابت کیا ہے کہ بصرہ پر ان میں سے کوئی بھی تعریف صادق نہیں۔ پھر لکھا ہے کہ یہ دین کی صورت ہے کیوں کہ اس میں مثل مال کی وہابی کھٹی کے ذمہ واجب ہوتی ہے البتہ یہاں کچھ ناند دینے کا عہد ہوتا ہے اس لیے سود کی تعریف اس پر صادق آتی ہے مگر حربی کا مال یا عقد فاسد کے ذریعہ لینا جائز ہے اس لیے جواز ہے۔ یہاں گفاری اقسام اور ہند کا دارالاسلام ہونا اور بصرہ کے تحقق کی شرائط وغیرہ تفصیل بیان کی ہیں۔ جیسا کہ بعض دوسرے مقالوں کے تحت ذکر ہوا مگر سو دیکھ کر لینا جائز ہے وجہ وہی ہے جو مفتی نظام الدین صاحب کے مقالے کے تحت نقل ہوئی۔

②- بصرہ ملازمت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ خواہ جبری ہو یا اختیاری جائز ہے۔ صورت یہ بتائی ہے کہ گورنمنٹ ایکٹ خیرہ رقم باندہ وضع کرتی ہے اور ملازمت کے اختتام یا ملازمت کے انتقال پر ایک خط رقم دیتی ہے۔ اس کی تائید میں فتویٰ رضویہ (۱۰۰/۷) سے ایک اقتباس بھی نقل کیا ہے۔

③- بصرہ مالک یہ کہ کھیتی بصرہ مولود کے کسی سامان و جائداد کے مستقبل میں تلف ہونے یا نقصان لاحق ہونے کی صورت میں خلافی کا ذمہ ہے اور بصرہ دار قسط وار کچھ و قس جمع کرے نقصان ہوا تو قدر نقصان خلاتی کرے گی اور نہ جمع شدہ رقم واپس نہ ملے گی۔

اس کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ (۱) جبری (۲) اختیاری جبری یہ کہ گورنمنٹ کی جانب سے پابندی ہو کہ اپنی گاڑیوں یا چھتوں کا بصرہ کرائیں ورنہ گاڑیاں روڈ پر اور سہلان چھتے بازار میں نہیں آسکتے۔

اختیاری یہ کہ مہووم خطرات و نقصانات کی خلاتی کے لیے اپنی مرضی سے بصرہ کرائیں۔ پھر اختیاری کے عدم جواز پر تفصیلی بحث کی ہے کیوں کہ اس میں غرر، خطر اور قمار کی حالت ہے۔ اور نفع مسلم کا ظن غالب نہیں بلکہ نقصان کا غلبہ ظن ہے۔ پھر لازمی جبری بصرہ پر نظر کرتے ہوئے بوجہ جبری اسے جائز بتایا ہے ایسے ہی ملازمت میں جبری بصرہ کی ایک صورت بتاتے ہوئے اسے جائز اور مسلم کے حق میں ذریعہ نفع بتایا ہے۔

بصرہ زندگی میں متبجح طلب امور

①- بصرہ زندگی کون سا معتمد ہے؟

②- بصرہ زندگی عقد شرعی یا عقد فاسد؟

③- تین سال متواتر جس نے بصرہ کی قسطیں جمع نہیں کیں اسے تاریخ بصرہ سے پانچ سال کی مہلت دی جاتی ہے کہ وہ

بقائدہ اسلام موجود جمع کرے لہذا بصرہ جاری رکھے اس صورت میں:

الف: شکل قرار ہے جس میں رقم سوخت ہونے کا خطرہ ہے تو کیا جو شخص موجودہ حالات کے پیش نظر تین سال متواتر



جمع کرنے کا مکیں، کئے تو اس کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کا یہ غالب مکن یعنی یہ یقین ہے یا نہیں؟  
مب: جو شخص ایستہ اس کے بعد بند کر دے تو مدت موسموں میں مع سود جمع کرنا رہا ہے ممنوع ہے یا قرض بہ  
نیت واجب کا جز ہے؟

مفت: میرے حاصل شدہ زائد رقم رہا ہے یا مال مباح؟  
وہ اس مکن غالب کے ساتھ میرے شروع کیا کہ تین سال جمع کرے گا لیکن ایک دو سال میں ترک کر دیا تو اب نقصان کی  
وجہ سے آٹم ہو گا یا نہیں؟  
(۲) - حاصل شدہ زائد مال اگر مال مباح ہے تو ذکوۃ کتنے مال کی ادا کرے اور کب سے؟



## خلاصہ مقالات بعنوان مشترکہ سرمایہ کمپنی کا نظام اور اس کی شرعی حیثیت

از: حضرت علامہ محمد اسحاق مصباحی، رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

ایک شخص اپنے تھوڑے سرمایہ سے کاروبار شروع کرنا چاہتا ہے تو کسی وسیع دکان سے پرچینے میں اسے ایک مدت  
درکار ہوتی ہے، یوں ہی اگر دو تین شخص مل کر تجارت کریں تو ان کو بھی اگرچہ کم کسی محدود ضرورت لگے گی، ساتھ ہی کاروبار  
بھی ان کی زندگی تک عملاً محدود رہتا ہے، کیوں کہ ایک شریک کی موت ہوئی تو پھر اس کا سرمایہ اس کے ورثہ میں منقسم ہو  
جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ سب کے سب باپ کے شریک کے ساتھ تجارت نہ کرنا چاہیں، یوں ہی ایک باپ کی تجارت بھی  
جو اس کے انتقال کے بعد ورثہ کی طرف منتقل ہوئی تو منقسم ہو کر کافی کمزور ہو سکتی ہے، غالباً ان دشوار یوں سے بچنے اور  
تجارت کو دوام و استحکام بخشنے کے لیے کمپنی کی ایجاد ہوئی، جس کی ابتدا یوں ہوتی ہے کہ چند اشخاص کسی وسیع تجارت کا  
منصوبہ بناتے ہیں، مگر سرمایہ کم رکھتے ہیں تو کمپنی کے نام سے ایک تجارتی ادارہ قائم کرتے ہیں جس کی تجارتی رقم کا ایک  
تکڑا خٹا اس کرڈ منظور کر لیا، اور کام کی ابتدا بھی دس لاکھ سرمایہ سے کرنا چاہتے ہیں، تو اپنے پاس سے اتنا سرمایہ لگاتے  
نہیں بلکہ اس دس لاکھ کو مشتقا سو، سو، یا دس، دس روپے کے چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر دیتے ہیں اور سارے  
عام کو دعوت دیتے ہیں کہ یہ حصے خرید لیں اور انھیں ایک مقررہ نفع، یا حسب آمد نفع ملتا رہے گا۔ انھیں شریک کہتے ہیں۔  
یوں ہی کمپنی کو چلانے کے لیے ایک انتظام کار نیم منتخب کرتے ہیں۔ وہی سارے کاروبار کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ شرکا  
بالتے رہتے ہیں۔ یوں ہی انتظامیہ میں بھی تبدیلی ہوتی رہتی ہے، مگر کمپنی کا نام باقی رہتا ہے اور سارے معاملات اسی کی  
جانب منسوب ہوتے ہیں اور اس کی مہر سے انجام پاتے ہیں، یہ طریقہ تجارت دیر پا اور مستحکم سمجھا گیا، کیوں کہ اس میں  
تجارت کاروں اور حصہ داروں کی موت یا علیحدگی کے باوجود ان کے متبادل دوسرے افراد کے ذریعہ کام جاری رہتا ہے  
اور سرمایہ بھی وہی مقدار میں جمع ہو جاتا ہے اور جس کے پاس کم سرمایہ ہے وہ بھی شریک بن کر نفع پانے لگتا ہے، اس کے

لیے سوئی قرضے بھی حاصل کرتے ہیں۔ یہ کمپنی ایک سادہ سی شکل اور اس کا تعارف ہے۔

اس میں خاص طور سے یاد رکھنے کی باتیں چند ہیں:

۱۔ اس کے حصص کی دو قسمیں بناتے ہیں: (۱) ترجیحی حصص (۲) مساواتی حصص۔

ترجیحی حصص کے خریداروں کو ایک مقررہ نفع بہر حال ملتا رہے گا، خواہ کمپنی کا خسارہ ہو یا فائدہ، اور مساواتی حصص والوں کو تجارت میں نفع و نقصان جو بھی ہو اٹھانا ہو گا۔

۲۔ سود کا معاملہ اس میں قدم قدم پر پیش آتا ہے۔

۳۔ جو حصے قسطوں پر جمع ہوتے ہیں اگر ایک مقررہ مدت تک کھل جمع نہ ہوئے تو مساواتی جمع رقم سوخت کر دی جاتی ہے اور اس کا کوئی بدل نہیں دیا جاتا۔

یہ طریقہ تجارت اب بہت عام ہو گیا ہے، چوں کہ عقائد یہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جو دین و شریعت کی قیدوں سے آزاد رہتے ہیں بلکہ کسی دین سے صحیح طور پر وابستہ ہی نہیں ہوتے، اس لیے وہ کمپنی کے لیے جو اصول و ضوابط وضع کرتے ہیں ان میں شرعی حجت و حرمت کا کوئی پاس دلالت نہیں ہوتا۔ مادی منفعت اور اس کی جانب زیادہ سے زیادہ

اٹھاؤ، وہ کل کر کے، سچ بتانے پر نفع اندوزی ہی ان کا اصل ملچ نظر ہوتا ہے۔

اس کا صحیح حل تو صرف یہ ہے کہ اہل اسلام شریعت کے جواز کی حدود میں رہ کر خود کمپنی بنائیں اور چلائیں۔

علمائے کرام سر، یہ واردوں کو اس کی ترغیب دیں اور ماہرین تجارت اور عالمان شریعت باہم مل کر اس کے اصول و ضوابط ترتیب دیں، اور یہ کوئی ناممکن یا بہت دشوار نہیں۔ کم از کم جن ممالک میں مسلم حکومتیں ہیں وہاں تو ایسی راہیں آسانی سے نکل سکتی ہیں، لیکن جنھوں نے مغرب کی تقلید ہی کو اپنا نشان بنالیا ہے اور انکے بند کر کے اس کے پیچھے بھاگنے کے عادی

ہیں، وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ ہم ان بے دینوں سے بہتر کوئی طریقہ کار اور کوئی دستور العمل وضع کر سکتے ہیں۔

انسان جب کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کی فکری و عملی قوتیں یوں ہی سلب ہو جاتی ہیں اور آزاد ہو کر بھی وہ دوسروں کی زنجیر میں جکڑے ہوئے رہنے کو باعث فخر و شرف سمجھتا ہے۔

مگر علمائے دین کی ذمہ داری یہ ہے کہ جو بھی طرز تجارت ہے اس کا جائزہ لے کر اس کا حسن و قبح واضح کریں اور اگر کچھ اصلاح ہو سکتی ہے، تو اصلاح کریں اور جہاں تک ہو سکے عوام کو حرام سے بچائیں، اسی نظریہ کے تحت کمپنی کے

حصص کی خریداری کا مسئلہ زیر بحث آیا۔

مولانا مفتی محمد نظام الدین رضوی نے ”جدید طریقہ تنظیم و تجارت“ نامی ایک کتاب اور کچھ دوسری کتابوں کی روشنی میں اس کے شرائط و ضوابط اور طریقہ کار وغیرہ کی تفصیلات پر مشتمل کمپنی کا تعارف لکھا اور حتی الامکان اس سے

متعلق بھی ضروری باتیں سمجھنے کی کوشش کی، پھر کچھ سوالات رکھے جو سوال نامہ کے اخیر میں درج ہیں۔

### جوابات

جو اباموصول ہونے والے فتاویٰ، آراء اور مقالات مع قلمی صفحات حسب ذیل ہیں:

۱۔ حضرت مولانا قاضی عبدالرحیم بستوی ۲ صفحات

۲۔ حضرت علامہ عبدالکیم شرف قادری، لاہور ۲ صفحات

۳۔ مفتی محمد ایوب رضوی جامعہ نعیمیہ، مراد آباد ۲ صفحات

۴۔ مولانا مفتی محمد نظام الدین رضوی ۵۸ صفحات

۵۔ مولانا مفتی مطیع الرحمن مظفر، پورنوی ۱۳ صفحات

۶۔ مولانا رحمت حسین کلیدی ۲ صفحات

۷۔ مفتی اختر حسین رضوی ۱ صفحہ

۸۔ مفتی زین العابدین صاحب ۱ صفحہ

۹۔ مولانا شمس الہدیٰ بستوی

۱۰۔ مولانا محمد نسیم مصباحی

۱۱۔ مولانا آل مصطفیٰ مصباحی ۱ صفحات

### تبصرہ و خلاصہ

مقالات نمبر ۵۰، ۵۱، ۵۲ کے علاوہ بھی تحریروں میں مسئلہ حرکت کے عدم جواز کا فیصلہ یا رجحان نظر آتا ہے۔

مولانا آل مصطفیٰ مصباحی اور مفتی مطیع الرحمن رضوی کے جوابات میں کہیں کچھ شرائط و قیود کے ساتھ جواز کی جھلک نظر آتی ہے۔ مفتی محمد نظام الدین رضوی ترجیحی حصص کو یکسر ناجائز کہتے ہیں اور مساواتی حصص کو بعض شرطوں کے ساتھ بالکل جائز بتاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ انہیں تینوں مقالات کا خلاصہ پیش کر دیا جائے تو پوری بحث سامنے آجائے گی۔

مفتی مطیع الرحمن رضوی پورنوی کمپنی کے طریقہ تجارت کو از قسم حرکت بتانے کے بعد شرکت اور اس کی انعام کا تعارف کراتے ہیں، پھر تعین کرتے ہیں کہ یہ شرکت کی کس قسم میں داخل ہے۔

حرکت کی دو قسمیں ہیں: (۱) شرکت ملک (۲) شرکت عقد۔

حرکت ملک کا مطلب یہ ہے کہ چند شخص ایک شے کے مالک ہوں اور باہم عقد شرکت نہ ہوا ہو۔

حرکت عقد کا مطلب یہ ہے کہ باہم چند اشخاص نے شرکت کا معاملہ کیا ہو۔

پھر شرکت ملک کی دو قسمیں ہیں: (۱) جبری (۲) اختیاری۔

چند اشخاص کا ہونا۔ قصد و اختیار سے باہم مل جائے تو اختیاری ورنہ جبری۔

شرکت عقد کی تین قسمیں ہیں: (۱) شرکت عمل (۲) شرکت وجوہ (۳) شرکت مال۔

**شرکت عمل** کا مطلب یہ ہے کہ چند اشخاص دوسرے کے یہاں سے کام لائیں اور مل کر کام کریں، پھر جو اجرت ملے تقسیم کر لیں۔

**شرکت وجوہ** کا مطلب یہ ہے کہ چند اشخاص مال کے بغیر باہم ملے کریں کہ اپنی وجاہت اور اعجاز کی بنا پر سامان ارحار لائیں اور مال بیکار دیاں، پھر جو بیکار آپس میں تقسیم کر لیں۔

**شرکت مال** کا مطلب یہ ہے کہ چند اشخاص اپنے مال لگانے کے ساتھ ملے کریں کہ اس سے مل کر کاروبار کیا جائے اور جو نفع ہو آپس میں تقسیم کر لیں۔

شرکت مال کی دو قسمیں ہیں: (۱) شرکت مفادہ (۲) شرکت عنان۔

**شرکت مفادہ** کا مطلب یہ ہے کہ ایسے اشخاص جو ایک دوسرے کی کفالت کے لائق ہوں، اپنی مخصوص قسم کی پونجی برابر برابر لگا کر کاروبار میں اس طرح شرکت کریں کہ نفع و تصرف میں سبھی شریک ہوں اور ایک دوسرے کے وکیل و کفیل بھی ہوں، یعنی ہر ایک کا مطالبہ دوسرا وصول کر سکتا ہو، اور ہر ایک پر جو مطالبہ ہو دوسرا اس کی طرف سے ضامن بھی ہو۔

**شرکت عنان** کا مطلب یہ ہے کہ ایسے اشخاص جو ایک دوسرے کی وکالت کے لائق ہوں، پونجی لگا کر کاروبار میں اس طرح شرکت کریں کہ ہر شریک دوسرے شریک کا وکیل ہو، مگر ضامن نہ ہو۔

آگے پھر لکھتے ہیں کہ ”مشترک سرمایہ کہیں“ اگر ہوگی تو شرکت عنان ہوگی، اسی پر ہمیں غور کرنا ہے۔ اس کے بعد ترجیحی حصص کی شرکت اور مساواتی حصص کی شرکت پر الگ الگ کلام کرتے ہیں:

ترجیحی حصص کے اشتراک کو تین وجوہ سے باطل و ناجائز قرار دیتے ہیں۔

(۱) یہ شرکاء صرف نفع میں شریک ہوتے ہیں، نقصان میں نہیں، یہ شرکت اسلام کے منافی ہے۔

(۲) ان کے نفع کی مقدار ایک خاص شرح کے ساتھ مقرر ہوتی ہے اور مقدار نفع کی تعیین قاطع شرکت ہے۔

(۳) اب ان کی وہی رقم ہر بہ تو ہو نہیں سکتی، عاریت یا قرض ہوگی، عاریت ہو تو اسے بعینہ ہائی رکھ کر نقصان

ضروری ہوتا ہے اور یہاں ایسا نہیں ہوتا، اس لیے وہ قرض ہی ہو سکتی ہے، جیسا کہ عالمگیری (ص ۳۳۳، ۳۳۴) اور فتح

القدر (ص ۴۰۲، ۴۰۳) کی عبارتوں سے ظاہر ہے۔ اور قرض پر نفع کی شرط قطعاً سود ہے۔ اس لیے کسی کمپنی کا ترجیحی حصص کے ممبران مقرر کرنا اور لوگوں کا ترجیحی حصص میں شامل ہونا قطعاً حرام ہے۔

مسماواتی حصص کی شہادت بذات خود صحیح ہو سکتی ہے، اس لیے اس میں نفی و انقصان دونوں میں شریک رہنے کا مسماواتی حصص کا مطلب یہ ہے۔

(۱) محرک یا پچھلی میں ترجیحی حصص۔ شہادت بھی شامل ہوں گے تو جو نفع ہوگا پہلے نہیں ایک معینہ شہادت مطابق دے دیا جائے گا، اور نقصان ہو تو بھی انہیں۔ شرط نفع دیا جائے گا۔ نفع کی صورت میں اسے پہلے دیا جائے گا، اور نقصان کی صورت میں ان کے اس مال سے ترجیحی حصص والوں کو مقررہ نفع دیا جائے گا۔ اس شرط سے نفع و نقصان میں ان کی جو شرکت غصہ کی قسمی و جب معنی ہو کر رہ جاتی ہے، اور

سراسر نقصان ہی کی صورت رہ جاتی ہے، انہیں کہ یا تو ان کی اصل پونجی سے بھی جاتا ہے یا ان کا حق نہیں رہتا۔

پھر بچا ہوتا ہے، ورنہ وہ بھی نہیں ملتا۔

(۲) ملے شدہ تمام قطعیں اگر ایک خاص مدت کے اندر جمع نہ کر سکے تو جو سابقہ معنی کی حصص وہ بھی ضائع ہو جائیں گی۔ اس لیے یہ معاملہ قرار دیا جاتا ہے کہ اگرچہ شرکت ان عقود میں سے ہے جو شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتے، اس لیے نفس شرکت باقی رہتی ہے۔

(۳) ترجیحی حصص کا دیا ہوا قرض بھی محفوظ رہتا ہے اور برائے نفع بھی دیا جاتا رہتا ہے جو نہ امر سود ہے اور اس کے رہنے والے یہی مساواتی شرکاء ہیں۔ اور سود لینے کی طرف دیا بھی حرام ہے۔

(۴) اس میں جہاں مخصوص قطعیں جمع کرنے کی شرط ہوتی ہے، وہیں اپنی طرف سے سودی قرض جمع کرنے کی بھی شرط ہوتی ہے، یہ بھی حرام ہے۔ اگرچہ اس شرط فاسد کی وجہ سے عقد شرکت فاسد نہ ہو اور جائز کاروبار سے

دوہ جو نفع حاصل ہو، اسے لینا جائز ہو۔

ہاں اگر ترجیحی شرکاء نہ ہوں، مساواتی حصص دار قرض دینے کے ساتھ صراحتاً سود لینے کی نفی کر دے اور دوسروں کو بھی سود نہ دیا جائے تو مساواتی حصص کی شرکت جائز ہو سکتی ہے۔ یہ امور یہاں مفقود ہیں، اس لیے ناجائز ہی ہے۔

اس مقام پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ قرض کہیں کے عام ممبران نہیں لینے بلکہ اس کے کارندے لیتے ہیں۔ اور

شرکت عنان میں کوئی شریک قرض لے تو ایک قول کے مطابق یہ قرض دوسرے شرکائی طرف رائج نہیں ہوگا، لہذا عام

قرض کا سودی قرض لینے کے دہال سے بری الفہم ہوں گے۔

اس کے جواب میں یہ بتاتے ہیں کہ مذکورہ ضابطہ کے ساتھ حکم یہ بھی ہے کہ اگر قرض لینے والا سب کی جانب سے قرض لے، اور مجھے قرض دیجیے کے بجائے ہم سب کو قرض دیجیے بولے تو یہ قرض سب پر عام ہوگا۔ اور یہاں

بذات لیا جاتا ہے وہ کمپنی ہی کے لیے لیا جاتا ہے، کارندے صرف پیغام رسانی اور سفارت کا کام انجام دیتے ہیں،

اس لیے وہ سب پرمانہ ہوگا اور تمام شرکاء اس کے دیال میں شریک ہوں گے۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جب ابتداء ہی مساواتی حصص کی شرکت ناجائز ہے تو کمپنی کے مالک اسباب تجارت ہوجانے کے بعد بھی اس کے اسباب کو خرید کر اس میں شرکت ناجائز ہے۔

قرض تسکات حاصل کر کے حصص میں بدلنے سے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کی حقیقت سوال نامے میں منقول "جدید طریقہ تجارت" کی عبارتوں سے پورے طور پر منکشف نہیں ہوتی، اس لیے اس مسئلے میں مزید معلومات حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ ویسے جب مساواتی حصص ہی میں شریک ہونا ناجائز ہے تو قابل تبدیل قرض تسکات کو حصص میں تبدیل کروینے سے بھی شرکت ناجائز ہی رہے گی۔

کمپنی کے معبود طریقے پر لکھتے مقرر کرنا اور اس پر کمیشن دینا، اگر کسی جائز کام کے لیے ہوتا تو بھی متفقہ و وجہ کی بنا پر ناجائز ہوتا، جن میں ایک وجہ یہ ہے کہ جس کام کے لیے اجارہ ہو رہا ہے اس کا وقت معلوم نہیں۔ اور ایسا اجارہ ناجائز ہے۔ (خانیہ ص ۳۶۲ ج ۲) اور یہاں تو وہ کام ہی ناجائز ہے۔

جب یہ واضح ہو گیا کہ "مشترک سرمایہ کمپنی" کا کاروبار ناجائز ہے تو اس کے قیام کی مقصود سازی، اس کا رجسٹریشن یا اس کی ایسی ملازمت جس میں ناجائز کام کرنا پڑے، سبھی مسموع ہوں گے۔ کیونکہ گناہ برائعات حرام ہے۔ کمپنی میں حصص کے نام پر جو رقم جمع کی جاتی ہے، وہ قرض ہوتی ہے اور قرض پر نفع لینا سود ہے، اس لیے منافع پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، ہاں جمع کی ہوئی اصل رقم شرکا جب چاہیں، وصول کر سکتے ہیں، تو یہ قرض "دن قوی" ہے۔ اب اگر یہ دین خود یا دوسرے مال سے مل کر مقدار نصاب ہو تو اس پر زکوٰۃ سال بہ سال واجب ہوتی رہے گی، مگر انہی واجب الادا نہیں۔ واجب الادا اس وقت ہوگی جب مقدار نصاب کا پانچواں حصہ وصول ہو جائے، مگر جو پانچواں حصہ وصول ہوجائے اس کی زکوٰۃ واجب الادا ہوگی۔

**مولانا مال مصطفیٰ مصباحی** نے اسے "بظاہر" شرکت عقد کی قسم شرکت عنان کی طرح بتانے کے بعد یہ لکھا ہے کہ اس کے مساواتی حصص میں شرکت سے متفقہ و حرام کا ارتکاب کرنا ہوگا۔

(۱) مساواتی حصص میں شرکت کے لیے سودی قرض دینا لازمی شرط ہے۔  
(۲) کمپنی کے حصہ دار ان مقررہ یا مستحدثت تک قسطوں کی مکمل ادائیگی نہیں کرتے تو جمع شدہ قسطیں ضبط ہوجاتی ہیں۔

(۳) کمپنی کے کاروبار میں خاص سودی قرض بھی لگایا جاتا ہے۔ لہذا اپنی رقم کے ذریعہ اس کی تعمیر و ترقی نہا حصہ لینا عانت علی الاثم کی وجہ سے حرام ہوگا۔

ہاں اگر مشترک کمپنی خالص حربوں کی ہو تو اس کے ترجیحی حصص میں وہ لوگ شریک ہو سکتے ہیں جو ان قسطوں کی مقررہ وقت پر ادائیگی کا یقین یا ملن غالب رکھتے ہوں، کیونکہ حربوں کا مال ان کی رضائے بلا غرور و بد عہدی لینا جائز و درست ہے۔ خولہ محمود فاسدہ سی کے ذریعہ کیوں نہ ہو۔ البتہ ایسی کمپنیوں کے مساواتی حصص میں شرکت روا نہ ہوگی، کیونکہ اس میں مسلم کو نفع نہ ملنا محض محتمل ہے۔

**مفتی محمد ظہار الدین رضوی** کا مقالہ بہت بسط و تفصیل کا حامل ہے، اس میں انھوں نے جو موقف اختیار کیا ہے، اس پر دس شبہات وارد کر کے ان کا تفصیل جواب بھی دیا ہے۔ یقیناً یہ کافی غور و خوض اور عرق ریزی کا نتیجہ ہے جس کے باعث ان کے موقف سے اختلاف رکھنے والے بھی انھیں تحریک و تحسین پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ میں یہاں اس کی مناسب تفصیل کی کوشش کروں گا جو اس کے تمام ضروری گوشوں کو محیط ہو۔

ابتداء انھوں نے کمپنی کی شرعی حیثیت تحقیق کی ہے جو ان کے بقول حصہ داروں کی وکیل عام ہوتی ہے اور اصل ملک حصہ داران ہوتے ہیں، مگر اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ کوئی غیر عامل ٹکے وکیل کیسے ہو سکتی ہے؟ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہاں اس کی دکالت پر اعتقاد نہیں بلکہ اس کی نیابت کے لیے "منتخب وکلا" مقرر ہوتے ہیں۔ مگر جو حصہ داران موت یا جنون مطبق کے شکار ہوں ان کے حق میں کمپنی کی دکالت ختم ہوجاتی ہے۔ اور اگر مملکت کی موت کے بعد اس کے ورثہ اس کے حصص اپنے نام منتقل کر لیں، پھر وہی جنون مطبق کی صورت میں اس کا ولی مال تجارت پر راشی ہو تو یہ توکل جدید ہوگی، اس طرح کمپنی کی زندگی باقی رہتی ہے، اگرچہ اس کے بعض حصہ داران باقی نہ رہیں۔

اس کے بعد کمپنی کے حصص کی شرعی حیثیت سے بحث ہے۔ بتاتے ہیں کہ حصص حاصل کرنے کے چار طریقے تھے:

- (۱) اجراء حصص کے وقت براہ راست کمپنی سے حصے خرید کر۔
- (۲) جن کے لیے کمپنی سے حصص نامزد ہو چکے، ان سے خرید کر۔
- (۳) کمپنی کے کسی حصہ دار کے مجنون ہونے یا مرنے پر اس کے اولیاء وارث کے نام انتقال حصص کے ذریعہ۔
- (۴) قابل تبدیل قرض تسکات کو اجراء کی شرط کے مطابق حصص میں تبدیل کرنا۔

طریق اول میں حصے خریدنے کا لفظ محض مجازی ہے، ابتداء میں کمپنی یا اس کے حقائقین کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہوتا ہے نیز یہ اجراء دور اصل حصے خریدنے کا مطلب رقم لگا کر شریک تجارت بنانا ہے۔ اور یہ معاملہ فقہی اصطلاح کی رو سے قدر شرکت ہے۔ رہے حصص سرٹیفیکٹ تو ان کی خریداری نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے معنی کے لحاظ سے حقیقتہً صرف سند اور نیت ہی کی حیثیت رکھتے ہیں، اگر سندیں جمع ہوتیں تو رقم کمپنی کی ملک ہوجاتی اور حصہ دار صرف ان اسناد کے مالک

ہوتے، جب کہ کئی آئین کی تصریحات کے مطابق رقوم کے مالک حصہ داران ہی ہوتے ہیں، ہاں! جب کوئی رقم لاکر شریک بن گیا، پھر اس نے اپنا حصہ بچا اور کسی نے خرید اتویہ واقعہ خرید و فروخت ہے اور یہ معاملہ یہاں جائز بھی ہے۔ یہی وہ دوسرا طریقہ ہے جو اوپر ذکر ہوا۔

تیسرا طریقہ دراصل توریت یا قریب ہے، اس میں کسی حصہ دار کی موت کے بعد اس کے ورثہ کا کوئی وارث یا کسی کے بعد اس کی جگہ نامزد ہو جاتا ہے اور کسی کے مجنون ہونے کے بعد بھی عمل اس کے ولی کے لیے ہوتا ہے۔

کچھ کو کسی نے سودی یا غیر سودی قرض دیا تو کچھ کی جانب سے اس کو ایک رسید دے دی جاتی ہے، اسی کا نام قرض حسک ہے۔ یہ ایک مدت تک قرض حسک کی صورت میں رہتا ہے، اس کے بعد جزوی یا کلی طور پر حصص میں تبدیل کر دیا جاتا ہے، یعنی قرض دینے والے کو کچھ کا شریک اور اس کی رقم کو کچھ کا اصطلاحی حصہ بنالیا جاتا ہے، جس کے پاس یہ سند قرض ہو، وہ اسے دوسرے کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے۔ اب یہ دوسرا قرض خواہ ہو جائے گا اور سند قرض کو حصہ میں تبدیل کرنے کے بعد وہ شریک ٹھہرے گا۔ یہی وہ چوتھا طریقہ ہے جو اوپر ذکر ہوا اور تفصیل سے معلوم ہو کہ ان چاروں طریقوں سے عقد شرکت کا حقیق ہوتا ہے اور سب کا مقصود وہی ہے۔

اس کے بعد شرکت کی تعریف اور اس کے اقسام و احکام ذکر کرنے کے بعد یہ بتاتے ہیں کہ یہ شرکت، شرکت عتاق ہے۔ ان باتوں کا ذکر ابھی لاحقاً مفتی مطیع الرحمن رضوی کے مقالہ کی تفصیل میں آچکا ہے۔

اس کے بعد ترجیحی حصص اور مساواتی حصص کا ذکر کرتے ہیں اور ترجیحی حصص کے ذریعہ شرکت کو سرمایہ کاری کے بجائے غصب کاری اور لوٹ کھسوٹ قرار دیتے ہوئے ناجائز و حرام بتاتے ہیں، مگر مساواتی حصص کے ذریعہ معاہدہ شرکت کو جائز و درست، اور ان کی تجارت سے حاصل ہونے والے منافع کو حلال و طیب کہتے ہیں۔ لیکن اس موقف کے گرد و اشکالات ذکر کرتے ہیں، پھر ان کا حل بھی رقم فرماتے ہیں۔

**پہلا اشکال:** یہ ہے کہ حصوں کی خریداری کے ساتھ سودی قرض دینا بھی ضروری ہوتا ہے، اس طرح یہ شرکت لینے کی آلودگی سے مشروط ہوتی ہے۔

**اس کا حل:** یہ بتاتے ہیں کہ حصہ دار قرض دیتے وقت صاف صاف یہ کہہ دے کہ میں قرض کی رقم پر کوئی سود نہ لوں گا۔ اس کا قطعی ارادہ بھی یہی ہو۔ بعد میں بھی سود نہ لے دے۔ ان شرطوں کی پابندی کے ساتھ اس کی شرکت اس آلودگی سے بچ جائے گی۔

**دوسرا اشکال:** بطریق بالا حصہ دار خود اپنی رقوم کا سود لینے کی آلودگی سے بچ سکتا ہے، مگر کچھ دوسرے تمام شرکاء بھی سودی قرض لے کر تجارت میں شامل کرتے ہیں، اس سود کی ناپاکی سے حصہ دار کیسے بچ سکتا ہے، جب کہ کچھ یا ہدایت

کاروں کا مکمل حصہ داروں ہی کا مکمل ہے، اس لیے کہ حصہ دار کو مکمل ہوتے ہیں اور وہ مکمل ہوتے ہیں۔ تو جو سودی قرض لیا جائے گا وہ سب پر عائد ہوگا۔

**اس کا دوسرا حل:** پیش کرتے ہیں، ایک یہ کہ مذکورہ حرمت صرف فعل تک محدود ہے، تجارت اور اس کے نفع میں اس کا کوئی اثر نہیں، یعنی شریک بننا محسوس ام و گناہ ہوگا، مگر کمالی حلال ہوگی۔ اس کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ حرام کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) وہ جو اپنی ذات میں قبیح ہو۔

(۲) وہ جو اپنی ذات میں اہم ہو، مگر کسی وصف لازم غیر منکک کی وجہ سے برا ہو۔

(۳) وہ جو بذات خود اچھا ہو، مگر کسی وصف عارض قابل انفکاک کی وجہ سے برا ہو، جیسے بیعت بذات خود جائز ہے، مگر وہ بیعت جو بعد کی حاضری کے وقت کی جائے ممنوع ہے، جب کہ اس کے سبب حاضری میں رکاوٹ اور غلط ہو۔ کچھ میں سرمایہ کاری کا تعلق تیسری قسم سے ہے، کیوں کہ حصص اور قرض کے ذریعہ حاصل کیا ہوا مال جائز و حلال ہے۔ اس سے ہونے والی تجارت بھی درست ہے۔ رہی سودی شرط تو وہ مقدار عقد نہیں، قبل عقد ہے اور مفاد عقد صرف وہی شرط ہوتی ہے جو مقدار عقد ہو، البتہ خود سود کا لینا یا حرام لغینہ ہے اور یہ مال، مال غیبت ہے۔ پس ہی ترجیحی حصص میں ملے شدہ نفع لینا یا بھی حرام ہے اور یہ مال بھی مال غیبت ہے۔

**دوسرا حل:** یہ ہے کہ:

(۱) قرض لینے کے لیے کسی کو مکمل بنانا (بر قول صحیح و مختار) باطل ہے۔

(۲) وکیل نے اگر قرض لیا تو اس کا مالک خود وہی ہوگا۔

(۳) اگر یہ مال قرض وکیل کے پاس سے ضائع ہو گیا تو اس کا ضمان بھی خود وکیل ہی ہوگا۔

اس قول کے پیش نظر ہدایت کاروں نے جو سودی قرض ایوانہ بنی کی جانب عائد ہوا۔ دوسرے شرکاء سے بری ہیں۔

**تیسرا اشکال:** یہ ہے کہ کچھ کے حصوں میں مساواتی حصص کے ساتھ ترجیحی حصص بھی شامل ہوتے ہیں جو ناجائز ہیں تو ان کے انضمام کے ساتھ مساواتی حصص کے ذریعہ بھی سرمایہ کاری ناجائز ہوگی۔

**اس کا حل:** یہ ہے کہ ترجیحی حصص کے ساتھ شرکت، شرکت نہیں، نہ ترجیحی حصص کی رقم سرمایہ شرکت ہے۔ صرف ایک قرض ہے جس پر سود دینے کی شرط لگی ہوئی ہے، اس لیے سودی قرضے ملانے کی صورت میں جو مل پیش ہو، مل ان ترجیحی حصص کی رقوم ملانے کا بھی ہے۔

**چوتھا اشکال:** کچھ کا سودی قرض ادا نہ ہوا تو اس کی ادائیگی کا ذمہ حصہ داروں پر عائد ہوتا ہے، اس لیے کچھ میں



شرکت سودی قرض اور نہ کسی ذمہ داری اٹھانے کے مترادف ہے، اس لیے یہ شرکت ناجائز ہوگی۔

**جواب** یہ دیتے ہیں کہ حصہ داروں پر کمپنی ادائے قرض کے لیے صرف یہ ذمہ داری عائد کرتی ہے کہ ابھی چند حصے جمع نہیں کیے ہیں، وہ جمع کر دیں تاکہ کمپنی قرض چکا سکے، تو حقیقت یہ اپنے حصوں کی ادائیگی ہوئی، سودی قرض کی ادائیگی نہ ہوئی، کمپنی کا آئین اسے جس غلطی سے بھی تعبیر کرے، معاملہ اپنی حقیقت کے تابع ہوتا ہے اور حصہ دار کی نیت بھی یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنی بقیہ قسطیں ادا کر رہا ہے، اس کا اس سے مطالبہ بھی ہوتا ہے۔

**پانچواں اشکال:** یہاں اپنی رقم کو ادا نہ کر لگا کر ایک طرح کا جو بھی کھیلنا پڑتا ہے، اس لیے کہ حصہ دار نے اگر مقررہ وقت پر اپنی قسطیں جمع نہ کیں، تو اسے ایک مہلت دی جاتی ہے جس کے اندر اسے بقیہ قسطیں جمع سوچ کر لینی پڑتی ہیں اور اگر اس مدت مہلت میں بھی جمع نہ کیں تو سوائے جمع شدہ قسطیں بقیہ کمپنی ضبط کر کے حصہ دار کو خارج کر دیا جاتا ہے، اس طرح یہ شرکت سود اور قمار دونوں پر مشتمل ہو سکتی ہے۔

**اس کا حل** یہ بتاتے ہیں کہ آدمی اپنی پونجی کا انبیاں کر کے اتنے ہی حصوں کا معاملہ کرے جن کو وہ ہمسائی جمع کر لے۔ دوسری صورت یہ کہ اپنی تمام قسطیں یک مشت جمع کر دے، تاکہ آئندہ کا کوئی خطرہ ہی نہ رہے، یک مشت جمع کرنے کی اسے اجازت بھی ہوتی ہے اور مہلت کی مدت میں وہ نام سود جو فائدہ رقم دیتا ہے، وہ اصل وہ سود نہیں بلکہ یہ فائدہ مثلاً دس روپے کی جگہ بارہ روپے دے کر شریک بنایا حصص کا گراں قدر ہر اجراء ہے جو جائز ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔ اصل ایک پارٹی جمع کرنے والے سود اور قمار سے بالکل بری ہے، اسی طرح مقررہ وقت کے اندر جمع کرنے والا

بھی سلامت ہے، اور مدت مہلت میں جمع کرنے والا بھی حقیقت امر کے لحاظ سے سود دینے والا نہیں۔

**چھٹا اشکال:** شرکت سمجھ شرعیہ میں شریک کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ جب چاہے اپنا مال واپس لے کر شرکت ختم کرے لیکن کمپنی کا آئین یہ ہے کہ شریک اپنا مال واپس نہیں لے سکتا، تو یہ شرط لگا کر ایک عامل، با اختیار انسان کو حجر کے تین اسباب میں سے کسی ایک کے بغیر مجبور کرنا ہوا۔

**جواب** یہ ہے کہ آدمی کو اختیار ہے کہ کمپنی میں شرکت کرے یا نہ کرے، اور کمپنی نے اپنے شرائط و ضوابط سے اسے آگاہ کر دیا ہے، جن کو جان بوجھ کر وہ معاہدہ شرکت کرتا ہے، جس کا معنی یہ ہوا کہ وہ خود ہی یہ پابندی قبول کرتا ہے، اس لیے کمپنی کی طرف سے جبر نہ ہوا۔

دوسرے یہ کہ یہاں بھی مال واپس لینے کا راستہ مسدود نہیں بلکہ مخصوص ہے، وہ یہ کہ اپنا حصہ کسی کے ہاتھ فروخت کر کے وہ اپنی رقم حاصل کرے اور اس مخصوص راہ کی پابندی بھی اس نے خود ہی اپنے سر لی ہے، اس لیے اس میں کوئی نزاع بھی نہیں ہو سکتا، بالقرض عدم وادجی کی یہ شرط، فاسد بھی ہو تو اس سے عقد شرکت فاسد نہیں ہوگا، کیوں

کہ یہ ان عقود میں ہے جو شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتے۔ (۱)

**ساتواں اشکال:** کمپنی میں سرمایہ کاری اگر شرکت ہے تو شریک کی موت اور اس کے جنون متصدیہ یہ شرکت باطل ہو جاتی چاہے اور اس میں وراثت جاری نہ ہو تاکہ ایسے حالات نہ کمپنی کے آئین کی زد سے اس میں وراثت جاری ہوتی ہے۔

**اس کا جواب** یہ ہے کہ مرنے والے شریک کی شرکت تو ختم ہو گئی، البتہ اس کے حصے بذریعہ قانون، ورثہ یا ولی سے نام منتقل کر دیے گئے، کمپنی کے آئین سے حاصل نہیں لگتا ہے۔ اور شرکت اس کی حقیقت یہ ہے کہ شریک کی موت کے بعد اس کے ترکہ کے مالک اس کے ورثہ ہوئے، تو اس کے مال شرکت کے مالک بھی اس کے ورثہ ہوئے، اب یہ ورثہ اپنی رضا سے اپنے مورث کے حصص اپنے نام منتقل کر لے، تو یہ اپنے مورث کی جگہ شریک اور حصہ دار ہوئے، وہ اصل میں وراثت ترے میں جاری ہوئی، عقد شرکت میں نہیں اور ورثہ کمپنی کی شرکت قبول کرنی تو جدید عقد شرکت وجود میں آیا یہ اب شرعی بھی جائز و درست ہے۔

**آٹھواں اشکال:** حصہ داروں کی رقم سے جب تک کوئی سامان خرید نہ گیا وہ روپے کی شکل میں ہوتی ہے اور جب اس سے کچھ خریدا گیا یا تو مال و متاع کی شکل میں تبدیل ہو گئی۔ حصہ جب تک روپے کی شکل میں ہے اور روپے سے اس کی بیع ہوئی تو مجلس عقد میں تقاضا بعض بدین ضروری ہے، اگر ایک نقد ہو دوسرا اذکار، تو یہاں رہا البتہ بیایا جائے گا، اس لیے یہ بیع حرام اور فاسد ہوگی یہاں معین پیسوں کے باہمی تبادلہ سے متعلق ہر ایسی عبارت وحش کی گئی ہے۔ (۲)

جب حصہ سامان میں تبدیل ہو گیا اور روپے کے عوض اس کی بیع ہو رہی ہے، تو بھی یہ بیع ناجائز و فاسد ہے، کیوں کہ کمپنیوں کے سامانوں میں اس حصہ دار کا حصہ کون ہے اور کتنا ہے، یہ مجھول و نامعلوم ہے اور مجھول شے کی بیع ناجائز و فاسد ہوتی ہے۔

**نہلی صورت کا جواب** یہ ہے کہ جس وقت بیع کی کارروائی مکمل ہوتی ہے اس وقت دونوں جانب سے قبضہ حق ہو جاتا ہے کیوں کہ حصص سرشقیہ کی منتقلی "منتقلی قائم" پر درخواست آنے، منتقلی کی رجسٹری کرنے، بورڈ کے ذریعہ منتقلی منظور دینے اور ممبران کے رجسٹر میں اندراج کرنے پر مکمل ہوتی ہے۔ (۳)

اس کارروائی کے بعد خریدار کمپنی کا نیا حصہ دار ہو جاتا ہے اور کمپنی اس کی مکمل عام ہوتی ہے، جس کا ادارہ عمل تبدیل کو بھی شامل ہے اور صحت بیع کے لیے بیع پر خود مشتری کا قبضہ ضروری نہیں بلکہ اس کے ذیل قبض کا قبضہ

(۱) فتح القدیر، ص: ۸۱، ج: ۶/۱، خانہ: ص: ۹۰۵، ج: ۴

(۲) ہدایہ، باب الربا، ص: ۶۵، ج: ۳، مجلس البرکات، مبارکفرو

(۳) طریقۃ تجارت، ص: ۱۹۱، ج: ۱

بھی کافی ہے۔ اور زیر بحث مسئلہ میں وکیل قبض یعنی کہنی کا قبضہ جبکہ ہی سے تحقق ہے۔

**دوسرا جواب** یہ ہے کہ یہاں تقاضا بد لین ضروری نہیں بلکہ صرف ایک طرف سے قبضہ ضروری ہے، کچھ کہ یہاں معادہ نوٹ کی نوٹ سے قبضہ کا ہوتا ہے، وہ شریعتی نہیں مگر اصطلاحی ہے اور اس میں ایک عوض پر قبضہ میں قبضہ ہو جانا صحت کے لیے کافی ہے۔<sup>(۱)</sup>

**دوسری صورت** سے متعلق اعتراض بالا کا جواب یہ ہے کہ متاع مجبول کی بیع اس وقت ناجائز ہوتی ہے جب اس کی جہات باعث نزاع ہو کر لین دین کے عمل سے مانع ہو، یہاں کہنی کے دستور کے مطابق بیع کوئے حصہ دار کے حوالے کرنے کی حاجت ہی نہیں پیش آتی، تو نزاع باہمی اور منع تسلیم کی صورت ہی نہ ہوتی کہ عدم جواز اور فساد بیع لازم آئے۔ "إن حصص التملیک لا یبطل بجهالة لعدم الحاجة إلى التسلیم" (۲) کچھ اور عبارتیں بھی ہیں۔ (۳) آئے لکھا ہے کہ اس کا "صریح جزئیہ" مسئلہ بخارج ہے، جس میں بیع اور اس کی مقدار مجبول ہوتی ہے۔

**نواں اسکاٹل:** حصہ دار کے حصے روپے کی شکل میں ہوں یا سامان کی شکل میں، ان کی بیع اور تسلیم کے لیے کہنی میں شرکت شرط ہے۔

(۱) یہ بیع باشرط ہے جو فاسد و ناجائز ہے۔

(۲) ایسی شرط باہمی نزاع کی باعث ہے، جس کا فائدہ ہو گا وہ اس شرط پر عمل کا مطالبہ کرے گا، جس کا نقصان ہو گا وہ اس سے اعراض کرے گا۔

(۳) یہ شرط تقاضا عقد کے خلاف ہے، کیوں کہ عقد کا تقاضا یہ ہے کہ بائع و مشتری بیع و شریعت کے تسلیم کے عمل میں آزاد ہوں اور یہاں اس کام کے لیے کہنی میں شرکت کی پابندی ہو گئی۔

(۴) جب عقد بیع کے ساتھ عقد شرکت کو بھی لازم کر دیا گیا تو یہ درحقیقت ایک عقد کے اندر دو عقد ہوئے، یہ بھی فاسد و ناجائز ہے۔ وقد نهى النبي عليه الصلاة والسلام عن صفتين في صفقة. (۴)

**جواب (الف):** (۱) شرط فساد بیع اس وقت ہوتی ہے جب وہ تقاضا عقد کے خلاف ہو۔

(۲) اور اس کی وجہ سے عائدین میں سے کسی کو ایسا نفع مل رہا ہو جس کے مقابل دوسرے کو کچھ نہ ملے یا بیع ناجائز

(۱) کفای الفقہ مشمولہ فتاویٰ رضویہ، ص: ۱۵۰-۱۵۴، ج: ۷

(۲) بنایہ، ص: ۷۸، ج: ۳

(۳) ہدایہ، ص: ۴، ج: ۴۰، ص: ۲۳، ج: ۳، قبیل باب البیع الفاسد، مجلس البرکات، مبارک نور، فتح القدیر

ص: ۲۹، ج: ۶

(۴) ہدایہ، ص: ۴۴، ج: ۳، کتاب البیوع، مجلس البرکات، مبارک نور

متعلق و با شعور ہو اور شرط کا نفع اس کے حق میں ہو۔ عقد بیع ہونے کے لیے ان بھی امور کا اجتماع ضروری ہے۔

لیکن جب کوئی شرط معروف و معبود ہو جائے تو وہ تقاضا عقد کے خلاف اور باعث نزاع نہیں ہوتی اور یہاں یہ شرط معروف و معبود ہے اور عائدین نے خود اس طرح تسلیم و تسلیم کو خاص کیا ہے، اس لیے یہ عمل ان کے اختیاری ہے ہو اور ان کی آزادی بھی مطلوب نہ ہوئی۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے "المعنی والدرد لیس عقد مضی آرڈر" میں ایسی آٹھ بیعتوں کا ذکر کیا ہے۔ اور آج کے زمانے میں اس کی نظیر مثلاً چھ ماہ میں گھڑی یا پنکھا خراب ہو جائے تو واپس کر کے دوسرا لے جانے یا ایک مقررہ مدت کے اندر مفت حرمت کر ایسے کی گارنٹی کی شرط ہے، جو متعارف ہونے کے باعث تقاضا عقد کے خلاف اور باعث نزاع نہ رہی۔ اس شرط کا فائدہ عائدین میں سے کسی ایک کو نہیں ملتا بلکہ غیر یعنی کہنی کو ملتا ہے۔ یہ بھی واضح ہے کہ مشتری شرکت پر مجبور نہیں بلکہ شرکت ہی کے لیے وہ حصص خریدتا ہے، اس لیے اس کی کوئی آزادی سلب نہ ہوئی۔

**(ب):** (۱) ایک عقد میں دو عقد منوع ہونے کی علت یہ ہے کہ کسی عائد کو ایسا نفع ملتا ہے جو سود کی حیثیت رکھتا ہے اور یہاں شرکت کا فائدہ عائدین میں سے کسی کو نہیں ملتا بلکہ کہنی کو ملتا ہے۔

(۲) تعارف و تعال کے بعد ایک عقد میں دو عقد ناجائز نہیں رہ جاتے بلکہ صحیح ہو جاتے ہیں، جیسے گھڑیوں اور پنکھوں میں مفت حرمت کی شرط عقد بیع کے ساتھ عقد تعارف کی شرط ہے، مگر تعالیٰ کی وجہ سے جائز ہے۔

(۳) عسلا وہ انہی شرکت بھلے خود کوئی بیع بھی نہیں کہ سود کی صورت بنے اور کسی عائد کو بیع و شریعت کی

زیدتی ملے۔ رد اختیار میں ہے:

"والظاهر أن الشركة كالمفاوضة، لو دفع الثمن، نصفها قرض على أن يعمل بالألف بالشركة بينهما، والربح بقدر المالكين مثلاً، لا لكرهه في ذلك، لأنه ليس قرضاً جوهراً."<sup>(۴)</sup>

یہاں مقرر نے ایک شخص کو قرض اس شرط پر دیا کہ وہ اس کے ساتھ عقد شرکت کرے۔ اگر شرکت بذات خود کوئی نفع ہوتی، تو یہ "کُلُّ قَرْضٍ جَوْزٌ نَفْعاً" کے عوم میں شامل رہتا اور ناجائز ہوتا۔ مگر جوڑ کی وجہ یہاں ہے کہ ایسا کوئی نفع نہ پایا گیا جو سود کہا جاسکے، بلکہ یہاں بیع و شریعت میں بھی دلی جاتی ہے، لہذا مساوات حصص کی بنا پر حال جائز و درست ہے۔

(۱) فتاویٰ رضویہ، ص: ۲۰۸، ج: ۸، رضا اکیڈمی

(۲) رد المحتار، ج: ۶، ص: ۵۱۰، کتاب الشركة، دار الکتب العلمیہ، بیروت



اہلاس میں پہلے دونوں مسکوں سے متعلق امور طے ہو جائیں گے اور آئندہ سیمینار میں کچھ دوسرے سے موضوعات بھی بحث کے لیے رکھے جائیں گے۔

ادارہ ان تمام حضرات کا شکر گزار ہے، جنہوں نے ان مسائل پر توجہ دی، مقالات لکھے، سیمینار میں شرکت فرمائی، اپنی آرا سے نوازا، اپنی علمی و عملی بیداری کا ثبوت دیا اور آئندہ کام کرنے کے لیے اپنے اندر مزید حوصلے پیدا کیے اور دوسروں کے حوصلے بھی بڑھائے، رب قدیر سب کو جزائے فراوان سے نوازے۔ اس دینی و علمی کام کو فراموش و استحکام بخشنے اور ملت اسلامیہ کے مقدر کا ستارہ ہمیشہ بلند و تابناک رکھے۔

وله الحمد والمنة، وهو المستعان وعليه التكلان والصلاة والسلام على خير خلقه خاتم النبيين و على آله وصحبه و علماء ملتہ و فقہاء دینہ اجمعین۔

☆☆☆☆☆

## باب ہشتم

مکتوبات

## مكتوبات

إلى فضيلة الشيخ الدكتور عمر عبدالمعامل حفظه الله تعالى تحية و سلاماً  
سمعنا عن اختلال صحتكم وإصابتكم بالتعب الشديد والبرد الوجيع في سفركم،  
ساءنا هذا الخبر المفاجئ وأحزننا، ونرجو من فضل الله سبحانه أن يلبسكم ثوب الصحة و  
العافية، ووقاكم كل مرض و ألم، ونفع بكم الأمة المسلمة وخاصة أهل الدين والعلم.  
و مما يبعث القلوب على الأسف والحزن ارتفاع سفركم إلى مبارك فور ولكن  
صحتكم و راحتكم أحب إلينا. وليس بعيد أن يرزقنا الله زيارتكم بتمامة سعيدة، و  
يشرف رحاب الجامعة الأشرفية وأهلها بأفئدتكم المباركة في قريب الزمان مع توفير  
الراحة والعافية وتكثير المحبة والوداد، وتيسير الآلات والأسباب، ودفع كل مانع و  
حاجز، وهو ولي كل سعادة وخير، ومشيته تقهر كل رادع و عائق. وتدفع كل ألم وضير.  
و نتجاسر ثانياً - إن لم تكرهوا - أن ندعوكم إلى جامعتنا في أونة ملائمة، و  
ظروف مناسبة، و فصل رائق حسب اختياركم مثلاً في شهر مارس أو أكتوبر أو غيرهما  
مما يترجح عندكم سوى شهور شعبان و رمضان و شوال.

و لا غرو إن رجونا ثانياً قبولكم وإخاركم بالقدوم الميمود ولو بعد حين،  
دون الكرام لا يرجي منهم إلا الكرم والإحسان. والله ولي كل توفيق وإتمام.

والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته.

محمد أحمد المصباحي

عميد الجامعة الأشرفية مبارك فور

١٠ صفر ١٤٣٢ هـ

١٥ بنابر ٢٠١١ م

☆☆☆

إلى مدير دار الكتب العلمية..... بيروت لبنان

حامداً و مصلياً

بسم الله الرحمن الرحيم

وبعد! فقد نشر مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور، الهند "شرح نزعة  
عمر" للعلامة وجيه الدين العلوي الكنجراتي بتحقيق الأستاذ نيس أحمد  
نصباحي، و "التعليق المجلي على مية المصلي" للعلامة وصي أحمد المحدث



السورتي الهندي، وحتا للنشر العام يريد المجلس إعادة طبع "شرح نزهة النظر" ويريد إصدار "التعليق المجلي" على نهج جديد كما هو رائج في الأقطار العربية الآن، ومق أذن لدار الكتب العلمية، بيروت، لبنان بنشرهما كما يريد المجلس بالتزام الأمانة العلمية وجودة الترتيب والكتابة والنشر. والله ولي التوفيق.

محمد أحمد المصباحي

مدير مجلس البركات

الجامعة الأشرفية، مبارك فور

مديرية أعظم جراه، الولاية الشمالية، الهند

٢٠١٠/٢/٧ هـ / ١٤٣١/٢/٢٢ م

☆☆☆

إلى مدير دار الكتب العلمية..... السلام عليكم ورحمة الله وبركاته  
استلمت رسالتكم بالبريد البرقي، سرنا صدور الكتابين: التوضيح وحتون  
الفن. فشكرا لكم ولساعيتكم في سبيل إصدارهما. يسهل لنا استلام النسخ بالبريد  
على العنوان التالي:

محمد أحمد المصباحي

مدير مجلس البركات، الجامعة الأشرفية

☆☆☆

إلى حضرة الأستاذ، الدكتور/ سعد محمود محمد شمه  
المستشار الثقافي ومدير المكتب الثقافي بـ نيو دلهي تحية عطرة وبعد..  
فقد استلمت اليوم ١٤٢/١/٢٠١٣ خطابكم المرسى في ١٤٢/١/٢٠١٣ م  
بخصوص احتياج قارئ من القاهرة لشهر رمضان المبارك.  
أسف أن إدارة الجامعة لبعض الموانع لا ترغب إلى طلب قارئ بصفة مذكورة.

والسلام مع الإكرام

(محمد أحمد المصباحي)

مدير الجامعة الأشرفية

مبارك فور - أعظم جره - يوم

سعادة السيد الدكتور/ سفير جمهورية مصر العربية بدهلي الجديدة، الهند

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته وبعد  
فقد تشرفت باستلام رسالتكم في ..... فحريل شكر لكم على هذه  
العناية بالجامعة الأشرفية مع رجاء المزيد من مساعدتكم.

وتلبية لندائكم أرسل إلى سيادتكم .....  
الإرسال إلى الأزهر الشريف بعد الإجراءات اللازمة، ثم المساعدة بإعطاء جوار  
السفر إلى جمهورية مصر العربية العزيزة، وغير ذلك مما يتيسر لكم من المعاونة في  
طريق الالتحاق بالأزهر الشريف. والله لا يضيع أجر المحسنين.

مع خالص التحية والتقدير

والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته

مدير الجامعة الأشرفية

مبارك فور، أعظم جراه أنزيراديش، الهند

☆☆☆

باسم تعالي

فضيلة الشيخ الكريم حفظه الله..... السلام عليكم ورحمة الله وبركاته  
من المعلوم أن الهند بلاد غير إسلامية. والمسلمون الصالحاء وان يرغبوا في العمل

بالشرائع الإسلامية لكن العلماء وقضاة المسلمين يواجهون ظروفا متعقدة ومساائل  
صعبة من قبل بعض المسلمين الذين لا يكتفون كثير أحكام الشرع القويم. وعددهم  
بالمجلس بقليل. فمن تلك المسائل الصعبة مشكلة ثبوت الهلال وفق المبادئ  
لشرعية.. ومسئلة هلال العيد بصفة خاصة.. فان العامة إذ يسمعون من راديو أن بالبلد  
ثلاثي عيداً، وقاضى ذلك البلد حكم بالعيد وأعلن، فيطالبون من علماء مدائهم أن يحكموا  
بالعيد لثبوت الهلال طبق بيان المذيع ثم يصرون على مطالبتهم. وبعض الناس  
لا ينظرون حكم العلماء والقضاة بل يفتطرون في مثل ذلك اليوم علانية.  
أما ثبوت الهلال بالطرق الشرعية فصعب جدا. والعمل بإعلان مذيع غير مسلم

لجميع أنحاء البلاد. وبصفة خاصة في نواح هي خارجة من حدود سلطة القاضي الذي  
نعم حكمه. أصعب منه ومتعدد كثيرا عند علماء الشرع. وكذا استخدام المجهر (آلة  
مكبرة الصوت) في خلال الصلوة وانتقال المصلين إلى الأركان بسماع صوته متعقد منذ

رسم مدید و علماء الأحاف أكثرهم أو بعضهم يرون أن صوت المجهار ليس عن صوت المتكلم بل صوت آخر حدث بالقرع الحديد، فالانتقال عليه يكون تلقافاً من الخارج، وهذا يقصد الصلاة. لكن العامة يرجعون إلى المجهار فيطالبون العلماء أن يفتوا بجواز استخدامها في الصلوة. وليست سلطة شرعية وقوة اسلامية فاهرة تردعهم عن زعمهم في أحكام الدين فينفذون ارائهم في مساجد يجدون فيها مساعداً لنفوذهم.

نظراً إلى هذه القضايا المشككة عقد مجلس استشاري لكبار علماء أهل السنن في الجامعة الاشرفية بمباركفور (الولاية الشمالية) في ۳/ من ذي القعدة عام ۱۴۰۵ هـ المصادف ۲۲/ يوليو ۱۹۸۵ م، تحت رئاسة العلامة احقر رضا خان الازهرى، القائم مقام المفتي الأعظم فضيلة الشيخ الكبير العلامة مصطفى رضا خان القادري البرلوي قدس سره وأشدات في الاجتماع المذكور لجنة شرعية تشتمل على ۲۹ مفتياً من الهند. وفوضت مسئولة الاستفتاء و الارتباط بالعلماء والمفتين في الهد و خارجها إلى العلامة ارشد القادري مؤسس "ادارة شرعية بولاية بهار" وعميد جامعة فيض العلوم بجمشيد فور (بهار) وإلى كاتب هذه السطور محمد أحمد المصباحي رئيس المعلمين بالمدرسة العربية فيض العلوم بمحمد آباد. وتقرر ايضاً أن تعقد الجلسة الاولى لهذه اللجنة ببلدة وارانسي في ۱۵/ صفر ۱۴۰۶ هـ الموافق ۳۰/ اكتوبر ۱۹۸۵ م، ويؤوضح حالاً مجمعا عليه بعد تقديم جميع الفتاوى إلى المجلس.

وفق قرار المجلس أرسل إلى سماحتكم الاستفتاء لبحثوا عن مسائله وتعبوا عن أحكامها. ونرجو أن ترسلوا فتواكم المحتوية على الدلائل القوية والايضاح التام في طرف شهرين. إلى ۳۰/ ستمبر ۱۹۸۵ م.. ليسهل لنا ارسالها وتقديمها إلى جميع أعضاء اللجنة وفي الاجتماع المقرر ۳۰/ اكتوبر ۱۹۸۵ م. ولا سمح الله ابداً أن نحرّموا من اجابتكم المباركة. والسلام

[محمد أحمد الأعظمي المصباحي، عضو اللجنة الشرعية والقائم بأمور الرابطة، المحرر في ۱۲/ ۱۱/ ۱۴۰۵ هـ الموافق ۰۳/ ۰۷/ ۱۹۸۵ م]

☆☆☆

فضيلة الشيخ الخليل..... حفظه الله تعالى  
السلام عليكم ورحمة الله وبركاته  
قدوحها إلى سماحتكم مسائل عن اعلان ثبوت الهلال بالمذياع في مثل بلادنا  
وعن استخدام المجهار في خلال الصلوة وأداء الأركان بسماع صوته.

نرجو من برکات علومکم الكشف عن وجوه المسائل والايضاح عن المعضلات في الوقت المحدود.. آخر ستمبر ۱۹۸۵ م.. ولابعد عن سماحتكم أن ترسلوا سامي جوابكم قبله. وان لم يمكن إلى ۳۰/ ستمبر فبمصلکم أفيدوا عن مروضکم و واضح فتواکم ولو بعده بعدة ايام  
اللجنة الشرعية ستعقد جلستها في ۳۰/ اكتوبر ۱۹۸۵ م ببلدة وارانسي. وقبل

ذلك علينا أن نستجمع الفتاوى، ونقدمها إلى أعضاء اللجنة في الجلسة، ونلخصها ان كان التلخيص لازماً. فنظراً إلى هذه الظروف نكرموا علينا بجوابكم في أقرب حين، ليتمكن لنا ويسهل علينا ما بعد ذلك من الأمور. وليس الكرم صعباً على الكرام. والسلام عليكم

[محمد احمد الأعظمي المصباحي، عضو اللجنة الشرعية والقائم بأمور الرابطة] ۲۱/ ذي الحجة، ۱۴۰۵ هـ / مطابق ۹/ ستمبر ۱۹۸۵ م]

☆☆☆

کتوب (۱) بنام مولانا محمد اکرم شرف قادری، لاہور

حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی کا الٹا نامہ موصول ہوئے کئی ماہ گزرے، جواب دینا بہت ضروری تھا۔ اس درمیان آپ اور مولانا محمد رشاد صاحب کے خطوط بھی موصول ہوئے مگر میں اپنی بے توفیقی کی کیا توجیہ کروں، خود کچھ بھیج نہیں آتا۔ یہ چند ماہ جب پریشان خاطر ہی میں گزرے، کوئی کام سا کار بھی نظر نہیں آتا جسے دکھا کر کچھ غدر کر سکیں۔ میں میرے حق میں دفاع خیر کر رہا۔

۵ جمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۹۹۰ء شب و شب کو والد صاحب کی رحلت کی خبر کس نظر سے نوبی ہوگی۔ ان کے اٹھ جانے سے میں اور زیادہ بے سہارا ہو گیا ہوں۔ عمر تو زیادہ تھی مگر اپنے کام خود کر لیتے تھے، کزہ دی دھنی کی وجہ سے لئے تو رہتے تھے مگر وقت ضرورت گھر میں چل پھر لیتے تھے۔ چند ماہ پہلے باہر لڑتے جاتے تھے۔ وہ ۵ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ شیخ شنبہ کو حضرت شیخ الحدیث سید شاہ علی حسین اثری مدیہ الرحمہ کے بیچ و مرشد اور برادر اکبر سید شاہ اشرف حسین صاحب علیہ الرحمہ سے بیعت ہوئے تھے۔ موصوف ہائے تربی موضوع ولید پور (شمل بھیرہ) میں مولانا محمد کمال صاحب نعمانی علیہ الرحمہ کے عرس میں شرکت کے لیے ان کے خلیفہ حضرت صوفی محمد جان علیہ الرحمہ کی دعوت پر کچھ محمد شریف سے پا اور مقامات سے ملے ہوئے تشریف لائے تھے۔

والد صاحب رحمہ اور از تک تجرات کے شہر سورت میں بھی رہ چکے تھے، وہی حضرت شہر شاکل سنت مولانا شہرست علی صاحب علیہ الرحمہ تقریروں اور مجلسوں سے بہت مستفید ہوئے۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے یہاں گھوسی بھی آمد و رفت رکھتے تھے۔ دیگر علم خصوصاً حفاظتِ ملت علیہ الرحمہ سے قریبی تعلقات تھے۔

ہم لوگوں کے بے دینی اور دنیوی طور پر بہت کچھ کر گئے، گاؤں کی منیت کو مضبوط و محکم کرنے میں بھی ان کا نمایاں کردار ہے ورنہ وہایت کی ہوا تو ہمارے علاقے کو بری طرح مسموم کر گئی تھی۔ رب قدر انہیں جنت اخرویہ سے نوازے اور غفور و غفران، رحمت و رحمان کا معاملہ فرمائے۔ دعاؤں سے نوازیں۔ متعلقہ دین دار، پابند شریع، متحرک و متحرک شخص تھے، ہمارا دینی ولی مزاج ان کا اور والدہ مرحومہ کا حق علیہ ہے، تعمدہما اللہ تعالیٰ بغفرانہ و فضلہ و انعامہ۔

(فتاویٰ رضویہ باب التیمم کی عربی عبارات کے ترجمہ کے کام میں بھی غیر معمولی تھقل واقع ہوا، جو غلام امتحان شش ماہی کی مصروفیات کے دنوں سے شروع ہوا تھا اور تاحال جاری ہے۔ کبھی کبھی صفحہ دو صفحہ لکھ گیا ہوں۔ اصل سے ص ۵۰ تک ترجمہ ہو گیا ہے جو غنیمتی بحران وغیرہ کتابوں کے پیکٹ میں جاتا تھا مگر دفتر کی کچھ غفلت اور میری کچھ سستی کی وجہ سے رکھ رہا، اب جلد ہی کسی وقت ارسال ہوگا۔ تقریباً دو سو صفحات باقی ہیں، مولیٰ تعالیٰ آپ حضرات کی عظیم و قبیح فرمائش میرے قلم سے باحسن وجہ پوری کرانے اور جلد تر، تاکہ دوسرے موقوف کاموں کی بھی تکمیل ہو جائے۔ اس درمیان آپ حضرات کے متفقہ و علمی تحائف بھی نظر نواز ہوئے جن کا شکریہ بھی ادا نہ کر سکا اور کوئی تبصرہ بھی رقم نہ ہوا۔ ان دینی خدمات کو قبول عام و تمام عطا فرمانے والا رب جمیل ہے۔ ہم کم سوادوں کے ذکر و شکر کی کیا وقعت؟ رب جمیل اپنے انعامات خاصہ سے شاد کام فرمائے اور دین متین کو آپ حضرات کی خدمات سے سربلندی و استحکام بخشے، و جعل لنا نصیباً منا بفضلہ و کرمہ۔

مولانا نعیمی صاحب کے نام آپ کا حالیہ خط دو تین دن پہلے نظر نواز ہوا جس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے غیروں کے استنادی حوالوں اور ان کے لیے کلمات جمیل و تعظیم پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور آپ نے انہیں جواب دیا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ متعصب و معاند گروپ جس سے ہمارا سابقہ ہے بالتحفہ ہمارے اکابر کو نظر انداز کرتا ہے اور کسی جہت سے بھی ان کا نام لینا گوارا نہیں کرتا۔ ایک سال پہلے دہلی میں ایک فقہی سیمینار ہوا تھا جس کے خطبہ صدارت میں علامہ ہند کی فقہی خدمات کا حق میں نے ذکر کیا تو صرف مولوی اشرف علی تھانوی اور مولانا عبدالحی فرنگی علی کا ذکر کیا۔ خطبہ نظامت میں صرف رشید احمد گنگوہی اور اشرف علی تھانوی کا ذکر تھا۔ اس صریح تعصب پر

جماعت اسلامی کے ایک نہ خدہ سے بھی ضبط کا یا ماند رہا اور اس نے کل کر کہا کہ مولانا احمد رضا خاں کی فقہی خدمات کا پلہ ان کے سارے معاصرین پر بھاری ہے مگر ان کو صرف مسلمی عصیت کی بنا پر نظر انداز کیا گیا ہے جو تاریخی و دینی ہے۔ اور یہ کوئی ایک مثال نہیں، بہت خود سے ان کی ساری تحریریں دیکھ کر کھٹکال، ہاے، ہارے کسی بزرگ کا کیا ذکر کریں گے کسی مشہور آفاق قدم بزرگ کا بھی ذکر نہیں کرتے۔ بعض اوقات تو محسوس ہوتا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نام سے بھی پہلو بچی کرتے ہیں اور شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے خاندان ہی کو سب کچھ شہر کر کے ختم کر دیتے ہیں۔ ان حالات میں خود ہمارے فریضہ ہے کہ اپنے اکابر کی خدمات کو اس قدر عیاں کر دیں کہ ہر آنکھ والے کو خود بخود یہ نظر آنے لگے۔

بفضلہ تعالیٰ امام احمد رضا قدس سرہ کی علمی خدمات کم سواد معاندوں کے اعتراف و اقرار کی محتاج نہیں۔ اہل نظر کے سامنے حضرت الامام کے قلم سے نکل ہوئی کوئی ایک تحقیق و تحریر رکھ دی جائے تو اس سے وہ اعتراف کمال پر مجبور ہو جائے گا۔ اور عالم اسلام اور علمی دنیا کا بڑا طبقہ علمی میدان میں اعتراف و تائید کا حامی بھی بنے گا۔

عمرہ دراز کے بعد ہم کام ہوا اور بڑی لمبی بات کر گیا، کس بار خاطر نہ ہو، بہر حال معاف کریں۔ خدا نے چاہا تو اب ایسا طویل وقت نہ ہوگا، حضرت مفتی صاحب مدظلہ، مولانا تاجش صاحب اور دیگر قریبی احباب و عوام کی خدمات میں ہر یہ تسلیم پیش ہے۔

محمد احمد مصباحی

[بھیرہ ولی پور، ۱۵ جنوری ۱۳۱۱ھ، شب جمعہ]

☆☆☆

کتوب (۲) محترمی مولانا عبدالحق شرف قادری۔ دام ظلم۔ سلام مسنون ... مزاج گرامی؟

کرم نامہ موصول ہوا، حضرت مفتی شریف الحق صاحب قبلہ کی خدمت میں پیش کر دیا، انہیں بھی خبر نہ تھی کہ مولانا عبدالحق صاحب اور مولانا کلیسی نے کیا لکھا ہے؟ ترجمہ القاری کا پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا ہے، دوسرے کی پہلی ہے، بعد سلام مفتی صاحب نے کہا ہے کہ آنکھ اشاعت کے بعد جلد ہی ننگو ہوگی یعنی کتابیں منتخب کر کے منبک کی جائیں گی، تعاون کی واقعی ضرورت ہے۔ "پائل، قرآن اور سائنس" کے لیے ناشر کو خط لکھ رہا ہوں، آنے کے بعد اس سال خدمت کروں گا، "استقامت" مولانا تاجش قصوری، ممتاز احمد قادری اور سیدہ حلیف صاحبان کے لیے بدیعہ جلا محض بھیجتا ہوں، تساہلی میں ابھر کرنا بار ان کے نام بدیعہ ارسال نہ کرے گا جس کی وجہ سے ٹریڈی مارنہ آنکھ خیال رکھوں گا۔ غالباً اوائل ستمبر میں اندر رسالت الاسلامیہ کی کاپی اور مضمون کی کئی کاپیاں موصول ہوئی تھیں اور تاجش صاحب کے نام اطلاعی عربیہ بھی لکھ دیا تھا۔ ساتھ ہی شرح نجوم میر بھی نظر نواز ہوئی تھی جو اپنے

اختصار، جامعیت، حسن تفہیم، حریمات قواعد، صمیمیت، تحریفات، مصطلحات نحویہ وغیرہ فوائد کثیرہ کے باعث سادہ تمام شروح میں نمایاں حیثیت کی حامل ہے۔ اور طباعت و کتابت کا حسن ان سب پر مستزاد ہے۔ فوج اکرم اللہ عاویس سائبر الطلیبہ حیدر الجزائر و وفقا و اداکم لما یحب و یرضی۔

الدراسات الاسلامیہ میں جو مضمون شائع ہوا ہے اس میں بھول چکا تھا، نعمانی صاحب کے نام مولانا صاحب خط آیا تو میں نے سمجھا شاید مولوی عرف اللہ کا مضمون ہو لیکن دیکھنے اور پڑھنے کے بعد یاد آیا۔ بہت مناسب رہا۔ میں آپ حضرات نے اشاعت کرائی جس پر شکر گزار اور ممنون ہوں۔

آپ کی طرف سے البریلوی ٹی جی، یہاں کے علماء بھی اس کے باعث کافی اضطراب ہے، علامہ حنیف احمد نظامی نے شعبان میں اس سلسلے میں ایک مجلس علماء آباد میں بلائی تھی جس میں کچھ تجاویز طے ہوئیں۔ شوالیہ ملاقات میں مجھ سے کہہ رہے تھے اس کا جواب ضرور لکھوں گا، اردو میں لکھ کر ایک عزیز سے ترجمہ کرانے سے اور ترجمہ سے پہلے اور بعد مختلف اہل نظر کو دکھائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ اس کے تمام مندرجات کو سامنے رکھ کر اثباتی طرز پر ایک کتاب لکھی جائے جس میں مسلک اہل سنت کا احقاق اور خجرت وغیرہ مقلدیت کا ابطال ہو، ساتھ ہی امام احمد رضا قدس سرہ کی عظمت و عبقریت پر ان کے معاصر علمائے تجار کی آرا پیش کر دی جائیں اور ان کے صحیح حالات بھی بیان ہوں۔ دیباچہ میں ظاہر کیا جائے کہ یہ کتاب البریلوی کے رد کے طور پر ہے۔ اور البریلوی چند کھلی ہوئی غلطیوں کی نشان دہی بھی کر دی جائے۔ جو ابی کتاب کا نام ”فتح احمد رضا البریلوی و اہل الذیہ“ یا ”البریلویہ: عقائد و حقائق“ ہی رکھ دیا جائے یا اور کوئی نمایاں نام، جس سے سابقہ کتاب کی طرف بھی ذہن متوجہ نہ ہو سکے، ”البریلویہ: هدف الظالمین الکاذبین“۔ آپ نے یہ نہ بتایا کہ وہاں اس سلسلے میں کیا ہو رہا ہے؟ دہلی میں ایک رسالہ ”العدنی“ نکلتا ہے اس کے ہفتہ وار ایڈیشن میں وہاں کے خطیب کا خطبہ جمعہ اور ایک مضمون شائع ہوتا ہے ”البریلویہ“۔ بی کی روشنی میں نجدی انبیال امام نے لکھا تھا، اس کا رد مولانا اختر رضا خاں اہری نے ”العدنی“ اور مختلف حکام دینی کو بھیجی ہے۔ وہ مضمون سنی دنیا، بریلی میں ترجمہ کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

اس کتاب اور دہلی کے مضمون سے خود میں بہت غم و اہم میں مبتلا ہوا، ہوتا تو یہ چاہیے کہ سب کام چھوڑ کر اس کے طرز پر ایک موثر، دل نشیں اور خوش جواب جلد سے جلد تیار کر کے شائع کیا جائے اور دوسرے تعدادی رسائل و کتب کی بھی تیز تر اشاعت ہو۔ لیکن حرام نصیبی ہے کہ دوسرے کام چھوڑنے میں بلکہ بڑھتے جا رہے ہیں۔ یہ بھی ایک مسئلہ ہے کہ ہمارا تیار کیا جواب سعودیہ میں داخل کیسے ہو سکے گا؟ مگر اس باعث جواب ترک کرنے کی ضرورت نہیں، دوسرے عرب ممالک میں کو پہنچنے کے گا جہاں جہاں ہمیں بدنام کیا گیا ہے۔ واللہ الموفق لکل خیر

[محمد احمد مصباحی، محمد آباد گوہنہ ضلع منو]

مکتوب (۲) محترم علامہ شرف قادری صاحب مدظلہ... سلام مستنون... مزاج گرامی؟

عید مبارک۔ کرم نامہ نظر نواز ہوا۔ اس سے پہلے دو عربیئے ارسال خدمت کر چکا ہوں۔ پہلا اور فخری بیکت موصول ہو کر مسرت بخش ہوا، حیاتِ علم و رضا والا بیکت بھی بخود نہیں ملا۔ البتہ دوام العیش اور تکرر الحمد کسی اور بیکت میں تھیں، وہ دستیاب ہیں۔ عصری ایجادات، حیاتِ علم و رضا، بہر شریعت حصہ ۸ کی دستیابی ہوئی۔ بہتر یہ ہے کہ کتابیں محمد آبادی کے پتہ پر ارسال کریں، ان شاء تعالیٰ آسانی اور سہولت ہوگی۔ جامعہ اشرفیہ کی نئی عمارت مبارک پور ضلع میں شہر نہیں ہوئی اس لیے خود آکر وصول کرنا ہوتا ہے مگر اطلاع دینے پر پہنچنے میں کئی دن لگ جاتے ہیں۔ میں اشرفیہ کی کتابیں یہاں محمد آباد سے، حفاظت بھیج دیا کروں گا۔ بلکہ خود اپنے نام کی بھی تمام کتابیں ملاحظہ کے لیے بھیج دیتا ہوں۔ احباب کا بھی آد رہتا ہے، اس لیے بعض اوقات بھیجے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔ مرآۃ المتانیف آپ کا عظیم کارنامہ ہے۔ مقدمہ بھی بہت جاندار اور ضرورت کے بالکل مطابق ہے۔ انتہیق المجلی کی اشاعت و مرافقہ کارنامہ ہے۔ علامہ عبدالعصطی اعظمی صاحب کی کتاب مرآۃ المتانیف خود ان کے گھر جاکر پیش خدمت کر دی، البتہ خط لکھا قبول کیا، ورنہ اس رسالے میں شامل ارسال کرتا۔ فاج کرکس ہے جس کا علاج کر رہے ہیں۔ ویسے تو بہت زیادہ معذوری ہوئی تھی مگر اب اتفاق ہو رہا ہے۔ امید ہے کہ جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔ علان خود اپنے گھر محلہ کریم الدین پور گھوٹی میں بی دو کر سکتے ہیں۔

التعلیق المجلی بھی جلد ہی مبارک پور بھیج رہا ہوں، وہ بیکت ڈاک خانے سے چہ چل کر محمد آبادی نے پہنچہ پر آیا ہے۔

سید صاحب کا کرم نامہ بھی آج ہی نظر نواز ہوا۔ میں حسب وعدہ ان کے حکم کی تعمیل کی کوشش کر رہا ہوں۔ مجرم مولانا نظامی ریاستن صاحب راز انجمنی ان دنوں گھرائے ہیں۔ بیٹے کو بھیج رہا ہے محمد آباد کے کاغذ فرمایا ہے۔ انھوں نے لاہور اتارنے کا خیال بتایا تو ممکن ہے ان کے ذریعہ ترستے کا کچھ حصہ تہنیت کر کے ارسال کروں۔ مع اہل و عیال تمام ہاتھ اتارنے پر دشواری ہو سکتی ہے، مگر شاید فاتحہ پڑھنے کی غرض سے ایک دن قیام کریں۔

[محمد احمد مصباحی، ۱۲ مارچ النور ۱۴۱۱ھ]

☆☆☆

مکتوب (۳) مولانا عبدالحکیم شرف قادری، ماہور۔ تحیہ مستنون... مزاج گرامی؟

ڈاک سے ارسال کردہ کتابیں، خطوط سب دستیاب ہیں، دوسری خط اور کتابیں بھی نظر نواز ہوئیں۔ تحقیق انتہوی باطل و ختم ہے، پہلے بھی ایک بار آپ کی فرمائش اس کے لیے آئی تھی غالباً نہ بھیج سکا، محدث اعظم کا زہر قفران

حاصل کر کے ڈاک سے بھیج سکوں گا۔ تاہم تحریر ہم لوگ بھی زبردست سے محروم ہیں۔ باقی ہندوستان کی اہمیت بہت زیادہ بدل چکی ہے، دنیا مقدمہ تو زیادہ جاندار نہیں، نئے افسانے قابل قدر ہیں۔ کئی بار اس کے مصارف طبع کا انتظام عمل ہوا اور ادارہ کی کسی بنگالی حاجت میں منتقل ہو گیا۔ دفاتر میں اب اس میں تاخیر نہ ہو۔ ڈاکٹر قمر انسا کا مقالہ دیکھا کہ اس قدر، لائق ستائش اور باعث تحریک ہے۔ پھر عربی زبان کے سبب اس کی انگریزیت مسلم ہے۔ مکتبہ قادریہ کی اہمیت پر صدمہ مبارک باد۔ مولانا تابش قصوری کی خدمت میں بعد تسلیم عرض ہے کہ ”اعمال رضائی عام اجازت حضور مفتی اعظم قدس سرہ کی طرف سے جہد اہل سنت کے لیے ہے اور قانونی اجازت کی آپ کو ضرورت نہیں۔ بلاوجہ جکی پڑی میں کیوں پڑیں۔ تاہم میں قاضی عبدالرحیم صاحب کو لکھ رہا ہوں اگر انھوں نے جواب دے دیا تو ارسال خدمت کر دیں گا۔ آٹھ سال محمد آباد میں استقلال کے ساتھ گزارتے ہوئے شرفیہ کی ضرورت و دعوت پر اچانک مبارکپور آنا پڑا۔ لیکن معمولات کو معمول پر لانے میں سات مہینے ہو رہے ہیں کامیاب نہ ہو سکا۔ خط و کتابت سے بہت دور جا رہا ہوں۔ لیکن امید ہے کہ آپ کی تنبیہ اثر دکھائے گی۔

بقیہ کتب حاصل ہونے کے بعد ڈاک سے ارسال ہوں گی، بروقت مولوی محمد ہارون افریقی کے ذریعہ دینا ذیل کتب بھیج رہا ہوں:

فتاویٰ رضویہ اول، مقام المدینہ، مقدمہ فیصلہ مقدمہ، اسلامی اخلاق و آداب۔ دعاوی میں یاد رکھیں تو کرم ہمارے کرم ہو۔ عنایت احباب و بزرگان کی سخت ضرورت ہے۔ مناسب سمجھیں تو حضرت حکیم نل سنت، پروفیسر جمال الدین صاحب، مولانا تابش صاحب اور پروفیسر مسعود احمد صاحب کو مقام المدینہ ایک ایک دے دیں۔ آپ کے پتہ پر ڈاک سے مزید جلی جائے گی۔ مکتبہ رضائی بھیجی ہوئی لیکن تحریم شدہ حصول ڈاک باضابطہ مظلوم نہ ہونے کے باعث توقیف ہوئی تھی۔ غالباً گزشتہ جمعہ کو ڈاک ریٹ دفتر میں آ گیا ہے۔ اب کچھ تیزی آئے گی۔ والسلام مع الاکرام

[محمد احمد مصعبی غفرلہ، جامعہ اشرفیہ مبارکپور، عظیم گڑھ، یو پی، ۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ]

☆☆☆

مکتوب (۵) مولانا عبدالحکیم شرف قادری، لاہور..... رحیمہ مستونہ..... مزاج گرائی؟

تعمیل کلاں کے بعد مبارک پور حاضر ہوا تو کرم نامہ [۱۲ اپریل ۱۹۸۶ء اور ۲ جون ۱۹۸۷ء] ایک ساتھ وصول ہوئے، یہ معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ آپ کو فتاویٰ رضویہ اول، کلاں رام پور، اور نئی کتاب کے دو کیٹ وصول ہوئے۔ ”بانی درس نظامی“ از مفتی محمد رضا فرنگی مکی لکھنؤ سے ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی تھی، نئی اشاعت کا مجھے علم نہیں، کہیں سے حاصل کر کے بھیجے گی فکر میں ہوں، فتاویٰ رضویہ ہفتم اور باقی ہندوستان اس سے قبل ارسال

کرنے کی کوشش میں ہوں۔ باقی ہندوستان کی اشاعت پر بہت افزائی کا حق آپ نے ادا کر دیا ہے، جو کام سے بہت زیادہ ہے۔ مجلس رضائے حکیم [محمد موسیٰ امرتسری] اصحاب کی بے تعلقی جیسے کسی بھی ادارہ نوٹنے کی خبر سخت اذہدہ ناک ہے، انھوں نے فضل فرمائے۔

فتاویٰ رضویہ اول کی تقریب کا کام سات آٹھ سال پہلے میں نے شروع کیا تھا جو چند صفحات سے آگے نہ بڑھا، خیال تھا کہ اصل کتاب کو باقی رکھا جائے اور اردو عبارتوں کی مقدار میں ہی عربی ترجمے کی کتابت کر کر چکا دیا جائے اور امتیاز کے لیے اس پر [یہ نشان] دونوں طرف ہو، اس طرح تصحیح کی زحمت سے نجات ہو جائے گی مگر عربی کتاب کی شکایات اور طاعت کا معاملہ ہمارے لیے بہت سنگین ہے اس لیے قلم رکا تو پھر آگے نہ بڑھ سکا۔ اب آپ کے خط سے یہ معلوم کر کے بے حد خوش ہوئی کہ مفتی [عبدالقیوم ہزاروی] اصحاب نے دو قاضیوں کو اس پر لگا دیا ہے اور کام ایک مقدار میں ہو چکا ہے۔ ”اندھیرے سے اجالے تک“ کا ترجمہ موسیٰ محمد اسحاق صاحب رام پوری نے عمل کر کے شعبان سے قبل میرے پاس بھیج دیا، رمضان کے شروع میں نظر ثانی کے لیے میں نے انھیں آج چند خامیاں نظر آئیں:

(۱) وہ انھوں نے کسی دوسرے سے میمنہ کرایا ہے (چوں کہ خود کا خط ذرا اچھا نہیں) اور میمنہ ہر اچھی طرح نظر ثانی نہ کی، اس لیے کافی غلطیاں نقل کی پیدا ہو گئیں۔

(۲) اس نقل میں جیرا گراف کی تبدیلی پر بھی دھیان نہیں دیا گیا ہے جب کہ اردو کتاب میں اس کا خاص اہتمام ہے۔

میں نے فوراً انھیں خط لکھا کہ آپ اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا مسودہ بھیجیں تاکہ میں نقل کی اصلاح سے بچ جاؤں، اسوس کہ وہ خط انھیں نہ ملا اور اب شوال میں خرابی۔ بہر حال میرا خیال یہ ہے کہ مسودہ مل جانے کے بعد میمنہ، مسودہ دونوں آپ کے پاس بھیج دوں آپ خود اصلاح و تصحیح کر کے اگر چاہیں تو کتاب کے حوالے کر دیں۔

”حاشیہ سیالکوٹی“ والا بیکٹ مل گیا، اس سے قبل مبارکپور کے پتہ پر بھی ایک بیکٹ مل تھا، تابش صاحب نے مجاہد ملت نمبر طلب کیا ہے، تاہم اشرفیہ کا مجاہد ملت نمبر پانڈا سے حسب نکتہ کا مجاہد ملت نمبر؟ اول الذکر ختم ہو گیا ہے، آخر الذکر ملنے کی امید ہے۔ حضرت مفتی شریف الحق صاحب قریب انصہیں، مبارکپور شریف لکھتے ہیں لیکن ابھی کھڑے نہیں ہو پاتے۔ چیتھے، لینے کے سوا چارہ نہیں۔ سلام سے یاد فرماتے ہیں۔ ڈاکٹر قمر انسا حکیم کی کتاب پر تبصرہ کے لیے نعمانی صاحب سے گزارش کر دی ہے۔ مولانا نور بخش تو کلی نے جو شرح برہہ لکھی ہے دو مجھے زیادہ پسند آئی۔ قدیم شروع و حواشی سے استفادہ کے علاوہ انھوں نے خاص محنت یہ کی ہے کہ معجزات و فضائل کی



وافر احادیث خاصہ کبریٰ وغیرہ سے ہر شعر کے تحت جمع کردی ہیں۔ یہ فراوانی حقدم شروح میں نہیں۔ مل لغت، نحو و صرف اور بیان مطالب بھی مناسب انداز میں موجود ہے۔ کیا دوبارہ اس کی اشاعت نہ ہوئی؟ میں نے جو نسخہ دیکھ غائب وہ ۳۸ھ یا اس سے قبل کا ہے۔ پھر اس کی اشاعت ہو تو بہتر ہوگا۔ دیاپہ صرف کے آخر میں لکھا ہے کہ اس کے بعد تکمیل الصرف پڑھائی جائے یہ کتاب میری نظر سے نہ گزری۔ دستیاب ہو تو کس پندرہ عدد ارسال فرمادیں کریم ہوگا۔ کچھ اور کتابوں کی ضرورت ہے ان کے نام آئندہ لکھوں گا۔ محترم تائش صاحب اور دیگر احباب کی خدمات میں ہدیہ تسلیم پیش ہے۔

[محمد احمد مصباحی غفرلہ، مبارک پور، ۲۱ جون ۱۹۸۷ء]

☆☆☆

کتوب (۶) مولانا عبدالحکیم شرف قادری، لاہور..... حقیہ مسنونہ..... مزاج گرامی؟

”من عقائد اہل السنۃ“ کی زیارت سے آنکھیں پر نور اور دل سرور ہوئے۔ رب کریم اس فرض کی امانت پر آپ کو اپنی بیکر اں نعمتوں سے نوازے۔ زبان، حسن بیان، اختصار و وضوح، طرز استدلال، انداز رد و جواب سب قابل ستائش ہے۔ اس کتاب کی تحریر و اشاعت پر آپ کو اور آپ کے ادارہ کو مبارکباد پیش ہے۔ راقم نے ”مراۃ النعیدۃ“ [از: مفتی محمد اختر رضا زہری] پر لکھے ہوئے اپنے مقدمہ کی نقل ارسال خدمت کی تھی۔ قدرے تعزیم کے ساتھ وہ بھی شامل اشاعت ہو جاتی تو کار آمد ہو سکتی تھی، اس میں کچھ اصولی ہمیش اور دل چسپ تنقیدی ہیں۔ اب مسند اشاعت کا ہے میرا اندازہ کہ ”البریلویہ“ ایک لاکھ سے زیادہ کی تعداد میں چھپی ہے اور مفت تقسیم ہوئی۔ اس کے جواب میں جو کتاب ہے وہ دو لاکھ کی تعداد میں شائع ہو تو کسی طرح طائی ہو سکتی ہے۔ جناب محمد سعید نوری [سکریٹری رضا اکیڈمی، ۲۶، جیکر اسٹریٹ، بمبئی ۳] کو بھی اس کے دو نسخے اشاعت کی ہدایت کے ساتھ ارسال کر دیے جائیں، میں کوشش کروں گا کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں شائع کر کے تقسیم کر دوں۔ جلد امینار ارسال کرنے کے لیے کہہ دیا تھا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ چند نسخے جلد ہی پہنچیں گے۔ حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں ایک مفصل عریضہ ارسال کیا تھا جس میں اپنی بعض مصروفیتوں کی وجہ سے افسوس کے ساتھ فیصل ارشاد سے معذرت لکھی تھی۔ امید کہ بلاناگوار خیال قبول فرمائیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہاں قریب میں کام ہو گا تو خبر گیری بھی ہوتی رہے گی اور اطمینان رہے گا۔ آج گرامی نامہ موصول ہوا ہے کہ کام شروع کر دیا گیا ہے۔ عربی اور انگریزی زبان میں زیادہ سے زیادہ کام ہونا ضروری ہے۔ ابھی یہ میدان تقریباً بالکل خالی ہے جس کے باعث گنتائی ہے اور نام پہنچا بھی تو رد و دم کے ساتھ، جس کا جواب اب دس سال کے بعد منظر عام پر آ رہا ہے۔

پہلی کی افرادی ہے، دوسری رد و ابلی، تیسری دسائل اور وسائل کے صحیح استعمال کی۔ اب جو جوان اچھی طرح عربی لکھنے والے تیار ہو رہے ہیں انہیں اس طرف لگایا جائے۔ محض ادھر ادھر کی مختلف پیش ملازمتوں میں وہم ہو کر نہ رہ جائیں۔ کچھ دینی کام بھی کریں (اگرچہ معقول معاوضہ کے ساتھ کریں) تیسری کی بھی محض ذکر کی حد تک ہے۔ اگر چہ اپنی کوئی حکومت نہیں، پھر بھی اہل سنت کے باثبات عوام دین کے لیے قرآنی پیش کرنا جانتے ہیں، وہ اس طرف متوجہ کیے جائیں تو بہت کام ہو سکتا ہے۔ کام جب ہو گا تو روابط میں وسعت ان شاء اللہ تعالیٰ خود ہی آجائے گی۔ خطاطوں ہوا، مبادیاب خاطر نہ ہو۔ احباب اور بزرگوں کی خدمات میں ہدیہ سلام پیش ہے، خصوصاً مولانا ہاشم قصوری کی خدمت میں۔

والسلام [محمد احمد مصباحی

۶ جون ۱۹۹۵ء]

☆☆☆

کتوب (۷) مولانا عبدالحکیم شرف قادری، لاہور..... مکرری..... سلام مسنون

”اندھیرے سے اجالے تک“ آپ کا عظیم جماعتی اور علمی و تاریخی کارنامہ ہے جسے دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی۔ اس کتاب کی چند خصوصیات ہیں:

- (۱) البریلویہ (از: احسان الہی علمبر) کے ہر الزام کا جواب بسط و شرح سے پیش کیا گیا ہے۔
- (۲) ہر موضوع سے متعلق امام احمد رضا کے حالات و خدمات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے جو بھائے خود ایک دائمی خدمت ہے جس کی روشنی میں الزامات خود ہی تاریک جھوٹ کی طرح اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس طرح یہ کتاب ایک مثبت تحقیق کی بھی حامل ہے۔
- (۳) البریلویہ کے اعتراضات کا جواب بڑی ہی بردباری، علمی مہارت، عقلی سنجیدگی اور حوالوں کی پختگی کے ساتھ دیا گیا ہے، میری نظر میں یہ آپ کے قلم کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ در نہ ظہیر نے جس عیاری دے باکی کے ساتھ حقائق کو کس کرنے اور شخصیت کی مکروہ تصویر بنانے کی نارا و کوشش کی ہے وہ امام احمد رضا کے ہر معتقد کو شغل لہلہنے کے لیے کافی ہے۔

سوسال بلکہ زیادہ عرصہ سے قادیانی، رافضی، نجری، غیر مقلد، دیوبندی سبھی فرقے امام احمد رضا کے سخت نقاد ہیں، لیکن مخالفت، تعصب اور عناد کے باوجود امام احمد رضا کی فقہی مہارت، غیر معمولی ذہانت، قوت تحریر و تنقظ علوم و فنون میں کمال کے معترف رہے ہیں۔ لیکن احسان الہی ظہیر وہ پہلا شخص ہے جسے عناد و تعصب

میں اس سبب مکمل تک ترقی ہوئی کہ امام احمد رضا کو "یکما ایضا" غائب الدماغ "لکھا اور ان کی تصانیف کو ان کے متعلقین اور حلقہ کار کا نام نہ شہر کیا۔ آخر ان متعلقین اور حلقہ کار نے امام احمد رضا کے بعد دینان کی زندگی میں کوئی ایک ہی کتاب ان کے معیار کی نکھی ہوئی، ان کے لیے کون سا مانع تھا؟ جب وہ خود اپنے نام سے ایسی کتابیں شائع کرتے ہیں تو وہ بلند فکر و استدلال نہیں ملتی جو امام احمد رضا کی کتابوں میں ہے۔

(۳) "اندھیرے سے اچلے تک" کے تمام حوالے انتہائی دیانت داری سے پیش کیے گئے ہیں اور ملو مندرجات کے تاخذ موجود ہیں، جب کہ البریلویہ میں بغیر کسی حوالہ کے امام رضا کے ابتدائی استاد مرزا غلام قادر بیگ بریلوی کو قادیانی کا بھائی بنادیا ہے اور جگہ جگہ حوالے تو دیے ہیں لیکن عبارت بالکل مختلف ہے، اصل میں کچھ اور ہے اور البریلویہ میں کچھ۔ خدا کا شکر ہے کہ اہل سنت کے پاس حقائق ہی حقائق ہیں جن کا اجالا پھیلنے میں اندھیرا غائب ہو جاتا ہے اور محض اندک پر تعصب کاوش فکر و قلم خاک میں مل کر رہ جاتی ہے۔

(۵) آپ کی کتاب اس لحاظ سے بھی ممتاز ہے کہ استغوار سے خالی ہے اور ایمان و حسن بیان سے آلود ہے، حوالے اور دلائل زیادہ ہیں اور بے ضرورت خامہ فرسائی بالکل نہیں۔

(۶) کتاب کی کتابت اور تصحیح بھی بہت عمدہ ہے۔ جب کہ اس زمانہ میں اکثر کتابیں اغلاط کتابت کی غلطی مقدار لیے ہوتی ہیں، غالباً ہر دہ پڑ آپ کی بھی نظر گزری ہے۔

آپ نے اہل سنت کو ایک عظیم فرض کفایہ سے سبک دوش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ رب کریم آپ کو ہم تمام سینوں کی طرف سے اپنی شان کے لائق جزاؤں سے نوازے اور اس کتاب کے عربی ایڈیشن اور دیگر ابواب کی تکمیل کا سامان بھی احسن و اکمل طور پر جلد فرمائے۔

[محمد احمد مصباحی جھیروی، فیض العلوم محمد آباد، گوہنہ، عظیم گڑھ، یو پی ۲۴ بج انور ۱۳۰۶ھ/۱۸ نومبر ۱۹۸۵ء]

☆☆☆

مکتوب (۸) مولانا عبدالحکیم شرف قادری، ماہور... سلام مسنون.... مزاج گرامی؟

عمر سے کوئی خدا نہ لکھ سکا، "شیخے کے گھر" وغیرہ کا پیکٹ موصول ہو گیا تھا، شکر گزار ہوں۔ "اندھیرے سے چلے تک" کے عربی ترجمہ کی فرمائش میرے ذہن میں برابر رہی لیکن مبارک پورا آنے کے ساتھ گھریلو پریشانیوں بھی کچھ اس طرف دامن گیر رہیں کہ قرار نہ ملا۔ جامعہ کے فاضل مولانا محمد اسحاق رامپوری اس طرف متوجہ ہوئے ہیں لیکن ضروری ہے کہ ان کو درج ذیل کتابیں فراہم کر دی جائیں۔ (۱) البریلویہ (۲) مفہیم یحییٰ ان تصحیح (۳) رد قادیانیت ورفض وغیرہ سے متعلق جو رسائل آپ کی تقدیم کے ساتھ

مرکزی مجلس رضائے شائع ہوئے ہیں۔ (۴) شیخے کے گھر۔

امید کہ اول فرصت میں درج ذیل پتہ [مولانا محمد اسحاق رامپوری۔ دارالعلوم علیہ اشہای۔ بقی] پر مذکورہ کتب ارسال کرانے کی زحمت فرمائیں گے، مجلس رضا کو بھی موصوف نے بعض کتب کے لیے لکھا ہے اگر خط پہنچ گیا ہو تو سکرٹری صاحب سے ترسیل کی فرمائش کریں۔ حضرت حکیم اہل سنت کو عدم مسنون عرض ہے۔ "ندانے یا رسول اللہ" وغیرہ کے بعد الجمع الاسلامی سے کوئی نئی کتاب شائع نہ ہو سکی۔ باقی ہندوستان، اسلامی اخلاق و آداب، انریل، بارہ تہذیب وغیرہ کی کتابت شدہ کا پیالہ خنجر اشاعت ہیں۔ بہت اہم شرفیہ کی ادارت مولانا عبدالحکیم نعمانی صاحب نے ماہ جون ۸۶ء سنبل میں لیکن ان کا مستقل قیام "چریا کوٹ" میں رہتا ہے۔ مولانا محمد مشتاق شمشاد صاحب کو بدھ سلام پیش ہے۔ امید کہ آئندہ کچھ مفصل نکسوں کا کافی الحال اجازت دیں۔ شیخ محمد یوسف ہاشم الرفائی کی کتاب کا آپ نے تذکرہ کیا تھا ان کی عربی کتاب کس پتہ سے دستیاب ہو سکتی ہے؟ میں بھی خریدنا چاہتا ہوں۔ والسلام [محمد احمد مصباحی، اشرفیہ، مبارک پور، ۳۰ ستمبر ۱۹۸۶ء]

☆☆☆

مکتوب (۹) مولانا عبدالحکیم شرف قادری، ماہور... سلام مسنون... مزاج گرامی؟

آپ کی مرسلہ کتب "مفہیم یحییٰ ان تصحیح" البریلویہ، رسائل رضویہ" وغیرہ موصول ہو گئیں، میں بہت شرمندہ ہوں کہ اطلاع بھی نہ پہنچ سکا۔ اس سے قبل غالباً آپ کے ایما پر مرکزی مجلس رضائے "الردا حکم المنع"، شیخے کے گھر، اندھیرے سے اچالے تک، رسائل رضویہ موصول ہوئے تھے اس کی بھی اطلاع نہ دے سکا۔

الجمع الاسلامی سے نومبر میں "مفہم الہدیٰ علی خدا المستطیع الہدیٰ" پیکل پر منظر عام پر آئی ہے۔ عربی نام "تشفہ اور اسلام" ہے۔ اسلامی اخلاق و انقلاب کے نام سے بہار شریعت کے حصہ شازدہ ہم کی تصدیق ہوئی ہے۔ یہ کتابیں جلد ہی آپ کے پتہ پر جائیں گی۔ دوسرے موصول ڈاک میں اضافہ ہوا ہے۔ لیکن مقامی ڈاک خانہ سے تفصیل معلوم نہیں ہو پڑی ہے اس لیے سخت پریشانی ہے۔ آگے سے معلوم کرنے کی کوشش ہے تاکہ جلد تر آپ حضرات کی خدمات میں ترسیل تکمیل ہو سکے۔

"مفہم یحییٰ ان تصحیح" کا ترجمہ سنا تھا کہ کوئی صاحب علم پاکستان میں کر رہے ہیں، جو نئی کتابیں نظام پر آئی ہوں باخبر فرمائیں تو نوازش ہوگی۔ اندھیرے سے اچالے کا ترجمہ مکمل ہو گیا ہے مگر ترجمہ نظر ثانی کرتے ہوئے قضا و میر سے پاس پیچھے والے ہیں۔ آج ۳۰ صفحات آئے ہیں۔ مولانا مشتاق شمشاد صاحب کو سلام عرض ہے۔ مرکزی مجلس رضا کا خط صدر محترم حضرت حکیم اہل سنت کو یا سکرٹری صاحب کے پاس کسی کے ہاتھ ایک دو

دن میں بھیج دیں تو نوازش ہوئی۔ کچھ کتابیں مجلس کے لیے ارسال کرنا ضروری ہے۔ خاطر خواہ کوئی تحفہ نظر نہیں آتا، مجب پریشانی ہے۔ والسلام (محمد احمد مصباحی، ۲ دسمبر ۱۹۸۶ء)

☆☆☆

محترمی حکیم محمد موصیٰ امرتسری .... زیت عند غم۔ سلام مسنون .... مزاج گرامی؟

”الرد المحتکم المبیع“ کے ساتھ مجلس رخصلا ہو کر چند کتابیں جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے پتہ پر راقم سطور کو دستیاب ہوئیں۔ اطلاع میں غیر معمولی تاخیر ہوئی جس پر معذرت خواہ ہوں۔ غالباً ۳۲ روپے کے ٹکن اس بیکٹ پر لگ گئے تھے۔ وزن کے لحاظ سے مجھے کچھ زیادہ محسوس ہوئے۔ میں بہت جلد مجلس کے لیے کچھ کتابیں ارسال کرنا چاہتا تھا، جو کم از کم ڈاک خرچ کی تلافی کر سکیں۔ لیکن دیر ہوتی جا رہی ہے۔ کرم اپنی مثال حال ہوا تو جلد ہی مولانا شرف قادری مدظلہ کے ذریعہ آپ کو ”تلفہ اور اسلام“ (مقاصع الہدیٰ علی غلطی الملتحق الہدیٰ) اور ”اسلامی اخلاق و آداب“ وغیرہ موصول ہوں گی۔ امید کہ مزاج عالی بغایت ہوگا۔ والسلام

(محمد احمد مصباحی غفرلہ، ۲ دسمبر ۱۹۸۶ء)

☆☆☆

مرہا سعادت و عنایت پر فیض مسعود احمد نقشبندی (کراچی) ... دام فہمک ... تحیہ مسنونہ

والانامہ محرمہ ۱۶ فروری ۱۹۸۳ء پیش نظر ہے۔ (۱) جد المبتار اول (۲) نور و ناز (۳) جلال (۴) حقوق والدین و اولاد (۵) انام احمد رضا کے ایمان افروز و صایا (۶) جشن میلاد النبی ﷺ (۷) تعارف امام احمد رضا (۸) وصیت فکر، طبع دہلی ارسال خدمت ہیں۔ دو تین کتابیں سید ریاست علی صاحب کے نام لکھی ہیں۔ کسی ذریعہ سے ان تک پہنچ جائیں یا ان کو اطلاع ہو جائے تو کرم ہوگا۔ ان کی مرسلہ کتب و حواشی تا دم تحریر وصول نہیں ہوئیں۔ ایک جد المبتار جس پر کسی کا نام درج نہیں وہ بھی انہی کو دے دیں تو بہتر ہے یا کوئی اور لینے پر مصر ہو تو اس کی قیمت ہی ان تک پہنچ جائے۔ وعدہ کر چکا ہوں کہ حواشی کی ترسیل و نقل کے اخراجات خود ادا کروں گا۔ اس لیے ابھی سے تمہیر کر رہا ہوں۔ ان کا حسب دیکھنے کے بعد بقیہ کے لیے کوئی صورت ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اجلا، معارف رضا، ۱۹۸۳ء، امام احمد رضا اور عالم اسلام کے ایک ایک فیض مولانا شرف قادری مدظلہ کی عنایت سے مل گئے تھے، غالباً پچھلے خط میں لکھ چکا ہوں۔ مؤخر الذکر مقالہ سے متعلق بیہودہی خبر بھیج رہا ہوں۔ ان کی طرف سے اشاعت مقالات کے متعلق کوئی خبر استفسارات کے باوجود نہ آئی، اس لیے مذکورہ مقالہ اب تک نہ بھیج سکا۔ معلوم نہیں کیا ہو رہا ہے۔

مولانا فضل الرحمن انصاری کے مقالہ قرآن سے متعلق مجھے آپ نے جو لکھ کر مقدمہ میرے لیے باعث تحیر بنا، اسی لیے اپنی سی کوشش اس کے حصول کے لیے کر ڈالی، جو آخذ آپ نے بتائے تھے وہ سب میں دیکھ چکا ہوں، اس لیے مزید حیرت ہوئی کہ مولانا نے کس ترکیب سے وہ نتائج اخذ کیے۔ ابن حزم کا صرف القول الفصل میں (تمام روایات و شواہد کے خلاف) عہد فاروقی میں ہزاروں مصاحف کا نشر ہو جانا بتانا چند اس قابل التفات نہیں۔ اگر اس کا کوئی ماخذ معتبر ہو تو صحاح سے اعلیٰ نہ ہوگا۔ بہر حال مسلمان کو اس تردید کی بھی کیا ضرورت ہے؟ ان کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ قرآن کی تدوین تورات و انجیل کی طرح بعد میں نہ ہوئی بلکہ پہلے ہی سے ہو چکی تھی۔ جزئیات .... میں انھوں نے افراط سے کام لیا اسی سے اختلاف ہو سکتا ہے۔

بعض مصروفیات کے باعث اس موضوع پر باضابطہ کوشش نہ کر سکا۔ اب ارادہ کر رہا ہوں کہ کچھ محنت کے بعد آپ کو خط لکھوں، تاکہ کام آدہ بھی ہو مگر آپ کی دعا سے مستجاب شرط ہے۔ وہ ذلک علیہ تعالیٰ بھروسہ۔ اجلا میں ایک صفحہ آپ سے متعلق بھی لکھا تھا مگر اس کی کتابت جس وقت ہو رہی تھی مجھے سخت الجھنیں درپیش تھیں جن کے باعث یہ سوچ لیا کہ اصل کتاب کسی طرح چھپ جائے و دوسری کمی کو پر دوسر صاحب کی محبت و عنایت اور عالی ظرفی معاف کر دے گی اگرچہ تاخرین نہ معاف کریں۔

نور و ناز پر جس تقریب کا تذکرہ کیا تھا یہاں کی اشاعت میں شامل نہ ہو سکی، آپ کے پاس بھیج رہا ہوں شاید کہ مصرف میں آجائے اگر مناسب ہو۔ ورنہ بے کار تو یہاں بھی ہے۔ حسب سائیں آج بھی آپ کا وقت عزیز زیادہ لے لیا تاکہ ان کے متعلق تاثرات کا انعقاد رہے گا اور دیگر معروضات کا بہرہ وقت اشتیاق۔ السلام علیکم وعلیٰ اسن لدکم۔

محمد احمد مصباحی

فیض العلوم محمد آباد کوہنہ اعظم گڑھ (پونپ)

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ سے ۷ مارچ ۱۹۸۳ء شب پنجشنبہ

☆☆☆

برادر محترم مولانا درالافتاحی .... سلام مسنون .... مزاج گرامی؟

عرصہ سے آپ کا خط نہ ملا، نہ ہی میں خود کچھ لکھ سکا، میری معذوری تو آپ کو معلوم ہی ہے۔ خدا کرے آپ کی الجھن اور پریشانی کا شکار نہ ہوں۔ فکر لگی رہتی ہے کہ مفیدوں سے کوئی گزشتہ نہ پہنچے۔ نعمانی صاحب نے آپ کا خط ہم سربراہ اعلیٰ صاحب میرے حوالے کیا تھا کہ میں ان کو دے دوں۔ پڑھا تو اس میں میرے اور علامہ کے نام کی تصریح مناسب نہ معلوم ہوئی اس لیے ایک طویل عرصے کے ساتھ آپ کو واپس کر دیا تھا۔ اندیشہ یہ ہوا کہ یہ واپس کرنا

ہر خاطر نہ گزرے مگر یہی اس وقت مناسب سمجھ میں آیا۔ اگر کوئی تکدر ہو تو معاف فرمادیں گے۔

امسال مولانا نائین اختر مصباحی صاحب عرس حافظ ملت میں شریک ہوئے تھے۔ آپ کے حساب سے دو ہزار روپے آئے ہیں اور مزید امید دلائی ہے اور خوش حالی کا بھی ذکر کیا۔ خدا کرے وہ جلد سے جلد سیدوش ہوں۔ مجھ کو تعالیٰ "انجاز" کی مقبوتیت بڑھ رہی ہے جس میں مولانا کی فکری صلاحیت، عملی ذوق اور حسن انتخاب کا زیادہ دخل ہے۔ آپ کا مضمون "فقیہ عصر مداح احمدی" بہت پسند آیا۔ ایک ضروری اقدام آپ نے کیا۔ اپنے اکابر اور بزرگوں کو ان کی زندگی ہی میں پہچاننا، اور پہچان کرنا ضروری ہے اس سلسلہ میں یہ فکر بھی نہیں کرنی چاہیے کہ جب کوئی مکی حضرت جیسا عبقری، صدر الشریعہ جیسا فقیہ، مفتی اعظم جیسا مرشد و متقی، مجاہد ملت جیسا پر عزم، حافظ ملت جیسا مہر اور محدث پاکستان جیسا قائد اور ہو جسے اس کو قابل افتخار سمجھا جائے۔

برادر کے لحاظ سے اس دور کے اکابر کی حیثیت متعین ہوتی ہے اور جو واقعی کمالات ہوں ان کا ذکر ہوتا ہے۔ نہ اس طرح کہ اصغر پر ان کا تفوق ثابت ہی نہ ہو سکے اور نہ ہی اس طرح کہ قدیم اکابر کے ہم علم دکھایا جائے۔ یہ بریسیل تذکرہ لکھ گیا۔ بفضلہ تعالیٰ آپ کی نگارش میں یہ ساری باتیں ملحوظ ہیں۔ فتاویٰ احمدیہ کے تحشیر و تنقیح کا ذکر بھی شامل کریں۔ مبارک پور میں حافظ ملت کی آمد، مفتی صاحب کے داخلہ، ان کی فرافت، ان کے بڑے صاحبزادہ (وفات یافتہ) کے نام میں غالباً کتابت یا طباعت کا کچھ سوہو ہو گیا ہے۔ اگر مسودہ میں بھی ایسا ہی ہو تو مفتی صاحب سے استصواب کر کے بنائیں گے۔

مولوی مبارک حسین سلمہ نے آپ کا حالیہ کرم نامہ دکھایا تھا۔ بہت مناسب اور ضروری مشوروں سے آپ نے نوازا ہے۔ ایک دو بات میرے ذہن میں بھی تھی اور چرچا کوٹ کی ملاقات میں آپ سے عرض بھی کیا تھا۔ لیکن آپ نے زیادہ جواب کا احاطہ کرتے ہوئے ہدایات دی ہیں۔ خدا کرے ان پر مکمل عمل ہو۔ دشواری یہ ہے کہ ادارہ تحقیقات عرس کمپنی کے تحت ہے اور عرس کمپنی مولانا نصیر الدین صاحب کے تحت ہے، انھیں اس راہ کے سفر اور اس کی دشواریوں کا تجربہ نہیں، نہ ہی خاطر خواہ ذوق و حوصلہ۔ پھر وہ اخراجات میں بڑی تحقیق و تفتیش اور کفایت شعاری کے پابند ہیں جو مہاسیات کے تحفظ کے لیے ضروری ہے۔ مگر ضروریات کی تکمیل میں حائل ہو جائے تو مصغر ہو جاتا ہے۔ بہر حال کام میں جو مستعدی اور تیزی ہوئی چاہیے اس کی توقع نہیں۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ مولوی مبارک وغیرہ زیر تعلیم ہیں۔ فرصت ملنے ہی پر کچھ کر سکیں گے، تجربات بھی کم ہیں۔ مجھے ہے جو ہو سکتا ہے دریافت کرنے پر تیار اور سکھاتا رہتا ہوں۔ لیکن اتنا فائدہ ضرور ہے کہ جو بات انھیں طویل تجربہ اور مہاساں گزارنے کے بعد دریافت ہوتی آغاز کار سے پہلے ہی معلوم ہو جاتی ہے اور اس کی روشنی میں موثر اور

مناسب جیش قدیم پر کاربند ہوتے ہیں۔ کاش وہ اور ان کے شعبہ کے بالادست حضرات اس فائدہ کی قدر کر سکیں۔ میں تو قدر دانی اور تقدیری کے اندیشہ سے بالاتر ہو کر ہی نیک عمل میں تعاون کا مادی ہوں۔ والحمد للہ الذی یوفی کل شیء و جزی۔ کل محسن و مخلص و کفی بہ عادی و یولیو نصیراً۔

الحج الاسلامی کے تحت تصنیفی کام کا معاوضہ آغاز عرصہ سے ملتا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں دو تین رحمتیں حاصل ہیں: (۱) تقریباً ایک ہزار روپیہ ماہانہ بدل خدمت کا انتظام ایک مصنف کے لیے (۲) لاخبری کا انتظام (۳) رہائش گاہ اور خوراک کا انتظام۔ مگر اب میرا خیال یہ ہے کہ جس حالت میں ہم ہیں اسی حالت میں آغاز ہو جانا چاہیے، اس سے دو سروس کو بھی راہ ملے گی اور قسم کی قیمت کا (پس ماندہ ماحول میں) اس سبب بھی بیدار ہوگا۔ ایسے دوسرے ادارے بھی قائم ہو سکیں گے۔ (۲) (۳) کا انتظام اشرفیہ، فیض العلوم، قادریہ، چریا کوٹ سے بعض یا بلا عوض رابطہ و تعاون کے ذریعہ مل سکتا ہے۔ البتہ ماہانہ بدل خدمت کا مہاسبہ انتظام بہر حال، مجمع اسلامی کے ذمہ ہی عائد ہوگا۔ کتابوں کی آمدنی ابھی اتنی نہیں کہ ادارہ پر یہ بار ڈالا جاسکے اور ایسے معاوضہ بھی نہیں جو یہ بار اٹھائیں۔ نہ ہی تعاون لینے اور مالیات کی فراہمی کا ہی بندہ درست ہے، لیکن کرنا ضروری ہے اس لیے آپ بھی اس سلسلہ میں غور کریں اور میں بھی کئی ماہ سے غور کر رہا ہوں۔ ان شاء اللہ مولیٰ تعالیٰ آنکھ و شوال سے اس کا آغاز ہو جانا ہے۔ اگر آپ کی رائے اس کے برخلاف ہو تو بھی مطلع فرمائیں۔

امام احمد رضا قدس سرہ کی شخصیت کو عالم عرب میں متعارف کرانے کے لیے ایک مثبت موثر اور جامع کتاب کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں کام مولانا عارف اللہ فیضی صاحب نے شروع کر دیا ہے، مدعا فرمائیں۔ جد ہذا ربانی کی اشاعت کا آپ نے خیال بھی ظاہر کیا تھا، اب آپ کا ارادہ اور احوال کیا ہیں؟ خدا نے چاہا تو وہ چند ماہ بدھ پس کے حوالے کرنے کے قابل ہو جائے گی۔ استاذ گرامی مولانا عبدالرزاق بیادری قدس سرہ کی حیات بقیم مولانا قمر الحسن بستوی عرس حافظ ملت قدس سرہ موقع پر شاخ ہو جاتی تھی، مگر کچھ ایست کی کمی اور زیادہ میری سستی نہ جسے روٹی۔ چند صفحات کا میں اضافہ کر رہا ہوں، ان شاء اللہ مولیٰ تعالیٰ رواں سال ہجری کے شوال تک منظر پہ آجائے گی۔ مزید لکھنے کی جگہ ختم ہو گئی اس لیے انتظار جواب کے ساتھ عریضہ پیش ختم کرتا ہوں۔ خدا کرے آپ کا مخلصین بعافیت و مسرت رہ کر جلد جوابات سے نوازیں۔

والسلام ..... [محمد احمد مصباحی، محمد آباد، یکم فروری ۱۹۹۰ء]



حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم توری حفظہ اللہ تعالیٰ ————— حبیہ مسنونہ

جو بھی دینی میں آیا ہے اسے یہاں سے جاتا ہے مگر کچھ مہینے ایسی ہوتی ہیں کہ بندہ حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ انہی کیسے کیا ہو گیا۔ عزیز گرامی مولانا سید الحق محمد عاصم قادری کا نگاہانی سا نوحہ ایسا ہی ہے۔ زمانہ طالب علمی ہی سے ان کا علمی شغف، سنجیدہ فکر اور متوازن سلوک آخر ان اور اصافہ و اکابر کے درمیان معروف تھا۔ جامعہ ازہر سے واپسی کے بعد تعلیم و تبلیغ، تصنیف و اشاعت، حسن تنظیم و انتظام وغیرہ میں ان کے اہماک کے ثمرات بڑے حوصلہ افزا رہے۔ کبھی مخلصین کو ان کی ذات سے طویل عرصے تک ہمہ جہت اور دور رس خدمت کی امیدیں وابستہ تھیں مگر اس کی ناگہانی رحلت کے باعث سبھی سخت غم زدہ اور بالکل ناامید ہو گئے۔ **إِنَّا بِلِقَائِهِ وَإِنَّا لِلَّهِ رَاغِبُونَ**۔ پھر بھی یہ سوچ کر دل کو کچھ تسلی ہوتی ہے کہ عجب لوگ جتنا کام ایک لمبی عمر میں کر پاتے ہیں ان عزائے تیرہ ماہ سال میں کرے۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے شہادت کی موت پائی جس کی آرزو ہزار ہا ہزار افراد ہر بار کرتے ہیں مگر وہ ان کا مقدر نہیں ہوئی۔ تیسرے یہ کہ انہیں سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جوار کرم ملا جو صرف اپنی رفتار اور سعی و تدبیر سے نہیں ملتا جب تک سنہ قسمت کی یاد دہی نہ ہو۔ اس موقع سے محدث اعظم حضرت مولانا سید محمد چکچو علیہ الرحمہ کا شیعر بار بار یاد آتا ہے:

موت آئے تو در پاک نمی پرستید  
ورنہ تھوڑی سی زمیں ہوشیہ سمنان کے قریب

شب جیدان کا مقدم و مرجہ شرمناں، اور پیش تراویح قبل و بعد سے بلا نزاع بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ ان کا قرب اگر ہزار دعا و التجائے بعد بھی ملے تو نصیب کی ارجحندی میں کلام نہیں مگر اس موصوف کو شاید یہ قرب بے انتہا، بے پناہ و غافل نصیب ہوا، فیالہ سین نصیب!

سناچہ بہت عظیم ہے اور والدین، اعزاء و اقربا، اہل سلسلہ اور اہل عبت کے غم و الم کا کھڑکھڑاں، مگر رب تعالیٰ نے اپنے کرم سے اس حادثے میں غم و الم کے ساتھ کچھ صبر و شکر کا بھی سامان پیدا فرمایا ہے اس لیے امید ہے کہ کبھی حضرات مرضی مومن پر راضی ہو کر اپنی عالی ہمتی اور کمال بندگی کا ثبوت دیں گے۔

والسلام مع توفیق تعزیر واکرام

[محمد احمد مصباحی، ۲۲/ مارچ ۲۰۱۳ء]

☆☆☆

مکتوب (۱) بنام مفتی عید الرحمن رشیدی [سابق شیخ الحدیث دارالعلوم اہل سنت شمس العلوم، گھوسی]

سنچر کو ابراہار حسین سلمہ کے ذریعہ آپ کی (گھوسی) آمد اور والد صاحب قبلہ کی رحلت کی خبر سنی۔ یہ حادثہ ناخوشہ کسی وقت یونانی تھا، اگرچہ ان کی بقائے ہمارے لیے بہت سے فوائد و عوانی کا سبب ہوئی، مگر لاراد القضا، نصیر جمیل، مگر کے حالات ڈرگوس ہوں گے، جنہیں سنبھالنے میں آپ کو بڑی زحماتیں پیش آئی ہوں گی۔ آنکھ کیا ہوتا ہے معلوم

نہیں۔ ان سوالات سے تسکین اور تسخیر کے لیے شہد ہی کو حاضری کا ارادہ تھا، مگر ان کی بعض مصروفیات بہت سے ضروری کاموں میں حارث بن رہی ہیں، دیکھیے کب تک آپ آتا ہوں۔ کج بھی کوئی امید نہیں۔ والسلام۔

محمد احمد اعظمی مصباحی

[فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، اعظم گڑھ]

۱۱ اپریل ۱۹۸۳ء

☆☆☆

مکتوب (۲) بنام مفتی عید الرحمن رشیدی [سابق شیخ الحدیث دارالعلوم اہل سنت شمس العلوم، گھوسی]

۱۳ فروری ۱۹۸۵ء کو کرم نامہ اسی نشست میں موصول ہوا، ہو سکتا ہے جواب سے جبکہ ملاقات ہی نصیب ہو جائے۔ عرس حافظہ ملت کی مبینہ تاریخ سلاخ جمادی الاولیٰ، غرہ جمادی الاخرہ ہے۔ اس سال ۲۱/ ۲۲ فروری جمعرات، جمعہ کو ہے۔

تاریخ خجندہ چار سال گزشتہ میرے پاس آئی تھی، بخشش کر کے طبع بھی کرائی گئی۔ شعبان میں یہاں سوا سو نئے دہلی سے طبع ہو کر آ گئے تھے، چند نئے میرے پاس رہ گئے ہیں، ناشر کا پتہ یہ ہے: فضل احمد نووی، نووی اکیڈمی، پٹنہ، بلیا۔ یہ مولوی اعجاز حسین مالک اعجازیک ڈپو کا فرزند ہے، .. خیر کسی طرح یہ کتاب اور سنی بہشتی زیور بڑی آب و تاب سے شائع کرائی گئی۔

"امام احمد رضا اور رد دعوات و منکرات" کئی برس سے کتابت شدہ رکھی ہے جس ہزار کا خرچ صرف ایک ہزار طبع کرانے میں لگتا ہے، کسی طرح انتظام ہوا تو اب زیر طبع ہے۔ امید ہے کہ عرس عزیزی تک آجائے گی۔ "تہذیب الکائید المیدریہ" بھی بعد تحشیہ و تحقیق و ترجمہ بنام "برادری علی از شرک جہلی" ساتھ ہی چھپنے لگی ہے۔ وہ بھی آجانی چاہیے۔ "بانی ہندوستان" پر مولف نے نظر ثانی کر کے کافی حذف و ترمیم و اضافہ کیا تھا، میرے اہل بچہ کی توجہ صفحات ترمیم میں نے بھی نیچے جو مولف نے قبول کرتے ہوئے ۱۶ فروری ۱۹۸۳ء کو مجھے خط لکھا اور ۱۸ فروری کو علی گڑھ میں راسی ملک دار بٹا ہو گئے۔ ان کے ہم درس مفتی محمد نجف خیر آبادی .... سے جلد تر اشاعت کے لیے جاری ہے۔ زیر کتابت ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے متفقہ رسائل کتابت شدہ ہیں، مولانا بدیع القادری نے اپنے دو مجموعہ کلام "ہادہ تہذیب" (نور مغان نعت) اور "الرحیل" (مجموعہ نظم و غزل) کتابت کر کے المکتب کے حوالے کیا ہے اور دو تہائی خرچ



بھی مجھ تعاون دینے والے ہیں اس لیے اس کی طاعت بھی جلد عمل میں آئی چاہیے۔ ایک صاحب صوفی محمد اکرم لاہور کے ہیں، ایک کتاب ”صحابہ کا عشق رسول“ مرتب کر کے مع صرف طاعت ہمارے حوالے کر چکے ہیں جس کی ترتیب جدید، فصیح، صاف، کریم پر کافی محنت کر کے قابل اشاعت بنایا گیا ہے، موضوع اچھا اور موثر ہے اور اب کافی مفید ہو گیا ہے، اس لیے یہ سب عن قریب زیر طبع ہی سامنے آجائے گی۔ علاوہ انہی خیر شدہ زمین کی تعمیر کا اہم مسئلہ ہے جس کے لیے تاحس کوئی حرکت عمل میں نہ آسکی۔ رب کریم مدد فرمائے، والسلام۔

محمد احمد مصباحی

۱۹ فروری ۱۹۸۵ء

☆☆☆

مکتوب (۳) بنام مفتی عبدالرحمن رشیدی (سابق شیخ الحدیث دارالعلوم اہل سنت شمس العلوم، گھوسی)

میں آپ کو خط بھیجے ہی والا تھا کہ ۳۰ اکتوبر کو بنارس کی مینٹک میں آپ کو ضرور تشریف لانا ہے، جب تک آپ کا کرم نامہ موصول ہو، یہ مینٹک صرف شرعی بورڈ کے منتخب ممبران ہی کی تو ہے۔

مولانا قادری صاحب سیوان کانفرنس میں منہک نہ ہوتے تو امید تھی باضابطہ ایک دعوت نامہ یا یاد دہانی کا خط لکھتے۔ سیوان کانفرنس میں، انھوں نے یوں ہی کافی مسائل رکھ دیے ہیں۔ پھر وہ ایک پرہجوم اجتماع ہوگا، اس میں ان اہم مسائل پر سنجیدہ بحث و مباحثہ کی گنجش کہاں نکل پائے گی، یہ تو بنارس ہی میں سکون والہ مینٹکان سے ۲۹ ممبران طے کرئیں گے۔ البتہ سیوان کانفرنس کے اجتماع سے منظوری لینا بہتر ہے کہ شرعی بورڈ کا فیصلہ ہم سب کو قبول ہوگا، جیسا کہ انھوں نے دعوت نامہ کانفرنس میں تحریر کیا ہے۔ سیوان کانفرنس کے لیے ۱۵ مسائل مولانا نے رکھے ہیں، وہ بھی اہم اور دیر طلب ہیں، دعوت نامہ امید ہے کہ آپ کو بھی بھیجا ہوگا، ڈاک کی گڑبڑ سے ممکن ہے نہ پہنچا ہو۔ یا اب ماما ہو۔

ایک بات یہ بھی لکھنے والا تھا کہ فرصت ملنے پر اپنی عظیم کتاب ”اختیار نبوت“ پر نظر ثانی کر کے اصلاح کتابت درست کر دیں اور ہر سے کو تقریر و تقسیم کو ذرا سہل بھی بنادیں۔ پھر مسودہ راقم کے پاس بھیجیں کسی کتب خانہ کو متوجہ کیا جائے کہ اس کی اچھی کتابت اور عمدہ تصحیح کر کے دیدہ زیب طبع کے ساتھ شائع کرائے۔

مبارک پور میں ممبران کے انتخاب کی بات آئی تو سب سے پہلے آپ کا نام پیش کیا۔ اسی لیے مجھے یہ فکر تھی کہ آپ کا فتویٰ اور آپ کی شرکت وہاں ضرور ہو۔ فتویٰ بھیج دینے کی اطلاع سے خوش ہوئی۔ امید ہے کہ مینٹک میں شرکت بھی ہوگی۔ کاش اہم مذاق مصارف سے بے برجہ کوئی نجن ہوتی اور اس کا مخصوص فنڈ ہوتا تو علمائے کرام کو اتنا سہولتی۔

عید کے موقع پر دہشت ہلال کی تقییش کے لیے ابھر، ابھر، چایا یا بیچنا ہو تو مصارف کا سوال سامنے آجائے اور پریشانی ہوتی ہے۔ اسی طرح دور دراز سے مفتیان کرام کو بنارس مینٹک میں پہنچنا ہو تو بھی مصارف کا مسئلہ ہے۔ ہمارے طلبہ اور تعلیم کے اخراجات سے سوا کا اپنے کو ذمہ دار نہیں سمجھتے جب کہ عموماً نقد کے جملہ ملی دینی مسائل میں عوام ہمارے کو ہی اپنا مسئلہ مدفع خرچ سمجھتے ہیں۔ خدا کرے آپ کا مزاج بعینہ ہو، حاضرین مجلس کو سلام مستون پیش ہے۔

محمد احمد مصباحی غفرلہ

[فیض العلوم، محمد آباد گوہر، ضلع اعظم ٹوٹہ، یو پی]

۱۵ اکتوبر ۱۹۸۵ء

مکتوب (۴) بنام مفتی عبدالرحمن رشیدی (سابق شیخ الحدیث دارالعلوم اہل سنت شمس العلوم، گھوسی)

کرم نامہ نظر افروز ہوا، غصیب رضائے بتایا کہ فتویٰ رضوی غیر جملہ لینے کے بعد ۳۴ روپے پہنچے ہیں۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ اگر کوئی جانے والا ہو تو ذکر والا دیا اور باقی ہندوستان مجھ سے لے کر پنجب، دہلی، حساب بعد میں ہو جائے گا۔ دارالافتا سے تعلق کی آپ کچھ تفصیلات لکھتے تو ان کی روشنی میں کچھ بات آگے بڑھانی جاتی، تو رکیور میں کیا اشارہ ملا اور اب کیا خیال ہے؟ ایک بات تو ظاہر ہو گئی تھی کہ یہاں حاضری کی پابندی رہے گی اور رخصتیں دوسرے کی طرح ملتی رہیں گی۔ دوسری بات بدل خدمت کی رہ جاتی ہے، یہ تو آپ کی طرف سے آبادگی اور کچھ اندازہ بتانے کے بعد ہی صاف ہوئی۔ حضرت مفتی محمد شریف الحق صاحب کو چودہ سو روپے دارہ پیش کرتا ہے، وہ دس دن قبل تشریف لائے تھے۔ تیسری بات تجدید کار کی ہے، وہ تو ہمیں وقت پر یا کام شروع ہونے کے بعد آپ، مفتی صاحب، مولانا نظام الدین صاحب اور عزیز ملت مل کر ہی متعین کر سکتے ہیں۔

جن بازار کی پیش کش کا کیا ہوا؟ اور شمس العلوم سے متعلق کیا ارادہ ہے؟ جہاں تک سہولت و مراعات کا تعلق ہے وہ غالباً پچھلی بازار اور شمس العلوم سے زیادہ حاصل ہو سکتی ہیں، اعزاز بھی زیادہ ہی ہوگا، یہاں کی بات دگر ہے۔ بس یہ ہے کہ مرکزی اور مشہور ادارہ ہے، بیرونی حضرات اس کے متعلقین کی قدر کرتے ہیں، دارالافتا کی ارجحیت بھی غالب بریلی شریف کے بعد سب سے زیادہ ہے۔ رہا معاملہ تدریس کی شمولیت کا، میرا اندازہ ہے کہ اب اسے پسند نہیں کریں گے، کیوں کہ وہ حضرات کو تدریس میں سید و سخی، مگر اس کا نتیجہ یہ دیکھ رہے ہیں کہ وہ تدریس اصل اور افتا کو ثانوی حیثیت دیتے ہیں، اول کے لیے خارج اوقات میں بھی مطالعہ کرتے ہیں اور ثانی کے لیے تدریس حنفیوں سے زیادہ کچھ کرنے کے رد و اداریں۔ اس میں بھی کام کی کوئی مضبوط تحدید ممکن نہیں، اس لیے کافی فکر کا نتیجہ یا اندازہ سامنے آ رہا ہے۔ اب یہ چاہتے ہیں کہ صرف دارالافتا کے لیے خدمت حاصل کی جائیں تاکہ ان کا کام زیادہ سے زیادہ ہو سکے۔ ان سب باتوں پر غور کرنے کے بعد آپ جیسا فرمائیں بات کی جائے۔ ابھی اپنے

طور پر میں کوئی بات کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ جواب کا انتظار رہے گا، والسلام

محمد احمد مصباحی

[۲۷ شوال المکرم ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۵ جون ۱۹۸۷ء]

☆☆☆

خودمان گرامی (خانقاہ عالیہ محمد کاچہارہ ملہرہ مظہرہ) زائد افضالکم و زالت احزانکم  
السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

حضرت والدہ محترمہ کا سایہ اچھ جانا بڑے ہی رنج و الم کا باعث ہے اس کا احساس فرزندوں کو جس قدر ہو گا دوسرے اس کا اندازہ کا کھتہ نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ بھی ایک اہل حقیقت ہے کہ دنیا میں ہر آنے والا سچے جاننے کا بھی ایک مقررہ وقت لے کر آیا ہے جسے ہم جانشین یا نہ جانشین گردہ کسی نہ کسی دن رونما ضرور ہوتا ہے۔ وذلک تقدیر العزیز العلیم۔ و لن نجد لشیئہ الله تبدیلاً۔

اقارب، اعزہ اور اہل تعلق کے دل غم زدہ، آنکھیں اشک بار، پلکیں نم ناک اور چہرے افسردہ ہو جاتے ہیں۔ یہ وقت مقرر سے نا آشنا انسانوں کے فطری انس کا ظہور ہے اور وہ عزیز عظیم کی تقدیر غالب کا توہم قطعاً خالق مالک وہی ہے، حکومت اسی کی، فیصلہ اسی کا۔ بندگان کے لیے مہرور ضاکے سوا چارہ کیا ہے؟ اسی میں اجر ہے اور اسی سے درجات کی بلندی۔

نااہلی کے باوجود یہ چند سطریں زیر قلم آئیں مگر اس اندیشے کے ساتھ کہ سورج کو چرخ و گھما لکھائیں فرد جرم نہ بنے یا دفتر سہادت میں ایک عدد کا اضافہ نہ ہو۔

وقت کی قلت، موسم سرما کی شدت، ذرا نیکی و سخاوری اور اپنی کمزوری کے باعث شرکت جتناہ سے محرومی رہی، جس پر افسوس ہمیشہ رہے گا اور تداوم بھی۔

رب کریم والدہ محترمہ کو اپنی رضا و عطا اور قرب خاص سے نوازے، پس ماندگان کو مہر و اجر سے بہرہ وافر مرحمت فرمائے اور ان کا سایہ کرم محبت و نعمت و عافیت کے ساتھ تمام و الاشیگان بارگاہ پر دراز سے دراز تر فرمائے۔ آمین یا اکریم الاکرمین بجاء حبیبک النجیب الامین و رسولک الأشرف الافضل المتین، صل و سلم علیہ و آلہ و صحبہ و تابعیہ الی یوم الدین۔

یکے از حزیں، بندہ بارگاہ

محمد احمد مصباحی

سہ منصر ۱۳۳۲ / ۹ جنوری ۲۰۱۱ء

کتوب (۱) محترمی مولانا مفتاح پاشا قصوری..... زید کریم..... سلام مسنون۔ مزاج گرامی؟

"نام احمد رضا اور رجعت و منکرات" کا ایک چند دنوں پہلے حضرت علامہ شرف قادری مدظلہ کے نام ارسال ہوا ہے۔ غالباً ایک نسخہ آپ کا بھی ہے۔ تاثرات سے آگاہ فرمائیں تو گزارش ہوگی۔ خصوصاً مقدم موصی صاحب سے۔ مولانا شرف صاحب کچھ تحریر کرائیں تو بڑی عنایت ہوگی۔ امید ہے کہ حضرت شرف صاحب بھی کتاب کا مطالعہ کریں گے اور کچھ نقد و تبصرہ سے بھی ضرور شاد کام فرمائیں گے۔ مولانا یحییٰ اختر صاحب بے جہنی سے انتظار کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس کتاب کے تیس پچیس نسخے لاہور ارسال کر کے وہاں کی کچھ مطبوعات حاصل کی جائیں۔ علامہ شرف صاحب کو زحمت دینا تو نامناسب ہے جیسا کہ آپ نے ایک وقت لکھا تھا اور مجھے بھی احساس ہے۔ ان کا بدلہ (اس امر میں) کون ہو سکتا ہے؟ اس سے روشناس کرنا آپ کی ہی عنایت پر ہے۔ جو بے نوازیں۔ اگر کوئی مکتبہ طبع کرنا چاہے تو یہ وقت اسے ضرور دے دیں تاکہ یہاں مطلوب کتب آئیں اور پھر جو کتب شائق اشاعت ہو وہ مولانا یحییٰ اختر صاحب سے درج ذیل پتہ پر مرسلت کر لے۔ انھوں نے مزید کچھ تصحیح کی ہے۔ صحیح شدہ نسخہ یافتہ تصحیحات وہ بھیج دیں گے بعد اصلاح جدید اشاعت ہو تو اچھا ہے۔ کتابت کی بعض غلطیاں میری نظر سے بھی بعد طبع گزریں مگر میں نے مولانا سے کہہ دیا ہے کہ آپ ہی عین نظر سے دیکھ ڈالیں۔ مجھے فرصت ملنا مشکل ہے۔ کچھ دیر سے احباب بھی دیکھ رہے ہیں۔ پہلے مولانا حسین الہدی نورانی کے ذریعہ علامہ شرف صاحب کا ایک خط آیا تھا، انھوں نے جو کتابیں لکھی تھی وہ سب مل چکی ہیں، جواب بھی میں نے دے دیا ہے۔ مزید آپ مطلع فرمائیے۔ خدا کرے آپ تمام محفلات بخیر و عافیت ہوں۔ حضرت مفتی صاحب، علامہ شرف صاحب، حکیم محمد موسیٰ صاحب وغیرہم کی خدمت عالیہ میں سلام نیاز ضرور پیش کریں، کرم ہو گا۔

[محمد احمد مصباحی، محمد آباد گوہر، ۲۰ جون ۱۹۸۵ء]

☆☆☆

کتوب (۲) محترمی مولانا مفتاح پاشا قصوری..... سلام مسنون..... مزاج گرامی؟

آپ کے خطوط موصول ہوئے، کرم فرمائیے اور احباب نوازی کا شکریہ۔ "نام احمد رضا اور رجعت و منکرات" آپس سے مولانا شرف قادری کے لیے ارسال ہو چکی ہیں۔ "مذکرہ میلاد رسول" دہلی طباعت کے بنیاد پر ہے، توفیق ایزدہی و نصرت الہی شامل حال رہی تو اداس رمضان میں اس کی دو تین کاپیاں آپ کے نام بھجوا دی جائیں گی۔ یہ کتابت ۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ آپ نئی کتابت کرائیں تو ۲۳ صفحات میں بھی کتابت آگے۔ وفد ہوازن نے جو اشعار بارگاہ رسالت میں پیش کیے تھے ان کی شرح زر قالی علی المصباح میں دیکھنے

کا موقع نہ مل سکا۔ آپ یا علامہ شرف صاحب مقابلہ کر لیں تو اچھا ہے۔ ویسے اشعار کا مقابلہ الہدایہ و انشائیہ سے عمل نے کر لیا ہے اس کے مطابق درست ہیں اور ترجمہ بھی میرے خیال سے ٹھیک ہی ہے۔

شعبان میں بلکہ اس کے ایک عشرہ قبل ہی سے امتحانات سالانہ کی مصروفیات کے باعث ساری مراسلت معروض الہدایہ بند ہوئی تھی۔ اس لیے آپ کے نام بھی عریضہ نہ جاسکا۔ مقام رسول، سلام رضا، عورت کی دیت، اتحاد بین المسلمین، حرمت تعزیر وغیرہ کتب موصول ہو چکی تھیں، غالباً تاریخ ارسال سے دس بارہ ایام بعد خدا کرے یہاں سے ارسال شدہ کتب بھی پہنچ چکی ہوں۔ مطلوبہ کتب کی فہرست جلد ہی بھیجے والا ہوں انتظار ضرور کر لیا جائے۔ صوفی محمد اکرم صاحب گئے مگر آپ حضرات سے ملاقات نہ کر سکے جس کا افسوس ہے، خدا کرے کہی طرح وہ رد بدعات ساتھ لے گئے ہوں۔ ان کی کتاب ”صحابہ کا عشق رسول“ بھی مغرب پرکس سے آجانی چاہیے۔ آپ کے نام وہ بھی ارسال ہوگی۔ خدا کرے پسند آئے۔ مولانا شرف صاحب کی خدمت میں دیدیہ سلام پیش ہے۔ رد بدعات پر ان کے اور حکیم محمد موسیٰ صاحب کے تاثرات کا انتظار ہے، مولانا نعمانی صاحب بخیر ہیں۔ سلام قبول ہو۔ [محمد احمد مصباحی غفرلہ ۱۳ مئی ۱۹۸۵ء]

☆☆☆

مکتوب (۳) محترمی مولانا مفتی پائش قصوری..... تجویہ مسنونہ..... مزاج گرامی؟

۳ جون ۱۹۸۵ء کا مرسلہ کرم نامہ نظر نواز ہوا۔ اس سے قبل سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ ملیں۔ پھر الاغاضات الیومیہ اور الجواهر المنظم وغیرہ دستیاب ہوئیں۔ عنایات فراوان کا بے حد شکر گزار ہوں۔ مولانا شرف قادری صاحب کی خدمت میں عریضہ ہے کہ کتاب کا اندراج ضرور کریں گے اور دوسرے کی صورت میں آگاہی فرماتے رہیں گے، میں بھی یادداشت رکھنے کی کوشش میں رہتا ہوں۔ بہار شریعت مطبع اگرہ کا ایک سین ارسال ہے۔ تذکرہ میلاد رسول طبع تو ہو چکی مگر پارسل کا شب و روز انتظار ہے اس لیے اس کی کتابت شدہ کاپی بھیج رہا ہوں۔ اسی کو ریویو کر کے ۱۸۔۔۔ ساز پر یہاں طبع کرایا گیا ہے۔ آپ چاہیں تو اس کی ایک جدید کتابت ۲۴ صفحات میں لاسکتے ہیں۔ یہاں کاتب نے ۳۳ صفحات کر دیے تھے، جسے میں نے کنگ کرا کے ۳۰ میں کیا۔ ایک صفحہ سلام رضا، ایک صفحہ تعارف کتب شامل کر کے ۳۲ صفحات پورے ہو گئے۔ آپ کے پاس ۲۹ صفحات ارسال ہیں، نائل جج دہلی میں رہ گیا۔ آپ کے لیے کوئی خاص کام نہ بھی نہ ہوتا۔ مطبوعہ نسخہ بھی آنے کے بعد ملا تو ارسال کرنے کی کوشش ہوگی۔ ساتھ میں صوفی محمد اکرم صاحب کی ترتیب ”صحابہ کا عشق رسول“ بھی ہوگی۔ مولانا یحییٰ اختر صاحب آج ۵ شوال کو یہاں تشریف لائے تھے آپ کا تاثراتی مکتوب پیش کر دیا۔ مزہ

تاثرات کے خنجر ہیں۔ اب وہ پوری کتاب اور ترتیب پر نظر ثانی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ الشوریہ الہندیہ کی کتابت سست و رفتاری کے ساتھ تکمیل کے قریب پہنچ رہی ہے۔ دیکھیے طاعت کی رفتار کیا ہوتی ہے؟ استقامت کا فہر شائع ہو گیا۔ بمشکل ایک عدد حاصل ہوا ہے، مزید کا انتظار ہے، کانفرنس توفیق سے زیادہ ناکام رہی، بیرونی مندوبین نفی کے برابر رہے، اخبارات و رسائل میں اعلانات کہیں نظر سے نہ گزرے۔ خیریت کیسے کہ نعمانی صاحب اور رفیق کی غیر معمولی کاوش کے باعث نمبر کا مایاب ہے۔ فہرست کے بارے میں ہم نے جو خاکہ بنا کر دیا تھا وہ ناکمل تھا مگر زبانی طور پر سب ہدایات دے دی گئی تھیں، اصحاب ادارہ کا کوشش ہے کہ جب طرح کی فہرست بنائی۔ ہمارا مقصد یہ تھا کہ سب کو سنا جائے اور اگر کامیاب ہوں تو کچھ نہ کچھ مضامین آجائیں۔ چنانچہ اس قسم کے مضامین راقم نے خود اپنی عمرانی میں یہاں کے اہل قلم سے تیار کر کے جو شمل مجموعہ ہیں۔ ایک توطیع میں ترتیب باقی نہ رکھی۔ دوسرے فہرست میں بھی مرتب طریقہ پر سب کو باختلاف صفحات (کی) نہ دکھاسکے۔ تاہم فہرست اور قابل مطالعہ ہے، جسے امید قوی ہے کہ پڑھائی حاصل ہوگی۔ میں نے آپ کے نام ایک عریضہ میں چند کتابوں کے نام لکھے تھے کیا وہ سب دستیاب ہو سکتی ہیں؟

مکتبہ قادریہ کی فہرست میں شرح مطالعہ جلال کا نام برابر آ رہا ہے، ۷۷ حصہ سے میں اس کا طالب ہوں، دو عدد اگر ہو تو ارسال کرائیں۔ اور بالکل ختم ہو چکی تو نئی فہرستوں میں اس کی قیمت کی جگہ خالی کر دیں، تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ کتاب موجود ہے۔ دوسرے حالات بفضلہ تعالیٰ اچھے ہیں۔ علامہ شرف قادری، مفتی صاحب، اور حکیم صاحب وغیرہم بزرگوں کی خدمت میں دیدیہ سلام پیش ہے۔ خدا کرے تمام حضرات بعینت ہوں۔

[محمد احمد مصباحی غفرلہ، فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، طبع ۱۳ مئی ۱۹۸۵ء، ۵ شوال ۱۴۰۵ھ مطابق ۲ جون ۱۹۸۵ء]

☆☆☆

برادر محترم مولانا یحییٰ اختر مصباحی! .... سلام مسنونہ... مزاج گرامی؟

بشارت نامہ موصول ہو کر مسرت بخش ہوا۔ اندازہ ہوتا ہے کہ قابل اعتماد شخص غیر مقرر اور غیر پیر ہو کر بھی آزمیدان عمل میں آتے تو ابھی قوم بہت کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہے۔ الحمد للہ کہ آپ نے اعتماد اور اثر دونوں حاصل کر لیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ منصوبوں کے مطابق آپ کو کامیابی مل جاتی ہے تو الجمع الاسلامی کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی کیوں کہ اس کے سارے مقاصد آپ نے دارالعلم میں جذب کر لیے ہیں اور اس کے لیے اہل کارکان میں سے کوئی اپنا مکمل وقت بھی نہیں دے سکتا جب کہ دارالعلم کے لیے آپ سب کچھ کرنے کو ہمہ وقت حزم کر رہے ہیں۔ مقاصد بروئے کار آنا ضروری ہے خواہ الجمع الاسلامی کے نام سے ہو یا دارالعلم کے نام

ہے۔ آپ کا منصوبہ و خیال بھی یہی ہوگا۔ مجاز سے متعلق کوئی اطلاع نہ لی، خریدار پریشان ہیں۔ غالباً یہی، جنوں کا بھی مشترکہ دوسری شمارہ نکالنے کا پروگرام ہے تاہم اطلاع مل جاتی ہے تو بتانے میں آسانی ہوتی ہے۔ والسلام۔۔۔

محمد احمد مصباحی [۷/۱ ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ / یکم جون / ۱۹۹۱ء]

☆☆☆

باسمہ تعالیٰ و تقدس

بخدمت گرامی حضرت علامہ قمران علی دام ظلہ ————— سلام مستنون

خبر ملی کہ آپ کی اہلیہ محترمہ اس دار فانی سے دار بقا کو رحلت کر گئیں۔ اناللہ وانا الیہ زاجعون ایک دیرینہ مونس و شریک حیات کی ناگہاں جدائی کسی کوہ الم سے کم نہیں، یقیناً آپ کو زبردست صدمہ پہنچا اور فرزندوں کو بھی، مگر قضاے الہی میں کسی کو فعل اندازی کا یار نہیں، ولارادۃ لقضائہ، اللہ ما اخذ وما اعطی، وکل شیء عنده الی اجل مستقی۔

رب تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، اور جات بلند کرے اور آپ حضرات کو صبر جمیل و اجر جزیل سے نوازے اور اس غم و الم اور صبر شکیب کو آپ حضرات کے لیے رفع درجہ کا ذریعہ بنائے۔ جملہ فرزندوں کو سلام مستنون مع تعزیت مسطور۔

شریک غم۔ محمد احمد مصباحی

ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور

ورکن الجامع الاسلامی مبارک پور

۱۲ شوال ۱۴۳۰ھ / ۱۶/۱۶ جون ۲۰۰۹ء

☆☆☆

عزیزان گرامی ————— فرزندان مولانا حسین الہدی نورانی

آپ کے والدہ جد کی رحلت کی خبر بوساطت فون سے ملی، وقت اتنا کم تھا کہ جنازے میں شرکت کی صورت نظر نہ آئی۔ اس ناگہانی خبر سے سخت قحط اور صدمہ ہوا۔

موصوف میرے رفیق درس تھے۔ ہم لوگوں کے درمیان دینی، علمی، اشتافی اور دعوتی امور پر اکثر جدلات و خیالات ہوتا رہتا تھا۔ جب میں فیض العلوم جیشہ پور میں مدرس تھا اس وقت ایک بار بدیعت الافواہ گیا میں بھی حاضری کا اتفاق ہوا اور مولانا کی صحبت میں آپ کے جد امجد مولانا شاہ سراج الہدی علیہ الرحمہ سے بھی ملاقات و گفتگو کا موقع ملا۔ ایک بار ذرا تفصیل سے کتب خانے کا بھی جائزہ لیا اور بہت سی اہم کتابوں سے روشناسی اور کچھ

استفادے کا بھی شرف حاصل ہوا۔

میں جیشہ پور میں تھا اسی دوران مولانا بھی باری مسجد کے امام و خطیب کی حیثیت سے جیشہ پور آ گئے تھے۔ اس وقت ناکر اور دھکی ڈنڈ وغیرہ میں اکثر حالات کا ہونا رہتی۔ وہاں سے آنے کے بعد جلاب پور، محمد آباد گوہنہ و مبارک پور میں رہا تو بھی روابط جاری رہے۔ خصوصاً مبارک پور وہ آتے تو دینی علمی مسائل کے علاوہ بعض خانگی معاملات پر بھی محل کر گفتگو کرتے۔ ناگہاں یہ سارا ربط ٹوٹ گیا۔ جیسے کسی نے میں سوچا وہاں کمرسار کشش کاٹ دیا۔ مگر قدرت کا فیصلہ اہل ہے۔ اس دنیا میں کوئی جگہ دوام کی سند سے کرنا آیا۔ ہر آنے والے کو ایک دن چاہیے۔ موت سے کس کو رستگاری ہے

مولانا تعالیٰ ان کے ساتھ رحمت و غفران کا معاملہ فرمائے۔ ان کی نیکیوں کا نفع دوبا کرے۔ آپ سب

بھائی بہنوں اور آپ کی والدہ ماجدہ و دیگر متعلقین کو صبر جمیل و اجر جزیل سے نوازے۔ فیری راہ میں مشکلات جھیننے کا حوصلہ بخشنے، دین و شریعت پر استقامت اور داریت کی سعادت نصیب فرمائے۔ آپ لوگوں کے درمیان اتفاق اور محبت و وداد قائم رکھے اور نیکیوں کی راہ میں سب کو تیز کام بنائے۔ آمین یا رحم الراحمین بجاہ حبیبک سید المرسلین علیہ وسلم و علی آلہ وصحبہ افضل الصلوٰۃ و اکرم التسلیم۔

غیم غیم و غم گسار

محمد احمد مصباحی

۲۴ ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ

۳ نومبر ۲۰۰۹ء

صدر المد رسین، جامعہ اشرفیہ مبارک پور، عظیم گڑھ

☆☆☆

حضرات فرزندان اسلام سید مظہر ربانی علیہ الرحمہ ————— سلام مستنون

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۱ مارچ ۲۰۱۴ء جد کی صبح کو پیر طریقت عساکر شریعت حضرت مورتا سید مظہر ربانی قبلہ کے وصال پر ملال کی خبر سنی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی عظمیٰ رضوی علیہ الرحمۃ و الرضوان کے دور آخر کے شاگردوں اور دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور کے دور اوس کے قابل فخر فرزندوں میں تھے۔ مختلف میدانوں میں ان کی اُراں قدر خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ ہاندہ میں دارالعلوم ربانیہ بھی ان کی حرکت و عمل کی ایک دل آویز یادگار ہے۔ دیگر مقامات میں بھی نہ معلوم کتنی یادگار ہیں۔ ہوں گی جو ان کی یاد ہمیشہ زندہ رکھیں گی۔

ان کا ساختہ ارتحال نہ صرف اہل خاندان و اہل سلسلہ بلکہ سب اہل سنت کے لیے غم و اندوہ کا باعث ہے۔ فز کل شیء عنده لاجل مستقی و لیس یؤخر اللہ نعشہ، اذا جاء اجلہا۔

ہم پر لازم ہے کہ مرضی موٹی پر راضی رہیں اور صبر کا ثواب عظیم ضائع نہ ہونے دیں۔  
عزیز المساجد جامعہ اشرفیہ میں حضرت کے لیے دعا و ایصال ثواب کا اجتماع کیا گیا۔ موٹی تعزلی  
ان کے درجہ بند فرمائے اور جلد پس ماندگان کو صبر جمیل و اجر جزیل سے نوازے، ساتھ ہی انھیں اور  
بیمیں دین و دشت کی بیش بہا خدمات کی توفیق جلیبیل مرحمت فرمائے۔ آمین  
والسلام مع الاکرام

فرمے: غم: خدام جامعہ اشرفیہ مبارک پور

☆☆☆

مکتوب نمبر (۱) برادر عزیز مولانا حافظ احمد القادری (امریکہ) سلام مستون

۷۷ رمضان کا مرحلہ ختم ہوا۔ میں آپ سے کہنے والا تھا کہ سترے دن روزہ نہ رکھیں مگر کئی بار ملاقات کے  
وقت بھول گیا، جانے کے بعد سوچا کہ آپ خود ہی اس کا لحاظ کریں گے، خیر پریشانی تو ہونی مگر نفوس کی بات نہیں، جس  
طرح یہ روزہ زندگی کا سب سے بڑا روزہ ہوا اسی طرح ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا اجر بھی سب سے بڑا ہوگا۔  
غالباب مولانا زرقانی بھی وہاں پہنچ چکے ہوں، مولانا محمد اقبال صاحب نے برطانیہ ان کے پہنچنے پر وہاں سے  
۵ مارچ کو امریکہ کے لیے روانہ ہونے کی اطلاع اپنے خط میں دی ہے، خدا کرے یا ہم مل جل کر خیر و خوبی کے ساتھ  
معتقدہ خدمات انجام دیں۔

الجمع الاحمدی کا تعمیری کام اب تک موقوف ہے، کتابوں کا اسٹاک یہاں اب فوراً منتقل کرنے کا خیال ہے تاکہ  
یہاں رہ کر دونوں کام (اشاعتی و تعمیری) بخوبی ہوتا رہے۔

۸ شوال کی شام کو مبارک پور آیا، ۹ شوال سے شب دروز امتحان داخلہ وغیرہ کے کام ہوتے ہیں، ترجیح  
۱۹ شوال سے تعلیم شروع ہو سکی، سامانہ امتحان کا رزلٹ باقی تھا، پھر داخلہ بھی زیادہ ہوا، درجہات عربی میں ایک جزر  
سے زائد اور حفظ و قراءت میں ڈیڑھ سو کے قریب طلبہ ہو چکے ہیں۔

آپ کا خط مولانا ناصر اللہ صاحب، مولانا مسعود صاحب وغیرہ کو دکھادیا، بفضلہ تعالیٰ سب لوگ بخیریت ہیں، آپ  
کی کامیابی و کامرانی کے لیے رب کریم سے دعا و انتہاء ہے، وہ اپنے بے پناہ فضل و عنایات سے نوازے۔

والسلام

محمد احمد مصباحی

شب ۲۰/۱۰/۱۴۱۷ھ / ۲۷/۲/۱۹۹۷ء

مکتوب نمبر (۲) برادر عزیز مولانا حافظ احمد القادری (امریکہ) سلام مستون

خط مرحلہ ۳۳ مارچ ۱۹۹۷ء میں موصول ہوا، اس سے قبل واسلے خط کا جواب دے چکا ہوں۔  
اس خط کو قیاس کرنے کی کوشش ایک ہفتے تک ہوئی رہی مگر ناکامی رہی، ہاں خدا کا سے ار سال ہوا۔

یہاں جو فرسودہ نظام ہے اس میں ٹیکس اور فون سب پریشان کن ہے، ایک دن رات ہی فون کے لیے رمضان  
میں کوشش ہوتی تھی تو تقریباً ایک گھنٹہ صرف ہو گیا، شوال میں مولانا اقبال صاحب نے مبارک پور فون لگانا تو بڑی  
مشکل سے لائن ملی اور جب تک میں پہنچا لائن کٹ گئی، پھر انھوں نے کوشش کی مگر ناکامی رہی اس طرح کے  
الٹا دکھائے معمول بن چکے ہیں۔

برطانیہ سے امریکہ ایک منٹ کے لیے صرف ۱۲ پیسے میں کال ہو جاتی ہے، یعنی انڈین روپے سے سات  
روپے میں اور برطانیہ سے انڈیا ۶۹ پیسے میں ہوتی ہے یعنی قریب چالیس روپے میں۔ اس کے بعد بھی اطمینان  
نہیں کہ کنگو پوری ہو جائے۔

فون لگنے کے لیے درخواست، کاغذات اور رقم غائبانہ ۵ ماہ قبل جمع ہے مگر اب تک کچھ پتا نہیں، کئی بار دوڑ  
دھوپ بھی ہوئی، بہت سے دوسرے لوگ بھی دوڑ رہے ہیں مگر ہر کام اپنی انتہی رفتار سے ہوتا ہے۔  
انجمن کا پوری کمرہ جس کی بنیاد بھر چکی تھی اب اس کی دیوار کھڑک آچکی ہے، لائبریری کی بھی بنیاد پڑ گئی ہے۔  
کتابوں کا سارا اثاثہ محمد آباد سے مبارک پور آخر شوال کو آچکا ہے۔ کھانا بھی محمد آباد ہی میں ہے، مبارک پور  
میں بھی جلد ہی کھانا ہے۔

اسال اشرفیہ میں بیرونی طلبہ کی تعداد ساڑھے گیارہ سو ہو گئی، گزشتہ سال نو سو سے کم تھے، پرانے ہاسٹل  
کے اوپر کچھ کمرے زیر تعمیر ہیں، مسجد کا کام بھی ہوتا رہتا ہے۔

اشرفیہ سے حج و زیارت کے لیے جانے والوں کی تعداد اس سال زیادہ ہے۔  
حضرت مفتی شریف الحق صاحب، علامہ ضیہ المصطفیٰ صاحب، مولانا عبد الحق صاحب رضوی، مولانا

عبد الشکور صاحب، حافظ محمد عمر صاحب، حافظ محمد ہاشم صاحب۔

نصف چائیکے نصف اول ۵ رماہ / اپریل تک یہاں سے روانہ ہوں گے، مولانا تعالیٰ مقبول فرمائے اور ہمیں  
بھی توفیق خیر سے نوازے۔ حامد رضائے محمد آبادی میں داخلہ لے لیا ہے۔

دیگر احوال بفضلہ تعالیٰ اچھے ہیں۔ خدا کرے آپ بخیر و عافیت ہوں اور رہیں۔

والسلام

[محمد احمد مصباحی، اشرفیہ مبارک پور، ۱۷/۱۰/۱۴۱۷ھ / ۲۷/۲/۱۹۹۷ء]



مکتوب نمبر (۳) برادر عزیز مولانا حافظ احمد قادری اکر مکرم المولیٰ - سلام مسنون

مزاں گری؟

آپ کا خط موصول ہوا۔ الجمع الاساسی کے رجسٹریشن، دستور اور تعارف وغیرہ سے متعلق آپ کا مشورہ بجا ہے مگر کام چلتا جا رہا ہے، جو بانیان ہیں وہ چار حضرات یا پانچ حضرات پانچ جگہ ہیں، ساری ذمہ داری میرے سر آجاتی ہے، دیگر ارکان میں آپ، مولانا نصر اللہ صاحب، مولانا عبدالغفار صاحب کا نام ہے بفضلہ تعالیٰ آپ لوگوں کا تعاون برابر حاصل ہے۔ بہر حال رب تعالیٰ کا فضل شامل حال رہے تو سب کچھ آسان ہے۔ تعارف تو چھپتا ہے، دیکھیے کب توفیق ہوتی ہے۔

رضا مسجد کا کام شروع نہ ہو سکا، گری کی شدت ہے اور آمد و رفت کی پریشانی، مگر انی مولانا نصر اللہ صاحب کو کرنی ہوگی مگر پریشانی کے باعث میں سوچتا ہوں کہ ذرا موسم نرم ہو تو کام شروع ہو۔

علاء المصطفیٰ بھٹی کو آپ کا خط ملتا تھا، وہ جواب لکھانے کے لیے گزشتہ ہفت میں میرے پاس آئے، میں نے کہا کہ مجھے بھی خط لکھنا ہے اسی میں آپ کی خبر و عنایت کا ذکر کروں گا۔

گھر پر حالات حسب معمول ہیں، رب تعالیٰ آپ کو عزت و عنایت کے ساتھ دینی و ملی خدمات کے میدان میں کام یاب و کامراں رکھے اور ہم سب کو توفیق خیر سے نوازے۔

والسلام

محمد احمد مصباحی، اشرفیہ مبارک پور

۱۶ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ / ۲۳/۵/۱۹۹۷ء

☆☆☆

عزیز مولانا انور علی۔ سلام مسنون

یہاں سے جانے کے بعد نہ آپ نے کوئی خط لکھنا نہ کوئی اطلاع ملی کہ ترجمہ کا کام کس مرحلہ میں ہے اور باقی کی تکمیل کب اور کیسے ہوگی؟ مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ آپ کہاں ہیں۔ تفتیش کے بعد چلا تو یہ خط لکھ رہا ہوں۔ اپنے احوال اور ترجمہ سے متعلق تفصیل لکھیں۔ کتابیں بہت حفاظت سے رکھیں اور جلد ہی کام مکمل کر کے سب یہاں بھیجنے کی کوشش کریں۔ احباب اور اہل کو سلام کہہ دینا۔

محمد احمد مصباحی [۹ ربیع النور ۱۴۱۸ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۱۹۹۷ء]

☆☆☆

مکرم مولانا حمید علی سی (صدرالمدینین دارالعلوم نعیمیہ، ممبئی) کو خط

سلام مسنون..... مزاں گری؟

ان کی خدمات کو جاننے والے بھی دنیا سے انکسار نہیں تھا انھیں قلم کاروں کی جگہ تھی۔

(۱) جو سچے ہیں ان کا یہ لگائیں اور ان سے لکھنا میں ان سے حالات سن کر قلم بند کریں۔

(۲) اس سلسلے میں صرف ایک کتاب "حیات صدرالافاضل" [از مولانا غلام معین الدین نعیمی] عرصہ ہوا چھپی تھی آپ اس کی دوسری اشاعت کا انتظام کریں تاکہ اہل قلم کو دے کر لکھا سکیں۔

(۳) صدرالافاضل سے متعلق السواد الاعظم، سنی و دیگر رسائل کے اہل قلم لکھتے تھے تو ان کی تم اہم موجد و نوکالپ کریں تاکہ لکھنے والے ان سے استفادہ کر سکیں۔

(۴) السواد الاعظم، جدید سکندری، سنی، انوار الصوفیہ وغیرہ جتنے بھی رسائل میں حضرت کے کچھ حالات و واقعات ملتی ہیں انہیں جمع کر کے نوکالپ کریں۔ لائبریریوں اور ذاتی کتب خانوں سے ہی حاصل ہوں تو ان سے لے کر نوکالپ کریں۔

(۵) ان کی جو تصانیف مطبوعہ ہیں مگر نایاب یا کمیاب ہو چکی ہیں تو دوبارہ ان کی اشاعت کی فکر کریں یا سو کی تعداد میں ان کی کاپیاں اپنے پاس محفوظ کر لیں تاکہ مذکورہ مقصد میں کام آئے۔

(۶) اگر کوئی مضمون یا تحریر غیر مطبوعہ ہو اور محفوظ ہو تو اس کی اشاعت کا بندوبست کریں۔

(۷) رسائل میں اگر ان کے متفرق مضامین مل جائیں تو یکجا کر کے شائع کریں۔ اسی طرز پر فیض مسعود احمد صاحب کی کتاب تحریک آزادی ہند اور ماہنامہ السواد الاعظم کی بھی ہندوستان میں اشاعت فرمائی ہوگی۔ میرے خیال سے یہ سارے کام سمیٹ کر سے زیادہ ضروری اور اہم ہیں، ساتھ ہی سمیٹار کے انعقاد کا ضروری وسیلہ اور لازمی تیاری بھی۔ سال دو سال کی تاخیر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں مگر جو کام ہو باقاعدہ اور باقاعدہ ہو جس چہ جذباتی مضامین لکھ، لکھا لینے سے شخصیت کا حق ادا نہیں ہو سکتا باقی آپ حضرات خود غور فرمیں۔ ان کاہل کے بعد پھر آپ سے سمیٹار اور اس کے انعقاد کے طریقہ کار وغیرہ پر چٹکھ تفصیلی مذاکرات میں ملے ہو سکتی ہے۔ بروقت اجازت دیں۔

والسلام..... محمد احمد مصباحی

[فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، ۱۰ فروری ۱۹۹۷ء]

### اچھی المریز مولانا محمد اسحاق الرضوی — تحفہ وسلاما

تسلیمت رسالتکم قبل أسبوع، كنت احسب أن الترجمة ذهبت بها، لكن فثنت الكتب والقراطيس بعد ما تلقيت الرسالة فوجدت الترجمة عندی، واليوم سلمتها إلى الأخ العریز الأستاذ محمد عرف الله القادری ليطالعها عاجلاً بنظرة تصویب فانی كثرت الأشغال عندی، ولا اكاد أكملها فی أسابيع، وأرجو من فضل ربی القدر أن یمنعنی الفرصة فی قابل عاجل لقراءة ما كتبتم ونسأله العون فی كل ما نرید وكفی به ناصرًا ومعیناً وإلیه المرجع والمآب

من المامول أن کتاب "مفاهیم یجب أن تصحح" وغیره ورد إلیکم من لاهور وسخة الكتاب المذكور الی كانت عندی كنت وضعتها علی الكتب الی اخذتم فالمرجو أنکم ذهبت بها — ولذا كنت وضعت. أتمنى السلامة والعافیة ودوام العافیة لکم والسلام علیکم وعلی الإخوان الکرام، زادکم المولى رقیاً.

محمد احمد المصباحی

من فیض العلوم، بمحمدآباد کهنه، اعظم جراه

☆☆☆

### اچھی المریز مولانا محمد اسحاق الرضوی — تحفہ وسلاما

أسفًا وبدماً علی أنى لم أكتب إلیکم شیئاً مع ما تسلیمت الترجمة — فأزیرلواهمومکم بأنی قد ألفیت کل ما أرسلتم إلی بید الطالب توقیر أحمد وبالرید مرتین، إلی مضجوع بموات الأوقات فی هذه الدار. وذا لأسباب. أدعو المولى الموفق الکریم أن یمنح لی الفرص ویوفقنی للخیر ویزیل العائقات. کان الاستاذ عبدالحکیم شرف القادری أرسل الیکم الكتب لکنها اردت إلیه فأرسل ثانیاً إلی فیها: "مفاهیم یجب أن تصحح" ومن الظلمات إلی النور/ وشیشے کے گھر/ والبریلویہ/ ورسائل الإمام أحمد رضا المطلوبه. وفی الظرف الراهن أسوب "باغی هندوستان" فإن بعض أهل العلم مرتقون لطبعه ویتشوقون ما أضیف إلیه من الأبحاث الجدیدة.

ومن المبشرات أن مقال الذکورة للسیدة قمر النساء بیگم الحیدر آبادیة قد نُشرت من المکتبة القادریة بلاهور وتسلیمت نسخة منها أسس تحتوی علی نحو سبع مائة صفحہ. هذا جد حسس ناحج فی التعریف بأحد من علماء أهل السنة. کثر المولى ما

یومع ویجلی صنائع أعلامنا النبلاء، ذمتم بحیر.

والسلام علیکم وعلی من لدیکم  
محمد احمد الاعظمی المصباحی مبارک پور  
۱۹۸۷/۱/۱۴ م

☆☆☆

### الایخ المریز مولانا محمد اسحاق الرضوی — تحفہ وسلاماً

تسلیمت الیوم رسالتکم مع جلد أعداد هدی الاسلام — شکراً — ماکتبت عن "الطلعات والنور" لعلکم تشتملون باعادة النظر إلیها فی رمضان.

"المورد السهل فی النحو العربی" هذا الاسم یحتاج إلی تعبیر واختصار مثل "قواعد النحو" — "النحو العربی" "النحو السهل" "النحو المیسور" مسائل النحو. فإن الجزء الأول من الاسم المختار لا ینبئ عن مواد الكتاب حتی یتم الجزء الآخر. فیتخشی أن یمجر الآخر ویبقى الأول غیر منبئ عن محتویات الكتاب وما رأیت فی "ادیب بارع" فحسن. قام المجمع الاسلامی فی الأيام الراهنه بنشر بعض الكتب الأردیه وهی:

(۱) المبین للاستاد السید سلیمان اشرف

(۲) حقائق تحریک بالاکوٹ لنشاه حبیب الکریدی

(۳) امتیاز حق... راجا غلام محمد

(۴) مشلته ختم نبوت اور تحذیر الناس للعلامة احمد سعید الکاظمی وعدة کتب سوا ما ذکرتم.

وأرجو من فضل الله وتیسیره أن تاتی الكتب المذكورة قبل منتصف شعبان من ذلھى إلی محمد آباد.

والسلام

محمد احمد المصباحی

۱۹۸۸/۳/۲۱ م

☆☆☆

## عزیز کرم مولانا حکیم محمد اسحاق رضوی سلام مسنون

میں نے آن آپ کا ترجمہ اٹھایا کہ چند دنوں میں دیکھ کر اسے لاہور بھیج دوں، ایک دو صفحے دیکھے تو ناہل نے کافی غلطیوں کی ہیں، ترجمہ کی موذویت اور حسن و خوبی سے زیادہ دماغ سوزی نفس عبارت کے ملائے میں ہو رہی ہے، اس لیے آپ اصل ترجمہ اپنے قلم کا لکھا ہوا، اور سال کریں، نقل کی جھج تو خود آپ کو وقت نظر کے ساتھ کر دینی تھی تاکہ میری زحمت کم رہے۔

دوسری خرابی اس نقل میں یہ ہے کہ حوالہ کی عبارتیں اصل کتاب سے حوض کم کر کے درمیان میں مستزاد پر لکھی جاتی ہیں، لیکن نقل میں ساری سطریں مسلسل ہیں، یہ سخت مصیبت ہے، ممکن ہے آپ نے خود دیکھے ہوئے یہ امتیاز قائم کیا ہو۔

افسوس کہ حکیم کے ایام میں دیکھنے کا موقع بالکل نہ نکال سکا ورنہ اصل کتابی جھپٹے ہی طلب کر لی ہوتی، اب آپ کی کتاب دیکھنے کے بعد ہی میں کسی عجیب تک پہنچ سکوں گا، ہو سکتا ہے ہفت عشرہ مبارک پر میں آپ کا وقت لینا پڑے، مزید کیا لکھوں، بہت سارے کام پڑے رہتے ہیں اور کوئی معاون و مددگار بھی نظر نہیں آتا، ہر کام میں تاخیر، تعویق، انقطاع ہوتا رہتا ہے۔ مولانا تعالیٰ میرے حال پر رحم فرمائے۔

والسلام

[محمد احمد مصباحی، فیض العلوم محمد آباد گوہنہ، ۱۸، ۴/۳/۱۹۸۸ء]

☆☆☆

## مولانا الکرم حکیم محمد اسحاق رضوی سلام مسنون

خدا کرے آپ بخیر و عافیت ہوں۔ ایک عرصہ سے نہ آپ کا کوئی خط ملا نہ آپ کی قلمی سرگرمیوں کا کچھ سراغ مل سکا۔ ایک صاحب کمال کا قلم سے رشتہ توڑ لینا اپنے کو زندہ دفن کرنے کے مترادف ہوگا، ساتھ ہی اپنی مخفی صلاحیتوں اور علمی توانائیوں کے ساتھ نظم و انصاف بھی۔ رب کریم آپ کو آسیب روزگار سے بچائے اور دین و دھرم کی نمایاں خدمات میں لگائے، تعمیلی اصلاح سے متعلق آپ نے جو مضمون لکھا تھا وہ کہیں شائع ہوایا نہیں؟ نور مصطفیٰ، حجاز، تہذیب الاخلاق علی گڑھ میں ترمیم و نظر ثانی کے ساتھ بھیج دیں تو مناسب ہوگا، آپ کی خوش حالی و ترقی اور علمی و قلمی سرپرندگی کا متقی وعدہ گاہوں۔ انتظار جواب کے ساتھ۔

(محمد احمد مصباحی - ۸/۲/۱۹۹۰ء)

☆☆☆

عزیز کرم مولانا محمد اسحاق رضوی سلام مسنون! بخیر و عافیت! زخمد رہنے کے لیے عزم جواں اور ہمت و استقلال چاہیے، آپ کو معلوم نہیں کہ ایک شخص کے علاوہ

سارے جس نے آپ کی حمایت کی اور ایک معترف کا بھی، میں نے جو جواب دیا اور اس گرفت پر جو کڑی گرفت کی اس کا کوئی جواب ان سے نہ مل پڑا۔ مجھے معلوم ہو سکا کہ اس قسم کی باتوں سے آپ خاطر برداشتہ ہوئے ہیں تو پوری چاہیے نہ ہی اپنی حقیقت اپنی حیثیت سے زیادہ قرار دینا چاہیے، یہ یاد رکھیے کہ دنیا قدر دانوں سے نہ کل خالی تھی نہ انجام دیں ان کی حیات میں خود ان کے قریبی داخل میں ان کی پذیرائی اور قدر افزائی کتنی ہوتی؟ چند حضرات کے سوا بیش تر تو یہ بھی نہ جان سکے کہ اس سبب غول میں ردو اٹا کے ساتھ اور کتنی عظیم تحقیقات ہوتی رہتی ہیں، خود ردو اٹا میں جو انھوں نے تحریر کر دیا ہے آج میں عالم اسلام کے نام درج، محدث، نقیہ قسم کے شہرت یافتہ اہل قلم کی تحریروں سے مقابلہ کرتا ہوں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ردو قوتی میں بھی کتنی کمزوری تھی جو دنیا کے اکابر محققین کے مطالعہ و تحقیق میں نہ آسکی مگر اعلیٰ حضرت نے یہ بھی فرمایا تھا کہ (اگرچہ کسی اور موقع کے ہے)

بے نشانوں کا نشان مٹا نہیں

مٹتے مٹتے نام جو ہی جائے گا

یہ شعر میں دیکھتا ہوں تو ان کی شخصیت بہ بالکل راست نظر آتا ہے، قدرت نے بے شمار محققین کو آج تک کا زور دیا ہے۔

ہاں صالح بخیر قبول کر لینا چاہیے اور صالح و غیر صالح کی آمیزش پر مشتمل ہو تو "خدا صفا و دین، انکدر" کی راہ روشن ہے۔ اصل کام یہ ہے کہ تعلیم عام ہو، مطالعہ وسیع ہو، ذہن کے در پچھیں اہل علم و فکر سے دماغ روشن ہو، فضلہ تعلیمی یہ کام رفتہ رفتہ ہو رہا ہے اور مزید کوشش جاری ہے۔

ہمارے علاوہ دوسرے ممالک میں اور خود ہندوستان میں بھی جہاں مسلک اشاعت اور احقاق حق و ابطال باطل، نفعات انجام دے رہے ہیں وہیں غیر مسلموں اور انھوں کے رد اور انھیں دعوت حق دینے کا کام بھی کر رہے ہیں۔ مولانا عبدالعظیم مدظلہ میرٹھی قدس سرہ کی تو پوری زندگی اس میں گزری، ان کے جواب ستند حضرت اس کی کوشش کر رہے ہیں۔ بہر حال ہمیں بلند فکر ہو کر ایسے کام کرنے چاہئیں جو دنیا و آخرت دونوں جگہ نفع بخش ہوں اور جہاں مقصود و ضلے ہوئی، پورے اہل اسلام سے زیادہ سرسبز کوہ پرست تمدن کر رہے ہیں لیکن بازار آخرت



الف، وغیرہ مبرزہ و مصل تالفظ میں آتا ہے اس کے اوپر یا نیچے حسب تلفظ چھوٹا ہمزہ لگانے کا التزام ہے۔ اور بھی چیزیں ہیں، مسودے میں ان سب کی رعایت ہوگی جب تک کہ کچھ صحیح ہو پانے کی۔ آپ کی خیر و رعایت کا کتنی ہوں۔

والسلام

[محمد احمد مصباحی، ۱۱/۷/۱۳۲۹ھ/۱۳/۵/۱۹۹۵ء]

☆☆☆

کرمی مولانا حکیم محمد اسحاق رضوی ————— سلام مسنون

خط۔ رسائل رد مرزائیت کا ایک نسخہ مطبوعہ کراچی، قادری یک ذی قعدہ بریلی سے آیا ہے اب اس کی فوٹو کاپی جلد ہی آپ کو ارسال ہوگی، ساتھ ہی رسالہ تعزیر دہری بھی، رسالہ تعزیر دہری میں بعض مراسم سے متعلق سوالات ہیں، ان مراسم کی توثیق حاشیہ میں کرنی ہوئی تاکہ قاری سوالات و جواب بخوبی سمجھ سکے۔ خدا کرے کہ قہر بعینت ہوں۔

محمد احمد مصباحی

۱۳۱۶/۸/۸

☆☆☆

کرمی مولانا حکیم محمد اسحاق رضوی ————— سلام مسنون

دونوں خط ملے۔ مولانا تقاضی آپ کو کامیابی عطا فرمائے اور برکتوں سے نوازے۔ میرا ارادہ مفرج کا ہے۔ اغلب یہ ہے کہ ذی قعدہ ہی کسی تاریخ میں رواگی ہو، آپ شوال کے اندر ہی ملاقات کریں تو اچھا ہے ورنہ محرم کے اخیر میں رکھیں۔ والسلام

محمد احمد مصباحی

فیض العلوم محمد آباد کوئٹہ

۳۷ شوال ۱۳۲۹ھ/۲۳ فروری ۱۹۹۶ء

☆☆☆

کرمی مولانا محمد یحییٰ رضوی [دارالعلوم غوثیہ رضویہ، نانڈیر، مہاراشٹر]۔ سلام مسنون

کرم نامہ موصول ہوا۔ جمع احادیث کا کام میں خود کوئی سال سے سوچ رہا تھا اور ارادہ تھا کہ چند فارغین کے درجہ اس کی تکمیل کراؤں۔ اتفاقاً جہان رضا میں پڑھا کہ آپ یہ کام تیار کر رہے ہیں تو میں نے ارادہ ترک کر دیا۔ یقیناً آپ نے جو خدمت شروع کی ہے بڑی ہی مسرت بخش اور قابل قدر ہے۔ رب کریم تمکین سے نوازے۔ اور اپنی خاص تائیدات مرحمت فرمائے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرفہ تخریج احادیث کے تحت جن کتابوں کے حوالے دیے ہیں ان میں بعض کتابیں وہ ہیں جو خود اعلیٰ حضرت کی نظر سے نہ گزریں یہ خود اعلیٰ حضرت کی تصنیف سے ظاہر ہے۔ بلکہ امام جلال الدین سیوطی وغیرہ کی جامع صفیہ اور جامع الجوامع وغیرہ کے حوالوں کی بنیاد پر ان کی تخریج فرمائی ہے۔ ان کتابوں میں سے چند مثلاً: مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، سنن سعید بن مسعود، مسند حمیدی، صحیح ابن خزیمہ، دلائل النبوة للعلامة، شعب الایمان للبخاری وغیرہ جس طرح شیعہ، بھلی یا بدیع ہو چکی ہیں، بعض وہ ہیں جو اب تک طبع نہ ہوئیں وہ کئی نسخے میں دست یاب نہیں۔ ان کے حوالوں کی جگہ کتب الرجال کا حوالہ دے دیا جائے۔

میرا ارادہ یہ تھا کہ مجموعہ احادیث "عربی میں تیار کیا جائے اور جن احادیث کے عمل الفاظ اعلیٰ حضرت کی کتاب میں نہیں آئے ہیں ان کی تکمیل اس کتاب سے کر دی جائے۔ میرے خیال سے جب آپ حوالوں کی تخریج کر رہے ہیں تو یہ کام آپ کے لیے زیادہ مشکل نہیں۔ اردو عربی دونوں مجموعے ایک ساتھ تیار ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی خیال تھا کہ جو حدیث اعلیٰ حضرت کی جس کتاب یا مراسلے سے اخذ کی جائے اس کتاب یا مراسلے کا حوالہ بھی دیا جائے اور مجموعہ کا نام "انجمۃ الرضویہ فی الدلائل احادیث، انبیہ" رکھا جائے۔

ابتدائی مرحلہ میرے ذہن میں یہ تھا کہ ایک کتاب میں جتنی احادیث آئی ہیں ایک جگہ لکھ دی جائیں اور نیچے اس کتاب کا حوالہ دے دیا جائے اور یہ بھی کہ فلاں موضوع کے اثبات میں یہ حدیث کتاب مذکور میں رقم ہوئی ہے۔ اس طرح ان تمام احادیث کا استحکام ہو جائے گا جو اعلیٰ حضرت کی کتابوں میں درج ہیں۔ البتہ بعض احادیث تکرر بھی ہو جائیں گی اس میں کوئی زیادہ حرج نہیں اور تکرار شرم بھی کی جا سکتی ہے۔ اس طرح کہ ایک جگہ حدیث لکھ کر ان تمام کتب و رسائل اور مقامات کے حوالے دے دیے جائیں جن میں اعلیٰ حضرت نے اس حدیث کو درج فرمایا ہے۔ ساتھ ہی اعلیٰ حضرت نے حدیث کی سند و متن یا اعتبار حیثیت سے متعلق کچھ لکھ کر کیا ہے تو وہ بھی لکھا جائے۔ اس طرح ایک ضخیم نمونہ تیار ہو جائے گا اگرچہ ابواب کی ترتیب نہ ہو سکی۔ مگر اس کی ایک صورت یہ تھی کہ ہر حدیث کا اندراج نمبر مسلسل لکھا جائے جس سے یہ شہد ہو سکے کہ کل کتنی احادیث ہوئیں اور آخر میں ایک فہرست ابواب بنائی جائے اور ابواب کے تحت اس سے متعلق احادیث کے نمبر درج کر دیے جائیں اس طرح موضوعات کے تحت جو شخص جو حدیث کا ذکر کر رہا ہو گا اس فہرست کے ذریعہ اپنے مطلوب تک پہنچ جائے گا کسی حدیث کا تعلق مستند ابواب سے ہے تو ان کتب ابواب کے تحت ان کا نمبر لکھ دیا جائے۔

ان مراسلے کا مومن کے ساتھ عمل حوالوں کی تخریج کو میں نے نہ سوچا تھا اس لیے کہ یہ سب دیر طلب و محنت فہم عمل ہے اس کے لیے کم از کم تمام مطبوعہ کتب حدیث کا مرتب کے پاس موجود ہونا بھی ضروری ہے۔ اس کے بعد غائبانہ خود شواہد سے وہ مزید برآں، آپ جیسے مفرد پر کام تقسیم کر کے اس کو بھی مگر کیا پاسکتا تھا۔ آپ کی ہمت قابل مدد و تہنیت ہے کہ آپ نے تنہا ان سب کی پابندی ابوابی، حوالوں کی تخریج اور ترجموں کی تکمیل کے ساتھ جمع کرنے کا ارادہ کیا اور



سات سو صفحتیں میں بھی کر دیے۔ ہر احکام و مسائل کی تحریر کا معیار میرے خیال سے یہ کام موضوعات سے خارج ہے۔  
کبھی نفس حدیث کی توضیح کی ضرورت ہو تو وہ کی جاسکتی ہے۔ احکام و مسائل کے لیے فقہی کتابیں کافی ہیں، چاہی کہ ہر  
کتاب میں درج شدہ تمام احادیث کی تدوین ضروری ہے۔ اس لیے وہ سات زیادہ آسان تھا جو میں نے تحریر کیا۔ میرے  
حساب سے طریقہ عمل یہی ہونا چاہیے کہ:

(۱) ایک تہنیف لی جائے اور اس میں جتنی احادیث آئی ہیں مبردار جمع کی جائیں۔ فتاویٰ رضویہ کی احادیث  
میں فتاویٰ رضویہ کا مضمون بھی درج کیا جائے اور رسائل کی احادیث میں رسائل کا نام ہی کافی ہے اور مضمون دے دیا جائے  
تو بھی حرج نہیں۔ اس طرح کسی کتاب میں درج شدہ کوئی حدیث چھوٹے نہ پائے۔

(۲) وہ حدیث کسی اور نے اپنے مطلب کے اثبات کے لیے لکھی تھی اور اعلیٰ حضرت نے اسے لکھ کر اس پر  
کلام کیا ہے تو اسے بھی واضح کیا جائے اور پوری تہذیب کو تحریر کیا جائے۔

(۳) کسی حدیث سے متعلق صحیح، حسن، ضعیف وغیرہ ہونے کا قیادہ ہے تو وہ بھی لکھا جائے۔

(۴) بطور مقدمہ منیر العین کی اصولی بحثیں بھی تخلیق کے ساتھ جمع کر دی جائیں۔ دیگر کتب میں بھی ایسی جو  
بحثیں ہوں وہ بھی جمع کی جائیں بشرطہ کہ مرقومہ احادیث کے ذیل میں وہ نہ آسکی ہوں۔

(۵) آخر میں ابوابی اور موضوعاتی فہرست دی جائے جس کے ذریعہ مطلوبہ حدیث یا سانی دست پایہ  
ہو جائے، اور شروع سے مسلسل مطالعہ کرنے والا اگر متنوع مضامین سے گزرتا ہے تو کوئی حرج نہیں۔

(۶) اصل کتب کے حوالوں کو اردو مجموعہ کے تحت رقم کرنے کے ساتھ ایک عربی مجموعہ بھی تیار کیا جائے  
اعلیٰ حضرت نے بہت سی احادیث کا کچھ حصہ اردو میں، کچھ عربی میں لکھا ہے۔ اردو مجموعہ میں تو انھیں عجیب لایا جاسکتا  
ہے مگر عربی مجموعہ میں مکمل الفاظ اصل کتاب سے جمع کرنا ضروری ہے۔

(۷) مسئل فقہ کی ضرورت نہیں البتہ فہرست کے ذریعہ بہت سے مسائل کا ذکر یا ابوابی اشارہ ہو جائے گا۔  
میرے خیال سے ان میں سے اکثر باتوں کو آپ نے بھی ترتیب میں ملحوظ رکھا ہے۔ فرق ترتیب ابوابی کارہ جاتا ہے۔ اگر  
ابوابی ترتیب قائم رکھتے ہوئے تمام احادیث کتب و رسائل آپ نے جمع کر دی ہیں تو اب ترتیب میں حرم غیر ضروری  
ہے ویسے ہی باقی رکھیں۔ اپنی فہم کو آخر حد تک پس ہونے کی۔ فی الحال اجازت دینا۔

محمد احمد مصباحی

۱۲ مارچ ۱۳۳۳ھ - ۲۴ مارچ ۱۹۹۳ء

☆☆☆

مولانا انور مولانا محمد جمال گمرانی (مقیم برطانیہ) زیت مکارم... سلام مسنون۔ مزاج گرامی؟  
آپ کے ساتھ خط کے مطابق رقم کی تقسیم اور کتابوں کی تقسیم عمل میں آجکی۔ ایک خط صحیح جاکوں جس میں آپ

کا حساب بھی ہو گا۔ ایک ضروری بات یہ بتانی ہے کہ مفتی عبدالقیوم برادر دیو خطہ جو حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا  
سردار احمد دہلوی سے دہا دیکھنے کے دہا دیکھنے اور معاصرہ کرنے ہیں۔ تنظیم المدارس اور جامعہ فقہیہ رضویہ لاہور کے ناظم بھی ہیں  
ان کی عمر ان میں رضافاؤنڈیشن سے جدید انداز میں فتویٰ رضویہ کی جلدیں برائی جاں فشانی کے ساتھ شائع ہو رہی ہیں۔ ہر  
جلد پر حوالوں کی تخریج، عربی، فارسی عبارتوں کے اردو ترجمے، وچ گراف پینٹنگ کے ساتھ کتابت پر مہرست، لہرست  
ساز و غیرہ کا کام ہوتا ہے۔ ہر کام ذمہ داری اور سلیکے سے ضابطے کے ساتھ کرتے ہیں بطر پهرت اور اشاعت کا مرحلہ  
آتا ہے۔ قریب ایک لاکھ روپے ایک جلد کو منظور کام پر لانا میں صرف جاتے ہیں، مگر کٹائی کی رفتار سست ہے۔ جو رقم لگتی  
ہے اس کے خالی ہونے میں بہت دیر لگتی ہے۔ جب کہ اگلا کام برادر جاری رہتا ہے۔ اہل خیر کی جانب سے مخلصانہ تعاون  
بھی کم نہ رہا۔ کام بڑا ہے۔ بے اسلے سوچتے ہوں گے کہ جو ہم نے دیا ہے، اسی سے اگلا کام بھی جاری رہے گا  
اور ان کا حال یہ ہے کہ ایک لاکھ کے قریب تو یک مشت لگ جاتا ہے وہ کب واپس نظر کا کوئی عہد نہیں۔ جو لکھتا ہے وہ  
بھی خود بخود ہوتا ہے۔

آپ نے کسی خط میں ذکر کیا تھا کہ بعض اہل غیر امام احمد رضا قدس سرہ کی کتابوں کی اشاعت کے لیے ہیکٹر ہزار  
روپے اور بعض پندرہ ہزار روپے تک دے سکتے ہیں۔ اگر ان کو اس طرف آپ متوجہ کر سکیں تو اچھا ہے، ہمارے  
یہی کام میں ابھی تک تسلسل اور نظم و ضبط نہیں جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ابھی فیض کی کوئی جگہ نہیں، نہ ہی اپنی  
لائبریری اور افراد، اس لیے تاخیر ہے۔ تعمیری کام بعونہ تعالیٰ جاری ہے۔ اس سلسلے میں آپ حضرات کی، خصوصاً  
آپ کی مخلصانہ توجہ اور ہمدردی باعث مسرت و تشکر ہے۔ رضافاؤنڈیشن کے لیے جو حضرات بڑا تعاون کر سکتے ہوں وہ  
بھی ملے۔ درمیان کے ان کا نام کتاب میں شائع ہو۔ مفتی صاحب کی صواب دینے پر چھوڑیں، وہ چاہیں تو دے سکتے ہیں۔  
یہ خالص دینی و علمی ادارہ ہے، شخصی و تجاری نہیں۔ چاہیں تو مرست بھی کریں۔ ذرا فٹ "رفاضاؤنڈیشن لاہور" حق  
کے ہوتا ہو گا۔ دریافت بھی کر سکتے ہیں۔ میرا ذکر کر دینا امید ہے کہ جواب کسی سے لکھاؤں گے یا خود لکھیں گے۔  
ان کی جانب سے میرے پاس کوئی اپیل نہیں آئی ہے مگر مجھے ضرورت کاظم ہوا اور یاد آیا کہ بھی آپ نے اس سلسلے میں  
مجھے نفع دیا اور میں نے یہ لکھا کہ بروقت کسی ایسی کتاب کا پر ورام نہیں اس لیے وہ تعاون نہ لیا جا۔ ان کے لیے  
کمال ایک جلد کا بھی انتظام ہو سکتا ہے ہوان کے لیے سہولت ہوگی اور کام میں تیزی آئے گی۔ عمر کے آخری دور سے  
نزد رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس سلسلے کی تکمیل بعد ہو جائے۔

خدا کرے آپ مع اہل و عیال بہ خیر و عافیت ہوں، علامہ قمر الزماں اعظمی سے پتہ موصول ہو جائیں تو میرے  
ذمہ بھیج دیں۔ کل دارالطباعہ کی بھی چھٹ لگ گئی۔ اس کے بعد صفائی اور پلاسٹر کا بھی ارادہ ہے۔ پھر اگلے حصے (دوسری  
جانب) پر ان شاء اللہ تعالیٰ تھانہ لگے گا۔ تائید ایڈی سے امید ہے کہ کام بہ حسن و خوبی جاری رہے گا۔ مولانا ناصر  
احمد صاحب، مولانا عبدالغفار صاحب، اسی طرح مولانا سلطان صاحب بڑی محنت کر رہے ہیں۔ تقریباً دو تہائی جلد آباد

خیر آباد سے آمد درست رکھتے ہیں۔ چھٹیوں میں رک بھی جاتے ہیں۔

دعا فرمائی کہ حصار رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں ادارہ مقبول ہو اور آپ سب معاونین اور ہم سب متعلقین کی خدمات بھی مقبول ہوں۔ حاجی آغا صاحب سے ملاقات کا اشتیاق ہے مگر دوری کی وجہ سے امت نہیں ہوتی۔ امتحان سائنس کی قریب ہے کچھ دوسرے کام بھی ہو رہے ہیں اس لیے سفر بھی مشکل ہے۔ علیٰ غرض صاحب و سہم کو امی۔

محمد احمد مصباحی

۳۱ رجب ۱۴۱۷ھ - ۱۵ نومبر ۱۹۹۶ء

☆☆☆

مکرمی الحاج محمد سعید لوری ..... سلام مسنون ..... مزاج گرامی؟

ماہ شعبان میں ملاقات کے بعد آپ کا ایک خط ملا تھا وہ بھی غالباً مولانا یونس اختر صاحب کی موجودگی کے باعث تحریر ہو گیا تھا۔ اب ماہ شوال کا اختتام ہے لیکن نہ کوئی خط آیا نہ جدا المستار آئی۔ کفیل القلیہ اور العقیدہ میں نے ارسال کی اس کی بھی رسید نہ ملی۔ جو عمل پر دگرماں مرتب ہوا ہے میں نہیں سمجھتا کہ اس طویل خاموشی اور بے تعلق کے ساتھ کیسے مکمل ہو سکے گا؟ میرا خیال ہے کہ مولانا ابھم رضا یا کسی اور عالم کا چند گھنٹے وقت اشاعت اور مراسلت کے سلسلے میں حاصل کریں تو امید ہے کہ کچھ تیزی آ سکے گی۔ اور اگر اب آدمی ہو جو مرثیہ، اردو کتابوں کی باقاعدہ تصحیح کرے، دہشت خوب، ورنہ تم از کم یہ کر سکتے کہ کتاب سے یا کمپیوٹر والے سے لین دین کرے یا سترجیک والے سے معاملہ رکھے، طبعیت کے لیے دہلی جا کر کام کر سکتے۔ بیٹنی میں ہو تو وہیں دیکھ بھال کرے۔ قابل احوال ہونا بہت ضروری ہے، ورنہ اب کرنا ہو گا کہ اپنے ممبروں یا خاص لوگوں میں سے ایک آدمی دہلی جا کر کاغذی خریداری، فلم کی تیاری، پریس سے معاملہ ہا سترجیک سے بات چیت کر کے آجائے اور جو آدمی رہے وہ دور کر وہاں کام مکمل کرائے۔ تنخواہ وغیرہ معقول ہو کر کسی دوسرے کام کے لالچ میں نہ پڑے۔ الغرض جب آپ لوگ اس قدر مصروف ہیں کہ آٹھ مہینے سے کتاب رکھی ہوئی ہے اور اس کا ایک صفحہ چھپانا اور جلد بندی کرانا کا پوسہ باہر ہے اور ایک خط لکھنا مشکل ہے تو کوئی مقابل حل نکلنا چاہیے۔ ورنہ جو پر دگرماں دو سال کے اندر کرنے کا طے ہوا ہے وہ تیس سال تک جا سکتا ہے جب کہ ہم لوگ قریب قریب چپے چپے ہوں گے۔

اسی حساب سے یہ بھی سوچیں کہ مسلک حق کی اشاعت، امام احمد رضا قدس سرہ کی شخصیت اور خدمات کا تعارف، ان کے عظیم مشن کی ترویج جو ہمارا اصل نشانہ ہے وہ کس قدر دور جا پڑے گا۔ جب کہ باطل جماعتوں کی تنگ وڈو اور ہمارے خلاف پروپیگنڈہ ہم بہت تیزی، بہت طاقت اور بہت عینکری کے ساتھ دنیا بھر میں جاری

ہے۔ سب کا جواب غریب نہیں دیا ہے اور کسی حکومت کی امداد اور طاقت کے بغیر دینا ہے۔ اس حوالہ میں ہمیں صحیح منصوبہ بندی اور برقی رفتار تیزی کی کس قدر ضرورت ہے؟ محتاج بیان نہیں۔ طرح طرح کی مصروفیات بتا کر ہم اپنے کو ادارہ اپنے ساتھیوں کو تسلی دے سکتے ہیں مگر کام کے تھانے اس سے پورے نہیں ہو سکتے اس کے لیے ہرجیز کا مناسب اور معقول حل نکال کر ہی چلنا ہو گا، بہت اور حکمت سے کام لیں۔ رب تعالیٰ کار ساز اور مددگار ہے، اسی سے امید اور اسی پر بھروسہ ہے۔ احباب کو سلام عرض ہے، خیر و عافیت کی تمناؤں کے ساتھ۔ والسلام..... [محمد احمد مصباحی غفرلہ، فیض العلوم محمد آباد، ۳۰ شوال ۱۴۱۵ھ]

☆☆☆

مزاج گرامی مولانا اعظم رضا الحاج محمد سعید لوری ... زیدت مکارم۔ سلام مسنون مزاج گرامی؟

آپ حضرات کے خلوص، نیک نیتی اور تحریک کی برکت کہ جو کام شروع ہوا تھا بھونہ تعالیٰ آن محسن ہو گیا۔ ۳۳ صفحات ارسال ہو چکے، ۵۷ مزید ارسال ہو رہے ہیں، کل ۱۰۰ صفحات ہو گئے جو ڈیڑھ دو سو صفحات میں آئیں گے۔ ۳۰۰ صفحات کی کتاب پر ان ۲۰۰ صفحات کو اگر تقدیم کے نام سے دیا جاتا تو بہت انجست نہائی کا سبب ہوتا اور خود مجھے بھی پسند نہ آیا اس لیے اس کو "حدوث الفتن و جہاد اعیان السنن" کے نام سے آخر میں مع ناسل بیچ کے شامل کیا جائے۔ الگ سے کتابی شکل میں بھی شائع کیا جا سکتا ہے ایسی صورت میں کم از کم تعارف صاحب معتقد و صاحب مستند ذیل کا پی نکلوا کر ایک معتقد کے ساتھ لکھے گی اور ایک الگ کتاب میں ہوگی۔ اس کا خرچہ چاہیں تو اجماع الاسلامی سے انتظام کیا جائے اور ناشر کی جگہ اجماع الاسلامی دے دیں۔ جیسی رائے ہو مطلع کریں۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ رضا اکیڈمی پر آپ لوگوں کے خفا کے خلاف کوئی بار ڈال جائے۔ کتاب بفضلہ تعالیٰ جامع ہوگئی، اس میں قدیم فرقوں کے بعد ہندوستان کے نوزائیدہ فرقوں کا خاصا تعارف آ گیا۔ پھر اہل سنت کی مسابہ اور ہر دور کے علماء کا اجتماعی تذکرہ بھی آ گیا جن کی مجموعی تعداد ایک سو چالیس ہوگی۔ ہندو ہیوں سے اعتقاد اور سنت کی اشاعت کے موضوع پر سوسے زیادہ احادیث کریمہ بھی آئیں، آثار و اقوال مزید برآں۔ کتابت اور تصحیح سے متعلق کچھ باتیں ویسے لکھ چکا ہوں وہ محفوظ رہیں۔ اگر کتابت "العقیدہ" کے ساتھ چھپے تو ناسل پر "العقیدہ والمعتد" کے ناموں کے بعد یہ اضافہ کر دیں: (میر ولی اندوئی دونوں پر ہو جائے تو بہتر ہے۔) [و یلیہما: حدوث الفتن و جہاد اعیان السنن] بقلم الأستاذ محمد أحمد المصباحی الأعظمی، عضو المجمع الإسلامی والأستاذ بالجامعة الاشرقیة میار کپور۔ خط کشیدہ حصہ دہی تو بھی چل سکتا ہے۔ ناسل بہت بھر جائے گا تو بھی اچھا نہ معلوم ہو گا۔ ہاں ایک دو بار بیچ کے بعد یہاں ضرور جمعیں، اس کے بعد ہی ناسل کا نکلوا لیں۔ مزید کیا لکھوں۔ مولیٰ تعالیٰ آپ حضرات کو اور مجھے بھی زیادہ سے زیادہ دینی و علمی خدمات کی توفیق بخشے اور قبول فرمائے۔ احباب کو سلام عرض ہے خصوصاً بابو بھائی، ایم ایم بھائی، رفیق بھائی، عارف بھائی حسن سلو وغیرہم کو سلام کہیں۔ مولیٰ تعالیٰ سب کو دارین کی سعادتوں سے

نواز سے اور ہر مشکل و پریشانی کو دور فرمائے۔ والسلام

تاجیر کا سبب یہ ہے کہ احادیث کے انتخاب اور سوانح عثمانی تلاش میں کم و بیش چار ہزار صفحات کی ورق گردانی اور مطالعہ کرتا ہوا۔ جب کہ تدریس کام بھی جاری ہے۔ کئی کئی بار رحمت بھی لی۔ تعلیمات بھی زیادہ تر اسی میں استعمال میں مگر جو وقت ملتا تھا نگ رہا، کچھ اپنی صحت کی کامیابی کا بھی دخل ہے۔ بہر حال ہو گیا اس پر رب کریم کا شکر ہے۔ امید کہ آپ وہ بھی معاف فرمائیں گے۔ میری وجہ سے آپ لوگوں کو کام روکنا پڑا اور انتظامی کام صحت پر بھی پڑی۔ [محمد احمد مصباحی ۲۵ جنوری ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۹۹۹ء]

☆☆☆☆

محترم مولانا ابوالحسن واحد رضوی! آستانہ عالیہ فیض آباد شریف، محمد نگر]۔ سلام مسنون

میرا آپ سے سابقہ کوئی تعارف نہیں، شاید یہ مولانا شاہد رضا کارستانی ہے کہ آپ نے اپنا تاجر نظر ثانی کے لیے ایک طالب علم کے پاس بھیج دیا۔ ترجمہ سے آپ کا علمی و فنی کمال عیاں ہے۔ اس مشکل نظم و دل کش اردو نثر کا چمک دینا آپ کی مہارت کی دلیل ہے۔ صوفی محمد ادا صاحب کے ترجمے کی کافی آغوش دہن اور ناصاف آئی کہ میں درجہ سطر بھی پڑھنے سے قاصر رہا۔ آپ کا ترجمہ دیکھتے ہوئے چند مقامات پر مجھے جو کچھ میں آیا وہ نیچے لکھ دیا۔ بعض جگہوں میں صرف بطور مشورہ کچھ لکھا ہے۔ پسند ہو تو لے لیں ورنہ ترک کر دیں۔ والسلام [محمد احمد مصباحی، نامہ تعلیمات، المذاہب لاہور، صدر کتب خانہ، پور، ضلع، قلم کوہ، پٹی، پٹنہ ۳۵/ رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ حسب رجب]

☆☆☆☆

فہم داران جامعہ اشرفیہ کے نام۔ سلام مسنون۔ مزاج گرامی؟

کلم جہادی آخر کو میں نے وعدہ کیا تھا کہ آپ کے ذریعہ کچھ جواب دے دوں گا اس لیے چند سطور خوش خدمت ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ تدریس خدمت میں سیکڑوں جیلہ علم معروف ہیں اور یہ کام بڑی حد تک پورا ہو رہا ہے لیکن تعریف و اشاعت کی لائن میں ابھی بہت زیادہ خد نظر آ رہا ہے جس کے باعث ایک جڑا پختہ ہمارے ہاتھوں سے نکلنا چاہا ہے اس لیے اب ہمارا طبع نظر ثانی اندر کر شعبہ بن گیا ہے اور تدریس سے تعلق بہت کم ضرورت ہے جو (یہ میری جلد کسی وقت بھی ختم ہو سکتا ہے۔ اصل نکتہ کو ایک ایسے اشاعتی و تصنیفی ادارے کی سخت ضرورت ہے جو ۲۵ سے ۵۰ افراد تک کے اسٹاف پر مشتمل ہو کر مختلف اصناف شعبہ میں سرگرم عمل ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ غالباً آپ لوگ مجھے ادب و دانش کے خانے پر فٹ کریں گے جب کہ اس سے میری دلچسپی برسوں پہلے ختم ہی قریب الختم ہو چکی ہے اب یہاں ادب و دانش کے اسباق مولوی محمد عارف اللہ فیضی کے سپرد کر دیے گئے وہ اسے بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ پھر جامعہ اشرفیہ میں ادب و دانش کے لیے دو مختص عالم عربہ دراز کا رہ چکے

ہیں اور انھوں نے اپنی بساط بھر بڑی محنت اور شوق سے کام کیا مگر جامعہ ہی کے قابل ذکر حلقہ کی جانب سے ملک بھر میں یہ نشر کیا گیا کہ دس برس رہے مگر ایک فرد بھی پیدا نہ کیا۔ اس الزام کو علمائوں کا تائید حاصل ہوئی کہ اس جگہ ان کے شاگردوں میں سے کوئی بھی بھانے کے قابل اب تک شہرہ نہ کیا گیا۔ اس طرح وہ الزام ایک حقیقت کی شکل میں آچکا ہے۔ میں سمجھتا ہوں دوسرا کوئی شخص بھی اس شعبہ میں جانے کا تو اس کا انجام بگلوں سے مختلف نہ ہو گا۔ اپنے سابقہ سارے رکارڈ کے وہاں پہنچ کر خراب ہونے یا کیے جانے کا بڑا خطرہ میرے بھی سامنے ہے۔۔۔۔ دوسرے معاملات اپنی جگہ ہیں۔

میں مجھ و تعالیٰ کبھی اس احساس سے خالی نہ رہا کہ اشرفیہ کا حق میرے اوپر دوسرے تمام اداروں سے زیادہ ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم جہاں کہیں بھی رہ کر جو بھی دینی و علمی کام کریں وہ اشرفیہ ہی کا کام ہے۔ اس کی تائیس کے وسیع منصوبے کی غامض درد و دیوار کے پائندہ نہیں بلکہ خطہ آرمی کو محیط ہیں۔ اب میرے خیالات و خطرات کو سامنے رکھتے ہوئے اور ان کا حل بتاتے ہوئے اگر آپ حضرات کا کچھ فرمان ہو تو بندہ عقل کے لیے حاضر ہے۔ واللہ المستعان و علیہ التکلیل۔ والسلام

محمد احمد مصباحی غفرلہ، محمد آباد گوہر

۶ جمادی الآخرہ ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۶ فروری ۱۹۸۶ء

☆☆☆☆

محترم مولانا فضل احمد چشتی لاہور۔ سلام مسنون

تقریباً ایک ماہ پہلے آپ نے فرمایا تھا کہ کچھ کاغذات بھیجتا ہے، اپنا ای میل بتا دیجیے۔ میں نے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا ای میل ایڈریس دے دیا۔ آپ نے کاغذات بھیجنے کے تقریباً دو ہفتے بعد اطلاع دی، اس وقت میں مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سینیٹر میں شرکت کے لیے ممبئی جا رہا تھا، اس لیے ای میل چیک نہ کر سکا۔ ۲۹ جنوری ۱۴۰۷ء کو اسی کے بعد یاد نہ آیا۔ آج ۵ فروری ۱۴۰۷ء کو آپ نے پھر یاد دہانی کی تو میں نے ڈاک نکلوائی، معلوم ہوا کہ یہ سوال نامہ دار الافاق کو وقت و وصولی پر سپرد کر دیا گیا تھا مگر اس پر نہ مرسل کا نام تھا، نہ مرسل ایڈ کا، نہ کوئی ای میل ایڈریس جس پر جواب ارسال ہو۔

میرا خیال تھا کہ یہ دوسری کتب سے متعلق آپ کے اشکالات پر مشتمل کاغذات ہوں گے مگر آج آپ کے بتانے، پھر خود دیکھنے کے بعد انکشاف ہوا کہ یہ کل ۱۳ صفحات ہیں۔

پہلا صفحہ ایک مجموعہ بررسالات و خطبات کا ناٹل جمع معلوم ہوتا ہے جس پر بعد تسمیہ یہ درج ہے:

تمکات عالمی مبلغ اسلام حضرت علامہ عبدالعلیم میرضی مدنی علیہ الرحمہ (خلیفہ علی حضرت امام احمد رضا

خبر بریلوئی عبد الرحیم (مرتبہ) محمد نعیم اللہ۔ خراسان قادری (بی ایس سی، بی ایڈ، ایم اے اردو، پنجابی، تاریخ)

ناشر: لطیفان مدینہ پبلیکیشنز جامع مسجد حررہ دکان کاسٹل ضلع گوجرانوالہ

ادھر ایک دوسرا ناسل بیچ ہے جس پر یہ عبارت درج ہے: کیونکہ کمالیہ کے کس طرح روکا جائے؟  
المعروف بہ کیونکہ کمالیہ کا توفیق: فضیلت آب مولانا شاہ محمد عبد العظیم صدیقی القادری، جسے فقیر تاج  
المدین قادری نوری ریاض ترمذی، ہندوستان نے انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا۔

اس کے بعد کیونکہ کمالیہ کے متعلق ایک خطبہ معصوم ہوتا ہے جو اردو میں ترجمہ شدہ ہے۔ صفحات نمبر ۵۳۸-۵۶۰ ہیں۔ غالباً یہ نمبرات پورے مجموعہ کتاب کے اعتبار سے لگے۔

مجموعہ ناسل کی پشت پر ایک سوال ہے۔ سائل کا نام، پتہ اس طرح درج ہے: السائل السید مراتب علی شاہ  
سید مدثر علی شاہ، مکان نمبر ۹۰ محلہ شاربہ کالونی، دفنی ٹاؤن، رابڑہ روڈ، تحصیل ضلع لاہور، پاکستان پتہ ۷۴۰۰۰  
محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

سوال میں سائل نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ:

”یہ اور اسی طرح کی دوسری کتابیں، تحریریں، تقریریں جو عبد العظیم میرٹھی کی طرف منسوب ہیں اور صریح یا  
کٹائی یا اشاری کفر یا زندقہ پر مشتمل ہیں۔“ الخ

بچوں کہ دعویٰ کا اثبات مدعی کے ذمہ ہوتا ہے اس لیے سائل مدعی سے مطالبہ ہے کہ مرحلہ ۲۵۳۸  
۵۶۰ میں مندرج: جو عبارتیں صریح کفر یا زندقہ پر مشتمل ہیں انہیں الگ کر کے لکھے اور ان کا کفر یا زندقہ ہونا دلائل  
شرعیہ سے واضح کرے۔ اسی طرح جو عبارتیں بطور اشارہ و کنایہ کفر یا زندقہ پر مشتمل ہیں انہیں الگ کر کے لکھے، اور  
اشارہ یا کنایہ کے طور پر ان کا کفر یا زندقہ ہونا دلائل شرعیہ سے واضح کرے۔ یہ لحاظ ضروری ہے کہ قائل کے کلام  
سے جو حقیقی ظاہر اور واضح ہے اسی کو بیان کیا جائے، اپنی طرف سے کچھ ملاوٹ کر کے زبردستی کوئی معنی ہرگز نہ پیدا کیا  
جائے۔ سائل کے اثبات دعویٰ کے بعد اس پر غور ہو گا اور آگے کوئی جواب دیا جاسکے گا۔

دولانافض احمد چشتی سے گزارش ہے کہ سائل مدعی تک میری یہ تحریر پہنچا دیں، میں خود ان سے کوئی شناسائی  
نہیں رکھتا۔ محض آپ کے قہارے کی وجہ سے یہ سطرں لکھ کر بھیج رہا ہوں۔ والسلام مع الاکرام

محمد احمد مصباحی

صدر ائمہ دین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور ضلع اعظم گڑھ، یوپی

تاریخ: یکم ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ / ۵ فروری ۲۰۱۱ء

مکرمی مولانا محمد عالم گیر مصباحی (استاذ دارالعلوم احقریہ جودھ پور)۔ سلام مسنون

مجس شرعی کے فوس سیمینار سے متعلق آپ کے جوابات موصول ہو گئے۔ حضرت مفتی شفاق حسین  
صاحب مدنی شیر محمد صاحب کی خدمات میں سلام عرض ہے، آپ سبھی حضرات سیمینار میں شرکت فرمائیں تو اچھا  
ہوگا، کوشش کریں کہ آپ کے علاوہ کم از کم مفتی شیر محمد صاحب ضرور آجائیں۔  
دیگر احوال عند تعالیٰ اچھے ہیں، قلیل کے دنوں میں مراسلت کا پتہ کیا ہوگا۔ مطلع کریں۔

والسلام

محمد احمد مصباحی

مجس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور

۳۴/۱۲/۲۰۱۲ء / ۳۱ نومبر ۱۹۹۹ء

☆☆☆

مکرمی مولانا محمد عالم گیر مصباحی۔ سلام مسنون

کتاب ”سیدنا عبدالوہاب جیلانی کا فن“ پانچ عدد ارسال سال کے چار پر نام لکھے ہوئے ہیں، باقی ایک آپ جسے  
چاہیں اسے لکھیں۔

حضرت مفتی اعظم راجہ جتھان کے نام جو کتاب ہے اس کے ساتھ حضرت کے نام ایک خط لکھی ہے، آپ دیکھ  
لیں اور کوشش کر کے حضرت کا موقف تحریری طور پر حاصل کر کے میرے پاس بھیجیں۔ اگر حضرت اس کی تائید کر  
دیتے ہیں تو یہ بڑی بات ہوگی۔ اس کے بعد آپ چاہیں گے تو مزید کتابیں ارسال کی جاسکتی ہیں۔ ہدیہ تیس روپے  
ہے۔ دس روپے میں غور و ادھی جاتی ہے، سو عدد آپ کے ذریعہ نکل جائے تو بہت اچھا۔

فدا کر کے آپ بعینت ہوں اور حضرت کی تائیدی راے لینے میں کامیاب ہو جائیں۔

حضرت اگر تائید کر دیں تو مفتی شیر محمد صاحب سے بھی تائیدی دست خط لے لیں آروہ تیار ہو جائیں۔

والسلام

محمد احمد مصباحی

۳۰/۱۲/۲۰۰۸

☆☆☆

عن محترم مولانا سید اکرام الحق مصباحی زیدت مدارکم سلام مستنون

الحمد الملقود من المصنف، رحمہ ہوا اس کے کئی نسخے آئے یہاں آنے سے قبل میں نے مطالعہ بھی کیا تھا مگر ہندوستان میں کہیں سے اس کی اشاعت نہ ہوئی، آپ حضرات کی کوششوں سے نہ صرف یہ کہ یہاں اس کی اشاعت عمل میں آئی بلکہ اس کا سلیس و عام فہم ترجمہ بھی ہو گیا، ترجمے میں آپ نے تحقیقی اور روانی کے ساتھ تفہیم عام کا خاص خیال رکھا ہے۔ اب علم، طب، عوام بھی کے لیے اس سے استفادہ آسان ہو گیا ہے۔ رب تعالیٰ آپ کو توفیق مزید سے نوازے۔ احباب کو سلام عرض ہے۔ خدا کرے کبھی مدرسن و طلبہ بخیر و عافیت ہوں اور دینی و علمی خدمات سے سرفراز و شاد کا۔ بھی۔

پس نوشت:

کچھ روزنگ میں کوشش کے بعد بھی کچھ غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ اگر کتاب بالاحتیاج پڑھنے کا موقع ملا تو جو غلطیاں نظر میں آجائیں گی نشان زد کر کے انشاء الموصی تعالیٰ مطلع کروں گا۔ امام عبدالرزاق کی عمر میں غالباً ۸۵ کو الٹ کر ۵۸ کر دیا ہے شاید آپ نے بھی دیکھا ہو۔

ایک نسخہ برائے تصحیح مخصوص کر لیں تاکہ جو غلطیاں میں اس نسخے میں نشان زد ہو جائیں اور آنکھ کبھی اشاعت کی باری آئے تو زیادہ محنت نہ کرنی پڑے۔

والسلام

محمد احمد مصباحی

۱۶ جمادی الآخرہ ۱۴۳۹ھ

☆☆☆

عنیری گرامی مولانا زاہد احمد صاحبی زیدت مدار حکم

سلام مستنون

تحقیقات ازہری کا مطالعہ کیا۔ آپ کی محنت و جستجو اور انداز تحقیق و تتبع سے دلی مسرت ہوئی۔ قلم بردار جاری رہے جو مزید ترقی کی امید ہے۔

۱۔ مولانا سید الحق مرحوم کی تحریروں پر تب کتابت قیدی مضمون غالباً ان کی حیات میں شائع ہو چکا تھا مگر زیر نظر مجموعے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کی شہادت کے بعد لکھا گیا ہے، اس لیے ازاول ۳ آخر ہر جگہ رحمہ اللہ وغیرہ لفظ ہیں۔ پھر بھی بعض جگہ یوں ہے کہ "مولانا جواب دیں"۔ اگر بعد کا ہے تو "مولانا جواب دیں" یا

اس طرح کا کوئی مطالب یا جملہ بعد وفات ہے چاہے اسے حذف ہونا چاہیے یا مناسب حال ترسیم ہونی چاہیے۔

۲۔ آپ نے ضابطہ یہ بتایا ہے کہ سندیں اگر کوئی راوی صدوق ہو تو حدیث حسن ہوگی مگر حدیث ما بین قبری و میری کی ایک سند میں دو صدوق ہونے کے باوجود اسے آپ نے صحیح الاسناد اور اس سے قبل کی سند میں ایک صدوق آنے پر اسے حسن الاسناد لکھا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کتاب کی غلطی ہو۔

سند میں کوئی صدوق راوی آجائے سند حدیث درجہ صحت لفظ سے فروتر ہو کر حسن ہو جاتی ہے۔ یہ ضابطہ کلیہ ہے یا اس میں کچھ استثنا بھی ہے؟

۳۔ اس سے قبل تبارک نماز و جماعت سے متعلق آپ کی کتاب دیکھی جس سے آپ کے جذبہ عمل اور عمل کے لیے لوگوں کو بیدار کرنے کی لگن کا احساس ہوا۔ یہ وصف ہر عام زمین میں ہونا چاہیے۔

آپ برابر لکھتے رہیں تو زبان میں مزید تحقیقی اور برحق پیدا ہو سکتی ہے جب مخاطب عوام ہوں تو گفت بیاں، شکوہ الفاظ اور سوز دردوں کی بے تکلف جھلک سے تاثیر میں زبردست اضافہ ہو جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی محنت بہت جلد یہ رنگ بھی پیدا کر سکتی ہے۔

۴۔ دونوں کتابیں دیکھتے وقت جہاں زبان یا کچھ رنگ کی خامی نظر آئی وہاں میں نے نشان لگا دیا ہے تاکہ اگلی اشاعت میں ان کو، اور بخیر پڑھنے پر مزید جو ملے سب کو، درست کر دیں۔ میرا خیال ہے کہ ایک ایک نسخہ آپ نے جمع کے لیے الگ کر رکھا ہوگا، اسی پر میرے نشانات بھی نقل کر لیں تاکہ ساری تصحیحات ایک نسخے میں یکجا رہیں۔

کچھ قائل تو یہ باتیں ذہن میں آئیں، انہیں ذیل میں دیکھیں:

(۱) خواص کی طرح لفظ عوام بھی مذکر ہے (یعنی جمع مذکر)۔

(۲) فعل متعدي کا مفعول جب علامت مفعول کے بغیر ہو تو فعل کی تذکیر و تانیث مفعول کے لحاظ سے ہوگی اور جب علامت مفعول آجائے تو فعل واحد مذکر ہوگا۔

(۳) مصدر کبھی مفرد ہوتا ہے کبھی دوسرے لفظ سے ملا کر ہوا مصدر مانا جاتا ہے۔ اس جیسے لکھنا پڑھنا دوم جیسے بیان کرنا، روایت کرنا، اس میں قدرے فرق اور تفصیل بھی ہے جو اساتذہ کی تحریروں میں غور کرنے سے معلوم ہو جائے گی۔

(۴) اردو میں دعا، شہادہ، قضاء، اعتقاد وغیرہ کا امل بغیر ہمزہ کے ہے۔ لیے، دیے، کیے کا رائج املاتی کے ساتھ ہے۔ نثری تحریر میں یا اسے اضافت سے متعلق میرا رجحان یہ ہے کہ بغیر ہمزہ کے ہو شے خدا۔



معاذے دین، اسی طرح اولیائے کرام، عکدے عظام۔ نظم سے متعلق یہ خیال ہے کہ جہاں تخلیق میں دو حرف آئیں وہاں سے پہلے ہمزہ لکھا جائے اور جہاں ایک حرف ہو وہاں صرف سے لکھی جائے۔ بعض لوگ مشروطہ میں ہر جگہ حذف ہمزہ کے قائل ہیں اور بعض ہر جگہ سے پہلے ہمزہ لکھنے پر مذکور دوسرے ہیں۔ (۵) یہی راے یہ ہے کہ "آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" کی جگہ "حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" یا "طرح کے الفاظ (سرکار، آقا، ہمارے نبی، اللہ کے رسول وغیرہ) لکھنا، بولنا چاہیے۔ میں نے اپنے بزرگوں کے کام میں "آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" نہ لکھا۔ غالب تبلیغیوں، دیوبندیوں اور کم سوار اور دو ٹکڑوں کی طرف سے اس کی ابتدا بھی کر اپنے نوک بھی اس میں جھکا ہو گئے۔

(۶) اردو میں معنی کو اصل زبان بکسر نوں بولتے اور جمع استعمال کرتے ہیں۔ اس لفظ کے معنی یہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تحریروں میں بھی اس لفظ کا استعمال آپ کو بطور جمع ہی ملے گا۔ ہم لوگوں کی خالص اردو ترکیبوں میں اگر یہ بطور واحد استعمال ہو تو وہ قائل اصلاح ہے۔

یہ خط ابھی بھیجے نہ تھا تاکہ رفع المارہ کا ترجمہ دیکھنا شروع کر دیا۔ اس میں آپ کی کاوش، عربی زبان کی اردو میں خاطر خواہ تعلیم، فنی ترجمہ کی بجائے سہل، آسان اور شستہ زبان میں مطالب کو بیان کرنے کی کوشش بہت پسند آئی۔ خود کتاب بھی اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ احادیث توسل پر جدید مبتدعین کے اعتراضات اور تلبیسات کا محمد ثناء اور ابراہان چاٹھ لیا گیا ہے جو حقہ کی دیکھ دو، وسیع انظر اور علوم حدیث کے تجربہ کی شان ہے۔ اسے اردو کا جامہ پہنا کر آپ نے ایک فنی معنی ذخیرے سے اپنے علماء، طلباء اور عوام کو مستفید ہونے کا موقع فراہم کیا ہے۔ غیروں کی کتابیں نہ کہ ہندی ہم مذہب بڑی تیزی سے اردو میں بھی عام کر رہے ہیں، لہذا حالت میں ضروری ہے کہ ان کے جواب میں اہل سنت کی جو معیاری و بلند پایہ نگارشات ہیں انہیں بھی اردو میں عام کیا جائے۔ فجز انک اللہ احسن الجراء، و زادک علما و عملا، و یسر لک نشر الدین و العلم و ما یرضی بہ اللہ جل و علا و رسولہ المحتجی المرتضیٰ علیہ و علی آلہ و صحبہ الصلاۃ والسلام۔

اس کتاب میں بھی میں نے زبان اور مذہب کی غایوں پر نشانات لگا دیے ہیں جو آپ دیکھ کر اپنے فتنے میں نقل کر لیں گے اور بہت سارے نشانات آپ خود بھی لکھ چکے ہوں گے۔ کچھ اور باتیں بھی ذہن میں آ رہی

میں جنہیں وقت ملاقات ذکر کرتا، مگر معلوم نہیں کب ملاقات ہو اور جو تو فرمت رہے یا نہ رہے، اور فرصت بھی رہے تو ساری باتیں یاد آئیں یا نہ آئیں۔ اس لیے کچھ اشارات لکھ دیتا ہوں، جہاں ضرورت محسوس کریں وقت ملاقات مجھ سے تفصیل راسخے ہیں۔

① بد مذہب قابل تحقیر ہوتا ہے خصوصاً وہ جو اپنی بد مذہبی کا دلی و مبلغ، ضال مضل ہو۔ اور کلمہ حرم "رحمہ اللہ" (غیرہ سے اس کی توفیر ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے: "من قرأ صاحب بدعة فقد أهدى أعمال علی ہدم الإسلام"۔ اگر کسی کے کلام میں بد مذہب کے لیے ایسا کلمہ استعمال ہو تو منکر ہے جسے مٹانا چاہیے، نہ کہ مزید زحمت اور پھیلاتا۔

خصوصاً دیوبندی مانا جو عرب میں اپنے کو سنی و صوفی سے متعارف کراتے ہیں اور بہت سے عرب سنی ان سے حقائق غلط فہمی کے شکار ہیں مگر ہر صغیر کے سنی علما ان کو اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں اور ان کی تکفیر کلامی سے واقف ہیں۔

② آپ نے کتاب کی تسبیل میں بڑی کوشش کی ہے۔ بعض مقامات پر تھوڑے تعریف میں مزید آسانی پیدا ہو سکتی ہے۔ مثلاً ص ۳۶ پر ایک حدیث ذکر کر کے اس کے دیگر تخریج کرنے والوں کی فہرست ہے۔ اسے یوں لکھا جا سکتا ہے:

حدیث مذکور کی تخریج گزشتہ دالے دیگر محرش:

۱. امام احمد رحمہ اللہ کتاب: مسند ۳/۵۰۰، ۲۷۴/۳ فضائل الصحابہ ۳۹/۱
۲. ابوداؤد سنن ۳۸/۳
۳. ترمذی سنن جیسا کہ حنفیہ ۱۱/۱۰۱-۱۳۲ میں ہے۔
۴. ابن ماجہ سنن ۳۷/۱
۵. حمیدی سنن المستخرج ۳۳۳/۲
۶. عبد بن حمید سنن التتیب ۱۷۰
۷. ابویعلیٰ موسلی مسند ۳۶۹/۲-۳۰۰
۸. ابن ابی عامر سنن السنۃ ۶۱۶/۲
۹. خلیف بن سلیمان طرابلسی جزء الفضائل ۲۰۰
۱۰. علی بن الجعد مسند ۲۵۹، ۲۵۸، ۲۵۷، ۲۵۶، ۲۵۵، ۲۵۴، ۲۵۳، ۲۵۲، ۲۵۱، ۲۵۰، ۲۴۹، ۲۴۸، ۲۴۷، ۲۴۶، ۲۴۵، ۲۴۴، ۲۴۳، ۲۴۲، ۲۴۱، ۲۴۰، ۲۳۹، ۲۳۸، ۲۳۷، ۲۳۶، ۲۳۵، ۲۳۴، ۲۳۳، ۲۳۲، ۲۳۱، ۲۳۰، ۲۲۹، ۲۲۸، ۲۲۷، ۲۲۶، ۲۲۵، ۲۲۴، ۲۲۳، ۲۲۲، ۲۲۱، ۲۲۰، ۲۱۹، ۲۱۸، ۲۱۷، ۲۱۶، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۱۲، ۲۱۱، ۲۱۰، ۲۰۹، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۴، ۲۰۳، ۲۰۲، ۲۰۱، ۲۰۰، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۶، ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۸۵، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱

اس طرح کے مقامات کتاب میں بہت ہیں، ہمیشہ نظر انداز میں لکھنے سے قارئین کے لیے فہم اور ضبط

میں آسانی ہے۔

۳) کئی جگہ مند بزار بحوالہ کشف الاستار جیسے الفاظ ہیں۔ اس تعبیر سے یہ خیال ہو سکتا ہے کہ بزار نے کشف الاستار کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ جب کہ مراد یہ ہے کہ بزار نے تخریج کی ہے اور صاحب کشف الاستار نے اس کا حوالہ دیا ہے اس لیے اس طرح کی تعبیر ہونی چاہیے۔ یہ مند بزار میں ہے جیسا کہ کشف الاستار میں مذکور ہے یا جیسا کہ صاحب کشف الاستار نے بتایا یا حسب بیان کشف الاستار۔

○ میرا خیال ہے کہ یہ کتاب بار بار اشاعت کے قابل ہے، اس لیے اس کی مزید تہذیب و تحسین جو قہوری محنت سے ہو سکتی ہے وہ کر دی جائے۔ اور اشاعت جاری رہے۔ پھر اس کی عمدہ تصنیف اور اس کی بکثرت اشاعت بھی ہوتی رہے تو عام لوگوں کے لیے یہ بھی بہت مفید ہے۔

بہر حال میں ان علمی دینی کاوشوں پر آپ کو مبارک باد و تاجا ہوں اور مزید کی امید رکھتا ہوں۔ واللہ ولی التوفیق و الإنعام۔

محمد احمد مصباحی

۱۱/ رجب ۱۴۳۶ھ

یکم مئی ۲۰۱۵ء - جد

☆☆☆

مکرمی..... سلام مسنون

مفصل خط ملا۔ آپ حضرات کا دینی و دعوئی شعور قابل تحسین ہے۔ اخلاص و محنت کے ساتھ کام کرنے والے میدان میں ان آئیں تو کوئی زمین خنجر اور نا قابل تعبیر نہیں۔ تدبیر و حکمت، حزم و احتیاط، دور اندیشی اور صحیح منصوبہ بندی ضروری ہے۔ اسلامی اکیڈمی تو اچھا نام ہے اسے شائع بھی قرار دے سکتے ہیں۔ اجالا کی طبعات (دو ہزار) اسی کاغذ پر ہو جس پر ہمارے یہاں سے پہلے شائع ہوئی ہے تو چار ہزار روپے کا تخمینہ ہے۔ یہ رقم آپ اجمع الاسلامی، اسٹینٹ بینک آف انڈیا، محمد آباد گویند، برانچ نمبر ۱۱۳۸ کا ڈرافٹ بخوا کر بھیج سکتے ہیں۔ بعد طبع پارسل آپ کے پتہ پر بک کر دیا جائے گا اور حساب بھی ارسال ہوگا، جو کی پیشی ہوگی اس کا حساب بعد میں ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ اشاعت مسلک اور تعارف سنت کے لیے حسب ذیل کتابیں پچھلانی کی ضرورت ہے۔ چند کتبے قائم ہو جائیں تو ان کے ذریعہ یہ کام ہوتا رہے گا۔ مولانا انوار اللہ صاحب حیدر آبادی کی کتاب "انوار احمدی" ماہر شہد القادی نے نئے انداز میں مرتب کی ہے جام نور بکڈ شو دہلی سے شائع ہو گئی ہے۔ جنوب

میں اسے عام کرنے کی ضرورت ہے۔ عقائد علمائے دیوبند بھی مفید ہوگی، اس لیے کہ ادھر بہت سے لوگ مسلک دیوبند سے واقف نہیں۔ [۲۵ اگست ۱۹۹۰ء]

☆☆☆

مکرمی..... سلام مسنون..... مزاج کرامی؟

سنی علما اور سنی شعرا کی تاریخ مرتب ہونی بہت ضروری ہے۔ اس کا احساس آپ کو بھی ہو گا۔ پاکستان کے اہل قلم نے اس میدان میں نمایاں پیش قدمی کی ہے۔ ۱۳۰۰ھ میں معاصر علمائے اہل سنت پاکستان کی مختصر تاریخ "تعارف علمائے اہل سنت" کے نام سے شائع ہوئی۔ اہل سنت کی تیرہویں، چودہویں صدی کی تصانیف کی فہرست "مرآۃ التناہیف" قریباً ساڑھے چھ ہزار کتابوں کے اجمالی تذکرہ پر مشتمل سال مذکور میں لاہور سے شائع ہوئی۔ لیکن ہمارے یہاں ابھی وہی ریت ہے۔ زبانی زیادہ، قلمی کم، بلکہ کالعدم۔ ادھر حکیم محمد موسیٰ امرتسری، مولانا عبدالعظیم شرف قادری اور مولانا تاجا بلش قصوری وغیرہم کی تحریک پر راجا رشید محمود نعت گو شعرا کی تاریخ مرتب کر رہے ہیں۔ معاصر شعرا کے حالات کے لیے تاجا بلش قصوری صاحب نے راقم حروف کو لکھا ہے۔ لیکن آپ حضرات کی تاریخ اور احوال ہیں کہاں جو میں ارسال کروں؟ عرض یہ ہے کہ اپنے متعلق اور اپنے پسندیدہ نعت گو شعرا کے متعلق جو مواد بہ سہولت فراہم کر سکیں درج ذیل پتہ پر ارسال فرمائیں، اگر اس میں زحمت ہو تو میرے پاس دستی یا ڈاک سے بھیجیں تاکہ میں وہاں ارسال کروں۔ مجموعہ کلام بھی ہو تو اچھا ہے ورنہ نمونہ ضرور ہو۔ [۲۷ رجب المبارک ۱۴۰۶ھ]

(پتہ: مولانا محمد شتا تاجا بلش قصوری، استاذ جامعہ نظامیہ رضویہ، لوہاری منڈی (لاہور)

## شہر مہدی کے ایک پرجوش قلم کار کے نام

کرم فرمائیے بندہ..... زیت تہنہ..... سلام مستنون

ایک کتبچہ اور مراسلہ آپ کا موصول ہوا تھا جس میں اختر سے آپ نے "غوث الوری" کا ادارہ مستقل لکھنے کی فرمائش کی تھی، ابھی اس کا جواب بھی نہ لکھ سکا تھا کہ دوسرا کرم نامہ پیش نظر ہے جس میں آپ نے "تاریخ اسلام" کا مستقل عنوان قائم کے سپرد کیا ہے۔ اسی طرح سالانہ افکار وغیرہ کی مستقل عنوانات مختلف اہل قلم کے اسماء گرامی کے ساتھ آپ نے تحریر فرمائے ہیں۔ اگر یہ تمام اہل قلم انبساط کے ساتھ آپ سے حتیٰ وعدہ ہر ماہ اپنا مضمون بھیجتے سے متعلق کر لیں تو بھی میں نہیں سمجھتا کہ پابندی وقت کے ساتھ آپ کو ہر ماہ مضامین موصول ہو جایا کریں گے کیوں کہ ہر شخص کے ساتھ ذاتی مصروفیات اور ذمہ داریاں ہی اس قدر ہیں جن کا پورا کرنا اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے جب کہ وہ ان کی اصل ذمہ داریاں فرض و ردی کی ہیں اور آپ کی تنویض ذمہ داری بمزنا نظر۔ جب کہ مضامین کا ذخیرہ مرتب کے پاس موجود رہتا اور اس ضروری ہے۔ دراصل سے متعلق میں نے عزیز گرامی مولانا عبدالرحیم برہنگی کو اپنے خیالات تفصیلاً لکھے تھے، وہ خطا شاید ان کے ساتھ ہی رہ گیا ہو اور دوسرے کی نظر بھی نہ پڑی ہو۔ میں اپنے خیالات از سر نو آپ کو لکھتا ہوں، ان کی روشنی میں آپ کام کریں تو کامیابی یقینی ہے:

(۱) جتنے بھی مستقل عنوانات آپ حقیقین کریں وہ آپ خود لکھیں اور ہرگز کسی باہر اور دور کے آدمی پر رسالہ کا کوئی عنوان نہ رکھیں۔ ورنہ آپ کا بہت سا وقت مراسلت میں ہی برباد ہو جائے گا اور آخر میں بہت ہار جائیں گے۔ جب کہ یہی وقت آپ خود لکھنے میں صرف کریں تو کامیاب رہیں گے۔

(۲) ضروری نہیں کہ آپ ہر ماہ تازہ مضامین خود لکھیں، بلکہ اپنے متعین عنوانات کے مناسب کتابوں سے اقتذ کر کے صاحب کتاب کا نام بشکل مضمون نگار لکھ کر رسالے میں پیش کریں۔ ڈائجسٹ والے برابر یہی کر رہے ہیں اور وعدہ سے شائع ہونے والا "البعث الاسلامی" ان کے حلقے میں اہل قلم کی کثرت کے باوجود زیادہ تر اقتباس شدہ عربی مضامین پر مشتمل ہوتا ہے اور قارئین کو محسوس بھی نہیں ہوتا کہ یہ مضامین اس رسالے کے لیے لکھے گئے ہیں یا کسی کتاب سے لیے گئے۔

(۳) اس صورت میں آپ کے پاس ایک متوسط قسم کی انگریزی ہونا ضروری ہے۔ تاکہ ہر مضمون پر آپ کو مطلوبہ مواد مل سکے۔

(۴) رسالہ کی کتابت، طباعت، ترسیل، توسیع اشاعت، حساب کتاب کے لیے آپ دو تین آدمی رکھیں اور خود صرف ہدایات دیں اور نگرانی کریں ورنہ ترتیب کام آپ سے نہ ہو جائے گا۔ صحیح کتابت خود کریں البتہ سخت ضرورت کے قضا نظر آپ موقع نکال کر ان کا تعاون کر دیا کریں۔ یہاں تک کہ وہ مکمل غریب ہو جائیں۔

(۵) پچھتر خریدار بنانے کے بجائے زیادہ ایکٹو بنانے کی کوشش کریں اس سے دو فائدے ہوں گے ایک تو تبلیغ کے پتے کم رہیں گے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ایکٹوئوں کو رسالے کی وجہ دی ملی جائیں گے تو انہیں موصول ہوں

گے جب کہ پچھتر خریداروں کے رسالے زیادہ تر شائع ہو جاتے ہیں اور شکایتی خطوط کا انبار لگ جاتا ہے۔ دو بارہ و سہ بارہ کیجئے کہ بعض خریدار محروم رہ جاتے ہیں اور گھر گھر صاحبان سے پتے لکھنے میں بھی بڑی غلطیاں واقع ہوتی ہیں۔ پھر ڈاک دہلوں کے پڑھنے، پہنچانے، قصد اشاعت کرنے، ردی پر پہنچنے کی غلطیاں اور غیبتیں اس سب پر مستزاد ہیں۔

(۶) البتہ مقامی حضرات کو پچھتر خریدار ضرور بتائیں اور ان کے پاس ہر ماہ آپ کا آدمی ایک دن مونسٹر سائیکل یا کسی اور سواری سے تمام رسالے گھوم کر پہنچا دیا کرے۔

(۷) رسالہ کی اشاعت کم از کم پانچ ہزار ہونی ضروری ہے ورنہ اخراجات کا کلنا مشکل ہوگا۔ بہت سے خریدار یا لکھت نوٹ جاتے ہیں، ان کے جوڑے اور ان کے متبادل پیدا کرنے پر بھی براہ نظر رہنی چاہیے۔

(۸) ضروری ہے کہ رسالہ ہر ماہ کے اندر ہی ختم ہو جایا کرے کیوں کہ موقوفی اور بیعادی نام کی چیزیں کو وقت گزرنے کے بعد کارزار فرشتہ چمک کر لیا جاتا ہے اور پیش قیمت ہونے کے باوجود وہ بے قیمت بن جاتی ہیں۔

(۹) ایکٹوئوں کو استاذت ملنا چاہیے کہ وہ رسالہ ہر ماہ کے نصف اول میں نکال لائیں ورنہ وہ رقم غالی نہ کر سکے تو بقایا چلا تا شروع کر دیں گے اور نوبت بندی معاملت تک پہنچیں جس کا اثر ادارہ کی مالیات پر پڑے گا۔

(۱۰) مضامین اور کتابت طباعت میں دلکشی لاتی ہوئی چاہیے کہ آدمی دیکھتے ہی خریدنے پر اپنے کو مجبور پائے اور ہر ماہ اس کے لیے بے قرار رہے۔ ایسا ہوا تو کبھی رسالہ رکھنا نہیں رہے گا۔ ہر لکھت کے پاس سے نکلتا ہی چلا جائے گا اور کامیابی آپ کی قسمت ہوگی۔

(۱۱) باقاعدہ اشتہارات رسالے کو خود کفیل بنائے، آگے بڑھانے اور کارکنوں کا اضافہ کرنے میں بہت زیادہ معاون ہو سکتے ہیں اور یہ بھی ان کی دنیا میں آسان ہے۔

جن تجربات اور خیالات کے پیش نظر میں نے یہ مشورے رقم کیے ہیں ان کی تفصیل زیادہ صفحات کی متقاضی ہے اور بہت سی باتوں سے آپ خود واقف ہیں اور خود کر کے پائی کہ تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔ میرا مقصود حوصلہ شکنی نہیں بلکہ حوصلہ افزائی ہے مگر ایسی حوصلہ افزائی کا قائل نہیں جو صرف لفظوں تک محدود ہو اور وقتی خوش دلی کے سوا دائمی حادہ دینی کی عطیات نہ کر سکے۔

نویس مسرت میں آپ کے نام کے ساتھ "ملکر اسلام" لگا ہوا ہے، کچھ دنوں بعد لوگ مولانا، علامہ بھی لکھنا شروع کریں گے، مزید غلطیات کی بھی توقع ہے۔ یہ ایک مرض ہے جو ہماری جماعت کے عوام اور علما کو کھائے جا رہا ہے۔ اس بیماری کے سارے جزائش سے اپنے کو ہر طرح بچانے کی تدبیر کریں، خمیر چیلے کو طاعت کرتا ہے، لیکن سنا سکر جب اسے مراد کر دیا جاتا ہے تو پھر ان القاب کے بغیر راضی نہیں ہوتا۔

کاش کوئی آدمی محترم اصغر حسین طیب صاحب کو ان سب باتوں کے پس منظر و پیش منظر سے آگاہ کرتے ہوئے کام پر متوجہ کرے جو پائیدار اور کامیاب ہو۔ آپ خود اعتمادی پیدا کریں اور، ہرگز یہ تصور بھی نہ کریں کہ دور والے مستقل

طور پر آپ کا ساتھ دیجے رہیں گے، ان کے بھروسے پر آپ رہے تو خود وہ اور ان کے ساتھ بہت سے اور، آپ کے ڈوبنے کے تماشاکی تو بن سکتے ہیں آپ کی دشگیری نہیں کر سکتے۔ مرحوم رسالوں کی تعداد میں ایک کا اضافہ کرنے سے قبل ہی وہ کام کر لینا ضروری ہے جو رسالے کو ہمیشہ زندہ و تابندہ رکھے۔

والسلام... [خیر اندیش: محمد احمد مصباحی غفرلہ، یکم جون ۱۹۸۶ء]

☆☆☆



## علامہ محمد احمد مصباحی۔ احوال و افکار

مصنف: توفیق احسن برکاتی

صفحہ: ۵۶۰ قیمت: ۴۰۰ روپے

ملنے کا پتہ: المجمع الاسلامی، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ

اس کتاب میں صدر العلماء علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی کے گوشہ ہائے زندگی پر بڑی دیانت داری اور ذمہ داری کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے، پوری کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے:

(۱) باب اول: جامعہ اشرفیہ کا علمی اور ادبی ماحول (۲) باب دوم: صدر العلماء احوال و آثار (۳) باب سوم: علمی اور قلمی یادگاریں (۴) باب چہارم: کتابوں کا تجزیاتی مطالعہ (۵) باب پنجم: افکار عالیہ

باب اول کے تحت مدرسہ اشرفیہ سے لے کر دارالعلوم اشرفیہ اور الجامعہ اشرفیہ یعنی آج تک کے علمی اور ادبی ماحول کا مرحلہ وار تاریخی جائزہ پیش کیا گیا ہے، یہ باب انتالیس ذیلی سرخیوں پر مشتمل ہے، جس میں تاریخ اشرفیہ کا پورا علمی منظر نامہ ادبی و تحقیقی اسلوب میں پیش کیا گیا ہے۔ باب دوم سارے ابواب سے ضخیم ہے، اس میں حضرت صدر العلماء دام ظلہ العالی کی پیدائش، نشو و نما، تعلیم و تربیت، خاندانی پس منظر، تدریس، تصنیف، تقریر، نشر نگاری، علمی تبحر، اسلوب نگارش، مکتوب نگاری، علما و مشائخ سے روابط، اشرفیہ کے فروغ و ترقی میں سعی پیہم، عادات و اخلاق اور اوصاف حمیدہ جیسے پچاس عنوانات پر گفتگو کی گئی ہے۔ یہ ساری باتیں براہ راست حضرت صدر العلماء کے کتب و رسائل، مکتوبات و مقالات اور گہرے مشاہدات کی روشنی میں لکھی گئی ہیں۔ باب سوم میں مؤلف نے حضرت صدر العلماء کی اب تک کی تمام تصنیفات، تراجم، تحقیقات اور رسائل کی تفصیل باعتبار سنین اشاعت پیش کی ہے۔ باب چہارم صاحب تذکرہ کی پندرہ کتابوں کے تفصیلی جائزے اور تبصرے پر مبنی ہے۔ یہ جائزہ بڑی باریک بینی سے لیا گیا ہے، مندرجات کے تعارف میں موصوف نے سوجھ بوجھ اور زیر کی سے کام لیا ہے، قلم کی چغٹکی نے جائزے کو پر مغز اور قابل اعتبار بنا دیا ہے۔ باب پنجم میں حضرت صدر العلماء کے کچھ افکار عالیہ جمع کیے گئے ہیں۔ یہ افکار انسان کی زندگی کے مختلف گوشوں میں رہ نما ثابت ہوں گے اور طلب علم کی راہ میں آنے والی دشواریوں کا حل پیش کریں گے۔ یہ کتاب ہر خاص و عام کے لیے مفید ہے، امید ہے کہ اہل ذوق استفادہ کریں گے۔

اختر حسین فیضی مصباحی

۲۶ نومبر ۲۰۲۱ء